مجموعہ علومِ قرآن

تالیف

نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ

(۱۸۳۲ء — ۱۸۹۰ء)

تسہیل و تخریج

حافظ عبداللہ سلیم

حافظ شاہد محمود

www.KitaboSunnat.com

دار ابی الطیب

للنشر والتوزیع

مجموعہ علومِ قرآن

تالیف

نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ

(۱۸۳۲ء — ۱۸۹۰ء)

تسہیل و تخریج

حافظ عبداللہ سلیم — حافظ شاہد محمود

کمپوزنگ .... ابوسفیان عزیزی 0321-6487621

طبع اول .... مارچ 2014ء

تعداد 1100

قیمت ....

دار ابی الطیب للنشر والتوزیع

گل روڈ، حمید کالونی، گلی نمبر 5 گوجرانوالہ۔ فون 0321-6466422 / 055-3823990

نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ
(۱۸۳۲ء - ۱۸۹۰ء)

فہرست

تذكير الكل بتفسير الفاتحة وأربع قل

إفادة الشيوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ

باب اوّل:

باب دوم:

إكسير في أصول التفسير

مقصدِ اول:

پہلا باب:

دوسرا باب:

تیسرا باب:

چوتھا باب:

پانچواں باب:

چھٹا باب:

ساتواں باب:

مقصدِ دوم:

خاتمہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمة التحقیق

بحمد اللہ تعالیٰ قارئینِ کرام کی خدمت میں امام العصر نواب محمد صدیق حسن خان قنوجی رحمہ اللہ کی مولفات کا دوسرا مجموعہ پیش کیا جا رہا ہے۔ قبل ازیں حضرت نواب صاحب رحمہ اللہ کی عقیدے سے متعلق پندرہ کتب و رسائل کا مجموعہ ''مجموعہ رسائلِ عقیدہ'' کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ والحمد للہ علی ذلک.

زیرِ نظر کتاب ''مجموعہ علومِ قرآن'' میں والا جاہ نواب صدیق حسن خان قنوجی رحمہ اللہ کے وہ چار رسائل اور کتب شامل ہیں، جو انھوں نے خدمتِ قرآن کے سلسلے میں اردو اور فارسی زبان میں رقم کیں۔ مجموعی اعتبار سے حضرت نواب صاحب رحمہ اللہ نے قرآنِ مجید کے متعلق سات کتب تالیف کی ہیں، جن میں سے دو عربی میں، دو فارسی میں اور تین کتب اردو میں ہیں۔

ذیل میں ان مولفات کا مختصر تعارف پیشِ خدمت ہے:

① فتح البیان في مقاصد القرآن:

یہ مکمل قرآنِ مجید کی تفسیر ہے، جو عربی زبان میں ہے۔ اس تفسیر میں الفاظِ قرآن کی لغوی تشریح، نحوی و صرفی تحقیق، اعجازِ قرآن اور فصاحت و بلاغت کے ہر پہلو کو نمایاں کرتے ہوئے اسماے سور کی تشریح، وجہ تسمیہ اور اسبابِ نزول انتہائی بسط کے ساتھ تحریر ہیں اور صحیح احادیث کو مدِنظر رکھ کر قرآنی معانی و مطالب کی توضیح کی گئی ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ مولف رحمہ اللہ کی نگرانی میں بھوپال سے چار جلدوں میں شائع ہوئی تھی۔ پھر مولف رحمہ اللہ نے اس میں مزید اضافے کیے اور اسے مصر سے دس جلدوں میں مطبعہ منیریہ (بولاق مصر) سے ۱۳۰۰ھ میں طبع کروایا۔[1] بعد ازاں اسے مکتبہ عصریہ (بیروت، لبنان) نے ادارہ احیاء التراث الاسلامی، قطر اور ادارہ شؤون اسلامیہ (وزارتِ اوقاف) قطر کے تعاون سے پندرہ جلدوں میں شائع کیا۔

① جماعتِ اہل حدیث کی تصنیفی خدمات (ص: ۱۰)

② نيل المرام من تفسير آيات الأحكام:

یہ کتاب بھی عربی زبان میں ہے اور اس میں قرآن مجید کی ۲۳۶ آیات کی تفسیر و توضیح کی گئی ہے، جو احکام سے متعلق ہیں۔ یہ کتاب بڑے سائز میں ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) کو مطبع علوی لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی اور دوسری مرتبہ ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۲ء) میں مصر سے طبع ہوئی۔ بعد ازاں اسے متعدد مکتبات نے نشر کیا اور اب اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

③ ترجمان القرآن بلطائف البيان:

یہ اردو زبان میں مکمل قرآن کی تفسیر ہے، جو پندرہ جلدوں میں ہے۔ اس تفسیر میں آیتوں کا ترجمہ اور فوائد ''موضح القرآن'' (مصنفہ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ) سے ماخوذ ہیں اور بقیہ مطالب تفسیر ابن کثیر، تفسیر فتح القدیر اور تفسیر فتح البیان سے لیے گئے ہیں۔ دقیق علمی مباحث سے قصداً اغماض کیا گیا ہے۔ تفسیر میں قرآن مجید، احادیثِ رسول، اقوالِ صحابہ و تابعین اور لغاتِ عرب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

یہ تفسیر حضرت نواب صاحب رحمہ اللہ نے ۱۳۰۲ھ میں لکھنی شروع کی۔ دو پارے آخری اور اول سے ۱۵ پارے (سورۃ الکہف تک) لکھ پائے تھے کہ پیغامِ اجل آ پہنچا۔ آپ کے بعد اس کا تکملہ سورت تحریم تک ان کے تلمیذِ رشید مولانا ذوالفقار احمد بھوپالی رحمہ اللہ نے اسی انداز سے تالیف فرمایا، جس کی کیفیت خود موصوف نے ۲۸ ویں پارے کے آخر میں تفصیل سے لکھ دی ہے۔ انھوں نے ۲۳ر صفر ۱۳۰۸ھ (۸ر اکتوبر ۱۸۹۰ء) کو چہار شنبہ اور پنج شنبہ کی درمیانی رات کو اس کارِ خیر کا آغاز کیا اور ذوالقعدہ ۱۳۱۵ھ (اپریل ۱۸۹۸ء) میں آٹھ جلدیں لکھ ڈالیں۔ اس طرح پندرہ جلدوں میں تفسیر مکمل ہوگئی۔ یہ تفسیر مطبع انصاری دہلی اور مطبع مفیدِ عام آگرہ سے ۱۳۰۶ تا ۱۳۱۴ھ میں طبع ہوئی۔ صفحات کی مجموعی تعداد ۸۳۵۵ ہے۔[1]

محترم مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ مذکورہ بالا کتاب کے تعارف میں فرماتے ہیں:

''یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ نواب صاحب مرحوم کی اس تفسیر کو مکمل کرنے کی غرض سے موضع کھڈیاں (ضلع قصور) کے ایک عالم مولانا محمد مرحوم نے بھی سورت مریم سے لے کر سورت تحریم تک ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' کے نام سے تفسیر لکھی

[1] جماعتِ اہلِ حدیث کی تصنیفی خدمات (ص: ۸) اہلِ حدیث خدامِ قرآن (ص: ۱۹۹)

تھی، لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ مولانا محمد مرحوم کی تحریر فرمودہ تفسیر چھپی یا نہیں اور نہیں چھپی تو اس کا مسودہ محفوظ ہے یا نہیں؟

''تفسیر ترجمان القرآن کے متعلق ایک اور بات سنتے جایئے جو بڑی اہم ہے کہ بہت سال پیشتر حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے چچا زاد بھائی حکیم عبد المجید مرحوم (وفات ۳۱ رجنوری ۱۹۹۰ء) نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ اس تفسیر کی زبان اگرچہ رواں دواں اور قابلِ فہم ہے، تاہم کم وبیش سوا سو سال پرانی ہے، لہٰذا اسے جدید قالب میں ڈھالنا ضروری ہے۔ یہ کام وہ اپنی گرہ سے رقم خرچ کر کے کسی تجربہ کار عالم سے کرانا چاہتے تھے، لیکن اپنی زندگی میں وہ اس اہم ترین منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزندانِ گرامی ڈاکٹر محمد یوسف فاروق اور حکیم عتیق الرحمٰن نے ایک اہلِ علم (محمد یحییٰ قریشی) کی خدمات حاصل کیں اور یہ نہایت ضروری اور اہم کام اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ ان شاء اللہ جلد ہی یہ تفسیر شائع ہوکر شائقین کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی۔'' (اہلِ حدیث خدامِ قرآن، ص: ۱۹۹، ۲۰۰)

مندرجہ بالا تین کتب کے علاوہ حضرت نواب صاحب رحمہ اللہ کی قرآنِ مجید سے متعلق دیگر چار کتابیں زیرِ نظر مجموعے میں شامل ہیں، جن کا مفصل تعارف درج ذیل ہے:

مجموعہ علومِ قرآن:

① فصل الخطاب في فضل الكتاب:

مولف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں اولاً قرآنِ مجید کے متعلق بعض معلومات مثلاً سورتوں اور آیات کی تعداد، اسماے قرآن، نزولِ وحی کی مختلف صورتیں، رسم الخط، نقطے اور اعراب کی تاریخ وغیرہ امور ذکر کیے ہیں اور اس کے ضمن میں آدابِ دعا و ذکر اور خلوصِ نیت کے التزام اور اس کی برکات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ پھر قرآن مجید اور اس کی تلاوت وقراءت کے ثواب کا اجمالی ذکر کیا ہے اور بعد ازاں ترتیب کے ساتھ قرآنِ کریم کی مختلف سورتوں اور آیات کی فضیلت بیان کی ہے۔ کتاب کے آخر میں مولف رحمہ اللہ نے درود وسلام کے فضائل ومنافع کا بھی مفصل تذکرہ کیا ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے کتاب میں متعدد مباحث کے دوران میں بعض آیات اور سورتوں کے متعلق

بعض مشائخ کے عملیات و تجربات اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد و ثمرات کا بھی تذکرہ کیا ہے، جس کا سبب دراصل یہ ہے کہ زیرِ نظر کتاب کا ایک اہم ماخذ شیخ محمد حقی نازلی کی کتاب "خزينة الأسرار" ہے، جس میں یہ امور تھے اور حضرت نواب صاحب رحمہ اللہ نے بھی انھیں بعینہٖ درج کر دیا۔ اگرچہ مولف رحمہ اللہ نے بعض مقامات میں ان پر نقد و تبصرہ بھی کیا ہے، لیکن زیادہ تر انھیں یوں ہی ذکر کر دیا ہے۔ ایسے بیشتر مقامات پر محدث العصر مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ نے نہایت مفید حواشی تحریر فرمائے تھے، جو متعلقہ مقامات پر حاشیے میں ان کے نام کی صراحت کے ساتھ درج کر دیے گئے ہیں۔

مولف رحمہ اللہ نے یہ رسالہ ۴ ربیع الاول ۱۳۰۵ھ کو چار دن کی مدت میں مکمل کیا تھا، جیسا کہ کتاب کے آخر میں اس کی صراحت موجود ہے۔ یہ کتابچہ مولف رحمہ اللہ کی زندگی میں متعدد بار زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ ہمیں اس کی اولین طباعت نہیں مل سکی، اس لیے ہم نے مکتبہ سلفیہ لاہور کے شوال ۱۴۰۴ھ (جولائی ۱۹۸۴ء) میں شائع کردہ اڈیشن کو سامنے رکھا ہے، جو کتابِ مذکور کے مطبع فاروقی دہلی ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۶ء) کے طبع کردہ اڈیشن کو مدنظر رکھ کر شائع کیا گیا تھا۔ حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ نے اپنی نگرانی میں اس کتاب کی اشاعت میں بعض مقامات پر حواشی بھی تحریر فرمائے تھے، جو اس طباعت میں علیٰ حالہا درج کیے گئے ہیں۔

⑦ تذكير الكل بتفسير الفاتحة وأربع قل:

اس کتاب میں پانچ سورتوں: ① فاتحہ ② کافرون ③ اخلاص ④ فلق ⑤ ناس کی تفسیر و تشریح کی گئی ہے۔ بعض لوگوں نے مختلف اوقات میں "پنج سورہ" کے نام سے مختلف پانچ سورتوں کو یکجا کر کے شائع کیا ہے، جن میں عوام الناس کے لیے پانچ سورتوں کو ترجمہ و تفسیر کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، چناں چہ مولف رحمہ اللہ نے بھی انتہائی آسان پیرائے میں مذکورہ بالا پانچ سورتوں کو ترجمہ و تفسیر کے ساتھ جمع کیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب کے مباحث میں عموماً اصلاحِ عقیدہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے، جیسا کہ مولف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> "اس مختصر رسالے میں قرآن مجید کی ان پانچ سورتوں کا ضروری ترجمہ اور مختصر تفسیر لکھی جاتی ہے، جن کی نماز میں تلاوت کا اتفاق دن رات ہر مسلمان کو ہوا کرتا ہے۔ ان پانچ

سورتوں سے مراد فاتحۃ الکتاب (سورۃ الفاتحہ) اور چہار قل (سورت کافرون، اخلاص، فلق اور ناس) ہیں۔ ان پانچ سورتوں میں سے ہر ایک سورت خداوند مجید کی توحید کی دلیل ہے۔ جس شخص نے ان سورتوں کے معانی سمجھ لیے، وہ پکا سچا مسلمان ہو گیا۔ اب اس کی عبادت ٹھیک ہوگی اور وہ شرک سے بچ جائے گا۔ توحید کے بیان اور شرک کے رد میں کتبِ مطولہ کے علاوہ فی الحال دس مختصر رسائل لکھے گئے ہیں۔ اس رسالے میں مذکورہ بالا پانچ سورتوں کے معانی کے بیان پر اقتصار و اختصار کیا گیا ہے۔ و خير الكلام ما قل و دل۔"

یہ کتاب پہلی مرتبہ مولف رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں مطبع مفیدِ عام آگرہ سے ۶۲ صفحات میں شائع ہوئی تھی۔

③ إفادة الشيوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ:

یہ کتاب ایک مقدمہ، دو ابواب اور خاتمے پر مشتمل ہے۔ مقدمہ کتاب میں ناسخ و منسوخ کے معانی کا بیان ہے۔ باب اول میں قرآنِ مجید کی ترتیب کے مطابق منسوخ آیات کا ذکر ہے اور باب دوم میں منسوخ احادیث کا تذکرہ ہے، جن کی تعداد پچیس ہے۔ خاتمہ کتاب میں اصولِ شریعت: کتاب اللہ، سنت، اجماع، قیاس اور بعض دیگر امور: استحسان، مصالح مرسلہ اور اجتہاد و تقلید کا مختصر بیان ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں مولف رحمہ اللہ کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے وہ منسوخ آیت کو ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کا ناسخ بیان کرتے ہیں، ضمناً علما کا اختلاف اور آیات کی توضیح و تفسیر بھی بیان کر دیتے ہیں اور مختلف آرا میں ترجیح بھی دیتے ہیں۔ باب دوم میں احادیث کے سلسلے میں یہی منہج اختیار کیا ہے۔ اس باب میں پہلے وہ اکیس احادیث ذکر کی گئی ہیں، جو امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "إخبار أهل الرسوخ في الفقه والتحديث بمقدار الناسخ والمنسوخ" میں بیان کی ہیں اور بعد ازاں ان پر مزید چار احادیث کا اضافہ کیا ہے۔

یہ کتاب فارسی میں ہے، جس کا اردو ترجمہ محترم المقام مولانا عزیز الحق عمری حفظہ اللہ نے کیا ہے۔ ہم نے اصل فارسی کتاب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ترجمے کی مراجعت و تصحیح کی ہے اور کتاب میں وارد شدہ احادیث و آثار کی تحقیق و تخریج بھی کی ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع نظامی کان پور سے ۱۲۹۷ھ کو ۳۲

صفحات میں شائع ہوئی تھی۔

④ **إكسير في أصول التفسير:**

یہ کتاب ایک مقدمہ، دو مقاصد اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ مقدمۂ کتاب میں قرآن مجید کی تعریف اور فضیلت و عظمت کا بیان ہے۔ مقصدِ اول سات ابواب پر مشتمل ہے۔ بابِ اول میں قرآنِ کریم کے وجوہِ مبانی کا بیان ہے۔ بابِ دوم میں قرآن مجید کے وجوہِ معانی، بابِ سوم میں نظمِ قرآن کے معانی مخفی ہونے کی وجوہات، بابِ چہارم میں فنونِ تفسیر میں صحابہ و تابعین کا اختلاف اور اس کا حل، بابِ پنجم میں ترتیبِ نزول، تدوینِ قرآن اور سات قراءتوں کا تذکرہ، بابِ ششم میں بعض مقاصدِ قرآن کا بیان اور بابِ ہفتم میں قرآنِ مجید کی تلاوت و تعلیم کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

مقصدِ دوم میں علمِ تفسیر پر لکھی جانی والی تقریباً تیرہ سو کتابوں کا ان کے مولفین اور سنینِ وفات کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ خاتمۂ کتاب میں طبقاتِ مفسرین کا ذکر ہے اور ذیل الخاتمہ میں تفسیر فتح البیان کا مختصر تعارف ہے۔

زیرِ نظر کتاب در اصل مولف رحمہ اللہ کی عربی تفسیر "فتح البيان في مقاصد القرآن" کا مقدمہ ہے۔ چناں چہ مولف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> "اس آخری دور ۱۲۹۰ھ میں، جب میری عمر کی پانچویں دہائی کا آغاز ہو چکا ہے، مجھے کتاب عزیز کی تفسیر لکھنے کی توفیق مل گئی۔ اس کی تالیف کے شغل میں عمرِ عزیز صرف کرنے کے خیال سے میں نے چاہا کہ ایک ایسی مختصر کتاب منصۂ شہود پر آ جائے، جس میں کتابِ مجید کے احوال، سلف و صالحین کی تالیف کردہ کتبِ تفاسیر، ان کے مولفین کے نام اور ان کی وفیات کے ذکر کے ساتھ ساتھ علمِ قراءت و تجوید کی کتابیں اور وہ کتابیں جو قرآن مجید کے علوم کے بارے میں لکھی گئی ہیں، ان سب کا تذکرہ ہو، جس طرح کتاب "إتحاف النبلاء المتقين بإحياء مآثر الفقهاء المحدثين" میں سنت کے علوم سے متعلق کتابوں کو جمع کیا گیا ہے، اسی طرح اس رسالے "إكسير في أصول التفسير" میں تفاسیر کی کتابوں کو جمع کیا گیا ہے اور اس فن شریف کے معتبر دواوین کو غیر

معتبر سے ممتاز کیا گیا ہے۔

''نیز اس میں ان مقاصدِ تنزیل کو بھی چند ابواب میں بہ طورِ اختصار ضبط کر دیا گیا ہے، جو کلام اللہ میں تدبر، تفاسیر کے مطالعے اور اس علمِ عزیز کی تالیف میں کام آئیں، تاکہ ان مقاصدِ جلیلہ کو سمجھ لینے اور ضوابطِ جمیلہ کا ادراک کر لینے سے قرآن مجید کے مبانی کے فہم اور فرقانِ حمید کے معانی کی معرفت کا راستہ کھل جائے۔ نیز خدا و رسول کی مرضی کے موافق روایتِ صحیحہ اور درایتِ مقبولہ کا دروازہ اس طرح کھل جائے کہ اگر عمر کا ایک حصہ تفاسیرِ متداولہ کے صحف کا مطالعہ کرنے میں صَرف کریں یا ان کو اس آخری دور کے مفسرین پر، جو اَب عنقا اور کیمیا کا حکم رکھتے ہیں، إلا ماشاء اللّٰه، و قليل ما هم، پیش کریں تو بھی اس کے گوشوں میں چھپی ہوئی باتوں پر یہ ربط و ضبط اور عبور و عثور میسر نہیں آ سکتا۔ چنانچہ کتاب ''كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون'' اور کتاب ''الفوز الكبير في أصول التفسير'' کو اس کا ماخذ اور اس قابلِ ستایش عمل کا منبع بنایا گیا ہے۔

''اس کتاب میں تفسیر اور اس فن کی کتابوں کو اپنی مرضی کی ترتیب و تہذیب کے مطابق حسین اختصار اور عمدہ تلخیص کے ساتھ روز مرہ سلیس عبارت میں جمع کیا ہے۔ نیز اس پر اپنی طرف سے کئی چیزوں کا اضافہ کیا ہے اور اس کو اپنی تفسیر کبیر کا، جس کا تاریخی نام ''فتح البيان في مقاصد القرآن'' ہے، مقدمہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا ناظر غیر مناظر کو، جو حق میں سرگرداں اور انصاف کا دل دادہ ہے، چاہیے کہ وہ پہلے اس جریدے کے مطالب سے حظ اٹھائے اور اس کے بعد تفسیر موصوف اور دیگر کتبِ تفسیریہ میں اپنی حق پسند فیاض طبع اور اپنے اقبال مند دل کو گردش کرنے اور دوڑ دھوپ کرنے کی اجازت و رخصت دے، تقدیرِ ازل کے مطابق فوائد، علوم اور تحقیقاتِ علمِ تفسیر سے اپنا نصیب حاصل کرے اور امتِ مرحومہ کے اس حقیر و ناچیز کے حق میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ثنا کے لیے

زبان کھولے۔ اس تاریخی مقالے کا نام "إکسیر في أصول التفسیر" رکھا گیا ہے، جو کتابِ عزیز کے فہم و دراست کے سرمائے کے گرد گھومتا ہے۔"

یہ کتاب فارسی میں ہے، جس کا اردو ترجمہ پہلی مرتبہ پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع نظامی کان پور سے ۱۲۹۱ھ کو بڑے سائز میں ۱۲۶ صفحات میں شائع ہوئی تھی۔

اسلوبِ تحقیق و تسہیل:

1. مذکورہ بالا کتب میں مندرجہ تمام سورتوں کے نام اور آیات کی ترقیم کا اہتمام کیا گیا ہے۔
2. تمام احادیث و آثار کی مقدور بھر تحقیق و تخریج کی گئی ہے۔ جس حدیث کے ضعف کی علت و سبب پر اطلاع ہوئی، اسے اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، کیوں کہ عصر حاضر میں قلتِ علم اور انتشارِ جہل کے سبب اگر کسی ضعیف یا موضوع روایت کا ذکر سببِ وضع یا علتِ ضعف کو بیان کیے بغیر کیا جائے، تو اس کے نتیجے میں کئی طرح کے مفاسد اور نقصانات کے جنم لینے کا اندیشہ ہوتا ہے۔
3. کتب مذکورہ بالا کی زبان اور اندازِ بیان کو حتی المقدور سہل اور آسان بنانے کی سعی کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے بنیادی طور پر یہ کوشش کی ہے کہ مولف رحمہ اللہ کے کلام کے مفہوم و معنی میں کسی قسم کا تغیر نہ کیا جائے اور الفاظ کی صرف اسی قدر تسہیل و تیسیر کی جائے کہ قارئینِ کرام مولف رحمہ اللہ کے مقصود و مدعا کو بہ آسانی سمجھ جائیں۔ تاہم ناظرینِ کرام مطالعہ کتب کے دوران میں قدیم زبان کی حلاوت و طراوت کو ضرور محسوس کریں گے، کیوں کہ ہم نے ہر ہر لفظ کو بدلنے اور اس کا ترجمہ کرنے کے بجائے مشکل و نامانوس الفاظ کی تسہیل اور اسلوبِ بیان کو آسان بنانے کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔
4. ان کتب میں مذکور تمام آیات، احادیث و آثار اور عربی و فارسی عبارات و اشعار کا ترجمہ کیا گیا ہے اور انھیں بریکٹوں [ ] کے درمیان درج کیا گیا ہے۔
5. ان کتب میں منقول تمام عبارات کا حتی الامکان اصل مصادر و مراجع کو مدنظر رکھتے ہوئے مقارنہ کیا گیا ہے، جس کی بدولت کئی طباعتی اغلاط کی تصحیح ہوگئی ہے۔
6. تمام کتب میں مناسب عناوین اور ذیلی سرخیوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

⑦ بعض مقامات پر حسبِ ضرورت تعلیقات وحواشی کا اہتمام کیا گیا ہے۔

⑧ مذکورہ بالا کتب میں بعض مباحث کا تکرار پایا جاتا ہے، کیوں کہ مولف رحمہ اللہ نے یہ کتب مختلف اوقات میں لکھیں اور ان کی اشاعت بھی الگ الگ عمل میں آئی تھی۔ ہم نے اس تکرار کو علی حالہ باقی رکھا ہے اور اس میں کسی قسم کا حذف واختصار نہیں کیا۔

⑨ ہم نے عبارات کے دوران میں علاماتِ ترقیم اور الفاظ کی کتابت میں حتی الوسع قواعدِ املا کی رعایت رکھی ہے، اس لیے (طباعتی غلطی کے سوا) کسی لفظی غلطی کی نشان دہی سے قبل کتبِ لغت کی طرف مراجعت کر لی جائے۔

⑩ جہاں جہاں مولف رحمہ اللہ نے حواشی لکھے تھے، ہم نے انھیں برقرار رکھا ہے اور آخر میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے۔

اظہارِ تشکر:

سب سے پہلے ہم اللہ رب العزت کے شکر گزار ہیں، جس کے فضل و احسان کی بنا پر ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد اس علمی خزینے کی خدمت و اشاعت کی توفیق میسر آئی، پھر ہم ان تمام احباب و اخوان کے ممنون ہیں، جنھوں نے اس مرحلے میں کسی بھی قدم پر ہماری معاونت اور حوصلہ افزائی کی ہے۔ خصوصاً فضیلۃ الشیخ فلاح خالد المطیری حفظہ اللہ (مدیر لجنۃ القارۃ الہندیہ) اور محترم المقام مولانا عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ ہمارے خصوصی شکریے کے سزاوار ہیں، جن کے تعاون اور سرپرستی کی وجہ سے اس علمی تراث کا احیا عمل میں آیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں اور دیگر تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس عمل کو قبولیت سے سرفراز فرما کر ہمارے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

والسلام

محمد عبداللہ سلیم　　حافظ شاہد محمود

۱۸/۴/ ۱۴۳۵ھ = ۱۹/۲/۲۰۱۴ء

فصل الخطاب
في
فضل الكتاب

تالیف

امام العصر علامہ نواب محمد صدیق حسن خان بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد للّٰه عز وجل بجميع محامده كلها، ما علمت منها وما لم أعلم، وصلى اللّٰه على سيدنا محمد خير خلقه، وعلى آله وأصحابه وبارك وسلم. أما بعد!

اس رسالے میں احادیثِ صحیحہ اور اقوالِ ائمہ دین رحمہم اللہ سے، جو قرآن کریم کے خصائص و مزایا کے عارف تھے، قرآن عظیم کے کچھ فوائد و منافع لکھے جاتے ہیں۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو باقی کلاموں پر وہی فضیلت حاصل ہے، جو خود اللہ تعالیٰ کی فضیلت ساری مخلوق پر ثابت ہے۔ اگر سارے جن و انس جمع ہو کر یہ چاہیں کہ قرآن کی طرح کا کلام لائیں تو وہ ہرگز نہیں لا سکتے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کے ظہیر و نصیر کیوں نہ بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کلامِ مقدس میں ایک ایک تذکیر کے لیے کئی کئی مثالیں ذکر کی ہیں، جن کو علما ہی جانتے ہیں۔ یہ وہ کلمات طیبات ہیں کہ اگر سارے درخت قلم ہوں اور سات دریا سیاہی ہوں تب بھی یہ ختم نہ ہو سکیں۔ اس کلام مبارک کے ہوتے ہوئے بشر کے کسی کلام کا وظیفہ کرنا اور ترتیباتِ علما و مشائخ کی طرف مائل ہونا کتنی بڑی بے ادبی، نادانی اور محرومی ہے۔ اسی لیے میں نے اس رسالے میں کتاب اللہ کی آیات اور اس کی سورتوں پر زیادہ گفتگو کی ہے اور کسی قدر اس کے علاوہ دیگر امور پر بھی بات کی ہے۔ وما توفيقي إلا باللّٰه، عليه توكلت وإليه أنيب.

سورتوں اور آیتوں کی تعداد کا بیان

اہلِ علم کے اجماع کے ساتھ قرآن مجید کی ایک سو چودہ یا تیرہ سورتیں ہیں، اگر انفال اور براءت کو ایک ہی سورت ٹھہرائیں۔ ان سورتوں میں سب سے افضل اور اعظم سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الاخلاص ہے۔ ائمہ اعلام اور علمائے محققین کا یہی قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۃ الفاتحہ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم فرمایا ہے اور قسم کھا کر کہا ہے کہ اس کے پائے کی سورت تورات میں آئی ہے نہ انجیل و زبور میں (اور نہ خود قرآن مجید میں)[1] اسی طرح آپ ﷺ نے سورۃ الاخلاص کو تہائی قرآن کے برابر ٹھہرایا ہے۔[2]

مشہور قول کے مطابق کتاب اللہ کی چھے ہزار چھے سو چھیاسٹھ آیات ہیں۔ ان میں سے عظیم تر، افضل اور اشرف آیۃ الکرسی ہے۔

سورۃ الفاتحہ، سورۃ الاخلاص اور آیۃ الکرسی کے بعد سورت یٰس، سورۃ الفتح، سورۃ الواقعہ، سورۃ الملک، سورۃ النبا، سورۃ الضحیٰ، سورت الم نشرح، سورۃ القدر، سورت لم یکن، سورت اذا زلزلت، سورۃ الکوثر، سورۃ الکافرون، سورت اذا جاء نصر اللہ اور معوذتین کی فضیلت ہے۔

بعض آیات کی فضیلت احادیث میں بیان ہوئی ہے، جیسے ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ...... الخ﴾ سورۃ الانعام کی ابتدائی تین آیات، سورت براءت کی آخری دو آیات، سورۃ الحشر کی آخری آیات اور ان کے علاوہ دیگر سورتیں اور آیات ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ، علمائے ربانیین اور اَسلاف و اَخلاف صالحین ان آیتوں اور سورتوں کو ہمیشہ دن رات تلاوت فرماتے اور ان کے فوائد و برکات بیان کرتے۔ اپنی اولاد اور اخوان کو ان کے ہمیشہ پڑھنے کی نصیحت کیا کرتے، لیکن افسوس ہے کہ اکثر اہلِ اسلام نے قرآن کریم کی طرف توجہ اور اس کی تلاوت بالکل ترک کر دی ہے، حالاں کہ لاکھوں قرآن اس تیرھویں صدی میں طبع ہو چکے ہیں۔ اس کے فارسی و اردو تراجم اور عربی و فارسی تفاسیر ہر گاؤں، قصبے اور شہر میں

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٢٠٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٢٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١١)

دست بہ دست متداول ہیں۔ یہ منجملہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ علم بہت ہے، مگر عمل بالکل نہیں ہے۔

سید محمد حقی نازلی رحمہ اللہ [1] [المتوفی ۱۳۰۱ھ] نے سچ کہا ہے:

"إن القرآن لغريب في هذا الزمان مع أن الثواب على قراءته حاصل لمن فهم، ولمن لم يفهم بالكلية، للتعبد بلفظه، بخلاف غيره من الأذكار والأدعية، فإنه لا يثاب عليه إلا من فهمه، ولو بوجه ما، وعليه أكثر العلماء" [2]

[اس دور میں قرآن مجید یقیناً اجنبی ہے، باوجودیکہ اس کی قراءت وتلاوت کا ثواب ہر اس شخص کو ملتا ہے، جس نے اس کو سمجھا اور اس کو بھی جس نے اسے بالکل نہ سمجھا، کیوں کہ اس کے الفاظ کو پڑھنا بھی عبادت ہے، جبکہ دیگر اذکار اور دعاؤں کا اجر وثواب اسی شخص کو ملتا ہے، جو ان کو کسی نہ کسی طرح سمجھ کر پڑھتا ہے۔ اکثر علما کا یہی موقف ہے]

اس صورتِ حال میں یہ ضروری ہے کہ ہر مسلمان اتنے افضل، عظیم تر اور اشرف کلام کو اپنا وظیفہ بنا لے۔ قاریِ قرآن گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ کلام بہت آسان کر دیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر: ١٧]

[اور بلا شبہہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟]

ورنہ کسی زبان میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ کمال عظمت ومہابت کے سبب اس کے ساتھ تکلم کر سکتی۔ قرآن خواں کے دونوں پہلوؤں میں گویا نبوت مندرج کی جاتی ہے، بس اتنا فرق ہے کہ وحی نہیں آتی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا﴾ [الأعراف: ١٤٥]

[1] ان کی تالیف کا نام "خزينة الأسرار الكبرىٰ" ہے، جب کہ کتاب "إيضاح المكنون ذيل كشف الظنون" میں اس کا نام "خزينة الأسرار جليلة الأذكار" لکھا ہوا ہے۔ [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

[2] خزينة الأسرار للنازلي (ص: ٤) [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

[سو انھیں قوت کے ساتھ پکڑ اور اپنی قوم کو حکم دے کہ ان کی بہترین باتوں کو پکڑے رکھیں]

نیز فرمایا:

﴿وَاتَّبِعُوٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ [الزمر: ٥٥]

[اور اس سب سے اچھی بات کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی جانب سے تمھاری طرف نازل کی گئی ہے]

مزید فرمایا:

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ﴾ [الزمر: ١٧، ١٨]

[سو میرے بندوں کو بشارت دے دو، وہ جو کان لگا کر بات سنتے ہیں، پھر اس میں سب سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں]

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیات میں ہر شخص کو قرآن مجید کی ہمیشہ قراءت و تلاوت کرنے کی تحریض و ترغیب اور تنبیہ و تعلیم فرمائی ہے، غافلوں کو خوابِ خرگوش سے جگایا ہے اور جو لوگ غیرِ قرآن میں مصروف ہیں، ان کو ترہیب و تہدید اور توبیخ فرمائی ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ﴾ [العنکبوت: ٥١]

[اور کیا انھیں یہ کافی نہیں ہوا کہ بے شک ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی، جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے؟]

حکایت:

ایک شخص نے شبلی ۔قدس سرہ۔ سے کہا کہ مجھے کچھ وصیت کریں۔ انھوں نے جواب دیا:

"عليك بالقرآن، ودع ما سواه، وكن معه، ثم ذرهم في خوضهم يلعبون"

[قرآن کو تھام لو اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے اسے چھوڑ دو، پھر اس کے ساتھ وابستہ ہو کر باقیوں کو اپنی بے ہودہ گوئیوں میں کھیلتا ہوا چھوڑ دو]

بعض اہلِ معرفت نے کہا ہے:

”لا يكون المريد مريدا حتى يجد في القرآن كلّ ما يريد، ويعرف منه النقصان من المزيد، ويستغني بكلام المولى عن كلام العبيد“

[مرید تب تک مرید نہیں بنتا، جب تک وہ اپنے ہر مسئلے کا قرآن مجید سے حل تلاش نہ کرے، اس سے اپنا نفع ونقصان نہ پہچانے اور جب تک اپنے مولیٰ (اللہ تعالیٰ) کے کلام کے ساتھ مشغول ہو کر غلاموں کے کلام سے مستغنی نہ ہو جائے]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے تھے:

”إذا أردتم قراءة فأثروا القرآن، فإن فيه علم الأولين والآخرين“ [1]

[جب تم کچھ پڑھنا چاہو تو اس کے لیے قرآن مجید کا انتخاب کرو، یقیناً اس میں پہلے اور بعد والے سب لوگوں کے متعلق علم موجود ہے]

بعض مشائخ نے کہا ہے:

”لا تجعل وردك غير ما ورد في الكتاب والسنة، تكن من العلماء الأدباء، لأنك حينئذ تجمع بين الذكر والتلاوة، فيحصل لك أجر التالي والذاكر، فما ترك الكتاب والسنة مرتبة يطلبها الإنسان من خيري الدنيا والآخرة إلا وقد ذكراها، فمن وضع من الفقراء ورداً من غير ما ورد في السنة فقد أساء الأدب مع الله ورسوله“ [2] كذا في روح البيان في سورة الحديد.

[جو کچھ کتاب وسنت میں موجود ہے، اس کو اپنا معمول اور وظیفہ بناؤ، تم علما وادبا میں شمار ہونے لگو گے، کیوں کہ ایسا کر کے تم ذکر وتلاوت دونوں کام کرنے والے بن جاؤ گے، چنانچہ تمھیں تلاوت کرنے والے اور ذکر کرنے والے دونوں کا اجر وثواب حاصل ہو گا۔ انسان دنیا وآخرت کی خیر و بھلائی کے جس مرتبے اور مقام کو حاصل کرنا چاہتا ہے، قرآن وسنت نے اسے واضح بیان کر دیا ہے۔ فقرا میں سے جس کسی نے سنت سے ہٹ کر کوئی ورد بنایا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی ۔ كذا في

① دیکھیں: المعجم الكبير للطبراني (٩/ ١٣٦)

② تفسير روح البيان (٩/ ٣٤٣)

روح البیان في سورۃ الحدید]

وصایاے قدسی میں بعض مشائخ سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا تھا:

”من أساء الأدب علی البساط رد إلی الباب، ومن أساء الأدب علی الباب رد إلی أصطبل الدواب، نعوذ باللّٰہ من الحور بعد الکور“

[جس نے مجلس میں کوئی نازیبا حرکت کی تو اسے دروازے کی طرف دھکیل دیا گیا اور جس نے دروازے پر کسی بے ادبی کا مظاہرہ کیا تو اسے جانوروں کے باڑے کی راہ دکھائی گئی۔ ہم اضافے کے بعد کمی سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں]

میں کہتا ہوں کہ افضل ذکر قرآن کریم ہے، پھر درود شریف، پھر اذکار اور مسنون دعائیں۔ جو شخص کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے، پھر وہ کتاب ”حزب أعظم“[1] کا ایک حزب پڑھ لیتا ہے، وہ دونوں جہانوں کی خیر و بھلائی کو جمع کرنے والا ہے۔ اگر کسی سے اس قدر وظیفے پر مواظبت و ہمیشگی ہو سکے تو اسے بڑا سعادت مند جاننا چاہیے۔ جو شخص ان اشیا کو چھوڑ کر ترتیباتِ مشائخ یا اسامیِ اولیا یا قراءتِ قصائد یا ادعیۂ اربعین اسمی وغیرہ پر مداومت کرتا ہے، وہ برکاتِ کثیرہ صحیحہ سے حرمان نصیب ہے، کیوں کہ اس نے جواہر کو چھوڑ کر خزف کو لے لیا اور سیم و زر کو ہاتھ سے دے کر مٹی کو خرید لیا، لہٰذا اس کی محرومی میں کیا شک وشبہہ باقی ہے؟ وباللّٰہ التوفیق.

---

[1] ملا علی قاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۱۴ھ) کی تالیف جو متداول ہے۔ [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

تصحیحِ نیت کا بیان

عبادت دو قسم کی ہے:

① ایک وہ جو قربتِ محض ہے، جیسے نماز، روزہ، زکات، حج، تلاوتِ قرآن مجید اور تسبیح و تہلیل وغیرہ۔ اس میں صحتِ عبادت کے لیے نیت کا ہونا بالاتفاق شرط ہے۔ اگر نیت نہ ہوگی تو اس کا قضا کرنا واجب ہوگا۔

② دوسری وہ جو کسی دوسری عبادت کا وسیلہ ہو، جیسے وضو، غسل، اذان، اقامت اور تعلیم قرآن وغیرہ۔ اس میں احناف کے نزدیک نفس الامر میں نیت شرط نہیں ہے، بلکہ اس لیے شرط ہے کہ یہ عبادت مستوجبِ ثواب ہوتی ہے، جبکہ شافعیہ کے نزدیک شرط ہے اور یہی موقف راجح ہے۔

اس کی دلیل عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی یہ حدیث ہے:[1]

« إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَ إِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى » (الحديث رواه الشيخان بالاتفاق، وهذا أعلىٰ أنواع الصحة)

[تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے نیت کی]

دوسری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ [البينة: ٥]

[اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے ہوں]

مذکورہ بالا حدیث اور آیت اسلام کے بنیادی اصول میں سے ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں لکھا ہے:

"لا تحتاج قراءة القرآن إلى نية كسائر الأذكار والأوراد إلا إذا نذرها خارجَ الصلاةِ" انتهى.[2]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٠٧)

[2] الإتقان في علوم القرآن (١/٢٨٢)

[قرآن مجید کی قراءت دیگر تمام اذکار و اوراد کی طرح نیت کی محتاج نہیں ہے، الا یہ کہ جب کسی نے نماز کے علاوہ اس کی قراءت کی نذر مانی ہو]

آدابِ ذکر:

جب قرآن مجید کی تلاوت کرنا افضل ذکر ٹھہرا تو آدابِ ذکر کا معلوم کرنا بھی بہت ضروری ہے۔

امام جزری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "عدة"[1] میں لکھا ہے کہ جس مکان میں ذکر کرے، وہ پاکیزہ اور خالی ہو۔ ذکر کرنے والا اپنے منہ کو مسواک سے صاف کر لے، تاکہ اس میں بدبو نہ رہے۔ پھر وہ قبلہ رو ہو کر (تلاوت کے دوران) لفظ میں تدبر اور معنی کا تعقل کرے اور جس کو نہ جانے اس کو دریافت کرلے، کیوں کہ ثواب موعود تب ہی ملے گا، جب اس کا تلفظ کر لے اور خود کو سنائے۔[2] انتھیٰ

علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ ذکر کرنے والے کا مذکورہ معانی کے لیے تدبر کرنا اکمل ہے کہ اس کے بغیر وہ مخاطب کے حکم میں نہیں ہوگا، لیکن گو اس کا اجر مکمل ہو، کچھ ثوابِ موعود کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ وہ وعدہ اس سے عام تر ہے کہ وہ معانی کے تدبر کے ساتھ ذکر کرے یا اس کے بغیر، کیوں کہ ثوابِ موعود تدبر و فہم کے ساتھ مقید وارد نہیں ہوا ہے۔ نیز نفس کو سنانے کی بھی کوئی دلیل نہیں آئی ہے، بلکہ صرف زبان کے ساتھ تلفظ اور تحریک پر قول صادق آتا ہے، گو اس میں اِسماعِ نفس نہ ہو۔

صحیح حدیث میں آیا ہے:

«فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ، ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي»[3]

[پھر اگر وہ (بندہ) مجھے اپنے نفس میں یاد کرے تو میں بھی اپنے نفس میں اس کو یاد کرتا ہوں]

لہٰذا صرف ذکرِ نفسی ثواب کا مقتضی ٹھہرا، تو وہ ذکرِ لسانی جس پر قول صادق آتا ہے، کس طرح ثواب کا مقتضی نہ ہوگا؟ الحاصل مذکورہ شرط لگانے کی کوئی وجہ نہیں ہے، نہ اصل ثواب کے اعتبار سے

---

[1] "عدة الحصن الحصين" میں خود علامہ جزری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الحصن الحصين" کا خلاصہ کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۰۶ھ میں مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس کی شرح "تحفة الذاكرين" کے نام سے لکھی ہے، جو مطبوع ہے۔ [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

[2] تحفة الذاكرين بعدة الحصن الحصين (ص: ٤٨)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦٧٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٧٥)

اور نہ کمالِ ثواب ہی کے اعتبار سے، بلکہ بعض اوقات ایسے اذکار پر تدبر اور تفہم، جن اذکار میں نفس کو کچھ نہیں سنایا گیا ہوتا، زیادہ کامل و مکمل ہوتے ہیں۔[1]

افضل ذکر:

علامہ جزری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ افضل ذکر قرآن مجید ہے، سوائے اس جگہ کے جہاں کوئی اور ذکر مشروع ہے۔ جو شخص صبح و شام کے مختلف احوال میں مسنون اذکار پر ہمیشگی کرے گا، وہ من جملہ ان ذاکرین اور ذاکرات کے ہو گا، جو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔ جس کسی کے ورد اور وظیفے میں ناغہ ہو جائے تو وہ کسی دوسرے ممکن وقت میں اس کا تدارک کر لے، تاکہ ان کی ملازمت کی عادت قائم رہے۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ شارع نے اذکار کا ثواب مقرر کر کے اجر کی صراحت کر دی ہے۔ اسی طرح تلاوتِ قرآن میں علی العموم اور معین سورتوں اور خاص آیات کی تلاوت میں جو ثواب آیا ہے، وہ کتبِ حدیث میں معروف ہے۔ کسی ذکر کا کسی دوسرے ذکر سے افضل ہونا اسی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ جو اجر اس ذکر پر مترتب ہوتا ہے، وہ دوسرے ذکر کی نسبت افضل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ذات کے اعتبار سے مطلق طور پر اشرف الکلام ہے۔ کہاں کلامِ بشر اور کہاں قول و قدر کے خالق کا کلام جس کا نام بابرکت ہے، جس کی شان بلند ہے اور جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے؟[2]

آدابِ دعا:

ذکر قرآن مجید کا ہو یا مسنون ذکر ہو، بہ ہر حال اس کے بعد دعا کا مرتبہ ہے۔ کتاب "حزبِ اعظم" وغیرہ دعاؤں ہی پر مشتمل ہے۔ دعا کے بھی کچھ آداب ہیں، چنانچہ علامہ جزری رحمہ اللہ نے کہا ہے:

دعا کے لیے سب سے زیادہ تاکیدی ادب کھانے پینے اور لباس میں حرام سے بچنا ہے۔ دعا کے کچھ مزید آداب مندرجہ ذیل ہیں:

① اخلاص۔

② دعا میں اپنے عمل صالح کو پیش کرنا۔

---

[1] تحفة الذاكرين شرح عدة الحصن الحصين (ص: ٤٩)

[2] تحفة الذاكرين شرح عدة الحصن الحصين (ص: ٥٠)

③ باوضو ہو کر دعا کرنا۔

④ قبلہ رو ہو کر دعا کرنا۔

⑤ نماز کے اندر دعا کرنا۔

⑥ دعا کے لیے گھٹنوں کے بل کھڑے ہونا۔

⑦ اللہ تعالیٰ کی ثنا کرنا۔

⑧ دعا میں اول آخر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا۔

⑨ دونوں ہاتھ ملا کر دونوں کندھوں کے برابر اونچا کرنا۔

⑩ تادب، خشوع، مسکنت اور خضوع کے ساتھ ہاتھ کھولنا۔

⑪ اسمائے حسنیٰ اور مسنون دعاؤں کے ساتھ سوال کرنا۔

⑫ پست آواز کے ساتھ انبیا و صالحین کے ساتھ توسل کرنا۔[1]

⑬ اپنے گناہ کا اعتراف کرنا۔

⑭ دعا کا آغاز اپنے نفس سے کرنا۔

⑮ اگر دعا کرنے والا امام ہو تو وہ دعا میں اپنے آپ کو خاص نہ کرے۔

⑯ عزم و رغبت، جد و اجتہاد، حضورِ قلب، حسنِ رجا، تکرارِ دعا اور الحاح کے ساتھ دعا کرنا۔

⑰ گناہ، قطع رحمی اور مفروغ عنہ کام کی دعا نہ کرنا۔

⑱ امرِ مستحیل کی دعا نہ کرنا۔

⑲ دعا کو محدود نہ کرنا۔

⑳ جو چاہنا سو مانگنا۔

㉑ دعا کرنے والا اور سننے والا آمین کہے اور دعا سے فارغ ہونے کے بعد دونوں ہاتھ منہ پر پھیر لے۔

㉒ دعا میں جلدی نہ کرے، یعنی یہ نہ کہے کہ میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہ ہوئی۔[2] انتھی.

مگر امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ گھٹنوں کے بل جھک کر دعا کرنے کے بارے میں کوئی

---

[1] مولف امام رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "إخلاص التوحيد" میں لکھا ہے کہ اس توسل کا شیوع اور رواج خیر القرون میں نہ تھا۔ [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

[2] تحفة الذاكرين شرح عدة الحصن الحصين (ص: ٥٤)

ایسی دلیل ثابت نہیں ہے، جو قابلِ حجت ہو۔ ہاں ابوعوانہ کی ایک روایت اس پر دلیل ہے۔ اسی طرح توسلِ انبیا کے لیے وہی حدیثِ اعمیٰ دلیل ہے،[1] جس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ اللہ سے میرے لیے دعا کریں کہ میری بینائی کھل جائے۔ اسی طرح توسل بہ صلحا کی دلیل وہی حدیث ہے، جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ استسقا کیا تھا۔[2]

خلوصِ نیت کی برکات:

تلاوتِ قرآن میں جہر و اخفا، تلاوت کرنے والے کے حسبِ حال، دونوں جائز ہیں۔ عمل کی فضیلت نیتوں کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ بعض اہلِ علم کے نزدیک فرشتے ذکرِ قلبی کو لکھتے ہیں اور بعض کے نزدیک نہیں لکھتے، ان میں سے پہلا قول صحیح ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حضورِ دل کے ساتھ زبان سے تہلیل و تسبیح کرنا صرف دل کے ساتھ تہلیل و تسبیح کرنے سے افضل ہے۔[3] انتھی.

ممکن ہے کہ بندے کی ساری حرکات و سکنات، جیسے کھانا پینا، نیند، بیوی سے ہم بستری اور جماع، سب عبادت ہوں، بشرطیکہ یہ کام اس نیت کے ساتھ کیے جائیں کہ اس سے عبادت کی ادائی میں مدد ملے گی۔ "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ"[4] [تمام اعمال کا دارومدار نیتوں کے ساتھ ہے]

اسی طرح ہنر اور پیشے جو حلال کھانے اور اطاعات پر معاونت کے لیے کیے جاتے ہیں، سب کے سب اعمال اچھی نیتوں کے ساتھ عبادت بن جاتے ہیں، جن پر بندے کو اجر و ثواب دیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ قیامت کے دن اس کی نیکیوں کا ترازو بھاری ہوگا، بشرطیکہ ان میں آداب کا لحاظ رکھا

---

[1] لیکن وہ اس وقت کے ساتھ خاص تھی، جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت اعمیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سلف رحمہم اللہ میں اس عمل کا عموم نہیں ملتا، جو خصوصیت کی قوی دلیل ہے۔ دیکھیے: مولف امام کی تالیف "نزل الأبرار في الأدعية والأذكار" (ص: ۳۰۳) [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

[2] یعنی صحابہ کرام نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ دعا کی تھی، جب وہ زندہ تھے اور ان کے ساتھ دعا میں شریک تھے۔ دیکھیں: صحیح البخاري، رقم الحديث (٩٦٤) لہٰذا کسی فوت شدہ یا غائب کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کے لیے اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں۔

[3] الأذكار للنووي (ص: ۱۷)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (١) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٠٧)

جائے، حتیٰ کہ وہ اعمال سنت کے مطابق، موجبِ علم اور تقوے کی متابعت میں ہوں تو یہ سب اعمال منور ہو جاتے ہیں، ان کا نور طاعات کے نور کے ساتھ مل جاتا ہے۔[1]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ [البقرة: ٢٥٧]

[اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے، وہ انھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ يَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ [مريم: ٧٦]

[اور اللہ ان لوگوں کو، جنھوں نے ہدایت پائی، ہدایت میں زیادہ کرتا ہے]

---

[1] خزينة الأسرار للشيخ محمد بن على الحنفي النازلي (ص: ٧)

قرآن مجید کے نام

قرآن مجید کے جو نام قرآن مجید میں آئے ہیں، ان کی تعداد پچپن (۵۵) ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے الإتقان في علوم القرآن" میں ان سب کو ذکر کیا ہے۔[1] ان میں سے دس نام ایسے ہیں، جو من جملہ اسماے حسنیٰ کے ہیں۔ ناموں کی کثرت مسمیٰ (ذات) کے شرف کی دلیل ہے۔

نزولِ قرآن کے بارے میں دو قول ہیں:

① ایک قول یہ ہے کہ یہ لوحِ محفوظ سے ملک سماے دنیا کی طرف، جسے عقلِ فعال کہتے ہیں، شبِ قدر میں یک بارگی اترا۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ لوحِ محفوظ سے عقل کی طرف یک بارگی نزول کے مطابق ایک سال میں حسبِ مصالح نزول ہوا، پھر بیس بائیس سال میں پورا ہوا۔

جہاں تک نبی مکرم ﷺ کے دل کی طرف بہ حسبِ احتیاج بہ واسطۂ جبریل ظہور کا تعلق ہے تو اس کے بھی مذکورہ دو طریقوں کے علاوہ اور دو طریقے ہیں:

① رسول اللہ ﷺ صورتِ بشریت سے صورتِ ملکیت کی طرف منتقل ہو کر جبریل علیہ السلام سے قرآن اخذ کرتے تھے۔ یہ طریقہ سخت ہے۔

② جبریل علیہ السلام اپنی صورتِ ملکیت سے صورتِ بشریت کی طرف نکل کر القا کرتے تھے، چنانچہ وہ اکثر صحابیِ رسول ﷺ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت اختیار کر کے آتے تھے، کیوں کہ افاضے کے لیے مفیض اور مستفیض کے درمیان مناسبت کا ہونا ضروری ہے۔

بہر حال اللہ کا کلام مخلوق نہیں ہے، جو اسے مخلوق کہے وہ کافر ہے۔

ابو نعیم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ جبریل و میکائیل علیہما السلام نے نبی ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا تھا۔ اس کو طیالسی و حارث نے بھی روایت کیا ہے۔[2] اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ وحی کو طاقتور دل کے

---

[1] الإتقان في علوم القرآن (١/ ١٤١)

[2] مسند الطيالسي (١٥٣٩) بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث (٩٢٨)

ساتھ کامل تطہیر کی حالت میں اخذ کریں۔

نزولِ وحی کی مختلف صورتیں:

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی کے متعدد مراتب کامل کر دیے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

① روزِ روشن کی طرح سچے خواب۔

② بغیر دکھائی دیے فرشتے کا روح وقلب میں القا کرنا۔

③ فرشتے کا بشر کی صورت میں آکر وحی کرنا۔

④ گھنٹی کی آواز کی طرح جو وحی کی سب سے زیادہ سخت صورت تھی، حتیٰ کہ اس طرح وحی کے نزول کے ساتھ سخت سردی کے موسم میں آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینا بہنے لگتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نزولِ وحی کے دوران میں آپ ﷺ کی ران زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ران پر تھی۔ زید رضی اللہ عنہ کو اتنا بوجھ محسوس ہوا، جس سے ان کی ران ٹوٹنے کے قریب ہوگئی۔[1]

⑤ آپ ﷺ نزولِ وحی کے وقت کبھی فرشتے کو اس کی اصلی صورت میں دیکھتے، اس کے چھ سو پر ہوتے۔

⑥ آسمانوں کے اوپر نمازوں کی فرضیت کی وحی ہوئی۔

⑦ اللہ تعالیٰ کا فرشتے کے واسطے کے بغیر کلام کرنا، جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا۔[2] انتھی.

⑧ بعض نے کہا ہے کہ وحی کی ایک صورت اللہ تعالیٰ کا بغیر حجاب کے دو بہ دو کلام کرنا ہے۔

⑨ نیند میں اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا، جس طرح حدیث میں آیا ہے:

«أَتَانِي رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ ﷺ! أَتَدْرِي فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى؟»[3]

[میرا رب تعالیٰ میرے پاس (خواب میں) بہترین صورت میں آیا، تو اس نے پوچھا:

---

① صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦٧٧)

② زاد المعاد (١/ ٧٠)

③ سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٢٣٣)

اے محمد ﷺ! کیا تم جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس چیز کے بارے میں بحث و مباحثہ کر رہے ہیں؟]

علامہ حلیمی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر چھیالیس (۴۶) انواع سے وحی آتی تھی۔[1]

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں کہا ہے:

"وغالبها من صفات حامل الوحي"[2]

[ان میں سے غالب انواع حاملِ وحی کی صفات کے اعتبار سے ہیں]

امام ابن منیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اختلافِ وحی اختلافِ مقتضا کے ساتھ ہوتا تھا۔ اگر وحی میں وعد و بشارت ہوتی تو فرشتہ آدمی کی شکل میں آ کر بغیر سختی کے خطاب کرتا اور اگر اس میں وعید و انذار ہوتا تو وہ گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی۔

ابن عادل رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جبریل علیہ السلام چوبیس (۲۴) ہزار مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئے۔ آدم علیہ السلام پر بارہ ہزار مرتبہ، ادریس علیہ السلام پر چار ہزار مرتبہ، نوح علیہ السلام پر پچاس ہزار مرتبہ، موسیٰ علیہ السلام پر چار سو مرتبہ اور عیسیٰ علیہ السلام پر دس بار نازل ہوئے۔

امام طبرانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ (جبریل علیہ السلام) آدم علیہ السلام پر چودہ بار، نوح علیہ السلام پر پچاس مرتبہ، دو بار چھوٹی عمر میں اور باقی بڑی عمر میں، عیسیٰ علیہ السلام پر دس بار، تین بار بچپن میں اور سات مرتبہ بلوغت کے بعد اور رسول اللہ ﷺ پر بچپن میں چودہ بار آئے۔[3] واللہ أعلم.

---

[1] فتح الباري (۱/ ۲۰)

[2] فتح الباري (۱/ ۲۰)

[3] خزينة الأسرار للنازلي (ص: ۱۰)

سورتوں کی ترتیبِ نزول

سب سے پہلے ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ (سورۃ العلق) اتری، پھر ﴿نٓ وَالْقَلَمِ﴾ پھر سورۃ المزمل، پھر سورۃ المدثر، پھر ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ (سورۃ اللہب)، پھر ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ (سورۃ التکویر)، پھر ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ (سورۃ الاعلیٰ)، پھر ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ (سورۃ اللیل)، پھر سورۃ الفجر، پھر سورۃ الضحیٰ، پھر ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ (سورۃ الانشراح)، پھر سورۃ العصر، پھر سورۃ العادیات، پھر سورۃ الکوثر، پھر سورۃ التکاثر اور پھر ﴿اَرَءَيْتَ الَّذِيْ﴾ (سورۃ الماعون) آخر تک مکہ میں اترنے والی سورتیں نازل ہوئیں۔ پھر وہ سورتیں جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں، وہ بھی بہت زیادہ ہیں۔[1]

شیخ محمد حقی نازلی رحمہ اللہ نے مکی اور مدنی سورتوں کو ترتیب کے ساتھ گن کر لکھا ہے۔ ابوالحسن بن حصار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مدنی سورتیں بالاتفاق بیس (۲۰) ہیں۔ بارہ (۱۲) میں اختلاف ہے اور باقی بالاتفاق مکی ہیں۔[2] انتھی.

جمع قرآنِ مجید:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں سارا قرآن لکھا ہوا تھا، لیکن وہ ایک جگہ جمع اور مرتب نہیں تھا۔ سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے مصحف میں لکھوایا۔ اس لحاظ سے قرآن مجید کے جامع اول یہی ہیں۔ انھوں نے اس کا نام مصحف رکھا۔[3] (أخرجه ابن سعد وابن أبي شيبة)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدتِ خلافت دو سال چار ماہ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت دس سال نصف ماہ، عثمان رضی اللہ عنہ کی مدتِ خلافت دس برس سے کچھ ایام کم ہے اور علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت چار

---

[1] الإتقان في علوم القرآن (١/ ٧٤)

[2] خزينة الأسرار للنازلي (ص: ١١)

[3] الإتقان (١/ ١٤٦)

سال نو ماہ اور کچھ ایام یا چھے ماہ ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی حسبِ فہمایش قرآنِ مجید کو اکٹھا کرایا تھا۔ یہ سارا واقعہ صحیح بخاری میں آیا ہے۔[1] نیز ترمذی اور ابوداود میں اس موضوع کی روایات آئی ہیں۔[2] پھر حذیفہ رضی اللہ عنہ کے کہنے سے عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحفِ حفصہ رضی اللہ عنہا سے متعدد نسخے نقل کروائے اور اطرافِ بلاد میں بھیجے۔

"والحاصل أن هذا المقدار على هذا المنوال، هو كلام الله المتعال بالوجه المتواتر، الذي أجمع عليه أهل المقال، فمن زاد فيه أو نقص منه شيئاً كفر في الحال"[3]

[الحاصل مذکورہ بالا طرز وطریق پر جو کچھ وارد ہوا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جو تواتر کے ساتھ ثابت ہے، جس پر اہلِ مقال نے اجماع کیا ہے، لہٰذا جس نے اس میں کچھ اضافہ کیا یا اس میں سے کوئی کمی کی تو وہ فوراً کافر ہو جائے گا]

---

(1) صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٠١، ٤٧٠٢)

(2) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٣٠٣)

(3) خزينة الأسرار (ص: ١٧)

آیات اور سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے

علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے۔نزول کے اعتبار سے سب سے آخر میں اترنے والی آیت یہ ہے:

﴿وَ اتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ﴾ [البقرۃ: ۲۸۱]

[اور اس دن سے ڈرو جس دن تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے]

یہ جبریل علیہ السلام کے حکم سے آیتِ ربا (سود) اور آیتِ مداینہ (جس میں قرض کے لین دین کا بیان ہے) کے درمیان رکھی گئی، بلکہ اَصح موقف یہ ہے کہ سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے، اگرچہ ان سے قبل آخری عرصے کے مصاحف، جس پر جمعِ عثمان کا دار و مدار تھا، مختلف تھے، کیوں کہ علی رضی اللہ عنہ نے مصحف کو ترتیبِ نزول پر لکھا تھا، جیسے پہلے اِقرا، پھر مدثر، پھر نون اور پھر مزمل، اسی طرح آخری مکی اور مدنی مکمل سورتوں تک۔[1]

رسم الخط، نقطے اور اعراب:

مصاحفِ عثمانیہ نقطوں اور اعراب سے خالی تھے، کیوں کہ وہ لوگ عرب قوم تھے، ان میں لحن تھی اور نہ ان کے دور میں نحو تھی۔ ابوالاسود تابعی بصری رحمہ اللہ نے سب سے پہلے نحو کو ایجاد کیا، پھر سرخ رنگ کے نقطے لگائے گئے نہ کہ سیاہ، پھر خلیل بن احمد فراہیدی نے شد و مد و ہمزہ اور علامتِ سکون و علامتِ وصل قائم کی۔

پھر نقطوں کے عوض اعراب لگایا گیا۔لوگ عبدالملک بن مروان کے ایام تک کچھ اوپر چالیس برس تک مصاحفِ عثمانیہ پڑھتے تھے۔ جب تصحیف زیادہ ہونے لگی، تب امیرِ عراق حجاج بن یوسف رحمہ اللہ کے حکم سے نصر بن عاصم لیثی نے نقطے لگائے۔ پھر انفرادی اور اجتماعی طور پر فواتح اور خواتم کا احداث ہوا۔ پہلے اعراب لگانے والا ابو الاسود دؤلی تھا، پھر نصر بن عاصم رحمہما اللہ نے نقطے لگائے، پھر

[1] خزینۃ الأسرار (ص: ١٤)

خلیل نے موجودہ اعراب لگائے اور اعشار وغیرہ حجاج یا مامون عباسی کے دور میں نکلے۔ قرآن مجید کی تیس پاروں پر تقسیم بھی حجاج کے زمانے میں ہوئی۔[1]

خطِ عربی کی تاریخ:

سب سے پہلے عربی سریانی لکھنے والے آدم علیہ السلام ہیں۔ انھوں نے اپنی وفات سے تین سو برس پہلے مٹی پر لکھ کر خط پختہ کیا تھا، پھر ادریس علیہ السلام نے اسے ترقی دی۔ یہی زیادہ صحیح موقف ہے۔ خطِ رمل ادریس علیہ السلام کی ایجاد ہے۔ سب سے پہلے جس نے فارسی لکھی، وہ فارس کے بادشاہوں میں سے تیسرا بادشاہ طہورث تھا۔ سب سے پہلے یوسف علیہ السلام نے کاغذ بنایا۔ سب سے پہلے جس نے عربی خط لکھا، وہ مقتدر باللہ اور قاہر باللہ کا وزیر ابن مقلہ ہے، چنانچہ اس نے خطِ کوفی چھوڑ کر خطِ نسخ ایجاد کیا۔ پھر ابن بواب نے خط کی تعریب اور ابن مقلہ کے طریق کی تہذیب کر کے اس کو بہجت وحسن کا لباس پہنایا، پھر یاقوت مستعصمی خطاط نے خط کی تکمیل وتتمیم کر دی۔ پھر شیخ حمداللہ نے خط کو اس قدر عمدہ کیا کہ اب اس پر مزید کسی اضافے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

خط حسن جمال مرء ... إن كان لعالم فأحسن
الدر من النبات أحلى ... والدر مع البنات أزين[2]

قرآن مجید کا دور:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال جبریل علیہ السلام کو ایک بار قرآن مجید سناتے تھے اور سالِ وفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ ان (جبریل علیہ السلام) پر

---

[1] خزينة الأسرار (ص: ١٤)

[2] مولف رحمہ اللہ نے یہ اشعار "خزينة الأسرار" للنازلي (ص: ١٥) سے نقل کیے ہیں، لیکن اس میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

بحسن خط جمال مرء ... إن كان لعالم فاحسن
الدر من البنان أحلى ... والدر مع البنات أزين

جب کہ نازلی نے یہ اشعار "تفسير روح البيان" (٩/ ٦٠) سے نقل کیے ہیں، جس میں یہ الفاظ منقول ہیں:

خط حسن جمال مرأى ... إن كان لعالم فأحسن
الدر من النبات أحلى ... والدر مع البنات أزين

قرآن مجید پیش کیا۔[1] (رواه الشيخان وأبو داوٗد وابن ماجه)

یہیں سے عرض کا ایک اور طریقہ اخذ کیا گیا ہے کہ تلامذہ شیوخ پر عرض کریں اور اس کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ شاگرد استاد سے سنے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مدارست کے طور پر اس کی صورت یہ ہے کہ کسی قدر تو اپنے غیر پر پڑھے، پھر وہ اسی قدر ما بعد سے تجھ پر پڑھے۔ اس طرح (حصولِ علم کے) دونوں طریقے حاصل ہو جاتے ہیں۔[2]

امام طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سالِ وفات میں معروض علیہ (جس پر وہ قرآن پیش کیا گیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اس عرضہ اخیرہ میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے۔ اسی لیے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید جمع کرنے کا حکم دیا تھا، کیوں کہ وہ عرضہ اخیرہ کا مکمل علم رکھتے تھے۔[3]

غرضکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال جبریل علیہ السلام پر عرض کرتے تھے اور سالِ وفات میں دو بار عرض کیا تو ہم جیسے لوگوں پر لازم ہے کہ ہمیشہ عرض و تلاوت کیا کریں۔ ہم کو کب کتاب اللہ سے استغنا پہنچتا ہے، جبکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستغنی نہ تھے؟

صحتِ تلاوت ایک علاحدہ شے ہے۔ عالم کو ہرگز یہ زیبا نہیں ہے کہ قاری پر عرضِ قرآن میں عار سمجھے، بلکہ لازمی ہے کہ صحیح پڑھنے والے پر عرض کر کے تلاوت کا طریق سیکھ لے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧١٢) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٧٦٩)

[2] فتح الباري (١/ ١٤٩)

[3] شرح الطيبي على المشكاة (٥/ ١٦٢٩)

قرآن سیکھنے کا بیان

① سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَاقْرَأُوهُ»[1] (الحديث، رواه الترمذي والنسائي وابن ماجه)

یعنی قرآن کو سیکھ کر پڑھو۔

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«تَعَلَّمُوا الْفَرائِضَ وَالْقُرْآنَ، وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ فَإِنِّي مَقْبُوضٌ»[2] (رواه الترمذي)

[فرائض (علمِ میراث) اور قرآن سیکھو اور وہ لوگوں کو سکھاؤ، کیوں کہ میں فوت ہونے والا ہوں]

③ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابی بن کعب سے کہا تھا:

«إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ»

[بلا شبہہ اللہ تعالیٰ مجھے یہ حکم دیتا ہے کہ میں تجھے قرآن پڑھ کر سناؤں]

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

"آللّٰهُ سَمَّانِي لَكَ؟"

[کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے میرا نام لیا ہے؟]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَللّٰهُ سَمَّاكَ»[3] [اللہ تعالیٰ ہی نے تمھارا نام لیا ہے] (أخرجه البخاري)

---

① سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۸۷٦) سنن النسائي الكبرىٰ (٥/ ٢٢٨) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢١٧) اس کی سند میں ایک راوی "عطاء مولىٰ أبي أحمد" ہے، جس کے متعلق حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا يعرف" (تهذيب التهذيب: ٧/ ١٩٥)

② سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٠٩١) اس کی سند میں "محمد بن القاسم الأسدي" راوی سخت ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: إرواء الغليل (٦/ ١٠٣)

③ صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٥٩٨)

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا تھا:

«أَقْرَأُكُمْ»[1] [تم سب سے بڑے (قرآن) کے قاری ابی (بن کعب رضی اللہ عنہ) ہیں]

چنانچہ تابعین میں سے بہت سے لوگوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید اخذ کیا، پھر ہر طبقے کے لوگ ان سے قرآن حاصل کرتے رہے۔ یہ سلسلہ اب تک امت میں باقی ہے اور تا قیامت جاری رہے گا، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے بھی ابی رضی اللہ عنہ سے قرآن اخذ کیا تھا۔ ان میں سے ایک ابو ہریرہ، دوسرے ابن عباس اور تیسرے عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہم ہیں، پھر ان سے تابعین رحمہم اللہ نے لیا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''قرآن کو چار شخصوں: ابن مسعود، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور سالم (رضی اللہ عنہم) سے اخذ کرو۔''[2]

ان میں سے دو مہاجر اور دو انصاری ہیں۔ ان کی وفات کے بعد اس فن کی امامت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر تمام ہوئی۔

ترتیل و تجوید:

علما نے کہا ہے کہ تجوید پڑھنا ہر قاریِ قرآن پر واجب ہے اور اس کا تارک گناہ گار ہے۔ قرآن مجید میں ترتیلِ قراءت کا حکم آیا ہے اور اس سے مراد صاف صاف حرف بہ حرف پڑھنا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ تم قرآن مجید کو رسول اللہ ﷺ کی قراءت کی طرح ترتیل سے پڑھو۔ اگر میں ایک سورت ترتیل کے ساتھ پڑھوں تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں سارا قرآن بغیر ترتیل کے پڑھوں۔[3] انتهى.

رہی تجوید کی یہ صورت جس سے آنکھ، ناک، کان اور منہ ٹیڑھا ہو جائے اور گردن کی رگیں پھول جائیں تو یہ بدعت ہے۔ اگر تجوید مصطلح فرض ٹھہرے گی تو دنیا میں کسی مسلمان کی کوئی نماز صحیح نہ ہوگی، جب تک کہ مخارجِ حروف و اصوات کو انھیں شد و مد، ادغام اور اخفا و اظہار کے ساتھ ادا نہ کرے گا۔

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٧٩٠)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧١٣)

[3] مصنف عبد الرزاق (٢/ ٤٨٩) سنن البيهقي (٢/ ٥٤)

اسی وجہ سے بعض شروح طریقہ محمدیہ[1] میں لکھا ہے:

”ومن الفتنة أن يقول لأهل القرىٰ والبوادي والعجائز والعبيد والإماء: لا تجوز الصلاة بدون التجويد، وهم لا يقدرون على التجويد، فيتركون الصلاة رأساً، فالواجب أن يتعلم مقدار ما يصح النظم والمعنى، ويتوغل في الإخلاص وحضور القلب“ انتهىٰ.

[یہ مسئلہ بڑا فتنہ انگیز ہے کہ دیہاتیوں، بدویوں، بوڑھوں، غلاموں اور لونڈیوں کو کہا جائے کہ تجوید (کے ساتھ قراءت کر کے نماز ادا کرنے) کے بغیر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، جبکہ وہ تجوید (کے ساتھ قراءت کرنے) پر قادر نہیں ہیں۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ سرے سے نماز ہی ترک کر دیں گے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہر شخص اتنی تجوید پڑھے، جس سے نظم قرآن اور اس کے معانی صحیح رہیں اور اخلاص و حضورِ قلب کے ساتھ ہمہ تن نماز پڑھنے کی طرف اپنی زیادہ توجہ کریں]

تعلیم و تعلّمِ قرآن کے فضائل:

① سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهُ»[2] (رواه البخاري و مسلم وأبو داوٗد والترمذي)

[تم سب میں بہترین شخص وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور (دوسروں کو) سکھایا]

② سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَأَقْرَأَهُ»[3] (رواه الطبراني بإسناد جيد)

[تم میں سے بہترین شخص وہ ہے، جس نے قرآن پڑھا اور (دوسروں کو) پڑھایا]

③ سنن ابن ماجہ میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ان الفاظ کے ساتھ حدیث مروی ہے:

---

[1] یہ محمد پیر علی برکلی (۹۸۱ھ) کی تالیف ہے، جس کی شروح و حواشی کی تعداد دس سے زائد ہے۔

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٣٩) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (١٤٥٢) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٠٧)

[3] المعجم الأوسط (٢٥٢/٣)

«خِيَارُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»[1]

[تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں، جنھوں نے قرآن سیکھا اور (دوسروں کو) سکھایا]

④ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ: مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْئَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِيْنَ»[2] (ترمذی نے کہا ہے: "هذا حديث غريب")

[اللہ عز و جل فرماتا ہے: جس شخص کو قرآن نے میرے ذکر اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھا، میں اسے اس سے بہتر عطا کرتا ہوں جو سوال کرنے والوں کو دیتا ہے]

حافظ ابن علاء ہمدانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے طرق کو جمع کیا ہے۔

⑤ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

«لَأَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ آيَةً مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ تعالىٰ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ مِائَةَ رَكْعَةٍ»[3] (رواه ابن ماجه)

[(اے ابو ذر!) اگر تو صبح کو (علم سیکھنے کے لیے) نکلے اور کتاب اللہ کی ایک آیت سیکھ لے، یہ تیرے لیے سو رکعت (نفل) نماز ادا کرنے سے بہتر ہے]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ علم کو عبادت پر بہت سی فضیلت حاصل ہے۔

⑥ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ، لَهُ أَجْرَانِ»[4] (رواه الشيخان)

[ماہر قرآن اطاعت گزار، معزز لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس پر دشوار ہوتا ہے تو اس کے لیے دہرا اجر ہوگا]

---

① سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۲۱۳)

② سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۹۲۶) اس کی سند میں "محمد بن حسن بن ابی یزید" راوی ضعیف ہے۔

③ سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۲۱۹) اس کی سند میں "علی بن زید" اور اس کا شاگرد "عبداللہ بن زیاد" ضعیف ہیں۔

④ صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٥٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (۷۹۸)

⑦ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«أَهْلُ الْقُرْآنِ أَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهُ»[1] (رواه ابن ماجه)

[قرآن والے ہی اللہ والے اور اس کے خاص بندے ہیں]

ابو عبدالرحمٰن سلمی تابعیِ جلیل نے عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ بالا حدیث سن کر کہا تھا کہ اس حدیث نے مجھے اس جگہ مسجد میں بٹھایا ہوا ہے۔[2] وہ جامع کوفہ میں لوگوں کو قرآن سکھاتے تھے، حالاں کہ وہ بہت بڑے عالم تھے اور لوگوں کو ان کے علم کی طرف بڑی حاجت تھی، لیکن انھوں نے چالیس برس قرآن کی تعلیم دی۔ سیدنا حسن و سیدنا حسین رضی اللہ عنہما نے بھی انہی سے قرآن پڑھا تھا۔ سلف صالحین کسی شے کو قراءتِ قرآن کے برابر نہ جانتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ میں روزہ رکھنے سے ضعیف ہو جاتا ہوں، اس لیے تلاوتِ قرآن مجھ کو محبوب تر ہے۔[3]

غرض کہ قراءتِ قرآن نیکی کے کاموں میں سے افضل کام ہے اور عبادات میں سے اکمل عبادت ہے۔

⑧ تفسیر ابن عادل میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر حتمی طور پر طے شدہ عذاب بھیجنا چاہتا ہے، لیکن جب وہ سنتا ہے کہ مکتب میں بچے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ چالیس سال تک ان سے عذاب اٹھا لیتا ہے۔[4]

⑨ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً بیان کیا ہے:

«إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيْئٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ»[5] (رواه الترمذي)

یعنی وہ دل جس میں قرآن کا کچھ بھی حصہ نہیں ہے، وہ ویران گھر کی طرح ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢١٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٣٩)

[3] شعب الإيمان للبيهقي (٢/٣٥٤)

[4] یہ حدیث ضعیف اور موضوع ہے۔ دیکھیں: كشف الخفاء للعجلوني (٦٧٢)

[5] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩١٣) اس کی سند میں ''قابوس بن ابی ظبیان'' ضعیف ہے۔

تلاوتِ قرآن کا صحیح طریقہ:

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ قرآن کو عربی لہجوں اور آوازوں میں پڑھو اور اہلِ فسق واہلِ کتابین (دو کتابوں (تورات وانجیل) والوں) کے لہجوں سے بچو۔[1] الحدیث (رواہ الترمذي والبیھقي)

امام قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تحسینِ صوت میں تو کچھ نزاع نہیں ہے اور لحن کو ایک جماعت نے حرام اور دوسری نے مکروہ کہا ہے۔ صاحبِ ذخیرہ، امام غزالی، قاضی عیاض مالکی اور ابن عقیل حنبلی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ غرضکہ الحان، طربیہ انداز اور غزل اور گانوں میں مخصوص انداز و اطوار کی گائیکی کے انداز پر قرآن پڑھنا نہایت شنیع اور بڑی قابلِ مذمت بدعت ہے۔ ایسی قراءت سننے والے پر نکیر اور پڑھنے والے پر تعزیر لازمی ہے۔

توہینِ قرآن کی وعید:

لفظ ''مصحف'' میم کی پیش اور زبر دونوں طرح درست ہے، لیکن پہلا زیادہ مشہور ہے۔ قاموس میں میم کو مثلث کہا گیا ہے۔ مصحف کی میم پر اگر زیر ہو تو یہ اسم آلہ ہے، زبر ہو تو اسم مکان ہے اور اگر پیش ہو تو اسم مفعول ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ، معانی اور اہلِ قرآن کی توہین کرنا کفر ہے۔ ولید پلید نے مصحف کی اہانت کی تھی تو اس پر اس کی تکفیر کی گئی۔ اسی طرح مصحف میں سے کسی شے کا انکار، جیسے امر و نہی، خبر سابق و لاحق اور مثال وغیرہ ہیں، کفر ہے۔ ایسے ہی سات متواتر قراءتوں کا انکار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾ [حٰم السجدۃ: ٤١، ٤٢]

[بلاشبہ یہ یقیناً ایک باعزت کتاب ہے۔ اس کے پاس باطل نہ اس کے آگے سے آتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، ایک کمال حکمت والے، تمام خوبیوں والے کی طرف سے اتاری ہوئی ہے]

امام حاکم رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے:

---

[1] المعجم الأوسط (٧/ ١٨٣) شعب الإیمان للبیھقي (٢/ ٥٤٠) اس کی سند میں موجود راوی ''حصین بن مالک فزاری'' قابلِ اعتماد نہیں اور اس کا شیخ ''ابو محمد'' مجہول ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ دیکھیں: العلل المتناھیة (١/ ١١٨) ضعیف الجامع (١٠٦٧)

«اَلْمِرَاءُ فِيْ الْقُرْآنِ كُفْرٌ»①

[قرآن کے بارے میں اختلاف کرنا اور جھگڑنا کفر ہے]

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«لَا تُمَارُوْا فِيْ الْقُرْآنِ فَإِنَّ الْمِرآءَ كُفْرٌ»②

[قرآن میں جھگڑا نہ کرو، یقیناً اس میں جھگڑا کرنا کفر ہے]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ [المؤمن: ٤]

[اللہ کی آیات میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا]

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے امام ہروی رحمہ اللہ کی متابعت میں کہا ہے:

"المماراة المجادلة علىٰ مذهب الشك و الريبة"

[ممارات کا مطلب ہے شک وشبہے کی بنا پر جھگڑا کرنا]

ابو عبید رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک مذکورہ بالا حدیث سے مراد تاویل میں اختلاف نہیں ہے، بلکہ لفظ میں اختلاف مراد ہے۔ ایک کہتا ہے یوں پڑھو، دوسرا کہتا کہ نہیں یوں پڑھو۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد اہلِ کلام، اہلِ اہوا اور اہلِ بدع کے طریقے پر آیاتِ قدر وغیرہ میں جدال ہے نہ کہ احکامِ حلال وحرام میں اختلاف کرنا۔

ابن ماجہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

«مَنْ جَحَدَ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَدْ حَلَّ ضَرْبُ عُنُقِهِ»③

[مسلمانوں میں جس کسی نے کتاب اللہ کی کسی آیت کا انکار کیا تو اس کی گردن مارنا حلال ہو گیا]

میں کہتا ہوں کہ لفظِ "مراء" عام ہے، ان تمام معانی سے، جو اس لفظ کے لغوی معنی ٹھہریں،

---

① سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٤٧٠٣) مسند أحمد (٢/ ٣٠٠)

② مسند أحمد (٤/ ١٦٩)

③ سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٥٣٩) اس کی سند میں "حفص بن عمر عدنی" ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (١٤١٦)

حدیث اس کا مصداق ہوگی۔ پھر خواہ وہ مراء آیاتِ صفات میں ہو یا قدر میں یا مشتبہات میں یا اس طرح کی دیگر چیزوں میں ہو۔ واللہ أعلم.

الغرض لعنت کرنے والا، گالی دینے والا اور قرآن، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی تمام کتابوں کی توہین کرنے والا، کافر ہو جاتا ہے۔ اگر وہ فی الفور توبہ نہ کرے گا تو قتل کا مستحق ٹھہرے گا۔

قرآن مجید کا جزوی و کلی انکار کفر ہے:

روے زمین کے تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ قرآن جو اہلِ ایمان کی زبان پر تلاوت کیا جاتا ہے اور مصاحف میں لکھا ہوا مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے، بسم اللہ کے آغاز سے لے کر سورۃ الناس کے آخر تک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ جو کچھ اس کے اندر ہے، وہ حق و سچ ہے، اس میں ایک لفظ کی بھی کمی و بیشی کرنا حرام اور کفر ہے۔

ابو عثمان حداد رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"جميع من ينتحل التوحيد علىٰ أن الجحد بحرف من التنزيل كفر"[1]

[توحید کا دعوی کرنے والے تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن مجید کے کسی ایک حرف کا بھی انکار کرنا کفر ہے]

ابو العالیہ رحمہ اللہ کے سامنے جب کوئی شخص غلط طریقے سے قرآن مجید پڑھتا تو وہ یہ کہتے: "ليس كما قرأت" [قرآن مجید ایسے نہیں جیسے تو پڑھتا ہے] بلکہ وہ یوں کہتے: "أما أنا فأقرأ كذا و كذا" [میں تو ایسے ایسے پڑھتا ہوں] یہ کمال احتیاط اور تورع تھا کہ مبادا کہیں کسی حرف کا انکار ہو جائے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

"من كفر بآية من القرآن فقد كفر به كله"[2]

[جس نے قرآن مجید کی ایک آیت کا انکار کیا تو یقیناً اس نے سارے قرآن کا انکار کیا]

یہ ویسی بات ہے کہ جس نے ایک رسول کا انکار کیا، اس نے گویا سارے رسولوں کا انکار کیا۔[3]

---

[1] الشفاء للقاضي عياض (٢/ ١١٠٢، ١١٠٥)

[2] مصنف عبد الرزاق (٨/ ٤٧٢)

[3] خزينة الأسرار (ص: ٢٣)

اہلِ قرآن کا اکرام اوران کو ایذا وغیرہ دینے کی ممانعت

① اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ [الحج: ٣٢]

[اور جو اللہ کے نام کی چیزوں کی تعظیم کرتا ہے تو یقیناً یہ دلوں کے تقوے سے ہے]

② نیز فرمایا:

﴿وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ [الحج: ٣٠]

[اور جو کوئی اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اس کے لیے اس کے رب کے ہاں بہتر ہے]

③ مزید فرمایا:

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الشعراء: ٢١٥]

[اور اپنا بازو اس کے لیے جھکا دے جو ایمان والوں میں سے تیرے پیچھے چلے]

④ ایک ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ [الأحزاب: ٥٨]

[اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیف دیتے ہیں، بغیر کسی گناہ کے جو انھوں نے کمایا ہو تو یقیناً انھوں نے بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا]

⑤ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللّٰهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِ فِيْهِ وَالْجَافِي عَنْهُ، وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ»[1] (رواه أبو داوٗد، و هو حديث حسن)

[یقیناً بوڑھے مسلمان اور ایسے صاحبِ قرآن کی عزت کرنا جو اس میں غلو اور تقصیر سے بچتا ہو اور (اسی طرح) حاکم کی عزت کرنا، اللہ عز وجل کی عزت کرنے کا حصہ ہے]

① سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٤٨٤٣)

⑥ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں آیا ہے:

«أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نُنَزِّلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ»[1] (رواه أبوداوٗد والبزار)

[رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگوں سے ان کے مقام و مرتبے کے مطابق برتاؤ کریں]

شہدائے احد میں رسول اللہ ﷺ دو دو آدمیوں کو جمع کرتے اور فرماتے کہ ان میں سے قرآن کسے زیادہ یاد ہے؟ جس کی طرف اشارہ کیا جاتا، اسے ہی لحد میں پہلے رکھتے۔[2]

⑦ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

«مَنْ آذَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ»[3] (رواه البخاري)

[جو شخص میرے کسی دوست کو تکلیف دے تو میرا اس سے اعلانِ جنگ ہے]

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ نے کہا ہے:

"إن لم تكن العلماء أولياء اللّٰه تعالىٰ فليس للّٰه ولي"[4]

(ذكره النووي في آداب حملة القرآن)

[اگر علما اللہ تعالیٰ کے اولیا نہیں ہے تو پھر درحقیقت اللہ کا ولی کوئی نہیں ہے]

⑧ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اہلِ قرآن کو اہل اللہ اور خاصانِ خدا کہا گیا ہے۔[5]

(رواہ ابن ماجه)

مذکورہ بالا آیات و احادیث ترجمۃ الباب پر عموماً و خصوصاً دلیل ہیں۔ اس شرف اور مقام میں سارے علمائے قرآن، حفاظ، قرائے فرقان، کتاب اللہ کو پڑھانے والے اور اس کی تلاوت کرنے والے داخل ہیں، بلکہ کاتبین و سامعینِ قرآن بھی، بشرطیکہ ان سب کی نیتیں درست ہوں۔

---

[1] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٤٨٤٢) اس کی سند میں حبیب بن ابی ثابت مدلس ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (١٨٩٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٢٧٨)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٣٧)

[4] التبيان في آداب حملة القرآن للنووي (ص: ٩)

[5] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢١٥)

تلاوتِ قرآن کے فضائل:

① سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی حدیث میں آیا ہے کہ قرآن مجید کا نماز میں پڑھنا غیر نماز میں قراءتِ قرآن سے افضل ہے۔ غیر نماز میں قراءتِ قرآن تکبیر و تسبیح سے افضل ہے اور تکبیر و تسبیح صدقے سے افضل ہے۔[1]

(رواه الطبراني والدارقطني، كذا في الجامع الصغير، ورواه البيهقي في شعب الإيمان)

② سیدنا اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ ہیں:

«قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْآنَ فِيْ غَيْرِ الْمُصْحَفِ أَلْفُ أَلْفِ دَرَجَةٍ»[2]

(رواه البيهقي في شعب الإيمان)

[آدمی کا زبانی قرآن مجید پڑھنا دس لاکھ درجے رکھتا ہے]

③ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ ان دلوں کو اسی طرح زنگ لگ جاتا ہے، جس طرح لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگ جاتا ہے۔ پوچھا گیا کہ اس کی صفائی کیسے ممکن ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ»[3] (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

[موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا]

میں کہتا ہوں: عبادت کی ترتیب یوں ہے کہ جب تک نفس ہوشیار اور چاق چوبند ہو، تب تک نماز ادا کرے، کیوں کہ نماز افضل عبادت ہے اور مومنوں کی معراج ہے۔ پھر جب نماز سے تھک جائے تو قرآن مجید کی تلاوت کرے، کیوں کہ خالی تلاوت نفس کے لیے نماز سے آسان تر ہے۔ جب تلاوت سے تھک جائے تو زبانِ دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، کیوں کہ یہ تلاوت کی نسبت زیادہ ہلکا ہے، پھر جب ذکر سے بھی تھک جائے تو مراقبہ کرے۔

---

① شعب الإيمان (٢/ ٤١٣) اس کی سند میں راوی مجہول ہے۔ نیز دیکھیں: ضعيف الجامع (٤٠٨٢)
② شعب الإيمان للبيهقي (٢/ ٤٠٧) اس کی سند میں انقطاع ہے اور ابو سعید بن عوذ راوی ضعیف ہے۔
③ شعب الإيمان للبيهقي (٢/ ٣٥٢) اس کی دو سندیں ہیں: ایک میں عبدالرحیم بن ہارون راوی ہے، جو کذاب ہے اور دوسری میں عبداللہ بن عبدالعزیز بن رواد راوی سخت ضعیف ہے۔

آدابِ تلاوت کا بیان

بعض علما نے کہا ہے کہ قرآن مجید کی قراءت ایک کرامت ہے، جس کے ساتھ اللہ عز وجل نے بشر کا اکرام کیا ہے۔ یہ چیز فرشتوں کو نہیں دی گئی اور ان کی یہ خواہش ہے کہ وہ انسانوں سے اس قرآن کا سماع کریں۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی قراءت کا مختار وقت وہ ہے جو نماز کے اندر ہو۔[1] کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شہروں میں سے بلدِ حرام کو پسند کیا ہے، زمانے میں سے حرمت والے مہینوں کو، پھر مہینوں میں زیادہ پسندیدہ ذوالحجہ کا مہینا ہے اور ماہِ ذی الحجہ میں سے پسندیدہ اس کا پہلا عشرہ ہے۔ ایام میں سے یومِ جمعہ کو اور راتوں میں سے شبِ قدر کو اور ساعاتِ لیل و نہار میں فرض نمازوں کے ساعات کو پسند فرمایا ہے۔ سب سے زیادہ پسندیدہ کلام "لا إله إلا الله، والله أكبر، وسبحان الله والحمد لله" ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب "الدر المنثور" میں ایسے ہی لکھا ہوا ہے۔[2]

تلاوت کے لیے اوقاتِ نماز کے بعد سب سے افضل رات کا وقت ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَ﴾ [آل عمران: ١١٣]

[جو رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور وہ سجدے کرتے ہیں]

رات کے وقت بندے کو دل جمعی حاصل ہوتی ہے، اس کا دل شواغل سے دور ہوتا ہے اور ریا سے محفوظ ہوتا ہے۔ رات کے وقت اللہ تعالیٰ کے نزول والی حدیث میں (رات کی) ایک ایسی گھڑی کا ذکر آیا ہے، جس میں بندہ جو دعا مانگے، وہ قبول ہو جاتی ہے۔[3] ہر رات کا آخری نصف، نصف اول سے پسندیدہ ہے۔ مغرب اور عشا کے درمیان تلاوت محبوب ہوتی ہے۔ دن کا افضل وقت صبح کا وقت ہے، اگرچہ قراءتِ قرآن ہر وقت درست ہے۔

---

[1] التبيان في آداب حملة القرآن (ص: ١٥٥)

[2] الدر المنثور (٤/ ١٨٧) نیز دیکھیں: شعب الإيمان (٣/ ٣٥٠)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٠٩٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٥٨)

ایام میں سے یوم عرفہ اور یوم جمعہ مختار ہیں۔ اعشار میں سے عشرۂ اخیرہ رمضان اور عشرۂ اول ذی الحجہ اور مہینوں میں سے ماہِ رمضان افضل ہے۔ مختار یہ ہے کہ بندہ قراءتِ قرآن کا آغاز جمعہ کی رات سے کرے اور جمعرات کی رات کو ختم کرے۔ عثمان رضی اللہ عنہ اسی طرح کرتے تھے۔[1] افضل ختم قرآن وہ ہے جو اول نہار یا اول شب میں ہو۔

دارمی نے حسن سند کے ساتھ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب اول شب میں قرآن ختم ہوتا ہے تو صبح تک فرشتے درود بھیجتے ہیں اور اگر آخر شب میں ہوتا ہے تو فرشتے شام تک درود بھیجتے ہیں۔[2] ایسے ہی ابو نعیم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور الاتقان میں بھی ایسے ہی ہے۔[3]

احیاء العلوم میں کہا ہے:

"يكون الختم في أول النهار في ركعتي سنة الفجر، وأول الليل في ركعتي سنة المغرب"[4]

[ختم قرآن دن کے آغاز میں فجر کی دو سنتوں میں ہونا چاہیے اور رات کے آغاز میں مغرب کی دو سنتوں میں]

"وعن ابن المبارك: يستحب الختم في الشتاء أول الليل، وفي الصيف أول النهار"[5] انتهى.

[ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ سردیوں میں اول لیل اور گرمیوں میں اول نہار میں ختم قرآن پسندیدہ ہے]

تابعین کی ایک جماعت ختم قرآن کے دن روزہ رکھنے کو مستحب جانتی ہے۔

سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے:

«مَنْ خُتِمَ لَهُ بِصِيَامٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ»[6] (رواه البزار)

---

[1] فضائل الصحابة للإمام أحمد (١/ ٥١٧)

[2] سنن الدارمي (٢/ ٥٦١)

[3] الإتقان للسيوطي (١/ ٢٩٣)

[4] إحياء علوم الدين (١/ ٢٧٦)

[5] الإتقان للسيوطي (١/ ٢٩٣)

[6] مسند البزار (٧/ ٢٧٠) صحيح الجامع، رقم الحديث (٦٢٢٤)

[جس کا خاتمہ روزے کے ساتھ ہوا، وہ جنت میں داخل ہوگا]

اس حدیث میں اگرچہ لفظ ''ختم'' عام ہے، لیکن ختم قرآن افضل اعمال ہے، لہٰذا وہ بالاولیٰ اس میں داخل رہے گا۔ یہ بھی مستحب ہے کہ ختم کے دن گھر والوں اور دوستوں کو جمع کرے۔

یہ بھی مستحب ہے کہ قرآن مجید باوضو پڑھا جائے، کیوں کہ یہ افضل ذکر ہے، اگرچہ بے وضو بھی قراءت کرنا منع نہیں ہے۔ قراءت کی جگہ پاکیزہ ہو۔ افضل جگہ مسجد ہے۔ قاری قبلہ رو ہو کر خشوع و خضوع اور سکینت و وقار کے ساتھ سرنگوں ہو کر پڑھے، پہلے سے مسواک کر رکھے۔

قرآن مجید کو کسب و معیشت کا ذریعہ ٹھہرانا سخت مکروہ ہے۔ بات کرنے کے لیے قرآن مجید کو قطع نہ کیا جائے اور ہنسی، کھیل کود اور لہو سے اجتناب کرنا چاہیے۔

تدبرِ قرآن:

مصحف میں پڑھنا زبانی قراءت سے افضل ہے، کیوں کہ مصحف کو دیکھنا بھی ایک مطلوب عبادت ہے اور ترتیل، تدبر اور غور و فکر مسنون ہے، اس لیے کہ تلاوت کا مقصودِ اعظم اور مطلوبِ اہم یہی امر ہے۔ اس سے سینہ کشادہ ہوتا ہے اور دل منور ہوتا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ﴾ [ص: ۲۹]

[یہ ایک کتاب ہے، ہم نے اسے تیری طرف نازل کیا ہے، بہت بابرکت ہے، تاکہ وہ اس کی آیات میں غور و فکر کریں]

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ [النساء: ۸۲]

[تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟]

اس کا طریقہ یہ ہے کہ دل کو معنی و لفظ کے تفکر میں مشغول کر کے ہر آیت کے معنی سمجھے اور اوامر و نواہی میں تامل کرے اور اس کی قبولیت کا معتقد بنے۔ حزن و خشوع کے اظہار کے ساتھ قراءت کے وقت روئے یا رونے کا سا منہ بنانا مستحب ہے۔ اللہ جل و علا کا فرمان ہے:

﴿وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ﴾ [بني اسرائیل: ۱۰۹]

[اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر جاتے ہیں، روتے ہیں]

اہلِ علم نے کہا ہے:

”فإن لم يحضره عند ذلك حزن و بكاء فليبك على فقد ذلك، فإنه من المصائب“[1]

[اگر قراءت کے وقت اسے حزن و بکا میسر نہ آئے تو وہ ان کے فقدان ہی پر رو پڑے، یقیناً یہ فقدان بہت بڑی آفت ہے]

ایک ہی آیت کو تکرار سے بار بار پڑھنا مستحب ہے۔

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَامَ بِآيَةٍ يُرَدِّدُهَا حَتَّىٰ أَصْبَحَ: إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ إِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ»[2] (رواه النسائي وغيره)

[یقیناً نبی ﷺ نے ایک آیت کو صبح تک بار بار پڑھتے ہوئے قیام کیا، (وہ آیت یہ ہے) ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ إِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اگر تو انھیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دیں تو بے شک تو ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے]

ائمہ ثلاثہ برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قراءتِ قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

کیوں کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ [النجم: ٣٩]

[اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے، جس کی اس نے کوشش کی]

قرآن مجید کو کھڑے، بیٹھے، لیٹے اور چار زانوں ہر طرح پڑھنا درست ہے۔ ہاں تکیہ نہ لگائے، با ادب ہیئت و حالت میں بیٹھے، اسی طرح جس طرح استاد کے سامنے بیٹھتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ سورۃ الفاتحہ سے کچھ زیادہ حفظ کرنا نفل نماز سے افضل ہے، کیوں کہ (حفظِ قرآن) فرض کفایہ ہے۔[3]

---

[1] المجموع شرح المهذب (٢/ ١٦٥)

[2] سنن النسائي، رقم الحديث (١٠١٠) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٣٥٠)

[3] المجموع شرح المهذب (٤/ ٤)

قرآن مجید کی کوئی آیت یاد کر کے بھول جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ مضمون ایک مشہور حدیث میں آیا ہے۔[1]

بہتر تو یہ ہے کہ اگر اثنائے تلاوت میں رسول اللہ ﷺ کا نامِ مبارک سنے تو پست آواز کے ساتھ درود پڑھ لے، ورنہ فارغ ہونے کے بعد تو ضرور ہی پڑھے، بلکہ بعض کے نزدیک عین نماز میں اسمِ شریف سن کر درود پڑھے۔

قرآن مجید کتنے دنوں میں ختم کیا جائے؟

تین راتوں سے کم میں قرآن مجید کا ختم کرنا بے سمجھی ہے، کیوں کہ اس میں عجلت کے سبب تدبر و تفکر نہیں ہوسکتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے ظاہر حدیث[2] کے مطابق تین دن میں ختم کرنا ہمیشہ کے لیے طے کر رکھا تھا۔ ایک جماعت دو ماہ میں ختم کرتی تھی۔ دوسری جماعت دس دن میں اور تیسری جماعت سات دن میں۔ اسی پر اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہم کا عمل تھا، جن میں عثمان بن عفان، زید بن ثابت، ابن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

اس ختم کا طریقہ یہ تھا کہ جمعہ کے دن اول قرآن سے سورۃ الانعام تک، ہفتے کو سورۃ الانعام سے سورت یونس تک، اتوار کو سورت یونس تا سورت طٰہٰ، پیر کو سورت طٰہٰ سے سورۃ العنکبوت تک، منگل کو سورۃ العنکبوت سے تا سورۃ الزمر، بدھ کو سورۃ الزمر سے سورۃ الواقعہ تک اور جمعرات کو سورت واقعہ سے آخر قرآن تک پڑھتے۔

جو شخص ان کے اس طریقے پر چلتے ہوئے اس ترتیب سے ایک ہفتے میں بلافصل قرآن مجید ختم کرے گا، پھر وہ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے گا اور اس کا مطلوب و مقصود پورا ہوگا۔

ختم کے دوسرے طریق کا نام "فمی بشوق" ہے۔ یہ طریقہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ فاتحہ کی فا سے مائدہ کی میم تک۔ پھر مائدہ سے یائے یونس تک، پھر بائے بنی اسرائیل تک، پھر شین شعراء تک، پھر واو والصافات تک، پھر قاف تک اور پھر آخر قرآن تک پڑھے۔

گر مصحف تو عذار تو افتد بدست من   ختم فمی بشوق بیک بوسہ کردن است

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٦١) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩١٦) اس کی سند میں انقطاع ہے۔ دیکھیں: ضعيف الجامع، رقم الحديث (٣٧٠٠) الثمر المستطاب (ص: ٥٨٧)

[2] سنن أبي داود (١٣٩٠) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٤٩) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٣٤٧)

[اگر تیرا مصحف تیرا رخسار بن کر میرے ہاتھ لگ جائے تو میں اسے ''فمي بشوق'' (ختمِ قرآن کی مذکورہ بالا ترتیب) کے ایک ہی بوسے کے ساتھ ختم کر ڈالوں گا]

شیخین نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا:

«اِقْرَأْ فِي سَبْعٍ، وَلَا تَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ»[1]

[سات دنوں میں قرآن مجید ختم کرو اور اس سے زیادہ (کم دنوں میں ختم) نہ کرو]

اس کو ختمِ احزاب کہتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ سید جلیل ابن کاتب صوفی ہر دن رات میں چار چار مرتبہ قرآن ختم کرتے تھے۔[2] بعض علما نے کہا ہے:

''يمكن حمله على مبادي طي اللسان و بسط الزمان''

[اس کو زبان کے لپٹ جانے اور وقت کے پھیل جانے کے اصول پر محمول کرنا ممکن ہے]

شیخ موسیٰ رحمہ اللہ صاحبِ شیخ ابو مدین رحمہ اللہ رات دن میں ستر ہزار ختم کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے حجر اسود کو بوسہ دینے کے بعد پڑھنا شروع کیا تھا اور بابِ کعبہ کے سامنے جا کر ختم کیا، اس طرح کہ بعض اصحاب نے حرفاً حرفاً سنا۔ اسے امام غزالی رحمہ اللہ نے ''احیاء'' میں اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ''مرقات'' میں ذکر کیا ہے۔[3]

میں کہتا ہوں کہ یہ طی اللسان اور بسطِ زمان کے طریق پر شیخ کی کرامت پر محمول ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جس نے ہر سال دو بار قرآن ختم کیا، اس نے حق ادا کر دیا، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات کے سال دو ہی مرتبہ جبریل علیہ السلام پر قرآن عرض کیا تھا۔ اس لیے انھوں نے ''بستان'' میں کہا ہے:

''ينبغي للقارئ أن يختم في السنة مرتين إن لم يقدر على الزيادة''[4]

[قاری کے لائق یہ ہے کہ اگر وہ زیادہ نہ کر سکے تو سال میں دو مرتبہ تو ختمِ قرآن کرے]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٦٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٥٩)

[2] التبيان للنووي (ص: ٦٠)

[3] مرقاة المفاتيح (٧/ ٦٥)

[4] بستان العارفين لأبي الليث السمرقندي (ص: ٣١٦)

چالیس دن سے بلا عذر تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہے۔
عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ کتنے دنوں میں قرآن مجید ختم کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فِي أَرْبَعِينَ يَوْماً»[1] (رواہ أبو داوٗد کذا في الإتقان)

[چالیس دن میں (ختم کرو)]

دوسروں سے قرآن سننے کی فضیلت:

قرآن مجید کا دوسروں سے سننا فضیلت رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خدا تعالیٰ کے حکم سے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو سورۃ البینہ پڑھ کر سنائی تھی۔[2] (رواہ الشیخان)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہتے تھے: "ذَكِّرْنَا رَبَّنَا" یعنی ہم کو ہمارے رب کی یاد دلاؤ تو وہ قرآن پڑھ کر سناتے۔[3]

معلوم ہوا کہ بعض اوقات قرآن مجید کا غیر سے سننا سنت ہے، اس سے داعی، مومن، قاری، مستمع، عالم اور متعلم سب اجر میں ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔[4]

---

[1] سنن أبي داوٗد، رقم الحدیث (۱۳۹۵) الإتقان في علوم القرآن (۱/ ۲۷۸)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳۵۹۸) صحیح مسلم، رقم الحدیث ۷۹۹) نیز خود عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پڑھوا کر سنی تھی۔

[3] صحیح ابن حبان (۱٦/ ۱٦۸)

[4] اس معنی میں ایک حدیث بھی مرفوعاً مروی ہے، لیکن وہ موضوع ہے۔ دیکھیں: ضعیف الجامع (۲۹۹٦)

کلام اللہ کی فضیلت

1. سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلیٰ سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ علیٰ خَلْقِه»[1]

(رواه الترمذي والدارمي والبيهقي في شعب الإيمان، وقال الترمذي: هذا حديث حسن غريب)

[اللہ کے کلام کو دوسرے کلاموں پر ایسے ہی برتری حاصل ہے، جیسے اللہ کو اپنی مخلوق پر برتری حاصل ہے]

2. سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«فَضْلُ الْقُرْآنِ علیٰ سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ الرَّحْمٰنِ علیٰ سَائِرِ خَلْقِهِ»[2]

(رواه أبو يعلیٰ والطبراني)

[قرآن کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسے ہے، جیسے رحمان کی فضیلت اپنی ساری مخلوق پر ہے]

3. سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنے رب سے باتیں کرنا چاہے تو وہ قرآن پڑھے۔[3] (رواه الخطيب والديلمي)

4. سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«خَيْرُ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم»[4] (رواه مسلم)

[بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے]

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٢٦) سنن الدارمي (٢/٥٣٣) شعب الإيمان للبيهقي (٢/٣٥٣) اس کی سند میں "محمد بن الحسن بن ابی یزید" اور "عطیہ العوفی" ضعیف ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (١٣٣٥)

[2] معجم أبي يعلیٰ الموصلي (٢٨٩) شعب الإيمان للبيهقي (٣/٥٠١) اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (١٣٣٤)

[3] **ضعيف جدا**. تاريخ بغداد (٧/ ٢٣٩) فيض القدير (١/ ٢٤٨) ضعيف الجامع، رقم الحديث (٢٩٣)

[4] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٦٧)

5 سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قرآن ہر اس شے سے افضل ہے، جو اللہ کے سوا ہے۔ قرآن مجید کی توقیر کرنے والا اللہ کی توقیر کرنے والا ہے۔ قرآن مجید شافع، مشفع اور وکالت کرنے والا تصدیق شدہ ہے۔ جس نے قرآن مجید کو اپنا امام بنایا، وہ جنت کی طرف اس کا قائد ہوگا اور جس نے اسے پس پشت ڈالا تو وہ اسے جہنم کی آگ کی طرف ہانکنے والا ہے۔[1] الحدیث

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام، قدیم، متلو، محفوظ اور مکتوب ہے۔ حائضہ اور جنبی اسے نہ پڑھیں۔ مسافر اسے دشمن کی سرزمین میں نہ لے جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ﴾ [الزمر: ٢٣]

[اللہ نے سب سے اچھی بات نازل فرمائی]

کیوں کہ اسے دوسری نازل شدہ کتابوں پر شرف حاصل ہے، اگرچہ اللہ کا کلام واحد بالذات ہے۔ شیخ محمد حقی نازلی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"إن القرآن الكريم لا نهاية لحسنه، ولا غاية لجمال نظمه وملاحة معانيه، وهو أحسن مما نزل علىٰ جميع الأنبياء والمرسلين، وأكمله وأكثره أحكاماً، وهو أحسن الحديث لفصاحته وإيجازه وإعجازه، ولأن كلامه تعالىٰ قديم، وكلام غيره مخلوق محدث، وإنه لكتاب عزيز كثيرالمنافع عديم النظير، لا يأتيه الباطل فيما أخبر عما مضىٰ، ولا فيما أخبر عن الأمور الآتية، ولا يأتيه التكذيب من الكتب التي قبله، لا يجيئ بعده كتاب يبطله أو ينسخه، تنزيل من حكيم حميد"[2]

[بلا شبہہ نظمِ قرآن کریم اور اس کے معانی کی چمک دمک کے حسن کی کوئی انتہا نہیں ہے اور اس کے جمال کی کوئی غایت نہیں ہے۔ وہ انبیا اور رسل پر اترنے والی تمام کتابوں سے احسن، اکمل اور احکام میں اکثر ہے۔ وہ اپنی فصاحت، ایجاز اور اعجاز میں احسن الحدیث ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ کا کلام قدیم ہے، جبکہ اس کے غیر کا کلام مخلوق اور

[1] تفسير القرطبي (١٥/ ٥) اس کی سند میں "بقیہ بن ولید" مدلس ہے۔ البتہ اس حدیث کے آخری الفاظ صحیح سند سے ثابت ہیں۔ دیکھیں: السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (٣٠١٩)

[2] خزينة الأسرار للنازلي (ص: ٥٦)

محدث ہے۔ یقیناً وہ کتابِ عزیز ہے، جو کثیر المنافع اور عدیم النظیر ہے۔ اس کے پاس باطل نہیں آتا، اس چیز میں جس میں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ کی خبر دی ہے اور نہ اس میں جس میں اس نے آیندہ معاملے کی اطلاع دی ہے۔ اس سے پہلے کی کتابیں اس کی تکذیب نہیں کرتی ہیں۔ اس کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی، جو اسے باطل یا منسوخ کر دے۔ یہ کمال حکمت والے تعریف کیے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے]

٦ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَاماً وَّ يَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ»[1] (رواه مسلم)

[بے شک اللہ، اس کتاب کے ذریعے سے کچھ لوگوں کو رفعت عطا فرماتا ہے اور کچھ کو پستی کا شکار کر دیتا ہے]

٧ صحیحین میں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں سورۃ البقرہ کی قراءت پر سکینت کے نازل ہونے کا قصہ بیان ہوا ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

«تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ بِصَوْتِكَ»[2] (متفق عليه)

[وہ فرشتے تھے جو تمھاری آواز کے لیے قریب آ گئے تھے]

٨ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«تِلْكَ السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ»[3] (متفق عليه)

[وہ سکینت تھی، جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوئی تھی]

٩ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِقْرَؤُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعاً لِّأَصْحَابِهِ»[4] الحديث (رواه مسلم)

[قرآن پڑھا کرو، کیوں کہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا سفارشی بن کر آئے گا]

١٠ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١٧)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٣٠) صحيح مسلم، رقم الحديث: (٧٩٦)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٧٢٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٩٥)

[4] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٠٤)

«يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اِقْرَأْ وَارْتَقِ، وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُهَا»[1] (رواه أحمد والترمذي وأبو داوٗد والنسائي)

[صاحبِ (حامل و عاملِ) قرآن سے کہا جائے گا: پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ویسے ہی ترتیل سے پڑھ جیسے تو دنیا میں ترتیل کے ساتھ پڑھا کرتا تھا اور جہاں تو آخری آیت پڑھے گا، وہیں تیری منزل ہوگی]

پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ مشہور قول کے مطابق قرآن مجید کی کل چھے ہزار چھے سو چھیاسٹھ (٦٦٦٦) آیات ہیں۔ اس جگہ سے قاری کے درجات کی بلندی کو آیات کی تعداد کے ساتھ قیاس کر لینا چاہیے۔ وللّٰه الحمد. لیکن حدیث کے ظاہر سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ یہ مرتبہ حافظ کو ملے گا اور اگر قاری کو بھی ملے تو کیا بعید ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت محدود نہیں ہوتی ہے۔ بہت سے علما ان مجرد حفاظ سے افضل ہیں، جن کو قرآن کا علم نہیں ہے۔ واللّٰه أعلم.

امام خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

”جاء في الأثر أن عدد آي القرآن علیٰ قدر درج الجنة، فيقال للقارئ: ارق في الدرج علیٰ قدر ما كنت تقرأ من آي القرآن، فمن استوفیٰ قراءة جميع القرآن استولیٰ علیٰ أقصیٰ درج الجنة في الآخرة، ومن قرأ جزءا منه كان رقيه في الدرج على قدر ذلك، فيكون منتهیٰ الثواب عند منتهیٰ القراءة“[2] انتهی (ذكره المنذري في الترغيب والترهيب)

[ایک اثر (حدیث) میں یہ بیان ہوا ہے کہ قرآن مجید کی آیات کی تعداد جنت کے درجات کے برابر ہے۔ قاریِ قرآن سے کہا جائے گا کہ جتنی آیاتِ قرآن تو پڑھا کرتا تھا، اتنے درجات تو جنت پر چڑھ جا۔ جس نے سارے قرآن کی قراءت مکمل کی تو وہ آخرت میں جنت کے آخری درجے تک پہنچ جائے گا۔ جس نے قرآن مجید کا ایک پارہ پڑھا تو وہ اسی کے برابر جنت کے درجات پر چڑھے گا۔ جہاں اس کی قراءت ختم ہوگی، وہاں اس کا

---

[1] مسند أحمد (٢/١٩٢) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩١٤) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (١٤٦٤) سنن النسائي الكبریٰ (٥/٢٢)

[2] الترغيب والترهيب للمنذري (٢/٢٢٨)

ثواب (درجات پر چڑھنے کی صورت میں) مکمل ہوگا]

مذکورہ بالا حدیث اور اس عبارت میں حفظ کی قید نہیں ہے، بلکہ مطلق قراءت کا ذکر ہے۔ وللہ الحمد. لیکن علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"ویؤخذ من الحدیث أنه لا ینال هذا الثواب الأعظم إلا من حفظ القرآن وأتقن أداءه وقراءته كما ینبغي له"[1] انتهىٰ.

[حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ عظیم ثواب وہی حاصل کرے گا، جس نے قرآن مجید حفظ کیا، اس کی ادائی اور قراءت کو ویسے درست اور پختہ کیا، جیسے اس کے لائق ہے]

11 سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قَرَأَ حَرْفاً مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُوْلُ الم حَرْفٌ، أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ»[2]

(رواه الترمذي والدارمي، وقال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح)

[جو شخص قرآن مجید کا ایک حرف پڑھتا ہے، اسے اس کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے اور نیکی دس گنا بڑھ جاتی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے]

قرآن مجید کے حروف کی تعداد تین لاکھ بائیس ہزار چھے سوستر (۳،۲۲،۶۷۰) ہے۔ اب اس کو دس گنا کر کے جوڑو کہ کس قدر نیکیاں بنتی ہیں۔ وللہ الحمد.

12 سیدنا معاذ جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے قرآن مجید کو پڑھ کر اس پر عمل کیا، اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی گھروں کے اندر سورج کی چمک سے بہتر ہوگی۔ اگر وہ سورج تمھارے گھر کے اندر ہوتا، پھر کیا گمان ہے تمھارا اس شخص کے ساتھ جو قرآن پر عمل کرتا ہے؟"[3] (رواه أحمد وأبوداود)

---

[1] عون المعبود (٤/ ٢٣٧)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩١٠) سنن الدارمي، رقم الحديث (٢/ ٤٢٩)

[3] مسند أحمد (٣/ ٤٤٠) سنن أبي داود، رقم الحديث (١٤٥٣)

١٣ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مسموعاً و مرفوعاً بیان کرتے ہیں:

«لَوْ جُعِلَ الْقُرْآنُ فِي إِهَابٍ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ»[1] (رواه الدارمي)

[اگر قرآن کو چمڑے میں رکھ کر آگ میں ڈال دیا جائے تو وہ نہیں جلے گا]

لمعات میں کہا ہے کہ یہ خبر شرفِ قرآن میں مبالغے کے لیے بر سبیلِ فرض و تقدیر کے ہے، یعنی قرآن مجید کی ایسی شان عظیم ہے، جیسے قرآن میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾

[الحشر: ٢١]

[اگر ہم اس کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو یقیناً تو اسے اللہ کے ڈر سے پست ہونے والا، ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا دیکھتا]

یا اس میں آگ سے مراد وہ آگ ہے جو حق و باطل کے درمیان امتیاز کرتی ہے۔ یا یہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک معجزہ تھا، یا اس کا یہ مطلب ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ قرآن سکھاتا ہے، پھر اس کو آخرت کی آگ نہ جلائے گی۔ انتھی.

حفظِ قرآن کی فضیلت:

حافظِ قرآن کی خاص فضیلت کے بارے میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہے:

١ «مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ، أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ، وَشَفَّعَهُ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، قَدْ وَجَبَتْ لَهُمُ النَّارُ»[2]

(رواه أحمد والترمذي وابن ماجه والدارمي، وقال الترمذي: هذا حديث غريب، و حفص بن سليمان الراوي ليس هو بالقوي، يضعف في الحديث)

[جس نے قرآن پڑھا، اسے یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام جانا تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور اس کے اہلِ خانہ کے ان دس افراد کے بارے

[1] سنن الدارمي (٢/ ٥٢٢) السلسلة الأحاديث الصحيحة، رقم الحديث (٣٥٦٢)

[2] مسند أحمد (١/ ١٤٨) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٠٥) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢١٦) سنن الدارمي (٢/ ٤٣٠) اس کی سند میں ''حفص بن سلیمان'' راوی متروک ہے اور ''کثیر بن زاذان'' مجہول ہے، لہٰذا یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

میں اس کی سفارش قبول فرمائے گا، جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی]

اس حدیث میں وجوبِ نار سے دخول مراد ہے نہ کہ خلود۔

② سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں:

«اِسۡتَذۡكِرُوا الۡقُرۡآنَ فَإِنَّهُ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنۡ صُدُوۡرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ»[1]

(متفق عليه وزاد مسلم «بِعَقْلِهَا» أي مربوط بها)

[قرآن یاد کرتے رہا کرو، کیوں کہ وہ آدمیوں کے سینوں سے نکل جانے میں کھلے ہوئے اونٹوں سے بھی زیادہ تیز ہے]

③ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«تَعَاهَدُوا الۡقُرۡآنَ فَوَالَّذِي نَفۡسِي بِيَدِهِ! لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الۡإِبِلِ فِي عَقۡلِهَا»[2] (متفق عليه)

[قرآن مجید کی خبر گیری کرتے رہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے! وہ (قرآن سینوں سے) نکل جانے میں اس اونٹ کے نکل جانے سے بھی زیادہ تیز ہے جس کی رسی کھل چکی ہو]

ان احادیث میں قرآن مجید کو یاد کرنے اور اس کی خبر گیری کرنے کا حکم ہے۔ معلوم ہوا کہ جو شخص کتاب اللہ کی تلاوت و دراست کا بہت سا چرچا اور بہت سی خبر گیری نہیں کرتا ہے، قرآن اس کے پاس سے بھاگ جاتا ہے۔ جس طرح کہ اونٹ اپنے پابند سے نکل بھاگتا ہے، بلکہ قرآن کا آدمیوں کے سینوں سے اس سے بھی زیادہ گریز معلوم ہوتا ہے۔ اللهم احفظنا.

④ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الۡقُرۡآنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الۡإِبِلِ الۡمُعَقَّلَةِ، إِنۡ عَاهَدَ عَلَيۡهَا أَمۡسَكَهَا، وَإِنۡ أَطۡلَقَهَا ذَهَبَتۡ»[3] (متفق عليه)

[صاحبِ (حامل و عاملِ) قرآن کی مثال بندھے ہوئے اونٹ والے کی طرح ہے، اگر وہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٤٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٩٠)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٤٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٩١)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٤٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٨٩)

اس کی خبر گیری کرے گا تو اسے روکے رکھے گا اور اگر اسے کھول دے گا تو وہ بھاگ جائے گا]

تلاوتِ قرآن کا نبوی طریقہ:

① قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کیسی تھی؟ انھوں نے جواب دیا کہ وہ مد کے ساتھ تھی۔ پھر انھوں نے بسم اللہ پڑھ کر بتائی، بسم اللہ کو دراز کیا، پھر لفظ "رحمٰن" اور "رحیم" کو دراز کیا۔[1] (رواہ البخاري)

② سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کیسی تھی؟ کہا: وہ مفسر یعنی حرف بہ حرف تھی۔[2] (رواہ الترمذي وأبو داوٗد والنسائي)

دوسری روایت میں ان سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قراءت کو پارہ پارہ کرتے تھے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" پڑھتے، پھر ٹھہر جاتے، پھر "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھتے اور ٹھہر جاتے۔[3] (رواہ الترمذي)

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں آیا ہے:

«مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ»[4] (متفق علیہ)

[اللہ تعالیٰ نے اتنی توجہ سے کسی چیز کو نہیں سنا، جتنا اس نے نبی کو ترنم کے ساتھ قرآن پڑھتے ہوئے توجہ سے سنا ہے]

④ ان سے مرفوعاً مروی دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم حَسَنَ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ»[5] (متفق علیہ)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٥٨)

[2] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (١٤٦٦) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٢٣) سنن النسائي، رقم الحديث (١٦٢٩)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٢٧)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٣٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٩٢)

[5] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧١٠٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٩٢)

[اللہ تعالیٰ نے اتنی توجہ سے کسی چیز کو نہیں سنا، جتنا اس نے اپنے نبی کو خوش الحانی کے ساتھ باآواز بلند قرآن پڑھتے ہوئے سنا]

⑤ ان سے مرفوعاً مروی تیسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ»[1] (رواہ البخاري)

[جو شخص خوش الحانی سے قرآن نہیں پڑھتا، وہ ہم میں سے نہیں ہے]

امام شافعی رحمہ اللہ اور اکثر علما نے کہا ہے کہ اس جگہ تغنی سے مراد تحسینِ صوت اور ترقیق و تحزین ہے۔ ابن عیینہ رحمہ اللہ اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس سے مراد لوگوں یا دوسرے کلام سے استغنا ہے، لیکن اول موقف زیادہ ظاہر ہے۔ ازہری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مراد جہر ہے۔ انتہیٰ۔

رہا بہ رعایتِ موسیقی تکلف کرنا تو وہ حرام ہے اور حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اس سے نہی آئی ہے۔[2] (رواہ البیہقي ورزین)

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے (ان کے ایک شاگرد نے) کہا تھا:

"أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَكُنْ حَسَنَ الصَّوْتِ؟ قَالَ: يُحَسِّنُهُ مَا اسْتَطَاعَ"[3] (رواہ أبو داود)

[اس کے متعلق کیا خیال ہے کہ اگر اس (قاری قرآن) کی آواز اچھی نہ ہوتو؟ انھوں نے جواب دیا: وہ حتی الوسع خوش الحانی سے پڑھے]

⑥ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ»[4] (رواہ أحمد وأبو داود وابن ماجه والدارمي)

[اپنی آوازوں کے ذریعے سے قرآن مجید کو مزین کرو]

یہ وہ دلائل ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قراءتِ قرآن میں تحسینِ صوت مستحب ہے۔ وگرنہ:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۷۰۸۹)

[2] شعب الإيمان للبيهقي (۲/ ۵٤۰) اس حدیث کی سند میں "حصین بن مالک" راوی ضعیف ہے اور اس کا شیخ ابو احمد مجہول ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (۱٤۷۱)

[4] مسند أحمد (٤/ ۲۸۳) سنن أبي داود، رقم الحديث (۱٤٦۸) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۱۳٤۲) سنن الدارمي (۲/ ۵٦۵)

گر تو قرآن بدیں نمط خوانی ببری رونق مسلمانی

[اگر تو قرآن مجید کو اس (غیر مزین) لہجے میں پڑھے گا تو مسلمانی کی رونق و زینت کو ختم کرے گا]

⑦ سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيدُ الْقُرْآنَ حُسْناً»[1]

(رواه الدارمي)

[اپنی آوازوں سے قرآن مجید کو حسین بناؤ، کیوں کہ اچھی آواز قرآن مجید کے حسن میں اضافہ کرتی ہے]

⑧ سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

«لَلّٰهُ أَشَدُّ أَذِنًا لِلرَّجُلِ الْحَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ مِنْ صَاحِبِ الْقَيْنَةِ إِلَى قَيْنَتِهِ»[2] (رواه الحاكم، وقال: صحيح على شرطهما)

[یقیناً اللہ تعالیٰ خوبصورت آواز میں قرآن مجید پڑھنے والے کی آواز کو اس سے زیادہ توجہ کے ساتھ سنتا ہے، جتنی توجہ کے ساتھ ایک گلوکار باندی کا مالک اس کی آواز توجہ سے سنتا ہے]

امام طاؤس رحمہ اللہ مرسلاً بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قرآن مجید کے ساتھ خوش آواز اور خوش قراءت شخص کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ شخص جس کو تو پڑھتے ہوئے سنے اور گمان کرے کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے۔ طاؤس رحمہ اللہ نے کہا کہ طلق رحمہ اللہ اسی طرح پڑھتے تھے۔[3]

(رواه الدارمي)

بہت سے خوش گلو لوگ قرآن پڑھتے ہیں، ان میں سے کوئی بلند آواز والا ہوتا ہے اور کوئی خوش لہجہ، لیکن ان کے پڑھنے میں درد نہیں ہوتا۔ خوب صورت آواز وہ معتبر ہے جس میں درد و حزن کا اثر ظاہر ہو اور دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر آئے۔

---

① سنن الدارمي (٢/ ٣٦٥)

② سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٣٤٠) مسند أحمد (٦/ ١٩) المستدرك للحاكم (١/ ٧٦٠) اس کی سند میں انقطاع ہے۔ دیکھیں: السلسلة الضعيفة، رقم الحديث (٢٩٥١)

③ سنن الدارمي (٢/ ٥٦٣) اس کی سند میں "عبدالکریم بن ابی المخارق" راوی ضعیف ہے۔ نیز یہ روایت مرسل ہے، لہٰذا یہ ضعیف ہے۔

تلاوت و تعلیمِ قرآن کی فضیلت:

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ، وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَ ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ»[1] (رواه مسلم)

[جب کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں اس کی درس و تدریس کرتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس فرشتوں میں ان کا تذکرہ کرتا ہے]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں تلاوت و دراست بہ نسبت اور جگہ کے افضل ہے۔

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«مَنِ اسْتَمَعَ إِلىٰ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ مُضَاعَفَةٌ، وَمَنْ تَلَاهَا كَانَتْ لَهُ نُوْراً يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[2] (رواه أحمد)

[جو شخص کتاب اللہ کی ایک آیت سنے گا، اس کے لیے کئی گنا بڑھا کر نیکی لکھی جائے گی اور جو اس کی تلاوت کرے گا تو وہ قیامت کے دن اس کے لیے روشنی بن جائے گی]

اس سے معلوم ہوا کہ ایک آیت کا سننا حسنہ اور اس کا پڑھنا نور ہے۔ وللّٰہ الحمد.

③ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ مجھ کو وصیت کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ، فَإِنَّهُ رَأْسُ الْأَمْرِ كُلِّهِ»

[اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، کیوں کہ وہ سارے امور کی بنیاد ہے]

میں نے عرض کی کہ کچھ مزید نصیحت فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٩٩)

[2] مسند أحمد (٣٤١/٢) اس کی سند میں انقطاع ہے، کیوں کہ امام حسن بصری کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔

«عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ، فَإِنَّهُ نُورٌ لَّكَ فِي الْأَرْضِ وَذُخْرٌ لَّكَ فِي السَّمَاءِ»[1]

(رواه ابن حبان في صحيحه)

[قرآن مجید کی تلاوت کر، کیوں کہ وہ زمین میں تیرے لیے نور اور آسمان میں تیرے لیے (اجر و ثواب کے) ذخیرے کا باعث ہے]

④ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں:

«إِنَّكُمْ لَا تَرْجِعُونَ إِلَى اللّٰهِ بِشَيْئٍ أَفْضَلَ مِمَّا خَرَجَ مِنْهُ يَعْنِي الْقُرْآنَ»[2]

(رواه الحاكم)

[یقیناً تم اللہ کے پاس اس چیز سے افضل کوئی چیز نہیں لے کر جاؤ گے، جو اس سے خارج ہوئی ہے یعنی قرآن مجید]

⑤ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ اللّٰهِ، فَاقْبَلُوا مَأْدُبَتَهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ حَبْلُ اللّٰهِ وَالنُّورُ الْمُبِينُ وَالشِّفَاءُ النَّافِعُ، عِصْمَةٌ لِّمَنْ تَمَسَّكَ بِهِ، وَنَجَاةٌ لِّمَنِ اتَّبَعَهُ، لَا يَزِيغُ فَيُسْتَعْتَبُ، وَلَا يَعْوَجُّ فَيُقَوَّمُ، وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ، وَلَا يَخْلَقُ مِنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ، اُتْلُوهُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْجُرُكُمْ عَلٰى تِلَاوَتِهِ»[3]

الحديث (رواه الحاكم)

[یقیناً یہ قرآن اللہ کا دسترخوان ہے، لہٰذا حسبِ استطاعت اس کے دسترخوان سے فائدہ اٹھاؤ۔ بلا شبہہ یہ قرآن اللہ کی رسی ہے، واضح روشنی ہے، نفع مند شفا ہے۔ جو اسے تھام لے، اس کے لیے بچاؤ کا ذریعہ ہے، جو اس کا اتباع کرے، اس کے لیے نجات کا باعث ہے۔ وہ (اپنے پیچھے چلنے والوں کو) گمراہ نہیں کرتا کہ سزا کا مستحق بنائے۔ وہ ٹیڑھا نہیں ہوتا کہ اسے سیدھا کرنے کی نوبت آئے، اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے، بار بار کے استعمال سے وہ پرانا نہیں ہوتا، لہٰذا اس کی تلاوت کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمھیں اس کی تلاوت پر اجر و ثواب سے نوازے گا]

---

[1] صحيح ابن حبان (٧٦/٢)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩١٢) المستدرك للحاكم (٧٤١/١) اس کی سند مرسل وضعیف ہے۔ دیکھیں: السلسلة الضعيفة، رقم الحديث (١٩٥٧)

[3] المستدرك للحاكم (٧٤١/١) اس کی سند میں "ابراہیم بن مسلم ہجری" راوی ضعیف ہے۔

⑥ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

"مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ لَمْ يُرَدَّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَ ذٰلِكَ فِيْ قَوْلِهِ تَعالیٰ: ﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ قال: إِلَّا الَّذِيْنَ قَرَؤُوْا الْقُرْآنَ"[1] (رواه الحاكم)

[جو قرآن مجید کی تلاوت کرے گا، وہ رذیل عمر کو نہیں پہنچے گا، اس کا بیان اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (پھر ہم نے اسے لوٹا کر نیچوں سے سب سے نیچا کر دیا، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے) انھوں نے فرمایا کہ ﴿إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے مراد ہے "إِلَّا الَّذِيْنَ قَرَؤُوْا الْقُرْآنَ" یعنی وہ لوگ جنھوں نے قرآن مجید کی تلاوت کی]

تلاوتِ قرآن کی مدح میں حارث اعور کے طریق سے ایک طویل حدیث بہ روایتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مرفوعاً مروی ہے، جو مشکات میں مرقوم ہے۔[2] اس حدیث کو اس جگہ اس لیے نہیں لکھا گیا کہ اگرچہ دارمی نے اس کو روایت کیا ہے، لیکن ترمذی نے کہا ہے کہ "هذا حديث إسناده مجهول، وفي الحارث مقال" انتهیٰ. (اس حدیث کی اسناد مجہول ہے اور اس کے راوی حارث اعور میں کلام ہے) مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ حدیث کے معانی درست ہیں، بلکہ قرآن مجید کے فضائل اس سے بھی زیادہ ثابت ہیں۔ واللہ أعلم.

⑦ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً بیان کیا ہے:

«مَنْ قَرَأَ عَشَرَ آيَاتٍ فِيْ لَيْلَةٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ»[3] (رواه الحاكم)

[جو شخص رات کو (قیام وغیرہ کرتے ہوئے) دس آیات کی تلاوت کرے گا تو وہ غافلین میں سے نہیں لکھا جائے گا]

⑧ دوسری مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«وَمَنْ قَرَأَ فِيْ لَيْلَةٍ مِائَةَ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ»[4]

(رواه ابن خزيمة والحاكم واللفظ له)

---

[1] المستدرك للحاكم (٢/٥٧٦)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٠٦) مشكاة المصابيح (١/ ٤٨٤)

[3] المستدرك للحاكم (١/٧٤٢) نیز دیکھیں: سنن أبي داود، رقم الحديث (١٣٩٨)

[4] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٣٩٨) صحيح ابن خزيمة (٢/١٨٠) المستدرك للحاكم (١/٤٥٢)

[اور جو رات کے وقت ایک صد آیات تلاوت کرے گا، وہ اطاعت گزاروں میں لکھا جائے گا]

قرآن مجید اللہ تعالیٰ سے ملانے کا ایک مضبوط ذریعہ ہے:

1 اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾ [آل عمران: ۱۰۳]

[اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو]

قتادہ اور سدی رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں ''حَبْلِ اللّٰهِ'' سے مراد قرآن مجید ہے۔

2 امام ابن جریر نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ »[1]

(ذكره السيوطي في الدرالمنثور)

[کتاب اللہ ہی اللہ تعالیٰ کی وہ رسی ہے، جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی گئی ہے]

3 سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

''مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللّٰهِ، ثُمَّ اتَّبَعَ مَا فِيْهِ، هَدَاهُ اللّٰهُ مِنَ الضَّلَالَةِ فِي الدُّنْيَا، وَوَقَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سُوْءَ الْحِسَابِ''[2]

[جس نے کتاب اللہ کی تعلیم حاصل کی، پھر جو کچھ اس میں ہے، اس کا اتباع کیا تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں گمراہی سے ہدایت دے گا اور قیامت کے دن اسے بڑے عذاب سے بچائے گا]

4 دوسری روایت یوں مروی ہے:

''مَنِ اقْتَدَىٰ بِكِتَابِ اللّٰهِ لَا يَضِلُّ فِي الدُّنْيَا، وَلَا يَشْقَىٰ فِي الْآخِرَةِ، ثُمَّ تَلَا هذه الآية: ﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى﴾''[3] (رواه رزين)

ان الفاظ میں اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔

5 سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

---

1. تفسير الطبري (۳/۳۷۸) الدر المنثور للسيوطي (۲/۲۸۴) صحيح الجامع، رقم الحديث (۴۴۷۳)
2. حلية الأولياء لأبي نعيم (۹/۳۴)
3. مشكاة المصابيح (۱/۴۱)

«أُنزِلَ الْقُرْآنُ عَلىٰ سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، لِكُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ، وَلِكُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ» [1] (رواه في شرح السنة)

[قرآن مجید سات قراءتوں میں نازل کیا گیا، اس میں سے ہر آیت کا ظاہر و باطن ہے اور ہر سطح کے مضمون کی حقیقت کو سمجھنے والا کوئی نہ کوئی ہے]

مذکورہ بالا حدیث میں سات حرفوں سے مراد سات قراءتیں یا سات لغات یا سات طرح کے احکام ہیں۔

٦ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«اَلْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ: آيَةٌ مُحْكَمَةٌ أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ أَوْ فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ، وَمَا كَانَ سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ» [2] (رواه أبو داوٗد وابن ماجه)

[علم تین ہیں: آیت محکمہ یا سنت ثابتہ یا فریضہ عادلہ اور جو اس کے سوا ہو وہ فضل ہے]

٧ مالک بن انس رحمہ اللہ سے مرسلاً مروی حدیث میں آیا ہے:

«تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَ سُنَّةَ رَسُولِهٖ» [3] (رواه في الموطأ)

[میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، پس جب تک تم ان دونوں پر عمل کرتے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے (یعنی) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت]

گلستانِ سدا بہار:

بعض اہلِ علم نے کہا ہے:

"كل مكرر مملول إلا القرآن، لأنه أحسن الحديث، ويزداد القارئ بتكرار القرآن إدمانا وفهما وثوابا، وظهور المعنى يحلو به، وهذا إعجازه" [4]

---

[1] شرح السنة للبغوي (١/ ٢٦٣) مسند أبي يعلى (٩/ ٨٠)

[2] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٢٨٨٥) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٥٤) اس کی سند میں "عبدالرحمن بن زیاد بن انعم افریقی" اور اس کا شیخ "عبدالرحمن بن رافع" دونوں ضعیف ہیں، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

[3] الموطأ لمالك (٢/ ٨٩٩) یہ حدیث متصل بھی مروی ہے۔ دیکھیں: التمهيد لابن عبد البر (٢٤/ ٣٣١)

[4] خزينة الأسرار للنازلي (ص: ٥٧)

[ہر تکرار والی چیز اکتاہٹ پیدا کرتی ہے سوائے قرآن کے، کیوں کہ وہ سب سے احسن بات ہے، قاری قرآن کو قرآن مجید کی تکرار سے پابندی، فہم اور ثواب میں اضافہ ہی ہوتا ہے، معنی کا ظہور اس کو مزید شیریں کرتا ہے اور یہ اس (قرآن) کا معجزہ ہے]

بعض بلغا نے کہا ہے:

"هو الحق الصارع، والنور الساطع، ولسان الصدق، ودليل الخير، ومفتاح الجنة، إن أوجز فكافيا، وإن بين فشافيا، وإن كرر فمذكرا، وإن حكم فعادلا، بحرالعلوم، وديوان الحكم، وجوهرالكلم، و شفاء السقم"①

[(وہ قرآن باطل کو) پچھاڑنے والا حق ہے، پھیلنے والا نور ہے، سچ کی زبان ہے، خیر کی دلیل ہے، جنت کی چابی ہے۔ اگر وہ اختصار کرے تو کافی ثابت ہوتا ہے اور اگر وہ تفصیل سے بیان کرے تو شافی ہے، اگر اس کی تکرار کی جائے تو یہ نصیحت آموز ہے، اگر اس کے ساتھ فیصلہ کیا جائے تو یہ عادل ہے۔ یہ علوم کا دریا، دانائی اور حکمتوں کا مجموعہ، کلمات کا جوہر اور بیماریوں کی شفا ہے]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«اَلْقُرْآنُ غِنیً لَا فَقْرَ بَعْدَه، وَلَا غِنٰی دُوْنَهٗ»② (رواه أبو يعلیٰ)

[قرآن ایسا غنی ہے جس کے بعد فقر نہیں ہے اور اس کے سوا غنا نہیں ہے]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ننانوے (۹۹) بار رب العزت کو خواب میں دیکھا۔ اپنے جی میں کہا کہ اب اگر میں سوویں بار دیکھوں گا تو پوچھوں گا کہ جن چیزوں سے تیری قربت حاصل ہوتی ہے، ان میں سے افضل چیز کیا ہے؟ چنانچہ میں نے پھر رب تعالیٰ کو دیکھا تو عرض کی:

"يا رب! ما أفضل ما يتقرب به المتقربون إليك؟ قال: بتلاوة كلامي يا أحمد!"

[اے میرے رب! وہ کون سی چیز ہے جس کے ساتھ قرب پانے والے تیرا قرب حاصل کرتے ہیں؟ فرمایا: احمد! میرے کلامِ مجید کی تلاوت کے ساتھ]

① خزينة الأسرار للنازلي (ص: ٥٧)

② مسند أبي يعلیٰ (٥/١٥٩) المعجم الكبير (١/ ٢٥٥) اس کی سند میں "يزيد بن أبان الرقاشي" ضعیف ہے۔

② معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اگر تم سعادت مندوں کی زندگی، شہدا کی موت، حشر میں نجات، گرمی والے دن سایہ اور گمراہی کے بجائے ہدایت چاہتے ہو تو قراءتِ قرآن پر مداومت کرو کہ یہ رحمان کا کلام ہے، شیطان سے حصنِ حصین ہے اور میزان کو بھاری کرنے والا ہے۔[1]

③ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«أَفْضَلُ عِبَادَةِ أُمَّتِي قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ»[2] (رواه البيهقي، كذا في الإتقان)

[میری امت کی افضل عبادت قراءتِ قرآن ہے]

④ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"اقرؤا القرآن، ولا تغرنكم هذه المصاحف المعلقة، فإن الله لا يعذب قلبا وعیٰ القرآن أي حفظه"[3]

[یعنی تم قرآن پڑھا کرو، کہیں اس دھوکے میں نہ آنا کہ یہ مصاحف گھر میں رکھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ اس دل کو عذاب نہیں کرتا ہے جو قرآن کو یاد کر لیتا ہے]

⑤ معاویہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: تین چیزیں دنیا میں غریب (نادر) ہیں:

① ظالم کے پیٹ میں قرآن۔

② قومِ بد میں مردِ صالح۔

③ اس گھر میں مصحف جس میں پڑھا نہ جائے۔[4]

⑥ بعض روایات میں آیا ہے کہ جس نے قرآن پڑھا، پھر یہ اعتقاد کیا کہ کسی اور کو اس سے بہتر شے دی گئی ہے تو اس نے صغیر کو عظیم اور عظیم کو صغیر کر ڈالا۔[5] ولا حول ولا قوة إلا بالله.

---

[1] حلية الأولياء (١/ ٢٤٠) مسند الفردوس للديلمي (٨٤٨١) كنز العمال (٢٤٣٩) تنزيه الشريعة لابن عراق (٢/ ٣٤١)

[2] شعب الإيمان للبيهقي (٢/٣٥٤) الإتقان في علوم القرآن (٢/٦٥٩) اس کی سند میں "عباد بن کثیر" ضعیف ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة (٢٠١٥)

[3] سنن الدارمي (٢/٥٢٤)

[4] مولف رحمہ اللہ نے یہ روایت "خزينة الأسرار" سے نقل کی ہے، جس میں یہ روایت مرفوعاً مذکور ہے۔ اس کے ہم معنی ایک روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جو موضوع ہے۔ دیکھیں: السلسلة الضعيفة (٣٩٦٥)

[5] یہ روایت بھی سخت ضعیف ہے۔ دیکھیں: الكامل لابن عدي (٢/ ٣٧٧) مجمع الزوائد (٧/ ٣٣٠)

حکایت:

ایک شخص کی موت کا وقت قریب ہوا تو اس سے کہا گیا کہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ" کہو۔ وہ ہر بار یہی کہتا تھا:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ طٰهٰ ۝ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ مَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ وَ اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ [طٰہٰ: ۱ تا ۸]

[طٰہٰ۔ ہم نے تجھ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ تو مصیبت میں پڑ جائے، بلکہ نصیحت کرنے کے لیے اس کو جو ڈرتا ہے، اس کی طرف سے اتارا ہوا ہے جس نے زمین کو اور اونچے آسمانوں کو پیدا کیا۔ وہ بے حد رحم والا عرش پر بلند ہوا۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اور جو گیلی مٹی کے نیچے ہے اور اگر تو اونچی آواز سے بات کرے تو وہ پوشیدہ اور اس سے بھی پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب سے اچھے نام اسی کے ہیں]

بالآخر وہ اسی کو دہراتے ہوئے فوت ہو گیا اور اسی آیتِ کریمہ پر اس کا دم نکل گیا۔ وللّٰه الحمد.

معلوم ہوا کہ موت اسی حالت پر آتی ہے، جس پر انسان حالتِ زیست میں ہوتا ہے۔

حکایت:

ایک گھاس فروش کو موت کے وقت کہا گیا تھا کہ کلمہ پڑھ۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ سے بالکل غافل تھا، وہ کہنے لگا: "حزمة بفلس" یعنی گھاس کا گٹھا ایک پیسے کا ہے۔ نسأل اللّٰه التوفيق للموت على الإسلام، اللهم آمين.

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے
اور
حافظ وغیرہ کے فضائل کا بیان

① اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتٰبَ اللّٰهِ﴾ [الفاطر: ٢٩]

[بے شک وہ لوگ جو اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں]

اہلِ علم نے کہا ہے کہ اس سے مراد تلاوت پر مداومت اور اس کی آیات پر عمل کرنا ہے، کیوں کہ عمل کے بغیر خالی تلاوت کا کچھ نفع نہیں ہے۔[1]

② سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس مومن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے، جیسے اترجہ (نارنگی) ہے کہ اس کی بُو بھی اچھی اور مزہ بھی اچھا اور منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے، جیسے ریحانہ (نازبو) کہ اس کی بو تو اچھی ہے مگر مزہ تلخ ہے اور جو منافق قرآن نہیں پڑھتا، وہ حنظل (تمّے) کی طرح ہے کہ بُو بھی نہیں اور مزہ بھی کڑوا۔[2] (رواه أحمد والشيخان وأهل السنن الأربعة)

③ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعاً مروی روایت میں کہتے ہیں:

«حَمَلَةُ الْقُرْآنِ أَوْلِيَاءُ اللّٰهِ تَعَالىٰ، فَمَنْ عَادَاهُمْ فَقَدْ عَادَى اللّٰهَ، وَمَنْ وَالَاهُمْ فَقَدْ وَالَى اللّٰهَ»[3]

---

[1] تفسير روح البيان (٧/ ٢٦٩)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧١٢١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٩٧) مسند أحمد (٤/٣٩٧) سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٨٢٩) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٧٦٥) سنن النسائي، رقم الحديث (٥٠٣٨) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢١٤)

[3] مسند الفردوس بمأثور الخطاب للديلمي (٣/١٣٥) اس کی سند میں "داود بن المحبر" راوی وضاع ہے، لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (٢٢٤)

[حاملینِ قرآن اولیاء اللہ ہیں، جس نے ان سے دشمنی کی، اس نے اللہ سے دشمنی کی اور جس نے ان سے دوستی کی، اس نے اللہ سے دوستی کی]

④ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے، اس میں خیر کثیر ہوتی ہے اور جس میں نہیں پڑھا جاتا، اس میں خیر قلیل ہوتی ہے۔[1] (رواہ البزار)

حکایت:

مسلم صفار رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک شخص نے بیان کیا کہ ہم دریا میں تھے۔ موج نے ہمیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ لوگ گھبرا کر فریاد کرنے لگے۔ ایک شخص مصحف کو سر پر رکھ کر کھڑا ہو گیا اور سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہنے لگا:

"أتغرقنا في البحر، ومعنا كلامك؟"

[کیا تو ہمیں اس حال میں بھی دریا میں ڈبو کر غرق کر دے گا، جب کہ ہمارے پاس تیرا کلام قرآن مجید موجود ہے؟]

اللہ کی قدرت سے دریا ٹھہر گیا۔ اس حکایت میں حاملِ قرآن کے لیے آفات سے حفاظت کی بشارت ہے تو جس کے جوف میں قرآن ہے وہ کس طرح ڈوبے گا؟

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ قاریِ قرآن کو خرف نہیں ہوتا، یعنی اس کی عقل فاسد نہیں ہوتی۔ جو عقل کبر سنی کے سبب فاسد ہو جاتی ہے، اسے خرف کہتے ہیں۔ اس طرح عالمِ سنت اور حاملِ حدیث بھی خرف نہیں ہوتا، بلکہ محدث کی عمر زیادہ ہوتی ہے۔ وللّٰه الحمد.

⑤ دیلمی[2] رحمہ اللہ کی نقل کردہ حدیث میں آیا ہے:

«دَرَجُ الْجَنَّةِ عَلٰی قَدْرِ آيِ الْقُرْآنِ، بِكُلِّ آيَةٍ دَرَجَةٌ، فَتِلْكَ سِتَّةُ آلَافِ آيَةٍ وَمِائَتَا آيَةٍ وَسِتُّ آيَاتٍ، بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ مِقْدَارُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ»[3]

[جنت کے درجات قرآن مجید کی آیات کی تعداد کے برابر ہیں۔ ہر آیت کے بدلے ایک

---

[1] مسند البزار (۲/ ۳۰۲) اس کی سند میں "عمر بن نبهان" ضعیف ہے۔ البتہ اس کا ایک شاہد سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ موقوفاً مروی ہے۔ دیکھیں: سنن الدارمي (۲/ ۵۲۲)

[2] مرقاۃ شرح مشکاۃ (۲/۵۹ طبع مصر) میں ہے: "في سنده كذاب" (ع، ح)

[3] الفردوس بمأثور الخطاب للديلمي (۲/ ۲۱۸) اس میں فیض راوی کذاب ہے، لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔

درجہ جنت میں ہے۔ قرآن مجید کی کل آیات چھے ہزار دو سو چھے (۶۲۰۶) ہیں۔ (جنت کے ان) ہر دو درجوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے، جتنا آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے]

لیکن دانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ چھے ہزار آیات پر تو اجماع ہے، اس سے زیادہ میں اختلاف ہے۔ کسی نے دو سو چار اور کسی نے دو سو چودہ اور کسی نے انیس اور کسی نے پچیس اور کسی نے چھتیس کہی ہیں۔

ابن ملک رحمہ اللہ شرح مشارق میں کہتے ہیں:

"إن تمني جميع الجنة جائز، وإن كان حصوله محالا، لأنها غير متناهية فلا توصف بالقلة والكثرة"[1]

[ساری جنت کی تمنا کرنا جائز ہے، اگرچہ اس کا حصول محال ہے، کیوں کہ وہ غیر متناہی ہے، لہٰذا وہ قلت و کثرت کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتی]

میں کہتا ہوں کہ ساری جنت کا ملنا تو محال ٹھہرا، لیکن کہیں ایک کوڑے کے برابر ہی ہم نالائقوں کو مل جائے تو اسے ہم اس دنیا و ما فیہا سے بہتر سمجھتے ہیں، جس طرح حدیث میں آیا ہے:

«إِنَّ مَوْضِعَ سَوْطِ أَحَدِكُمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا»[2] أَوْ كَمَا قَالَ ﷺ.

[یقیناً تم میں سے کسی ایک کے کوڑے کے برابر جنت میں جگہ ساری دنیا اور اس کے ساز و سامان سے بہتر ہے]

علامہ طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"المنزلة التي في الحديث هي ما يناله العبد من الكرامة على حسب منزلته في الحفظ والتلاوة، لا غير، و ذلك لما عرفنا من أصل الدين أن العامل بكتاب الله تعالىٰ المتدبر له أفضل من الحافظ والتالي له، إذ لم ينل شأنه في العمل والتدبر، وقد كان في الصحابة من هو أحفظ لكتاب الله من الصديق، وأكثر تلاوة منه، وكان هو أفضلهم على الإطلاق، لسبقه عليهم في العلم بالله تعالىٰ بكتابه، وتدبره له، وعمله به، وإن ذهبنا إلى الثاني، وهو أحق الوجهين وأتمهما، فالمراد من الدرجات التي يستحقها

[1] خزينة الأسرار (ص: ٦٣)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٧٣٥)

بالآيات سائرها، وحينئذ تقدر التلاوة في القيامة علىٰ قدر العمل، فلا يستطيع أحد أن يتلو آية إلا وقد أقام ما يجب عليه فيها، واستكمال ذلك إنما يكون للنبيﷺ، ثم للأمة بعده علىٰ مراتبهم ومنازلهم في الدين ومعرفة اليقين، فكل منهم يقرأ علىٰ ملازمته إياه تدبرا و عملاً"[1] انتهىٰ.

[حدیث میں جس مقام و مرتبے کا ذکر ہوا ہے، بندہ اپنے (قرآن کے) حفظ و تلاوت کے مطابق عزت پائے گا نہ کہ کسی اور چیز سے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم اصل دین سے یہ بات جان چکے کہ کتاب پر عمل کرنے والا، اس پر تدبر کرنے والا اس کو (محض) حفظ کرنے والے اور تلاوت کرنے والے سے افضل ہے، کیوں کہ یہ عمل و تدبر میں اس مقام و مرتبے کو پانے والا نہیں ہے۔ یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے افراد بھی تھے، جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے زیادہ حافظ اور زیادہ تلاوت کرنے والے تھے، مگر اس کے باوجود وہ ان سب سے مطلق طور پر افضل تھے، کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے علم، اس پر تدبر اور اس پر عمل میں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فوقیت رکھتے تھے۔ اگر ہم دوسری وجہ کو دیکھیں تو وہ دونوں سے زیادہ صحیح اور مکمل ہے۔ پس درجاتِ جنت سے مراد وہ درجے ہیں، جن کا وہ تمام آیات کے بدلے حق دار ٹھہرے گا اور اس وقت قیامت کے دن تلاوت کا عملی بنیاد پر اندازہ لگایا جائے گا۔ پس کوئی شخص یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ کسی آیت کی تلاوت، اس میں جو کچھ اس پر واجب ہوتا ہے، اس کے بغیر کرے۔ یہ عمل اپنی مکمل صورت میں نبی ﷺ کو حاصل ہے، پھر آپ ﷺ کے بعد دینداری میں اپنے اپنے مراتب اور منازل اور معرفتِ یقین کے بہ قدر امت کو حاصل ہے، پس ان میں سے ہر ایک قرآن مجید پر تدبر اور عمل کے مطابق ہی اس کی تلاوت کرتا ہے]

الشیخ محمد حقی النازلی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"وهو في غاية من الحسن والبهاء و نهاية الظهور والجلاء، ولا عبرة بطعن ابن حجر فيه، وتضعيف كلامه، وحمله على التكليف، والمنافاة لظاهر

[1] شرح الطيبي على مشكاة المصابيح (الكاشف عن حقائق السنن: ٥/ ١٦٥٤)

الحديث، فإن التحقيق كما يستفاد من حديث أن من عمل بالقرآن فكأنه يقرأ دائماً، و إن لم يقرأه، ومن لم يعمل بالقرآن فكأنه لا يقرأه، وإن قرأه دائماً، وقد قال تعالىٰ: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ فمجرد التلاوة والحفظ لا يعتبر اعتبارا يترتب عليه المراتب العلية في الجنة العالية"[1] (كذا ذكره علي القاري في المرقاة)[2]

[یہ بات حسن و جمال، کمالِ ظہور اور نمایاں ہونے میں انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ اس میں ابن حجر رحمہ اللہ کے طعن کرنے، اسے ضعیف قرار دینے اور حدیث کی بنا پر اس کو تکلف اور منافات پر محمول کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس سلسلے میں حدیث سے مستفاد ہونے والی تحقیق بات یہ ہے کہ بلاشبہہ جس نے قرآن پر عمل کیا، گویا وہ اسے دائمی طور پر پڑھتا ہے، اگرچہ وہ دائمی طور پر اس کی تلاوت نہ کرتا ہو اور جس نے قرآن مجید پر عمل نہ کیا تو وہ ایسے ہے جیسے وہ اس کی تلاوت نہیں کرتا، اگرچہ وہ اس کی ہمیشہ تلاوت کرتا ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (یہ ایک کتاب ہے، ہم نے اسے تیری طرف نازل کیا ہے، بہت بابرکت ہے، تاکہ وہ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور تاکہ عقلوں والے نصیحت حاصل کریں) بہر حال خالی تلاوتِ قرآن اور اس کا حفظ کرنا اتنا معتبر نہیں ہے کہ اس پر اتنے بڑے بڑے مراتب بلند مقام جنت میں حاصل ہو سکیں]

میں کہتا ہوں کہ یہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔ اس زمانے میں حفاظ بہت ہیں۔ اسی ایک ہمارے شہر میں کئی سو حافظ ہوں گے، لیکن عمل و تدبر والا ان میں کوئی نظر نہیں آتا اور اگر علمائے کرام کو تلاش کرو تو دو چار بھی میسر نہیں آتے، پھر ان میں وہ عالم جس نے قرآن پر تدبر کیا ہو اور اس کی تفسیر سمجھی ہو تو وہ اور بھی نادر الوجود ہے۔ اس کے باوجود اللہ کی رحمت عام ہے، وہ چاہے تو حفاظ کو اعلا مراتب پر پہنچا دے اور علمائے کرام کو ان سے بھی زیادہ عالی تر درجہ بخشے۔

روز قیامت ہر کسے در دست گیر نامۂ من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآن در بغل

[1] خزينة الأسرار (ص: ٦٤)

[2] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح لعلي القاري (٦/ ٤٩٧)

[قیامت کے روز ہر کوئی اپنے ہاتھ میں نامۂ اعمال پکڑے گا، میں بھی حاضر ہوں گا اور میری بغل میں تفسیرِ قرآن ہوگی]

اللہ تعالیٰ نے جس طرح حفاظ کرام کے سینوں کو مصحف کے لیے صندوق بنایا ہے، اسی طرح علما کے دلوں کو اسرارِ تنزیل کا مخزن بنایا اور ایک کو دوسرے پر نمایاں فضیلت بخشی ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْنَ﴾ [الزمر: ۹]

[کہہ دے کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ جو نہیں جانتے؟]

پھر جو حافظِ قرآن عالم بالقرآن بھی ہے اور عامل بالقرآن بھی ہے، اس کا درجہ تو بلا شک وشبہہ قابلِ رشک ہے۔ إن شاء اللّٰه تعالیٰ.

لیکن ایسے جامع لوگ بہت تھوڑے ہوتے ہیں، سیکڑوں میں سے دو چار، بلکہ بس ایک دو۔

چہ مے پرسی زحال نسخۂ دل چیست تحریرش کتابے در بغل دارم کہ قرآن است تفسیرش

[تو کتابِ دل کا کیا حال پوچھتا ہے کہ اس پر کیا تحریر ہے؟ یوں سمجھو کہ میں بغل میں ایک کتاب دبائے ہوئے ہوں، جس کی تفسیر خود قرآن مجید ہے]

امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الأذکار" میں کہا ہے:

"تلاوة القرآن هي أفضل الأذكار، والمطلوب القراءة بالتدبر، وللقراءة آداب ومقاصد، لا ينبغي لحامل القرآن أن يخفىٰ عليه مثلها"[1] انتهىٰ.

[تلاوتِ قرآن افضل ذکر ہے اور تلاوت کا مقصود تدبر ہے اور قراءت کے کئی آداب اور مقاصد ہیں، حاملِ قرآن پر اس طرح کے آداب و مقاصد مخفی نہیں رہنے چاہییں]

"نزل الأبرار" میں ہے:

"قراءة القرآن آكد الأذكار، فينبغي المداومة عليها، و يحصل أصل القراءة بقراءة الآيات القليلة، كعشر آيات أو عشرين أو خمسين أو مائة أو مائتين أو خمس مائة، وفي هذا كله أحاديث في كتاب ابن السني"[2]

[تلاوتِ قرآن بہت تاکیدی ذکر ہے، لہٰذا اس پر ہمیشگی کرنا چاہیے۔ اصل (فائدہ مند)

[1] الأذكار للنووي (۱/۱۰۱)

[2] نزل الأبرار بالعلم المأثور من الأدعية والأذكار للمولف رحمہ اللہ (ص: ۱۳۷)

قراءت تھوڑی آیات کی تلاوت سے بھی حاصل ہوتی ہے، مثلاً دس آیات پڑھنے سے یا بیس یا چالیس یا پچاس یا سو یا دو سو یا پانچ سو، ان میں سے ہر ایک کی دلیل کے لیے ابن السنی کی کتاب میں احادیث موجود ہیں]

اس کے بعد تلاوتِ قرآن، بعض سورتوں اور بعض آیاتِ قرآنیہ کے فضائل احادیثِ ثابتہ کے ساتھ لکھے ہیں اور کہا ہے کہ ہر ایک سورت کی فضیلت میں جو احادیث مروج ہیں، وہ موضوع ہیں اور واضع نے خود اس کا اقرار کیا تھا۔

زمخشری، بیضاوی اور ثعلبی وغیرہ مفسرین، جن کو علمِ حدیث میں دستگاہِ کامل نہ تھی، وہ اس بلا میں مبتلا ہو گئے۔ رہی یہ بات کہ فضائلِ اعمال والی احادیث میں تساہل روا ہے، ٹھیک نہیں، کیوں کہ احکامِ شرعیہ متساوی الاقدام ہیں۔ واجب، محرم، مسنون، مکروہ اور مندوب کے درمیان کچھ فرق نہیں ہے۔ کسی بھی شے کا اثبات حجتِ صحیحہ سے چاہیے، ورنہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر بہتان ٹھہرے گا۔

پھر کہا ہے کہ افضل دعواتِ فاضلہ وہ دعائیں ہیں، جو قرآن کریم میں آئی ہیں۔ یہ دعائیں ''حزبِ اعظم'' میں یک جا جمع ہیں۔[1] ہر حزب کے پڑھنے سے پہلے ان دعاؤں کا پڑھنا اچھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان قرآنی دعاؤں کا مرتبہ دوسری دعاؤں پر ایسا ہی ہے، جیسا کہ قرآن کا رتبہ تمام کلاموں پر ہے۔ اس کے بعد وہ دعائیں ہیں، جو سنتِ مطہرہ سے ثابت ہیں۔[2] ان کا خاطر خواہ حصہ رسالہ "زیادۃ الإیمان"[3] میں مرقوم ہے۔ یہ دعائیں قرآنی ترتیب کے ساتھ "نزل الأبرار" میں بھی لکھی ہیں۔[4] ہر قرآنی دعا کے نیچے صاحبِ دعا کا نام لکھ دیا گیا ہے کہ یہ دعا فلاں پیغمبر کی تھی اور وہ فلاں پیغمبر کی۔ وھلم جرا. یہ کل اکسٹھ (٦١) دعائیں ہیں جو قرآن پاک میں آئی ہیں۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے ''وابل صیب'' میں فرمایا ہے کہ قرآن مجید کی قراءت ذکر سے افضل ہے اور ذکر دعا سے افضل ہے، لیکن کبھی مفضول میں ایسی چیز شامل ہو جاتی ہے، جس سے وہ فاضل ہو جاتا ہے، جیسے رکوع و سجود کی تسبیح کہ اس جگہ یہ قراءتِ قرآن سے افضل ہے۔ اسی طرح کبھی دعا میں

[1] "الحزب الأعظم والورد الأفخم" یہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

[2] نزل الأبرار للمؤلف (ص: ١٤٦)

[3] "زیادۃ الإیمان بأعمال الجنان" نواب صاحب رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

[4] نزل الأبرار (ص: ١٤٦)

اشتغال قراءت و ذکر کی نسبت افضل ہوتا ہے، اگرچہ ان کا اجر زیادہ ہے۔[1]

یہ باب انتہائی مفید اور لائقِ فہم ہے۔ نیز اس میں کسی بھی چیز کی ذاتی فضیلت اور عارضی فضیلت کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ یہ باب ہر ذی حق کو اس کا حق عطا کرتا ہے اور ہر چیز کو اس کی مناسب جگہ پر رکھتا ہے۔ واللہ الموفق.

قرآن شفا ہے:

قرآن مجید سے بالعموم اور سورۃ الفاتحہ سے بالخصوص شفا طلب کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بچھو کے ڈسے ہوئے شخص کا قصہ بیان ہوا ہے کہ ایک صحابی نے تیں بکریاں لے کر اس قوم کے سردار پر سات بار سورۃ الفاتحہ پڑھی تو وہ اچھا ہو گیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ ماجرا پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَما عَلِمتَ أَنَّهَا رُقيَةٌ؟ اِقسِمُوهَا، وَاضرِبُوا لِي مَعَكُم بِسَهمٍ»[2]

(رواه أبو عبيد وأحمد والشيخان وأهل السنن الأربعة وابن جرير والحاكم والبيهقي)

[تمھیں کیسے پتا چلا کہ وہ (سورۃ الفاتحہ) دم ہے؟ ان (عوض میں ملی ہوئی بکریوں) کو تقسیم کرو اور ان میں سے میرا بھی حصہ نکالو]

قرآن کریم پر اجرت لینے کا جواز:

مذکورہ بالا قصے کو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا گیا اور کہا گیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! آخذ علی کتاب اللہ أجرا؟"

[کیا میں کتاب اللہ پر اجرت لے لوں؟]

آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] الوابل الصيب من الكلم الطيب (ص: ١٥٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢١٥٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٠١) سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٩٠٠) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٠٦٣) سنن النسائي الكبرى (٧٥٣٣) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢١٥٦) المستدرك للحاكم (١/ ٧٤٦) سنن البيهقي (٦/ ١٢٤) فضائل القرآن لأبي عبيد (٣٣٣)

«إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْراً كِتَابُ اللّٰهِ تَعَالىٰ»[1] (رواه الشيخان والبيهقي)

[بلاشبہ زیادہ مستحق چیز جس پر تم اجرت لو، وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے]

متاخرین حنفیہ نے اسی حدیث سے اجرت لینے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ اہلِ مدینہ، شافعی، نصیر، عصام، ابو نصر اور ابو اللیث رحمہم اللہ طاعات پر اجرت لینے کو جائز سمجھتے ہیں، جیسے تعلیمِ قرآن و فقہ، امامت، اذان، تذکیر، حج اور غزوہ وغیرہ ہیں۔ واللہ أعلم.

خارجہ بن الصلت کے چچا نے ایک مجنون پر صبح و شام تین دن تک فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا۔ وہ اچھا ہوگیا تو قوم نے سو بکریاں دیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَعَمْرِي! لَمَنْ أَكَلَ بِرُقْيَةٍ بَاطِلَةٍ لَقَدْ أَكَلْتَ بِرُقْيَةٍ حَقٍّ»[2]

(أخرجه أحمد وأبو داود والنسائي)

[اللہ کی قسم! کھالو، لوگ تو غلط دم جھاڑ کے عوض کھاتے ہیں، تم نے تو صحیح دم پر اجرت لی ہے]

باطل دم وہ ہے جس میں ستاروں کا ذکر اور چاند، سورج، ستاروں اور جنوں سے استعانت کی گئی ہو یا جن میں رمل و جفر کا دخل ہو۔ رہا وہ دم جو کلام اللہ سے ہو یا حدیثِ رسول اللہ ﷺ سے تو وہ حق ہے، اس کی اجرت اکلِ حلال ہے۔

طبِ روحانی ایک زبردست طریقۂ علاج ہے:

علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں کہا ہے:

"الطب الروحاني أقوىٰ من الطب الجسماني، فلما عز هذا الفن، فزع الناس إلى الطب الجسماني، ويشير إلى هذا قوله ﷺ: لَوْ أَنَّ رَجُلاً مُوقِناً قَرَأَ الْقُرْآنَ عَلىٰ جَبَلٍ لَزَالَ، وَقَالَ: خُذْ مِنَ الْقُرْآنِ مَا شِئْتَ لِمَنْ شِئْتَ"[3]

[طبِ روحانی طبِ جسمانی سے زیادہ طاقت ور ہے۔ جب یہ فن کم یاب ہوگیا تو لوگ طبِ جسمانی کی طرف لپکے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے: اگر کوئی آدمی یقین کے ساتھ پہاڑ پر قرآن مجید پڑھے تو وہ اپنی جگہ سے زائل ہو جائے، پھر

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٤٠٥) سنن البيهقي (١/ ٤٣٠)

[2] مسند أحمد (٥/ ٢١٠) سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٤٢٠) سنن النسائي الكبرىٰ (٧٥٣٤)

[3] مسند أبي يعلىٰ (٨/ ٤٥٨) اس کی سند میں "عبداللّٰه بن لهيعة" ضعیف ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: قرآن مجید سے جو چاہو جس کے لیے چاہو لے لو]

امام قرطبی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

"تجوز الرقية بكلام الله تعالىٰ وبأسمائه، فإن كان مأثورا استحب"[1]

[اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے اسما کے ساتھ دم کرنا جائز ہے اور اگر مسنون الفاظ سے دم کیا جائے تو یہ مستحب ہے]

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"لا بأس أن يرقىٰ بكتاب الله تعالىٰ، وبما يعرف من ذكر الله"[2]

[کتاب اللہ اور معروف ذکر اللہ سے دم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے]

امام ابن بطال رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"في المعوذات سر، ليس في غيرها من القرآن، لما اشتملت عليه من جوامع الدّعاء التي تعم أكثر المكروهات من السحر والحسد وشرالشيطان ووسوسته وغير ذلك، ولهذا كان ﷺ يكتفي بها"[3]

[معوذات میں وہ سربستہ راز ہے، جو پورے قرآن میں نہیں ہے، کیوں کہ وہ دعا کے جامع کلمات و معانی پر مشتمل ہیں، جو دعائیں اکثر مکروہات جیسے جادو، حسد، شیطان کا شر اور اس کا وسوسہ وغیرہ سب سے پناہ کو شامل ہیں، اسی لیے رسول اللہ ﷺ (دیگر معوذات کے بجائے) ان پر اکتفا کرتے تھے]

---

① الإتقان (٢/ ٤٤٠) خزينة الأسرار (ص: ٦٦)

② حوالہ جات سابقہ.

③ حوالہ جات سابقہ.

استعاذہ اور بسم اللہ کی فضیلت کا بیان

استعاذہ:

استعاذے میں اجازت طلب کرنے اور دروازہ کھٹکھٹانے کی حکمت ہے۔ جو کوئی بادشاہ کے دروازے پر آتا ہے، وہ بغیر اجازت کے اندر نہیں جاتا۔ اسی طرح قاریِ قرآن جب اپنے حبیب کے ساتھ مناجات میں دخول کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ زبان کو فضول کلام اور بہتان سے پاک کر کے آئے۔ اہلِ معرفت نے کہا ہے کہ یہ کلمہ (تعوذ) مقربین کا وسیلہ، ڈرنے والوں کی مضبوط پناہ، ہلاک ہونے والوں کی امید، انکساری کرنے والوں کی خندہ پیشانی کا سبب اور سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی اطاعت گزاری ہے:

﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ [النحل: ٩٨]

[پس جب تو قرآن پڑھے تو مردود شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کر]

اس سے مراد جمہور کا مختار قول یہ ہے: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' اور یہی سب سے مضبوط روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام سب سے پہلے یہی استعاذہ اور بسم اللہ لائے تھے، پھر ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ لائے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے اِجلالِ قرآن اور بسم اللہ کو مفتاحِ فرقان کہا ہے۔[1]

بسم اللہ:

① عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

«كَانَ جِبْرِيْلُ إِذَا جَاءَ بِالْوَحْيِ أَوَّلُ مَا يُلْقِي بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ»[2]

(أخرجه الدارقطني)

---

[1] خزينة الأسرار (ص: ٨٤)

[2] سنن الدارقطني (١/ ٣٠٥) المعجم الأوسط (٣/ ١٨٤) اس کی سند میں "داود بن عطاء" اور "سليم بن مسلم" ضعیف ہے۔

[جبریل علیہ السلام جب وحی لاتے تو سب سے پہلے "بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم" نازل کرتے]

② عثمان رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

«هو اسم من أسماء الله، وما بينه وبين اسم الله الأكبر إلا كما بين سواد العين وبياضها من القرب»[1]

(رواه ابن أبي حاتم والحاكم والبيهقي وأبو ذر الهروي والخطيب البغدادي)

[وہ اللہ کے اسما میں سے ایک اسم ہے، اس کے اور اللہ کے اسمِ اعظم کے درمیان اتنا ہی قرب ہے، جتنا آنکھ کی سیاہی اور سفیدی کے درمیان قرب ہے]

امام شعبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اسمِ اعظم "یا اللہ" ہے۔[2] جابر بن یزید رحمہ اللہ سے تاریخ بخاری میں مروی الفاظ یہ ہیں کہ اللہ کا اسمِ اعظم "اللہ" ہے۔ تو نہیں دیکھتا کہ سارے قرآن میں اسی نام سے شروع کیا جاتا ہے۔[3]

③ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی حدیث میں "بسم اللّٰہ" کو سورۃ الفاتحہ کی ایک آیت ٹھہرایا گیا ہے۔[4] (رواه أحمد وأبو داوٗد والحاكم)

④ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب جبریل علیہ السلام آتے اور "بسم اللّٰہ" پڑھتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جان لیتے کہ یہ سورت ہے۔[5] (رواه الحاكم بإسناد صحيح)

⑤ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ہم دو سورتوں کے درمیان امتیاز نہ جانتے تھے، یہاں تک کہ بسم اللہ اترتی۔[6]

بعض اہلِ معرفت کہتے ہیں:

"البسملة كلمة قدسية من كنز الهداية، وخلعة ربوبية من خلع الولاية، ووصلة

---

① تفسير ابن أبي حاتم (١/ ٢٥) المستدرك للحاكم (١/٧٣٨) شعب الإيمان للبيهقي (٢/٤٣٧) تاريخ بغداد (٧/ ٣١٣) اس کی سند میں "سلام بن وهب" ضعیف ہے۔ دیکھیں: الضعفاء للعقيلي (٢/ ١٦٢) لسان الميزان (٣/ ٦٠)

② الدر المنثور (١/ ٢٤) نیز دیکھیں: مصنف ابن أبي شيبة (٧/ ٢٣٤)

③ الدر المنثور (١/ ٢٣) التاريخ الكبير (١/ ٢٠٩)

④ مسند أحمد (٦/ ٣٠٢) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٤٠٠١) المستدرك للحاكم (٢/ ٢٥٢)

⑤ المستدرك للحاكم (١/ ٢٣١) اس کی سند میں "مثنیٰ بن الصباح" راوی ضعیف ہے۔ البتہ اس کے ہم معنی ایک روایت سنن أبي داود، رقم الحديث (٧٨٨) میں صحیح سند سے مروی ہے۔

⑥ شعب الإيمان (٢/ ٤٣٩)

قربية لأهل العناية، ورحمة خاصة لأهل الجناية، وهي آية عند الشافعي من كل سورة، وعند أبي حنيفة آية فذة للفصل بين السور"[1] انتهىٰ.

["بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم" ہدایت کے خزانے سے ایک قدسی کلمہ ہے اور ولایت کی خلعتوں میں سے ایک خلعتِ ربوبیت ہے۔ اہلِ عنایت کے لیے ایک قریب کا رشتہ ہے اور اہلِ جنایت (گناہ گاروں) کے لیے ایک خاص رحمت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہر سورت کے شروع کی ایک آیت ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سورتوں کے درمیان فاصلہ کرنے کے لیے ایک مستقل آیت ہے]

بسم اللہ کی برکات:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں:

«كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ فَهُوَ أَقْطَعُ»[2]

(أخرجه أبو داوٗد والنسائي وابن ماجه)

یعنی جس امر شریف کے آغاز میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ" نہیں پڑھی جاتی وہ امر ناقص، قلیل الفائدہ اور یسیر البرکۃ ہوتا ہے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ ہر امرِ شریف کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا سنت ہے، جیسے کھانا پینا، وضو، غسل اور جماع وغیرہ۔ اگر بھول جائے تو یوں کہہ لے: "بسم اللّٰہ أولَه و آخرَه" [اس کام کے شروع اور اختتام پر میں اللہ کا نام لیتا ہوں]

خدا کا نام بھی نامِ خدا کیا راحتِ جاں ہے عصائے پیر ہے تیغِ جواں ہے حرزِ طفلاں ہے

وہب بن منبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کلمات (بسم الله الرحمن الرحيم) کو ایک ایسا سلطان اور غلبہ دیا ہے، جو اور کلمات کو نہیں دیا۔ طہارت کی تکمیل، ذبیحہ کی حلت، شیطان کی ممانعت اور کھانے کو خوشگوار بنانا وغیرہ سب اسی کے کہنے سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص سچے دل سے اسے پڑھے تو نہ دریا میں ڈوبے گا نہ آگ میں جلے گا اور نہ سانپ بچھو اس کو کاٹے گا۔[3]

[1] خزينة الأسرار (ص: ۸۸)

[2] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (۴۸۴۰) میں یہ حدیث بایں الفاظ مروی ہے: «كُلُّ كَلَامٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ فَهُوَ أَجْذَمُ» اور اس کی سند میں "قرہ بن عبد الرحمٰن" ضعیف ہے۔ نیز دیکھیں: عمل اليوم والليلة للنسائي (۴۹۴) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۱۸۹۴) إرواء الغليل (۱/ ۲۹)

[3] خزينة الأسرار (ص: ۸۹)

اس (بسملہ) میں انیس (۱۹) حروف ہیں۔ جہنم کے داروغے بھی انیس ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس (بسم اللہ) کے پڑھنے والے کو ان (داروغوں) سے محفوظ رکھتا ہے۔

جعفر بن محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ شیطان مرد کے ذکر (آلہ تناسل) پر ہوتا ہے۔ جب وہ جماع کے وقت بسم اللہ نہیں کہتا تو وہ بھی اس کے ہمراہ جماع کرتا ہے اور مرد کی طرح ہی اس کی (عورت کی فرج) میں انزال کرتا ہے۔[1]

حکایت:

ایک شخص نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میری بیوی بیدار ہوئی تو اس کی شرم گاہ میں ایک آگ کا شعلہ تھا۔ انھوں نے کہا کہ یہ شیطان کی وطی اور جماع ہے۔ لہٰذا جب تو جماع کرے تو بسم اللہ...... الخ (جماع کی مکمل دعا) پڑھا کر۔[2]

میں کہتا ہوں کہ جماع کا یہ ادب مرفوع حدیث میں بیان ہوا ہے۔[3] اکثر لوگ اس سے غافل ہیں، اس لیے ان کی اولاد شیطان ہوتی ہے اور صلاح و فلاح سے دور جا پڑتی ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے خواص:

بسملہ کے خصائص میں سے ہے کہ جو شخص اسے اکثر خصوصاً حصولِ رزق کی خاطر پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے رزق عطا کر دیتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت ہوتی ہے۔ سوتے وقت اکیس بار پڑھنے سے اس رات جن، انس، شیطان، چور، جل جانا، اچانک موت اور ہر بلا و آفت سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر دیوانے کے کان میں یا مرگی کے مریض پر اکتالیس مرتبہ پڑھی جائے تو اس کو جلد افاقہ ہو جاتا ہے۔ ظالم اور جابر حاکم کے سامنے پچاس بار پڑھنے سے اس کے دل میں رعب آ جاتا ہے اور وہ ذلیل و مطیع ہو جاتا ہے۔ استسقا کے لیے کسی بھی جگہ خالص نیت کے ساتھ اکہتر بار اس کا پڑھنا مفید ہے۔ جس دردمند یا مسحور پر سات دن لگاتار سو بار پڑھی جائے تو خدا تعالیٰ کے حکم سے وہ درد اور جادو جاتا رہتا ہے۔ جمعے کے دن جب خطیب منبر پر ہو تو اپنی حاجت کے سوال کے ساتھ ایک سو تیرہ بار اسے پڑھنے سے مطلوب حاصل ہوتا ہے۔ خالص نیت کے ساتھ کسی اہم کام،

[1] خزينة الأسرار (ص: ٨٩)

[2] خزينة الأسرار (ص: ٩٠)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٤١) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٣٤)

جیسے مشکل کام کی انجام دہی اور دشمنوں اور ظالموں کے ضرر کو دور کرنے کے لیے ابجد کے حساب یعنی سات سو چھیاسی (۷۸۶) بار پڑھنے سے مقصود حاصل ہوتا ہے۔ اتنی ہی مقدار میں روزے کی حالت میں خلوت میں پڑھنا حصولِ مطلب میں اور بھی تیز تر ہے۔ دو ہزار بار چالیس صبح تک اعتقاد صحیح اور فضائل وخصائص کے ملاحظے کے ساتھ اسے پڑھنا فتحِ قلب اور ظہورِ اسرار وعجائب کا موجب ہے۔

بسم اللہ لکھ کر لٹکانے کے فوائد:

اگر بسملہ کو لکھ کر بچے پر لٹکا دیا جائے تو وہ نیند میں نہ ڈرے اور ہر آفت سے محفوظ رہے گا اور اگر پینتیس بار لکھ کر کسی گھر میں لٹکائی جائے تو اس میں شیطان وجن نہ آئے اور مال وکسب میں برکت ہو اور اگر دکان پر لٹکائے تو نفع زیادہ آئے اور اگر غیر محرم ہے تو ایک سو تیرہ مرتبہ لکھ کر اپنے ہمراہ رکھے تو وہ اپنے اہل وعیال میں کوئی مکروہ نہ دیکھے اور اگر ایک سو ایک بار لکھ کر باغ میں دفن کرے تو زراعت خوب ہو اور فصل اچھی آئے اور برکت حاصل ہو۔ اس کے سوا بھی اس کے بہت سے فوائد ہیں جن کا اہلِ علم وعمل کو تجربہ ہوا ہے۔[1] وللہ الحمد.

قرآن مجید کی آیات اور سورتوں میں تفاضل:

اہلِ علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ بعض قرآن بعض سے افضل ہے یا نہیں؟ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ، بعض ائمہ واعلام، امام مالک اور یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ نہیں ہے۔ نیز ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں باہم تفاضل نہیں ہے۔[2] البتہ بعض نے ظواہر احادیث کے مطابق تفضیل بیان کی ہے، اس موقف کے حامل لوگوں میں ابن راہویہ، ابوبکر بن العربی اور الغزالی رحمہ اللہ شامل ہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہی حق ہے اور انھوں نے اس موقف کو علما ومتکلمین کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے۔ ابن الحصار رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس جگہ اختلاف کا ذکر تعجب ہے، کیوں کہ اس کی تفضیل میں صحیح نصوص وارد ہوئی ہیں۔[3]

غزالی رحمہ اللہ نے جواہر القرآن میں کہا ہے:

"فاعلم أن نور البصيرة إن كان لا يرشدك إلى الفرق بين آية الكرسي

---

[1] خزینة الأسرار (ص: ۹۳) یعنی یہ تجرباتی امور ہیں، منصوص علیہ شرعی اوراد و وظائف نہیں ہیں۔

[2] صحیح ابن حبان (۳/ ۵٦)

[3] خزینة الأسرار (ص: ۹٤)

وآية المداينة وبين سورة الإخلاص وسورة تبت، وترتاع على اعتقاد الفرق نفسك الخوارة المستغرقة بالتقليد فقلد صاحب الرسالة فهو الذي أنزل عليه القرآن، وقال: سورة يٰس قلب القرآن، وفاتحة الكتاب أفضل سور القرآن، وآية الكرسي سيدة آي القرآن، و ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ تعدل ثلث القرآن، والأخبار الواردة في فضائل القرآن وتخصيص بعض السور والآيات بالفضل وكثرة الثواب في تلاوتها لاتحصٰى"[1] انتهیٰ.

[اگر آیۃ الکرسی اور آیتِ مداینہ کے درمیان، سورۃ الاخلاص اور سورۃ اللهب کے درمیان تمھاری بصیرت فرق کی طرف تمھاری راہنمائی نہیں کرتی اور تقلید میں ڈوبا ہوا تمھارا نفس فرق کے اعتقاد سے کانپتا ہے تو آپ صاحبِ رسالت ﷺ کا اتباع اختیار کریں، جن پر قرآن نازل کیا گیا ہے اور انھوں نے فرمایا ہے کہ سورت یٰس قرآن مجید کا دل ہے۔[2] سورۃ الفاتحہ قرآن مجید کی سورتوں میں سب سے افضل سورت ہے۔ آیۃ الکرسی قرآن مجید کی تمام آیات کی سردار ہے۔[3] ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (سورۃ الاخلاص) ایک تہائی قرآن کے برابر ہے، اسی طرح وہ اخبار و احادیث جو قرآن مجید کے فضائل، بعض سورتوں اور آیتوں کی خصوصی فضیلت اور اس کی تلاوت کی کثرت پر وارد ہوئی ہیں، وہ شمار نہیں کی جاسکتیں]

---

[1] دیکھیے: مرقاة شرح مشكاة، باب فضائل القرآن [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ] نیز دیکھیں القرآن للغزالي (ص: ٦٣) الإتقان (٢/ ٤١٧)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٨٧) اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٧٨) یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ دیکھیں: السلسلة الضعيفة (١٣٤٨)

سورۃ الفاتحہ کے فضائل کا بیان

اس سورت مبارکہ کے تیس نام ہیں۔ اسما کی کثرت مسمیٰ (ذات) کے شرف پر دلیل ہوتی ہے۔ "خزینة الأسرار" میں اس کے تمام نام مرقوم ہیں۔[1] امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بسملہ اس سورت کی ایک آیت ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں ہے۔ پہلا قول راجح ہے، بلکہ بسملہ ہر سورت کی ایک آیت ہے۔

① اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ﴾ [الحجر: ۸۷]

[اور بلاشبہہ ہم نے تجھے بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں اور بہت عظمت والا قرآن عطا کیا]

سیدنا عمر، علی رضی اللہ عنہما، قتادہ، حسن اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد فاتحۃ الکتاب ہے۔

② سیدنا ابوسعید بن المعلیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الفاتحہ کو سب سے زیادہ عظمت والی سورت، سبع مثانی اور قرآنِ عظیم فرمایا ہے۔[2] (رواه البخاري وأحمد، والدارمي، وأبو داود، والنسائي، والحسن بن سفيان، وابن جرير، وابن حبان، والحاكم، وابن مردويه، وأبو نعيم، والبيهقي)

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے ذیل میں فرمایا:

«وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ! مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيْلِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْقُرْآنِ مِثْلَهَا»[3] (الحديث، رواه الترمذي، وقال: هذا حديث حسن)

[قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور

---

① خزينة الأسرار (ص: ۹۵۔ ۹۹)

② صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٢٠٤) مسند أحمد (٣/ ٤٥٠) سنن الدارمي (١/ ٤١٧) سنن أبي داود، رقم الحديث (١٤٥٨) سنن النسائي، رقم الحديث (٩١٣)

③ سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٧٥)

اور قرآن مجید میں اس (سورۃ الفاتحہ) جیسی کوئی سورت نازل نہیں فرمائی]

④ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اسے قرآن مجید کی افضل سورت قرار دیا ہے۔[1]

(رواہ ابن حبان والحاکم والبیہقی)

⑤ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَ بَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ......»[2] الحديث

(رواہ مسلم)

[اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے نماز (سورۃ الفاتحہ) کو اپنے اور بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا ہے......] پھر فاتحہ کا نصف نصف ہونا ذکر کیا۔

⑥ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں اوپر سے ایک آواز سنی، سر اٹھا کر کہا: یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے، جو آج تک نہیں کھلا تھا۔ اتنے میں ایک فرشتہ اترا، جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ فرشتہ آج تک زمین پر نہیں آیا تھا، اس نے سلام کیا اور کہا:

"أَبْشِرْ بِنُورَيْنِ أُوتِيتَهُمَا، لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ، فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيمُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِّنْهَا إِلَّا أُعْطِيتَه"[3] (رواہ مسلم)

[دو نوروں سے خوش ہو جایئے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہ کسی نبی کو نہیں دیے گئے تھے، ان میں سے ایک (نور) فاتحۃ الکتاب (سورۃ الفاتحہ) اور دوسرا (نور) سورۃ البقرہ کی آخری آیات ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے جو حرف بھی پڑھیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی کچھ عطا ہوگا]

سورۃ الفاتحہ کی اہمیت و فضیلت:

شیخ ابن عربی نے فتوحات میں لکھا ہے:

"إذا قرأت فاتحة الكتاب، فصلها ببسملتها في نفس واحد، من غير قطع"

---

① المستدرك للحاكم (٧٤٧/١) صحيح ابن حبان (٥١/٣) شعب الإيمان للبيهقي (٤٤٤/٢)

② صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٩٥)

③ صحيح مسلم، رقم الحديث: (٨٠٦)

[جب تو سورۃ الفاتحہ کی قراءت کرے تو ایک سانس میں بغیر توقف کیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سمیت قراءت کرو][1]

پھر اپنی مسلسل بالحلف متصل سند کے ساتھ ابوالحسن کناری سے شہر موصل میں ۶۰۱ھ سے تا رسول اللہ ﷺ حالفاً عن جبریل حالفاً عن میکائیل حالفاً عن إسرافیل یوں روایت کیا ہے:

«قال اللّٰه تعالی: یا إسرافیل! بعزتي و جلالي وجودي و کرمي من قرأ بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم متصلة بفاتحة الکتاب مرة واحدة، اشهدوا علي أني قد غفرت له، وقبلت منه الحسنات، وتجاوزت عنه السیآت، ولا أحرق لسانه بالنار، وأجیره من عذاب القبر وعذاب النار وعذاب یوم القیامة والفزع الأکبر، ویلقاني قبل الأنبیاء والأولیاء أجمعین» انتهیٰ.

[اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اسرافیل! میری عزت، میرے جلال، میرے کرم اور میری سخاوت کی قسم! جس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو سورۃ الفاتحہ کے ساتھ ملا کر ایک ہی دفعہ پڑھا، تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اسے بخش دیا ہے۔ میں نے اس کی نیکیاں قبول کر لیں اور اس کے گناہ بخش دیے۔ میں اس کی زبان کو آگ سے نہیں جلاؤں گا۔ میں اسے عذابِ قبر، عذابِ نار، قیامت کے دن کے عذاب اور بہت بڑی گھبراہٹ سے بچاؤں گا اور وہ تمام انبیا و اولیا سے پہلے مجھ سے ملاقات کرے گا]

میں کہتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث کسی کتابِ حدیث میں نہیں دیکھی۔ البتہ مشائخ کی ایک جماعت نے "الرحیم" کے میم کا "الحمد" کے لام سے اتصال اپنے اعمال میں لکھا ہے اور اسے مجرب بتایا ہے، جیسے صاحب "قول جمیل" شرجی اور محمد نازلی وغیرہ۔[2]

مذکورہ بالا روایت کی سند کے ہر راوی نے حلف کیا ہے۔ واللہ اعلم ماجرا کیا ہے۔ اتصال سے ہر شخص نے میم کا لام سے اتصال سمجھا ہے، لیکن لفظِ حدیث عام ہے۔[3]

---

[1] لیکن یہ طریقہ مسنون نہیں، بلکہ ہر آیت پر وقف کرنا اور انھیں علاحدہ علاحدہ پڑھنا سنتِ نبویہ ہے۔ دیکھیں: سنن الترمذي، رقم الحدیث (۴۰۰۱) مسند أحمد (۶/ ۳۰۲)

[2] خزینة الأسرار (ص: ۱۰۹)

[3] یعنی برتقدیر ثبوت روایت [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ] کیوں کہ اس کے متن میں شذوذ و نکارت کے ساتھ ساتھ اس کی سند میں بھی مجاہیل اور غیر معروف رواۃ ہیں۔ دیکھیں: خزینة الأسرار (ص: ۱۰۸)

اس روایت کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ فاتحہ بغیر بسملہ کے نہ پڑھے، کیوں کہ جمہور کے نزدیک بسملہ سورۃ الفاتحہ کی ایک آیت ہے، لہٰذا اسے ہر بار الحمد کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیے۔ پھر فقط میم اور لام کے اتصال پر اجرِ عظیم کا مرتب ہونا اگر کوئی سرِ الٰہی ہے تو اللہ ہی جانے۔ ہاں اگر اس کا ثبوت صحیح اور معتبر طریق سے حدیث کی کسی معتمد کتاب سے بھی ہاتھ میں آ جائے تو پھر کیا کہنا۔ یہ نور علیٰ نور ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ میم کے لام سے اتصال کرنے میں قرآن کے کوئی معنی بھی متغیر نہیں ہوتے کہ ہم اس پر فساد کا حکم لگائیں، بلکہ یہ ترکیب ایک قسم کی قراءت ہے، اس کو اس طرح پر پڑھنا بجائے خود ممنوع نہیں ہو سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

⑦ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے:

«أُمُّ الْقُرْآنِ عِوَضٌ مِنْ غَيْرِهَا، وَلَيْسَ غَيْرُهَا عِوَضٌ مِّنْهَا»[1]

(أخرجه الدارقطني والحاكم)

[ام القرآن (سورۃ الفاتحہ) اپنے غیر کا عوض اور بدل بن سکتی ہے، مگر اس کا غیر اس کا بدل نہیں بن سکتا]

⑧ سیدنا عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«أَخْيَرُ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ»[2] (رواه أحمد والبيهقي)

[قرآن مجید کی سب سے بہترین سورت الحمدللہ رب العالمین ہے]

⑨ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«عَوَّذَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ تَفُلًا»[3] (رواه الطبراني)

[رسول اللہ ﷺ نے سورۃ الفاتحہ کا دم کر کے مجھ پر تھوکا]

⑩ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً فرماتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ قرآن مجید کے دو ثلث کے برابر ہے۔[4]

⑪ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے:

[1] سنن الدارقطني (١/ ٣٢٢) المستدرك للحاكم (١/ ٣٦٣) ضعيف الجامع (١٢٧٤) إرواء الغليل (٢/ ١١)

[2] مسند أحمد (٤/ ١٧٧) صحيح الجامع، رقم الحديث (٢٥٩٢)

[3] المعجم الكبير للطبراني (٧/١٨٩) المعجم الأوسط للطبراني (٧/٣١) اس کی سند میں "عبداللہ بن یزید البکري" ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد: ٥/ ١٩٤)

[4] مسند عبد بن حمید (٦٧٨)

«مَنْ صَلّٰی صَلاَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ هِيَ خِدَاجٌ هِيَ خِدَاجٌ غَيْرُ تَامٍّ، قَالَ الرَّاوِيُ: فَقُلْتُ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ! إِنِّي أَحْيَانًا أَكُوْنُ وَرَاءَ الْإِمَامِ؟ فَغَمَزَ ذِرَاعِي فَقَالَ: اِقْرَأْ بِهَا يَا فَارِسِيُّ فِيْ نَفْسِكَ»[1]

(الحديث، رواه البخاري ومسلم وأهل السنن الأربعة ومالك في الموطأ وابن جرير وابن الأنباري بالسند المتصل)

[جس شخص نے ایسی نماز ادا کی، جس میں ام القرآن (سورۃ الفاتحہ) نہ پڑھی تو وہ ناقص ہے، وہ ناقص ہے، وہ ناقص ہے، مکمل نہیں ہے۔ راوی نے کہا: میں نے پوچھا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! بعض اوقات میں امام کے پیچھے ہوتا ہوں؟ انھوں نے میرے بازو کو دبایا اور کہا: اے فارسی! اسے اپنے دل میں پڑھ]

⑫ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«لَا صَلاَةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»[2] (رواہ أصحاب الصحاح الستة وأحمد)

[جس نے سورۃ الفاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوتی]

مذکورہ بالا حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ امام کے پیچھے بھی سورۃ الفاتحہ پڑھے۔ یہی راجح ہے، بلکہ متعین ہے، کیوں کہ نہ پڑھنے میں نماز نہ ہونے کا خوف لگا ہوا ہے اور پڑھنے میں کوئی کھٹکا نہیں ہے۔ فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«دَعْ مَا يُرِيْبُكَ إِلٰى مَا لاَ يُرِيْبُكَ»[3]

[جو چیز تجھے شک میں مبتلا کرے اسے چھوڑ دے اور شک سے پاک چیز اختیار کر لے]

⑬ سیدنا انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں:

«إِذَا قَرَأْتَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ فَقَدْ أَمِنْتَ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ

---

① صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٢٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٩٥) سنن أبي داود، رقم الحديث (٨٢١) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٥٣) سنن النسائي، رقم الحديث (٩٠٩) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٨٣٨) الموطأ للمالك (١/٨٤)

② صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٢٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٩٤) سنن أبي داود، رقم الحديث (٨٢٢) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٤٧) سنن النسائي، رقم الحديث (٩٠١) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٨٣٧) مسند أحمد (٥/٣١٤)

③ سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٥١٨) سنن النسائي، رقم الحديث (٥٧١١)

إِلَّا الْمَوْتَ»[1] (رواه البزار)

[جب تم سورۃ الفاتحہ اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ پڑھ لو تو تم موت کے سوا ہر چیز سے امن میں ہو جاؤ گے]

⑭ سیدنا عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً بیان کیا ہے:

«إِنَّ فِيهَا شِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ»[2] (الحديث، رواه أحمد والبيهقي)

[یقیناً اس (سورۃ الفاتحہ) میں ہر بیماری سے شفا ہے]

⑮ سیدنا عبدالملک بن عمیر نے مرسلاً کہا ہے:

"فاتحة الكتاب شفاء من كل داء"[3] (رواه الدارمي والبيهقي في شعب الإيمان)

[سورۃ الفاتحہ ہر بیماری کی شفا ہے]

⑯ سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«فَاتِحَةُ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ سُمٍّ»[4]

[سورۃ الفاتحہ ہر زہر سے شفا ہے]

⑰ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«خَيْرُ الدَّوَاءِ الْقُرْآنُ»[5] (رواه ابن ماجه)

[بہترین دوا قرآن مجید ہے]

جب سارا قرآن شفا ٹھہرا تو فاتحہ بالاولیٰ شفا ٹھہرے گی۔ لہٰذ حدیث شریف کی نص کے مطابق یہ افضل اور قرآن کی سب سے بہترین سورت ہے۔

---

① مسند البزار (١٢/١٤) اس کی سند میں "غسان بن عبید" راوی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (٥٠٦٢)

② شعب الإيمان للبيهقي (٢/ ٤٤٩) كشف الخفاء للعجلوني (١٨١٦)

③ سنن الدارمي (٢/٥٣٨) شعب الإيمان للبيهقي (٢/٤٥٠)

④ تفسير ابن كثير (١/ ١٠١) تفسير القرطبي (١/ ١٤٦)

⑤ سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٥٠١) اس کی سند میں "حارث اعور" راوی ضعیف و متہم ہے، اس لیے یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

سورۃ الفاتحہ کے خواص:

اہلِ علم نے کہا ہے کہ اس سورت میں ہزار خاصیت ظاہر اور ہزار خاصیت باطن ہے۔ یہ بالاتفاق سات آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے پچیس کلمات ہیں۔ ایک سو پچیس حرف ہیں یا ایک سوتئیس یا ایک سوتیس۔ یہ اختلاف صرف کتابت وقراءت کے اعتبار سے ہے۔

حکایت:

شہر ملتان میں ایک بہت بڑی وبا (طاعون) آئی تھی۔ شیخ تیمی رحمہ اللہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ طاعون کے ہر مریض پر سورۃ الفاتحہ بسملہ کے وصل کے ساتھ دو بار پڑھ کر دم کرو، چنانچہ ایسے ہی کیا گیا تو شفا ہوئی۔ اس کا ثمرہ سب کو نظر آیا۔

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کو بسملہ کے وصل کے ساتھ اکتالیس (۴۱) بار پڑھ کر مریض پر دم کرے، اللہ اس کو شفا دے گا۔ یہ عمل مجربات سے ہے۔ جو شخص نمازِ فجر کی سنت اور فرض کے درمیان ہمیشہ اکتالیس (۴۱) بار سورۃ الفاتحہ مع بسملہ پڑھے گا تو اگر وہ بیمار ہے شفا پائے گا، اگر ضعیف ہے تو قوی ہو جائے گا، اگر غریب ہے تو لوگوں کے درمیان بے قیاس عز وشرف حاصل ہوگا اور اگر اپنے منصب سے معزول ہوگیا ہے اور اس کی بحالی چاہتا ہے تو وہی منصب یا اس سے افضل مل جائے گا، اگر بے اولاد ہے تو نیک اولاد نصیب ہوگی۔ پھر اسی ترتیب سے خالص نیت کے ساتھ جس درد مند بیمار، خصوصاً دردِ چشم کے بیمار پر پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اسے شفا دے گا۔ یہ اسرار میں سے ایک سر اور راز ہے، جس کو وہی جان سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے توفیق دے رکھی ہے اور جو اس کے لائق نہیں ہے، اس سے اس راز کو مخفی رکھنا لازم ہے، البتہ اس کے لیے اجازت ہے جو اسے ہمیشہ پڑھتا ہے۔ وللہ الحمد.

شیخ محمد نازلی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”وهذا الترتيب في هذا الزمان نافع بليغ للعين وغيرها من الأمراض، وذلك قد جرب مرارا وصح، والحمد لله، والسر في ذلك كله حسن الظن من الوجيع والعازم“[1]

---

[1] خزينة الأسرار (ص: ١١٨)

[اس دور میں اس ترتیب کے ساتھ اس (سورۃ الفاتحہ) کا پڑھنا نظر وغیرہ کے امراض کے لیے انتہائی مفید ہے۔ یہ کئی دفعہ کا مجرب اور صحیح عمل ہے۔ والحمد للہ. اس سے شفا کے حصول کا راز دردمند اور پختہ ارادہ رکھنے والے کا حسن ظن رکھنا ہے]

نماز فجر کے بعد ایک سو پچیس (۱۲۵) بار سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا بلا شک وشبہہ اِدراکِ غرض اور نیک مطلوب میں مجرب ہے۔ اس ترتیب کے عجیب خواص اور غریب اَسرار ہیں۔

ابن عربی نے کہا ہے کہ جس کو کوئی حاجت ہو، وہ مغرب کے فرض اور سنت کے بعد اسی جگہ چالیس بار فاتحہ پڑھے، اپنی جگہ سے نہ اٹھے، پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی مراد کا سوال کرے، لا محالہ وہ حاجت پوری ہوگی۔ اس کا تجربہ کیا گیا تو ہم نے اسے مفید ہی پایا۔

سورۃ الفاتحہ کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اگر مقید (جس کے پاؤں میں بیڑیاں لگی ہوں) اس کو ایک سو اکیس (۱۲۱) بار پڑھ کر دس بار قید (بیڑی) پر دم کرے، اللہ کے حکم سے وہ بیڑی کھل جائے گی۔ ایک قیدی نے اس عمل کا تجربہ کیا تو اس کی بیڑی کھل گئی اور پہرے داروں کے سوتے میں وہ قید سے نکلا اور اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم اور اس سورت کی برکت سے نجات پا گیا۔[1]

حکایت:

بعض صالحین نے درد والی جگہ پر ہاتھ رکھ کر سات بار سورۃ الفاتحہ پڑھ کر یہ کہا تھا:

اے اللہ! اپنے نبی مبارک، مکین اور امین محمد ﷺ کی دعا کے ساتھ مجھ سے اس درد اور تکلیف کو دور کر دے۔

اس کو بھی سات مرتبہ کہا تو اللہ نے اسے شفا بخشی۔ اس کا تجربہ کیا گیا تو یہ عمل صحیح ثابت ہوا۔

سورۃ الفاتحہ کی ایک خاصیت یہ ہے کہ ہر ماہ کے پہلے اتوار میں اس کو مع بسملہ ستر (۷۰) بار پڑھے، پھر سوموار کو ساٹھ (۶۰) بار، پھر منگل کو پچاس (۵۰) بار، پھر بدھ کو چالیس (۴۰) بار، پھر جمعرات کو تیس (۳۰) بار، پھر جمعہ کو بیس (۲۰) بار، پھر ہفتے کے دن دس (۱۰) بار یعنی ہر روز دس بار کم کرتا جائے، یہاں تک کہ ستر بار سے دس بار پر آ جائے، غرض کہ ہر نئے ماہ کے پہلے ہفتے میں اس پر ہمیشگی کرے۔[2]

---

[1] خزينة الأسرار (ص: ١٤)

[2] خزينة الأسرار (ص: ١١٨)

حکایت:

شیخ علی حقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک ہندی عالم نے مدینہ منورہ میں اسی طرح مجھ کو ۱۲۶۲ھ میں اجازت دی اور کہا کہ ہمارے شیخ ایک خالی جگہ میں لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے اور ان کے پاس بہت سے مرید تھے، جو ہر روز شیخ کو ان کی مرضی کے مطابق انواع و اقسام کے کھانے کھلاتے تھے، ان کا کوئی کسب تھا نہ تجارت، بس یہی فاتحہ کا تصرف تھا۔[1] وللّٰه الحمد.

فائدہ:

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے فاتحہ کے ساتھ دم والی حدیث کے متعلق کہا ہے:

"إذا ثبت أن لبعض الكلام خواص ومنافع، فما الظن بكلام رب العالمين، ثم بالفاتحة التي لم ينزل في القرآن ولا في غيره من الكتب مثلها، لتضمنها جميع معاني الكتب، وقد اشتملت على ذكر أصول أسماء اللّٰه تعالىٰ ومجامعها، وإثبات المعاد وذكرالتوحيد والافتقار إلى الرب تعالىٰ في طلب الإعانة والهداية منه، وذكر أفضل الدعاء، وهو طلب الهداية إلى الصراط المستقيم المتضمن كمال معرفته وتوحيده، وعبادته بفعل ما أمر به واجتناب ما نهىٰ عنه، والاستقامة عليه، ولتضمنها ذكر أوصاف الخلائق وقسمتهم إلى منعم عليه بمعرفة الحق و العمل بہ و مغضوب عليه لعدوله عن الحق بعد معرفته، وضال بعدم معرفته له مع ما تضمنته بإثبات القدر والشرع والأسماء والمعاد والتوبة وتزكية النفس وإصلاح القلب والرد علىٰ جميع أهل البدع، وحقيق لسورة هذا بعض شانها أن يستشفىٰ بها من كل داء"[2] انتهىٰ.

[جب کسی اور کلام کے خواص اور منافع ثابت ہیں تو رب العالمین کے کلام کے بارے

---

① خزينة الأسرار (ص: ١١٨)

② من الإتقان (٢/١٦٦) طبع مصر ١٣٥٤ھ [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ] زاد المعاد (٤/ ١٦٢) فتح الباري (١٠/ ١٩٨)

میں تمھارا کیا گمان ہے؟ پھر اس میں سے بھی سورۃ الفاتحہ، جس جیسی کوئی سورت قرآن اور دیگر کتابوں میں نہیں اتری ہے، کیوں کہ یہ سورۃ الفاتحہ تمام کتابوں کے معانی کو متضمن ہے۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کے اسما کے اصول و مجامع کے ذکر اور آخرت کے اثبات پر مشتمل ہے۔ اس میں توحید کا بیان ہے، رب تعالیٰ سے اعانت اور ہدایت کی طلب کا محتاج ہونے کا ذکر ہے۔ اس میں افضل دعا صراط مستقیم کی طرف طلبِ ہدایت کا بیان ہے۔ وہ صراط مستقیم جو اللہ تعالیٰ کی کمال معرفت اور اس کی توحید اور اس کی عبادت کو متضمن ہے۔ یہ سب کچھ اس کے حکم پر عمل کرنے اور اس کی نہی سے اجتناب کرنے اور اس پر استقامت اختیار کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ نیز سورۃ الفاتحہ مخلوق کے اوصاف کو متضمن ہے اور ان کو دو گروہوں میں تقسیم کرتی ہے: ایک وہ جو حق کی معرفت اور اس پر عمل کرنے کی وجہ سے "منعم علیه" ہے اور دوسرا گروہ حق کو پہچاننے کے بعد اس سے انحراف کرنے اور اس کی عدمِ معرفت کے سبب گمراہ ہونے کی وجہ سے "مغضوب علیه" ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ سورت قدر، شرع، اسما، آخرت، توبہ، تزکیہ نفس، اصلاحِ قلب اور تمام اہلِ بدعت کا رد جیسی چیزوں کو متضمن ہے۔ اپنی اسی طرح کی شان و عظمت کی وجہ سے یہ سورت اس لائق ہے کہ اس کے ساتھ ہر بیماری سے شفا طلب کی جائے]

تفسیر فتح البیان میں سورۃ الفاتحہ سے اثباتِ توحید پر تیس (۳۰) دلائل استنباط کیے گئے ہیں۔[1]

بہ ہرحال یہ مبارک سورت اسقام و آلام سے عافیت بخشتی ہے اور جلد صحت و تندرستی عطا کرتی ہے۔ اس کے حق میں "شفاء من كل داء" [ہر بیماری کی شفا] آیا ہے۔ اگر بیمار اس کو پاک برتن میں لکھ کر پانی سے محو کر کے اپنا منہ دھوئے تو اللہ کے حکم سے شفا پائے اور جس کے دل میں تقلب یا شک یا وجع (درد) یا خفقان ہو تو وہ اسے لکھ کر پانی میں دھو کر پی جائے تو الم و تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

تیمی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"فإياك والتهاون بخواص كتاب الله تعالىٰ أو التساهل في الاعتقاد تخسر

[1] فتح البيان في مقاصد القرآن (١/ ٥٦)

الدنيا والآخرة، والعياذ بوجه الله تعالىٰ، فإن الله تعالىٰ يقول، وهو أصدق القائلين: ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ وكذا قال: ﴿وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ وكذا قال ﷺ: «خُذْ مِنَ الْقُرْآنِ مَا شِئْتَ لِمَنْ شِئْتَ» و روايات العقوبة لمن تهاون بالقرآن العظيم وأساء الظن كثيرة جداً"[1]

[اللہ کی کتاب کے خواص میں تہاون اور سستی کرنے سے بچو، کیوں کہ اعتقادی تساہل و غفلت دنیا و آخرت کے خسارے کا باعث بنتا ہے۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ پس یقیناً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اور وہ اصدق القائلین ہے:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ [الأنعام: ٣٨]

[ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی]

جی ہاں! اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ [الأنعام: ٥٩]

[کوئی تر ہے اور نہ خشک مگر وہ ایک واضح کتاب میں ہے]

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خُذْ مِنَ الْقُرْآنِ مَا شِئْتَ لِمَنْ شِئْتَ»[2]

[قرآن سے جو چاہو جس کے لیے چاہو لے لو]

جو قرآن عظیم کے ساتھ تہاون و سستی کا مظاہرہ کرے اور اس کے متعلق بدگمانی کا شکار ہو، اس کی سزا کے متعلق روایات بہت زیادہ ہیں]

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"كل داء له دواء، وأنا أحسنت المداواة بالفاتحة فوجدت لها تأثيراً عجيباً في الشفاء، وذلك أني مكثت بمكة مدة يعتريني أدواء، لا أجد لها طبيبا ولا مداوياً، فقلت: يا نفسي! دعيني دعيني أعالج نفسي بالفاتحة ففعلت فأرىٰ لها تأثيراً عجيباً، وكنت أصف ذلك لمن اشتكى

[1] خزينة الأسرار (ص: ١٢٢)

[2] یہ بے اصل روایت ہے۔ دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (٥٥٧)

ألماً شديداً فكان كثيرا منهم يبرؤن سريعاً ببركة الفاتحة.[1] وقد يختلف الشفاء لضعف همة الفاعل، أولعدم قبول المحل أن يتداوىٰ بكتابة الفاتحة، أو أن يتداوىٰ بقراءة الفاتحة، فكذٰلك يختلف الشفاء لضعف همة القارئ أو لتغيير القارئ في المخرج والصفات، أو لعدم قبول المحل، وإلا فالآيات والأدعية في نفسها نافعة شافية“[2]

[ہر بیماری کا علاج ہے۔ میں نے سورۃ الفاتحہ کی قراءت سے خوب علاج کیا تو شفا کے سلسلے میں اس کی عجیب تاثیر پائی۔ ہوا یوں کہ میں کچھ مدت کے لیے مکے میں ٹھہرا تو مجھے بیماریوں نے آگھیرا اور مجھے کوئی طبیب میسر تھا نہ معالج۔ میں نے کہا: اے میرے دل! مجھے چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے نفس کا سورۃ الفاتحہ کے ساتھ علاج کرلوں۔ چنانچہ میں نے ایسے ہی کیا تو میں نے اس کی عجیب وغریب تاثیر دیکھی۔ چنانچہ پھر جسے بھی شدید الم اور تکلیف ہوتی تو میں اسے یہی (سورۃ الفاتحہ کے ساتھ دم کا) علاج بتاتا تو ان میں سے اکثر لوگ سورۃ الفاتحہ کی برکت سے جلد ہی شفا یاب ہو جاتے۔ کبھی (سورۃ الفاتحہ سے) شفا طلبی کا معاملہ مختلف ہوتا ہے، اس کا سبب یا تو فاعل (دم کرنے والے) کی ہمت وعزم میں ضعف ہوتا ہے یا (دم کا) محل اس بات کو قبول نہیں کرتا، بہ ایں طور کہ سورۃ الفاتحہ کی تحریر یا قراءت سے علاج کیا جائے۔ ایسے ہی شفا کا معاملہ مختلف ہوتا ہے، کیوں کہ قاری کی ہمت میں کمزوری ہوتی ہے یا مخرج اور صفات کی قاری کی طرف سے تغییر اور عدمِ درستی سبب بنتی ہے یا محل اس کو قبول نہیں کرتا، ورنہ آیات اور دعائیں فی نفسہا نفع مند اور شفا بخش ہیں]

شیخ نازلی رحمہ اللہ نے کہا:

”واعلم أنه قد يعمل كثير من الناس شيئاً من ذٰلك، ولا يقع علىٰ مقصوده وغرضه، وذٰلك إنما يكون لأمرين: أحدهما أن يكون العامل من العصاة غير أهل للانفعالات والمكاشفات، والثاني عمله علىٰ سبيل التجربة

---

[1] نیز دیکھیں: مدارج السالکین (۳۱/۱) أول طبع المنار [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ] الجواب الكافي (ص: ۳)

[2] الجواب الكافي (ص: ۳)

والشك، وأما إذا حدث من أثار النفوس الخبيثة من ذوات السموم القاتلة والعيون الممرضة المهلكة أمر، وقابله النفوس الزكية الشريفة بحقائق الفاتحة وأسرارها ومعانيها وما تضمنته من التوحيد والتوكل والثناء على الله تعالىٰ سبحانه دفع أثر تلك النفوس الشيطانية وحصل البرء بلا شك وشبهة، والله أعلم"[1]

[جان لو! بعض اوقات بہت سے لوگ سورۃ الفاتحہ کے ساتھ عملیات کرتے ہیں، لیکن ان کا مقصود حاصل نہیں ہوتا اور ان کی غرض پوری نہیں ہوتی۔ اس کا سبب دو چیزیں بنتی ہیں:

① پہلی چیز یہ ہے کہ عامل گناہ گار ہوتا ہے، انفعالات اور مکاشفات کا اہل نہیں ہوتا۔

② دوسری چیز یہ ہے کہ اس کا عمل تجربے اور شک کی بنا پر ہوتا ہے۔

مگر جب نفوسِ خبیثہ جو زہریلے اور قاتل ہوتے ہیں اور ہلاک و بیمار کرنے والی نظروں کے آثار سے کوئی اثر ظاہر ہوتا ہے اور سورۃ الفاتحہ کے حقائق، اس کے اسرار، معانی، اس میں پائی جانے والی توحید، توکل اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ثنا وتعریف کے ساتھ شریف اور پاکیزہ نفس مقابلے میں کھڑے ہوتے ہیں تو شیطانی نفوس کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور بلا شک وشبہہ شفا حاصل ہوتی ہے۔ واللہ أعلم]

---

[1] خزينة الأسرار للنازلي (ص: ١٢٢)

سورۃ البقرہ کی فضیلت

① سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے:

«اِقْرَأُوا سُورَةَ الْبَقَرَةِ، فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ، وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ، وَلَا يَسْتَطِيعُهَا الْبَطَلَةُ»[1] (رواہ مسلم)

[سورۃ البقرہ پڑھو، یقیناً اس کا لینا (پڑھنا) باعثِ برکت ہے اور اس کو چھوڑنا باعثِ حسرت ہے اور اس (کے مقابلے) کی طاقت باطل پرست (جادوگر) لوگ نہیں رکھتے]

اس حدیث میں لفظ "البطلة" سے مراد ساحر (جادوگر) وغیرہ ہیں۔

معاویہ بن سلام رحمہ اللہ نے کہا ہے: "بلغني أن البطلة السحرة" [(اہلِ علم سے) مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ "بطلہ" سے مراد "سحرۃ" (جادوگر) ہیں]

② سورۃ البقرہ اور آلِ عمران کے حق میں دوسری روایت میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

«تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا»[2] (رواہ مسلم عنه)

[(سورۃ البقرہ اور آل عمران) اپنے صاحب کی طرف سے جھگڑا کریں گی]

یہ جھگڑا کرنا شفاعت کرنے سے کنایہ ہے۔

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ يَفِرُّ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ»[3] (رواہ مسلم)

[یقیناً شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے، جس میں سورۃ البقرہ پڑھی جاتی ہے]

جس گھر میں آسیب و شیطان کا خلل ہو، اس میں اس سورت کو پڑھے تو وہ خلل دور ہو جائے گا۔

④ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸۰۴)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸۰۵)

[3] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۷۸۰)

«لِكُلِّ شَيْئٍ سَنَامٌ، وَسَنَامُ الْقُرْآنِ الْبَقَرَةُ، وَفِيهَا آيَةٌ هِيَ سَيِّدَةُ آيِ الْقُرْآنِ»[1]

(رواه الترمذي)

[ہر چیز کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور قرآن کی چوٹی سورۃ البقرہ ہے، اس میں ایک آیت ایسی ہے جو قرآن مجید کی جملہ آیات کی سردار ہے] اس آیت سے مراد آیۃ الکرسی ہے۔

⑤ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں کہا ہے کہ جو شخص رات کے وقت اس سورت کو پڑھے تو تین رات تک شیطان گھر میں نہیں آئے گا اور جو شخص دن کو پڑھے تو تین دن تک نہ آئے گا۔[2]

(رواہ ابن حبان)

⑥ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے ایک رات یہ سورت پڑھی تھی تو ان کو کچھ روشنیاں نظر آئیں۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ تَنَزَّلَتْ لِقِرَاءَةِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ»[3]

(رواہ ابن حبان والشیخان من حدیث أبي سعید بنحوہ)

[یہ روشنیاں فرشتے تھے، جو سورۃ البقرہ کی قراءت سننے کے لیے اترے تھے]

⑦ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات کے بارے میں فرمایا ہے:

«لَا تُقْرَآنِ فِي دَارٍ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرُبُهَا شَيْطَانٌ»[4] (رواہ الترمذي)

[جس گھر میں انھیں تین بار پڑھا جائے تو شیطان اس گھر کے قریب نہیں آتا]

⑧ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«إِنَّ اللّٰهَ خَتَمَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ بِآيَتَيْنِ أُعْطَانِيهِمَا مِنْ كَنْزِهِ الَّذِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوهُنَّ وَعَلِّمُوهُنَّ نِسَاءَكُمْ وَأَبْنَاءَكُمْ فَإِنَّهَا صَلَاةٌ وَقُرْآنٌ وَدُعَاءٌ»[5]

(رواہ الحاکم)

---

① سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٧٨) اس کی سند میں ''حکیم بن جبیر'' ضعیف ہے، البتہ اس حدیث کے پہلے جملے ''لِكُلِّ شَيْئٍ سَنَامٌ، وَسَنَامُ الْقُرْآنِ الْبَقَرَةُ'' کا ایک شاہد حسن سند سے مروی ہے۔ دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (٥٨٨)

② صحیح ابن حبان (٣/٥٩) اس کی سند میں ''خالد بن سعید'' راوی مجہول ہے۔

③ صحیح البخاري، رقم الحدیث (٤٧٣٠) صحیح مسلم (٧٩٦) صحیح ابن حبان (٣/ ٥٨)

④ سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٨٢)

⑤ المستدرك للحاكم (١/٥٦٢) شعب الإيمان (٢/ ٤٦١) اس کی سند میں ''عبداللہ بن صالح'' ضعیف ←

[بلا شبہہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کو ان دو آیتوں پر ختم کیا ہے، جو آیتیں اس نے عرش کے نیچے کے خزانوں سے مجھے عطا کی ہیں، لہٰذا ان کو پڑھو اور اپنی عورتوں اور بچوں کو ان کی تعلیم دو، یقیناً وہ دونوں آیتیں نماز، قرآن اور دعا ہیں]

⑨ سیدنا عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے:

«لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ آيَةٌ، وَيْلٌ لِمَنْ قَرَأَهَا وَلَمْ يَتَفَكَّرْ فِيهَا: اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ»[1] (رواہ ابن حبان وغیرہ)

[بلا شبہہ آج رات مجھ پر ایک آیت اتاری گئی ہے، اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جس نے اسے پڑھا ضرور مگر اس میں غور و فکر نہیں کیا: یقیناً آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں اور دن رات کے آنے جانے میں اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں وہ چیزیں لے کر چلتی ہیں جو لوگوں کو نفع دیتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا، پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیا اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر کیا ہوا ہے، ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں]

⑩ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے:

«اَلْآيَتَانِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، مَنْ قَرَأَ بِهِمَا فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ»[2] (متفق علیه)

[سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں ایسی ہیں، جس نے ان دونوں کو ایک رات میں پڑھا تو وہ اس کے لیے کافی ہو جاتی ہیں]

← ہے۔ دیکھیں: ضعيف الجامع، رقم الحديث (١٦٠١)

[1] صحيح ابن حبان (٢/٣٨٦)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٧٨٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٠٧)

سورۃ الانعام کا بیان

یہ سورت بہ تمام و کمال ایک ہی بار مکے میں اتری تھی۔ اس سورت کی پہلی تین آیات اور سورت براء ۃ کی آخری دو آیات میں عجیب خواص ہیں۔ اس سورت کو اکتالیس (۴۱) بار پڑھنے سے قید سے رہائی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس سورت کے پڑھنے سے بیمار شفا پاتا ہے۔[1]

(أخرجه البيهقي في شعب الإيمان عن علي موقوفا بسند فيه من لا يعرف، كذا في الإتقان)

آیۃ الکرسی کا بیان

1. رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: اے ابو منذر! کیا تو جانتا ہے کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟ جب انھوں نے جواب دیا کہ آیۃ الکرسی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ يَا أَبَا مُنْذِرٍ!»[2] (رواه مسلم)

[اے ابو منذر! تمھیں تمھارا علم مبارک ہو]

2. سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں تین رات تک شیطان کے آنے کا قصہ آیا ہے، تیسری رات جب اسے پکڑا تو اس نے کہا:

"دعني أعلمك كلمات ينفعك الله بها، إذا آويت إلى فراشك فاقرأ آية الكرسي حتىٰ تختم، فإنك لن يزال عليك من الله حافظ ولا يقربك

---

[1] شعب الإيمان (۲/ ۴۷۱) امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں بعض راوی مجہول ہیں۔

[2] رواه مسلم، رقم الحديث (۱۹۲۱)

شیطان حتی تصبح"

[مجھے چھوڑ دو میں تجھے چند ایسے کلمات سکھاتا ہوں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ تجھے نفع دے گا، جب تم اپنے بستر پر (سونے کے لیے) جاؤ تو آیۃ الکرسی پڑھو، اس سے تم پر اللہ کی طرف سے ایک نگران مقرر ہو جائے گا اور صبح تک شیطان تیرے قریب نہیں آئے گا]

جب رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ» (رواه البخاري والنسائي وأبو نعيم وابن مردويه)[1]

[یاد رکھو! وہ جھوٹا ہونے کے باوجود تجھے سچی بات بتا گیا ہے]

٣ اسی طرح کا ایک قصہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صَدَقَ الْخَبِيثُ»[2] (رواه ابن حبان وأبو يعلىٰ والحاكم وأبو نعيم والبيهقي)

[خبیث (شیطان) نے سچ کہا]

آیۃ الکرسی کے متعدد نام:

اس آیتِ کریمہ کے بہت سے نام ہیں، جیسے ① أعظم الآیات، ② سیدة آی القرآن، ③ أفضل آی القرآن، ④ اشرف آی القرآن، ⑤ ذروۃ آی القرآن، ⑥ آیۃ الفتح، ⑦ آیۃ البرکۃ والنماء، ⑧ آیۃ مقدسۃ، ⑨ صفۃ اللہ ونعت اللہ، ⑩ آیۃ التوحید، ⑪ آیۃ المستغیثین، ⑫ آیۃ المستعینین، ⑬ آیۃ المستعیذین، ⑭ آیۃ المسترجعین، ⑮ آیۃ المستجیرین، ⑯ آیۃ الآمنۃ، ⑰ آیۃ الحافظہ، ⑱ آیۃ الواقیۃ، ⑲ آیۃ الماحیۃ، ⑳ آیۃ الدافعۃ وغیرہ۔ یہ سب چالیس نام ہیں جن کی وجہ تسمیہ "خزینة الأسرار" میں مرقوم ہے۔ بعض نام احادیث سے ثابت ہیں اور ہر نام کے نیچے فوائد کثیرہ لکھے گئے ہیں۔[3]

امام اعظم رحمہ اللہ نے ابو یوسف رحمہ اللہ کو وصیت کی تھی:

"وعليك ورد من القرآن عقب الصلوات الخمس، مثل آية الكرسي وسورة الإخلاص فإنهما مشتملان على الذكر والتوحيد والتلاوة"[4] انتهىٰ.

① صحيح البخاري، رقم الحديث (٢١٨٧) سنن النسائي الكبرىٰ (٦/٢٣٨)

② صحيح ابن حبان (٣/٦٣) المستدرك للحاكم (١/٧٤٩) السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (٣٢٤٥)

③ خزينة الأسرار (ص: ١٢٤ ـ ١٣٦)

④ خزينة الأسرار (ص: ١٢٨)

[پانچ نمازوں کے بعد قرآن کے اوراد کا اہتمام کرو، جیسے آیۃ الکرسی، سورۃ الاخلاص ہیں، کیوں کہ یہ دونوں (آیۃ الکرسی اور سورۃ الاخلاص) ذکر، توحید اور تلاوت پر مشتمل ہیں]

④ سنن ترمذی میں مرفوعاً مروی ہے:

«وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! إِنَّ لِهٰذِهِ الْآيَةِ لِسَاناً وَّ شَفَتَيْنِ، تُقَدِّسُ الْمَلِكَ عِنْدَ سَاقِ الْعَرْشِ»[1]

[اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس آیت (آیۃ الکرسی) کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہیں، یہ عرش کے پائے کے قریب (اللہ ملک العلام) بادشاہ کی تقدیس بیان کرتی ہے]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے، یعنی "الحي القيوم" نیز اس میں پچاس کلمے ہیں اور ہر کلمے میں پچاس برکتیں ہیں۔

حکایت:

حسن رحمہ اللہ نے کہا کہ ایک شخص کا بھائی فوت ہو گیا تھا، اس نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تم نے کس عمل کو افضل پایا؟ اس نے کہا کہ قرآن کو۔ اس نے پوچھا: کون سا قرآن؟ اس نے جواب دیا: آیۃ الکرسی۔ اس نے کہا کہ ہمارے لیے بھی کچھ امید ہے؟ کہا: تم کرتے ہو لیکن جانتے نہیں اور ہم جانتے ہیں لیکن کر نہیں سکتے۔[2]

شیخ محمد نازلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں مدینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[3] کے پاس ہمیشہ آیۃ الکرسی پڑھا کرتا تھا۔ میں نے خواب دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قرآن مجید کی افضل آیت کون سی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آیۃ الکرسی۔[4]

ابن عربی کہتے ہیں:

"إنما صارت آية الكرسي أعظم الآيات لعظم مقتضاها، فإن الشيئ إنما

---

① مسند أحمد (٥/ ١٤١) صحيح الترغيب (٢/ ٨٩)

② الدر المنثور (٢/ ١٥)

③ یعنی قبر نبوی کے پاس۔ [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

④ خزينة الأسرار (ص: ١٢٦)

يعرف بشرف ذاته ومقتضاه ومتعلقاته، وهي في آي القرآن كسورة الإخلاص في سوره"[1]

[آیۃ الکرسی تو صرف اپنے بڑے مقتضا کی وجہ سے تمام آیات سے زیادہ عظمت والی آیت ہے۔ بلا شبہہ کوئی بھی چیز اپنی ذات کے شرف، اپنے مقتضا اور متعلقات کی بنا پر ہی مشرف ہوتی ہے۔ آیۃ الکرسی کی قرآن مجید کی آیات میں وہی حیثیت ہے جو اس کی سورتوں میں سورۃ الاخلاص کی حیثیت ہے]

پھر ابن عربی نے کہا ہے کہ سورۃ الاخلاص کو اتنی فضیلت اور ہے کہ وہ پوری سورت ہے اور یہ آیت ہے۔ اس سورت (اخلاص) میں توحید کا بیان پندرہ حروف میں ہے اور اس آیت میں پچاس حروف میں ہے۔ اعجازِ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور ہے اور وہ اس طرح کہ پہلے ایک مقرر مضمون کو پچاس حرفوں کے ساتھ بیان کیا گیا، پھر اسے پندرہ حروف کے ساتھ تعبیر کیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ عظیمہ اور اس کی وحدانیت کی انفرادیت کا بیان ہے۔ انتهیٰ۔[2]

میں کہتا ہوں کہ توحید تمام فضائل سے افضل ہے، جس طرح شرک اکبرالکبائر ہے۔ توحید کے لیے ایک نور ہے، جس طرح شرک کے لیے ایک نار ہے۔ توحید کا نور موحدین کے گناہوں کو اسی طرح جلا دیتا ہے، جس طرح آگ مشرکین کی نیکیوں کو جلا کر سیاہ خاک کر دیتی ہے، لہٰذا توحید افضل عبادت ہے اور خدا تعالیٰ کا ذکر تمام قربات سے زیادہ قرب کا ذریعہ ہے۔ برخلاف تمام اعمال کے یہ زمان و اوقات کے ساتھ مقید نہیں ہوتا ہے، جیسے روزہ اور نمازیں۔ گمراہی سے نجات تب ہی ممکن ہے، جب توحید کی طرف راہنمائی پائی جائے۔ لہٰذا آیۃ الکرسی اور سورۃ الاخلاص میں یہ توحید علی وجہ الکمال موجود ہے۔

آیۃ الکرسی کے خواص:

شیخ بونی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیۃ الکرسی کا آیۃ الکرسی کے حروف کی تعداد کے برابر، یعنی ایک سو ستر بار پڑھنا، تمام امور، قضائے حوائج، غموں اور تکالیف سے نجات، رزق کی کشادگی اور حصولِ مقصد میں معین ہے۔[3] وللّٰه الحمد.

[1] خزينة الأسرار (ص: ١٢٨)

[2] خزينة الأسرار (ص: ١٢٨)

[3] خزينة الأسرار (ص: ١٢٩)

حکایت:

ایک شخص ایک درخت یا نخلہ (کھجور کے درخت) کے پاس گیا تو اس میں سے ایک حرکت سنی، وہ بولا لیکن کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو اس نے آیۃ الکرسی پڑھی۔ شیطان اوپر سے اتر آیا، اس شخص نے کہا: ہمارا ایک مریض ہے، ہم اس کا علاج کیسے کریں؟ اس نے جواب دیا: اس کے ساتھ جس کے ساتھ تو نے مجھے درخت سے نیچے اتارا (یعنی آیۃ الکرسی کے ساتھ)[1]

5 سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً کہا ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے گا، وہ دوسری نماز تک محفوظ رہے گا۔ اس پر صرف نبی یا صدیق یا شہید ہی مواظبت کرتا ہے۔[2] (رواه البيهقي)

آیۃ الکرسی کی ایک خاصیت یہ ہے کہ جو شخص گھر سے نکلتے وقت اسے پڑھتا ہے تو اس کی حاجت پوری ہوتی ہے اور شیاطین اس سے دور ہو جاتے ہیں اور وہ ہر آفت و عاہت [کھیتی یا مویشیوں پر بیماری آنے] سے محفوظ رہتا ہے اور جن وانس کے ہر خوف سے امن میں ہوتا ہے۔

بعض خواص نے کہا ہے کہ اپنے آپ کو آیۃ الکرسی کی قراءت کے ساتھ محفوظ کرو۔ حفاظت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اطرافِ جہاتِ ششگانہ کی طرف پڑھے اور ساتویں بار اس کو داخل جوف میں پی جائے۔ اس کو حصنِ نبوی کہتے ہیں۔[3]

حکایت:

ایک تاجر بہت سا مال لے کر مصر سے دوسرے شہر تجارت کی غرض سے گیا تھا۔ اس کے پیچھے چور لگے۔ وہ رات کو ایک جنگل میں ٹھہرا اور سات بار آیۃ الکرسی جہات ستہ کی طرف پڑھی، تاکہ رات امن سے بسر کرے۔ وہ آیۃ الکرسی پڑھتا رہا۔ چور نے رہزنی کرنا چاہا، جب وہ اس تاجر کے قریب آیا تو تاجر کے اطراف میں ایک مضبوط باڑ اور فصیل دیکھی۔ کسی طرح سے تاجر تک پہنچنا ممکن نہ ہوا۔ ناچار اس رات چھوڑ دیا۔ صبح کو تاجر نے کوچ کیا اور ایک جگہ پہنچ کر اترا۔ رہزن پھر اس کے پیچھے لگا، پھر اس کے گرد اسی طرح کا حصنِ محکم پایا۔ کسی طرح اس تاجر تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔ آخر چور نے یہ جانا کہ یہ من جملہ خوارق کوئی اسرار ہے۔ اس نے تاجر سے کہا کہ میں تین راتوں سے تیری تاک میں ہوں اور

---

[1] خزينة الأسرار (ص: ١٢٩)

[2] شعب الإيمان للبيهقي (٢/ ٤٥٨) امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

[3] حدیث کی کسی کتاب میں یہ نسبت نہیں مل سکی۔ [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

تجھ تک نہیں پہنچ پاتا، تیرے اطراف میں حصنِ محکم پاتا ہوں، مجھ کو اس خصوصیت سے آگاہ کرو۔ تاجر نے جواب دیا کہ میں نے حصن [قلعے] اور سور [فصیلوں] کی نیت کر کے سات مرتبہ جہات ستہ کی طرف آیۃ الکرسی پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے آیۃ الکرسی کی برکت سے مجھ کو اس حصن اور سور کے اندر محفوظ کر لیا۔

شیخ بونی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب تو کسی خوفناک جگہ میں ہو تو آیۃ الکرسی پڑھتے ہوئے دائرے کی شکل میں ایک خط کھینچ کر اپنی جماعت سمیت اس میں داخل ہو جا اور جماعت کو اپنے پیچھے رکھ، دشمن کے رو بہ رو آیۃ الکرسی پڑھ، وہ تجھے دیکھیں گے اور نہ کچھ ضرر پہنچا سکیں گے۔[1] انتھیٰ.

شیخ ابن عربی کہتے ہیں کہ جو شخص رات دن میں ہزار بار اس آیت کو چالیس دن تک پڑھے گا، واللہ! ثم باللہ! بحق قرآن کریم اور رسول رحیم ﷺ[2] اس پر روحانی کشف ہوگا، فرشتے اس کی زیارت کو آئیں گے، اس کی ساری مرادیں حاصل ہوں گی، سلاطین کی طرح اس کا تصرف چلے گا۔[3] انتھیٰ.

ابن المنیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیۃ الکرسی اللہ تعالیٰ کے جتنے اسما پر مشتمل ہے، دوسری کوئی آیت ایسی نہیں ہے۔ اس آیت میں سترہ (۱۷) جگہ اللہ تعالیٰ کا نام ظاہراً و مضمراً آیا ہے اور اگر "الحي القيوم"، "العلي العظيم" میں بھی ضمائر محتملہ کو شمار کریں تو بائیس ہوتے ہیں۔ اس آیت میں اسم اعظم ہے۔ اسی طرح سورت آلِ عمران اور سورت طٰہٰ میں اسمِ اعظم ہے اور وہ "الحي القيوم" ہے۔ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اسی نام سے مردے کو زندہ کرتے تھے۔ اہلِ بحر کی غرق کے خوف کے وقت یہی دعا ہے۔ جو شخص "يا حي يا قيوم" حاجت برآری کے لیے پڑھ کر دایاں قدم بڑھائے تو وہ حاجت پوری ہوگی۔ امام کفوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ایک مجرب عمل ہے، اس میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تمام جگہوں اور زمانوں میں اس کی کثرت سے تلاوت کرنا مستحب ہے۔[4]

۶ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے صدقے کی کھجوروں کو ایک کمرے میں رکھا تو وہ

---

[1] خزينة الأسرار (ص: ۱۳۲) سنتِ نبویہ سے ایسا کوئی طریقہ ثابت نہیں ہے۔ حدیثِ نبوی میں شیطان سے بچاؤ کے لیے صرف قراءت کا ذکر ہے، لہٰذا وہی ہمارے لیے کافی ہے۔

[2] بحق رسول رحیم جیسے الفاظ صحیح حدیث سے ثابت نہیں، نہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں اس کے متداول ہونے کا صحیح ثبوت ملتا ہے۔ [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

[3] ایسی باتیں تجربے کی حیثیت رکھتی ہیں اور مولف کی غرض بھی ان کے ذکر سے یہی ہے، شرعی مسئلہ نہیں۔ [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

[4] خزينة الأسرار (ص: ۱۳۳)

ہر روز کم ہو جاتی تھیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شیطان کا کام ہے۔ میں اس کی تاک میں رہا اور تین راتوں تک میں ہر رات اس کو پکڑ لیتا، پھر اس کی خوشامد پر چھوڑ دیتا۔ آخر اس نے بتایا کہ تو آیۃ الکرسی اور سورۃ البقرہ کی آخری آیات پڑھا کر شیطان نہیں آئے گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«صَدَقَ الْخَبِيثُ وَهُوَ كَذُوبٌ»

[اس خبیث نے سچ کہا، حالاں کہ وہ خود بہت جھوٹا ہے]

اس کے بعد میں اس (آیۃ الکرسی اور آخرِ سورۃ البقرہ) کی تلاوت کرتا تھا تو ان (کھجوروں) میں کوئی نقصان اور کمی نہیں دیکھتا تھا۔[1] (أخرجه الحاكم والطبراني وأبو نعيم والبيهقي كلاهما في الدلائل)

7 اسی طرح ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ کے باغ سے ایک غول کھجوریں چرا کر لے جایا کرتا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ غول (شیطان) کا کام ہے۔ میں نے جب اسے پکڑا تو وہ مجھے آیۃ الکرسی پڑھنا بتا گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«صَدَقَتْ وَهِيَ كَذُوبٌ»[2] (أخرجه الطبراني وأبو نعيم)

[وہ خود سخت جھوٹا ہے اور اس نے تجھ سے سچی بات کہی ہے]

8 اسی طرح کا ایک قصہ حاکم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے غلے کی بابت روایت کیا ہے۔[3]

(وأخرجه أيضا أحمد وابن أبي شيبة والترمذي وأبو نعيم بطوله، وروى البيهقي عن بريدة بنحوه)

یہ سب روایات غول (جنات) کے وجود پر دلیل ہیں۔

قاموس میں لکھا ہے:

"الغول بالضم الهلكة والداهية والسِّعلاة والحية وساحرة الجن وشيطان يأكل الناس، أو دابة رأتها العرب وعرفتها، وقتلها تأبط شراً ومن يتلون

---

[1] المستدرك للحاكم (١/ ٧٥١) المعجم الكبير للطبراني (٢٠/ ٥١)

[2] مسند أحمد (٥/ ٤٢٣) المعجم الكبير للطبراني (١٩/ ٢٦٣)

[3] مسند أحمد (٥/٤٢٣) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٨٠) مصنف ابن أبي شيبة (٦/ ٩٤) المستدرك للحاكم (٣/ ٥٢٠)

ألوانا من الجن والسحرة“[1] انتهیٰ۔

[”الغُول“ عین پر پیش کے ساتھ اس کے معانی ہیں: ہلاکت، ناگہانی آفت، جن، سانپ، جادوگر جن اور شیطان جو لوگوں کو کھاتا ہے یا جانور جس کو عربوں نے دیکھ کر پہچان لیا اور تابط شر نے اسے قتل کر دیا اور وہ جن اور جادوگر جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں]

٩ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اس آیت، آیۃ الکرسی کو ربع قرآن فرمایا ہے۔[2] (رواہ أحمد والطبراني)

آیۃ الکرسی کے فضائل:

امام بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے:

«مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا أَنْ يَّمُوْتَ فَإِذَا مَاتَ دَخَلَ الْجَنَّةَ»[3] (ذكره السيوطي في الدرالمنثور)

[جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے گا، اس کے اور جنت کے درمیان صرف موت ہی حائل ہوگی، جونہی وہ فوت ہوگا جنت میں داخل ہوگا]

نسائی اور طبرانی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ إِلَّا أَنْ يَّمُوْتَ»[4]

[جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی کی تلاوت کرے گا، اسے صرف موت ہی دخولِ جنت سے روکے ہوئے ہے]

طبرانی نے اس کی تلاوت کے ساتھ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھنے کا بھی اضافہ کیا ہے۔

(ورواه ابن حبان والدار قطني وابن مردويه عن أبي أمامة وصاحب الفردوس عن أنس)

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

---

[1] القاموس المحيط (ص: ١٠٤٠)

[2] مسند أحمد (٣٢/٢١) اس کی سند میں ”سلمہ بن وردان“ راوی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (١٤٨٤)

[3] شعب الإيمان للبيهقي (٤٥٥/٢) الدرالمنثور للسيوطي (٦/٢)

[4] المعجم الكبير للطبراني (١١٤/٨) سنن النسائي الكبرىٰ (٣٠/٦)

”أي الموت حاجز بينه وبين دخوله الجنة، فإذا تحقق وانقضى حصل دخوله ومنه قوله ﷺ اَلْمَوْتُ قَبْلَ لِقَاءِ اللّٰهِ“[1]

[یعنی موت ہی اس کے اور دخولِ جنت کے درمیان حائل ہے۔ جب موت ثابت ہو جائے گی تو اسے جنت کا دخول حاصل ہو جائے گا۔ اسی قسم کا اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے پہلے موت......]

بے فنائے خود میسر نیست دیدار شما   میفروشد خویش را اول خریدارِ شما

[فنا ہوئے بغیر تیرا دیدار میسر نہیں، لہٰذا تیرے پہلے خریدار نے اس کے لیے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے]

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”معنى الحديث أنه لم يبق من دخول شرائط الجنة إلا الموت فكأن الموت يمنع، ويقول لا بد من حضوره أوّلا ليدخل الجنة“[2] انتهىٰ.

[حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں داخلے کی شرائط میں سے موت کے سوا کوئی شرط باقی نہیں رہتی۔ گویا موت ہی اسے جنت میں داخل ہونے سے روکتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے اس کا آنا ضروری ہے]

یہ بات معلوم ہے کہ جنت میں دخول حشر کے بعد ہوگا، اس لیے یہاں سے مراد روح کا دخول ہے یا ایمان پر خاتمہ مراد ہے اور اس دخول کا وقوع اپنے وقت پر ہوگا، حالاں کہ حدیث کو ظاہر لفظ پر محمول کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور اللہ کا فضل بہت وسیع ہے۔ كذا في الفيض القدسي للسيوطي.[3]

غلط قراءت:

برہان میں کہا ہے کہ امام و ماموم کے لیے اس (آیۃ الکرسی) کا پڑھنا مستحب ہے، لیکن بعض مشائخ کہتے ہیں کہ نماز کے بعد جہر سے نہ پڑھے، بلکہ اخفا کرے۔ بعض نے کہا ہے کہ جہر جائز ہے۔ اذکار و آیات کی قراءت میں ایک خرابی یہ کی جاتی ہے کہ حروف کو کم و بیش کر دیتے ہیں، یہ سخت مکروہ ہے، بلکہ یہ بالاجماع تمام اوقات میں حرام ہے۔ یہ لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں، لیکن اس کی عبارت

[1] خزينة الأسرار (ص: ١٣٧)
[2] خزينة الأسرار (ص: ١٣٧)
[3] خزينة الأسرار (ص: ١٣٨)

میں غلط طریقے سے گناہ کما رہے ہوتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

قضاة الدهر قد ضلوا فقد بانت خسارتهم

[زمانے کے فیصلہ کرنے والے قاضی گمراہ ہوئے، پس ان کا خسارہ عیاں ہے]

باعوا الدين بالدنيا فما ربحت تجارتهم

[انھوں نے دنیا کے عوض دین کو بیچ ڈالا، تو ان کی تجارت نفع مند نہ ہوئی]

بعض اہلِ علم نے کہا ہے:

”ديننا مبني على النقول لا على مناسبة العقول، ومن أصول الدين أن أسماء الله تعالىٰ توقيفية لا تقبل الزيادة والنقصان“[1] انتهىٰ.

[ہمارا دین نقول (نصوص) پر مبنی ہے نہ کہ عقول کی پسند اور مناسبت پر، دین کے اصول میں سے یہ بات ہے کہ بلا شبہہ اللہ تعالیٰ کے اسما توقیفی ہیں، جو کمی و بیشی کو قبول نہیں کرتے]

آیۃ الکرسی کے اَسرار:

شیخ ابوالعباس بونی قرشی مغربی رحمہ اللہ نے اہلِ عزیمت کے طریق پر آیۃ الکرسی کے خصائص و دعوات لکھے اور اس کے منافع وفوائد بیان کیے ہیں۔ پھر کلمات وحروف و اعداد کا ملاحظہ کیا ہے اور اس کی قراءت کی ترکیبات بتائی ہیں۔ امام غزالی، ابوالفرج اور ابن عربی نے اس آیت مبارکہ کے بہت سے اسرار ذکر کیے ہیں۔ یہاں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ اکثر لوگ کم ہمت ہیں۔ اگر کوئی شخص سنتِ صحیحہ کے مطابق جملہ فوائد کی امید کے ساتھ اس کے ورد پر مداومت کرے تو بھی غنیمت اور کفایت ہے۔ اس آیت کا ایک وفق بھی پچیس (۲۵) خانے کا ہے، جس میں تین سو تیس (۳۳۰) بار یہ آیت آتی ہے۔ بعینہٖ سورۃ الفاتحہ کا بھی اسی طرح کا ایک نقش ہے۔ اس میں بھی فاتحہ کے اعداد اسی قدر ہوتے ہیں۔ شیخ محمد نازلی رحمہ اللہ نے اس کو لکھا ہے۔[2]

---

[1] خزينة الأسرار (ص: ۱۳۸)

[2] خزينة الأسرار (ص: ۱۵۱) اس طرح کے نقشوں سے احتراز کرنا چاہیے، سنت سے ان کا ثبوت نہیں اور اس سے بہت سے مفاسد کے دروازے نکلتے ہیں۔ [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

سورۃ الکہف اور اس کی آیات کے فضائل

(۱) سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے:

«مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ»[1]

(رواه مسلم، ولفظ الترمذي: ثلاث آيات الخ، وقال: هذا حديث حسن صحيح)

[جس شخص نے سورۃ الکہف کی ابتدائی دس آیات یاد کیں، وہ دجال سے محفوظ رہے گا]

(۲) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مرفوعاً کہتے ہیں:

«مَنْ قَرَأَ الْكَهْفَ كَمَا نَزَلَتْ كَانَتْ لَهُ نُوراً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ مَقَامِهِ إِلَى مَكَّةَ، وَمَنْ قَرَأَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ آخِرِهَا ثُمَّ خَرَجَ الدَّجَّالُ لَمْ يُسَلَّطْ عَلَيْهِ»[2]

(رواه الحاكم)

[جس نے سورۃ الکہف ویسے پڑھی جیسے وہ نازل ہوئی ہے تو اسے قیامت کے دن اس کی جگہ اور مکے تک مسافت کے برابر نور ملے گا اور جس نے اس کے آخر سے دس آیات کی تلاوت کی، پھر اگر دجال نمودار ہو گیا تو وہ اس پر غلبہ نہ پا سکے گا]

اس حدیث میں دجال سے آخرالزماں دجال مراد ہے۔ سو جب اس سورۃ الکہف کے پڑھنے سے انسان اس بڑے دجال سے بچ جاتا ہے تو دیگر چھوٹے دجالوں سے تو یہ سورت ضرور ہی مفید ثابت ہو گی۔ اس بڑے دجال کے ظاہر و خارج ہونے تک دنیا میں اس امت کے اندر تقریباً تیس دجال ظاہر ہوں گے،[3] جن میں سے بہت سے گزر چکے اور بعض باقی ہیں۔ ایک دجال[4] کا خروج اب تیرھویں صدی میں بھی ہوا ہے اور ابھی تک اس کا فتنہ باقی ہے۔ عصمنا اللّٰه تعالىٰ عن آفاته وعاهاته.

---

(1) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٠٩) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٨٦)

(2) المستدرك للحاكم (٧٥٢/١)

(3) سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٣٣٣)

(4) مرزا غلام احمد قادیانی، علیه ما يستحقه. [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

سورت یٰسین کے فضائل و خصائص

فضائل:

① سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ مرفوعاً کہتے ہیں:

«قَلْبُ الْقُرْآنِ يسٓ لَا يَقْرَأُهَا رَجُلٌ يُرِيْدُ اللّٰهَ وَالدَّارَ الآخِرَةَ إِلَّا غُفِرَ لَهُ، إِقْرَأُوْهَا عَلٰى مَوْتَاكُمْ»[1] (رواه النسائي)

[سورت یٰسین قرآن مجید کا دل ہے، جو آدمی بھی اللہ کے لیے اور آخرت کے لیے اس کی تلاوت کرتا ہے اسے بخش دیا جاتا ہے، اسے اپنے مردوں (قریب المرگ لوگوں) پر پڑھو]

اس حدیث سے ظاہر تو یہ ہے کہ موت کے حاضر ہونے کے وقت پڑھے، لیکن لفظ کا عموم موت کے بعد پڑھنے کو بھی شامل ہے۔

② سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْباً، وَقَلْبُ الْقُرْآنِ يسٓ، مَنْ قَرَأَ يسٓ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِقِرَاءَتِهَا قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ»[2] (رواه الترمذي والدارمي، وقال الترمذي: هذا حديث غريب)

[یقیناً ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل سورت یٰسین ہے، جو شخص ایک مرتبہ سورت یٰسین پڑھتا ہے تو اس کی قراءت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس مرتبہ قرآن پڑھنے کا ثواب لکھ دیتا ہے]

③ سیدنا جندب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قَرَأَ يسٓ فِي لَيْلَةٍ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ غُفِرَ لَهُ»[3] (رواه مالك)

---

① مسند أحمد (٥/ ٢٦) سنن النسائي الكبرىٰ (٦/ ٢٦٥) اس کی سند میں بعض رواۃ مجہول ہیں۔

② سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٨٧) سنن الدارمي (٢/ ٥٤٨) اس کی سند میں ''ہارون ابومحمد'' مجہول ہے۔

③ نیز دیکھو: تحفة الذاكرين (ص: ٣١٣) [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ] سنن الدارمي (٢/ ٥٤٩) صحيح ابن حبان (٦/ ٣١٢) اس کی سند میں حسن بصری مدلس ہیں۔

[جس نے اللہ کا چہرہ تلاش کرتے ہوئے ایک رات میں سورت یٰسین پڑھی تو اسے بخش دیا جائے گا]

اس لیے من جملہ پنج سورہ کے ایک یہ سورت مبارکہ ہوتی ہے۔ جو مرد وعورت تمام قرآن کی تلاوت سے محروم رہتے ہیں، ان کے لیے باعتبار مزید اجر اور کثرتِ فضائل سور کے پنج سورہ جمع کیا گیا ہے۔

④ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«إِنَّ اللّٰهَ قَرَأَ طٰهٰ وَيٰسِيْن قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِأَلْفِ عَامٍ فَلَمَّا سَمِعَتِ الْمَلَائِكَةُ الْقُرْآنَ قَالَتْ: طُوْبىٰ لِأُمَّةٍ يَنْزِلُ هٰذَا عَلَيْهَا وَطُوْبىٰ لِأَجْوَافٍ تَحْمِلُ هٰذَا وَطُوْبىٰ لِأَلْسِنَةٍ تَتَكَلَّمُ بِهٰذَا»[1] (رواه الدارمي)

[یقیناً اللہ تعالیٰ نے آسمانوں و زمین کی تخلیق سے ہزار برس پہلے سورت طٰہٰ اور سورت یٰسین کی تلاوت فرمائی، جب فرشتوں نے قرآن سنا تو انھوں نے کہا: اس امت کے لیے خوشخبری ہو جس پہ یہ اتارا جائے گا، ان مبارک دلوں کے لیے خوشخبری ہو، اسے یاد کریں گے اور اسے پڑھنے والی زبانوں کے لیے خوشخبری ہو]

⑤ سیدنا انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً کہتے ہیں:

«مَنْ دَاوَمَ عَلىٰ يٰسِيْن كُلَّ لَيْلَةٍ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ شَهِيْداً»[2] (أخرجه الطبراني)

[جس نے ہر رات تسلسل کے ساتھ سورت یٰسین کی تلاوت کی، پھر وہ اسی پر فوت ہو گیا تو وہ شہید فوت ہو گا]

⑥ امام بخاری رحمہ اللہ نے "الأدب المفرد" میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

«مَنْ قَرَأَ يٰسِيْن فِيْ لَيْلَةٍ أَصْبَحَ مَغْفُوْراً لَهٗ»[3]

[جو رات کو سورت یٰسین پڑھے گا وہ اس حال میں صبح کرے گا کہ اسے بخش دیا گیا ہو گا]

[1] سنن الدارمي (٢/٥٤٧) اس کی سند میں "ابراہیم بن مہاجر" ضعیف ہے اور "عمر بن حفص" متروک ہے، لہٰذا یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (١٢٤٨)

[2] وفي إسناده سعيد بن موسىٰ الأزدي وهو كذاب (تحفة الذاكرين، ص: ٣١٤) [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ] المعجم الأوسط للطبراني (٧/١١٦) المعجم الصغير (٢/١٩١)

[3] مسند أبي يعلى (١١/ ٩٣) حلية الأولياء (٤/ ١٣٠) ضعيف الجامع، رقم الحديث (٥٧٨٧)

سورت یٰسین کے خواص:

ابوبکر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے باسناد صحیح آیا ہے:

"مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ يٰسِيْنَ إِلٰى قَوْلِهٖ ﴿إِذْ جَآءَ هَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ وَدَعَا عَلٰى إِثْرِهَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ" وَقَدْ جُرِّبَ ذٰلِكَ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.[1]

[جس نے ﴿إِذْ جَآءَ هَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ تک سورت یٰسین کی تلاوت کی، پھر اس کے بعد دعا کی تو اس کی دعا قبول ہوگی۔ اس کا تجربہ کیا گیا (تو یہ صحیح ثابت ہوا) وللّٰه الحمد]

سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ایک دیوانے شخص پر سورت یٰسین کو پڑھا تو وہ اچھا ہو گیا۔[2] جو شخص اس کو سات بار یا اکیس بار یا اکتالیس بار پڑھے گا، اس کی حاجت بلا شک وشبہہ پوری ہو جائے گی۔ مشائخ نے اس کے پڑھنے کی ترکیب بتائی ہے کہ لفظ یٰسین سات بار کہے، جب ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ پر پہنچے تو سولہ بار تکرار کرے۔ جب ﴿أَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾ پر پہنچے تو چار بار تکرار کرے، پھر آخر سورت تک پڑھے۔ یہ کل اکتالیس بار ہوگا۔ جو کوئی اس سورت کو سات سات بار اس ترتیب سے پڑھے گا، اس کی مراد حاصل ہوگی۔ اسی طرح میں نے مشائخ سے اجازت حاصل کی ہے۔ اس سورت کے خواص میں سے ہے کہ اس کی تلاوت سے رزق بڑھتا ہے، برکتیں اترتی ہیں اور بھلائیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس کو لکھ کر ہر چیز میں رکھا جائے تو اس میں برکت کا ظہور ہوگا۔ اس کو لکھ کر غلے کے خزانے میں رکھا جائے تو اس میں برکت ہوگی۔[3]

---

[1] خزينة الأسرار (ص: ١٦٥)

[2] مصدر سابق.

[3] خزينة الأسرار (ص: ١٦٦)

سورۃ الفتح کی فضیلت اور اس کے خواص

صحیح بخاری میں مرفوعاً مروی ہے:

«لَقَدْ نَزَلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ سُورَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا»[1]

[گذشتہ رات مجھ (محمد ﷺ) پر ایک سورت نازل ہوئی ہے، جو مجھے دنیا و مافیھا سے زیادہ محبوب ہے] اس سے مراد سورت ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ ہے۔

بعض عارفین نے کہا ہے کہ جو شخص اس سورت کو رمضان کی پہلی شب چاند دیکھتے وقت پڑھے، اس پر پورا سال رزق کی وسعت رہے گی اور جو شخص ہر دن پڑھا کرے گا، وہ خواب میں حضرت ﷺ سے بیعت کرے گا۔ ضعیف اس کے پڑھنے سے قوی، ذلیل عزیز، مغلوب منتصر اور تنگ دست خوش حال ہو جائے گا۔ مقروض کے قرض کی ادائی ہو جائے گی اور قیدی اس سے رہائی پائے گا اور مکروب سے کرب دور ہوگا۔

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اس کا اکیس بار پڑھنا ہر مطلوب کے حصول کا موجب اور ہر مکروہ کے دور کرنے کا موجب ہے۔ یا وہ اکتالیس (۴۱) بار تین دن تک یا پانچ دن یا سات دن تک لگاتار پڑھے۔[2]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٩٤٣)

[2] خزينة الأسرار (ص: ١٦٦)

سورۃ الملک کے فضائل وخواص

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے:

«إِنَّ سُورَةً فِي الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَ لَهٗ وَهِيَ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾»[1] (رواه الترمذي وابن حبان والحاكم وسائر أهل السنن وأحمد)

[یقیناً قرآن میں تیس آیات پر مشتمل ایک سورت ہے، جس نے ایک آدمی کے بارے میں سفارش کی، حتیٰ کہ اسے بخش دیا گیا اور وہ سورت، سورۃ الملک ہے]

② سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی حدیث میں آیا ہے:

«هِيَ الْمَانِعَةُ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ»[2] (رواه الترمذي، وقال: حديث غريب)

[یہ "مانعه" (روکنے والی) اور "منجيه" (نجات دینے والی) ہے، جو اسے عذابِ قبر سے بچائے گی]

③ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس روایت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

«هِيَ فِي التَّوْرَاةِ مَنْ قَرَأَهَا فِي لَيْلَةٍ فَقَدْ أَكْثَرَ وَأَطْيَبَ»[3]

(وهو صحيح الأسناد وهو في النسائي مختصراً)

[یہ (سورۃ الملک) تورات میں ہے، جس نے اسے ایک رات میں پڑھا، اس نے بہت اچھا اور پاکیزہ کام کیا]

④ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٤٠٠) سنن النسائي الكبرىٰ (١٧٨/٦) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٩١) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٧٨٦) مسند أحمد (٢٩٩/٢) صحيح ابن حبان (٦٩/٣) المستدرك للحاكم (٤٩٧/٢، ٤٩٨)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٩٠)

[3] المعجم الكبير (١٠/ ١٤٢) المستدرك للحاكم (٥٤٠/٢) صحيح الترغيب (٢/ ٩١)

«وَدِدْتُ أَنَّهَا فِيْ قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ»[1] (رواه الحاكم)

[مجھے یہ پسند ہے کہ یہ ہر مومن کے سینے میں ہو]

⑤ سنن نسائی میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ الفاظ ہیں:

«مَنْ قَرَأَهَا كُلَّ لَيْلَةٍ مَنَعَهُ اللّٰهُ بِهَا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ»[2]

[جس نے اس (سورۃ الملک) کو ہر رات پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے کے سبب اس کو عذابِ قبر سے بچائے گا]

⑥ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« سُوْرَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هِيَ إِلَّا ثَلَاثُوْنَ آيَةً خَاصَمَتْ عَنْ صَاحِبِهَا حَتّٰى أَدْخَلَتْهُ الْجَنَّةَ، وَهِيَ تَبَارَكَ »[3] (رواه الطبراني والضياء)

[قرآن مجید کی ایک سورت ہے، جس کی صرف تیس (۳۰) آیات ہیں۔ وہ اپنے صاحب (حامل و عامل) کی طرف سے جھگڑا کرے گی، حتیٰ کہ اسے جنت میں داخل کروائے گی اور وہ سورت ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ﴾ (سورۃ الملک) ہے]

حکایت:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک شخص سے کہا تھا کہ کیا میں تجھ کو ایک ایسی بات نہ کہوں، جس سے تو خوش ہو جائے؟ کہا: ہاں۔ فرمایا: سورۃ الملک پڑھ اور اسے یاد کر لے اور گھر والوں کو سکھا دے اور سب بچوں اور ہمسایوں کو تعلیم کر دے۔ یہ نجات دہندہ ہے۔ اگر یہ جوف کے اندر ہو گی تو قیامت کے دن رب تعالیٰ کی ملاقات کے وقت مجادلہ ومخاصمہ کر کے دوزخ کی آگ سے بچائے گی۔[4]

تیسیر میں کہا ہے کہ یہ سورت تیس آیات، تین سو کلمات اور ایک ہزار تین سو اکیس حروف پر مشتمل ہے۔ تورات میں اس کا نام مانعہ اور انجیل میں واقیہ ہے۔ اس کے ہمیشہ پڑھنے والے کو

① المستدرك للحاكم (۷۵۳/۱) اس کی سند میں "حفص بن عمر" ضعیف ہے۔ دیکھیں: السلسلة الضعيفة، رقم الحديث (٤٧٤٧)

② سنن النسائي الكبرىٰ (۱۷۹/٦) صحيح الترغيب (۲/ ۹۱)

③ المعجم الأوسط (٧٦/٤) المعجم الصغير (۲۹٦/۱) الأحاديث المختارة للضياء المقدسي (۱۷۳۸)

④ مسند عبد بن حميد (٦٠٣) اس کی سند میں "إبراهيم بن الحكم" ضعیف ہے۔

مرتبۂ علیا، منصبِ اعظم اور اموال و املاک میں تصرف ملتا ہے۔ وہ رجال و نسا میں محبوب ہوتا ہے اور بادشاہ کے نزدیک محبوب ٹھہرتا ہے۔[1]

اس سورت میں اور بھی بہت سے اسرار و رموز ہیں، میں نے اس غرض سے ان کو ترک کر دیا ہے، تاکہ وہ جاہلوں کے لیے کھلواڑ نہ بن جائے۔

اس سورت کی یہ آیت:

﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ [الملك: ١٤]

[کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے؟ اور وہی تو ہے جو نہایت باریک بین ہے، کامل خبر رکھنے والا ہے]

مرض و بلا اور مصائب وفقر کے دور کرنے کے لیے نافع ہے۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ دو ہزار بارہ مرتبہ پڑھنے میں انواع و اقسام کے فوائد و منافع ہیں۔[2]

7 سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نہ سوتے، یہاں تک کہ الم تنزیل اور تبارک الذی پڑھتے۔[3]

(رواه أحمد والترمذي والدارمي، وقال الترمذي: هذا حديث صحيح، وكذا في شرح السنة، وفي المصابيح: غريب)

---

[1] خزينة الأسرار (ص: ١٦٨)

[2] خزينة الأسرار (ص: ١٦٨)

[3] مسند أحمد (٣/ ٣٤٠) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٩٢) شرح السنة للبغوي (٤/ ٤٧٢) مصابيح السنة للبغوي (٢/ ١٢٣)

سورۃ الواقعہ کی فضیلت

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جو اس کو ہر رات پڑھے گا، اس کو فاقہ نہ ہو گا اور جو ہمیشہ اس کو پڑھا کرے گا، وہ کبھی محتاج اور فقیر نہ ہو گا۔[1] (رواہ أبو یعلیٰ وأبو عبید وابن مردویہ، وزاد: فَاقْرَءُوْهَا وَعَلِّمُوْهَا أَوْلَادَكُمْ)

اس سورت کو سورۃ الغنی کہتے ہیں، کیوں کہ یہ فقر و فاقے کو دور کرنے والی اور تونگری کے حصول کا باعث ہے۔ امام شاطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"لا بد للعالم من مال وجاہ حتیٰ لا یذل لأحد ولا یحتاج إلی أحد"

[عالم کو صاحبِ مال اور صاحبِ جاہ ہونا چاہیے، تاکہ وہ کسی کے سامنے ذلیل نہ ہو اور کسی کا محتاج نہ ہو]

مسروق نے کہا ہے کہ جو شخص اولین و آخرین اور اہلِ جنت و اہلِ نار اور دنیا و آخرت کی خبر سے آگاہ ہونا چاہے، وہ اس سورت کو پڑھے۔[2]

اس سورت کا ایک ورد:

اس سورت کو ہر روز چالیس بار لگاتار اس طرح پڑھنا کہ پڑھنے والا تھکے نہیں، بغیر کسی تعب و مشقت کے حصولِ رزق واسع کا موجب ہے، لیکن یہ عمل اسے ہی بتایا جائے، جو اس کا مستحق اور اہل ہے، کیوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم پوشیدہ ہے۔

حکایت:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کچھ مال دینا چاہا تو انھوں نے نہ لیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم یہ مال اپنی بیٹیوں پر خرچ کرو۔ انھوں نے جواب دیا:

[1] زوائد مسند الحارث (٧٢١) اس کی سند میں بعض رواۃ مجہول اور اضطراب ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: السلسلة الضعیفة، رقم الحدیث (٢٨٩)

[2] الدر المنثور (٨/ ٤٠)

"أتخشیٰ علیهن الفقر؟ وقد أمرتهن بقراءة سورة الواقعة، وقد سمعت رسول اللهﷺ «مَنْ قَرَأَهَا كُلَّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ أَبَداً"[1]

[کیا آپ کو ان پر فقر و فاقے کا خطرہ ہے؟ جبکہ میں نے ان کو سورۃ الواقعہ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ جس نے اس سورت کو ہر رات پڑھا، اسے کبھی فاقہ نہیں آئے گا]

بعض علما نے کہا ہے کہ جو شخص اس کو ایک مجلس میں چالیس (۴۰) بار پڑھے گا، طلبِ رزق میں اس کی حاجت پوری ہوگی۔ پس یہ سورت ایک عظیم راز ہے۔ طلبِ غنی اور نفیِ فقر میں اس سورت کی عظیم اور عجیب خاصیت ہے۔[2] وللّٰہ الحمد.

---

[1] یہ حدیث مرفوعاً ضعیف ہے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

[2] خزینة الأسرار (ص: ۱۹۷) [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

سورت عم یتساءلون وغیرہ سورتوں اور بعض آیات کا بیان

اس (سورۃ النبا) کی خاصیت یہ ہے کہ جس کو نیند نہ آتی ہو، وہ اس کو پڑھے اور اس کی آیت:
﴿وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾ [النبا: ۹] [اور ہم نے تمھاری نیند کو (باعث) آرام بنایا]
کو تکرار کے ساتھ پڑھے تو اس کا مطلب حاصل ہوگا۔ بلاشبہہ یہ مشہور و معروف مجرب نسخہ ہے۔

سورۃ الاعلیٰ کی فضیلت:

۱ سیدنا ابوتمیم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (سورۃ الاعلیٰ) کو افضل مسبحات فرمایا ہے۔[1] (رواہ أبو عبید)

۲ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کو دوست رکھتے تھے۔[2] (رواہ أحمد)

۳ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں میں جن کے بعد وتر پڑھتے تھے، اس سورت (سورۃ الاعلیٰ) اور سورۃ الکافرون کو پڑھتے اور وتر میں تینوں قل ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾، ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھتے تھے۔[3] امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کا اسی پر عمل ہے، جبکہ امام احمد اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تیسری رکعت میں فقط سورۃ الاخلاص پڑھے۔

سورۃ الزلزال اور سورۃ العادیات کی فضیلت:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ﴿إِذَا زُلْزِلَتْ﴾ (سورۃ الزلزال) کو نصف قرآن فرمایا ہے۔[4]

---

[1] فضائل القرآن لأبي عبید (۴۱۵) اس کی سند میں "عبداللہ بن لہیعہ" ضعیف ہے۔
[2] مسند أحمد (۱/ ۹۶) اس کی سند میں "ثویر بن أبي فاختة" متروک ہے۔
[3] سنن الدارقطني (۲/ ۲۴) المستدرك للحاکم (۲/ ۵۶۶) اس حدیث میں معوذتین کی تلاوت کا اضافہ صحیح نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: التلخیص الحبیر (۲/ ۱۸)
[4] سنن الترمذي، رقم الحدیث (۲۸۹۳) اس کی سند میں "حسن بن سلم بن صالح" مجهول ہے۔

اسی طرح ﴿وَالْعٰدِيٰتِ﴾ (سورۃ العادیات) کو۔[1] (رواہ الترمذي)

سورۃ التکاثر کی فضیلت:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ (سورۃ التکاثر) کو ہزار آیات کی قراءت کے برابر کہا ہے۔[2] (رواہ الحاکم)

سورۃ الکافرون کی فضیلت:

(1) سیدنا نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اقرأ ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ ثم نم على خاتمتها، فإنها براء ة من الشرك"[3] (رواہ أحمد والحاکم)

[﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ (سورۃ الکافرون) پڑھو، پھر اسے ختم کر کے سو جاؤ تو یقیناً یہ شرک سے براءت ہے]

(2) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى كَلِمَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِنَ الْإِشْرَاكِ بِاللّٰهِ؟ تَقْرَأُوْنَ ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ عِنْدَ مَنَامِكُمْ»[4] (رواہ أبو یعلی)

[کیا میں تمھاری راہنمائی نہ کروں ایک ایسے کلمے پر جو تم کو اللہ کے ساتھ شرک سے نجات دے؟ تم سوتے وقت ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ (سورۃ الکافرون) پڑھا کرو]

سورۃ النصر کی فضیلت:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ (سورۃ النصر) کو ربع قرآن فرمایا ہے۔[5] (رواہ الترمذي)

---

(1) فضائل القرآن لأبي عبید (۴۲۱) یہ حسن بصری رحمہ اللہ کی مرسل روایت ہے، لہٰذا یہ ضعیف ہے۔

(2) المستدرك للحاکم (۱/ ۷۵۵) امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں "عقبہ (بن محمد بن عقبہ) راوی غیر معروف ہے۔

(3) سنن أبي داود، رقم الحدیث (۵۰۵۵) مسند أحمد (۵/ ۴۵۶) المستدرك للحاکم (۱/ ۷۵۴)

(4) المعجم الکبیر للطبراني (۱۲/ ۲۴۱) اس کی سند میں "جبارہ بن مغلس" سخت ضعیف ہے۔

(5) سنن الترمذي، رقم الحدیث (۲۸۹۵) اس کی سند میں "سلمۃ بن وردان" ضعیف ہے۔

سورۃ الضحیٰ کی فضیلت:

امام غزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سلف کی ایک جماعت کی عادت تھی کہ کسی شے کے تلف ہونے اور کسی چیز کے گم ہو جانے کے وقت سورۃ الضحیٰ پڑھا کرتے تھے۔[1] انتھیٰ.

میں نے اس کی ترکیب اپنی کتاب "الداء والدواء" میں "تفسیر فتح العزیز" سے نقل کی ہے۔

سورۃ الانشراح کی فضیلت:

جو شخص سات دن تک لگا تار ہر فرض نماز کے بعد چالیس بار سورۃ ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ﴾ (سورۃ الانشراح) پڑھے گا، وہ بلا شک وشبہہ غنی ہو جائے گا۔[2]

سورۃ القدر کی فضیلت:

جو شخص جمعے کے دن ایک ہزار بار سورۃ القدر پڑھے گا، وہ اس وقت تک نہیں مرے گا، جب تک خواب میں رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھ لے۔[3]

حکایت:

ایک عالم نے ایک شخص سے کہا تھا کہ کیا میں تجھے اسمِ اعظم سکھا دوں؟ اس نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: سورۃ الفاتحہ، سورۃ الاخلاص، آیۃ الکرسی اور سورۃ القدر پڑھ کر قبلہ رو ہو کر تو جو دعا چاہے مانگ وہ قبول ہوگی۔ جو شخص دوست کی پیشانی کو پکڑ کر اس سورت کو پڑھے گا، وہ اس سے امرِ محبوب دیکھے گا۔

شیخ ابو الحسن شاذلی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جو شخص سچ بولنا چاہے، وہ اس سورت کو پڑھا کرے، اس کو سچ کی عادت ہو جائے گی۔

امام تیمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سورت کا بارش کے نزول کے وقت سو بار پڑھنا پھر دعا کرنا مجرب ہے۔[4]

سورۃ الکوثر کی فضیلت:

کسی خالی جگہ پر بیٹھ کر دشمن کے خلاف مدد کی نیت سے تین سو بار سورۃ الکوثر کو پڑھنا مجرب ہے۔ شیخ محمد نازلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شیخ حاج محمد موصلی اور شیخ محمد یعقوب رحمہما اللہ نے مجھ کو مکہ میں خبر دی

---

[1] خزينة الأسرار (ص: ١٧٠)
[2] خزينة الأسرار (ص: ١٧٠)
[3] خزينة الأسرار (ص: ١٧١)
[4] خزينة الأسرار (ص: ١٧١۔ ١٧٢)

کہ اس سورت کا ہر مطلوب کے لیے ہزار بار پڑھنا، خصوصاً جلبِ ارزاق و مال، طلبِ جاہ، فتحِ خیرات اور ظہورِ تجلیات کے لیے نافع ہے۔[1] انتھیٰ.

میں کہتا ہوں کہ خاندانِ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے اذکار، اوراد، ادعیہ اور اعمال کی مجھ کو بھی اجازت حاصل ہے۔ وللّٰہ الحمد.

آیت ﴿لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ﴾ کا ایک خاصا:

اس آیت کا خاصا یہ ہے کہ اس سے مطلوب حاصل ہو جاتا ہے اور دشمن مرہوب ہو جاتا ہے۔ اس سے غم دور ہوتے ہیں اور دکھ رفع دفع ہوتے ہیں۔ مظلوم اس کے پڑھنے سے رہائی پاتا ہے اور دشمن پر نصرت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے قرض ادا ہو جاتا ہے۔ اس کو دن رات لگاتار خالص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر ایک ہزار ترپن (۱۰۵۳) بار پڑھتے ہیں۔ واللہ یہ مجرب عمل ہے۔

اس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ غسل کرے یا وضو اور دو رکعت نفل پڑھ کر استغفار، سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الاخلاص پڑھے اور اگر سورت یٰسین بھی پڑھے تو اور اچھا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو، آلِ رسول، اصحابِ رسول، مشائخ اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کی ارواح کو اس کا ثواب بخشے،[2] پھر مذکورہ بالا آیت شریف کو پڑھے۔ ذکرہ محمد النازلي رحمہ اللہ.[3]

دعاے یونس علیہ السلام کی فضیلت:

یونس علیہ السلام کی دعا اسمِ اعظم ہے۔ غموں کے دور کرنے اور مصائب کو ٹالنے کے لیے اس کے پڑھنے کا طریقہ کارہم نے اپنی کتاب "الداء والدواء" میں لکھا ہے۔[4]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے:

«لَمْ يَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِي شَيْئٍ قَطُّ إِلَّا اسْتَجَابَ لَهٗ»[5] (رواہ الترمذي والحاكم)

---

① خزينة الأسرار (ص: ١٧٢)

② اس طرح ثواب پہنچانے کا ذکر عہدِ سلف صالح سے ثابت نہیں۔ یہ صوفیہ کا عمل معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ نظر آ رہا ہے۔ [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

③ خزينة الأسرار (ص: ٧٨)

④ الداء والدواء (ص: ٢٧)

⑤ سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٠٥) المستدرك للحاكم (١/ ٦٨٤، ٦٤٨٥)

[دعاے یونس علیہ السلام ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ کے ساتھ جب بھی کسی مسلمان نے کسی چیز کے متعلق دعا کی تو اس کی دعا قبول کی گئی]

اگر مریض اس آیت کو چالیس بار پڑھے تو اچھا ہو جائے، اس آیت کا ہمیشہ پڑھنے والا سلاطین کے ظلم سے محفوظ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قراءت پر نجات کا وعدہ فرمایا ہے، درست فرمایا خالقِ ارض وسما نے:

﴿وَ كَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الأنبياء: ٨٨]

[اور اسی طرح ہم نجات دیتے ہیں مومنوں کو]

سورۃ الحشر کی آخری تین آیات کی فضیلت:

① سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے کہ جو کوئی صبح کو سورۃ الحشر کی آخری تین آیات پڑھے گا، اگر اسی دن مر جائے گا تو وہ شہید مرے گا اور اسی طرح اگر شام کو پڑھے گا تو بھی یہی مرتبہ پائے گا۔[1] (رواه الترمذي واستغربه والدارمي)

② سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«مَنْ قَرَأَ خَوَاتِيْمَ الْحَشْرِ فِيْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ فَمَاتَ مِنْ يَّوْمِهِ أَوْ لَيْلَتِهِ فَقَدْ أَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ»[2] (رواه البيهقي)

[جس نے رات یا دن کو سورۃ الحشر کی آخری تین آیات پڑھیں، پھر وہ اس دن یا رات کو فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب کر دے گا]

سورت آلِ عمران کی فضیلت:

① سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

"من قرأ آخر آل عمران في ليلة كتب له قيام ليلة"[3]

[جو شخص رات کو سورت آل عمران کی آخری آیات پڑھے گا، اس کے لیے رات کے قیام کا اجر وثواب لکھا جائے گا]

② امام مکحول رحمہ اللہ سے مروی الفاظ یہ ہیں:

---

[1] مسند أحمد (٥/ ٢٦) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٢٢) سنن الدارمي (٢/ ٥٥٠) اس کی سند میں "خالد بن طهمان" مختلط ہے۔

[2] شعب الإيمان للبيهقي (٢/ ٤٩٢) یہ حدیث موضوع ہے۔ دیکھیں: لسان الميزان (٣/ ١١١)

[3] سنن الدارمي (٢/ ٥٤٤) اس کی سند میں ابن لہیعہ ضعیف ہے۔

”من قرأ سورة آل عمران يوم الجمعة صلت عليه الملائكة إلى الليل“ [1]

(رواهما الدارمي)

[جو شخص جمعے کے دن سورت آل عمران پڑھے گا تو رات تک فرشتے اس کے لیے بخشش مانگتے رہیں گے]

سورۃ الکہف کی فضیلت:

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَضَاءَ لَهُ النُّوْرُ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ» [2]

(رواه البيهقي في الدعوات الكبير)

[جو شخص جمعہ کے دن سورۃ الکہف کی تلاوت کرے گا تو اس کے لیے دو جمعوں کے درمیان نور روشن ہو گا]

سورۃ المومن کی ابتدائی آیات اور آیۃ الکرسی کی فضیلت:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

«مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الْمُؤْمِنُ إِلٰى إِلَيْهِ الْمَصِيْرُ، وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ حِيْنَ يُصْبِحُ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰى يُمْسِيَ، وَمَنْ قَرَأَ بِهِمَا حِيْنَ يُمْسِيْ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰى يُصْبِحَ» [3]

(رواه الترمذي واستغربه والدارمي)

[جس شخص نے صبح کے وقت ”حٰمٓ المؤمن“ ﴿إِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ تک اور آیۃ الکرسی پڑھی تو وہ شام تک ان کی وجہ سے محفوظ رہے گا اور جس نے شام کے وقت ان کو پڑھا، وہ صبح تک ان کی (برکت) کی وجہ سے محفوظ رہے گا]

سورۃ الدخان کی فضیلت:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً کہتے ہیں:

«مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الدُّخَانَ فِيْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ غُفِرَ لَهُ» [4]

(رواه الترمذي، وقال: هذا حديث غريب)

[جو شخص جمعے کی شب سورۃ الدخان پڑھے گا، اسے بخش دیا جائے گا]

---

[1] سنن الدارمي (۲/ ۵٤٤) یہ مکحول رحمہ اللہ کا قول ہے۔

[2] سنن النسائي الكبرىٰ (۳/ ۲٤۹) المستدرك (۲/ ۳٦۸) صحيح الجامع (٦٤٧١)

[3] سنن الترمذي (۲۸۷۹) سنن الدارمي (۲/ ۵٤۱) اس کی سند میں ”عبدالرحمن بن أبي بكر المليكي“ ضعیف ہے۔

[4] سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۸۸۹) اس کی سند میں ”هشام بن زياد“ ضعیف ہے۔

سورۃ الاخلاص کے فضائل وخواص

1. سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (سورۃ الاخلاص) پڑھتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا: واجب ہوگئی۔ میں (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) نے کہا: کیا واجب ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت۔[1] (رواه مالك)

2. ان سے دوسری روایت میں مروی الفاظ یوں ہیں:

«إِنَّهَا تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ»[2] (رواه مسلم)

[بلاشبہہ وہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے]

3. سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تین جزو ٹھہرائے، ان میں سے ایک جزوِ قرآن ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (سورۃ الاخلاص) ہے۔[3] (رواه مسلم)

4. سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص ہر رات ثلث قرآن نہیں پڑھ سکتا ہے؟ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (سورۃ الاخلاص) ثلث قرآن ہے۔[4] (رواه الترمذي)

5. سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں کہا ہے:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ»[5] (رواه البخاري)

[قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کہ بلا شبہہ وہ (سورۃ الاخلاص) ایک تہائی قرآن کے برابر ہے]

6. آپ ﷺ نے ایک شخص سے کہا کہ کیا تو نے شادی کر لی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں،

---

[1] الموطأ للمالك (٤٨٦) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٩٧) سنن النسائي، رقم الحديث (٩٩٤)
[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٩٣٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١٢)
[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١١)
[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٢٧) صحيح مسلم (٨١١) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٩٦)
[5] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٩٣٩)

کیوں کہ میرے پاس شادی کرنے کو کچھ (مال و اسباب) نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَيْسَ مَعَكَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ؟»

[کیا تیرے پاس ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ نہیں ہے؟]

اس نے کہا: ہاں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ثلث قرآن ہے۔[1] (رواہ الترمذي)

7 سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص ہر نماز کو اسی سورت پر ختم کرتا تھا۔ جب اس سے اس کا سبب پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ یہ (سورت) رحمان کی صفت ہے، لہٰذا میں اسے پڑھنا پسند کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو خبر کر دو کہ اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے۔[2] (رواہ الشیخان)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس سے لمبی حدیث بیان کی ہے اور اس کے آخر میں یہ الفاظ بیان کیے ہیں کہ اس صحابی نے اس سورت کے ہر رکعت میں پڑھنے کا سبب دریافت کرنے پر یہ جواب دیا تھا کہ بلاشبہہ میں اس (سورت) سے محبت کرتا ہوں تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

«حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ»[3]

[تیری اس (سورت) کے ساتھ محبت تجھے جنت میں داخل کر دے گی]

سورۃ الاخلاص مکی ہے یا مدنی؟

بعض نے کہا ہے کہ یہ سورت مکہ میں اتری تھی۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا یہی قول ہے، جبکہ مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہے کہ مدینے میں اتری ہے۔ کسی نے یہ کہا ہے کہ دونوں جگہ اتری ہے۔ اس کے سببِ نزول میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہود کے سوال پر، بعض نے کہا کہ نصاریٰ کے سوال پر اور بعض نے کہا ہے کہ قریش کے سوال کرنے پر اتری ہے۔[4]

سورۃ الاخلاص کے متعدد نام:

اس سورت کے بیس نام ہیں، جیسے سورۃ الاخلاص، سورۂ تفرید، سورۂ تجرید، سورۂ توحید، سورۂ

---

1. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٩٥) اس کی سند میں "سلمة بن وردان" ضعیف ہے۔
2. صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٩٤٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١٣)
3. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٠١)
4. تفصیل کے لیے دیکھیں: تذکیر الکل (ص: ٢٣٣)

نجات، سورۂ ولایت اور سورۂ نسبت وغیرہ۔ ان اسما کو "خزينة الأسرار" میں ذکر کیا ہے اور وجوہِ تسمیہ بھی لکھے ہیں۔[1]

[۸] اس سورت کا بیسواں نام سورۂ امان ہے، کیوں کہ حدیث میں آیا ہے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ حِصْنِيْ، فَمَنْ دَخَلَهٗ أَمِنَ مِنْ عَذَابِيْ»[2]

["لا إله إلا الله" میرا قلعہ ہے، تو جو کوئی اس میں داخل ہو گا، وہ میرے عذاب سے امن میں رہے گا]

اس سورت کے اور بھی معنی ہیں۔ وللّٰہ الحمد.

[۹] ایک بار سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا کہ اے لوگو! میں اس وقت تم پر سارا قرآن پڑھوں گا۔ لوگ تعجب کرنے لگے۔ اس پر انھوں نے تین بار سورۃ الاخلاص پڑھی۔[3]

[۱۰] سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے:

«مَنْ قَرَأَ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ عَشْرَ مَرَّاتٍ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ»[4] (رواه مسلم)

[جو شخص دس بار سورۃ الاخلاص پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کا گھر جنت میں بنائے گا]

[۱۱] سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«مَنْ قَرَأَهَا إِحْدٰى عَشْرَةَ مَرَّةً بُنِيَ لَهٗ قَصْرٌ فِي الْجَنَّةِ، وَمَنْ قَرَأَهَا عِشْرِيْنَ مَرَّةً بُنِيَ لَهٗ قَصْرَانِ فِي الْجَنَّةِ، وَمَنْ قَرَأَهَا ثَلَاثِيْنَ مَرَّةً بُنِيَ لَهٗ ثَلَاثُ قُصُوْرٍ فِي الْجَنَّةِ»[5] (رواه الطبراني والدارمي كذا في المشكاة)

[جو شخص گیارہ مرتبہ اس (سورت) کو پڑھے گا، اس کے لیے جنت میں ایک محل بنا دیا

---

[1] خزينة الأسرار (ص: ۱۵۳)

[2] حلية الأولياء لأبي نعيم (۳/ ۱۹۲) حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: السلسلة الضعيفة، رقم الحديث (۴۰۳۷)

[3] خزينة الأسرار (ص: ۱۵۶) اس سلسلے میں ایک حدیث مرفوعاً بھی مروی ہے۔ دیکھیں: صحيح مسلم (۸۱۲)

[4] یہ حدیث مسند أحمد (۳/ ۴۳۷) وغیرہ میں سیدنا معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

[5] المعجم الأوسط (۱/ ۹۳) اس کی سند میں "هانئ بن المتوكل" ضعیف ہے اور سعید بن مسیّب والی سند مرسل ہے۔ (سنن الدارمي: ۲/ ۵۵۱)

جائے گا، جو اسے بیس مرتبہ پڑھے گا، اس کے دو محل بنا دیے جائیں گے اور جو اسے تیس مرتبہ پڑھے گا، اس کے لیے جنت میں تین محل بنائے جائیں گے]

یہ سن کر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تب تو ہمارے بہت سے محل ہو جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت اس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔

حکایت:

شیخ محمد نازلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ۱۲۶۲ھ میں مسجد الحرام کے اندر ایک شیخ کو دیکھا، جو دن رات ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھتے تھے۔ میں نے کہا کہ تم اس سورت کو بہت پڑھتے ہو، وجہ کیا ہے؟ اس کے کچھ فوائد ہی بیان کرو۔ اس نے کہا کہ میں نے آگ سے اپنی گردن چھڑا لی۔ میں نے کہا کہ مجھے بھی اجازت دو، انھوں نے مجھ کو اجازت دی اور ساتھ دعا بھی دی۔ غرض کہ انھوں نے کہا کہ ہر روز ایک ہزار بار پڑھنے کی اجازت ہے، جس کو توفیق ہو۔[1]

۱۲ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مرفوعاً کہتی ہیں کہ جو شخص نمازِ جمعہ کے بعد اس سورۃ الاخلاص کو معوذتین سمیت سات بار پڑھے گا، وہ دوسرے جمعہ تک ہر برائی سے محفوظ رہے گا۔[2] (رواه ابن السني)

فائدہ:

جو شخص اس سورت کو خواب میں پڑھے گا، اس کو توحید، قلتِ عیال اور کثرتِ ذکر ملے گا اور وہ مستجاب الدعوات ہو گا۔

الحاصل یہ سورت نصِ احادیثِ صحیحہ کے ساتھ ثلث قرآن کے برابر ہے اور بہت مختصر ہے کہ دل میں محفوظ رہتی ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے جلال کا ذکر ہمیشہ حاضر رہتا ہے۔ ایک شخص نے کہا تھا کہ میں بہت گناہ گار ہوں، مجھے وہ چیز بتاؤ، جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو۔ اسے کہا گیا:

"عليك بكثرة قراءتها فإنها تقربك من الله"

[سورۃ الاخلاص کی کثرت سے تلاوت کیا کرو، بلا شبہہ وہ تجھے اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے گی]

۱۳ طبرانی اور ابو نعیم میں مرفوعاً روایت آئی ہے:

---

[1] خزينة الأسرار (ص: ١٥٧)

[2] عمل اليوم والليلة لابن السني (٣٧٤) اس کی سند میں "الخليل بن مرة" ضعیف ہے۔

«مَنْ قَرَأَهَا فِي مَرَضِهِ الَّذِي يَمُوتُ فِيهِ لَمْ يُفْتَنْ فِي قَبْرِهِ، أَمِنَ مِنْ ضَغْطَةِ الْقَبْرِ، وَحَمَلَتْهُ الْمَلَائِكَةُ بِأَكُفِّهَا حَتّٰى تُجِيزَهُ مِنَ الصِّرَاطِ إِلَى الْجَنَّةِ»[1]

(كذا في الإتقان وذكره القرطبي في التذكرة)

[جو شخص مرض الموت میں سورۃ الاخلاص پڑھے گا، اسے قبر کے فتنے میں مبتلا نہیں کیا جائے گا، وہ قبر کے دبانے سے امن میں ہوگا اور فرشتے اسے اپنی ہتھیلیوں سے اٹھا کر پل صراط پار کرائیں گے اور اسے جنت میں داخل کر دیں گے]

فائدہ:

بصرے کے والی نے ثابت بن بیان رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرشتوں کے ہمراہ اڑتے پھرتے ہیں۔ پوچھا کہ آپ کو یہ رتبہ کیوں کر ملا؟ انھوں نے جواب دیا کہ صبر، شکر اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ کی کثرت کے ساتھ قراءت کے سبب ملا ہے۔

اس سورت کے خواص و اسرار عجیب و غریب ہیں۔ اس سورت کا ایک مجلس میں بسملہ کے ساتھ ایک ہزار بار بغیر کلامِ دنیا کے پڑھنا اسمِ اعظم کے حکم میں ہے۔ بعض علما نے کہا ہے کہ اس کی قراءت پر مواظبت و ہمیشگی کرنا دنیا و آخرت میں ہر خیر کے حصول اور ہر شر سے امن کا موجب ہے۔ اگر بھوکا پیاسا اس کو پڑھے تو شکم سیر و سیراب ہو جائے۔[2] انتهى.

---

[1] المعجم الأوسط (٢/ ٥٤) حلية الأولياء لأبي نعيم (٢/ ٢١٣) اس کی سند میں "نصر بن حماد بلخی" کذاب ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (٣٠١)

[2] خزينة الأسرار (ص: ١٦٣)

معوذتین کے فضائل

① سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے:

«أَلَمْ تَرَ آيَاتٍ أُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ، ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾، ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾» [1] (رواه مسلم)

[کیا تو نے وہ آیات نہیں دیکھیں، جو رات کو نازل کی گئی ہیں؟ ان جیسی آیات کبھی نہیں دیکھی گئیں: ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾]

② سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات جب بستر پر آتے تو دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں جمع کر کے سورۃ الاخلاص کے ساتھ معوذتین پڑھ کر دم کرتے، پھر جہاں تک ہو سکتا بدن پر ہاتھ پھیر دیتے، اس کا آغاز سر اور منہ سے کرتے اور تین بار اسی طرح کرتے۔[2] (متفق عليه)

③ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مقامِ جحفہ اور ابوا کے درمیان زور سے آندھی چلی اور اندھیرا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معوذتین کے ساتھ تعوذ کرنے لگے اور فرمایا:

«يَا عُقْبَةُ! تَعَوَّذْ بِهِمَا فَمَا تَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِهِمَا» [3] (رواه أبوداوٗد)

[اے عقبہ! ان دونوں (معوذتین) کے ساتھ پناہ پکڑو، کسی پناہ پکڑنے والے نے کبھی ان جیسی کسی چیز سے پناہ نہیں پکڑی]

④ سیدنا عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات پانی بہت کھڑا تھا اور تاریکی بھی سخت تھی۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو۔ میں نے پوچھا: میں کیا کہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح و شام تین بار ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ اور معوذتین پڑھو:

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٢٩)

[3] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (١٤٦٣)

«تَكْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ»[1] (رواه الترمذي وأبو داوٗد والنسائي)

[(ان تینوں سورتوں کا پڑھنا) تجھے ہر چیز سے کافی ہوگا]

(۵) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پڑھ! انھوں نے پوچھا: کیا پڑھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: معوذتین پڑھو:

«وَلَنْ تَقْرَأَ بِمِثْلِهِمَا»[2] (رواه النسائي) [تو ان جیسی کوئی چیز نہیں پڑھے گا]

(۶) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوتے تو معوذتین پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے۔[3]

(۷) سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے:

«أَلَا أُعَلِّمُكَ سُوَراً مَا أُنْزِلَ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الزَّبُورِ وَلَا فِي الْإِنْجِيلِ وَلَا فِي الْقُرْآنِ؟ قُلْتُ: بَلىٰ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! قَالَ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ»[4] (أخرجه أحمد)

[کیا میں تجھے وہ سورتیں نہ سکھاؤں جن جیسی تورات، زبور، انجیل اور قرآن میں نازل نہیں کی گئیں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! (ضرور سکھائیں) آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (سورۃ الاخلاص)، ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ (سورۃ الفلق) اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ (سورۃ الناس)]

(۸) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكَ بِأَفْضَلِ مَا تَعَوَّذَ بِهِ الْمُتَعَوِّذُونَ؟ قَالَ: بَلىٰ، قَالَ: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ»[5] (رواه أحمد)

[کیا میں تجھے وہ افضل تعوذ نہ بتاؤں، جس سے پناہ پکڑنے والے پناہ پکڑتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ (سورۃ الفلق) اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ (سورۃ الناس)]

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٧٥) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٥٠٨٢) سنن النسائي، رقم الحديث (٥٤٢٨)

[2] سنن النسائي، رقم الحديث (٥٤٤١)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤١٧٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١٥٢)

[4] مسند أحمد (١٥٨/٤)

[5] مسند أحمد (١٥٢/٤) سنن النسائي، رقم الحديث (٥٤٣٢)

⑨ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچھو نے ڈنک مارا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی اور نمک منگوا کر سورۃ الاخلاص کے سوا تین قل پڑھ کر اس جگہ پر لگایا۔[1] (رواہ الطبراني)

⑩ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

« كَانَ يَكْرَهُ الرُّقٰى إِلَّا بِالْمُعَوِّذَاتِ »[2] (رواہ أبو داود والنسائي وابن حبان والحاكم)

[آپ صلی اللہ علیہ وسلم معوذات کے سوا دم کو مکروہ جانتے تھے]

⑪ سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

« كَانَ يَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَانِّ وَعَيْنِ الْإِنْسَانِ حَتّٰى نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَاتُ فَأَخَذَ بِهَا وَتَرَكَ مَا سِوَاهَا »[3] (رواہ الترمذي والنسائي)

[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات اور انسانوں کی نظر (بد) سے پناہ پکڑتے تھے، حتیٰ کہ معوذات اتریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لے لیا اور اس کے ماسوا دوسرے دموں کو ترک کر دیا]

فائدہ:

بیمار اور سحر زدہ پر اکتالیس (۴۱) بار معوذتین پڑھ کر دم کیا جائے یا وہ خود تین یا پانچ یا سات دن تک پڑھ لے تو وہ اچھا ہو جائے گا۔

جس شخص پر خواطرِ نفسانیہ اور اوہامِ سوداویہ یا ظلماتِ شیطانیہ روحانیہ یا جسمانیہ کا غلبہ ہو یا حوادثِ دہریہ یا سطواتِ سلطانیہ اس کی طرف توجہ کریں تو وہ سو بار یا ہزار بار تک معوذتین کو پڑھے، پھر دیکھے کیا حال ہوتا ہے۔[4] وللّٰه الحمد.

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٢٤٦) المعجم الصغير (٢/ ٨٧)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٢٢٢) سنن النسائي، رقم الحديث (٥٠٨٨) صحيح ابن حبان (٤٩٥/١٢) المستدرك للحاكم (٢١٦/٤)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٠٥٨) سنن النسائي الكبرى (٤٤١/٤)

[4] خزينة الأسرار (ص: ١٧٥)

خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا بیان

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے:

«لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا مُبَشِّرَاتٌ، قَالُوْا: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ»[1] (رواه البخاري)

[نبوت میں سے صرف ''مبشرات'' باقی رہ گئے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: مبشرات کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھے خواب]

امام مالک رحمہ اللہ نے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں:

«يَرَاهَا الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ أَوْ تُرىٰ لَهُ»[2]

[(وہ خواب) جسے مسلمان دیکھتا ہے یا اس کی خاطر (کسی دوسرے کو) دکھایا جاتا ہے]

② سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

«اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّ أَرْبَعِيْنَ جُزْءاً مِنَ النُّبُوَّةِ»[3] (متفق عليه)

[نیک آدمی کے سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں]

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«مَنْ رَآنِيْ فِيْ الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِيْ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ صُوْرَتِيْ»[4]

[جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا تو یقیناً اس نے مجھے ہی دیکھا، کیوں کہ شیطان میرا روپ نہیں دھار سکتا]

---

① صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٥٨٩)

② الموطأ للمالك (٢/٩٥٧)

③ صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٥٨٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٦٣)

④ صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٨٤٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٦٢٦٦)

اس معاملے میں تمام انبیا یکساں ہیں۔ شیطان حالتِ بیداری یا حالتِ نیند میں کسی پیغمبر کی صورت نہیں دھار سکتا، تاکہ حق کے ساتھ باطل مشابہ نہ ہو۔

خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرنے کے لیے کچھ وظائف درج ذیل ہیں:

① جمعے کی رات کو دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے بعد پندرہ بار آیت الکرسی، پھر ہزار بار درود بھیجے، وہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھے گا۔[1]

بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ جس نے خواب میں نبی مکرم ﷺ کو دیکھا، اس کا خاتمہ اچھا ہوگا، اس کو شفاعت نصیب ہوگی، اسے جنت ملے گی، اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے والدین کو بخش دے گا، بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں۔ اس پر موت کی سختیاں آسان ہو جائیں گی، اس سے عذابِ قبر دور کر دیا جائے گا، وہ قیامت کے دن کی ہولنا کیوں سے امن میں ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے اس کی دنیا و آخرت کی تمام حاجات پوری کرے گا۔

② جمعے کی رات کو دو رکعت نماز پڑھے، سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے بعد ایک بار آیۃ الکرسی اور پندرہ بار سورۃ الاخلاص پڑھے، پھر سلام پھیر کر ہزار بار درود بھیجے۔ وہ اس رات رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھے گا، دوسرا جمعہ آنے نہیں پائے گا کہ وہ مشرف بہ رویت ہوگا۔

③ امام زہری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جو شخص جمعے کی رات کو نہا کر دو رکعت پڑھے گا اور ان میں ہزار بار ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ قراءت کرے گا، وہ حضرت کو خواب میں دیکھے گا۔[2]

(ذكره السيوطي في خصائصه)

④ بعض علما نے کہا ہے کہ جمعے کے دن ہزار بار سورۃ القدر پڑھنا موت سے پہلے خواب میں رویت نبوی ﷺ کا موجب ہے۔ سورۃ الکوثر کا بھی یہی خاصا ہے، مگر اس کے ساتھ ہزار بار درود بھی پڑھے۔

⑤ شیخ محمد نازلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ان الفاظ کے ساتھ اس کا تجربہ کیا ہے:

"اللهم صل وسلم علىٰ سيدنا محمد وعلى آل سيدنا محمد بعدد كل معلوم لك"[3]

---

[1] یہ بات اور اس طرح کی دوسری چیزیں جو اس سلسلے میں بیان ہوئی ہیں تجربوں سے متعلق ہیں جو شرعی ثبوت کو لازم نہیں۔ [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

[2] تاريخ دمشق (٩/ ٣٠١)

[3] خزينة الأسرار (ص: ١٧٣)

[اے اللہ اپنی تمام معلومات کے برابر ہمارے آقا محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر درود و سلام بھیج]

بہت سے لوگوں نے مذکورہ بالا طریقے سے نماز ادا کر کے سورۃ الکوثر پڑھنے کا تجربہ کیا تو انھوں نے آپ ﷺ کا خواب میں دیدار کیا۔

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ جو شخص جمعے کے دن آدھی رات کے وقت سورت قریش ہزار بار پڑھ کر باوضو سو جائے، وہ خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھے گا اور اس کا ہر مقصود حاصل ہو گا۔ کہا گیا ہے کہ یہ بہت بڑا مجرب نسخہ ہے۔[1] انتھیٰ.

⑥ شیخ محمد نازلی رحمہ اللہ نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ انھوں نے مدینہ منورہ کی مجاورت کے زمانے میں ایک بار رب العزت کو اور کئی بار رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے، پھر کہا ہے کہ میں نے ۱۲۶۱ھ میں مدرسہ محمدیہ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا۔ وللّٰہ الحمد پھر ۱۲۸۳ھ میں دیکھا تھا۔[2]

میں کہتا ہوں کہ اہل اللہ اور اہلِ محبتِ رسول اللہ ﷺ اور اہلِ حدیث کو دوسرے اہلِ اسلام کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی رویت زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم جیسے فقیروں کو بھی اس نعمت سے محروم نہ رکھے۔ اللھم آمین.

سحر کرشمۂ وصلش بخواب میدیدم زہے مراتب خوابے کہ بہ ز بیداریست

[سحری کے وقت اس کے وصال کے کرشمے کو میں خواب میں دیکھتا ہوں، کیا ہی صاحبِ مقام و مرتبہ ہے، یہ خواب جو بیداری سے بہتر ہے]

⑦ شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رویت کا شرف حاصل کرنے کا ایک سبب مندرجہ ذیل وظیفے پر مداومت و ہمیشگی کرنا اور طہارت کے ساتھ پڑھنا ہے:

”اللھم! صل علیٰ محمد و آلہ وسلم کما تحب و ترضیٰ لہ“

[اے اللہ! محمد ﷺ اور ان کی آل پر اتنا درود بھیج جتنا تو پسند کرتا ہے اور جتنے سے ان کے لیے راضی ہے]

---

[1] مصدر سابق.

[2] مصدر سابق.

⑧ مندرجہ ذیل وظیفے کی مداومت بھی رویت کے حصول کا سبب بنتی ہے:

"اللهم صل علىٰ روح محمد في الأرواح وصل على جسد محمد في الأجساد وصل على قبر محمد في القبور"

[اے اللہ! روحوں میں سے محمد ﷺ کی روح پر درود بھیج، جسموں میں سے محمد ﷺ کے جسم پر درود بھیج اور قبروں میں سے محمد ﷺ کی قبر پر درود بھیج]

⑨ جو شخص جمعے کے دن مندرجہ ذیل درود ہزار بار پڑھے گا، وہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھے گا:

"اللهم صل على محمد النبي الأمي وآله"

[اے اللہ! نبی امی محمد ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر درود بھیج]

اگر وہ پہلے جمعے کو آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکے تو پانچ جمعوں تک یہ عمل کرے، ان شاء اللہ مسرت پائے گا۔

⑩ شبِ جمعہ کو دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں گیارہ بار آیۃ الکرسی اور گیارہ بار سورۃ الاخلاص پڑھے، پھر سلام کے بعد سو بار یہ درود پڑھے:

"اللهم صل على محمد النبي الأمي وآله وصحبه وسلم"

[اے اللہ! نبی امی محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی آل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر درود و سلام بھیج]

وہ نبی کریم ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوگا۔ اگر اس کے نصیب میں ہے تو تین جمعوں سے تجاوز نہ کرے گا۔ بعض فقرا کا یہ مجرب عمل ہے۔[1] ولله الحمد.

⑪ شبِ جمعہ میں دو رکعت نفل پڑھے، ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے بعد پچیس بار سورۃ الاخلاص پڑھے، پھر ہزار بار یہ درود بھیجے:

"صلى الله على النبي الأمي" [اللہ تعالیٰ نبی امی پر درود بھیجے]

وہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھے گا۔ یہ بھی مجرب عمل ہے۔

⑫ سعید بن عطار رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جو شخص پاک بستر پر سوتے وقت یہ دعا پڑھ کر دائیں ہاتھ کو سرہانہ بنا کر سو جائے، وہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھے گا:

[1] اس طرح کی نمازوں پر تبصرے کے لیے دیکھیے: مولف امام رحمہ اللہ کی بے مثل تالیف "نزل الأبرار بالعلم المأثور من الأدعية والأذكار" (ص: ١٩١) [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

”اللهم إني أسئلك بجلال وجهك الكريم أن تريني في منامي وجه نبيك محمدﷺ رؤية تقر بها عيني، وتشرح بها صدري، وتجمع بها شملي، وتفرج بها كربتي، وتجمع بها بيني وبينه يوم القيامة في الدرجات العلىٰ، ثم لا تفرق بيني وبينه أبدا يا أرحم الراحمين!“

[اے اللہ! میں تجھ سے تیرے کریم چہرے کے جلال کے ساتھ سوال کرتا ہوں کہ تو میرے خواب میں مجھے اپنے نبی ﷺ کا چہرہ دکھا۔ ایسا دیدار کرا جس سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، میرا سینہ منشرح ہو جائے، مجھے دل جمعی حاصل ہو، میرا غم دور ہو جائے اور اس کی برکت سے تو قیامت کے روز آپ ﷺ کے ساتھ بلند درجات میں ایسے اکٹھا کرے کہ پھر کبھی تو مجھے ان سے جدا نہ کرے۔ اے ارحم الراحمین! میری دعا قبول فرما]

مذکورہ بالا تراکیب کے سوا اور بھی بہت سے صیغے اور دعائیں ہیں، لیکن یہاں صرف صلاحِ محل اور قابلیتِ فاعل درکار ہے۔ ان چیزوں کو لہو ولعب کے طور پر آدابِ طہارت، حضورِ دل اور شوقِ باطن کی رعایت کے بغیر بجا نہ لائے، ورنہ سوائے خسران اور نقصان کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ واللہ أعلم.

خاتمہ

درود شریف کے فضائل کا بیان

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اپنی دعا کا ایک تہائی حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے لیے مختص کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم زیادہ کرو گے تو افضل ہو گا۔ انھوں نے عرض کی کہ دو تہائی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا:

«فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ أَفْضَلُ» [اگر تو اور زیادہ کرے گا تو یہ افضل ہے]

انھوں نے پھر عرض کی:

"بأبي أنت وأمي يا رسول الله ﷺ! أجعل دعائي كله الصلاة عليك"

[یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے ماں باپ سمیت آپ پر قربان، میں اپنی تمام دعا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے لیے وقف کرتا ہوں]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَنْ يَكْفِيكَ اللّٰهُ أَمْرَكَ مِنْ دُنْيَاكَ وَآخِرَتِكَ»[1] (رواه أحمد والحاكم والبيهقي)

[تب تو اللہ تعالیٰ تمھارے دنیا اور آخرت کے معاملے میں تجھ سے کفایت کرے گا]

امام سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"إن كثرة الصلاة على النبي ﷺ تكثر الأرزاق والبركات، وتقضي الحوائج، وتكشف الهموم والغموم والكروب كلها بالمشاهدة والتجربة بين السلف والخلف، وإن التوسل بالصلاة والسلام علىٰ سيد الأنام في الأمور كلها واقع بين الجن والإنس والملائكة كما دلت عليه

[1] مسند أحمد (٥/١٣٦) المستدرك للحاكم (٢/٢١٥) شعب الإيمان للبيهقي (٢/٢١٥)

الآيات والأحاديث"[1] انتهیٰ.

[بلا شبہہ نبی ﷺ پر کثرت سے درود پڑھنا ارزاق و برکات میں اضافہ کرتا ہے، حاجات پوری کرتا ہے اور ہر قسم کے غموں، دکھوں اور تکلیفوں کو دور کرتا ہے، اس کا باقاعدہ مشاہدہ ہوا ہے۔ سلف و خلف کا یہ مجرب عمل ہے۔ جن و انس اور ملائکہ میں سید الانام ﷺ پر درود و سلام کا توسل تمام معاملات میں ثابت ہے، جیسے کہ آیات و احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں]

جو مومن مصائب و امراض اور غموم و کروب میں مبتلا ہو یا منصب و جاہ طلب کرے یا فقر و ذلت میں مبتلا ہو یا معزول منصب کو حاصل کرنا چاہتا ہو یا آفاتِ سماویہ اور بلاے ارضیہ کے دفعیہ کی خواہش رکھتا ہو، وہ دن رات کثرت سے درود پڑھا کرے، اس درود کی برکت سے سب مقاصد کو پہنچ جائے گا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے والد ماجد شیخ عبدالرحیم رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"بها وجدنا ما وجدنا" انتهیٰ.

[ہمیں جو کچھ ملا ہے وہ اسی (درود) کی برکت سے ملا ہے]

درود کے صیغے چار ہزار، بلکہ بارہ ہزار تک ہیں۔ ہر ایک صیغے کو اہلِ شرق و غرب کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔ اس رابطے کی مناسبت سے جو ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ہے۔ نیز فہم خواص و منافع و اسرار کے مطابق درود کے بعض صیغے وہ ہیں، جو تجربے اور مشاہدے سے مشہور ہیں، جن سے غم دور ہوتے ہیں اور مرغوب چیزیں حاصل ہوتی ہیں، جیسے "صلات منجیہ" ہے اور وہ الفاظ درج ذیل ہیں:

"اللهم! صل علیٰ سيدنا محمد صلاة تنجينا بها من جميع الأهوال والآفات، وتقضي لنا بها جميع الحاجات، وتطهرنا بها من جميع السيآت، وترفعنا بها أعلیٰ الدرجات، وتبلغنا بها أقصیٰ الغايات من جميع الخيرات في الحيات وبعد الممات"[2]

[1] خزينة الأسرار (ص: ٢٠٨) [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

[2] خزينة الأسرار (ص: ٢٠٩) [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

[اے اللہ! ہمارے آقا محمد ﷺ پر ایسا درود بھیج جس کے ساتھ تو ہمیں تمام ہولنا کیوں اور آفتوں سے نجات دے، اس کی برکت سے ہماری تمام حاجات پوری کر دے، ہمیں اس کے ساتھ تمام گناہوں سے پاک کر دے، ہمیں اس کی برکت سے اعلا درجات عطا فرما دے اور زندگی میں اور موت کے بعد تمام بھلائیوں کی انتہا تک پہنچا دے]

لیکن افضل یہ ہے کہ یوں کہے:

"اللهم! صل على سيدنا محمد، وعلى آل سيدنا محمد صلاة تنجينا......الخ"

[اے اللہ! ہمارے آقا محمد ﷺ اور ان کی آل پر ایسا درود بھیج جو ہمیں نجات دے......]

کیوں کہ صیغہ تعلیم میں آل کا ذکر آیا ہے، بلکہ امتثالِ امر ذکرِ آل کے بغیر نہیں ہوتا ہے۔ آل کے ذکر کے ساتھ تاثیر زیادہ، جلد، کامل اور عام ہوتی ہے۔ لہٰذا شیخ ابن عربی نے اس کو آل کے ذکر کے ساتھ لکھا ہے اور کہا ہے: "إنه الكنز من كنوز العرش" [بلا شبہہ وہ عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے] جو شخص ان کلمات کو جوفِ شب میں جس کسی دنیاوی یا اخروی حاجت کے لیے ہزار بار پڑھتا ہے تو وہ کام پورا ہو جاتا ہے۔ یقیناً درود کے یہ الفاظ اچکنے والی بجلی سے بھی زیادہ تیزی سے قبول ہونے والے ہیں۔ یہ اکسیر اعظم اور مجرب تریاق ہے، مگر اس کو ان لوگوں سے مخفی اور پوشیدہ رکھا جائے، جو اس کے اہل نہیں ہیں۔ انتہیٰ۔

اسی طرح امام بونی اور جزولی رحمہ اللہ نے اس کے خواص و اسرار لکھے ہیں۔ میں نے ان کو اس لیے ترک کر دیا ہے کہ کہیں وہ جاہلوں کے ہاتھ نہ لگ جائیں، جبکہ تمھارے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔

فائدہ:

من جملہ مجرب درودوں میں سے درود تفریجیہ قرطبیہ ہے۔ مغاربہ اس کو درود ناریہ کہتے ہیں، کیوں کہ سرعتِ تاثیر میں یہ شعلۂ نار کی طرح ہے اور اس کو چار ہزار چار سو چوالیس (۴۴۴۴) بار پڑھتے ہیں۔ اہلِ اسرار اسے "مفتاح الكنز المحيط لنيل مراد العبيد" [غلاموں کی مراد بر لانے کے لیے بیش بہا خزانے کی چابی] کہتے ہیں اور وہ درود یہ ہے:

"اللهم! صل صلاة كاملة، وسلم سلاما تاما على سيدنا محمد، تنحل به العقد، وتنفرج به الكرب، وتقضى به الحوائج، وتنال

به الرغائب، وحسن الخواتم، ويستسقى الغمام بوجهه الكريم، وعلىٰ آله وصحبه في كل لمحة ونفس بعدد كل معلوم لك"

[اے اللہ! ہمارے آقا محمد ﷺ پر ایسا کامل و مکمل درود و سلام بھیج جس کے ساتھ تو گرہ کھول دے، غم و تکلیف کو دور کر دے، حاجتیں پوری کر دے، جس کے ساتھ مرغوب چیزیں حاصل ہوں، خاتمے اچھے ہوں اور اس کے باعزت چہرے سے بادل پانی طلب کرتے ہیں۔ نیز آپ ﷺ کی آل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تیری معلومات کے برابر درود و سلام ہوں ہر لمحے اور ہر سانس کے ساتھ]

یہ درود تفریجِ کروب اور تحصیلِ مطلوب پر نہایت جامع اور حاوی ہے۔ نیز یہ درود دیگر الفاظ اور آداب کو بھی محیط ہے اور حدود اوان ہر شے پر شامل ہے۔ وللہ الحمد.

اس درود کے صحیح اور مجرب خواص میں سے ہے کہ اس درود کو مریض، مصروع اور مجنون پر پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کامل و مکمل درود و سلام کے ساتھ اسے شفا بخشے گا، خواہ مریض اسے خود پڑھے یا کوئی دوسرا اتنی تعداد میں اس پر پڑھے۔

شیخ محمد تونسوی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس درود کو ہر روز گیارہ بار پڑھنا آسمان سے رزق اتارنے اور زمین سے اگانے کے لیے کافی ہے۔

امام دینوری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد گیارہ بار اسے پڑھے گا، وہ بڑے مراتب اور دولت غنیہ کو پہنچے گا، اس کا رزق منقطع نہ ہوگا۔

اسی طرح ہر صبح اکتالیس (۴۱) بار اس درود کا پڑھنا نیلِ مراد کا سبب ہے۔ ہر روز سو بار پڑھنے سے اپنی مراد سے بھی کہیں زیادہ پائے گا۔ نیز کشفِ اسرار کے لیے وہ ہر روز مرسلین کی تعداد کے برابر تین سو تیرہ (۳۱۳) بار پڑھے اور اگر ہر روز ہزار بار پڑھے گا تو پھر وصف سے باہر ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے امرِ مہم عظیم کے حصول اور بلاے دائم کے دفع کے لیے اس درود کو چار ہزار چار سو چوالیس بار پڑھنا لکھا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی اس عدد کے خواص ذکر کیے ہیں اور کہا ہے:

"فإنه إكسير في سبب التأثير" انتهىٰ.[1] [یہ سببِ تاثیر میں تریاق ہے]

فائدہ:

اہلِ تفسیر و حدیث کہتے ہیں:

"إن الصلاة علىٰ سيد الأنام أفضل العبادات وأحسن الحالات وأعظم القربات لقوله تعالىٰ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾"

[بلا شبہہ سید الانام ﷺ پر درود پڑھنا افضل عبادت، احسن حالت اور اعظم قربت ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر صلاۃ بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اس پر صلاۃ بھیجو اور سلام بھیجو خوب سلام بھیجنا]

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"من داوم علىٰ هذه الصلاة كل يوم إحدى وأربعين مرة أو مائة أو زيادة، فرج اللّٰه همه وغمه، وكشف كربه وضره، ويسر أمره، ونور سره على قدره، وحسن حاله، ووسع رزقه، وفتح عليه أبواب الخيرات والحسنات بالزيادات، ونفذت كلمته في الرياسات، وأمنه من حوادث الدهر، وشر نكبات الجوع والفقر، وألقىٰ له محبة في القلوب، ولا يسأل من اللّٰه تعالىٰ شيأً إلا أعطاه، فلا تحصل هذه الفوائد إلا بشرط المداومة عليها"

[جس شخص نے اس (تفریجیہ و قرطبیہ) درود کو ہمیشہ ہر روز اکتالیس (۴۱) یا سو یا اس سے زیادہ مرتبہ پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کا غم اور اس کی تکلیف دور کر دے گا، اس کا کرب و الم ہٹا دے گا، اس کا معاملہ آسان کر دے گا، اس کی قدر کے مطابق اس کے باطن کو منور کر

[1] یہ سب "خزينة الأسرار" (ص: ۲۰۹) میں تفصیل کا خلاصہ ہے، لیکن یہ صوفیاے کرام کے اپنے تجربے ہیں، ان کو مسنون الفاظ کی حیثیت حاصل نہیں، جیسا کہ مولف امام رحمہ اللہ نے آخر پر تحریر فرمایا ہے۔[مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

دے گا، اس کی حالت اچھی کر دے گا، اس کا رزق وسیع کر دے گا، اس پر بہت زیادہ خیرات و حسنات کے دروازے کھول دے گا، ریاسات میں اس کا حکم نافذ ہو گا، وہ حوادثاتِ زمانہ سے پرامن ہو جائے گا، فقر و فاقے کی تلخیوں سے نجات پا جائے گا، لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جائے گی، وہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا بھی سوال کرے گا، اللہ اسے وہی چیز عطا کرے گا۔ مندرجہ بالا فوائد اس صورت میں حاصل ہوں گے، جب اس درود کو ہمیشہ پڑھا جائے گا]

فائدہ:

درود کا ایک صیغہ یہ ہے:

”اللهم! صل وسلم على سيدنا محمد وعلى آل سيدنا محمد في كل لمحة و نفس بعدد كل معلوم لك“

[اے اللہ! ہمارے آقا محمد ﷺ اور ان کی آل پر ہر آن اور ہر لمحے اپنی معلومات کے برابر درود بھیج]

اس درود پر مداومت کرنے سے علوم و اسرارِ حضرت ﷺ سے اخذ حاصل ہوتا ہے۔

شیخ مصطفی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ مجرب ہے اور فلاں وفلاں نے اس کا تجربہ کیا ہے، پھر کہا:

”يا بني! اذهب إلى المشرق وإلى المغرب، إن غابت القبة الخضراء عن عينيك، أنا في الميدان، يعني قبة رسول الله ﷺ فوق قبره الشريف“

[اے میرے بیٹے! مشرق و مغرب کی طرف جاؤ، اگر تمھاری آنکھوں سے گنبدِ خضراء اوجھل ہو جائے تو میں میدان میں حاضر ہوں، گنبدِ خضرا تمھیں آپ ﷺ کی قبر شریف پر نظر آئے گا]

شیخ محمد نازلی حنفی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”قرأت هذه الصلاة أول ليلة بدأت منها مائة مرة، فرأيت النبي ﷺ في المنام، فقال: الشفاعة لك ولأبويك ولإخوانك، وفقني الله وإياكم لبشارته بالتكرار، ثم وجدت بحول الله وقوته كما ذكرها الشيخ، ثم

أخبرت بهذه الصلاة كثيرا من الإخوان، فرأيت من داوم عليها نالوا أسرارا عجيبة ما نلت مثلها، وفيها أسرار كثيرة، تكفيك هذه الإشارة"[1]

[میں نے پہلی رات اس درود کو ایک سو مرتبہ پڑھا تو میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیری، تیرے والدین اور بہن بھائیوں کی شفاعت ہو گی۔ اللہ مجھے اور تمھیں تکرار کے ساتھ اس کی بشارت کی توفیق عنایت فرمائے۔ پھر میں نے اس درود کو اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت سے ویسا ہی پایا، جیسا شیخ محترم نے اس کا ذکر کیا تھا۔ پھر میں نے بہت سے بھائیوں کو یہ درود بتایا تو میں نے اس کو ہمیشہ پڑھنے والوں کو دیکھا کہ ان کو عجیب و غریب اسرار حاصل ہوئے کہ جیسے مجھے بھی نہیں ملے تھے۔ بہ ہر حال اس میں کافی سے زیادہ اسرار ہیں، پس تمھارے لیے اشارہ ہی کافی ہے]

[1] خزينة الأسرار (ص: ١٨٠)

درود شریف کے افضل الفاظ

ملا علی قاری نے حزبِ اعظم میں درود کے الفاظ کا ذکر کرتے وقت کہا ہے کہ سب سے افضل وہ درود ہے جو تشہد کے بعد پڑھا جاتا ہے (یعنی درود ابراہیمی)[1] انتھیٰ۔

لیکن اس درود میں سلام کا ذکر نہیں آیا ہے، اس لیے کہ تشہد میں سلام آ جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص اس درود کو نماز کے باہر پڑھے، وہ اس میں سلام کے الفاظ زیادہ کر لے۔

حزبِ اعظم میں مذکورہ درودوں کی مجموعی تعداد اڑتالیس (۴۸) ہے، ان میں سے چھتیس (۳۶) درود مرفوع ہیں اور باقی صحابہ و تابعین رحمہم اللہ سے مروی ہیں۔ میں نے اپنی کتاب "نزل الأبرار" میں مرفوعاً مروی درود مع تخریج لکھے ہیں، وہ تیس (۳۰) سے زیادہ درود نہیں بنتے، بلکہ قدرے کم ہیں۔

اہلِ علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ افضل درود کون سا ہے؟ یہ اختلاف یا تو اس لیے ہے کہ جس درود کی شان میں افضلیت کا اطلاق ہوا ہے وہ افضل ہے یا اس لیے کہ وہ کیفیت و کمیت فاضلہ پر مشتمل ہے۔

بعض اہلِ علم نے درود کے دس صیغے ذکر فرمائے ہیں:

① ایک تشہد والا درود جسے افضل درود کہا ہے۔

② دوسرا صیغہ یہ ہے:

"اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كلما ذكره الذاكرون و كلما سها عن ذكرهِ الغافلون"

[اے اللہ! محمد ﷺ پر اور آل محمد ﷺ پر درود بھیج جب بھی ذکر کرنے والے اس کا ذکر

---

① الحزب الأعظم (ص: ٥١ مخطوط)

کریں اور جب بھی غافل لوگ اسے بھول جائیں]

③ تیسرا درود یہ ہے:

"اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما هو أهله ومستحقه"

[اے اللہ! محمد ﷺ اور ان کی آل پر ایسا درود بھیج جس کے وہ اہل اور مستحق ہیں]

④ چوتھا صیغہ یہ ہے:

"اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما أنت أهله"

[اے اللہ! محمد ﷺ پر اتنا درود بھیج جس کا تو اہل ہے]

⑤ پانچویں درود کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم صل علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد أفضل صلاتك عدد معلوماتك"

[اے اللہ! محمد ﷺ اور ان کی آل پر اپنی معلومات کے برابر افضل درود بھیج]

⑥ چھٹا درود یہ ہے:

"اللهم صل على محمد النبي الأمي وعلىٰ كل نبي وملك وولي عدد كلمات ربنا التّامات المباركات"

[اے اللہ! نبی امی محمد ﷺ پر اور ہر نبی، فرشتے اور ولی پر ہمارے رب تعالیٰ کے مبارک اور مکمل کلمات کی تعداد کے برابر درود بھیج]

⑦ ساتواں صیغہ یہ ہے:

"اللهم صل علىٰ محمد عبدك ونبيك ورسولك النبي الأمي وعلىٰ أزواجه وذرياته عدد خلقك ورضا نفسك وزنة عرشك ومداد كلماتك"

[اے اللہ! اپنے بندے، اپنے نبی، اپنے رسول نبی امی ﷺ، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد پر اپنی مخلوق کی تعداد، اپنے نفس کی رضا، اپنے عرش کے وزن اور اپنے کلمات کی روشنائی کے برابر درود بھیج]

آٹھویں درود کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم صل علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد صلاة دائمة بدوامك"

[اے اللہ! محمد ﷺ اور ان کی آل پر ایسا درود بھیج جو تیرے دوام کے ساتھ دائمی ہو]

⑨ نواں درود یہ ہے:

"اللهم يا رب محمد وآل محمد! صل علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد واجز محمدا ما هو أهله"

[اے اللہ! اے محمد ﷺ اور آل محمد کے رب! محمد ﷺ، ان کی آل اور ان کی اولاد پر درود بھیج اور محمد ﷺ کو جزا دے، جس کے وہ اہل ہیں]

⑩ دسواں صیغہ یہ ہے:

"اللهم صل علىٰ محمد، وأزواجه أمهات المؤمنين، وذرياته وأهل بيته، كما صليت علىٰ إبراهيم إنك حميد مجيد"

[اے اللہ! محمد ﷺ پر، ان کی بیویوں امہات المومنین پر، ان کی اولاد اور ان کے اہلِ بیت پر درود بھیج جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا، بلاشبہ تو تعریف کیا ہوا بزرگ ہے]

مذکورہ بالا درود کے صیغوں اور کلمات کو بعض اہلِ علم نے ذکر کیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کو صحاح ستہ وغیرہ پر پیش کر کے پرکھ کر اختیار کیا جائے نہ کہ اس کے بغیر، کیوں کہ مسنون الفاظ کو ان الفاظ پر ایک مزیت اور خصوصیتِ فاضلہ حاصل ہے، جن کو امت نے وضع کیا ہے۔

میرے نزدیک درود کے جو صیغے اور الفاظ صحیحین میں آئے ہیں، وہ سب صیغے اور الفاظ افاضل ہیں، پھر جو سنن اربعہ میں آئے ہیں، وہ افضل ہیں، پھر بقیہ صیغے اور الفاظ جو صحابہ و تابعین، علماے دین اور مشائخ صالحین سے مروی ہیں، وہ سب فضیلت میں برابر ہیں۔ بس اتنی بات ہے کہ جس صیغے کا تجربہ زیادہ فائدہ مند ہوا ہے، اس کو منفعت کے اعتبار سے بہتر سمجھا گیا ہے، نہ کہ صحت وقوتِ روایت کے اعتبار سے، جیسے صیغہ منجیہ اور صیغہ ناریہ جن کا اوپر ذکر ہو چکا۔ ورنہ جو الفاظ صحیح ومرفوع سند کے ساتھ ثابت ہیں، وہ اس اعتبار سے کہ نبی معصوم ﷺ کے الفاظ ہیں، علما ومشائخِ امت کے الفاظ پر

ظاہری و باطنی فضیلت رکھتے ہیں۔

پھر بعض الفاظ کے متعلق کہا ہے کہ اتنی اتنی تعداد میں ان کی قراءت یا مداومت سے رسول اللہ ﷺ کی رویت حاصل ہوتی ہے، سو یہ بھی ایک منفعت ہے، لیکن اس سے اس صیغے کی روایتاً فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

پھر بعض علمائے راسخین کا یہ مختار ہے کہ درود کے الفاظ میں مسنون اور مرفوع الفاظ پر اقتصار و اکتفا کرنا چاہیے۔ بہ خوف ابتلا، اطرا، اغراق اور مبالغہ اپنی طرف سے درود کے الفاظ ترتیب نہیں دینا چاہیے، اگرچہ رسول اللہ ﷺ بلا شبہہ ہر مدح و نعت کے مستحق ہیں، کیوں کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا کمال ادب ہے اور یہ طریقہ صحیح احادیث کے مطابق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا تُطْرُوْنِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارىٰ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ»[1]

(الحديث أو كما قال ﷺ)

[میری مدح میں ایسا مبالغہ نہ کرنا، جیسے نصاریٰ نے ابن مریم کی مدح میں مبالغے سے کام لیا]

پھر بعض اہلِ علم نے درود کے ایسے الفاظ اختیار کیے ہیں، جن میں مختلف احادیث کے مطابق درود کے جملہ آدابِ مطلوبہ کی رعایت ملحوظ رکھی ہے۔ ان الفاظ کے جامع ہونے میں کسی طرح کا شک و شبہہ ہے نہ ان کے پڑھنے ہی میں کوئی حرج ہے، کیوں کہ وہ اتم و اعم اور اکمل و اشمل طریق پر واقع ہیں، لیکن اس کے باوجود ان الفاظ کو جو فضیلت حاصل ہے، جو ترکیبِ نبوت کے ساتھ صحاح وسنن میں آئے ہیں، مذکورہ بالا الفاظ ان پر مختار نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ اس صورت میں کلامِ امت کی کلامِ رسولِ امت پر ترجیح لازم آتی ہے۔ کہاں اس شخصیت کا کلام جس کی شان یہ ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے] اور کہاں اس شخص کا کلام جس کی طرف وحی آئی اور نہ وہ معصوم ہی ہے۔

جوہر جام جسم از طینت کان دگر است تو توقع زگل کوزہ گراں میداری

درود پڑھنے کے افضل اوقات:

رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنے کی فضیلت اور استحباب کل احوال اور تمام اوقات میں ہے، لیکن

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٢٦١)

جمعے کا دن اور اس کی رات افضل اور زیادہ بہتر ہے۔

سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں آیا ہے:

«أَفْضَلُ أَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ فَأَدْعُو لَكُمْ وَأَسْتَغْفِرُ»[1] (رواہ أبو داوٗد وصححه النووي و ابن حبان)

[تمھارے دنوں سے افضل دن جمعے کا دن ہے، لہٰذا اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھو، یقیناً تمھارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے تو میں تمھارے حق میں دعا کرتا ہوں اور تمھارے لیے بخشش طلب کرتا ہوں]

دوسری روایت میں آیا ہے کہ یہ دن مشہود ہے، اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، یعنی درود سن کر مجھ تک پہنچاتے ہیں۔ بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ خصوصیاتِ جمعہ میں سے ایک یہ بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفسِ نفیس درود و سلام کا جواب دیتے ہیں۔

میں نے اپنی کتاب "زيادة الإيمان" میں، جو ذکر، درود، اذکار اور ادعیہ صحیحہ ضروریہ کے ساتھ خاص ہے، لکھا ہے کہ درود و سلام کے اڑتیس (۳۸) مواضع و مقام ہیں، پھر نام بہ نام ان کو بتا دیا ہے، پھر درود شریف کے فوائد لکھے ہیں۔ یہ کل اڑسٹھ (٦٨) فائدے ہیں، ان کو بھی نام بہ نام ذکر کیا ہے۔[2]
یہ فوائد اہلِ علم کے ذکر کے اعتبار سے ہیں، ورنہ درود و سلام کے فوائد بے شمار ہیں۔ قرآن مجید اور اللہ کے ذکر کے بعد دین و دنیا کی بھلائی کی خاطر درود سے بڑھ کر کوئی وظیفہ نہیں ہے۔ اپنی کتاب "نزل الأبرار" (ص: ١٧٥) میں مَیں نے وہ درود بھی لکھا ہے، جو صحیح احادیث میں وارد ہونے والے جملہ الفاظ کو جامع ہے۔ اسی طرح امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مہذب و اذکار میں، ابن ہمام رحمہ اللہ اور ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے اور صاحبِ ذخیرۃ الخیر اور عراقی رحمہ اللہ وغیرہ علما نے اس کو اپنے اپنے طور و طرز پر لکھا ہے، لیکن اس موضوع پر فیصلہ کن بات یہ ہے کہ جو روایات مسنون و ماثور ہیں، ان میں تلفیق نہ

---

[1] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (١٥٣١) صحیح ابن حبان (١٩٠/٣) اس حدیث کے آخر میں مذکور الفاظ "فأدعولكم وأستغفر" سابق الذکر مصادر میں نہیں ملے، البتہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں، لیکن ان کی سند سخت ضعیف ہے۔ دیکھیں: القربة بالصلاة على النبي ﷺ لابن بشكوال (ص: ١٠٧) امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ان الفاظ کے بغیر ہی صحیح کہا ہے۔ دیکھیں: شرح المهذب (٥٤٨/٤)

[2] زيادة الإيمان بأعمال الجنان (ص: ٣٥)

کرے، کیوں کہ اس سے ایسی صفت کا اِحداث لازم آتا ہے، جو مجموعاً ایک روایت میں وارد نہیں ہوئی ہے، بلکہ گاہے ایک روایت کو اور گاہے دوسری روایت کامل طریقے سے قراءت کر لے۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ، امام شوکانی رحمہ اللہ اور علماے راسخین کی ایک جماعت کا مختار مذہب یہی ہے۔

بعض اعلام نے کیا خوب کہا ہے:

”إن الطاعة مع الاتباع، وإن قلت، أفضل منها بغيره، وإن جلت، لقوله تعالیٰ: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾“

[بلا شبہہ اطاعت کے ساتھ اتباع کرنا، اگرچہ وہ تھوڑی ہو، اس کے غیر سے افضل ہے، چاہے وہ بہت زیادہ ہو، کیوں کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا]

لہٰذا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا: ﴿صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ تو انھوں نے اپنی طرف سے درود کے الفاظ وضع نہیں کیے، حالاں کہ وہ بڑے فصیح و بلیغ، عالی مقام اور رفیع الشان تھے، بلکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کیسے بھیجیں؟ اس سلسلے میں تقریباً تیس (۳۰) روایات مروی ہیں۔ چنانچہ محبِ خدا اور متبعِ سنت، اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے ہرگز تجاوز نہیں کرتا ہے۔ ہاں تابعین اور ان کے بعد والے لوگوں نے درود کے کچھ الفاظ بنائے ہیں، سو ان کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ لوگوں کے بنائے ہوئے درود کے صیغے اور الفاظ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کردہ الفاظ سے اتنی بھی نسبت نہیں ہے، جتنی ذرے کو آفتاب سے ہوتی ہے۔ اب جو کوئی اس بات کا معتقد ہو کہ درود ”دلائل الخیرات“[1] یا درود ”شفاء الأسقام“[2] یا درود ابن مشیش[3] وغیرہ مثلاً اس درود سے افضل ہے، جو صحاح وسنن میں وارد ہے تو وہ شخص مدارکِ شرع سے کئی مرحلے دور ہے۔ گو بدوں مبالغہ و افراط اس کے نفسِ جواز میں کلام نہیں ہے۔ واللّٰہ أعلم.

---

[1] ”دلائل الخيرات و شوارق الأنوار في ذكر الصلاة على النبي المختار“ محمد بن سلیمان جزولی (۸۷۰ھ) کی تالیف ہے، جو شرعی مخالفات اور غیر ثابت وظائف، بلکہ خود ساختہ اوراد سے بھری ہوئی ہے۔

[2] ”شفاء الأسقام في الصلاة على خير الأنام“ یہ عبدالجلیل بن محمد بن عظوم القیروانی کی تالیف ہے۔

[3] یہ عبدالسلام بن مشیش بن ابی بکر کی تالیف ہے۔

چند مسنون درود وسلام

من جملہ مسنون صیغ والفاظِ درود وسلام، جن کی تعداد کم وبیش تیس صیغے ہے، ہم چند اصح الصحیح صیغے اور الفاظ ذکر کرتے ہیں، کیوں کہ مثل مشہور ہے: "ما لا یدرك کله لا یترك کله" [جس چیز کا کلی ادراک نہ ہو سکے، اس کا کلی طور پر ترک کرنا بھی درست نہیں ہے] اور درود کے باقی الفاظ کے لیے ہم اپنی کتاب "نزل الأبرار" کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

1 من جملہ صیغ درود کے ایک تو وہی صیغہ ہے جو تشہد میں پڑھا جاتا ہے۔ (أخرجه الأئمة الستة)

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا:

"کیف الصلاة علیکم أهل البیت!؟"

[(اے رسول اللہ ﷺ! ہم آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے) اہلِ بیت پر کیسے درود بھیجیں؟]

اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے درود کے مذکورہ الفاظ تعلیم فرمائے تھے۔[1]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ "ھدی نبوی" میں کہتے ہیں:

"أکمل ما یصلي ویصل إلیه ما علّم أمته أن یصلوا علیه به فلا علیه أکمل منها"[2] انتهیٰ.

[درود کے سب سے کامل الفاظ اور جو آپ ﷺ تک پہنچتے ہیں، وہ ہیں جو آپ نے اپنی امت کو پڑھنے کے لیے لکھائے ہیں، ان سے زیادہ کامل الفاظ اور کوئی نہیں ہیں]

2 «اللهم صل علی محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ إبراهیم إنك حمید مجید اللهم بارك علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ إبراهیم إنك حمید مجید»[3] (أخرجه الشیخان والنسائي وللخمسة من حدیثه أیضاً)

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳۱۹۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۴۰۶)

[2] زاد المعاد (۲/ ۳۵۶)

[3] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۴۵۱۹) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۹۷۸) سنن النسائي (۱۲۱۹)

[اے اللہ! محمد (ﷺ) اور آلِ محمد (ﷺ) پر درود بھیج جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر درود بھیجا، یقیناً تو ہی قابلِ تعریف اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! محمد (ﷺ) پر اور آلِ محمد (ﷺ) پر برکتیں نازل فرما، جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر برکتیں نازل فرمائیں، بلاشبہہ تو ہی قابلِ تعریف اور بزرگی والا ہے]

٣ «اللهم صل على محمد وعلىٰ آل محمد وأزواجه وذرياته كما صليت علىٰ إبراهيم وبارك علىٰ محمد وأزواجه وذرياته كما باركت علىٰ إبراهيم إنك حميد مجيد»[1] (أخرجه الشيخان وأبو داوٗد والنسائي وابن ماجه وابن حبان)

[اے اللہ! محمد ﷺ، ان کی آل، ان کی ازواج اور اولاد پر اسی طرح درود بھیج جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا اور محمد ﷺ، ان کی ازواج اور اولاد پر اسی طرح برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل فرمائی، بلاشبہہ تو تعریف کیا ہوا بزرگ ہے]

٤ «اللهم صل على محمد عبدك ورسولك كما صليت علىٰ إبراهيم وبارك علىٰ محمد كما باركت علىٰ إبراهيم»[2]

(رواه البخاري والنسائي وابن ماجه)

[اے اللہ! اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر درود بھیج جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا اور محمد ﷺ پر اس طرح برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل فرمائی]

٥ «اللهم صل على محمد النبي الأمي وعلىٰ آل محمد كما صليت علىٰ إبراهيم وعلىٰ آل إبراهيم إنك حميد مجيد، اللهم بارك علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد كما باركت علىٰ إبراهيم وعلىٰ آل إبراهيم إنك حميد مجيد»[3] (رواه الشيخان وأحمد وأبو داوٗد وابن ماجه والنسائي)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣١٨٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٠٧) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٩٧٩) سنن النسائي، رقم الحديث (١٢٩٤) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٩٠٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٩٩٧) سنن النسائي، رقم الحديث (١٢٩٣) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٩٠٣)

[3] مسند أحمد (٤/ ١١٩) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٩٨١)

[اے اللہ! نبی امی محمد ﷺ اور محمد ﷺ کی آل پر اسی طرح درود بھیج جس طرح تو نے ابراہیم اور آلِ ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا، یقیناً تو تعریف کیا ہوا بزرگ ہے۔ اے اللہ! محمد ﷺ پر اور محمد ﷺ کی آل پر برکت فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور آلِ ابراہیم علیہ السلام پر برکت فرمائی، بلاشبہہ تو تعریف کیا ہوا بزرگ ہے]

٦ «اللهم صل علىٰ محمد النبي الأمي وعلىٰ آل محمد كما صليت علىٰ إبراهيم وبارك علىٰ محمد النبي الأمي كما باركت علىٰ إبراهيم في العٰلمين إنك حميد مجيد»[1] (رواه مسلم وأبو داوٗد والترمذي والنسائي)

[اے اللہ! نبی امی محمد ﷺ اور آلِ محمد ﷺ پر درود بھیج جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا اور نبی امی محمد ﷺ پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے جہانوں میں ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل فرمائی، بلاشبہہ تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے]

درود پر لکھی جانے والی چند کتب کا تعارف:

١ اس موضوع پر حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی کتاب "جلاء الافهام"[2] شافی اوام ہے۔

کتبِ احادیث میں درود کے جتنے بھی صیغے آئے ہیں، حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے ان پر تکلم کیا ہے اور صحیح، حسن اور معلول وغیرہ کو جدا جدا بتا دیا ہے، اس کے علاوہ درود شریف کے فوائد و منافع ذکر کیے ہیں۔[3]

٢ اگر یہ کتاب میسر نہ ہو تو پھر "نزل الأبرار" جو قسطنطنیہ میں مطبوع ہو کر شائع ہو چکی ہے، وہ ان سب کتابوں سے مستغنی و بے پروا کرنے والی ہے۔ وللہ الحمد.

٣ اگر "نزل الأبرار" بھی میسر نہ ہو سکے تو رسالہ "زيادة الإيمان" بھی کفایت کرتا ہے۔

---

① مسند أحمد (٤/ ١١٩)

② قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۵۹ھ) نے اس کتاب کا شگفتہ ترجمہ کر دیا تھا، جو "الصلاۃ والسلام" کے نام سے مطبوع اور دستیاب ہے۔ [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

③ نیز حافظ محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی (المتوفی ۹۰۲ھ) کی تالیف "القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع" بھی اس سلسلے میں عمدہ کتاب ہے۔ ہندوستان اور مدینہ منورہ میں طبع ہو چکی ہے۔ [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

مدتِ تالیف:

الحمدللہ کہ آج ۴ ربیع الاول ۱۳۰۵ھ کو یہ رسالہ چار دن میں تمام ہوا۔

والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، والصلاة والسلام على رسوله سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أخيار البريات.

تذکیر الکل

بتفسیر الفاتحة و أربع قل

تالیف

امام العصر علامہ نواب محمد صدیق حسن خان بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد لله الذي نزل الفرقان علىٰ عبده ليكون للعالمين نذيرًا، والصلاة والسلام علىٰ خيرخلقه محمد و علىٰ آله و صحبه الذين اسفرت بهم وجوه الموحدين وازدادت قلوبهم تنويرًا. **أما بعد:**

اس مختصر رسالے میں قرآن مجید کی ان پانچ سورتوں کا ضروری ترجمہ اور مختصر تفسیر لکھی جاتی ہے، جن کی نماز میں تلاوت کا اتفاق دن رات ہر مسلمان کو ہوا کرتا ہے۔ ان پانچ سورتوں سے مراد فاتحۃ الکتاب (سورۃ الفاتحہ) اور چہار قل (سورت کافرون، اخلاص، فلق اور ناس) ہیں۔ ان پانچ سورتوں میں سے ہر ایک سورت خداوند مجید کی توحید کی دلیل ہے۔ جس شخص نے ان سورتوں کے معانی سمجھ لیے، وہ پکا سچا مسلمان ہو گیا۔ اب اس کی عبادت ٹھیک ہوگی اور وہ شرک سے بچ جائے گا۔ توحید کے بیان اور شرک کے رد میں کتبِ مطولہ کے علاوہ فی الحال دس مختصر رسائل لکھے گئے ہیں۔[1] اس رسالے میں مذکورہ بالا پانچ سورتوں کے معانی کے بیان پر اقتصار و اختصار کیا گیا ہے۔ و خير الكلام ما قل و دل.[2]

ان سورتوں کے معانی پر تفسیر ''ترجمان القرآن'' اور ''فتح البیان'' میں مکمل تفصیلی کلام ہے، جس میں تفصیلات کے شائقین کے لیے تمام مضامین کا استیفا کیا گیا ہے۔ تفسیر کبیر میں صرف سورة الفاتحہ سے دس ہزار مسائل کا استخراج کیا گیا ہے۔[3] شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے لائق فائق شاگرد علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے معوذتین کی مستقل تفسیر لکھی ہے۔ لیکن ان علومِ غامضہ کا سمجھنا اہلِ علم کا کام ہے نہ کہ عوام الناس کا، جبکہ اس جگہ ہمارا مقصود عوام کو سمجھانا ہے۔ و باللّٰهِ التوفيق

---

① یہ تمام رسائل اور مولف رحمہ اللہ کے عقیدے سے متعلق دیگر پندرہ اردو رسائل ''مجموعہ رسائلِ عقیدہ'' کے نام سے تین جلدوں میں طبع ہو چکے ہیں۔ وللہ الحمد.

② بہترین کلام وہ ہے، جو مختصر ہو اور زیادہ معانی پر دلالت کرتا ہو۔

③ فتح البیان في مقاصد القرآن (۱/ ۵۳)

سورۃ الفاتحہ

سورۃ الفاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو، جس کی صفت لاریب فیہ ہے، اس سورت سے شروع کیا ہے، جو اس کی عظمِ منزلت اور علوِ مرتبت کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے نماز میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھی، اس کی نماز نہیں ہوتی۔[1] امام ہو یا مقتدی، نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا لازم اور ضروری ہے۔ جو شخص رکوع میں جماعت کے ساتھ شامل ہوتا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ رکوع کو رکعت شمار نہ کرے، بلکہ بعد میں الگ سے رکعت ادا کرے، کیوں کہ اس نے سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھی۔ الغرض رکعت تب ہی شمار ہوتی ہے، جب سورۃ الفاتحہ پڑھی جائے۔

روحِ نماز:

نماز کا مقصود، اس کی روح اور لب لباب یہ ہے کہ بندہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور دل کو نماز میں حاضر کرنے سے غفلت نہ کرے۔ جس نماز میں نمازی کا دل حاضر نہیں ہوتا، وہ نماز ایک بے جان اور بے روح جسم کی مانند ہوتی ہے۔ اسی لیے ہر شخص کی نماز میں اتنی ہی نماز مقبول ٹھہرتی ہے، جتنی نماز میں اس کا دل حاضر ہوتا ہے۔ اس کی دلیل وہ صحیح مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''یہ منافق کی نماز ہے۔ آپ ﷺ نے اس کلمے کو تین بار دوہرا کر فرمایا: وہ بیٹھا سورج کو دیکھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے، تب یہ اٹھ کر چار چونچیں مارتا ہے اور اللہ کا ذکر تھوڑا ہی کرتا ہے۔''[2] (رواہ مسلم)

اس حدیث میں نماز کا وقت ضائع کرنے کو ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا کہ بندۂ منافق بیٹھا سورج کو دیکھتا رہتا ہے اور ارکانِ نماز کے ضائع کرنے کو ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ چونچیں

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٢٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٩٤)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٦٢٢)

مارتا ہے اور حضورِ قلب کے ضائع کرنے کو ان الفاظ سے ظاہر کیا کہ وہ بہت تھوڑا اللہ کا ذکر کرتا ہے۔

جب تم نے یہ بات سمجھ لی تو اب نماز کی ایک نوع کو بھی سمجھ لینا چاہیے اور وہ سورۃ الفاتحہ کی قراءت ہے۔ شاید اس طرح اللہ تعالیٰ تمہاری نماز قبول فرما لے اور یہ قبولیت تمہارے گناہوں کا کفارہ بن جائے۔

سورۃ الفاتحہ کو نماز قرار دیا گیا ہے:

سورۃ الفاتحہ کی اہمیت سمجھنے کے لیے وہ حدیث بہت عمدہ ہے، جو صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

> ''میں نے نماز کو اپنے اور بندوں کے درمیان نصف نصف کیا ہے اور میرے بندے کے لیے ہے جو اس نے مانگا۔ جب وہ کہتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری حمد کی۔ جب وہ کہتا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری ثنا کی۔ جب وہ کہتا ہے: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ جب وہ کہتا ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے مانگا۔ پھر جب وہ کہتا ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے مانگا۔''[1] حدیث کا مضمون مکمل ہوا۔

اس حدیث میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ سورت دو نصف ہے۔ ایک نصف اللہ کے لیے ہے اور ایک نصف بندے کے لیے۔ بندہ یہ دعا اپنے لیے کرتا ہے۔ اس دعا کو سکھانے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا مانگا کریں اور ہر نماز میں یہ ثنا و دعا مکرر سہ کرر کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ ضمانت دی ہے کہ جب

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۳۹۵)

اخلاص اور حضورِ قلب کے ساتھ ہم یہ دعا کریں گے تو وہ ہماری یہ دعا قبول فرمائے گا۔ ان باتوں کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اب ہر شخص یہ جان سکتا ہے کہ اکثر لوگوں نے اس امر کو ضائع کر دیا ہے اور اس نعمت کی قدر و قیمت نہیں سمجھی۔

قَدْ هَيَّأُوكَ لِأَمْرٍ لَوْ فَطِنْتَ لَهُ ۔۔۔ فَارْبَأْ بِنَفْسِكَ أَنْ تَرْعَىٰ مَعَ الْهَمَلِ

[انھوں نے تجھے ایک ایسے کام کے لیے تیار کر دیا ہے، اگر تو اس کی قدر و قیمت کو سمجھتا ہے تو اپنے آپ کو آوارہ اونٹ کے ساتھ چرنے پھرنے جیسے بے کار اور بے وقعت کاموں میں لگانے سے بچا]

نماز میں خشوع وخضوع کیسے پیدا ہوتا ہے؟

اب اس سورت کے بعض معانی لکھے جاتے ہیں۔ شاید تم حضورِ دل سے نماز پڑھنے لگو اور جو الفاظ تمھاری زبان سے نکلتے ہیں، تمھارے دل انھیں معلوم کر لیں، کیوں کہ جو بات زبان سے نکلتی ہے اور دل اس پر حاضر نہیں ہوتا تو وہ عمل صالح نہیں سمجھا جاتا، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَقُوْلُوْنَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ [الفتح: ۱۱]

[وہ اپنی زبانوں سے کہتے ہیں، جو ان کے دلوں میں نہیں]

تعوذ کا مفہوم:

سب سے پہلے استعاذے کے معنی سمجھنا چاہیے، پھر بسملہ کے اور پھر سورۃ الفاتحہ کے۔ ﴿أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ کے معنی یہ ہوئے کہ میں اللہ کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں، اس کی حفاظت میں آتا ہوں اور میں اس دشمن سے بھاگ کر اس کے آستانے پر آتا ہوں کہ کہیں وہ مجھ کو میرے دین اور میری دنیا میں گزند اور نقصان پہنچائے یا مجھے اس کام کے کرنے سے روک دے، جس کا مجھ کو حکم ہوا ہے، یا جس چیز سے مجھے منع کیا گیا ہے، وہ مجھے اس پر آمادہ کرے، کیوں کہ شیطان کو بندے کے بہکانے پر سب سے زیادہ حرص اس وقت ہوتی ہے، جب وہ نماز اور قراءت وغیرہ جیسے کسی عملِ خیر کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے دفع کرنے کا حیلہ اس کے سوا نہیں ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے استعاذہ کرے۔ لہٰذا بندے کو اس کی پناہ میں آنا چاہیے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ [الأعراف: ٢٧]

[بے شک وہ اور اس کا قبیلہ تمھیں وہاں سے دیکھتے ہیں، جہاں سے تم انھیں نہیں دیکھتے، بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کے دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے]

جب بندہ اللہ تعالیٰ سے پناہ کا طالب ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اعتصام کرتا ہے تو یہ استعاذہ حضورِ قلب کا سبب ہوتا ہے۔ اب اس کلمے کے معنی پہچان کر اسے دل سے ادا کرنا چاہیے نہ کہ صرف زبان سے، جس طرح اکثر لوگ فقط زبان سے کہتے ہیں اور اس کے معنی کی طرف توجہ نہیں کرتے، لہٰذا وہ نماز میں شیطان کے وسوسے سے محفوظ بھی نہیں رہ سکتے۔

بسملہ کا مفہوم:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کے معنی ہیں کہ میں قراءت یا دعا وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے داخل ہوتا ہوں نہ کہ اپنے زور وقوت سے، بلکہ میں اس کام کو اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کے نام کی برکت سے کرتا ہوں۔ ہر وہ کام جس کے شروع میں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ پڑھی جاتی ہے، وہاں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کے یہی معنی ہوتے ہیں۔ وہ کام خواہ دین کا ہو یا دنیا کا، جب بندے نے اپنے دل میں اس بات کو حاضر کر لیا کہ میرا قراءت میں داخل ہونا اللہ تعالیٰ کی اعانت اور مدد سے ہے اور میں اپنی قوت و طاقت سے بری ہوں تو یہ حضورِ قلب اور ہر خیر سے موانع کے رد کے لیے ایک بہت بڑا سبب ہے۔

''رحمٰن'' اور ''رحیم'' اللہ تعالیٰ کے دو صفاتی نام ہیں۔ یہ رحمت سے مشتق ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بلیغ اور بڑھ کر ہے، جیسے ''علام'' اور ''علیم'' ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ یہ دونوں رحمت والے نام ہیں اور ہر ایک میں دوسرے سے زیادہ رحمت و رأفت ہے۔[1]

حمد کا مطلب:

سورۃ الفاتحہ کی کل سات آیات ہیں۔ ان میں سے ساڑھے تین آیات اللہ تعالیٰ کے لیے اور ساڑھے تین ہی بندے کے لیے ہیں۔ اس کی پہلی آیت ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ہے۔

حمد کسی اختیاری اور ارادی خوبی پر زبان سے ثنا کرنے کو کہتے ہیں۔ حمد کی اس تعریف سے

[1] تفسیر ابن کثیر (۱/ ۲۱)

زبانِ حال کے ساتھ ثنا خارج ہوگئی، کیوں کہ وہ ایک طرح کا شکر ہی ہوتا ہے۔ اختیاری خوبی سے وہ چیز مراد ہے، جو انسان اپنے ارادے سے کرتا ہے۔ وہ خوبی جو انسان کے اختیار میں نہیں ہے، جیسے حسن و جمال وغیرہ تو اس پر ثنا کرنا مدح کہلاتا ہے، حمد نہیں۔ حمد اور شکر میں فرق یہ ہے کہ حمد امرِ محمود پر محاسن کے ذکر کے ساتھ مدح وثنا کو متضمن ہے خواہ حامد پر احسان ہو یا نہ ہو۔ جبکہ شکر صرف کسی قابلِ قدر نیکی اور شکریے کے مستحق عمل کے نتیجے ہی میں ہوتا ہے، اسی لیے حمد، شکر سے عام ہے، کیوں کہ یہ حمد صرف محاسن و احسان پر ہی نہیں ہوتی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد اسماے حسنیٰ اور دنیا و آخرت کی تخلیق کی بنا پر کی جاتی ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا﴾ [بني إسرائيل: ١١١]

[سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے کوئی اولاد نہ بنائی]

مزید فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ [الأنعام: ١]

[سب تعریف اللہ کے لیے ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا]

اس کے علاوہ بھی ایسی کئی آیات موجود ہیں۔ شکر صرف کسی انعام و احسان کے نتیجے ہی میں ہوا کرتا ہے، بایں وجہ شکر، حمد سے خاص ہے، نیز اس کی ادائی دل، ہاتھ اور زبان سے ہوتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا﴾ [سبأ: ١٣]

[اے داود کے گھر والو! شکر ادا کرنے کے لیے عمل کرو]

ایک شاعر نے بھی کہا ہے:

أَفَادَتْكُمُ النَّعْمَاءَ مِنِّيْ ثَلَاثَةٌ يَدِيْ وَ لِسَانِيْ وَالضَّمِيْرُ الْمُحَجَّبَا

[میری طرف سے تم کو میرے تین اعضا، میرے ہاتھ، زبان اور پوشیدہ دل نے (تمھاری نعمتوں کے بدلے میں) آسودگی اور آرام پہنچایا ہے]

حمد صرف دل اور زبان سے ہوتی ہے، اس لیے شکر اپنی انواع کے اعتبار سے زیادہ عام ہے اور حمد اپنے اسباب کے اعتبار سے زیادہ عام ہے۔

"الحمد" کا الف لام استغراقی ہے:

"الحمد" کا الف لام استغراق کے لیے ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حمد کی تمام انواع و اقسام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں، غیر اللہ کے لیے نہیں۔ پھر جس چیز کی تخلیق میں مخلوق کی کاری گری اور اختیار نہیں ہے، جیسے انسان یا زمین و آسمان یا آنکھ اور کان کا پیدا کرنا یا رزق رسانی وغیرہ ہیں تو اس میں حمد کا خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا ظاہر ہے، لیکن جو چیز ایسی ہے کہ اس پر مخلوق کی حمد کی جاتی ہے، جیسے صالحین، انبیا یا فاعلِ خیر کی ثنا کرنا، خصوصاً جس نے تمھارے ساتھ احسان کیا ہے تو یہ سب حمد و ثنا بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، کیوں کہ اسی نے اس فاعل اور اس کے فعل کو پیدا کیا، پھر اس نیکی کو اس کی طرف محبوب کر دیا اور اسے قوت دی کہ وہ یہ کام کرے۔ اللہ تعالیٰ کے دیگر انعامات کا بھی یہی حال ہے کہ اگر ان میں سے کسی میں ذرا سا بھی خلل آ جائے تو پھر اس کی حمد نہ کی جائے، چنانچہ اس اعتبار سے ساری حمد اللہ ہی کے لیے ٹھہری، کیوں کہ اس کے احسانات میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا۔

حمد را با تو نسبتی ست درست ۔۔۔۔ بر در ہر کہ رفت بر در تست

[حمد کی نسبت تیرے ہی لائق ہے، کیوں کہ جس دروازے پر بھی کوئی گیا ہے، گویا وہ تیرے ہی دروازے پر ہے]

لفظِ "اللّٰہ" کی تحقیق:

لفظِ "اللّٰہ" علَم ہے اور یہ ہمارے رب تبارک و تعالیٰ کا خاص نام ہے۔ اس کے معنی معبود ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ﴾ [الأنعام: ٤]

یعنی آسمانوں اور زمین کا معبود وہی ایک اللہ ہے۔

آسمان و زمین میں جو کوئی ہے، وہ اس دن رحمٰن کے پاس اطاعت گزار بندہ ہو کر آئے گا۔[1]

سب اس کے بندے ہیں اور وہ سب کا معبود برحق ہے۔ لفظِ "اللّٰہ" میں توحیدِ الوہیت کا ثبوت ہے، جس کی آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین علیہ السلام تک سارے پیغمبروں نے دعوت دی ہے اور اسی کے لیے ساری کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ ساری دنیا کے مشرک اسی توحید میں شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔

[1] سورۃ مریم [آیت: ۹۳]

جب تک کوئی یہ اعتقاد نہ رکھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تب تک اس کی توحید درست نہیں ہوتی۔ جو شخص اس عقیدے کے برخلاف چلتا ہے، وہی مشرک فی العبادۃ شمار ہوتا ہے۔

لفظِ "رب" کی تفسیر:

رب کا یہ معنی ہے کہ وہ اللہ ہر چیز کا مالک اور متصرف ہے۔ تمام مشرکین بھی اس توحید کے قائل تھے، یعنی وہ اللہ کو خالق، رازق، مدبرِ عالم اعتقاد کرتے تھے۔ اب جو کوئی کسی غیر اللہ کا تصرف زمین یا آسمان میں بتائے تو وہ مشرک فی التصرف ہوگا، جس طرح جاہل مسلمان اولیا اور قبروں کے حق میں یہ فاسد اعتقاد رکھتے ہیں۔

"عالَمین" کا معنی ومفہوم:

عالَمین، عالَم کی جمع ہے۔ اللہ کے علاوہ ہر چیز کو "عالَم" کہتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کے سوا جو بھی ہے۔ وہ فرشتہ ہو یا نبی، انسان ہو یا جن وغیرہ سب مربوب، مقہور، متصرف فیہ، فقیر، محتاج اور اس بے نیاز کے نیاز مند ہیں، جس کی شان وحدہ لاشریک لہٗ ہے۔ وہ غنی وصمد ہے اور کسی کا محتاج نہیں، بلکہ اپنے وجود و بقا میں سب اس کے محتاج ہیں۔ یہ کہنا کہ عالمین سے مراد چودہ ہزار عالم ہیں، تو یہ حصر درست نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے عوالم کا حال اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾ [المدثر: ۳۱]

[اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا]

عالَمین کے صیغہ جمع سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا جو کوئی بھی مخلوق ہے، اس کا رب یعنی پالنے والا، رزق دینے والا، تدبیر کرنے والا، پیدا کرنے والا، مارنے والا اور بلا ٹالنے والا اللہ ہے، خواہ ہمیں اس مخلوق کا علم ہو یا نہ ہو، وہ حاضر ومحسوس ہو یا غائب ومخفی، اس ذات کے سوا کوئی مستحقِ عبادت ہے نہ تصرف کے لائق ہے۔

﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کی تفسیر:

اللہ تعالیٰ نے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کے بعد ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کہا ہے، کیوں کہ ربوبیت رحمت کا ایک شعبہ ہے۔ یہی رحمت اس امر کی مستحق ہے کہ وہ اللہ اپنے بندوں کو

پالے، ان کی پرورش کرے، ان کو روزی دے، ان کی مرادیں پوری کرے، ان کی حاجتیں بر لائے، ان کی بلائیں ٹالے اور ان کی حیات، موت اور دوبارہ جی اٹھنے کا بندوبست کرے۔ سو یہ اللہ ہی کی شان ہے نہ کہ کسی مخلوق کی، خواہ وہ مقبولِ بارگاہ خداوندی ہو، جیسے انبیا و مرسلین، اولیا، شہدا اور صالحین، یا وہ کوئی مردودِ درگاہ ہو، جیسے شیاطین، اَوثان، اَصنام، بھوت، پری، اَشجار، اَحجار، قبور، فساق اور فجار وغیرہ۔

﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کی تفسیر:

لفظ ﴿مٰلِكِ﴾ کی ایک قراءت "مَلِكِ" بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت، سورۃ الفاتحہ کے آغاز میں اپنی الوہیت، ربوبیت اور ملک کا ذکر فرمایا، جس طرح اس کی آخری دو سورتوں، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس میں انھیں ہر سہ اوصاف کو بیان کیا ہے۔ حاصل یہ کہ ان اوصاف کا اکٹھا ذکر اوّل قرآن میں آیا ہے، پھر آخر قرآن میں بھی۔ اب جو بندہ اپنا خیرخواہ ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس جگہ خصوصی توجہ صرف کرے اور اس جگہ بحث کرنے میں خوب جد و جہد کرے اور یہ جان لے کہ علیم و خبیر اللہ نے قرآن مجید کے اوّل و آخر میں ان اوصاف کو اسی لیے جمع کیا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کے بندوں کو ان صفات مذکورہ کی معرفت حاصل کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ ان صفات میں سے ہر صفت ایک جداگانہ معنی رکھتی ہے۔ ایک معنی ایک صفت میں ہے اور دوسری صفت میں دوسرے معانی ہیں، جیسے یہ الفاظ "محمد رسول اللہ"، "خاتم النبیین" اور "سید ولد آدم" کہ ان میں سے ہر وصف کے معنی دیگر اوصاف سے مختلف ہیں۔

جب یہ بات معلوم ہوئی کہ لفظِ "اللہ" الٰہ کے معنی میں ہے اور الٰہ معبود کے معنی میں ہے، پھر جس نے اللہ تعالیٰ کو پکارا، اس کے نام پر جانور ذبح کیا اور اس کی نذر مانی تو اس نے گویا اللہ کو پہچان لیا اور سمجھ لیا کہ یہ کام اسی کے لیے سزاوار ہیں۔ اگر اس شخص نے کسی دوسری طیب یا خبیث مخلوق کو پکارا، اس کے لیے جانور ذبح کیا، گو ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہو، یا اس کی منت مانی ہو، گویا اس نے مخلوق کو اپنا اللہ یعنی معبود مان لیا اور اس شخص کی مثال بنی اسرائیل جیسی ٹھہری کہ انھوں نے گوسالہ (بچھڑے) کو پوجا۔ ہر عابد کا گوسالہ وہی ہے جو اللہ کے سوا اس کا معبود ٹھہرا ہے، وہ شجر ہو یا حجر، فرشتہ ہو یا ستارہ، جن ہو یا بشر، قبر ہو یا کسی کی چلہ گاہ، وہ کوئی مکان ہو یا کوئی اور نشان و

تھاں۔مگر بنی اسرائیل پر جب یہ بات ظاہر ہوئی کہ ہم نے غیر اللہ کو پوجا تو وہ ڈر گئے۔قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں آیا ہے:

﴿وَ لَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ يَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [الأعراف: ١٤٩]

[اور جب وہ پشیمان ہوئے اور انھوں نے دیکھا کہ بے شک وہ تو گمراہ ہوگئے ہیں، تو انھوں نے کہا یقیناً اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم ضرور ہی خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے]

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک میں جہل عذر نہیں ہوتا ہے۔ہاں توبہ سے شرک مٹ جاتا ہے، بشرطیکہ سچے دل سے کی ہو، ورنہ یہ بھی نفاق ہوتا ہے کہ ظاہر میں تو تائب ہو اور باطن میں بدستور فاسق ہی رہے، جس طرح آج کے اس دور میں اکثر لوگوں کا یہی حال ہے۔

دل میں ہو یادِ صنم ہاتھ میں قرآن ہووے

رب کا معنی:

رب کے معنی مالک و متصرف کے ہیں۔لہٰذا اللہ تعالیٰ ہر شے کا مالک ہے اور ہر چیز میں اسی کا تصرف چلتا ہے اور یہی حق ہے۔وہ بت پرست جن سے رسول اللہ ﷺ نے جہاد و قتال کیا تھا، جیسے قرآن مجید میں جابجا اس قتال کا ذکر آیا ہے، وہ بھی اس کے قائل تھے کہ ہر شے کا مالک اور ہر چیز میں متصرف رب تعالیٰ ہے۔ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ [یونس: ٣١]

[کہہ دے کون ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کون ہے جو ہر کام کی تدبیر کرتا ہے؟ تو ضرور کہیں گے ''اللہ'' تو کہہ پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟]

جو شخص کسی مصیبت کو ٹالنے اور کسی پھنسے کام کو نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکارے، پھر کسی مخلوق کو بھی اسی کام کے لیے پکارے، خصوصاً جب وہ مذکورہ مخلوق کی عبودیت کی طرف اپنے نفس کو منسوب کرے، مثلاً یوں کہے: فلان عبدك، یا عبد علي، یا عبد النبي، یا عبد الحسین، یا عبد الرسول، یا عبد الزبیر وغیرہ کا نام رکھے تو اس نے گویا اس مخلوق کی ربوبیت کا اقرار کیا اور اس کو پکارنے میں اپنی جان کو اس کا عبد اور بندہ ٹھہرایا اور اپنی عبودیت کا اس کے لیے اعتراف کیا، اس میں اس کی غرض یہ ہے کہ وہ کوئی خیر لائے اور شر کو دور کرے۔ لہٰذا جب اس نے اپنا نام عبد رکھا تو اس پکارے جانے والی مخلوق کو رب سمجھا، اگرچہ زبان سے اس بات کا اقرار نہ کیا کہ وہ رب العالمین ہے، بلکہ اس کی ربوبیت کے بعض حصے کا انکار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے، جو اپنی جان کا خیر خواہ ہے اور (عقائد کی اصلاح جیسے) اہم امور کی سوجھ بوجھ حاصل کرتا ہے اور اہلِ علم کے کلام سے اس بات کا متلاشی ہے کہ انھوں نے اس سورت کی تفسیر یوں ہی کی ہے یا نہیں، کیوں کہ علما ہی صراط مستقیم پر گامزن ہیں۔

﴿يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کی تفسیر:

جمہور مفسرین کے نزدیک ﴿يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کی تفسیر وہی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں فرمائی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ﴾ [الانفطار: ۱۷، ۱۸، ۱۹]

[اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ جزا کا دن کیا ہے؟ پھر تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ جزا کا دن کیا ہے؟ جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے کسی چیز کا اختیار نہ رکھے گی اور اس دن حکم صرف اللہ کا ہوگا]

جس شخص نے اس آیت کی تفسیر معلوم کر لی، اس نے اللہ تعالیٰ کے اس دن مَلِک [بادشاہ] ہونے کی وجہ تخصیص معلوم کر لی، جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ [المؤمن: ۱۶]

[آج کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ ہی کی جو ایک ہے، بہت دبدبے والا ہے]

حالاں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا مالک ہے، کیا قیامت کا یہ دن اور کیا اس کا غیر......!!
یہ وہ ایسا گراں قدر مسئلہ ہے کہ اس کی معرفت سے جنت کا داخلہ نصیب ہوتا ہے اور اس کے جہل سے دوزخ میں جانا پڑتا ہے۔

بعض اہلِ علم نے کہا ہے:

"فَيَا لَهَا مِنْ مَسْئَلَةٍ لَوْ رَحَلَ الرَّجُلُ فِيهَا أَكْثَرَ مِنْ عِشْرِينَ سَنَةً لَمْ يُوفِهَا حَقَّهَا"[1]

"یعنی اگر کوئی شخص اس مسئلے کو معلوم کرنے کے لیے بیس برس تک سفر کرے تو بھی اس مسئلے کا پورا حق ادا نہ ہو۔"

اب کہاں ہے یہ معنی اور کہاں ہے قرآن کے صراحت کردہ اس مسئلے پر ایمان لانا؟!

اس کے ساتھ ہی ملاحظہ کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

«يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ! لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»[2]

[اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا! میں اللہ کے ہاں تیرے کچھ کام نہیں آ سکتا]

اب ان اقوال کے ساتھ قصیدہ بردہ کے مولف کا یہ قول بھی دیکھیں:

وَ لَنْ يَّضِيقَ رَسُولَ اللّٰهِ! جَاهُكَ بِي ... إِذَا الْكَرِيمُ تَحَلّٰى بِاسْمِ مُنْتَقِمٍ[3]

فَإِنَّ لِي ذِمَّةً مِّنْهُ بِتَسْمِيَتِي ... مُحَمَّدًا وَهُوَ أَوْفَى الْخَلْقِ بِالذِّمَمِ

إِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي مَعَادِي آخِذاً بِيَدِي ... فَضْلاً وَ إِلَّا فَقُلْ يَازَلَّةَ الْقَدَمِ[4]

[اے اللہ کے رسول! میری (شفاعت) کے باعث آپ کے بلند مرتبے میں کمی واقع نہیں ہو گی۔ جب رب کریم انتقام لینے والے کے نام کے ساتھ جلوہ گر ہو گا۔ کیوں کہ میرا نام بھی محمد رکھا گیا ہے، اس لیے آپ ﷺ کی بارگاہ میں میرے لیے ایک عہد ہے

[1] یہ امام محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں۔ دیکھیں: مجموع مؤلفات الإمام محمد بن عبد الوهاب (١٣/٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦٠٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٠٦)

[3] قصيدة البردة (١٥٤)

[4] قصيدة البردة (١٤٧۔١٤٨)

اور آپ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ وعدہ پورا فرمانے والے ہیں۔ اگر آپ ﷺ روزِ قیامت فضل کرتے ہوئے میرا ہاتھ نہ تھامیں تو اے مخاطب! کہہ ہائے افسوس! قدم کی لغزش!]

جو شخص اپنا خیر خواہ ہے، وہ ان اشعار پر ذرا غور کرے کہ ان کے کیا معنی ہوئے، جس پر بندوں کا ایک گروہ پھنسا ہوا اور پاگل ہو رہا ہے، پھر وہ عالم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی تلاوت کو قرآن عظیم کی تلاوت پر ترجیح دیتا ہے۔ کیا کسی شخص کے دل میں مذکورہ اشعار کی تصدیق اور مندرجہ ذیل فرمانِ باری تعالیٰ اور حدیث نبوی کی تصدیق جمع ہو سکتی ہے؟ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ﴾ [الانفطار: ۱۹]

[جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے کسی چیز کا اختیار نہ رکھے گی اور اس دن حکم صرف اللہ کا ہوگا]

نیز حدیث نبوی ہے:

«يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ! أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»[1]

[اے فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا لینا، یقیناً میں اللہ کے ہاں تجھ سے کچھ کفایت نہیں کر سکوں گا]

نہیں اللہ کی قسم! یہ دو چیزیں ہرگز اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ کیا کسی شخص کا دل اس بات کی گواہی دے سکتا ہے کہ موسیٰ و فرعون دونوں سچے تھے یا محمد ﷺ اور ابوجہل دونوں حق پر تھے......؟!

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

"لَا وَاللّٰهِ! مَا اسْتَوَيَا وَلَنْ يَّتَلَاقَيَا حَتّٰى تَشِيبَ مَفَارِقُ الْغِرْبَانِ"

[اللہ کی قسم! وہ دونوں برابر ہیں اور نہ کبھی باہم ہی مل سکتے ہیں حتیٰ کہ کوؤں کے سر کے بال سفید ہو جائیں]

چنانچہ جس شخص نے اس مسئلے کو پہچان لیا ہے اور قصیدہ بردہ اور اس کے مبتلا لوگوں کو بھی جان لیا ہے، وہ اس بات کو بھی سمجھتا ہے کہ اسلام اس مقولے کے مصداق ''مسلمانی در کتاب اور مسلمانان

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۰٤)

درگور" غریب [اجنبی] ہوگیا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ہمارے ساتھ ان کی یہ عداوت اور ان کا ہمارے خون، اموال اور عزتوں کو حلال کر لینا تکفیر و قتال کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس تکفیر و قتال کا آغاز خود ان کی طرف سے ہے، وہ ہم سے ان آیات پر لڑتے ہیں:

① ﴿فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ [الجن: ۱۸]

[پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو]

② ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ﴾

[بني إسرائيل: ٥٧]

[وہ لوگ جنھیں یہ پکارتے ہیں وہ (خود) اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں، جو ان میں سے زیادہ قریب ہیں]

③ ﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ [الرعد: ١٤]

[برحق پکارنا صرف اسی کے لیے ہے اور جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں، وہ ان کی دعا کچھ بھی قبول نہیں کرتے، مگر اس شخص کی طرح جو اپنی دونوں ہتھیلیاں پانی کی طرف پھیلانے والا ہے، تاکہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے، حالانکہ وہ اس تک ہرگز پہنچنے والا نہیں اور نہیں ہے کافروں کا پکارنا مگر سراسر بے سود]

یہ تھے بعض وہ معانی جو تمام مفسرین کے اجماع سے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کی تفسیر میں منقول ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورت "إذا السّماء انفطرت" میں خود اس کی یہی تفسیر فرمائی ہے، جس طرح اوپر گزر چکا ہے۔

"وَ لَا عِطْرَ بَعْدَ عَرُوْسٍ وَ لَيْسَ وَرَاءَ عَبَّادَانِ قَرْيَةٌ"

[عروس (نام) کے بعد عطر نہیں ہے اور عبادان سے اوپر کوئی بستی نہیں ہے]

دستور یہی ہے کہ یقیناً حق تو باطل کے (بیان کے) ساتھ ہی واضح ہوتا ہے اور اشیا اپنی ضد سے واضح ہوتی اور پہچانی جاتی ہیں۔

یہاں ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے، تمھیں چاہیے کہ تم دم بہ دم، روز بہ روز، ماہ بہ ماہ اور سال بہ سال اس میں تامل اور غور وفکر کرو، تم شاید ملت ابراہیم خلیل اور دینِ محمد جلیل علیہما السلام کے اجمالاً وتفصیلاً شناسا بن جاؤ اور تمہارا حشر ان کے ہمراہ ہو اور قیامت کے دن تم حوض سے روکے نہ جاؤ، جس طرح ان کے طریق کے تارک اور مانع کو اس سے روکا جائے گا۔ اگر تم صراطِ مستقیم سے گزر کر قیامت کے دن آؤ تو شاید تمھارے پاؤں میں لغزش نہ آئے، جس طرح ان لوگوں کے پاؤں ڈگمگا جائیں گے، جو اس دنیا میں راہِ راست، ملتِ ابراہیم علیہ السلام اور دینِ قویم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متزلزل ہو گئے ہیں۔

کسانیکہ زین راہ برگشتہ اند برفتند بسیار سرگشتہ اند

[جو لوگ اس راہ سے ہٹے ہوئے ہیں، وہ بہت سا سفر طے کرنے کے باوجود سرگرداں وحیراں ہیں]

خلاف پیغمبر کسی رہ گزید کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

[جو شخص پیغمبر کی راہ چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے گا وہ کبھی منزل مقصود (رحمتِ الٰہی کے سائے میں جنت کا حصول) تک نہیں پہنچ سکے گا]

مپندار سعدی کہ راہِ صفا تواں رفت جز درپے مصطفیٰ

[اے سعدی! تو یہ خیال نہ کر کہ تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں چلے بغیر صراطِ مستقیم اور راہِ راست پر گامزن ہو سکتا ہے]

اب یہ چاہیے کہ بندہ حضورِ دل، خوف، تضرع اور تذلل کے ساتھ جنابِ اعلا واقدسِ خداوندی میں دعاے فاتحہ کیا کرے اور ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ کہے۔

﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کی تفسیر:

عبادت کمال خشوع، خاکساری اور نہایت درجے کی محبت، خوف اور ذلت کو کہتے ہیں۔

﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں "اِیَّاكَ" مفعول کو مقدم کیا گیا ہے اور حصر واہتمام کی غرض سے اسے مکرر ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب تیرے سوا کسی کو نہیں پوجتے اور صرف تجھ ہی پر بھروسا کرتے ہیں۔ یہی کمال طاعت ہے اور تمام دین کا مرجع و مآل انھیں دو معنوں کی طرف ہے۔ پہلا جملہ شرک کی جملہ اقسام سے براءت ہے اور دوسرا جملہ اپنی طاقت وقوت سے بیزاری ہے۔

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کے معنی یہ ہوئے: "إِيَّاكَ نُوَحِّدُ" یعنی ہم اپنے رب کے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں، فرشتہ ہو یا پیغمبر، پیر ہو یا شہید، جن ہو یا انس اور شیطان ہو یا کوئی نشان، ہم اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا ہے:

﴿وَ لَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَ النَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران: ۸۰]

[اور نہ یہ (حق ہے) کہ تمھیں حکم دے کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو، کیا وہ تمھیں کفر کا حکم دے گا، اس کے بعد کہ تم مسلم ہو؟]

اب اس آیت میں غور و فکر کر کے حقِ ربوبیت کو پہچاننا چاہیے، جس حق کو نام کے مومن اور جھوٹے مسلمان ہر کسی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیا و رسل کے ساتھ یہ کام کرتے تو اسلام کے بعد کافر ہو جاتے، تو اب جو شخص سالار مدار اور قطب صاحب وغیرہ کے ساتھ یہ کام کرے، بھلا وہ کیوں کر کافر نہ ہوگا، بلکہ وہ تو کافر سے بھی بدتر ہوگا، کیوں کہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں نے اصنام و اوثان کے ساتھ جو کام نہیں کیے تھے، وہ کام آج نام کے مسلمان اور جھوٹے کلمہ گو اولیا اور ان کی قبروں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان گور پرستوں اور پیر پرستوں نے زمانہ جاہلیت کے ان جاہلوں کے بھی کان کتر دیے۔

پدرم جنت جاوید بہ گندم بفروخت ناخلف باشم اگر من بجوے نفروشم

[میرے باپ نے گندم کے عوض جنت جاوید بیچ ڈالی، میں ناخلف اور نالائق ہوں گا، اگر میں اس کو جو کے بدلے فروخت نہ کروں]

﴿إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کی تفسیر:

لفظِ ﴿إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ میں دو امر ہیں، ایک اللہ کی طرف اعانت کا سوال اور یہ اس پر توکل اور بھروسا ہے اور دوسرا اپنی طاقت وقوت سے بے زاری۔ اللہ کی طرف سے اعانت طلب کرنا، جیسے اوپر گزر چکا ہے، یہ بندے کے اپنے نصف حصے سے ہے۔

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کی تفسیر:

یہ ایک صریح دعا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کا حصہ ہے، گویا بندہ کمال عاجزی اور الحاح کے ساتھ یہ سوال کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے یہ مطلب عظیم عطا فرما، کیوں کہ دنیا اور آخرت میں کسی کو اس سے بڑھ کر افضل کوئی انعام نہیں دیا گیا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر فتح مکہ کے بعد یہ منت و احسان رکھا ہے اور فرمایا ہے:

﴿وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ [الفتح: ٢] [اور تجھے سیدھے راستے پر چلائے]

اس آیت میں ہدایت سے مراد ارشاد و توفیق ہے۔ اب ذرا بندہ اس مسئلے کی طرف اپنی ضرورت پر غور و تامل کرے، کیوں کہ یہ ہدایت علمِ نافع اور عملِ صالح کو استقامت، کمال اور ثبات کے ساتھ متضمن ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملے۔

﴿صِرَاطَ﴾ ایسے کھلے اور سیدھے راستے کو کہتے ہیں، جس میں کوئی کجی اور ٹیڑھ نہ ہو۔ اس راہ سے مراد وہ دین ہے جو رسولِ خدا ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ یہ دین کتاب و سنت کے اتباع سے عبارت ہے، چنانچہ جو امر اس اتباع کے خلاف ہے، وہ کج ہے، راست نہیں۔ اگر یہ کجی عقیدے میں ہے تو شرک ہے اور اگر عمل میں ہے تو بدعت ہے۔ یہ سیدھا راستہ ایک ہی ہے اور باقی جتنے راستے اس کے سوا ہیں، وہ سب ٹیڑھے اور صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔ لہٰذا حدیث میں آیا ہے:

"شرک کے ستر (۷۰) دروازے ہیں اور بدعت کے بہتر (۷۲)"[1]

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا: یہ اللہ کی راہ ہے، پھر اس پہلے خط کے دائیں بائیں اور خط کھینچے اور فرمایا: یہ مختلف راہیں ہیں، ان میں سے ہر راہ پر ایک شیطان ہے، جو انسان کو اس کی طرف بلاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [الأنعام: ١٥٣] (اور یہ کہ بے شک یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اس کے راستے سے جدا

[1] مسند البزار (٥/٣١٨)

کر دیں گے۔ یہ ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے تمھیں دیا ہے، تاکہ تم بچ جاؤ)‘‘[1]

(رواہ أحمد والنسائي والدارمي)

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں کتاب و سنت کے اتباع کو صراطِ مستقیم اور اس کے سوا دیگر راستوں کو شرک و بدعت فرمایا ہے اور ان کی پیروی سے منع کیا ہے۔ نہی میں اصل تحریم ہے، جس طرح امر میں اصل وجوب ہے۔ اب جو شخص رسول اللہ ﷺ کی نہی پر چلے اور آپ ﷺ کے امر کو ترک کر دے تو وہ شخص صریح گمراہ اور صراطِ مستقیم سے منحرف ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے بہتر (۷۲) فرقوں کو جو مذکورہ راستوں میں داخل ہیں، جہنمی کہا ہے اور صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کو ناجی ٹھہرایا اور فرمایا ہے کہ ناجی فرقہ وہ ہے، جو میرے اور میرے اصحاب کی راہ پر گامزن ہے۔[2]

اس راہ سے مراد وہی صراطِ مستقیم ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں وصیت فرمائی ہے اور سورۃ الفاتحہ میں ہمیں اس کا سوال کرنے کا طریقہ سکھایا ہے۔

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کی تفسیر:

اس آیت میں انعام یافتہ سے یا تو پہلے انبیا اور ان کے اصحاب مراد ہیں، جو خالص توحید پر گامزن تھے اور توحیدِ الوہیت و ربوبیت کے قائل و فاعل تھے، یا اس سے مراد ہمارے رسول ﷺ اور ان کے اصحابِ عالی جناب ہیں، جو ہمیشہ قرآن و حدیث کے تابع و متبع رہے اور اسی سیدھی راہ سے دائیں بائیں نہیں ہوئے۔ لہٰذا بندہ نماز کی ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ یہ سوال کرتا ہے کہ مجھے ان کی راہ دکھا۔ نیز بندے پر یہ فرض ہے کہ وہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرے کہ اس نے ہمیں جس راہ کا سوال کرنے کی ہدایت کی ہے، وہی سیدھی راہ ہے اور جو طریق و علم یا عبادت اس راہ کے برخلاف ہے، وہ مستقیم نہیں، بلکہ ٹیڑھی ہے۔ صراطِ مستقیم والے خط سے ہٹ کر دائیں بائیں جو خط ہیں، ان میں سے ہر ایک پر شیطان ہے، جو اسے اس ٹیڑھی راہ کی طرف بلاتا ہے۔ یہ اس آیت کا پہلا لازمی سبق ہے۔ بندے کو دل سے یہ اعتقاد رکھنا چاہیے اور اسے چاہیے کہ وہ شیطان کے فریب

[1] مسند أحمد (۱/۴۳۵) سنن النسائي الكبرىٰ (۶/۳۴۳) سنن الدارمي (۱/۷۸) صحيح الترغيب والترهيب (۳/۱۶۶)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۶۴۱)

سے بچے، تفصیل کو ترک کرتے ہوئے اس پر مجملاً اعتقاد کرے، کیوں کہ اکثر اہلِ ارتداد یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ حق پر ہیں اور آپ ﷺ کا مخالف باطل پر ہے، پھر جب ان کے سامنے ایسی چیز آتی ہے جس کو ان کا جی نہیں چاہتا تو وہ اس آیت کا مصداق بن جاتے ہیں:

﴿فَرِیْقًا کَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ﴾ [المائدۃ: ۷۰]

[ایک گروہ کو جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے]

ان کا یہ اعتقاد اہلِ شرک کے اعتقاد کی مانند ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو رب و خالق اور رازق و متصرف جانتے ہیں، لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، کیوں کہ یہی شرک ہے تو وہ اسے قبول نہیں کرتے۔

اسی طرح اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث پر ہمارا ایمان ہے، لیکن جب امتحان کا وقت آتا ہے تو قرآن و حدیث کو چھوڑ کر تیری میری بات کو سند پکڑتے ہیں، اسی کا نام تقلید اور خواہش پرستی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اہلِ شرک و کفر سے تقلید کو بیان کیا ہے اور ہوی و خواہش کو صاحبِ ہوی کا معبود ٹھہرایا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوٰهُ﴾ [الجاثیۃ: ۲۳]

[پھر کیا تو نے اس شخص کو دیکھا، جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا لیا]

جس شخص کا معبود اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہے، وہی مشرک اور راہِ راست سے منحرف ہے۔

فَالْکُفْرُ لَیْسَ سِوَی الْعِنَادِ وَ رَدِّ مَا جَاءَ الرَّسُوْلُ بِهٖ لِقَوْلِ فُلَانِ

فَانْظُرْ لَعَلَّكَ ھٰکَذَا دُوْنَ الَّتِيْ قَدْ قَالَھَا فَتَبُوْءَ بِالْخُسْرَانِ

[کفر تو صرف قولِ فلاں کے لیے اس دین کو رد کرنے اور اس دین سے عناد رکھنے کا نام ہے، جو رسول اللہ ﷺ لائے ہیں، لہٰذا تم غور کرو، کہیں تم اس امر کے خلاف تو نہیں جو رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا ہے، کہیں تم نامراد اور خسارے میں مبتلا نہ ہو جانا]

﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ﴾ کے مفاہیم:

اس آیت میں ان لوگوں سے مراد، جن پر اللہ کا غیظ و غضب ہوا، وہ علما ہیں جنھوں نے اپنے

علم پر عمل نہ کیا اور ان لوگوں سے مراد، جو گمراہ ہو گئے، وہ لوگ ہیں جو بغیر علم کے عمل کرتے ہیں۔ پہلی صفت یہود کی ہے اور دوسری نصاریٰ کی۔ لہٰذا سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"مَنْ فَسَدَ مِنْ عُلَمَائِنَا فَفِيهِ شَبَهٌ مِّنَ الْيَهُودِ، وَ مَنْ فَسَدَ مِنْ عُبَّادِنَا فَفِيهِ شَبَهٌ مِنَ النَّصَارىٰ"

[ہمارے علما کے بگاڑ میں یہودیوں کی مشابہت ہے اور ہمارے عبادت گزاروں کا بگاڑ نصاریٰ کے بگاڑ کی طرح ہے]

بہت سے لوگ جب تفاسیر میں دیکھتے ہیں کہ یہود "مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ" اور نصاریٰ "الضَّآلِّيْن" ہیں تو جاہل آدمی یہ گمان کرتا ہے کہ یہ آیت انھیں کے ساتھ خاص ہے، حالاں کہ رب تعالیٰ نے اس پر یہ بات فرض کی ہے کہ وہ یہ دعا کرے اور ان صفات کے حاملین لوگوں کے طریق سے پناہ مانگے، سو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو یہ دعا سکھائے اور اس پر یہ سوال کرنا فرض کرے، لیکن اس سے مراد ان کے افعال سے پرہیز کرنا نہ ہو، یہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل بدگمانی ہے۔ اس دعا اور سوال کی تعلیم سے اللہ تعالیٰ کا مطلب یہی ہے کہ مومن ان دونوں غضب شدہ اور گمراہ فرقوں کے اعتقاد، اعمال، اقوال، حرکات و سکنات اور احوال سے پرہیز کرے اور ان کی مشابہت سے ہزار کوس دور بھاگے، کیوں کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ [المائدة: ٥١]

[اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو پھر اس کا شمار بھی انھی میں ہے]

نیز حدیث نبوی میں آیا ہے:

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»[1]

[جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انھیں میں سے ہوا]

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے:

اب ذرا دیکھو کہ یہود و نصاریٰ کے طریقے سے بچنا تو کجا، جو شخص ان کو یہ بات کہتا ہے کہ تم سورۃ الفاتحہ کے مضمون کے مطابق عمل کرو، یعنی موحد بن جاؤ، کتاب و سنت کے اتباع میں صراطِ مستقیم

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٠٣١) صحيح الترغيب والترهيب (٢/٢٣٢)

پر چلو، دینِ اسلام کے مخالفین کے طریقے کو چھوڑ دو، رجال کی تقلید سے دور بھاگو، قرآن و حدیث کی نصوص کو تھام لو، بدعتی امور سے بچو اور شرک و بدعت کی انواع و اقسام سے دور رہو تو یہ خود اس بے چارے داعی الی اللہ اور مرشد وہادی کو گمراہ سمجھتے ہیں اور اسے مبتدع جانتے ہیں، بلکہ اس پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں......!!

يَا فِرْقَةً جَهِلَتْ نُصُوصَ نَبِيِّهَا وَ قُصُودَهُ وَ حَقَائِقَ الْإِيْمَانِ

[اے اس فرقے کے لوگو! جو اپنے نبی کی نصوص، اس کے مغز اور ایمان کے حقائق سے ناواقف ہو]

فَسَطَوْا عَلٰى أَتْبَاعِهِ وَ جُنُوْدِهِ بِالْبَغْيِ وَالتَّكْفِيرِ وَالطُّغْيَانِ

[پس انھوں نے سرکشی کرتے ہوئے، کفر کے فتوے لگاتے ہوئے اور حد سے تجاوز کرتے ہوئے اس کے متبعین اور لشکروں پر حملہ کر دیا]

لِلّٰهِ حَقٌّ لَا يَكُوْنُ لِغَيْرِهِ وَ لِعَبْدِهِ حَقٌّ هُمَا حَقَّانِ

[ایک حق اللہ کا ہے وہ اس کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے اور ایک حق اس کے بندے کا ہے، اس طرح یہ دو الگ الگ حقوق ہیں]

لَا تَجْعَلِ الْحَقَّيْنِ حَقًّا وَّاحِدًا مِنْ غَيْرِ تَمْيِيْزٍ وَ لَا فُرْقَانٍ[1]

[لہٰذا تو ان دو حقوق کو ملا کر بغیر تمیز و فرق کے ایک حق نہ بنا]

آمین کے متعلق ایک ضروری وضاحت:

لفظِ ''آمین'' سورۃ الفاتحہ میں داخل نہیں ہے۔ یہ تو صرف دعا کے لفظ و معنی پر تامین [آمین کہنا] ہے، یعنی اے اللہ! تو ہماری اس ثنا و دعا کو قبول فرما۔ چنانچہ جاہل آدمی کے سامنے اس کی وضاحت ضروری ہے، تاکہ وہ اس لفظ کو کلامِ الٰہی نہ سمجھ لے۔

سورۃ الفاتحہ سے اخذ شدہ مسائل:

حاصل یہ کہ سورۃ الفاتحہ میں کئی طرح کے مسائل موجود ہیں، جو درج ذیل ہیں:

1 ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ میں توحیدِ خالص کا بیان ہے۔

[1] القصيدة النونيه لابن القيم (ص: ٢٤٩، ٢٥٣)

2 ﴿اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ میں حق کی پیروی کا بیان ہے۔

3 اس سورت میں ارکانِ دین، محبت، رجا اور خوف کا بیان ہے، چنانچہ پہلی آیت ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ میں محبت کا ذکر ہے، دوسرے جملے ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ میں رجا کا بیان ہے اور تیسری آیت ﴿مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ میں خوف کا تذکرہ ہے۔

4 پہلی آیت یعنی ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کے استغراق اور ربوبیتِ عالمین کے استغراق سے جاہل اور ناواقف ہونے کی وجہ سے اکثر لوگوں کا ہلاک ہونا ہے۔

5 سب سے پہلے انعام یافتہ اور اولین اہلِ غضب وضلال کا بیان ہے۔

6 اللہ کے فضل وکرم سے انعام پانے والوں کا ذکر ہے۔

7 ﴿مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ﴾ کے ذکر میں قدرت ومجد کا ظہور ہے۔

8 اس قول کے ہمراہ دعاے فاتحہ کا بیان کہ قلبِ غافل کی دعا قبول نہیں ہوتی ہے۔

حسن دعاے تو گر مستجاب نیست مرنج — ترا زبان دگر و دل دگر دعا چہ کند

[تیری خوبصورت (الفاظ وعبارت کے ساتھ کی گئی) دعا اگر قبول نہیں ہوتی تو رنج و ملال میں مبتلا نہ ہو، کیوں کہ تیری زبان جو کچھ کہتی ہے تیرا دل اس سے مشغول و غافل ہوتا ہے، تیری دعا کیا اثر دکھائے؟]

9 اگر اجماع کا وجود ہے تو آیت ﴿صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ﴾ میں اس کی حجیت کی دلیل ہے۔

10 انسان کی ہلاکت کا بیان جب کہ وہ اپنے نفس کے حوالے کر دیا جائے۔

11 اللہ پر توکل کرنے کی نص کا ذکر جبکہ انسان اپنے اوپر بھروسا کر بیٹھے۔

12 شرک کے باطل ہونے پر تنبیہ۔

13 بدعتوں کے بطلان پر تنبیہ۔

14 سورۃ الفاتحہ کی آیات۔ اگر انسان سورۃ الفاتحہ کی ہر آیت کو بہ خوبی سمجھ لے تو وہ کامل فقیہ بن جائے۔ اہلِ علم نے سورۃ الفاتحہ کی ہر آیت کے معانی وتفسیر میں الگ الگ کتابیں تصنیف کی ہیں۔

سورۃ الفاتحہ کے فضائل:

احادیث نبویہ میں قرآن مجید کی قراءت وتلاوت اور کتاب اللہ کی تعلیم وتعلم کے بارے میں جو ترغیبات وارد ہوئی ہیں، وہ بہت زیادہ ہیں۔ وہ تمام ترغیبات سورۃ الفاتحہ کی تعلیم وتعلم اور اس کی تلاوت پر بھی مترتب ہوتی ہیں، کیوں کہ سورۃ الفاتحہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور افضل واجمع کلام ہے، لہٰذا اس سورت مبارکہ کے فضائل احادیث میں بالخصوص بیان ہوئے ہیں۔

1. ابو سعید بن المعلی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي، وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ»[1]

(رواه البخاري و أبو داوٗد والنسائي وابن ماجه)

[یہی سبع مثانی (سات بار بار دہرائی جانے والی آیات) ہے اور یہی قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے]

اس مختصر سی سورت پر ''قرآنِ عظیم'' کے لفظ کا اطلاق کرنا، اس کلام عالی مقام کی کمال عظمت کی دلیل ہے۔

2. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا أُنْزِلَ فِي التَّوْرَاةِ وَ لَا فِي الْإِنْجِيلِ وَ لَا فِي الزَّبُورِ وَ لَا فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا، وَ إِنَّهَا سَبْعٌ مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُعْطِيتُهُ»[2]

(رواه الترمذي و قال: حديث حسن صحيح، و رواه ابن خزيمة وابن حبان في صحيحيهما والحاكم، و قال: صحيح على شرط مسلم)

[قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تورات، انجیل، زبور اور فرقان (قرآن) میں اس جیسی (کوئی) سورت نازل نہیں ہوئی۔ یقیناً وہ سات بار بار دہرائی جانے والی آیات ہیں اور وہی قرآنِ عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٢٠٤) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (١٤٥٨) سنن النسائي، رقم الحديث (٩١٣) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٧٨٥)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣١٢٥) صحيح ابن خزيمة (٢٥٢/١) صحيح ابن حبان (٥٣/٣) المستدرك للحاكم (٧٤٤/١)

یہ حدیث اس سورت کی عظمت پر نص قطعی ہے، کیوں کہ مذکورہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بعد والی بات کی تاکید کے لیے پہلے قسم کھائی اور آپ ﷺ کی قسم بلا شک وشبہہ سچی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس سورت کو چاروں آسمانی کتابوں سے بہتر ٹھہرایا، کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ اس جیسی فاضلہ جامعہ سورت کسی سابقہ کتاب میں نہیں اتری، حتیٰ کہ اپنے خاص معانی کے اعتبار سے خود قرآن مجید میں بھی اس جوڑ کی کوئی سورت نہیں ہے۔ اب اس سے زیادہ اور کیا مبالغہ ہوسکتا ہے کہ جزو (سورۃ الفاتحہ) کل (باقی قرآن) سے بہتر ٹھہرا۔ پھر یہ کہ آپ ﷺ نے اس چھوٹی سی سورت کو قرآن عظیم فرمایا ہے۔ اس سورت کو مثانی اس لیے کہا کہ یا تو یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی ہے، ایک بار مکے میں اور دوسری دفعہ مدینے میں۔ سو اس سورت کا دوبارہ اترنا اس کی فضیلت وشرف پر ایک قوی دلیل ہے، یا اس سورت کو مثانی اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ ہر نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے۔

③ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے شخص کو جو دورانِ سفر میں آپ ﷺ کے قریب ہی پڑاؤ کیے ہوئے تھا، فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكَ بِأَفْضَلِ الْقُرْآنِ؟ قَالَ: بَلَىٰ، فَتَلَا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ»[1]

(رواه ابن حبان في صحيحه والحاكم، و قال: صحيح علىٰ شرط مسلم)

[کیا میں تمھیں قرآن کی افضل سورت کا پتا نہ بتاؤں؟ انھوں نے عرض کی: کیوں نہیں، (ضرور بتائیے) تو آپ ﷺ نے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے) کی تلاوت فرمائی]

پس اس جگہ اس سورت کو قرآن میں افضل ٹھہرایا ہے۔

④ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی قدسی حدیث پہلے گزر چکی ہے، جس میں یہ بیان ہوا تھا:

«نِصْفُهَا لِي وَ نِصْفُهَا لِعَبْدِي»[2]

[اس (سورۃ الفاتحہ) کا نصف میرے لیے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے]

⑤ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

---

[1] المستدرك للحاكم (۱/۷٤۷) صحيح ابن حبان (۳/۵۱) السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (۱٤۹۹)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٤۰)

”جبریل علیہ السلام اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک آواز سنی۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ ایک دروازے (کے کھلنے کی آواز) ہے، جو آج ہی کھلا ہے، پہلے کبھی نہیں کھلا تھا۔ پھر اس دروازے میں سے ایک فرشتہ اترا، جو آج کے دن کے سوا کبھی زمین پر نہیں آیا تھا، اس فرشتے نے نبی مکرم ﷺ کے پاس آ کر سلام کیا اور کہا:

«أَبْشِرْ بِنُورَيْنِ أُوتِيتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ، فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيمُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِّنْهُمَا إِلَّا أُعْطِيتَهُ»[1]

(رواہ مسلم والنسائي والحاكم و قال: صحيح علىٰ شرطهما)

[آپ ﷺ ایسے دو نور عطا ہونے پر خوش ہو جائیں، جو آج سے پہلے کسی بھی نبی کو نہیں دیے گئے: سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیات، آپ ﷺ ان دونوں میں سے جو حرف (دعا) بھی تلاوت کریں گے وہ آپ ﷺ کو عطا کر دیا جائے گا]

”بِسْمِ اللّٰه“ کے فضائل و برکات:

① ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں آیا ہے:

«كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ أَجْذَمُ»[2]

(رواہ أبو داوٗد والنسائي وابن ماجه)

[یعنی جس عمدہ کام کو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہو جاتا ہے]

② سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعاً مروی حدیث میں کہتے ہیں:

«كَانَ جِبْرِيلُ إِذَا جَاءَ بِالْوَحْيِ أَوَّلَ مَا يُلْقِي: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ»[3]

(رواہ الدارقطني)

[جبریل علیہ السلام جب وحی لاتے تو سب سے پہلے جو چیز القا کرتے وہ ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٠٦) سنن النسائي، رقم الحديث (٩١٢) المستدرك للحاكم (٧٤٥/١)

[2] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٤٨٤٠) میں یہ حدیث بایں الفاظ مروی ہے: «كل كلام لا يبدأ فيه بالحمد لله فهو أجذم» اور اس کی سند میں ”قرہ بن عبد الرحمٰن“ ضعیف ہے۔ نیز دیکھیں: عمل اليوم والليلة للنسائي (٤٩٤) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٨٩٤) إرواء الغليل (٢٩/١)

[3] سنن الدار قطني (٣٠٥/١) المعجم الأوسط (١٠/٤)

الرَّحِیمِ" ہوتی]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بسملہ ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے۔

③ امام شعبی رحمہ اللہ نے کہا کہ بسم اللہ اسمِ اعظم ہے[1] بخاری کے جابر رضی اللہ عنہ سے مروی الفاظ یہ ہیں:

«اِسْمُ اللّٰهِ الْأَعْظَمُ هُوَاللّٰهُ، أَلَا تَرٰى أَنَّهُ فِيْ جَمِيْعِ الْقُرْآنِ يُبْدَأُ بِهٖ قَبْلَ كُلِّ اسْمٍ»[2]

[اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم "اللہ" ہے۔ کیا آپ سارے قرآن میں نہیں دیکھتے کہ ہر اسم سے پہلے اس اسم سے آغاز کیا جاتا ہے؟]

④ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

"جب تو کسی بھنور اور گرداب میں پھنس جائے تو "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" اور حو قلہ (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ) پڑھو۔ یہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ انواع واقسام کی بلایا اور مصائب جو چاہتا ہے دور کر دیتا ہے۔"[3]

(رواه ابن السني والسيوطي عن ابن عباس نحوه مطولا)

سورۃ الفاتحہ ایک جامع دم ہے:

صحیحین میں سورۃ الفاتحہ کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ ایک صحابی نے جب زہریلے جانور کے ڈسے ہوئے ایک سردار کو سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کیا اور وہ فوراً صحت یاب ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی سے دریافت کیا:

«وَ مَا يُدْرِيْكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ؟»[4]

[تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ (سورۃ الفاتحہ) دم ہے؟]

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٧/٢٣٤)

[2] مصنف ابن أبي شيبة (٦/٤٧) التاريخ الكبير للبخاري. دیکھیں: الدر المنثور (١/٩)

[3] عمل اليوم والليلة لابن السني (٢/١٣٩) اس کی سند میں عمرو بن شمر راوی منکر الحدیث ہے۔ دیکھیں: السلسلة الضعيفة (٢٧٢١)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢١٥٦) صحيح مسلم، رقم الحديث ٢٢٠١

بعض روایات میں نبی مکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ»[1]

[(سورۃ الفاتحہ) کا دم ہر بیماری کی شفا ہے]

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا:

''مجھے سورۃ الفاتحہ زیرِ عرش کے (خزانوں) سے دی گئی ہے۔''[2]

(رواہ الحاکم و قال: صحیح الإسناد)

کتاب ''الداء و الدواء''[3] میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ دم کرنے کا سارا بیان لکھا گیا ہے۔ و للّٰہ الحمد. اہلِ علم کی ایک جماعت نے سورۃ الفاتحہ کی مستقل تفسیر لکھی ہے اور بعض نے اس سے علومِ کثیرہ کا استخراج کیا ہے۔

کتاب ''منازل السائرین'' اس کی شرح ''مدارج السالکین'' اور ''رسالہ تجرید التوحید المفید'' للمقریزی گویا سورۃ الفاتحہ کی تفسیر ہیں۔ کتاب دینِ خالص وغیرہ کے مصنف نے اس کے تیں مقامات سے توحید پر استدلال کیا ہے۔[4] و للّٰہ الحمد

سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں مذکورہ بالا بیان اس بیان کے علاوہ ہے، جو تفسیر فتح البیان اور ترجمان القرآن میں لکھا گیا ہے۔

در بند آں مباش کہ مضمون نماندہ است　　　صد سال میتواں سخن از زلف یار گفت

[یہ خیال نہ کر کہ الفاظ و مضامین ختم ہو گئے ہیں، یہاں تو یہ صورتِ حال ہے کہ زلفِ یار پر سو سال گفتگو کی جا سکتی ہے]

غرض کہ توحید کی پہلی ''بسملہ'' یہی بسملہ اور سورۃ الفاتحہ ہے۔ جس نے اس کے معانی سمجھ کر عمل کیا تو وہ خالص موحد بن گیا اور نجات یافتہ ٹھہرا، مگر جس نے اس کے خلاف عقیدہ رکھا اور عمل کیا، وہ مشرک یا بدعتی ہوا۔ اللّٰھم احفظنا.

---

[1] سنن الدارمي (۲/۵۳۸)

[2] المستدرك للحاكم (۱/۷٤٦)

[3] الداء والدواء للمؤلف رحمہ اللہ (ص: ١٤)

[4] دیکھیں: الدين الخالص للمؤلف (۱/٥)

كُنْ كَيْفَ شِئْتَ فَإِنَّ اللّٰهَ ذُوْ كَرَمٍ   وَمَا عَلَيْكَ إِذَا أَذْنَبْتَ مِنْ بَأْسٍ

[تم جیسے بھی ہو یقیناً اللہ تعالیٰ کریم و سخی ہے، تم گناہ گار بھی ہو تو کوئی خوف اور مضائقہ نہیں]

إِلَّا اثْنَتَيْنِ فَلَا تَقْرَبَنَّهُمَا أَبَداً   الشِّرْكَ بِاللّٰهِ وَ الْإِيْذَاءَ لِلنَّاسِ

[ہاں! کبھی دو گناہوں کے قریب نہ جانا، ایک اللہ کے ساتھ شرک اور دوسرا لوگوں کو اذیت پہنچانا]

تفسیر سورۃ الکافرون

1 سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں اس سورت کو ربع قرآن کے برابر ٹھہرایا گیا ہے۔[1] (أخرجه محمد بن نصر والطبراني)

2 نوفل بن معاویہ اشجعی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کچھ سکھا دیں، تاکہ میں بستر پر جا کر پڑھا کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ الکافرون پڑھ کر سویا کرو، کیوں کہ یہ شرک سے براءت ہے۔[2] (أخرجه أحمد و أهل السنن)

3 سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی الفاظ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا میں تمھیں ایسا کلمہ نہ بتا دوں، جو تم کو اشراک باللہ سے نجات دے؟ انھوں نے کہا: ہاں! ضرور بتائیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سوتے وقت سورۃ الکافرون پڑھا کرو۔''[3]

(أخرجه أبو يعلىٰ و الطبراني)

4 سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں آیا ہے:

''جو شخص یہ دو سورتیں ''کافرون'' اور ''قل ھو اللہ أحد'' لے کر اللہ تعالیٰ کو ملا، اس پر کچھ حساب نہیں۔''[4] (أخرجه ابن مردويه)

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں میں اخلاصِ توحید اور ردِ شرک کا ذکر ہے۔ لہٰذا جو کوئی ان کے مطابق عقیدہ رکھے گا اور اسی کے مطابق عمل کر کے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٩٤) قيام الليل للمروزي (٢٣١/١) المعجم الكبير للطبراني (٤٠٥/١٢) السلسلة الصحيحه، رقم الحديث (٥٧٦)

[2] مسند أحمد (٤٥٦/٥) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٥٠٥٥) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٤٠٣) سنن النسائي الكبرىٰ (٢٠٠/٦) صحيح الترغيب والترهيب (١٤٧/١)

[3] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٥٠٥٥) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٤٠٣) مسند أبي يعلىٰ (١٦٩/٣) المعجم الكبير للطبراني (٢٤١/١٢)

[4] الدر المنثور (٦٥٧/٨) اس حدیث کی سند نہیں مل سکی۔

اللہ اسے بخش دے گا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے جبلہ بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ جب تو بستر پر آئے تو ان دونوں سورتوں کو آخر تک پڑھ لے، کیوں کہ سوتے وقت ان دونوں سورتوں کا پڑھنا شرک سے براءت ہے۔[1]

آپ ﷺ نے سوتے وقت اس سورت کو پڑھنے کی تلقین اس لیے فرمائی کہ اگر تو اس رات میں مر جائے گا تو موحد مرے گا اور شرک سے بری رہے گا۔ وللہ الحمد

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ [الکافرون]

[تو کہہ اے منکرو! میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجو اور نہ تم پوجو جس کو میں پوجوں اور نہ مجھ کو پوجنا ہے جس کو تم نے پوجا اور نہ تم کو پوجنا ہے جس کو میں پوجوں، تم کو تمھاری راہ اور مجھ کو میری راہ]

موضح القرآن کے مؤلف نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تم نے خوامخواہ ضد باندھ رکھی ہے، اب تمھیں سمجھانے کا کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ ہی تمھارا فیصلہ کرے گا۔ انتھیٰ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ سورت اس عمل سے بیزاری ہے، جو مشرک کرتے ہیں۔ اس میں اخلاصِ توحید اختیار کرنے کا حکم ہے۔ اگرچہ اس خطاب و مواجہت کے اول مخاطب کفارِ قریش تھے، لیکن لفظ "کافرون" روے زمین کے ہر کافر کو شامل ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنی جہالت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ ایک سال تم ہمارے بتوں کو پوجو، ایک سال ہم تمھارے معبود کو پوجیں گے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کو حکم دیا کہ تم ان کے دین سے بالکل بیزار ہو جاؤ اور کہہ دو کہ جس کو تم پوجتے ہو، یعنی اَصنام، اَنداد اور اَوثان، میں ان کو ہرگز نہیں پوج سکتا اور نہ جس کو میں پوجتا ہوں، یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ، تم اس کو پوجو گے۔

پھر دوبارہ یہی فرمایا کہ میں عبادت میں تمھاری راہ پر نہیں چل سکتا اور نہ تمھارا مقتدی بن سکتا

[1] صحیح الجامع (۲۹۲)

ہوں، میں تو اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت کے مطابق اس کی عبادت کرتا ہوں اور کروں گا۔ تم اس کی عبادت کرنے میں اس کے حکم و شرع کی پیروی نہیں کرتے، بلکہ تم نے اپنی مرضی سے ایک نئی چیز نکالی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنْ يَتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدٰى﴾ [النجم: ۲۳]

[یہ لوگ صرف گمان کے اور ان چیزوں کے پیچھے چل رہے ہیں، جو ان کے دل چاہتے ہیں اور بلاشبہہ یقیناً ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی]

رسول اللہ ﷺ نے ان کے سارے اعمال سے بے زاری کا اظہار کیا، کیوں کہ ہر عبادت گزار کو ایک معبود درکار ہوتا ہے، جس کی وہ عبادت کرے اور اس کی راہ پر چلے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے متبعین نے اللہ تعالیٰ کی شرع کے موافق اس کو پوجا۔ کلمہ اخلاص "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کے یہی معنی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہ ہو اور نہ اس کی راہ کے سوا، جو رسول اللہ ﷺ لائے ہیں، کوئی راہ ہو۔ رہے کافر و مشرک تو وہ غیر اللہ کے عبادت گزار ہیں، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہہ دیا کہ تمھارا دین تمھارے لیے اور ہمارا دین ہمارے لیے۔ اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ إِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ أَعْمَلُ وَ أَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ [یونس: ٤١]

[اور اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو کہہ دے! میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل، تم اس سے بری ہو جو میں کرتا ہوں اور میں اس سے بری ہوں جو تم کر رہے ہو]

نیز فرمایا:

﴿لَنَآ أَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ أَعْمَالُكُمْ﴾ [البقرة: ۱۳۹]

[اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال]

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تمھارا دین کفر ہے اور ﴿وَلِيَ دِيْنِ﴾ میرا دین اسلام ہے۔ بعض علما نے کہا ہے کہ میں اس وقت ان کو نہیں پوجتا جن کو تم

پوجتے ہو اور نہ میں اپنی باقی عمر میں تمھاری بات مانوں گا اور نہ تم اس کو پوجو گے جس کو میں پوجتا ہوں۔ یہ وہی لوگ ہیں، جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا﴾

[المائدة: ٦٤]

[وہ ان میں سے بہت سے لوگوں کو سرکشی اور کفر میں ضرور بڑھاوے گا][1]

امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ نے ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ کفر ملتِ واحدہ ہے۔ یہودیوں نے نصاریٰ سے اور نصاریٰ نے یہودیوں سے یہ ملت اخذ کی ہے، کیوں کہ ان دونوں کے حسب و نسب آپس میں ملتے جلتے ہیں، جس کے وہ باہم وارث ہوتے ہیں، غرضکہ اسلام کے سوا جتنے بھی ملل و نحل اور ادیان و مذاہب ہیں، باطل ہونے میں سب ایک جیسے ہیں۔[2]

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''بدائع الفوائد'' میں اس آیت کے تحت دس مسئلے لکھے ہیں اور کہا ہے کہ نفی محض اس سورتِ کریمہ کا خاصہ ہے، کیوں کہ یہ سورت شرک سے براءت ہے، جیسے حدیث میں اس کا یہ وصف بیان ہوا ہے کہ یہ شرک سے بے زاری ہے۔[3]

اس سورت کا مقصودِ اعظم یہی بیزاری ہے جو موحدین و مشرکین کے درمیان مطلوب ہے۔ لہٰذا جانبین کے درمیان براءت مطلوبہ کی تحقیق کے لیے حرفِ نفی لایا گیا ہے، حالانکہ یہ صریحًا اثبات کو متضمن ہے، یعنی ﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ براءت محض ہے اور ﴿وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ﴾ میں معبود برحق کا اثبات ہے، جس کی عبادت سے مشرکین بری ہیں اور آپ ﷺ اس کی عبادت کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ سورت نفی و اثبات کے معنی کو متضمن ہونے کے سبب امام الحنفا (ابراہیم علیہ السلام) کے اس قول کے مطابق ہے:

﴿اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ﴾ [الزخرف: ٢٦، ٢٧]

---

[1] صحيح البخاري: كتاب التفسير، باب تفسير سورة الكافرون.

[2] (تفسير ابن كثير (٨/ ٥٠٧)

[3] مسند أحمد (٥/ ٤٦٥) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٥٠٥٥) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٤٠٣) سنن النسائي الكبرى (٦/ ٢٠٠) صحيح الترغيب والترهيب (١/ ١٤٧)

[بے شک میں ان چیزوں سے بالکل بری ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، سوائے اس کے جس نے مجھے پیدا کیا]

نیز یہ جماعتِ موحدین اس قول کے بھی موافق ہے:

﴿وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ [الكهف: ١٦]

[اور جب تم ان سے الگ ہو چکے اور ان چیزوں سے بھی جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں]

بنا بریں رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ فجر اور مغرب کی دو سنتوں میں "کافرون" کو ﴿قل هو الله احد﴾ کے ساتھ ملا کر تلاوت فرماتے تھے۔[1] کیوں کہ یہ دونوں سورتیں اخلاص (توحید) ہیں اور توحید کی ہر دو نوع پر مشتمل ہیں، جن کے بغیر کسی بندے کی نجات و فلاح نہیں ہو سکتی۔ توحید کی وہ دو انواع یہ ہیں:

① توحیدِ علم و اعتقاد: توحید کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کی شرک و کفر، ولد اور والد سے تنزیہ کو متضمن ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ احد، صمد، نہ باپ اور نہ بیٹا ہے۔

۲۔ توحید کی دوسری قسم توحیدِ قصد و ارادہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت مقصود و مراد نہ ہو اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کرے، بلکہ اکیلا اللہ ہی معبود ٹھہرے۔ لہٰذا یہ سورت اس مقصد محمود پر بہ خوبی مشتمل ہے۔

اس سورت میں جو عبادت کا تکرار ہے، اس کا مقصد ایک تو تاکید ہے اور دوسرے کفار کے اس طمع کو قطع کرنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے معبودوں کی عبادت کریں۔

اس سورت کے الفاظ ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ میں دین سے یہی مراد ہے کہ تم کفر و شرک پر راضی ہو اور میں توحید و اسلام پر راضی ہوں، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو تمھارے عمل کی جزا ملے گی اور مجھ کو میرے عمل کی، کیوں کہ دین جزا کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: "كما تدين تدان" [جیسا کرو گے، ویسا بھرو گے]

جس نے کہا کہ یہ آیت ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ یا یہ ساری سورت منسوخ ہے، اس

---

[1] مسند أحمد (٤٢/٢) سنن النسائي (١٧٠/٢)

نے غلطی کی، بلکہ یہ سورت محکم ہے۔ اس سورت میں نسخ کا دخول محال ہے۔ یہ تو اخلاصِ توحید کی تاکید کرتی ہے، اس لیے اس کو سورۃ الاخلاص کہتے ہیں۔

اس سورت میں شرک و کفر سے براءت محض ہے۔ اس سورت میں یہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہ کہہ دیا کہ میں ہرگز تمھاری موافقت نہیں کروں گا، کیوں کہ تمھارا دین بالکل باطل ہے اور وہ تمھارے ساتھ مختص ہے، اس باطل میں میری شرکت کس طرح ہوسکتی ہے، جبکہ تم اس دینِ برحق میں میری شرکت نہیں کرتے ہو؟ تو یہ انتہا درجے کی براءت ہے۔ آخر وہ اقرار کہاں ہے، جس کی بنیاد پر نسخ کا دعویٰ کیا جائے یا یہ تخصیص ٹھہرے۔ اس براءت کا بھی یہی حکم ہے، جو براءت رسول اللہ ﷺ کے متبعین و اہلِ سنت اور اہلِ بدعت اور گمراہ لوگوں کے درمیان ہے۔

خلفا اور رسول اللہ ﷺ کی آل اولاد نے بھی مشرکین و کفار سے یہی بات کہی تھی: ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ تمھارے لیے تمھارا دین اور ہمارے لیے ہمارا دین ہے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انھوں نے ان کو ان کی بدعت پر مقرر رکھا تھا، بلکہ انھوں نے یہ کہہ کر اپنی براءت کا اظہار کیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ مشرکین کے خلاف جہاد کرتے تھے اور مبتدعین کا رد کرتے تھے۔ انتہیٰ. ما قاله ابن القيم ملخصاً[1]

اب جو مسلمان بہ خوبی اس سورت کے معنی سمجھ لے گا، وہ شرک اور غیر اللہ کی عبادت سے بری ہو جائے گا۔ رہا وہ شخص جس نے اس سورت کو پڑھا اور سمجھا، مگر اس کے موافق عمل کیا نہ اعتقاد رکھا تو وہ منافق ہے یا مشرک و کافر، اس کا ظاہر اس کے باطن کے موافق نہ ہوا۔ عیاذاً باللّٰه

[1] (بدائع الفوائد لابن القيم: ١/ ١٤٥، ١٤٨)

سورت ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾

سورت کا تعارف:

اس سورت کے بہت سے نام ہیں، تاہم اس کا مشہور نام "سورة الإخلاص" ہے۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اس سورت کے ناموں کو ذکر کیا ہے۔ ناموں کی کثرت مسمی (ذات) کے شرف وعظمت پر دلالت کرتی ہے۔ اس سورت میں توحید کی صراحت، بت پرستوں کا رد اور تثنیہ وتثلیث کے قائلین پر انکار ہے۔ یہ سورت چار یا پانچ آیات پر مشتمل ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور بعض نے کہا کہ مدنی ہے۔

شانِ نزول:

① ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم ہم کو اپنے رب کا نسب بتاؤ! اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی:

"﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ فوت بھی ہوتی ہے اور جو کوئی فوت ہوتا ہے، اس کا وارث بھی ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فوت ہوگا نہ کوئی اس کا وارث ہوگا۔ ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ یعنی کوئی اس کا ہمسر اور برابری کرنے والا نہیں، کیوں کہ اس کی مثل کوئی شے نہیں ہے۔"[1]

(رواه أحمد والبخاري في تاريخه وابن قتيبة والحاكم و صححه)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی ابوالعالیہ رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت کیا ہے اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا نام ذکر نہیں کیا اور کہا ہے کہ یہ اصح ہے۔[2]

---

[1] مسند أحمد (١٣٣/٥) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٣٦٤) التاريخ الكبير للبخاري (٢٤٥/١) المستدرك للحاكم (٥٨٩/٢) اس کی سند میں "ابوسعد محمد بن میسر" ضعیف ہے۔

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٣٦٥)

② جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہا: "انسب لنا ربك" [ہمیں اپنے رب کا نسب بتاؤ] اس پر یہ سورت [اخلاص] نازل ہوئی۔''[1]

(أخرجه الطبراني والبيهقي و أبو نعيم و غيرهم، و حسن السيوطي إسناده)

③ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی الفاظ یہ ہیں:

''قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: "انسب لنا ربك" [ہمیں اپنے رب کا نسب بتاؤ] اس پر یہ سورت (اخلاص) نازل ہوئی۔''[2] (أخرجه أبو الشيخ والطبراني)

④ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں:

''یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، ان میں کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب بھی تھا، اس نے کہا: "يا محمد! صف لنا ربك الذي بعثك" [اے محمد ﷺ! ہمیں اپنے اس رب کا وصف بتاؤ، جس نے آپ ﷺ کو مبعوث کیا ہے] اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔''[3] (رواه البيهقي)

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نسب کا بیان پیغمبر ﷺ پر نہ چھوڑا، بلکہ اس عظیم الشان اور رفیع المکان چیز کو خود بیان کیا۔ اب جو شخص ہم سے پوچھے کہ تمھارے رب کا نسب یا وصف کیا ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اس کے یہی اوصاف بیان کریں، جو اس سورت میں ذکر ہوئے ہیں اور اپنی طرف سے کوئی مبتدع عبارت نہ نکالیں، جس طرح متکلمینِ اسلام نے رب العالمین کی شناخت کے لیے جدید الفاظ ایجاد کیے اور نصوص میں ذکر شدہ الفاظ چھوڑ دیے ہیں، مثلاً وہ عقائد کی کتابوں میں معبود برحق کی یوں تعریف کرتے ہیں کہ وہ جسم ہے نہ جوہر اور نہ عرض، متحیز ہے نہ متبعض، داخل عالم ہے نہ خارج عالم، جہت میں ہے نہ عرش پر اور اسی طرح کے دیگر الفاظ،

---

① المعجم الأوسط للطبراني (٦/٢٥) الأسماء والصفات للبيهقي (٢/١٤٨) حلية الأولياء لأبي نعيم (١٠/١١٣) اس کی سند میں ''مجالد بن سعید'' ضعیف ہے۔

② العظمة لأبي الشيخ (١/٣٧٦) برقم (٨٩) اس میں یہ روایت ابو وائل شقیق بن سلمہ تابعی سے مروی ہے۔ واللہ أعلم

③ الأسماء والصفات للبيهقي (٢/٣٨) اس کی سند بھی ضعیف ہے، لیکن ان تمام روایات و اسانید کی بنا پر یہ حدیث حسن ہے۔

حالاں کہ ان الفاظ کے موافق عقیدہ رکھنے میں کبھی تو نصوصِ صریحہ ومحکمہ کا انکار لازم آتا ہے اور کبھی بدعت کا اسیر ہونا پڑتا ہے، کیوں کہ جب یہ الفاظ اور بحث وخوض صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے ثابت نہیں ہے اور یہ عبارت نصِ قرآن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کی غرض سے بنائی گئی ہے تو یہ سراسر محدث اور بدعت ہوئی، اگرچہ ان کے معانی تنزیہ کے منافی نہ ہوں۔ رحمان کا عرش پر مستوی ہونا نصِ قرآن اور ادلہ سنتِ مطہرہ، جو معنوی، بلکہ لفظی تواتر کی حد کو پہنچے ہوئے ہیں، سے ثابت ہے، تو پھر یہ استوا کی نفی یعنی آیت ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾ [طٰہٰ: ٥][وہ بے حد رحم والا عرش پر بلند ہوا] کا انکار نہیں تو پھر کیا ہے......؟!

اسی طرح استوا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا علو اور اس کا ساری مخلوق سے مبائن ہونا قرآن وحدیث کے دلائل و براہین سے بہ ذات خود ثابت ہے، تو جہتِ علو کی نفی چہ معنی دارد؟ مانا کہ جہت کا لفظ کسی آیت یا مرفوع حدیث میں نہیں آیا ہے اور سلف نے اس کے ساتھ تکلم نہیں کیا ہے، لیکن علو، علی، اعلیٰ تو بہر حال قرآن وحدیث سے منصوص ہے اور جہت کے انکار سے علو کا انکار لازم نہیں آتا ہے۔ ہاں اگر کوئی علو کا قائل ہے مگر جہت کا لفظ نہیں بولتا تو حدیث پر عامل ہے۔ اسی طرح کتاب اللہ اور سنتِ مطہرہ میں سورۃ الاخلاص کے الفاظ کے سوا جو اسماے حسنیٰ بیان ہوئے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی شناخت کے لیے کفایت کرتے ہیں، جیسے علیم، سمیع، بصیر، قدیر، رحیم، کریم، غفور، قہار اور اس جیسے دیگر اسما اور ہم کو یہ حکم ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اس کے ناموں سے پکاریں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ [بني إسرائيل: ١١٠]

[کہہ دے اللہ کو پکارو یا رحمان کو پکارو، تم جس کو بھی پکارو گے، سو یہ بہترین نام اسی کے ہیں]

یہ ایک قسم کے اوصاف ہیں، جبکہ دوسری قسم کے وصف وہ ہیں جو استوا کے ہم جنس ہیں، جیسے ید، عین اور قدم وغیرہ، یہ بھی بہت سی صفات ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے کتاب "الأسماء والصفات" اسی باب میں چھان بین کر کے لکھی ہے۔ کتاب "الجوائز والصلات من جمع الأسامي والصفات" بھی مع معانی ان اسما وصفات پر مشتمل ہے۔ سو یہی اسما وصفات اللہ تعالیٰ کی معرفت وشناخت کے لیے کفایت کرتے ہیں۔ ان کے سوا جتنے بھی الفاظ اور عبارتیں ہیں، وہ اہلِ کلام کی وضع کردہ ہیں، جو سب

فرمایا: «حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ» [تیری اس سورت کے ساتھ محبت تجھے جنت میں لے جائے گی]''[1]

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بخاری کے سوا کئی طرح سے دیگر ائمہ حدیث نے بھی روایت کی ہے۔[2]

یہ سورت توحیدِ صفات کے بیان کے لیے متجرد اور خالص ہے۔ اس میں علمِ توحید کے شرف کی دلیل ہے۔ علم کا شرف معلوم ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس علم کا معلوم اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات ہیں کہ کون سا وصف اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے اور کون سا ناجائز۔ لہٰذا اس سورت کے شرف منزلت اور جلالتِ محل کا کیا کہنا۔

توحید کے بیان میں اہلِ علم نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، جیسے دین خالص، تقویۃ الایمان، دعایۃ الایمان، درنضید، تطہیر الاعتقاد، تجرید التوحید المفید اور اس کے علاوہ اس موضوع پر دیگر کتب، اس باب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی تالیفات خطیب فی المحراب کی حیثیت رکھتی ہیں۔

علمِ توحید وہ علم ہے جس کے مدعی بہت ہیں، لیکن چند علما اور فحول اہلِ علم کے سوا کوئی اس علم کے دقائق اور باریکیوں تک نہیں پہنچا، حالاں کہ شرک کے ستر (۷۰) دروازے ہیں اور بدعت کے بہتر (۷۲) دروازے۔[3]

شرکِ جلی سے تو بعض اہلِ اسلام بچ بھی جاتے ہیں، لیکن شرکِ خفی سے بچنا اسی کو نصیب ہوتا ہے، جسے اللہ کی طرف سے توفیق ملتی ہے۔ اللّٰھم ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ آمین!

❻ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

''ایک شخص نے دوسرے شخص کو سنا کہ وہ بار بار ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (سورۃ الاخلاص)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٤١)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٠١) صحيح ابن خزيمة (٢٦٩/١) سنن البيهقي (٦٠/٢)

[3] مسندالبزار (٣١٨/٥)

پڑھتا ہے۔ اس نے صبح آ کر رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا، گویا اس شخص نے اس امر (سورۃ الاخلاص کے بار بار پڑھنے) کو قلیل وحقیر جانا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ»[1] (رواه النسائي أيضًا)

[اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بلاشبہہ وہ (سورۃ الاخلاص) ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔]

7. ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''کیا تم میں سے کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں تہائی قرآن مجید پڑھے؟ یہ بات ان پر شاق گزری۔ انھوں نے عرض کی: ہم میں سے کس کو یہ طاقت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ (سورۃ الاخلاص) ثلث (تہائی) قرآن ہے۔''[2] (تفرد به البخاري)

8. ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک تیسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''ایک رات قتادہ بن نعمان اسی سورت کو پڑھتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ سورت نصف یا ثلث قرآن کے برابر ہے۔''[3] (رواه أحمد)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ساری رات ایک آیت یا ایک سورت کی تکرار درست ہے۔

9. عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

''ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں موجود تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ کیا تم میں سے کوئی شخص ہر رات تہائی قرآن نہیں پڑھ سکتا؟ لوگوں نے کہا: اس کی طاقت کس کو ہے؟ انھوں نے کہا: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (سورۃ الاخلاص) ثلث قرآن ہے۔ اتنے میں

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٩٣٩) سنن النسائي، رقم الحدیث (٩٩٥)
[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٤٧٢٧)
[3] مسند أحمد (١٥/٣) اس کی سند میں ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔

بدعتِ محض ہیں۔ ممکن نہیں ہے کہ ان کا قائل و معتقد اعتقاد و عمل کے خلل سے محفوظ رہ سکے۔ رہی یہ بات کہ صفات کے بعض ان الفاظ سے بہ ظاہر تشبیہ یا تمثیل یا تجسیم نکلتی ہے تو اس ظاہر کا علاج اس کلمہ اجمالی سے ہو جاتا ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [الشوریٰ: ۱۱]

وہ صفات جنھیں سلف نے متشابہات میں شمار کیا ہے، جیسے قرب و معیت وغیرہ تو وہاں اس قدر کافی ہے کہ بندہ ان الفاظ کے ظاہر کے موافق ایمان لائے، اپنی عقل و خوض کو دخل نہ دے، اللہ تعالیٰ کو جملہ صفاتِ مخلوقین سے منزہ جانے اور کسی جگہ بھی کوئی تاویل نہ کرے، کیوں کہ یہ تاویل سلف سے ماثور و منقول نہیں ہے۔ یہ تو تکذیب کی ایک قسم ہے۔ بہتر (۷۲) فرقوں کی بڑی گمراہی یہیں سے ہوئی ہے کہ انھوں نے ان صفات اور ان کی کیفیات میں خوض و بحث کرتے ہوئے اپنے اوقات ضائع کیے۔ اگر وہ ایمان لانے پر ہی اکتفا کرتے اور تاویلِ بارد اور توجیہِ کاسد میں نہ پڑتے تو خاصے موحد و مخلصین ہوتے، مگر انھوں نے جب حدیث «مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِي» [جس پر میں اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گامزن ہیں] پر عمل نہ کیا، درآنحالیکہ ان کے دلوں میں کجی اور ٹیڑھ تھی تو وہ متشابہات کے درپے ہو گئے، صراطِ مستقیم سے دور جا پڑے اور محکمات کی بھی تاویلیں کر ڈالیں، حالاں کہ متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹانا چاہیے نہ کہ اس کے برخلاف و برعکس۔

حاصل یہ کہ جو مسلمان اپنے دین پر حریص ہو اور وہ یہ چاہے کہ دنیا میں ایمان کے ساتھ زندہ رہے اور ایمان ہی پر مرے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح پہچان رکھے، جس طرح خود اس نے ہمیں اس سورۃ الاخلاص اور جا بہ جا دیگر آیات قرآنیہ میں اپنی پہچان کروائی ہے اور اس کے رسول ﷺ نے اس کے اوصاف اپنی سنن و احادیث میں ذکر فرمائے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی صنم و وثن کو شریک نہ کرے اور وہ گمان پرست، پیر پرست، گور پرست اور کوکب پرست وغیرہ نہ بنے، تب کہیں وہ موحدِ خالص اور لائقِ مغفرت ہوگا، ورنہ مشرک کے لیے جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہنے کا حکم ہے۔ اسی طرح عقیدہ و عمل میں جس کی بدعت، کفر کی سرحد تک پہنچ گئی ہے، جیسے خوارج، روافض اور ان جیسے دیگر لوگ، تو وہ بھی ہمیشہ آگ میں رہے گا۔

یہاں پر اس مضمون اور جملہ معترضہ سے زیادہ بحث کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ فقط اس سورۃ الاخلاص سے توحیدِ خالص ثابت کرنا مقصود ہے۔ یہ سورت اپنے باب اور موضوع میں عظیم الشان ہے۔

1. ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے یہ سورت پڑھی، اس نے گویا ایک تہائی قرآن پڑھا۔"[1] (أخرجه أحمد والنسائي وغيرهما)

2. انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

"إني أحب هذه السورة"

[میں اس سورت (سورۃ الاخلاص) سے محبت کرتا ہوں] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ»[2] (رواه أحمد والترمذي والبيهقي)

[تیری اس کے ساتھ محبت تجھے جنت میں داخل کر دے گی]

جس نے اس سورت کو پڑھا، اس کے اتنے اتنے گناہ بخش دیے گئے، اس بارے میں بہت سی احادیث سنن وغیرہ میں آئی ہیں، لیکن وہ سب ضعیف وغریب اور بعض موضوع ہیں۔ ہاں اس کا ثلث قرآن ہونا کئی طرح سے ثابت ہے، اس بارے میں بعض احادیث صحیح اور بعض حسن ہیں۔

3. چنانچہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔"[3] (رواه أحمد والبخاري وغيرهما)

سورۃ الاخلاص چھوٹی سی سورت ہونے کے باوجود تمام معارفِ الٰہیہ کو شامل ہے اور ملحد پر رد کرتی ہے۔ حدیث میں جو اسے ایک تہائی قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کے مقاصد عقائد و احکام اور قصص میں محصور ہیں۔

علامہ زمخشری رحمہ اللہ نے تفسیر کشاف میں جو یہ کہا ہے کہ یہ سارے قرآن کے برابر ہے،[4] سودوانی نے کہا ہے کہ میں نے یہ روایت کتبِ تفسیر و حدیث میں نہیں دیکھی۔ انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں کہ گو یہ روایت نہ ہو، لیکن اس کے معنی صحیح ہیں۔ جب ایک بار کا پڑھنا تہائی قرآن کے برابر ٹھہرا تو تین بار کا پڑھنا یقیناً سارے قرآن کے برابر ہو گیا۔

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٢٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١١) سنن النسائي الكبرىٰ (٦/٣٥) مسند أحمد (٣/٨) صحيح الترغيب والترهيب (٢/٩٣)
2. مسند أحمد (٣/١٤١) سنن الترمذي (٥/١٧٠) شعب الإيمان للبيهقي (٢٣١٠)
3. مسند أحمد (٣/٣٥) صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٩٣٩)
4. تفسير الكشاف (٤/٨٢٤)

④ اس سورت کی فضیلت میں اگر صحیحین وغیرہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے سوا کچھ بھی نہ ہوتا تو یہی ایک حدیث سب سے کفایت کرتی، یعنی وہ حدیث جس میں یہ ذکر ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو ایک چھوٹے سے لشکر میں بھیجا تھا۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتا تو اسی سورت پر قراءت کا اختتام کرتا۔ جب وہ لشکر لوٹ کر آیا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کی کارگزاری کا ذکر کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے دریافت کرو وہ یہ کام کس لیے کرتا ہے؟ اس سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ یہ (سورت) رحمان کی صفت ہے اور میں اسے پڑھنا پسند کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے خبر دو کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے۔''[1] (هذا لفظ البخاري في كتاب التوحيد)

⑤ اسی طرح ایک دوسری روایت صحیح بخاری کی کتاب الصلاۃ میں انس رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے:

''ایک انصاری شخص مسجدِ قبا میں نماز کی امامت کرواتا تھا۔ نماز میں جو سورتیں پڑھی جاتی ہیں، جب وہ انصاری ان میں سے کوئی سورت پڑھتا تو پہلے ﴿قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ﴾ یعنی سورۃ الاخلاص پڑھتا، پھر کوئی اور سورت پڑھتا اور ہر رکعت میں اسی طرح کیا کرتا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے اس سے اس بارے میں گفتگو کی کہ تو نماز کو اس سورت سے کیوں شروع کیا کرتا ہے؟ کیا تو اس کو کافی نہیں سمجھتا کہ اس کے ساتھ دوسری سورت بھی پڑھتا ہے؟ یا تو تو اسی سورت کو پڑھا کر یا اس کا پڑھنا چھوڑ دے اور دوسری سورت پڑھ۔ اس نے کہا: میں اس سورت کا پڑھنا ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ اگر تمھاری خوشی ہو تو میں امامت کراؤں اور اگر خوشی نہ ہو تو میں امامت کرانا ترک کر دوں۔ وہ لوگ اس انصاری کو افضل جانتے تھے، لہٰذا اس کے سوا کسی کا امامت کروانا پسند نہیں کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کا ادھر جانا ہوا تو انھوں نے آپ ﷺ کے سامنے یہ صورتِ حال رکھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے فلاں! تجھے کون سی چیز مانع ہے کہ تو اپنے ساتھیوں کے حکم پر چلے؟ نیز تو نے نماز کی ہر رکعت میں اس سورت کا لزوم کس لیے اختیار کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: ''إِنِّي أُحِبُّهَا'' [میں اس سورت (سورۃ الاخلاص) سے محبت کرتا ہوں] آپ ﷺ نے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٩٤٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١٣)

رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور ابو ایوب کی یہ بات سنی تو فرمایا: « صَدَقَ أَبُوْ أَيُّوْبَ » [ابو ایوب نے سچ کہا ہے۔]"[1] (رواه أحمد)

⑩ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جمع ہو جاؤ! میں تم پر ثلث قرآن پڑھوں گا۔ لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے باہر آ کر ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (سورۃ الاخلاص) پڑھی اور تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا تھا کہ میں تہائی قرآن پڑھوں گا۔ ہم سمجھتے تھے کہ کوئی خبر آسمان سے آئی ہو گی۔ آپ ﷺ نے باہر نکل کر فرمایا: میں نے تم سے جو کہا تھا وہ ٹھیک ہے: « أَلَا! وَ إِنَّهَا تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ » [سن لو! یقیناً وہ ثلث قرآن کے برابر ہے۔]"[2] (هكذا رواه مسلم، و رواه الترمذي و قال: حسن صحيح غريب)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس سورت کے ثلث قرآن ہونے کے بارے میں بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔[3]

⑪ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کیا تم اس بات سے عاجز ہو کہ ہر دن تہائی قرآن مجید پڑھو؟ انھوں نے کہا: ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم اس سے اضعف اور اعجز ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تین ٹکڑے کیے۔ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ثلث قرآن ہے۔"[4]

(رواه أحمد و مسلم والنسائي)

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اس سورت کو ہر شخص ہر شب و روز ضرور پڑھ لیا کرے۔

⑫ ام کلثوم بنت عقبہ بن معیط رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی حدیث میں اس سورت کو ثلث قرآن ٹھہرایا گیا ہے۔[5] (رواه أحمد والنسائي في اليوم والليلة)

---

① مسند أحمد (۱۷۳/۲) اس کی سند میں بھی ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔
② صحیح مسلم، رقم الحديث (۸۱۲) سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۹۰۰)
③ تفسير ابن كثير (۷۳۳/٤)
④ مسند أحمد (٤٤٧/٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (۸۱۱) سنن النسائي الكبرىٰ (۱۷٦/٦)
⑤ مسند أحمد (٤٠٣/٦) سنن النسائي الكبرىٰ (۱۷٥/٦)

13. حمید بن عبدالرحمن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ چند صحابی آپس میں یہ حدیث روایت کر رہے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ تَعدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ لِمَنْ صَلّٰى بِهَا»[1] (رواه النسائي)

''﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ نماز میں تلاوت کرنا ثلث قرآن کے برابر ہے۔''

14. ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آیا، آپ ﷺ نے ایک شخص کو ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: واجب ہوگئی ہے۔ میں نے پوچھا کیا چیز؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت۔[2]

(رواه مالك بن أنس والترمذي والنسائي، و قال الترمذي: حسن صحيح غريب)

15. عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''ہم کو پیاس اور تاریکی پہنچی۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے منتظر تھے کہ آ کر نماز پڑھائیں، آپ ﷺ آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا: پڑھو! میں چپکا کھڑا رہا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: کہہ! میں نے پوچھا: کیا کہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: صبح و شام تین بار ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور معوذتین پڑھنا تجھے ہر روز دو مرتبہ کفایت کریں گی۔''[3]

(رواه عبدالله بن أحمد و أبو داوٗد والترمذي والنسائي و قال: حسن صحيح غريب)

16. تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے «لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاحِداً أَحَداً صَمَداً، لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَداً وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ»

[اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، درآنحالیکہ وہ واحد، احد اور صمد ہے، نہ اس کی بیوی ہے نہ اولاد اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے]

گیارہ بار پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے چالیس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے۔''[4] (رواه أحمد)

---

[1] سنن النسائي الكبرىٰ (٦/١٧٥)

[2] الموطأ للمالك (٢/٢٠٨) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٩٧) سنن النسائي (٢/١٧١)

[3] مسند أحمد (٥/٣١٢) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٥٠٨٢) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٧٥) سنن النسائي الكبرىٰ (٨/٢٥٠)

[4] مسند أحمد (٤/١٠٣) اس کی سند میں خلیل بن مرہ راوی ہے، جسے امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔

(١٧) معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے دس بار ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ سورت کو مکمل طور پر پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہشت میں ایک محل بناتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم! ہم تو اس کو بہت زیادہ پڑھا کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « اَللّٰهُ أَكْثَرُ وَ أَطْيَبُ » [اللہ تعالیٰ بہت فراوانی والا اور زیادہ پاکیزہ ہے۔]''[1] (تفرد به أحمد)

مسند دارمی میں اتنا اضافہ ہے:

''جو شخص بیس مرتبہ اس سورت کو پڑھے، اس کے لیے دو محل اور جو تیس مرتبہ پڑھے گا اس کے لیے تین محل تیار ہوں گے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: تب تو ہمارے محلات بہت زیادہ ہو جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « اَللّٰهُ أَوْسَعُ مِنْ ذٰلِكَ » [اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ وسعت اور فراوانی رکھتا ہے۔]''[2] (هذا مرسل جيد)

(١٨) انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں ہے:

''جو شخص پچاس مرتبہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے پچاس برس کے گناہ بخش دیتا ہے۔''[3] (رواه أبويعلى) لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۃ الاخلاص کی فضیلت میں بہت سی احادیث نقل کی ہیں، جن میں اس سورت کو دو سو مرتبہ پڑھنے کا اجر و ثواب بیان ہوا ہے، لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر ضعیف ہیں۔

(١٩) بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مسجد میں آیا تو دیکھا کہ ایک شخص نماز میں دعا کر رہا تھا: ''اللّٰهم أسألك بأني أشهد أن لا إله إلا أنت، الأحد الصمد، الذي لم يلد و لم يولد، و لم يكن له كفوا أحد'' [اے اللہ! میں تجھ سے اس واسطے سے دعا کرتا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، تو ہی اکیلا اور بے نیاز ہے، جس نے نہ جنا اور نہ وہ جنا گیا اور جس کا کوئی ہمسر نہیں ہے]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(1) مسند أحمد (٣/٤٣٧) اس کی سند میں زبان بن فائد ضعیف ہے۔

(2) سنن الدارمي، رقم الحديث (٣٤٢٩)

(3) سنن الدارمي (٢/٥٥٣) ضعيف الجامع، رقم الحديث (٥٧٧٨)

«وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَقَدْ سَأَلَهُ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ الَّذِيْ إِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطٰى وَ إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ»

[اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے کہ جب اس سے اس نام کے ساتھ سوال کیا جائے تو وہ عطا کرتا ہے اور جب اس کے ساتھ دعا کی جاتی ہے تو وہ قبول کرتا ہے][1]

(رواہ أهل السنن، و قال الترمذي: حسن غريب)

40. جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں ہے:

''جو شخص مغرب کے بعد دس مرتبہ اس سورت کو پڑھے گا، وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے اور جس حورِ عین سے چاہے اس سے بیاہا جائے۔''[2]

(رواہ أبو یعلیٰ)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی سند پر کچھ کلام نہیں کیا ہے۔

41. جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اپنے گھر اور منزل میں داخل ہوتے وقت اس سورت کو پڑھے گا تو اس کے گھر والوں اور اس کے ہمسائیوں سے فقر دور ہو جائے گا۔''[3]

(رواہ الطبراني) لیکن اس کی اسناد ضعیف ہے۔

42. انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اکثر و بیشتر سورۃ الاخلاص کی تلاوت کی فضیلت سے متعلق مرفوعاً حدیث مروی ہے:

''وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تبوک میں تھے۔ اس دن سورج طلوع ہوا تو اس دن جیسی روشنی، چمک اور شعاع ہم نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ جبریل علیہ السلام نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٤٩٣) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٤٧٥) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٨٥٧) سنن النسائي الكبرىٰ (٢/ ٩٠)

[2] مسند أبي يعلیٰ (٣/ ٣٣٢) علامہ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (١٠/ ١٠٢) میں کہا ہے کہ اس کی سند میں موجود راوی عمر بن نبہان متروک ہے۔

[3] المعجم الكبير للطبراني (٢/ ٣٤٠) یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں مروان بن سالم راوی متروک ہے۔

کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جبریل علیہ السلام! آج یہ چمک اور روشنی کیسی ہے؟ اس جیسی چمک اور روشنی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی؟ انھوں نے کہا: آج مدینے میں معاویہ بن معاویہ لیثی کا انتقال ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتوں کو ان کی نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اس کا سبب کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ وہ (معاویہ بن معاویہ) دن، رات، اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھا کرتے تھے۔''[1] (رواه أبو يعلى)

اس سورۃ الاخلاص کی فضیلت معوذتین کے ساتھ بھی بیان ہوئی ہے اور اس کے ساتھ شفا حاصل کرنے کا ذکر بھی آیا ہے۔

۲۳ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

''نبی مکرم ﷺ جب رات کو بستر پر تشریف لاتے تو ہر رات دونوں ہتھیلیاں جمع کر کے دم کرتے۔ آپ ﷺ اپنے سر، چہرے اور سامنے کے بدن سے ہاتھ پھیرنا شروع کرتے اور آپ ﷺ تین بار یہ سورت مع معوذتین پڑھ کر ایسا ہی کرتے۔''[2] (رواه أهل السنن)

تفسیر سورۃ الاخلاص:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ [الإخلاص]

''تو کہہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ ہی بے نیاز ہے، نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا اور نہیں اس کی جوڑ کا کوئی۔''

اللہ تعالیٰ صمد ہے، یعنی وہ کھاتا پیتا نہیں، اس کی طرح کا کوئی نہیں، اس کی بیوی ہے نہ بیٹا۔

---

[1] مسند أبي يعلى (۷/۲۵۸) اس کی سند میں محبوب بن ہلال ضعیف ہے۔ یہ روایت کئی سندوں سے مروی ہے، مگر وہ سب اسانید ضعیف ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۷۳۳/۳)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (۵۰۱۷) سنن أبي داود، رقم الحديث (۵۰۵۶) سنن الترمذي، رقم الحديث (۳۴۰۲) سنن النسائي الكبرى، رقم الحديث (۱۰۶۲۴)

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب یہود نے کہا کہ ہم عزیر ابن اللہ کے عابد ہیں، نصاریٰ نے کہا: ہم مسیح ابن اللہ کے عبادت گزار ہیں، مجوس نے کہا: ہم سورج اور چاند کی عبادت کرنے والے ہیں اور مشرکین نے کہا کہ ہم بت پرست ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام پر یہ سورت نازل فرمائی اور فرمایا: تو کہہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی نظیر، وزیر، ہمسر، مانند اور برابر والا نہیں ہے۔ اس بات میں اللہ عزوجل کے سوا کسی پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا، کیوں کہ وہی اپنی ساری صفات واقوال میں کامل ہے۔[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ صمد وہ ہے، جس کی طرف ساری مخلوقات اپنی حوائج و مسائل میں محتاج ہوں۔[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے دوسری روایت ان الفاظ میں ہے کہ صمد اس کو کہتے ہیں، جو سیادت وشرافت، عظمت وحلم اور علم وحکمت میں کامل ہو، لہٰذا سیادت وشرافت کی تمام انواع واقسام جس میں کامل طور پر موجود ہیں، وہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ یہ صفات اسی کو لائق ہیں، کیوں کہ کوئی اس کے جوڑ کا ہے اور نہ کوئی شے اس جیسی ہے۔ فسبحان اللّٰہ الوحد القھار.

ابو وائل رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صمد وہ سید ہے، جو سیادت میں آخری حد تک پہنچ گیا۔[3] ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ زید بن اسلم رحمہ اللہ نے کہا کہ صمد بمعنی سید ہے۔ حسن رحمہ اللہ نے کہا کہ صمد وہ ہے، جو خلق کے بعد بھی باقی ہو۔ نیز صمد وہ حی و قیوم ہے، جسے زوال نہیں ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ صمد وہ ہے، جس سے کوئی شے باہر نہ نکلے اور نہ وہ کھانا کھائے۔

ربیع بن انس رحمہ اللہ نے کہا کہ صمد وہ ہے، جس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ گویا انھوں نے آیت ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ سے بعد والی آیت ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ کو ﴿الصَّمَدُ﴾ کی تفسیر ٹھہرایا ہے۔ یہ بہت عمدہ تفسیر ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہما، ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن المسیب، مجاہد، ابن بریدہ، عکرمہ، سعید بن جبیر، عطا، عطیہ، ضحاک اور سعدی رحمہم اللہ کا قول ہے کہ صمد وہ ہے جس کی جوف نہ ہو، یعنی وہ ٹھوس ہو، نرم نہ ہو۔

مجاہد رحمہ اللہ کا بیان یہ ہے کہ صمد سے مراد ٹھوس بے جوف ہے۔ شعبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صمد وہ ہے، جو کھائے نہ پیے۔ ابن بریدہ رحمہ اللہ نے کہا کہ صمد ایک چمکتا ہوا نور ہے۔ بریدہ رحمہ اللہ نے کہا کہ صمد

[1] تفسیر بن کثیر (٤/٧٤١)

[2] تفسیر ابن جریر (٣٠/٣٤٦)

[3] تفسیر ابن کثیر (٤/٧٤٢)

وہ ہے، جس کا جوف یعنی اندرون شکم نہ ہو۔[1]

حافظ ابوالقاسم الطبرانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "السنة" میں ان اقوال کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ سب معانی صحیح ہیں۔ یہ ہمارے رب کی صفات ہیں۔ تمام لوگ اسی کے محتاج ہیں، وہ اپنی سرداری میں انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ وہ صاحبِ جوف ہے نہ کھاتا پیتا ہے۔ وہ مخلوق کے بعد بھی باقی رہے گا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[2]

اس کے بعد اس سورت کی تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے والدین، بیوی اور اولاد کی نفی فرمائی۔ مجاہد رحمہ اللہ نے کہا کہ ﴿كُفُوًا﴾ سے مراد بیوی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ [الأنعام: ١٠١]

"یعنی جب وہ ہر شے کا خالق و مالک ٹھہرا تو پھر خلق میں اس کا نظیر کہاں سے آئے گا جو اس کی برابری کر سکے۔" تعالیٰ اللّٰه عن ذٰلك و تقدس و تنزه.

نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَ كُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾ [مریم: ٨٨ تا ٩٥]

[اور انھوں نے کہا رحمان نے کوئی اولاد بنا لی ہے، بلاشبہہ یقیناً تم ایک بہت بھاری بات کو آئے ہو، آسمان قریب ہیں کہ اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ڈھے کر گر پڑیں، کہ انھوں نے رحمان کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیا، حالاں کہ رحمان کے لائق نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے، آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے، وہ رحمان کے

---

[1] تفسیر ابن کثیر (٤/٧٤٢)

[2] الأسماء والصفات (٧٩)

پاس غلام بن کر آنے والا ہے، بلاشبہہ یقیناً اس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور انھیں خوب اچھی طرح گن کر شمار کر رکھا ہے اور ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے]

نیز فرمایا:

﴿وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ﴾ [الأنبياء: ٢٦، ٢٧]

[اور انھوں نے کہا رحمان نے کوئی اولاد بنا رکھی ہے، وہ پاک ہے، بلکہ وہ بندے ہیں جنھیں عزت دی گئی ہے، وہ بات کرنے میں اس سے پہل نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم کے ساتھ ہی عمل کرتے ہیں]

نیز فرمایا:

﴿وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ [الصآفات: ١٥٨، ١٥٩]

[اور انھوں نے اس کے درمیان اور جنوں کے درمیان رشتے داری بنا دی، حالانکہ بلاشبہہ یقیناً جن جان چکے ہیں کہ بے شک وہ ضرور حاضر کیے جانے والے ہیں، اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں]

صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ اذیت اور تکلیف پر صبر کرنے والا کوئی نہیں، جسے وہ سنتا ہے۔ وہ لوگ اللہ کی اولاد ٹھہراتے ہیں اور وہ ان کو رزق اور عافیت دیتا ہے۔[1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

''ابن آدم نے مجھے جھٹلایا، حالاں کہ اسے یہ نہ چاہیے تھا اور اس نے مجھے گالی دی، حالاں کہ یہ اس کے لائق نہ تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مجھے پیدا کیا ہے، اس طرح میرا اعادہ نہیں کر سکتا، حالاں کہ پہلی دفعہ پیدا کرنا اعادہ کرنے سے کچھ آسان تر نہیں ہے۔ اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٠٩٩)

نے اولاد اختیار کی ہے، حالاں کہ میں احد و صمد ہوں، میں نے اولاد جنی اور نہ میں خود جنا گیا اور نہ کوئی میرے جوڑ کا ہے۔"[1] (رواہ البخاري)

"فتح البیان" میں ہے کہ لفظ مبارک "اللہ" تمام صفاتِ کمال جو صفاتِ ثبوتیہ ہیں، ان پر دلیل ہے، جیسے علم، قدرت اور ارادہ۔ "احد" تمام صفاتِ جلال پر دلیل ہے۔ یہ صفاتِ ثبوتیہ ہیں، جیسے قِدم و بقا۔ صمد وہ ہے جس کا حاجات میں قصد کریں، کیوں کہ وہ قضاے حاجت پر قدرت رکھتا ہے۔

زجاج رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صمد وہ سید ہے جس کے اوپر کوئی سید نہ ہو۔ یا صمد کے معنی ہیں ازل سے ابد تک دائم اور باقی۔ یا وہ جو کسی کا محتاج نہ ہو۔ یا جو رغبتوں میں مقصود اور مصیبتوں میں مستعان بہ ہو۔ یا وہ ذات کہ جو چاہے سو کرے اور اپنے ارادے کے موافق حکم دے، یا کامل بے عیب۔

اس سورت کے آغاز میں اسم شریف "اللہ" کی تکرار اس لیے ہے کہ جو اس صفت کے ساتھ متصف نہیں ہے، وہ الوہیت کے استحقاق سے الگ اور جدا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ میں اسم مبارک صمد "اللہ" کی صفت ہے، لیکن سیاقِ کلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر جملہ مستقل ہو۔

ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ صمد وہ ہے جس کی آنتیں نہ ہوں۔

﴿لَمْ يَلِدْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ کوئی اس کا بیٹا نہیں جس طرح مریم کا بیٹا تھا۔ ﴿لَمْ يُوْلَدْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ کسی کا بیٹا نہیں، جس طرح عیسیٰ علیہ السلام و عزیر علیہ السلام پیدا ہوئے، یہ اس لیے کہ کوئی اس کا ہم جنس نہیں ہے اور سابقاً و لاحقاً اس کی طرف عدم کی نسبت محال ہے۔

قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: مشرکین عرب کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، یہود نے کہا کہ عزیر فرزندِ خدا ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح ابن اللہ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ سے ان کی تکذیب کی۔[2] پھر فرمایا: ﴿لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ یعنی اللہ کے جوڑ کا کوئی نہیں ہے، جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ "کفوا" کلامِ عرب میں نظیر کے معنی میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اس کی کوئی مثل نہیں ہے۔ الغرض کفار کے کلام کا حاصل اشراک، تشبیہ اور تعطیل ہے اور یہ سورت اس سب کو دفع کرتی ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٩٧٤، ٤٩٧٥)

[2] فتح البيان (١٥/ ٤٥٠)

تفسیر سورۃ الفلق

معوذتین کی قرآنیت:

اس سورت کی پانچ آیات ہیں۔ یہ مکی سورت ہے۔ حسن، عکرمہ، عطا اور جابر رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ معوذتین کو مصحف شریف سے کھرچ کر مٹا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ قرآن کو غیر قرآن (معوذتین) کے ساتھ خلط ملط نہ کرو، یہ دونوں سورتیں کتاب اللہ سے نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف ان کے ساتھ تعوذ کرنے کو کہا تھا۔ خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان دو سورتوں کو نماز میں نہ پڑھتے۔[1]

بزار رحمہ اللہ نے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس معاملے میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی متابعت و موافقت نہیں کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ان سورتوں کا پڑھنا بہ خوبی ثابت ہے اور انھیں مصحف میں لکھا گیا ہے۔[2] امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ گمان اجماعِ صحابہ کے خلاف ہے۔[3]

امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح کہا ہے، مگر ابن الانباری رحمہ اللہ نے اس کو رد کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ معوذتین کی قرآنیت سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ انکار بہ طور نسیان تھا، جس طرح انھوں نے سورۃ الفاتحہ کو بھی مصحف سے ساقط کر دیا تھا۔

فضائلِ معوذتین:

① عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] مسند أحمد (۵/۱۳۰)

[2] مسند البزار (۵/۲۹)

[3] الجامع لأحکام القرآن (۲۰/۲۵۱)

''آج کی رات مجھ پر کچھ آیات نازل ہوئیں، جن جیسی آیات میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھیں۔ وہ آیات (سورت) ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور (سورت) ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ہیں۔''[1] (أخرجه مسلم والترمذي والنسائي وغيرهم)

معوذتین ایک بہترین دم ہے:

② ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں آیا ہے:

''رسول اللہ ﷺ جن و انس کی نظر (بد) سے تعوذ اور دم کرتے، لیکن جب معوذتین اتریں تو آپ ﷺ نے اس کے علاوہ دوسرے دم کو ترک کر دیا۔''[2]

③ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

''رسول اللہ ﷺ معوذتین کے سوا اور دم کو مکروہ جانتے تھے۔''[3]

(أخرجه أبو داؤد والنسائي والحاكم و صححه)

④ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی ہے:

''یہ دونوں سورتیں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔''[4] (رواه ابن مردويه)

⑤ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ جب بیمار ہوتے تو انھیں پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے۔ جب آپ ﷺ زیادہ ہی بیمار ہو گئے تو میں نے یہ سورتیں پڑھ کر بطور برکت کے آپ ﷺ ہی کے ہاتھ کو جسم پر پھیرا۔''[5] (أخرجه مالك في الموطأ) اس کی اصل صحیحین میں ہے۔

---

① صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١٤) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٠٢) سنن النسائي (١٥٨/٣) مسند أحمد (١٤٤/٤)

② سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٠٥٨) سنن النسائي (٢٧١/٨) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٥١١)

③ سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٤٢٢٢) سنن النسائي، رقم الحديث (٥٠٨٨) المستدرك للحاكم (٢١٦/٤) اس کی سند میں ''عبد الرحمن بن مرملة'' ہے اس کی اس حدیث کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ دیکھیں: تمام المنة (ص: ٧٥)

④ الدر المنثور للسيوطي (٦٨٥/٨)

⑤ الموطأ للمالك (٣٤٨/٢) نیز دیکھیں: صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٠١٦) صحيح مسلم (١٦/٧)

معوذتین جادو کا توڑ ہیں:

⑥ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

''ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے۔ جبریل علیہ السلام معوذتین لے کر آئے اور کہا کہ ایک یہودی شخص نے تم پر جادو کیا ہے، وہ جادو فلاں کنویں میں دفن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا تو وہ اسے نکال لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے کھولو۔ ہر گرہ ایک آیت پر کھلتی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر کھڑے ہو گئے، یوں لگتا تھا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بندھے ہوئے تھے اور اب کھل گئے ہیں۔''[1]

(أخرجه عبد بن حميد وابن مردويه مطولًا)

کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جادو کی مدت چالیس دن تھی۔ چھے ماہ بھی کہا گیا ہے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک سال تک جادو رہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہی معتمد ہے۔[2]

امام راغب رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جادو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اثر انداز نہیں ہوا تھا، اس نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انسان ہونے کے ناتے محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن و جسم کو متاثر کیا تھا، بالکل اسی طرح جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے پیتے، بول و براز کرتے، خفا ہوتے اور بیمار پڑتے تھے۔ سو یہ تاثیر اس حیثیت سے تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے، نہ اس حیثیت سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے۔ جادو کا یہ اثر اس وقت نقصان دہ ہوتا، جب کسی امرِ نبوت میں اس کا کوئی اثر پایا جاتا۔ جس طرح احد کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت کا ٹوٹنا قادح نہیں، باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ﴿وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت و حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ اسی طرح یہ بات ہے کہ بعض نواحی میں اہلِ اسلام پر بعض مشرکین کا غلبہ ہو جاتا ہے تو یہ غلبہ اس آیتِ کریمہ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ کے مخالف نہیں۔[3]

قاضی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس سے کفار کی یہ بات سچی نہیں ٹھہرتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسحور یعنی جادو کے سبب سے مجنون ہیں۔ اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ جادو حق ہے اور قولاً و فعلاً اس کی حقیقت موجود

---

[1] مسند أحمد (٤/٣٦٧) سنن النسائي، رقم الحديث (٤٠٨٠) مسند عبد بن حميد (٢٧١)

[2] فتح الباري (١٠/٢٢٨)

[3] فتح البيان (٧/٥٨٨)

ہے۔ جادو کے ذریعے سے تکلیف، مرض، قتل اور میاں بیوی کے درمیان تفرقہ و اختلاف کا اثر ہوتا ہے۔ اس موضوع پر تمام کلام حاشیہ جمل میں مرقوم ہے۔[1]

معوذتین کی فضیلت میں کئی ایک احادیثِ صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو فرض نماز وغیرہ میں پڑھا ہے۔ و فیما ذکرنا کفایة. حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں۔

⑦ زر بن حبیش رحمہ اللہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے معوذتین کا حال دریافت کرتے ہوئے کہا کہ تمھارے بھائی ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان سورتوں کو مصحف سے کھرچ کر مٹا دیتے ہیں۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے نبی مکرم ﷺ سے پوچھا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے کہا گیا: پڑھ، تو میں نے پڑھا۔ (ابی کہنے لگے) میں وہی بات کہتا ہوں جو آپ ﷺ نے کہی تھی۔ (یعنی میں بھی انھیں اسی طرح پڑھتا ہوں جیسے رسول اللہ ﷺ نے انھیں پڑھایا تھا۔)[2] (رواه أحمد والبخاري)

بہت سے قرا و فقہا کے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو مصحف میں نہ لکھتے تھے۔ شاید انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کو نہیں سنا یا ان کے نزدیک یہ متواتر نہیں ہوئیں۔ پھر انھوں نے جماعت کے قول کی طرف رجوع کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے معوذتین کو مصحف میں لکھا اور تمام ممالک کی طرف بھیجا تھا۔[3] ولله الحمد والمنة

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا نماز میں معوذتین پڑھنا، نیز سوتے اور جاگتے وقت، ہر فرض نماز کے بعد اس کے پڑھنے کا حکم دینا امام احمد اور اہلِ سنن کے نزدیک چند احادیث میں بیان ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو صبح کی نماز میں پڑھا ہے۔[4]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس مقام پر کافی زیادہ واسطوں سے احادیث نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

---

① حاشية الجمل على الجلالين (٤/٦٤١)

② مسند أحمد (٥/١٢٩) صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٩٧٧)

③ تفسير ابن كثير (٤/٧٤٤)

④ مسند أحمد (٤/١٤٤، ٤/١٥٥) سنن أبي داود، رقم الحديث (١٥٢٣) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٠٣) سنن النسائي (٨/٢٥٢، ٢٥٣، ٣/٦٨)

”فهذه طرق عن عقبة كالمتواتر عنه، تفيد القطع عند كثير من المحققين في الحديث“

[عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے اتنی سندوں کے ساتھ مروی حدیث متواتر کی حد تک پہنچ جاتی ہے اور بہت سے حدیث کے محققین کے نزدیک یہ قطعی علم کا فائدہ دیتی ہے]

⑧ آپ ﷺ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ کیا میں تمھیں ایسی تین سورتیں نہ سکھا دوں جن کی مثل تورات میں اتریں نہ انجیل، زبور اور نہ فرقان میں؟ تو سنو! وہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور معوذتین ہیں۔[1]

⑨ جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا:

«اِقْرَأْ بِهِمَا وَ لَنْ تَقْرَأَ بِمِثْلِهِمَا»[2] (رواه النسائي)

[اے جابر رضی اللہ عنہ! ان دونوں سورتوں (معوذتین) کو پڑھو، تو ان جیسی سورتیں کبھی نہیں پڑھے گا]

⑩ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی احادیث میں کہ رسول اللہ ﷺ کا ان سورتوں کے ساتھ جن و انس کی نظر (بد لگ جانے) سے تعوذ اور دم کرنا اور دم کر کے بدن پر پھیرنا اہلِ سنن کے ہاں کئی ایک سندوں سے مروی ہے۔[3]

تفسیر سورۃ الفلق:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ [الفلق]

[تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی، ہر چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی اور اندھیرے

---

① مسند أحمد (٤/ ١٤٨، ١٥٨)

② سنن النسائي، رقم الحديث (٥٤٤١)

③ الموطأ للمالك (٢/ ٩٤٢) صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٠١٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٩٠٢) سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٩٠٢) سنن النسائي الكبرىٰ، رقم الحديث، (٧٥٤٩، ٧٥٤٤، ١٠٨٤٧) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٥٢٩)

کی برائی سے جب وہ سمت آئے اور عورتوں کی بدی سے جو گرہوں میں پھونکیں اور برا چاہنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرنے لگے]

﴿غَاسِقٍ﴾ سے مراد رات کا اندھیرا یا چاند کا گہن ہے، اس میں ظاہر و باطن کی سب تاریکیاں، تنگ دستی، پریشانی اور گمراہی شامل ہے۔ ﴿اَلنَّفّٰثٰتِ﴾ سے مراد جادوگر ہیں۔ حاسد کی ٹوک لگ جاتی ہے۔

جابر نے کہا ہے کہ ﴿اَلْفَلَقِ﴾ سے مراد صبح ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد، سعید بن جبیر، عبداللہ بن محمد بن عقیل، حسن، قتادہ، قرظی، ابن زید اور زید بن اسلم رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔[1]

قرظی، ابن زید اور ابن جریر رحمہم اللہ نے کہا ہے[2] کہ یہ اس آیت کے مثل ہے:

﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ﴾ [الأنعام: ٩٦]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ "فَلَقِ" سے مراد خلق ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ ساری خلق سے پناہ مانگیں۔ کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ﴿اَلْفَلَقِ﴾ جہنم میں ایک جنگل (گھر) ہے، جب وہ کھولا جاتا ہے تو سارے جہنمی اس کی شدتِ گرمی سے چیختے ہیں۔

زید بن علی رحمہ اللہ اپنے آبا سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ ﴿اَلْفَلَقِ﴾ جہنم کی تہ میں ایک کنواں ہے، اس پر ایک پردہ پڑا ہوا ہے، جب وہ پردہ اٹھایا جاتا ہے تو اس سے ایک ایسی آگ نکلتی ہے جس سے خود جہنم اس کی شدتِ گرمی کے سبب چیخنے لگتی ہے۔ عمرو بن عنبسہ، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور سدی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس بارے ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے، لیکن وہ منکر ہے۔[3]

ابو عبدالرحمن جیلی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ "فَلَق" جہنم کا نام ہے، لیکن ابن جریر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ پہلا قول درست ہے کہ "فَلَقِ" سے مراد صبح ہے۔[4] یہی بات صحیح ہے اور اسی کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اختیار کیا ہے۔[5]

---

[1] تفسير ابن كثير (٧٤٦/٤)

[2] تفسير ابن جرير (٣٥٠/٣٠)

[3] تفسير الطبري (٢٢٥/٣٠)

[4] دیکھیں: تفسير ابن جرير (٢٢٥/٣٠) تفسير ابن كثير (٧٤٦/٤)

[5] صحيح البخاري مع الفتح (٧٤١/٨)

فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ سے مراد تمام مخلوقات کا شر ہے۔ ثابت بنانی اور حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد جہنم، ابلیس اور اس کی ذریت ہے جو اللہ کی مخلوقات میں شامل ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ فرمانِ الٰہی ﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ﴾ میں ﴿وَقَبَ﴾ سے مراد غروب آفتاب ہے، اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حکایت کیا ہے۔[1] مجاہد، ابن عباس رضی اللہ عنہما قرظی، ضحاک، خصیف، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ عطیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد رات کا جانا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے رات کے اندھیرے کا آنا مراد ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد ستارہ ہے۔ ابن زید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عرب لوگ سقوطِ ثریا کو غاسق کہتے تھے اور اس سقوط کے واقع ہونے کے وقت اَسقام وطواعین [بیماریوں اور حوادثات] کا کثرت سے ہونا بتاتے تھے اور طلوعِ ثریا کے وقت ان آفات کا رفع دفع ہو جانا یقین کرتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ﴿غَاسِقٍ﴾ سے مراد چاند ہے۔[2]

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعًا مروی حدیث میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: «تَعَوَّذِي مِنْ شَرِّ هٰذَا الْغَاسِقِ» [اس غاسق کے شر سے پناہ پکڑ] اور یہ کہتے ہوئے مجھے چاند کا طلوع ہونا دکھایا۔"[3] (رواه أحمد والنسائي، قال الترمذي: حديث حسن صحيح)

جامع ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ پناہ مانگ اللہ کی اس کے شر سے کہ یہ غاسق ہے جب سمٹ آئے۔ نسائی کے الفاظ یہ ہیں کہ پناہ مانگ اللہ کی اس غاسق سے جبکہ یہ سمٹے۔

پہلے قول والوں نے کہا ہے کہ یہ رات کی نشانی ہے۔ یہ قول ہمارے خلاف نہیں ہے، کیوں کہ قمر ونجوم کی سلطنت رات ہی کو ہوتی ہے۔

مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ﴾ میں ﴿النَّفّٰثٰتِ﴾ سے مراد جادوگرنیاں ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ جادوگرنیاں جب منتر کریں اور گرہوں پر پھونکیں۔ طاؤس رحمہ اللہ نے کہا کہ کوئی شے سانپ اور مجانین کے دم سے زیادہ

[1] مصدر سابق.
[2] تفسير ابن كثير (٤/٧٤٧)
[3] مسند أحمد (٦/٦١) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٣٦٦) سنن النسائي الكبرى، رقم الحديث (١٠١٣٨)

شرک کے قریب نہیں ہے۔[1]

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے:

''جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! انھوں کہا: «بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ يُؤْذِيكَ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ وَعَيْنٍ، اَللّٰهُ يَشْفِيكَ»[2]

[اللہ کے نام کے ساتھ میں تجھے دم کرتا ہوں ہر اس بیماری سے جو تجھے تکلیف دے، ہر حسد کرنے والے کے شر اور آنکھ (نظر لگ جانے) کے شر سے، اللہ تعالیٰ تجھے شفا عطا کرے]

شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بیماری اس وقت تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفا بخشی اور یہود کے حاسدین اور جادوگروں کی تدبیر کو رد کیا۔ ان کی تدبیر میں ان کی تدمیر فرمائی اور انھیں رسوا کیا، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دن بھی ان پر عتاب نہیں فرمایا، بلکہ اللہ ہی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفا و عافیت بخشی۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وجہ سے چند روز بیمار رہے۔ جبریل علیہ السلام نے آ کر بتایا کہ ایک یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے اور فلاں فلاں کنویں میں تمھارے لیے گرہیں لگائی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیجا کہ وہ اس جادو کو نکال لائے، لہٰذا وہ شخص جا کر اسے لے آیا اور اسے کھول ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بندھے ہوئے تھے اور اب اس سے کھل گئے ہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کا کچھ ذکر نہ کیا اور نہ اس کے رو بہ رو کسی بدخلقی کا مظاہرہ کیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے۔''[3] (رواه النسائي)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی ہے:

---

[1] تفسير الطبري (٣٠/٢٢٧)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١٨٦)

[3] سنن النسائي (٧/١١٢)

''رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ خیال کرتے تھے کہ آپ ﷺ عورتوں کے پاس گئے ہیں، حالانکہ آپ ﷺ ان کے پاس نہ گئے ہوتے۔ سفیان رحمہ اللہ نے کہا کہ ایسا جادو بہت سخت ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا تمھیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے استفسار کا کیا جواب دیا؟ میرے پاس دو مرد آئے، ایک میرے سر کے پاس بیٹھا اور دوسرا پاؤں کے پاس۔ جو سر کے پاس تھا، اس نے کہا: اس شخص کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے کہا کہ یہ مطبوب یعنی مسحور ہیں۔ اس نے پوچھا کہ اس پر کس نے جادو کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ لبید بن عاصم نے، جو بنو زریق کا ایک فرد، یہود کا حلیف اور منافق تھا۔ پوچھا کہ اس نے یہ جادو کس چیز میں کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سر کے بال اور کنگھی میں، پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ چاہِ ذروان میں گابھے کے چھلکے میں پتھر کے نیچے وہ دفن ہے۔ پھر آپ ﷺ اس کنویں پر گئے، اس جادو کو نکالا اور فرمایا کہ یہ وہی کنواں ہے جو مجھے دکھایا گیا تھا۔ اس کنویں کا پانی ایسا تھا جیسے مہندی کا نچوڑ ہوتا ہے۔ وہاں کی کھجوریں ایسی تھیں جیسے شیاطین کے سر ہوتے ہیں۔ جب وہ جادو نکالا گیا تو میں (عائشہ رضی اللہ عنہا) نے کہا کہ آپ ﷺ اس کو ظاہر نہیں فرماتے؟ آپ ﷺ نے کہا: سن! اللہ نے مجھے شفا بخشی اور میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی پر شر انگیزی کروں۔''[1] (رواه البخاري)

دوسری روایت میں یوں ذکر ہوا ہے کہ آپ ﷺ کو یہ خیال گزرتا کہ میں نے فلاں کام کیا ہے، حالاں کہ آپ ﷺ نے وہ کام نہ کیا ہوتا، پھر آپ ﷺ نے اس کنویں کو پُر کروا دیا۔[2]

ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں:

''ایک یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ یہود نے اسے اپنے ساتھ ملا کر اس کے ذریعے آپ ﷺ کے سر کی کنگھی اور شانے کے کچھ بال لے کر ان پر جادو کیا۔ جادو کرنے والا لبید بن اعصم تھا۔ علی، عمار بن یاسر اور زبیر رضی اللہ عنہم گئے اور اس کنویں کا پانی نکالا، اس کا پانی مہندی رنگ کا تھا۔ پھر انھوں نے پتھر اٹھا کر نیچے سے گابھا نکالا،

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٧٦٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٨٦٣، ٦٣٩١، ٥٧٦٦)

اس میں ایک کنگھی اور آپ ﷺ کے سر کے کچھ بال تھے اور ایک تانت تھی، اس میں سوزن زدہ بارہ گرہیں تھیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں (فلق اور ناس) نازل فرمائیں۔ ہر آیت (کی تلاوت) پر ایک گرہ کھل گئی اور آپ ﷺ نے اپنی طبیعت میں خفت محسوس کی۔ جب آخری گرہ کھلی تو آپ ﷺ یوں اٹھ کر کھڑے ہوئے، جیسے کسی بندھن سے آزاد ہو گئے ہوں۔ جبریل علیہ السلام نے آ کر ان الفاظ کے ساتھ آپ ﷺ کو دم کیا: « بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ يُؤْذِيْكَ، مِنْ حَاسِدٍ وَ عَيْنٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ » [اللہ کے نام کے ساتھ میں آپ ﷺ کو دم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو آپ ﷺ کے لیے تکلیف دہ ہے اور ہر حاسد اور نظر بد سے، اللہ ہی آپ ﷺ کو شفا عطا فرمائے گا] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: کیا ہم اس خبیث کو گرفتار کر کے اسے قتل نہ کر دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے شفا دی، اب مجھے لوگوں پر شر کو برانگیختہ کرنا پسند نہیں ہے۔"[1] واللہ أعلم.

تفسیر فتح البیان (اس سے نواب صاحب رحمہ اللہ کی اپنی عربی تفسیر مراد ہے) میں ہے کہ ﴿اَلْفَلَقِ﴾ بمعنی صبح ہے، مثلاً کہتے ہیں: "هو أبين من فلق الصبح" [وہ صبح پھوٹنے سے بھی زیادہ واضح ہے۔] بعض نے کہا ہے کہ ﴿اَلْفَلَقِ﴾ جہنم میں ایک درخت ہے، یا یہ نار (آگ) کا نام ہے، یا یہ آگ میں ایک قید خانے کا نام ہے، یا اس سے مراد پہاڑ اور پتھر ہیں کہ ان میں سے پھٹ کر پانی بہتا ہے۔ نحاس رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ﴿اَلْفَلَقِ﴾ ہموار زمین کو کہتے ہیں، یا اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو حیوان، نباتات اور جماد سے پھٹ کر نکلتی ہے، گویا ﴿اَلْفَلَقِ﴾ بمعنی شق ہے، جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى﴾ لیکن پہلا قول ہی زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے۔[2]

فلق کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو تمام عالم سے ان ظلمات کے ازالے پر قادر ہے، اس کو یہ قدرت بھی حاصل ہے کہ وہ پناہ گیر سے ہر خوف و خشیت کو بھی دور کر دے۔ یا طلوعِ صبح آمدِ فرحت کی ایک مثال ہے کہ جس طرح انسان رات کو طلوعِ فجر کا انتظار کرتا ہے، اسی طرح خائف اور پناہ گیر نجاح و فلاح کی صبح کا منتظر ہوتا ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر (٤/٧٤٨)

[2] فتح البیان (١٥/٤٥٧)

﴿شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ سے ساری مخلوق مراد ہے، اس میں سارے ہی شرور آ گئے۔ یہ شر عام ہے اور اس کے بعد جو تین شر ذکر کیے گئے ہیں، وہ خاص ہیں۔ بعض نے اس سے ابلیس، اس کی ذریت اور جہنم مراد لی ہے، لیکن اس جگہ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے اور نہ جسمانی اضرار [تکالیف] ہی اس عموم سے خاص ہیں۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی قراءت ﴿مِنْ شَرٍ﴾ تنوین کے ساتھ ہے، لیکن اس میں نہایت بُعد اور ضعف ہے، یعنی اس شر سے جو ہنوز پیدا نہیں ہوا۔

فرمانِ خداوندی: ﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ﴾ میں ﴿مِنْ غَاسِقٍ﴾ سے رات اور "غَسَق" سے رات کا اندھیرا مراد ہے۔ زجاج رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ رات کو غاسق اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دن کی نسبت زیادہ سرد ہوتی ہے۔ بارد کو غاسق اور برد کو غسق کہتے ہیں، لیکن یہ قول بارد (کمزور) ہے۔

کسی نے کہا ہے کہ ﴿غَاسِقٍ﴾ ثریا ہے یا سورج، جبکہ وہ غروب ہو یا چاند جبکہ وہ غائب ہو جائے یا سانپ جبکہ وہ کاٹ کھائے یا ہر ناگہاں آنے والا جو ضرر پہنچائے یا بھیک مانگنے والا جبکہ سوال کر کے تنگ کرے، لیکن راجح قول پہلا ہی ہے۔

ارشادِ الٰہی: ﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ﴾ میں ﴿اَلنَّفّٰثٰتِ﴾ سے مراد وہ عورتیں ہیں، جو جادو کیا کرتی ہیں۔ نفث کے معنی ہیں پھونکنا، جس طرح منتر کرنے والے دم کرتے ہیں، خواہ اس کے ساتھ ریق (تھوک) ہو یا نہ ہو۔

یہ آیت معتزلہ کے قول کے بطلان پر دلیل ہے، کیوں کہ وہ جادو کے وقوع پذیر ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ "عُقَدْ" عقدۃ کی جمع ہے۔ لبید بن اعصم کی بیٹیاں جادو کرتے وقت دھاگے پر گرہیں لگاتی تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نفاثات بمعنی ساحرات (جادوگرنیاں) ہے۔ ایک دوسری روایت میں ان سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ نفث وہ منتر ہے، جس میں جادو کی آمیزش ہو۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے کوئی گرہ لگائی، پھر اس میں پھونکا، اس نے جادو کیا اور جس نے جادو کیا، وہ

مشرک ہوا اور جس نے کوئی چیز (گلے وغیرہ میں) لٹکائی وہ اسی کو سونپا گیا۔"[1]

(أخرجه النسائي وابن مردويه)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تجھے وہ دم نہ کروں جو جبریل علیہ السلام نے مجھ کو کیا تھا؟ میں نے کہا: ہاں! "بأبي أنت و أمي" [میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ، وَاللّٰهُ يَشْفِيْكَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ فِيْكَ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ» [اللہ کے نام کے ساتھ میں تجھے دم کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ تمھارے اندر موجود ہر بیماری سے تجھے شفا عطا کرے گا اور گرہوں میں پھونک مارنے والیوں اور حسد کرنے والے کے شر سے تمھیں دم کرتا ہوں] تین بار اس کو پڑھا۔"[2]

(أخرجه ابن ماجه وابن سعد والحاكم)

دم، منتر اور تعویذ کرنے کے جواز میں اختلاف ہے۔ جمہور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد آنے والے لوگوں نے جائز کہا ہے، بشرطیکہ وہ شرعی طریقے پر ہو۔ اس کی دلیل عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی حدیث ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر معوذات پڑھ کر پھونکتے۔[3] (الحديث)

ایک جماعت نے دم میں تھوکنے اور پھونکنے کا انکار کیا ہے اور بغیر تھوکنے کے پھونکنے کو جائز رکھا ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ دم کرنے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ تھوکے یا مسح کرے یا گرہ لگائے۔

نسفی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آیت یا حدیث کے ساتھ دم کرنا جائز ہے نہ کہ وہ دم جو سریانی، عبرانی یا ہندی میں ہو، کیوں کہ اس کا اعتقاد کرنا حلال نہیں ہے اور نہ اس پر اعتماد کرنا جائز ہے۔[4]

فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ میں ﴿حَسَدَ﴾ سے مراد محسود سے

---

[1] سنن النسائي، رقم الحديث (٤٠٧٩) اس کی سند میں "عباد بن ميسرة" راوی ضعیف اور حسن بصری مدلس ہیں۔

[2] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٥٢٤) اس کی سند میں عاصم بن عبیداللہ ضعیف اور زیاد بن ثویب مجہول ہیں۔ دیکھیں: السلسلة الضعيفة (٣٣٥٧)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤١٧٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١٩٢)

[4] فتح البيان (١٥/٤٦١) نیز دیکھیں: تفسير النسفي (٤/٢٨٤)

زوالِ نعمت کی تمنا اور خواہش کرنا ہے۔ ﴿إِذَا حَسَدَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر کر دے اور اس کے مطابق عمل درآمد کرے اور وہ حسد اس کو محسود پر ایقاعِ شر پر برانگیختہ کرے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"لم أر ظالمًا أشبه بالمظلوم من حاسد"

[میں نے کوئی ظالم نہیں دیکھا جو حاسد سے زیادہ مظلوم کے مشابہ ہو]

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں رسول اللہ ﷺ کو عمومًا تمام مخلوق کے شر سے پناہ پکڑنے کی ہدایت کی ہے، پھر بعض شرور کا خصوصًا ذکر فرمایا، اگرچہ وہ عموم کے تحت داخل تھے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں مزید شر اور زیادہ ضرر ہے۔ ان شرور میں ایک غاسق دوسرا نفاثات اور تیسرا حاسد ہے۔ زیادہ شر کے سبب یہ تینوں گویا اس لائق ہیں کہ ان کو الگ الگ ذکر کیا جائے۔ سورت کا خاتمہ حسد پر کیا ہے، تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ حسد زیادہ برا اور سخت ہے۔ حسد ہی وہ پہلا گناہ ہے جس کے ساتھ آسمان میں ابلیس اور زمین میں قابیل نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾ کی تفسیر یوں فرمائی ہے: "نفس ابن آدم و عينه" (حاسد سے مراد ابن آدم کا نفس [دم] اور اس کی آنکھ [نظر بد] ہے)[1] والله أعلم.

[1] فتح البیان (۱۵/۴۶۲)

تفسیر سورۃ الناس

اس سورت کی چھے آیات ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ یہ مکی ہے اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ مدنی ہے۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''بدائع الفوائد'' میں معوذتین سے متعلق فوائد بدیعہ لکھے ہیں، جو بیس اوراق پر پھیلے ہوئے ہیں۔[1] اس جگہ اس کی تفصیل مناسب نہیں ہے۔ خصوصاً اس لحاظ سے کہ ان کا تعلق اہلِ علم کے ذوق سے ہے نہ کہ عوام الناس سے۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ [الناس]

''تو کہہ میں لوگوں کے رب، لوگوں کے بادشاہ اور لوگوں کے معبود کی پناہ میں آیا اس کے شر سے جو وسوسہ ڈال کر چھپ جائے، وہ جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں جنوں میں اور آدمیوں میں۔''

شیطان گناہ پر اکسائے اور خود نظر نہ آئے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ پناہ کی کوئی دعا ان سورتوں کے برابر نہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ربوبیت، ملکیت اور الوہیت رب عز وجل کی تین صفات ہیں۔ وہ ہر شے کا رب، ملیک اور الٰہ ہے۔ ساری اشیا اسی کی مخلوق، مملوک اور عبید ہیں۔ لہٰذا پناہ گیر کو حکم دیا گیا کہ وہ اس کی پناہ لے، جو ان صفات کے ساتھ متصف ہے۔ وہ وسواس خناس یعنی شیطان کے شر سے پناہ مانگے، جو انسان پر مسلط ہے۔ کوئی ایسا شخص نہیں ہے، جس کے لیے ایک قرین نہ ہو، جو اس کے لیے خواہش کو مزین بنا کر پیش نہ کرتا ہو اور اس کے لیے فریب دہی میں کوتاہی کرتا ہو۔ اس سے محفوظ وہی ہے، جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] بدائع الفوائد (۲/ ۴۲۴)

''تم میں کوئی شخص نہیں ہے مگر اس کا قرین اس پر مقرر ہے۔ کہا: آپ ﷺ پر (بھی) اے اللہ کے رسول ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اعانت کی ہے لہٰذا وہ مطیع ہو گیا ہے، وہ مجھے خیر و بھلائی ہی کا حکم دیتا ہے۔''①

صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں صفیہ رضی اللہ عنہا کی حالتِ اعتکاف میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا قصہ مطولاً آیا ہے۔ اس میں یہ ذکر بھی ہے:

''دو انصاری آدمیوں نے آپ ﷺ کو صفیہ رضی اللہ عنہا سے بات کرتے ہوئے دیکھ کر چلنے میں جلدی کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھہرو! یہ صفیہ بنت حیی ہے۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! سبحان اللہ!! آپ ﷺ نے فرمایا: « إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ » [بلا شبہہ شیطان ابن آدم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے] میں ڈرا کہ کہیں تمھارے دل میں کوئی اور خیال نہ ڈال دے۔''②

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''شیطان ابن آدم کے دل پر اپنی سونڈ رکھے ہوئے ہے، اگر اس نے اللہ کا ذکر کیا تو سرک جاتا ہے اور اگر بھول گیا تو دل کو لقمہ بنا لیتا ہے، تو یہ ہے وسواس خناس۔''③
(رواه أبو يعلیٰ و هو غريب)

ابو تمیمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

''میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، گدھے نے ٹھوکر کھائی تو میں نے کہا کہ شیطان ہلاک ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو « تَعِسَ الشَّيْطَانُ » [شیطان ہلاک ہو] نہ کہہ، کیوں کہ جب تو یہ کہے گا تو وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھے گا اور کہے گا میں نے اپنی قوت سے اسے پچھاڑ دیا ہے، مگر جب تو ''بسم اللّٰہ'' کہے گا تو وہ چھوٹا ہو کر مکھی کی طرح ہو جائے گا۔''④ (تفرد به أحمد وإسناده جيد قوي)

① صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨١٤)

② صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٠٣٥، ٦٢١٩، ٧١٧١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١٧٤)

③ مسند أبي يعلیٰ (٢٧٨/٧، ٢٧٩) اس کی سند میں عدی بن ابی عمارہ اور اس کا شیخ زیاد المنیری دونوں ضعیف ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة (١٣٦٧)

④ سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٩٨٢) مسند أحمد (٥٩/٥) صحيح الترغيب والترهيب (١١٨/٣)

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب دل اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو شیطان چھوٹا اور مغلوب ہو جاتا ہے اور جب اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو بڑا اور غالب بن جاتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آتا ہے تو شیطان اس کے پاس آ کر اسے اشتباہ میں ڈالتا ہے، جس طرح آدمی اپنے چارپائے کو دباتا ہے۔ پھر جب وہ اس کے لیے رک جاتا ہے تو وہ اسے جکڑ لیتا ہے یا لگام پہناتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اس صورت حال کا مشاہدہ کرتے ہو کہ مزنوق (بندھا ہوا اور جکڑا ہوا) مائل ہوتا ہے اور ایسے ہی اللہ کا ذکر نہیں کرتا۔ رہا وہ جس کو لگام پڑی ہوتی ہے تو وہ منہ کھولے ہوئے ہوتا ہے، وہ بھی اللہ عز وجل کا ذکر بجا نہیں لاتا۔''[1] (تفرد به أحمد)

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ﴾ کے معنی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ شیطان ابن آدم کے دل پر بیٹھا ہوا ہے۔ پھر جب اس نے لہو اور غفلت کا مظاہرہ کیا تو شیطان نے اسے وسوسہ ڈالا۔ پھر جب اس نے اللہ کا ذکر کیا تو وہ سٹک (کھسک) جاتا ہے۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

معتمر کے والد سلیمان رحمہ اللہ نے کہا، میں نے سنا ہے کہ شیطان یا وسواس، حزن و فرح کے وقت ابن آدم کے دل میں نقب لگاتا ہے، جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو چل دیتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وسواس سے مراد شیطان ہے، وہ حکم کرتا ہے، جہاں اس کا کہنا مانا جائے وہ گھس جاتا ہے۔

کیا شیطان خاص ابن آدم کے سینوں میں وسواس ڈالتا ہے یا جن و انس دونوں میں؟ اس میں اختلاف ہے۔ اول ظاہر ہے اور دوسرے قول پر گویا لفظ ناس میں تغلیباً جن بھی داخل ہیں۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں جنوں کے حق میں ﴿بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ﴾ کے لفظ استعمال ہوئے ہیں، تو پھر لفظ ناس کے جنوں پر اطلاق کرنے میں کوئی جدت و بدعت نہیں ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ ارشادِ باری تعالیٰ ﴿الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي

[1] مسند أحمد (۲/ ۳۳۰) امام ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد (۱/ ۲٤۲) میں کہا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

﴿صُدُوۡرِ النَّاسِ﴾ کی تفصیل ہے اور اس سے دوسرے قول کو تقویت ملتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جسے وسوسہ ڈالا جاتا ہے کبھی وہ انسان ہوتا ہے اور کبھی جن۔ لہٰذا اس سے مراد شیاطینِ جن و انس ہیں، جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ [الأنعام: ۱۱۲]

[اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں اور جنوں کے شیطانوں کو دشمن بنا دیا، ان کا بعض بعض کی طرف ملمع کی ہوئی بات دھوکا دینے کے لیے دل میں ڈالتا رہتا ہے]

ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت آیا، جب آپ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ جب میں بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: ابو ذر رضی اللہ عنہ! کیا تو نے نماز ادا کر لی ہے؟ میں نے جواب دیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اٹھو اور نماز پڑھو۔ میں نے اٹھ کر نماز ادا کی اور پھر بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابو ذر رضی اللہ عنہ! «تَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ شَيَاطِيْنِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ» [شیاطینِ جن و انس کے شر سے اللہ کی پناہ پکڑ] میں نے کہا: کیا انسانوں میں بھی شیاطین ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! نماز کا کیا حال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «خَيْرُ مَوْضُوْعٍ، مَنْ شَاءَ أَقَلَّ، وَ مَنْ شَاءَ أَكْثَرَ» [یعنی ایک بہترین چیز تجویز ہے، جس کا جی چاہے کم پڑھے اور جس کا جی چاہے زیادہ کرے] میں نے کہا: روزے کا کیا حال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «فَرْضٌ يُجْزِيءُ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَزِيْدٌ» [یعنی یہ ایک ایسا فرض ہے جو کفایت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس زیادہ تر ہے] میں نے پوچھا: صدقے کا کیا حال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَضْعَافٌ مُضَاعَفَةٌ» [یعنی یہ چند در چند ہے] میں نے کہا: کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «جُهْدٌ مِنْ مُقِلٍّ أَوْ سِرٌّ إِلٰى فَقِيْرٍ» [یعنی جو باوجود قلت کے دیا جائے یا چپکے سے کسی فقیر کے حوالے کیا جائے] میں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کون سے نبی سب سے پہلے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آدم علیہ السلام۔ میں نے کہا: کیا وہ نبی تھے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! وہ نبی مکلم تھے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے بات چیت کی تھی۔ میں نے دریافت کیا: رسول کتنے ہوئے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: تین سو اور کچھ اوپر دس کا جم غفیر اور ایک دفعہ پندرہ اوپر بتائے۔ میں نے کہا: آپ ﷺ پر جو کچھ نازل ہوا ہے، اس میں سے افضل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آیۃ الکرسی ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾"[1]

(رواہ أحمد والنسائي و قد أخرج هذا الحديث مطولاً جداً أبو حاتم بن حبان في صحيحه بطريق آخر و لفظ آخر مطولا جدا)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

"ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے جی میں ایسی بات کرتا ہوں کہ اگر آسمان سے گر پڑوں تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ وہ بات منہ سے نکالوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي رَدَّ كَيْدَهُ إِلَى الْوَسْوَسَةِ» [اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، سب تعریف اس اللہ کے لیے جس نے اس کی تدبیر کو ایک وسوسہ بنا دیا]"[2] (رواہ أحمد و أبو داود والنسائي)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا: "آخر التفسير و لله الحمد والمنة والحمد لله رب العالمين"[3] انتہی۔

فتح البیان میں اس سورت کی تفسیر کے آغاز میں ہے:

فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿بِرَبِّ النَّاسِ﴾ کے معنی ہیں مربی اور مصلحِ احوال۔ اللہ تعالیٰ

---

[1] مسند أحمد (۱۷۸/۵) سنن النسائي، رقم الحديث (۵۵۰۷) صحیح ابن حبان، رقم الحديث (۳۶۱) مسند احمد اور سنن النسائی کی روایت میں عبید بن خشخاش راوی ضعیف ہے اور صحیح ابن حبان کی روایت سے متعلق ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس سند سے منکر ہے۔

[2] مسند أحمد (۲۳۵/۱) سنن أبي داود، رقم الحديث (۵۱۱۲) سنن النسائي الكبرىٰ (۱۷۱/۶، ۱۰۵۰۳)

[3] تفسير ابن كثير (۵۴۱/۸) دار طيبه، الرياض

ساری مخلوق کا رب ہے، پھر اس جگہ جو ﴿بِرَبِّ النَّاسِ﴾ فرمایا تو وہ اس لیے کہ یہ ناس کے شرف پر دلیل ہو، نیز اس لیے کہ یہ اس شر سے استعاذہ ہے جو ﴿صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ میں واقع ہوتا ہے۔

فرمانِ الٰہی ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ میں یہ بیان ہے کہ اللہ کی بادشاہی ویسی بادشاہی نہیں ہے جس بادشاہی کے تحت ممالیک ہوتے ہیں، بلکہ اس کی سلطنتِ قاہرہ اور مملکتِ کاملہ سب پر فائق ہے۔

ارشادِ الٰہی ﴿اِلٰهِ النَّاسِ﴾ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس کی ربوبیت کے ساتھ معبودیت و الوہیت بھی لگی ہوتی ہے، جو ایجاد و اعدام کے ساتھ تصرف کلی پر قدرتِ تامہ کا تقاضا کرتی ہے۔ رب کبھی ملک (بادشاہ) ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا، جیسے "رب الدار" اور "رب المتاع"۔ اسی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [التوبۃ: ۳۱]

[انھوں نے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا]

اسی لیے رب کے بعد ملک کا ذکر کیا۔ پھر کبھی کوئی ملک الٰہ ہوتا ہے اور کبھی نہیں، اس لیے ملک کے بعد ﴿اِلٰهِ النَّاسِ﴾ فرمایا، کیوں کہ یہ نام مبارک اس کے ساتھ خاص ہے، اس وصف میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

نیز اس کا آغاز نامِ رب سے کیا اور یہ نام اس کا ہے جو انسان کی اوائلِ عمر سے تا بلوغ و عقل تدبیر و اصلاح کے ساتھ قائم ہے، تاکہ آدمی دلیل کے ساتھ یہ بات پہچان لے کہ میں رب ملک کا ایک بندہ ہوں۔

پھر جب یہ بات جان لے کہ اس کی عبادت مجھ پر واجب ہے اور میں ایک عبدِ مخلوق ہوں اور وہ الٰہ معبود ہے تو اب اس کا ﴿اِلٰهِ النَّاسِ﴾ ہونا روشن ہوگیا۔ اس سورت میں لفظ ناس کو تکرار کے ساتھ لانے میں مزید شرف کا اظہار ہے کہ بار بار ان کا نام لیا۔ یا پہلے "ناس" سے مراد بچے، دوسرے سے جوان، تیسرے سے بوڑھے، چوتھے سے صالحین اور پانچویں سے مفسدین ہیں، لیکن اس تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ نسفی کا یہ کلام لطائفِ بیان کی قبیل سے ہے نہ کہ تفسیرِ قرآن سے ہے۔[1]

فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ﴾ میں "وسواس" سے مراد وسوسہ انداز ہے۔

[1] تفسیر النسفي (۴/ ۲۹۴)

وسوسے کا معنی حدیثِ نفس (دل کی بات) ہے۔ بعض نے کہا کہ وسواس شیطان کے فرزند کا نام ہے۔

﴿خَنَّاس﴾ کے معنی ہیں "کثیر التأخر". مجاہد رحمہ اللہ نے کہا کہ جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان منقبض ہو جاتا ہے اور جب ذکر نہیں کرتا تو دل پر منبسط ہو جاتا ہے۔ اس کے کثیر الاختفاء [بہت زیادہ چھپنے والا] ہونے کے سبب اس کا نام خناس ہوا۔ ظاہر تو یہ ہے کہ مطلق اللہ تعالیٰ کا ذکر شیطان کو دور کرتا ہے، اگرچہ بہ طور استعاذہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے میں فوائد جلیلہ ہیں، جس کا نتیجہ دونوں جہانوں میں خیر و بھلائی کے ساتھ کامیابی کا حاصل ہونا ہے۔

فرمانِ الٰہی ﴿اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ کے متعلق قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کتے کی سونڈ کی طرح شیطان کی ایک سونڈ ہے، جسے وہ انسان کے سینے پر رکھے رہتا ہے۔ جہاں آدمی اللہ کے ذکر سے غافل ہوا، اسی وقت وسوسہ کیا اور جہاں اللہ کو یاد کیا تو وہ پیچھے ہٹ گیا۔

مقاتل رحمہ اللہ نے کہا کہ شیطان بہ صورت خنزیر ہے، وہ خون کی طرح انسان کی رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے انسان پر مسلط کیا ہے۔ اس کا وسوسہ یہی ہے کہ وہ خفیہ بات کے ذریعے چپکے چپکے آدمی کو اپنی طاعت کی طرف بلاتا ہے، حتیٰ کہ وہ بات اس کے دل میں اتر جاتی ہے بغیر اس کے کوئی آواز سنائی دے۔

پھر فرمایا کہ یہ شیاطین دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک شیاطینِ جن، جو سینوں میں وسوسہ انداز ہوتے ہیں اور دوسرے شیاطینِ انس، ان کا وسوسہ لوگوں کے سینوں میں یوں ہوتا ہے کہ یہ اپنے آپ کو آدمی کے سامنے خیر خواہ اور مشفق ظاہر کرتے ہیں۔ شیطان کے وسوسے سے جو بات دل میں پڑتی ہے، ویسے ہی ان کی بات کا انسان کے دل میں اثر ہوتا ہے۔ یا اس کا یہ مطلب ہے کہ شیطان کا وسوسہ جنوں اور انسانوں کی طرف سے لوگوں کے سینوں میں ڈالتا ہے۔

بعض نے کہا کہ لفظ ناس میں جن و انس دونوں شامل ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جنوں کے کچھ افراد آئے تو ان سے سوال کیا گیا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا "نَاسٌ مِّنَ الْجِنِّ" یعنی ہم لوگ جن ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کا نام "رجال" رکھا ہے، جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ﴾ [الجن: ٦]

[اور یہ کہ بلاشبہہ بات یہ ہے کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے بعض لوگوں کی

پناہ پکڑتے تھے]

احسن یہ ہے کہ اس سے مراد وسواس اور ناس کے شر سے پناہ پکڑنا ہے، گویا اسے جن و انس کے شر سے پناہ پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حسن رحمہ اللہ نے کہا کہ جن شیطان سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے اور انس شیطان علانیہ آتا ہے۔

قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جن و انس دونوں میں شیاطین ہوتے ہیں، لہٰذا ہم شیاطینِ جن و انس سے پناہ پکڑتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ شیطان جس طرح انسان کے سینے میں وسوسہ ڈالتا ہے اسی طرح وہ جن کے سینے میں وسوسہ انداز ہوتا ہے۔

"جنة" کا واحد "جني" ہے جس طرح "إنس" کا واحد "إنسي" ہے۔ لیکن پہلا قول تمام اقوال سے زیادہ راجح ہے۔

بہرحال اس سورت میں جن و انس کو کی گئی نصیحت کا بیان ہے۔ انھیں اس بات کی طرف راہنمائی کی گئی ہے کہ ان دونوں میں سے جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑے گا، اس سے دنیا اور آخرت کی تکلیفیں دور ہو جائیں گی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ» [اترنے والا اور کوچ کرنے والا] پوچھا گیا "اَلْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ" کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلَّذِي يَضْرِبُ مِنْ أَوَّلِ الْقُرْآنِ إِلٰى آخِرِهٖ كُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ» [یعنی وہ شخص حال مرتحل ہے جو قرآن مجید کو اول تا آخر پڑھتا ہے، جب وہ پڑھ لیتا ہے، پھر اول سے اسے شروع کرتا ہے]"[1]

اس سے معلوم ہوا کہ جب قاریِ قرآن قرآن مجید کی تلاوت ختم کرے تو اسی وقت اس نیت کے ساتھ پھر اول قرآن پڑھے کہ وہ دوبارہ، سہ بارہ لا متناہی ایک بار ختم کر کے دوسری بار پڑھتا رہے، کتاب اللہ کی تلاوت کبھی ترک نہ کرے۔ اس میں ناظرہ خوان اور حافظِ قرآن دونوں شامل

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٤٨) اس کی سند میں صالح المری راوی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (١٨٣٤)

ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن سے بڑھ کر کوئی عملِ خیر نہیں ہے۔ یہ تلاوت اذکار اور دعوات کی متعدد انواع پر مشتمل ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کا ذکر بھی آیا ہے۔

کتاب عزیز کے فضائل بے حد و حساب ہیں۔ علما نے ان فضائل کو مستقل کتابوں میں تحریر کیا ہے۔ خود کتاب و سنت میں آیات اور سورتوں کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ اس بارے میں رسالہ "فصل الخطاب في فضل الكتاب" ایک عمدہ بیانِ شافی اور نصحِ کافی ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق دست گیر ہو، کیوں کہ قرآن مجید کے ہوتے ہوئے کسی کتاب کی حاجت نہیں ہے تو یہی ایک کتاب ہر کتاب اور بے کتاب والے کو کفایت کرتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اوّل و آخر قرآن زچہ با آمد و سین   یعنی اندر رہِ دین رہبر تو قرآن بس

[اول و آخر قرآن کس سے آیا ہے؟ با اور سین سے، یعنی دین کی راہ میں تیرا راہنما صرف قرآن ہے]

الحمد لله أوّلاً و آخراً، و صلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد و آله و صحبه وسلم.

إفادة الشيوخ

بمقدار

الناسخ والمنسوخ

تالیف

امام العصر علامہ نواب محمد صدیق حسن خان بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذي أنزل علىٰ عبده الكتاب تبصرة لأولي الرسوخ، وأودعه أنواعا من الحكم والعلوم منها الناسخ والمنسوخ، من عرفه فقد عرف الحق وأدركه ويا له من شموخ، ومن لم يعرف فقد هلك وأهلك الشروخ والشيوخ.

والصلاة والسلام على من جاءنا بالحنيفية السمحة السهلة البيضاء التي ليس لها منسوخ، فنسخ بها الملل وأزاح بها العلل، ورفع بها الحق بعد اتضاعه وقمع بها الباطل غب ارتضاعه وهم في بوخ، وعلى آله وأصحابه الذين لا يبلغهم أحد، ولو أنفق مثل أحد ذهبا في أجر ما أنفقوا في سبيله من مد أو صاع أو وَضوخ، صلى الله عليه و عليهم و علىٰ حملة الرواية ونقلة الدراية عنهم ما سحَّ الغمام على الأمصوخ، و غَنَّ الحمام على الشمروخ، وحن الذيوخ إلىٰ الكوخ، أما بعد!

اللہ کی حمد ہے، جس نے علماے راسخین کی بصیرت افزائی کے لیے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں گوناگوں حکمتیں اور علوم ودیعت رکھے، جن میں ناسخ و منسوخ بھی ہے۔ جس نے اسے پہچان لیا، اس نے سچائی کو پہچان لیا اور اس کا ادراک کرلیا اور وہ کتنا بلند ہے اور جس نے اسے نہیں پہچانا، وہ خود بھی ہلاک ہوگیا اور بچوں، بوڑھوں کو بھی ہلاک کر دیا۔

درود و سلام ہو ان پر جو آسان و سہل روشن حنیفیت کو لائے، جسے رو نہیں ہونا ہے اور اس کے ذریعے ملتوں کو منسوخ اور علتوں کو زائل کر دیا اور سچائی کو اس کے پست کیے جانے کے بعد بلند کر دیا اور باطل کو اس کے بلند ہونے کے بعد اکھاڑ دیا اور وہ شک و تردد میں ہیں، پھر آپ کی آل اور صحابہ پر درود و سلام ہو، جن تک اس کے اجر میں، جو انھوں نے اس کی راہ میں مد یا صاع یا نصف ڈول پانی نفقہ کر دیا، کوئی رسائی نہیں حاصل کر سکتا، اگرچہ وہ اُحد پہاڑ کے برابر سونا نفقہ کر دے۔ اللہ آپ پر اور ان پر اور ان سے روایت کے حاملین اور درایت کے ناقلین پر رحمت نازل فرمائے، جب تک ابر شاخوں اور پتوں پر برستا رہے اور کبوتر انگور کے خوشوں پر نغمہ نوازی کرتا رہے اور جب تک نر بجو

جھونپڑی کا شوق کرتا رہے۔ أما بعد!

اللہ کی مخلوق میں اس کی طرف سب سے زیادہ فقیر ومحتاج اور جو کچھ اس کے پاس ہے، اس کا سب سے زیادہ ضرورت مند شخص کہتا ہے کہ چونکہ قرآن کریم اور مخبر رؤف رحیم کی خبروں کے ناسخ ومنسوخ کا علم، علوم میں سب سے اہم ہے، کیوں کہ ان دونوں (قرآن وسنت) پر عمل اور ان سے تمسک اس (ناسخ ومنسوخ) کے جاننے پر موقوف ہے اور جو اس سے نا آشنا ہو، وہ بڑے خطرے میں مبتلا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ وہ کسی چیز کے جواز کا حکم لگائے، جو تحریم کے ساتھ منسوخ ہو یا کسی چیز کی تحریم کا فیصلہ دے، جب کہ وہ جواز سے منسوخ ہو یا ناسخ کو منسوخ جانے یا منسوخ کو ناسخ شمار کرے۔

اس لیے ائمہ امت اور علمائے ملت نے فرمایا ہے کہ کسی کے لیے کتاب اللہ کی تفسیر کرنا اور سنت سے تمسک کرنا، اس کے ناسخ ومنسوخ کو جاننے کے بعد ہی جائز ہے۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انھوں نے ایک واعظ سے پوچھا: ناسخ ومنسوخ کو پہچانتے ہو؟ اس نے جواب دیا: نہیں۔ تو فرمایا کہ تم خود بھی ہلاک ہوگئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کر دیا۔[1] اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے اس طرح کے واعظین کو ناسخ ومنسوخ کو نہ جاننے کی وجہ سے قرآن کی تفسیر اور وعظ کرنے سے روک دیا۔[2]

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ناسخ ومنسوخ کے عالم کے سوا کسی کے لیے لوگوں کو وعظ کرنا اور قرآن کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔[3] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کسی سے اس کی مخالفت ثابت نہیں، تو گویا اس علم کی معرفت کے وجوب اور اس کے جانے بغیر قرآن وسنت میں عدمِ تکلم پر ان کا اتفاق ہے۔ یہیں سے اہلِ علم کی ایک بڑی جماعت نے اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں اور ناسخ کو منسوخ سے جدا کیا ہے۔ ان مصنفین میں سے کچھ درجہ ذیل ہیں:

(۱) مکی بن ابی طالب القیسی المقری، (۲) ابو جعفر النحاس، (۳) ابوبکر محمد بن عبداللہ بن العربی، (۴) ابو داود سجستانی، (۵) ابو عبید قاسم بن سلام، (۶) ابو سعید عبدالقاہر بن طاہر التیمی، (۷) شیخ جلال

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٥/ ٢٩٠) سنن البيهقي (١٠/ ١١٧)

[2] المعجم الكبير (١٠/ ٢٥٩)

[3] الناسخ والمنسوخ للنحاس (ص: ٥١)

الدین سیوطی، (۸) امام ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن سلامۃ بن نصر المفسر المقری النحوی البغدادی، (۹) ابوالحسین، (۱۰) ابن المناوی اور (۱۱) علی ہمدانی وغیرہ نے قرآن کے ناسخ ومنسوخ کے بارے میں تالیفات کی ہیں۔ ان کے علاوہ (۱) ابومحمد قاسم بن اصبغ القرطبی النحوی، (۲) ابوبکر محمد بن عثمان المعروف بالجعد الشیبانی، ابن کیسان کے ایک ساتھی، (۳) احمد بن اسحاق الانباری، (۴) ابوجعفر احمد بن محمد النحاس النحوی، (۵) ابوبکر محمد بن موسیٰ الحازمی الهمدانی، (۶) ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن سلامۃ النحوی، (۷) ابوحفص عمر بن شاہین البغدادی الواعظ، (۸) ابراہیم بن علی المعروف بابن عبدالحق، (۹) امام عبدالکریم بن ہوازن القشیری، (۱۰) محمد بن بحرالاصبہانی، (۱۱) ابوالفرج بن الجوزی اور (۱۲) حسین بن عبدالرحمٰن الاہدل الیمنی وغیرہ نے حدیث کے ناسخ ومنسوخ کے بارے میں تصنیفات کی ہیں۔

لیکن اس اخیر زمانے میں توالیف وتصانیف عنقا وکیمیا ہوگئیں اور اس علم کے علما کی بے توجہی سے، خصوصاً ان عجمی ملکوں اور دیارِ ہند میں، گوشۂ عدم میں چلی گئیں۔ اسی بنا پر یہ حقیر فقیر۔ عفا اللہ عنه ما جناه واستعمله في ما يحبه ويرضاه۔ (اللہ اس کے گناہوں کو معاف کرے اور اس سے اپنی مرضی کا پسندیدہ کام لے) دوستوں کی ایک جماعت کی مدد سے ۱۲۸۶ھ میں اس رسالے کی تالیف میں مشغول ہوا اور اسے ایک مقدمے، دو بابوں اور ایک خاتمے پر ترتیب دیا اور اس کا "إفادة الشيوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ" نام رکھا۔ مقدمہ کتاب نسخ کے معانی اور اس کے احکام کے بیان میں ہے اور باب اول سورتوں کی ترتیب پر قرآن کریم کے ناسخ ومنسوخ کے بارے میں، باب دوم حدیث کے ناسخ ومنسوخ کے بارے میں اور خاتمہ کچھ اہم فوائد کے ذکر میں ہے۔ و باللہ التوفيق و إليه مآب.

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

ناسخ ومنسوخ کے معانی کا بیان

اس میں چند مسائل ہیں:

① نسخ کی تعریف:

لغت میں نسخ کا معنی ابطال و ازالہ آتا ہے اور اسی سے ہے: "نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ وَالرِّيْحُ آثَارَ الْقَوْمِ" [سورج نے سائے کو اور ہوا نے آثارِ قوم کو زائل کر دیا] اور اسی سے "تَنَاسُخُ الْقُرُوْنِ" [صدیوں کا گزرنا] ہے اور کبھی اس کا معنی نقل وتحویل ہوتا ہے اور اسی سے ہے: "نَسَخْتُ الْكِتَابَ أَيْ نَقَلْتُهُ" [میں نے کتاب کو نسخ یعنی نقل کیا] اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ [الجاثية: ٢٩] [بے شک ہم لکھواتے جاتے تھے، جو تم عمل کرتے تھے] اور اسی سے "تَنَاسُخُ الْمَوَارِيْثِ" [میراثوں کا تناسخ] ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں معانی (ابطال و ازالہ) میں نسخ حقیقت ہے یا ان دونوں میں سے ایک میں نہ کہ دوسرے میں۔ صفی ہندی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اہلِ علم کی اکثریت اس پر ہے کہ ازالے میں حقیقت ہے اور نقل میں مجاز۔ قفال شاشی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ نقل میں حقیقت ہے، جب کہ باقلانی رحمہ اللہ، عبدالوہاب رحمہ اللہ اور غزالی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ دونوں میں حقیقت ہے اور دونوں میں لفظاً مشترک ہے، کیوں کہ دونوں میں مستعمل ہے۔ اہلِ اصول کی اصطلاح میں اس کی تعریفات میں طویل بحث کے بعد اس کا معنی وتعریف "شرعی حکم کو اس کے مثل سے ناسخ کی منسوخ سے تاخیر کے ساتھ اٹھا لینا ہے۔"

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "الفوز الكبير في أصول التفسير" میں لکھا ہے کہ فنِ تفسیر کے مشکل مقامات میں سے، جن کے مباحث بہت ہیں اور ان میں بے شمار اختلاف ہے،

ناسخ ومنسوخ کی شناخت ہے۔ دشواری کی سب سے مضبوط وجہ متقدمین و متاخرین کی اصطلاح کا اختلاف ہے۔ اس باب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے کلام کا جائزہ لینے سے پتا چلتا ہے کہ وہ نسخ کو لغوی معنی میں، جو ایک چیز کا دوسری چیز سے ازالہ کرنا ہے، استعمال کرتے ہیں، اصولیوں کے اصطلاحی معنی میں نہیں۔

چنانچہ ان کے نزدیک آیت کے بعض اوصاف کا دوسری آیت سے ازالہ نسخ ہے، خواہ وہ مدتِ عمل کی انتہا ہو یا کلام کو معنی متبادر سے غیر متبادر کی طرف پھیرنا یا کسی قید کے اتفاقی ہونے کا بیان یا کسی عام کی تخصیص یا منصوص اور اس پر ظاہراً مقیس کے مابین فارق کا بیان یا عادتِ جاہلیہ یا شریعتِ سابقہ کا ازالہ۔ الغرض ان کے نزدیک نسخ کا باب ایک کشادہ باب ہے، جس میں عقل کی گردش اور اختلافات کی گنجایش ہے۔ اسی لیے آیاتِ منسوخہ کی تعداد پانچ سو تک پہنچا دی گئی ہے۔ اگر ٹھیک سے غور کرو تو غیر محصور ہے، لیکن متاخرین کی اصطلاح کے لحاظ سے آیاتِ منسوخہ کی تعداد تھوڑی ہے زیادہ نہیں، خصوصیت سے اس توجیہ کے لحاظ سے جو ہم نے اختیار کی ہے۔ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الإتقان" میں اس کے بعد کہ علما سے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے، مناسب تفصیل سے بیان کرتے ہوئے، جو متاخرین کی رائے پر منسوخ ہے، شیخ ابن العربی کے موافق لکھتے ہوئے تقریباً بیس آیات کو شمار کیا ہے اور فقیر کو ان بیس میں سے زیادہ تر کے بارے میں نظر و اختلاف ہے۔[1] انتہیٰ.

اس کے بعد ان بیس آیات کو تعاقب کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے اس کے آخر میں کہا ہے:

"قلت: علی ما حررنا لا یتعین النسخ إلا في خمس آیات"[2] [ہم نے جو کچھ تحریر کیا ہے، اس کے مطابق تو صرف پانچ آیات منسوخ ٹھہرتی ہیں] انتہیٰ. یہ تعقبات متعلقہ آیتوں کے ضمن میں آئیں گے۔

② نسخ کا ثبوت اور حکمت:

کتاب و سنت کے درمیان فرق کیے بغیر نسخ عقلاً جائز اور سمعاً و شرعاً واقع ہوا ہے۔ ابو مسلم اصفہانی رحمہ اللہ کے برخلاف اہلِ علم کی ایک جماعت نے اس پر اہلِ شریعت کا اتفاق حکایت کیا ہے،

① الفوز الکبیر (ص: ٥١۔ ٥٢)

② الفوز الکبیر (ص: ٦٠)

کیوں کہ اس نے کہا ہے کہ نسخ جائز تو ہے، مگر ہوا نہیں ہے۔ قاضی القضاۃ محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ نے "إرشاد الفحول" میں اس اختلاف میں اصفہانی رحمہ اللہ کا بھر پور رد کیا ہے اور تعجب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"إن صح هذا منه فهو دليل على أنه جاهل بهذه الشريعة المحمدية جهلا فظيعاء وأعجب من جهله بها حكاية من حكىٰ عنه الخلاف في كتب الشريعة، فإنه إنما يعتد بخلاف المجتهدين لا بخلاف من بلغ في الجهل إلى هذه الغاية"[1] انتهىٰ.

[اگر یہ اس سے صحیح ثابت ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اس شریعت محمدیہ سے بہت بڑا جاہل ہے اور اس سے زیادہ حیرت کی بات کتبِ شریعت میں اس کے اختلاف کی حکایت کرنا ہے، کیونکہ مجتہدین کے اختلاف کا شمار ہوتا ہے نہ کہ اس شخص کے اختلاف کا جو جاہلیت کی اس انتہا کو پہنچا ہوا ہو]

نسخ کی حکمت آنحضرت ﷺ کے شرف کا بیان ہے کہ آپ کی شریعت سب شریعتوں کی ناسخ ہے، جب کہ آپ کی شریعت کا کوئی ناسخ نہیں ہے۔ علما نے فرمایا ہے کہ اس کی حکمت بندوں کی مصلحتوں کی حفاظت ہے، تو جس وقت ان کی مصلحت ایک حکم کو دوسرے حکم سے اور ایک شریعت کو دوسری شریعت سے بدلنے میں ہو تو وہ تبدیلی اسی مصلحت کی رعایت میں ہوگی۔ کہتے ہیں کہ ان سے دنیا میں ایک خدمت کے بوجھ کو اٹھانا ہے، تاکہ جنت میں اس کی بلندی کی بشارت ہو۔ نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ نسخ کی حکمت آسانی پیدا کرنا ہے اور اس کے علاوہ بھی مختلف موقف اختیار کیے گئے ہیں۔

③ نسخ کی شرائط:

نسخ کے لیے کچھ شرطیں ہیں:

① منسوخ شرعی ہو، عقلی نہ ہو۔

② ناسخ، منسوخ سے منفصل اور متاخر ہو، کیونکہ جو مقترن ہو، جیسے شرط وصفت اور استثنا تو اس کا نام نسخ نہیں بلکہ تخصیص ہے۔

③ اس کا شریعت سے ہونا ہے، لہٰذا موت کی وجہ سے حکم کا اٹھ جانا نسخ نہیں، بلکہ سقوطِ تکلیف ہوگا۔

[1] إرشاد الفحول (۲/ ۵۲)

④ یہ کہ منسوخ وقت کے ساتھ مقید نہ ہو، اگر مقید ہو تو اس وقت کا گزر جانا نسخ نہیں ہے۔

⑤ وہ ناسخ قوت میں منسوخ کے برابر، بلکہ اس سے زیادہ قوی ہو، کیوں کہ ضعف کی صورت میں وہ قوی کا ازالہ نہیں کرسکتا۔ یہ عقل کا فیصلہ ہے اور اس پر اجماع دلالت کرتا ہے، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نصِ قرآن کو خبرِ واحد سے منسوخ نہیں کیا ہے۔

⑥ منسوخ کا مقتضا ناسخ کے مقتضا کا غیر ہو، تاکہ "بدا"[1] لازم نہ آئے اور یہ شرط نہیں ہے کہ ناسخ کا لفظ کسی ایسی چیز کو شامل ہو، جسے منسوخ شامل ہو، یعنی تکرار و بقا کے ساتھ۔

⑦ وہ منسوخ جائز النسخ ہو، لہٰذا اصل توحید پر نسخ داخل نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ سبحانہٗ اپنے اسما و صفات کے ساتھ "لم یزل و لا یزال" ہے [ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا] اور ایسے ہی ہر اس چیز پر نسخ جائز نہیں ہے، جس کی تابید و توقیت نص سے ثابت ہو۔ اسی سے یہ معلوم ہوا کہ اخبار میں نسخ نہیں ہے، کیوں کہ اس کا مخبر صادق کی خبر کے خلاف ہونا غیر متصور ہے۔

④ منسوخ پر عمل پیرا ہونے کے بعد نسخ کا جواز:

منسوخ کا اعتقاد رکھنے اور اس پر عمل کرنے کے بعد نسخ بلا خلاف جائز ہے، چاہے سب اس پر عمل پیرا ہوئے ہوں، جیسے استقبالِ بیت المقدس یا ان میں سے کچھ، جیسے مناجاتِ رسول ﷺ کے وقت فرض صدقہ۔ نیز اس فعل کے تمکن کے بعد جس سے حکم تعلق رکھتا ہو، اس کی تکلیف کا علم حاصل ہونے کے بعد نسخ کے جواز میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بایں صورت کہ اس وقت معین سے، جس نے فعل کی گنجایش رکھی ہے، گزر جائے، کرخی کے برخلاف۔ ایسے ہی اس صورت میں بھی اہلِ علم کے درمیان نسخ کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مامور بہ کا وقت داخل ہوا اور اس کے فعل سے پہلے ہی نسخ ہوگیا۔ اگر کوئی اختلاف ہے تو وہ دخولِ وقت سے پہلے نسخ کے بارے میں ہے۔

⑤ نسخ کا بدل:

نسخ کے لیے اس کا بدل شرط نہیں ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: "هو الحق الذي لا سترة به"[2] [یہی موقف درست ہے، جس میں کوئی آڑ اور رکاوٹ

---

① یعنی اللہ تعالیٰ پہلے نہیں جانتے تھے، بلکہ واقع ہونے کے بعد اللہ کو اس امر کا علم ہوا۔

② إرشاد الفحول (۲/ ۵۸)

نہیں ہے] کیوں کہ شریعتِ مطہرہ میں نسخ امور معروفہ کے لیے ہوا ہے، بدل کے لیے نہیں۔ مناجاتِ رسول ﷺ کے وقت پہلے صدقہ دینا اسی قبیل سے ہے۔[1] قربانیوں کے گوشت کی ذخیرہ اندوزی کا نسخ،[2] اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ﴾ کے ذریعے سے تحریمِ مباشرت کا نسخ[3] اور آنحضرت ﷺ کی شان میں قیام اللیل کا نسخ بھی اسی قبیل سے ہے۔[4] ظاہریہ اور کچھ یا سب معتزلہ نے اس کے خلاف اللہ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: ﴿أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ أَوْ مِثْلِهَا﴾ [البقرة: ١٠٦] [یا اسے بھلا دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس جیسی (اور) لے آتے ہیں] اس میں محلِ نزاع پر دلالت نہیں ہے، کیوں کہ اس سے لفظِ آیت کا نسخ مراد لیا گیا ہے، جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ﴾ [البقرة: ١٠٦] [ہم اس سے بہتر لے آتے ہیں] دلالت کر رہا ہے۔ اس میں حکم کے نسخ کا ذکر نہیں ہے۔ اگر اس کا جواز تسلیم بھی کر لیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس حکمِ منسوخ کا اسقاط اس وقت اس کے ثبوت سے بہتر ہے۔

٦ بدل کے ساتھ نسخ کی صورتیں:

بدل کے ساتھ نسخ کی کچھ صورتیں ہیں:

١ ناسخ تخفیف و تغلیظ میں منسوخ کے مثل ہو اور اس میں خود کوئی اختلاف نہیں ہے، جیسے استقبالِ کعبہ کے ذریعے استقبالِ بیت المقدس کا نسخ۔[5]

٢ اغلظ کا نسخ اخف سے ہو اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں، جیسے ایک سال کی عدت کا نسخ چار مہینے دس دن سے۔[6]

٣ اخف کا نسخ اغلظ کی طرف۔ ظاہریہ کے برخلاف جمہور کا مذہب اس کا جواز ہے۔ اس کے جواز کے درست ہونے کی دلیل خود اس کا واقع ہونا ہے، جیسے ابتداے اسلام میں قتال نہ کرنے کا نسخ

[1] دیکھیں: سورۃ المجادلة [آیت: ١٢۔ ١٣]

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٥٥٦٩) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٩٧٤)

[3] دیکھیں: سورۃ البقرة [آیت: ١٨٧]

[4] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٧٤٦) سنن أبي داود، رقم الحدیث (١٣٤٢)

[5] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٣٩٩) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٥٦٥)

[6] دیکھیں: سورۃ البقرة [آیت: ٢٣٤]

اسے بعد میں فرض قرار دینے کے ذریعے،[1] روزہ رکھنے اور فدیہ دینے کے درمیان اختیار کا روزے کی فرضیت کے ساتھ نسخ،[2] تحلیلِ خمر کا نسخ اس کی تحریم سے،[3] نکاحِ متعہ کا نسخ اسے جائز قرار دینے کے بعد اور صومِ عاشورا کے وجوب کا نسخ صومِ رمضان سے ہے۔[4]

⑦ نسخِ اخبار کا جواز:

نسخِ اخبار کا جواز اور اس میں قدرے تفصیل ہے، یعنی اگر ایسی چیز کی خبر ہے، جس کی تغییر جائز نہ ہو، جیسے ہمارا قول "اَلْعَالَمُ حَادِثٌ" [عالم حادث ہے] تو اس کا نسخ جائز نہیں ہے اور اگر ایسی چیز کی خبر ہے، جس کی تغییر جائز ہو تو وہ چیز ماضی ہے یا مستقبل اور مستقبل وعدہ ہے یا وعید یا کسی حکم کی کوئی خبر ہے، جیسے وجوبِ حج کی خبر اور جمہور کا مذہب اس کی تمام قسموں سمیت اس خبر کے نسخ کا جواز ہے ابو علی رحمہ اللہ اور ابو ہاشم رحمہ اللہ کے برخلاف۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ماضی میں مطلقاً اس کا نہ ہونا درست ہے اور مستقبل میں بعض اس میں جو وعدہ ہو نہ کہ وعید و تکلیف۔ تکلیف میں اس لیے نہیں کہ وہ مکلّف سے حکم کو اٹھانا ہے اور وعید میں اس لیے کہ وہ عفو ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محال نہیں، بلکہ حسن ہے اور اس کا فاعل اپنے غیر کی طرف سے تعریف کا سزاوار ہے اور اس سے خود اپنی تعریف کر سکتا ہے اور ماضی میں اس لیے کہ کھلا جھوٹ ہے، مگر یہ کہ جو خبر مذکور کے مضمون کی تخصیص یا تبیین کو متضمن ہو، کیوں کہ اس صورت میں کوئی بات نہیں ہے۔

⑧ نسخ کی اقسام:

نسخ کی قسموں کے بارے میں ابو اسحاق مروزی رحمہ اللہ اور ابن سمعانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ چھے ہیں:

① جس کا حکم منسوخ ہو اور رسم و تحریر باقی ہو، جیسے آیت: ﴿اَلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ [البقرة: ۱۸۰] [اچھے طریقے کے ساتھ وصیت کرنا ماں باپ اور رشتے داروں کے لیے] کا نسخ

---

① دیکھیں: سورۃ البقرۃ [آیت: ۲۱۶]

② صحیح البخاري، رقم الحدیث (۴۵۰۶) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۱۴۵)

③ دیکھیں: تفسیر القرطبي (۶/ ۲۸۶)

④ صحیح البخاري، رقم الحدیث (۴۵۰۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۴۰۴)

آیتِ مواریث سے اور سال کی عدت کا نسخ ﴿أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا﴾ [البقرة: ٢٣٤] [چار مہینے دس دن] کی عدت سے۔ تو منسوخ یہاں تلاوت میں ثابت ہے اور حکم اٹھا دیا گیا ہے اور ناسخ کی تلاوت اور حکم دونوں ثابت ہیں۔ جمہور کا مذہب اس کا جواز ہے اور بعض نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

② حکم اور رسم دونوں منسوخ ہوں اور اس کے ناسخ کی تلاوت اور رسم دونوں ثابت ہوں، جیسے استقبالِ کعبہ سے استقبالِ بیت المقدس کا نسخ اور صیامِ رمضان سے صیامِ عاشورا کا نسخ۔ ابو اسحاق مروزی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کچھ نے قبلے کو قرآن سے سنت کا نسخ قرار دیا ہے، اس خیال سے کہ استقبالِ بیت المقدس کا ثبوت سنت سے تھا نہ کہ قرآن سے۔

③ حکم منسوخ ہو اور رسم برقرار اور ناسخ کی رسم کو اٹھا لیا گیا ہو اور اس کا حکم برقرار ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾ [النساء: ١٥] [تو انھیں گھروں میں بند رکھو، یہاں تک کہ انھیں موت اٹھا لے جائے، یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ بنا دے] اس کے ارشاد: "اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ" [جب شادی شدہ مرد و عورت زنا کے مرتکب ہوں تو ان دونوں کو رجم کر دو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی سزا ہے] سے۔ صحیح میں ثابت ہے کہ یہ قرآن متلو تھا، اس کے بعد اس کا لفظ منسوخ ہو گیا اور اس کا حکم برقرار رہ گیا۔[1]

④ یہ کہ حکم اور رسم دونوں منسوخ ہوں اور اس کے ناسخ کا حکم برقرار اور رسم منسوخ ہو، جیسا کہ صحیح میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا:

«كان فيما أنزل عشر رضعات متتابعات يحرمن فنسخ بخمس رضعات فتوفي رسول الله ﷺ وهن فيما يتلى من القرآن»[2]

[پہلے یہ نازل ہوا تھا کہ دس پے در پے رضعات حرمت ثابت کر دیتی ہیں، لیکن بعد میں یہ پانچ رضعات سے منسوخ کر دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات تک یہ قرآن کی تلاوت میں شامل تھا]

① صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٩٧٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١٤)

② صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٥٢)

بیہقی نے فرمایا ہے کہ "عشر" یہاں اس میں سے ہے، جس کا حکم اور رسم دونوں منسوخ ہیں اور "خمس" کی رسم منسوخ اور حکم برقرار ہے، اس دلیل سے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کو یکجا کیا تو اس آیت کو نہیں لکھا، جبکہ اس کا حکم ان کے نزدیک برقرار ہے۔ ابن السمعانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات کہ "هي مما يتلي من القرآن" کا معنی یہ ہے کہ اس کا حکم متلو ہے نہ کہ لفظ۔ بیہقی نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جسے اس کی تلاوت کا نسخ نہیں پہنچا ہے، وہ اس کی تلاوت کرتا ہے۔[1]

۵ رسم منسوخ ہو نہ کہ حکم، اور اس کے ناسخ کا پتا نہ ہو، جیسا کہ صحیح میں آیا ہے:

«لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَتَمَنّٰى لَهُمَا ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ»[2]

[اگر ابن آدم کے پاس دو سونے سے بھری ہوئی وادیاں ہوں تو وہ ان کے ساتھ تیسری کی تمنا کرے گا۔ ابن آدم کے پیٹ کو صرف (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کی توبہ قبول کرتا ہے]

کیوں کہ یہ قرآن تھا جس کی رسم منسوخ ہے نہ کہ اس کا حکم۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے "تمہید" میں کہا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ یہ سورۂ "ص" میں تھی اور جیسے صحیح میں مروی ہے کہ قرآن میں اہلِ بئر معونہ کی حکایت کا نزول ہوا کہ انھوں نے کہا: "بلغوا قومنا أن قد لقينا ربّنا فرضي عنا وأرضانا"[3] [ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہماری اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ ملاقات ہو گئی ہے، وہ ہم سے راضی ہو گیا ہے اور ہمیں بھی راضی کر دیا ہے] اور جیسا کہ مستدرک میں حاکم رحمہ اللہ زر بن حبیش رحمہ اللہ کی روایت سے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور اس میں پڑھا:

«إِنَّ ذَاتَ الدِّيْنِ عِنْدَ اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةُ لَا الْيَهُوْدِيَّةُ وَلَا النَّصْرَانِيَّةُ وَمَنْ يَّعْمَلْ خَيْرًا فَلَنْ يُّكْفَرَ»[4]

---

[1] إرشاد الفحول (٢/ ٦٥)

[2] مسند أحمد (٥/ ١١٧) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٨٩٨)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٠٠٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٦٧٧)

[4] المستدرك للحاكم (٢/ ٥٣١)

[بلا شبہہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دین، دین حنیفیت ہے، یہودیت و نصرانیت نہیں ہے۔ جو شخص بھلا کام کرے گا، اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی]

امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ "صحیح الإسناد" ہے اور یہ اس میں سے ہے جس کا لفظ منسوخ ہوگیا ہے اور اس کا معنی رہ گیا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے "تمہید" میں اسے اس میں سے شمار کیا ہے، جس کا خط، حکم اور حفظ منسوخ ہے اور فرمایا ہے کہ اسی میں اس کا یہ قول بھی ہے، جس نے کہا کہ "سورۃ الأحزاب" سورۃ البقرہ کے برابر تھی۔①

ناسخ منسوخ ہوجائے اور دونوں کے درمیان کوئی لفظ متلو نہ ہو، جیسے حلف و نصرت کے ذریعے مواریث، جو اسلام اور ہجرت کے ذریعے مواریث سے نسخ پذیر ہوئی اور اسلام اور ہجرت کے ذریعے توارث آیتِ میراث سے منسوخ ہوگیا۔

ابن سمعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک مذکورہ بالا آخری دو قسمیں محض تکلف ہے، اس میں نسخ ثابت نہیں ہے۔ ابو اسحاق مروزی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: توریث بہ ہجرت اس قسم سے ہے، جس کے منسوخ ہونے کا علم ہے اور اس کے ناسخ کا پتا نہیں۔ الحاصل تلاوت کا نسخ نہ کہ حکم کا یا حکم کا نسخ نہ کہ تلاوت کا یا دونوں کا ایک ساتھ نسخ اس بات سے ہے، جسے کوئی شرعی اور عقلی بندش نہیں روکتی۔ لہٰذا اس سے روکنے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ آیت کی تلاوت کا جواز اس کے احکام میں سے ایک حکم ہے اور جس حکم پر وہ دلالت کرتی ہے، وہ دوسرا حکم ہے اور ان دونوں کے درمیان تلازم نہیں ہے اور اس معنی کے ثبوت سے دونوں کے نسخ یا دونوں میں سے ایک کے نسخ کا جواز ثابت ہوتا ہے، جیسے تمام احکام متباینہ۔ اس سلسلے میں ہماری دلیل اس کا وقوع و وجود ہے، جو جواز کی دلیل ہے۔②

⑨ قرآن و سنت کے نسخ کی وجوہ:

قرآن کے قرآن سے نسخ اور سنت متواترہ کے سنت متواترہ سے نسخ کے جواز میں اور آحاد کے آحاد سے نسخ اور آحاد کے متواتر سے نسخ کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں، جو بھی اختلاف ہے وہ قرآن و سنت متواترہ کے آحاد سے نسخ کے جواز و وجود کے بارے میں ہے۔ ایک جماعت کا مذہب

① التمهيد لابن عبد البر (٤/ ٢٧٥)

② إرشاد الفحول (٢/ ٦٧)

ہے کہ عقلاً جائز ہے اور اس پر اہلِ علم کا اتفاق نقل کیا ہے۔ وجود کے بارے میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ "ہوا نہیں ہے" اور اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اہلِ ظاہر میں سے ایک جماعت، جن میں ابن حزم رحمہ اللہ شامل ہیں، اس کے وجود کی طرف گئے ہیں اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ بھی اور غزالی و ابو الولید باجی اور قرطبی رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا ہے، اس کے بعد نہیں۔

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ﴾ [الأنعام: ١٤٥] [کہہ دے میں اس وحی میں، جو میری طرف کی گئی ہے، کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا جسے وہ کھائے] کا نسخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر کچلی والے درندے اور ہر پنجے سے شکار کرنے والے پرندے کے کھانے کی نہی سے ہوا ہے اور یہ آحاد ہے۔[1] وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس کا معنی "لا أجد الآن" [اب میں نہیں پاتا] ہے، جب کہ تحریم مستقبل میں ہوئی ہے۔ نکاحِ متعہ کا نسخ اس کی نہی سے ہونے کا ثبوت ہے اور یہ آحاد ہے اور ایسا بہت زیادہ ہے۔ جو چیز صحیح آحاد کے اپنے سے دلالت و متن میں اقویٰ کے نسخ پر راہنمائی کرتی ہے، یہ ہے کہ ناسخ کا آنا درحقیقت منسوخ کے حکم کے استمرار اور اس کے دوام کے اٹھانے کے لیے ہوتا ہے اور یہ ظنی ہے، اگرچہ اس کی دلیل قطعی ہو تو منسوخ یہی ظنی ہے نہ کہ وہ قطعی۔[2] فتأمل.

⑩ سنت متواترہ سے قرآن کا نسخ:

قرآن کا نسخ سنتِ متواترہ سے جمہور کے نزدیک جائز ہے اور اسے حنفیہ بھی مانتے ہیں، جیسا کہ اس آیت: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرة: ١٨٠] [تم پر لکھ دیا گیا ہے، جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے، اگر اس نے کوئی خیر چھوڑی ہو، اچھے طریقے کے ساتھ وصیت کرنا ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے] کا نسخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: «لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»[3] [وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے] سے ہوا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آیت، آیتِ مواریث سے منسوخ ہے، کیوں کہ دونوں کے مابین

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٣٤)

[2] إرشاد الفحول (٢/ ٦٨)

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٨٧٠) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٧١٣)

تطبیق ممکن ہے۔ شافعی رحمہ اللہ اسے نہیں مانتے اور علما کی ایک جماعت نے ان کے نہ ماننے کی وجہ سے ان پر انکار کیا ہے۔ کیا ہر اس رحمہ اللہ نے کہا ہے: "هفوات الكبار على أقدارهم" [بڑے لوگوں کی لغزشیں ان کی حیثیتوں کے مطابق ہوتی ہیں] عبدالجبار رحمہ اللہ جو شافعی رحمہ اللہ کے اصول وفروع پر نظر رکھتے تھے، جب اس جگہ پر پہنچے تو کہا:

"هذا الرجل كبير، ولكن الحق أكبر منه، ولم نعلم أحدا منع من جواز نسخ الكتاب بخبر الواحد عقلاً، فضلا عن المتواتر، والمغالون في حب الشافعي قالوا: لا بد أن يكون لهذا القول من هذا العظيم محمل فتعمقوا في محامل ذكروها"[1] انتهى.

[یہ (شافعی رحمہ اللہ) بڑے آدمی ہیں، لیکن حق ان سے زیادہ بڑا ہے۔ ہم کو کوئی ایسا شخص معلوم نہیں ہے، جس نے خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ کے نسخ کے جواز کا عقلاً انکار کیا ہو، چہ جائیکہ متواتر کے ساتھ نسخ کے جواز کا انکار کیا جائے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی محبت میں غلو کرنے والوں نے کہا ہے کہ اس بڑے آدمی (شافعی رحمہ اللہ) کے اس قول کا ضرور کوئی محمل ہوگا، پھر تکلف کے ساتھ انھوں نے کچھ محامل ذکر کیے ہیں]

سنت سے قرآن کے نسخ کی مثالوں میں گزشتہ آیت ہے، جو کچلی والے درندے وغیرہ کے کھانے کی نہی والی حدیث سے منسوخ ہے۔ اللہ کا ارشاد: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ [المائدة: ٣] [تم پر مردار حرام کیا گیا ہے] دباغت کی احادیث سے منسوخ ہے، اس نزاع کے ساتھ جو اس میں ہے۔ رہا سنت کا نسخ قرآن سے تو جمہور کے نزدیک جائز ہے اور اس سے روکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور جو روکتا ہے، اس کے پاس عقل وشریعت سے کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ قرآن سے اس کا نسخ شریعت میں بہت سی جگہ ہوا ہے اور اسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ﴾ [البقرة: ١٤٤] [یقیناً ہم تیرے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں] ایسے ہی قریش کے ساتھ عورتوں کے واپس کرنے کے بارے میں آپ کے معاہدے کا نسخ اللہ کے اس ارشاد سے: ﴿فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ﴾ [الممتحنة: ١٠] [انھیں کفار کی طرف واپس نہ کرو]۔

[1] إرشاد الفحول (٢/ ٧٠)

اسی طرح تحلیلِ خمر کا نسخ اللہ کے ارشاد: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ﴾ [المائدة: ٩٠] [بات یہی ہے کہ شراب اور جوا شیطانی عمل ہیں] سے۔ تحریم مباشرت کا نسخ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ﴾ [البقرة: ١٨٧] [تو اب ان سے مباشرت کرو] سے اور صومِ یوم عاشورا کا نسخ اس کے ارشاد: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرة: ١٨٥] [تو تم میں سے جو اس مہینے میں حاضر ہو وہ اس مہینے کا روزہ رکھے] سے۔ اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔[1]

⑪ فعل اور قول کا نسخ:

جمہور کے نزدیک سنت میں سے کوئی فعل قول کا ناسخ ہے، جیسے کہ قول فعل کا ناسخ ہے اور اسی میں سے آپ ﷺ کا چور کے بارے میں یہ ارشاد: «فَإِنْ عَادَ فِي الْخَامِسَةِ فَاقْتُلُوْهُ»[2] [تو اگر وہ پانچویں مرتبہ پھر چوری کرے تو اسے قتل کر دو] ہے۔ جب چور کو پانچویں بار لائے تو آپ ﷺ نے اسے قتل نہیں کیا، تو یہ ترک اس قول کا ناسخ ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ»[3]

[شادی شدہ کے شادی شدہ سے زنا کی صورت میں سو درے مارے جائیں اور رجم کیا جائے]

اس کے بعد ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کیا، کوڑے نہیں مارے۔[4] لہٰذا یہ ترک رجم کے سزاوار سے کوڑوں کا ناسخ ہوگا۔ ایسے ہی صحیح میں نبی ﷺ کا جنازے کے لیے کھڑا ہونا ثابت ہے اور اس کے بعد ترک کر دیا، لہٰذا یہ اس ثابت فعل کا نسخ ہوگا۔[5] نیز ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّي»[6]

[ویسے نماز ادا کرو، جیسے تم نے مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے]

اس کے بعد اس کے علاوہ عمل کیا جو پہلے کرتے تھے اور بعض افعال کو ترک کر دیا، تو یہ اس کا ناسخ ہوگا اور جو اسے نہیں مانتا اس کے پاس عقل و شریعت سے کوئی دلیل نہیں۔

---

① إرشاد الفحول (٢/ ٧٢)

② سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٤٨٣) اس کی سند میں "یزید بن حمید" مجہول ہے۔

③ صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٩٠)

④ صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٢٧١) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٩١)

⑤ صحيح البخاري، رقم الحديث (١٣١١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٦٠، ٩٦٢)

⑥ صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٠٠٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٦٧٤)

⑫ اجماع کا ناسخ اور منسوخ ہونا:

جمہور کے نزدیک اجماع نہ نسخ پذیر ہوتا ہے اور نہ کسی چیز کا ناسخ ہوتا ہے، اس معنی میں کہ ایسا ہوا نہیں ہے نہ یہ کہ جائز نہیں ہے۔ کچھ حنابلہ اس کے ناسخ ہونے کی طرف گئے ہیں، لیکن "بسندہ" نہ کہ "بنفسہ" یعنی نص صحیح پائی جائے اور اجماع اس کے خلاف ہو تو ہم جانیں گے کہ وہ حدیث "منسوخ" ہے، کیوں کہ اگر اہلِ اجماع اس کے ناسخ سے واقف ہوئے ہوتے تو اس کے برخلاف اجماع نہیں کرتے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ فحش غلطی ہے، لیکن حافظ بغدادی رحمہ اللہ نے کتاب "الفقیہ والمتفقہ" میں اس کی مثال میں وادی کی حدیث کو پیش کیا ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں سو گئے اور انہیں آفتاب کی حرارت ہی نے بیدار کیا اور جب بیدار ہوئے تو آپ ﷺ فرمایا:

«إِذَا سَهَا أَحَدُكُمْ عَنْ صَلَاةٍ فَلْيُصَلِّهَا حِينَ يَذْكُرُهَا وَمِنَ الْغَدِ لِلْوَقْتِ»[1]

[جب تم میں سے کوئی شخص نماز بھول جائے تو جب اسے یاد آئے، اسے ادا کرے اور دوسرے دن بروقت پڑھے]

حالاں کہ فراموش شدہ نماز کا اعادہ یاد آنے پر قضا کے بعد اس کے وقت میں باتفاق مسلمین منسوخ ہے، کیوں کہ نہ یہ واجب ہے اور نہ مستحب۔

⑬ قیاس ناسخ نہیں ہوتا:

قرآن و سنت میں سے کسی چیز کا نسخ قیاس سے جائز نہیں ہے، یہی جمہور کا مذہب ہے، کیوں کہ قیاس کا استعمال نص کے نہ ہونے پر ہے، پھر نص اس سے کیسے نسخ پذیر ہوسکتی ہے؟ ابوالقاسم انماطی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ قیاس جلی سے جائز ہے، قیاس خفی سے نہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب اس کی علت منصوص ہو، مستنبط نہ ہو۔ صفی ہندی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اختلاف کا محل آنحضرت ﷺ کی حیات میں ہے اور اس کے بعد باتفاق ناسخ نہیں ہے۔ قیاس اپنی اصل کے نسخ کے ساتھ بیشک و تردد منسوخ ہو جاتا ہے اور اس کے برقرار رہتے ہوئے اس کے نسخ کی صحت میں اختلاف ہے۔ درست اور صحیح اسے روکنا ہے اور اصولیوں کی ایک جماعت نے یہی کہا ہے۔

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٣٧) مسند أحمد (٥/ ٢٢)

⑭ مفہوم مخالف کا نسخ:

مفہوم مخالف کا نسخ اس کی اصل کے نسخ کے ساتھ جائز ہے، اور یہ ظاہر ہے، اسی طرح اس کی اصل کے نسخ کے بغیر بھی درست ہے، جیسے آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ»[1] [پانی (کا استعمال کرنا) پانی (کے خارج ہونے سے (لازم) ہے] اس لیے کہ اس کا مفہوم آپ ﷺ کے اس ارشاد: «إِذَا قَعَدَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ وَجَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ»[2] [جب وہ اس (اپنی بیوی) کی چار شاخوں (ٹانگوں اور بازوؤں) کے درمیان بیٹھ کر (جماع کی) کوشش کرے تو غسل واجب ہو جاتا ہے] سے منسوخ ہے۔ ایک لفظ میں «إِذَا لَاقَى الْخِتَانُ الْخِتَانَ»[3] [جب ختنہ (شرمگاہ) ختنے سے مل جائے (تو غسل واجب ہو جاتا ہے)] ہے تو یہ اس کے مفہوم کا نسخ ہے اور اس کا منطوق محکم غیر منسوخ ہے، کیوں کہ انزال سے بلا خلاف غسل واجب ہے۔ نسخ مفہوم کے بغیر اصل کے نسخ کے جواز میں دو احتمال ہیں، اظہر یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔ ایسے ہی مفہوم موافق میں اختلاف ہے، ایک جماعت کا مذہب اس کا جواز ہے اور ایک جماعت نے روکا ہے اور کچھ نے تفصیل کی ہے اور کہا ہے کہ اگر علتِ منطوق محتمل التغیر نہیں ہے، جیسے تافیف [اف کہنا] کی نہی سے اکرامِ والدین تو مضمونِ کلام کا نسخ محال ہے، کیوں کہ مقصود کے منافی ہے اور اگر نقض کا محتمل ہے تو جائز ہے، جیسے کسی کا اپنے غلام سے زید کو محروم کرنے کے ارادے سے یہ کہنا کہ "لَا تُعْطِ زَيْداً دِرْهَمًا" [زید کو ایک درہم مت دو] اس کے بعد اس سے کہنا کہ "أَعْطِهِ أَكْثَرَ مِنْ دِرْهَمٍ، وَلَا تُعْطِهِ دِرْهَمًا" [اسے ایک درہم سے زیادہ دو، ایک درہم نہ دو] تو اس میں محروم کرنے کی علت سے مواسات کی علت کی طرف انتقال کا احتمال ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ تفصیل بہت مضبوط ہے۔[4]

⑮ نص پر اضافہ:

نص پر زیادتی نص کے حکم کا نسخ ہے یا نہیں؟ یہ صورتوں کے اختلاف کے لحاظ سے مختلف ہے، کیوں کہ زائد یا تو مستقل بنفسہٖ ہے یا مستقل نہیں ہے اور مستقل یا تو اول (اپنے سے پہلے) کی جنس

---

① صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٤٣)

② صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٩١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٤٨)

③ یہ الفاظ نہیں ملے، البتہ ایک روایت میں "التقى الختانان" کے الفاظ مروی ہیں۔ دیکھیں: سنن ابن ماجه (٦١١)

④ إرشاد الفحول (٢/ ٧٩)

سے نہیں ہے، جیسے وجوبِ زکات کی زیادتی نماز پر، جو ناسخ نہیں ہے، کیوں کہ کسی عبادت کی زیادتی عبادات پر باتفاق اہلِ علم ان عبادات کا نسخ نہیں ہوتی اور اس جیسی صورت میں عدمِ منافات کی وجہ سے اہلِ اسلام میں سے کوئی ایک بھی اس کا مخالف نہیں ہے۔ یا اول (اپنے سے پہلے) کی جنس سے ہے، جیسے پانچوں نمازوں پر نماز کی زیادتی اور یہ بھی جمہور علما کے نزدیک نسخ نہیں ہے۔ اگر زائد مستقل بنفسہٖ نہیں ہے، جیسے رکعتوں پر رکعت کی زیادتی اور جلد (کوڑے مارنا) پر تغریب (جلا وطن کرنا) کی زیادتی اور ایمان کے ساتھ رقبہ (غلام یا لونڈی) کے وصف کی زیادتی تو اس میں سات اقوال پر اختلاف ہے:

① یہ کسی صورت میں نسخ نہیں ہے اور شافعیہ و مالکیہ اور حنابلہ یہی مانتے ہیں۔

② یہ نسخ ہے اور یہ حنفیہ کی بات ہے، چاہے سبب میں ہو یا حکم میں۔

③ اگر مزید علیہ اپنے مضمون سے خود اس زیادتی کی نفی کر رہا ہو تو زیادتی اس کی ناسخ ہوگی، جیسے آپ ﷺ کا یہ ارشاد: « فِيْ سَائِمَةِ الْغَنَمِ الزَّكَاةُ »[1] [چرنے والی بکریوں میں زکات ہے] کیوں کہ یہ معلوفہ [جس کو خود چارہ ڈالا جائے] پر زکات کی نفی کا فائدہ دیتا ہے اور اگر نہ کرے تو نسخ بھی نہیں۔

④ اگر زیادتی مزید علیہ کو شرعی طور پر تبدیل کر کے رکھ دے، بایں طور کہ اگر اس کو اس زیادتی کے بعد اس کے اوّل طریق پر بجالائے تو معتد بہ نہ ہو، جیسے ایک رکعت کی زیادتی تو نسخ ہے اور اگر تبدیل نہ ہو اور مزید علیہ (جس پر اضافہ ہو رہا ہے) کا کرنا بغیر زیادتی کے صحیح ہو تو نسخ نہیں ہے۔

⑤ اگر مزید علیہ سے متصل ہو تو ناسخ ہے اور اس سے منفصل ہو تو ناسخ نہیں ہے۔

⑥ اگر یہ زیادتی مزید علیہ کی تغییر مستقبل میں کرتی ہو تو ناسخ ہے، ورنہ نہیں۔ اسے ابن فورک رحمہ اللہ نے اصحاب ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے حکایت کیا ہے۔

⑦ اگر زیادتی حکم عقلی کو اٹھاتی ہو یا کسی ایسی چیز کو اٹھاتی ہو، جو اصل کے اعتبار سے ثابت ہے، جیسے براءت ذمہ تو ناسخ نہیں ہے، کیوں کہ ہم اس کے معتقد نہیں ہیں کہ عقل موجبِ حکم ہے اور جو اس کا معتقد ہے، وہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ اس کا اٹھانا نسخ ہے، جب تک کہ وہ حکم شرعی کے

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (١٤٥٤)

اٹھانے کو متضمن نہ ہو، کیوں کہ اس صورت میں ناسخ ہوگی۔ ابن برہان رحمہ اللہ نے اسے شافعیہ سے حکایت کیا اور کہا ہے کہ درست یہی ہے اور اسی کو آمدی، ابن الحاجب، فخر رازی، بیضاوی اور ابو الحسین مصری رحمہ اللہ نے مختار قرار دیا ہے اور یہی باقلانی اور امام الحرمین جوینی رحمہما اللہ کے کلام سے ظاہر ہے۔ صفی ہندی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ "إنّه أجود الطرق وأحسنها" [بلاشبہہ یہ سب سے عمدہ اور بہترین طریق ہے] لیکن بعض محققین نے فرمایا ہے کہ یہ تفصیل بے فائدہ ہے اور محلِ نزاع میں نہیں ہے، کیوں کہ اس میں شک نہیں کہ سب کے نزدیک جو شرعی حکم کو اٹھا دے، حقیقت میں نسخ ہے اور یہاں کلام اس میں نہیں ہے کہ حکم کا اٹھنا نسخ ہے کہ بیان ہے اور جو ایسا نہ ہو، وہ نسخ نہیں ہے، کیوں کہ قائل نے اس جگہ اس کے بارے میں تفصیل کی ہے، جو حکمِ شرعی کو اٹھا دیتا ہے اور اس کے بارے میں بیان کیا ہے جو کسی حکمِ شرعی کو نہیں اٹھاتا۔ تو گویا وہ کہتا ہے کہ اگر زیادت نسخ ہے تو نسخ ہے اور نہیں تو نہیں اور یہ لا حاصل ہے۔ بلکہ نزاع اس میں ہے کہ آیا حکم شرعی کو زائل کر دیا ہے تو نسخ ہوگا یا نہیں زائل کیا تو نسخ نہیں ہوگا۔ تو اگر خصوصیت سے اس کے حکم شرعی کے زائل کرنے پر اتفاق کرے تو ناسخ ہونے پر اتفاق ہو جائے گا اور اگر خصوصیت سے اس کے اس کو زائل نہ کرنے پر اتفاق کر لیں تو اس کے ناسخ نہ ہونے پر اتفاق ہو جائے گا، بلکہ نزاع دراصل اس میں ہے کہ زیادتی ازالہ کرتی ہے یا نہیں؟ انتہی۔

زرکشی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس مسئلے کا فائدہ یہ ہے کہ جس کا نسخ کے باب سے ہونا ثابت ہو اور مقطوع بہ ہو تو وہ قاطع کی وجہ ہی سے منسوخ ہوگا، جیسے تغریب چونکہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نسخ ہے، اس لیے انھوں نے اس کی نفی کی ہے، کیونکہ اس میں قرآن کا خبر واحد سے نسخ ہے اور جمہور کے نزدیک نسخ نہیں، اس لیے انھوں نے اس کو قبول کیا ہے، اس لیے کہ یہاں منافات و معارضہ نہیں ہے۔ یہیں سے حنفیہ نے بہت سی احادیث صحیحہ کو رد کیا ہے، کیوں کہ وہ قرآن پر زیادتی کی مقتضی ہیں اور زیادتی نسخ ہے اور قرآن کا نسخ خبر واحد سے جائز نہیں، جیسے ہر نماز کی رکعت میں امام ہو یا مقتدی سورۃ الفاتحہ کے تعیین کی احادیث کا رد، گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلے کی حدیث، آزاد کی جانے والی لونڈی یا غلام کے ایمان اور وضو میں اشتراطِ نیت کی احادیث کا رد۔ انتہی۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب تم جان گئے کہ اس مسئلے کا یہ فائدہ ہے، جس کا دامن دراز ہوگیا اور اس کے بہت سے شعبے ہوگئے ہیں تو تم پر دشواری آسان ہوگئی ہے۔[1] انتھی.

⑯ کیا عبادت میں کی گئی کمی ناسخ ہوتی ہے؟

اس میں اختلاف نہیں ہے کہ عبادت میں نقص اس سے ساقط ہوجانے والے کے لیے نسخ ہے، کیوں کہ ساقط جملہ عبادت میں واجب تھا، جس کا وجوب اس کمی کے بعد زائل ہوگیا۔ ایسے ہی اس میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ جن پر عبادت کی صحت موقوف نہ ہو، اس کا نسخ اس عبادت کا نسخ نہیں ہے۔ ایسے ہی آمدی رحمہ اللہ اور فخر رازی رحمہ اللہ نے اجماع نقل کیا ہے۔ البتہ اس چیز کے نسخ میں، جن پر عبادت کی صحت موقوف رہی ہو، خواہ عبادت کا جزو رہی ہو، جیسے شطر (نصف) ہے یا اس سے جدا، جیسے شرط ہے، اس سلسلے میں متعدد مذاہب اور اقوال ہیں۔

⑰ ناسخ کی معرفت کے ذرائع:

ناسخ کو پہچاننے کے لیے کچھ چیزیں ہیں:

① اس کا لفظ ایک کے تقدم اور دوسرے کے تاخر پر دلالت کرتا ہو۔ ماوردی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہاں تقدم سے مقصود نزول میں تقدم ہے نہ کہ تلاوت میں، کیوں کہ ﴿اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ [چار مہینے اور دس راتیں] کی عدت تلاوت میں حول [سال] کی عدت سے پہلے ہے، جب کہ وہ اس کی ناسخ ہے۔ اسی باب میں سے یہ بھی ہے کہ لفظِ ناسخ میں ایسی چیز کی وضاحت ہو، جو نسخ پر دلالت کرتی ہو اور اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ﴾ [الأنفال: ٦٦] [اب اللہ نے تم سے (بوجھ) ہلکا کر دیا] ہے، اس لیے کہ یہ دس اشخاص کے مقابلے میں ایک شخص کے ثبات کے نسخ کا مقتضی ہے اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰكُمْ صَدَقٰتٍ﴾ [المجادلة: ١٣] [کیا تم اس سے ڈر گئے کہ اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ پیش کرو] ہے۔

② ناسخ اور منسوخ کا آپ ﷺ کے ارشاد سے علم ہوجائے، جیسے آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

[1] إرشاد الفحول (٢/ ٨٢)

«كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ أَلَا! فَزُوْرُوْهَا»[1]

[میں تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا، خبردار! ان کی زیارت کرو]

③ آنحضرت ﷺ کے فعل سے علم ہوجائے جیسے ماعز کا رجم اور اس کا عدمِ جلد، کیونکہ یہ آپ کے ارشاد: «اَلثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَرَجْمُهُ بِالْحِجَارَةِ»[2] [شادی شدہ کو شادی شدہ سے زنا کرنے کے نتیجے میں اسے سو درے مارے جائیں اور پتھر مار کر سنگ سار کیا جائے] کے نسخ کا فائدہ دے رہا ہے۔

④ اجماعِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت ہوجائے کہ یہ ناسخ اور وہ منسوخ ہے، جیسے صوم یوم عاشورا کا نسخ صومِ شہرِ رمضان سے اور مال سے متعلقہ حقوق کا نسخ ایجابِ زکات سے۔ زرکشی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اسی کے مانند غلولِ صدقہ کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے صدقے اور اس کا نصف مال لینے کا حکم دیا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حدیث کے ترک استعمال پر اتفاق کر لیا اور یہ اس کے نسخ پر دال ہے۔ انتھیٰ. جمہور کا مذہب بھی یہی ہے کہ اجماعِ صحابہ ناسخ و منسوخ کے بیان کی ایک دلیل ہے۔[3]

⑤ صحابی دو حکم میں سے ایک کے تقدم اور دوسرے کے تاخر کو نقل کرے، کیوں کہ اس میں اجتہاد کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ابن سمعانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ظاہر ہے، جب دونوں خبریں غیر متواتر ہوں اور اگر متواتر کے بارے میں کہے کہ یہ آحاد سے پہلے کی ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ قاضی رحمہ اللہ نے "تقریب" میں اس کو قبول نہ کرنے کی صراحت کی ہے اور صفی ہندی رحمہ اللہ نے اسے اکثر اہلِ علم سے نقل کیا ہے، کیوں کہ یہ متواتر کے آحاد سے نسخ کو متضمن ہے جو جائز نہیں ہے۔ قاضی عبدالجبار رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مقبول ہے اور ابن سمعانی رحمہ اللہ نے شرط لگائی ہے کہ دونوں کا راوی ایک ہو۔ سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں ابن الحصار رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ اس نے کہا ہے کہ نسخ کے بارے میں عوام مفسرین کی بات معتمد نہیں ہے، بلکہ اجتہاد بھی بغیر نقلِ صحیح و معارضۂ بینہ کے قابلِ اعتماد نہیں، کیوں کہ نسخ حکم کے ازالے کو متضمن ہے اور اثباتِ حکم کا تقرر رسول اللہ ﷺ

---

[1] سنن البيهقي (٤/ ٧٧) نیز دیکھیں: صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٧٧)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٩٠) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٤٣٤) سنن أبي داود (٤٤١٦)

[3] التمهيد لابن عبد البر (٢/ ٢٣)

کے زمانے سے ہے، لہٰذا اس میں معتمد نقل و تاریخ ہے نہ کہ رائے اور اجتہاد۔ لوگ اس کے بارے میں دو طرف نقیض کے درمیان ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ عدول کی اخبار آحاد نسخ میں مقبول نہیں ہے اور کچھ متساہلین مفسر و مجتہد کی بات پر اکتفا کرتے ہیں، حالاں کہ درست بات ان دونوں کے خلاف ہے۔[1] انتہیٰ.

◈ ۶ دو حکم میں سے ایک شرعی ہو اور دوسرا موافق عادت ہو تو شرعی حکم عادی کا ناسخ ہوگا، قاضی ابوبکر رحمہ اللہ اور غزالی رحمہ اللہ کے برخلاف۔ صحابی کا نوخیز اور کم عمر ہونا اور اسلام کا تاخر نسخ کے دلائل میں سے نہیں ہے۔ ناسخ و منسوخ کا علم نہ ہونے کی صورت میں، جب کہ کوئی اولیت دینے کی وجہ نہ ہو تو ایک قوم کے نزدیک توقف ہے، جن میں ابن الحاجب ہیں۔ آمدی نے فرمایا ہے کہ اگر دونوں کا افتراق تطبیق کے تعذر کے ساتھ دریافت ہو جائے تو میرے نزدیک ایسا ہونے کا تصور نہیں ہے، اگرچہ ایک قوم نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ ایسا ہونے کی صورت میں ان میں سے کسی ایک پر عمل سے توقف واجب ہے یا دونوں میں "تخییر" ہے، اگر ممکن ہو اور یہی حکم اس چیز میں ہے، جس میں ان میں سے کسی ایک کا علم نہ ہو سکے۔[2]

---

[1] إرشاد الفحول (۲/ ۸۸)

[2] مصدر سابق.

بابِ اوّل:

کتاب حمید میں مصحف مجید کی ترتیب پر ناسخ و منسوخ کا بیان

سورة الفاتحه:

یہ سورت دو بار اتری، ایک بار مکے میں اور ایک بار مدینہ منورہ میں۔ ۔رحمهما الله تعالیٰ۔ اس سورت میں نہ ناسخ ہے اور نہ منسوخ، کیوں کہ اس کا اوّل حصہ ثنا، درمیانہ استعانت کا حصر اور اس کا آخر دعا ہے۔

سورة البقره:

زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ مدنی ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ مختلف زمانوں میں اتری ہے اور یہ مدینے میں اترنے والی پہلی سورت ہے، مگر یہ آیت: ﴿وَ اتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ﴾ [البقرة: ٢٨١] [اور اس دن سے ڈرو، جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے] کیوں کہ آسمان سے نزول میں یہ آخری آیت ہے، جو یومِ نحر کے دن حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں اتری اور ایسے ہی آیتِ ربا بھی آخری چیز ہے، جو قرآن میں سے اتری ہے۔[1] انتهیٰ.

اس سورت میں بعض کے نزدیک چھے آیات منسوخ ہیں اور بعض کے نزدیک اٹھارہ، بعض کے نزدیک چھتیس اور بعض کے نزدیک اس سے زیادہ منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

یہ ﴿مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ [البقرة: ٣] [اور اس میں سے، جو ہم نے انھیں دیا ہے،

[1] تفسير القرطبي (١/ ١٩٧)

خرچ کرتے ہیں] اور ﴿وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ﴾ [المنافقون: ۱۰] [اور اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمھیں دیا ہے] اور اس کے مانند آیات سے متعلق بتاتے ہیں کہ آیتِ زکات سے منسوخ ہیں۔ سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں اس کا انکار کیا اور فرمایا ہے کہ یہ برقرار ہیں، کیوں کہ اول انفاق پر تعریف کے ضمن میں خبر ہے اور اس کی تفسیر زکات، اہل و عیال اور امور مندوبہ، جیسے اعانت و مہمان نوازی میں انفاق سے ہوسکتی ہے۔ اس آیت میں اس کی دلیل نہیں کہ اس سے مقصود زکات کے سوا نفقہ واجبہ ہے۔ دوسری آیت کو زکات پر محمول کرنا صحیح ہے اور اسی سے اس کی تفسیر کی گئی ہے۔[1] انتھی.

سیدنا ابن عباس، قتادہ رحمہ اللہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم اسی طرف گئے ہیں۔ ضحاک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ نفقات کے ذریعے خدائے تعالیٰ کی طرف آسان مقدار اور اپنی کوشش بھر کے ساتھ تقرب کی جستجو کر رہے تھے، پھر سورت براءت میں زکات کے فرائض اترے اور وہ ناسخ مبین ہے۔ شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں افادہ کیا ہے کہ ابن جریر رحمہ اللہ کے نزدیک مختار، اقربا و غیر اقربا پر نفقہ اور فرض و نفل کے درمیان فرق کے بغیر زکات و صدقے میں آیت کا عموم ہے اور یہی درست ہے۔ انفاق کی صورتوں میں سے کسی صورت کی، جس پر انفاق کا نام درست ہو، صراحت کا نہ ہونا اس کی تعمیم کا پورا شعور پیدا کر رہا ہے۔[2] انتھی.

دوسری آیت:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [البقرة: ٦٢]

[بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی بنے اور نصاریٰ اور صابی، جو بھی اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے]

کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت اس آیت: ﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [آل عمران: ٨٥] [اور جو اسلام کے علاوہ کوئی دین تلاش کرے

---

[1] الإتقان للسيوطي (٢/ ٥٩)

[2] فتح القدير (١/ ٥٤)

تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہوگا] سے منسوخ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اسی طرف گئے ہیں، جیسا کہ ان سے ابن جریر و ابن ابی حاتم نے اور ابو داود رحمہ اللہ نے "الناسخ والمنسوخ" میں روایت کیا ہے۔[1]

امام شوکانی رحمہ اللہ نے " فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ اس آیت میں ایمان سے مقصود وہ چیز ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں بیان کیا ہے اور وہ اللہ، ملائکہ، رسل اور تقدیر کے خیر و شر پر ایمان ہے۔ ایمان سے وہی متصف ہوتا ہے، جو ملت اسلامیہ میں داخل ہو جائے، لہٰذا جو شخص نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور نہ قرآن پر تو وہ مومن نہیں ہے اور جو ان دونوں پر ایمان لایا، وہ مسلم مومن ہو گیا، یہودی و نصرانی اور مجوسی نہیں رہ گیا۔[2] انتھی.

اس معنی پر آیت مذکورہ منسوخ نہیں، بلکہ دوسری آیت کے موافق ہے، جسے ناسخ قرار دیا گیا ہے۔

تیسری آیت:

﴿وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ [البقرۃ: ۸۳] [اور لوگوں سے اچھی بات کہو] کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے یعنی ﴿جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ [التحریم: ۹] [کفار اور منافقین سے جہاد کرو] سے منسوخ ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں کہا ہے کہ ابن الحصار رحمہ اللہ نے اس آیت کے نسخ کو غلط قرار دیا ہے، کیوں کہ یہ اخذ میثاق کی حکایت ہے، جو بنی اسرائیل سے لیا گیا، لہٰذا یہ خبر ہوگی، اس میں نسخ نہیں ہے۔[3] انتھی.

لوگوں نے کہا ہے کہ آیت میں "قول حسن" سے مراد کلمہ توحید ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صدق ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ کسی معین صورت سے مختص نہیں ہے، بلکہ جس پر بھی صادق آئے وہ شرعاً "حسن" ہے اور وہ اس آیت کا مصداق ہوگا۔[4] انتھی.

ظاہر یہ ہے کہ دوسری آیت عام کی تخصیص کی قبیل سے ہے اور عام کی تخصیص نسخ نہیں کہلاتی۔

---

[1] فتح القدیر (۱/ ۱٤۷)
[2] مصدر سابق.
[3] الإتقان (۲/ ٥۹)
[4] فتح القدیر (۱/ ۱٦۸)

چوتھی آیت:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ﴾ [البقرة: ١٠٩]

[بہت سے اہلِ کتاب چاہتے ہیں کاش! وہ تمھیں تمھارے ایمان کے بعد پھر کافر بنا دیں، اپنے دلوں کے حسد کی وجہ سے، اس کے بعد کہ ان کے لیے حق خوب واضح ہو چکا]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ [التوبة: ٢٩] [لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یومِ آخر پر] سے منسوخ ہے۔ یہ ابو عبیدہ، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ بیہقی رحمہ اللہ نے "دلائل" میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت اور آیت: ﴿وَ أَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [الأنعام: ١٠٦] [اور مشرکوں سے کنارہ کر] اور اس جیسی آیات کے بارے میں روایت کیا ہے کہ سب آیتِ مذکورہ سے اور اس آیت: ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ [التوبة: ٥] [تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو] اور اس آیت ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ......﴾ سے منسوخ ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے سدی رحمہ اللہ سے ایسے ہی روایت کیا ہے۔[1]

ظاہر یہ ہے کہ پہلی آیت حکمِ جہاد کے اترنے کے انتظار کے بارے میں ہے، لہٰذا نسخ کے باب سے نہیں ہوگی۔

پانچویں آیت:

﴿وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ [البقرة: ١١٥]

[اور اللہ ہی کے لیے مشرق و مغرب ہے، تو تم جس طرف رخ کرو، سو وہیں اللہ کا چہرہ ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرة: ١٤٤] [سو اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لے] سے منسوخ ہے اور مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ منسوخ نہیں، کیوں کہ یہ سفر کی نمازِ نفل کے بارے میں ہے یا اس نماز کو درست قرار دینے کے لیے ہے، جو استقبالِ کعبہ سے پہلے "صخرہ" (بیت المقدس) کی طرف ادا کی گئی تھی اور یہودیوں کے

[1] تفسير الطبري (١/ ٥٣٤) تفسير ابن كثير (١/ ٢١٢)

اس طعن کے جواب میں اتری کہ "صخرہ" کی طرف نماز درست تھی تو استقبالِ کعبہ باطل ہوگا اور اگر کعبہ کی طرف درست ہے تو استقبالِ "صخرہ" باطل تھا اور وہ نمازیں بے سود ہوں گی۔

چھٹی آیت:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾ [البقرة: ١٥٩]

[بے شک جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو ہم نے واضح دلیلوں اور ہدایت میں سے اتارا ہے، اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، ایسے لوگ ہیں کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ استثابت یعنی ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ [البقرة: ١٦٠] [مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور کھول کر بیان کر دیا تو یہ لوگ ہیں جن کی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہوں] سے منسوخ ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ مخصوص کی جنس سے ہے نہ کہ منسوخ کی جنس سے۔ ابن العربی رحمہ اللہ نے اس قسم کی آیتوں کی، جو استثنا یا غایت سے خاص ہیں، تجرید کرنے پر توجہ دے کر انھیں جدا کر دیا ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس نے ان کو منسوخ میں داخل کیا ہے، غلط کیا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں یہ خبر دینا ہے کہ احکامِ قرآن کا چھپانے والا ملعون ہے۔ ان سے مراد کون لوگ ہیں؟ اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہود کے علما اور عیسائیوں کے راہب مراد ہیں، جنھوں نے محمد ﷺ کی شان کو چھپایا اور بعض نے کہا کہ ہر سچائی کا چھپانے والا اور بیانِ واجب کا تارک مراد ہے اور یہی بہتر ہے، کیوں کہ لفظ کے مفہوم کا اعتبار ہے نہ کہ سبب کے خصوص کا، جیسا کہ اصول میں بتایا گیا ہے۔ لہٰذا اس کے یہود و نصاریٰ کے بارے میں نزول کو فرض کرنے کی صورت میں بھی یہ آیت سچائی کے ہر چھپانے والے کو شامل ہونے کے منافی نہیں اور ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا﴾ تائبین اور اپنے اعمال کے مصلحین اور کتاب اللہ و سنن رسول اللہ ﷺ کے بیان کرنے والوں کا استثنا ہے۔[1] انتھی.

---

[1] فتح القدير (١/ ٢٥٠)

ساتویں آیت:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ [البقرة: ۱۷۳]

[اس نے تو تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز حرام کی ہے جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے]

کہتے ہیں کہ یہ سنت سے منسوخ ہے، جس میں بعض خون جائز قرار دیے گئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ مخصوص کی جنس سے ہے نہ کہ منسوخ کی، لہٰذا اس کو اس میں داخل کرنا غلط ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "نیل الأوطار" میں فرمایا ہے کہ اس عموم کی «أُحِلَّ لَنَا دَمَانِ وَمَيْتَتَانِ»[1] (أخرجه أحمد وابن ماجه والدارقطني والحاكم وابن مردويه عن ابن عمر) جیسی حدیث، نیز جابر رضی اللہ عنہ کی عنبر سے متعلق صحیح[2] میں ثابت شدہ جیسی حدیث سے اور اللہ سبحانہٗ کے اس ارشاد: ﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ﴾ [المائدۃ: ۹۶] [تمھارے لیے سمندر کا شکار حلال کر دیا گیا] سے تخصیص کی گئی ہے۔ آیت میں مذکورہ "میتة" سے مراد خشکی کا مردار ہے نہ کہ سمندر کا۔ اکثر علما کا مذہب ہے کہ تمام سمندری جانوروں کا کھانا، چاہے زندہ ہوں یا مردہ، جائز ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ جانور حرام ہے، جو خشکی کے حرام جانور کے مشابہ ہو۔ ابن حبیب رحمہ اللہ نے سمندری خنزیر کے بارے میں توقف کیا ہے اور ابن قاسم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں اس سے پرہیز کرتا ہوں اور حرام نہیں کہتا۔ خون کی حرمت پر علما کا اتفاق ہے۔ دوسری آیت میں: ﴿دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ (رواں خون) آیا ہے، لہٰذا مطلق مقید پر محمول ہوگا، کیوں کہ وہ خون جو گوشت سے آمیز ہو، حرام نہیں ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ وہ گوشت پکاتی تھیں تو خون کی زردی ہنڈیا کے اوپر چڑھ آتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ گوشت کھاتے اور انکار نہیں فرماتے تھے۔[3] انتهى.

نیز اس میں خونوں کی طہارت پر دلالت ہے اور حرمت ونجاست میں تلازم نہیں ہے۔ اس

---

[1] مسند أحمد (۲/ ۹۷) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۳۳۱٤) سنن الدارقطني (٤/ ۲۷۱) سنن البيهقي (۱/ ۲٥٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (۲۳٥۱)

[3] فتح القدير (۱/ ۲٦۱) نیز دیکھیں: تفسير القرطبي (۲/ ۲۱۰) یہ حدیث کسی کتاب میں باسند نہیں مل سکی۔

سلسلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ ہر نجس حرام ہے اور ہر حرام نجس نہیں، جیسا کہ دوسری مؤلفات میں ہم نے تحقیق کی ہے۔

آٹھویں آیت:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى﴾ [البقرة ۱۷۸]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر مقتولوں میں بدلہ لینا لکھ دیا گیا ہے، آزاد (قاتل) کے بدلے وہی آزاد (قاتل) اور غلام (قاتل) کے بدلے وہی غلام (قاتل) اور (قاتلہ) عورت کے بدلے وہی (قاتلہ) عورت ہوگی]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ [المائدة: ٤٥] [جان کے بدلے جان ہے] سے منسوخ ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، شعبی، قتادہ، سعید بن المسیب اور نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ آیت: ﴿وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ﴾ [بني اسرائيل: ٣٣] [اور جو شخص قتل کر دیا جائے، اس حال میں کہ مظلوم ہو تو یقیناً ہم نے اس کے ولی کے لیے پورا غلبہ رکھا ہے پس وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے] سے منسوخ ہے۔ حسن، عطا، عکرمہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اس آیت: ﴿اَلْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ ذکر کو انثیٰ کے عوض نہ مارا جائے اور یہ آیت مذکورہ سے منسوخ ہے۔ ایسے ہی اس ارشاد: ﴿وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ غلام کے بدلے آزاد کو نہ قتل کیا جائے اور یہ بھی منسوخ ہے، کیوں کہ اسراف ہے۔ ایسے ہی کافر کے بدلے مسلمان کا قتل ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں کہا ہے کہ جمہور نے استدلال کیا ہے کہ غلام کے بدلے آزاد نہیں مارا جائے گا۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب، ثوری، ابن ابی لیلیٰ اور داود رحمہ اللہ کا مذہب غلام کے بدلے آزاد کا قتل ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ علی رضی اللہ عنہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ سعید بن مسیب، قتادہ، ابراہیم نخعی اور حکم بن عتبہ رحمہ اللہ بھی اس کے قائل ہیں۔

ان کا استدلال آیت: ﴿اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ سے ہے اور اس استدلال کا جماعت اول نے یہ جواب دیا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد: ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ﴾ اس کے ارشاد:

﴿اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ کا مفسر ہے۔ نیز اس کا یہ ارشاد: ﴿وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا﴾ [المائدة: ٤٥] [اور ہم نے اس میں ان پر لکھ دیا] فائدہ دے رہا ہے کہ یہ اس چیز کی حکایت ہے، جسے اللہ نے تورات میں بنی اسرائیل کی شریعت بنایا تھا۔

دوسری جماعت کے ادلہ میں سے یہ حدیث ہے:

«اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَائُهُمْ»[1] [مسلمانوں کے خون برابر ہیں]

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مجمل ہے اور آیت مبین ہے، لیکن وہ کہتے ہیں کہ آیت: ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ﴾ [البقرة: ١٧٨] [آزاد (قاتل) کے بدلے وہی آزاد (قاتل) اور غلام (قاتل) کے بدلے وہی غلام (قاتل)] اپنے منطوق سے حر کے بدلے حر اور عبد کے بدلے عبد کے قتل پر دال ہے اور اس میں یہ دلالت نہیں ہے کہ حر کو عبد کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا، مگر مفہوم کے اعتبار سے۔ تو جس نے اس جیسا مفہوم لیا ہے، اسے یہاں بھی یہی مفہوم لینا ضروری ہے اور جس نے اسے نہیں لیا ہے، اس کے لیے اس مفہوم کو لینا ضروری نہیں ہے۔ اس مسئلے کی مفصل بحث علمِ اصول میں مذکور ہے۔

اس آیت سے کافر کے بدلے مسلم کے قتل کے قائلین نے استدلال کیا ہے، جو ثوری رحمہ اللہ اور اہلِ کوفہ ہیں، کیوں کہ حر کافر کو شامل ہے، جیسے مسلمان کو شامل ہے۔ ایسے ہی عبد اور انثی کافر کو شامل ہے، جیسے مسلم کو شامل ہے۔ نیز اللہ کے ارشاد: ﴿اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ سے استدلال کیا ہے کہ نفس، نفس کافرہ و مسلمہ دونوں پر صادق ہے۔

جمہور کا مذہب کافر کے بدلے مسلم کا عدمِ قتل ہے اور ان کی دلیل سنت سے یہ حدیث: «لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ»[2] [مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا] ہے۔ یہ دونوں آیات کے معنی کی مبیّن ہے اور اس میں طویل بحث ہے۔ اس سے ذکر کے بدلے انثی کے عدمِ قتل کے قائلین نے استدلال کیا ہے اور اس پر دلالت کو ویسے ہی بیان کیا ہے، جیسے کہ گزرا ہے، مگر جس وقت کہ عورت کے اولیا اس کی دیت مرد کی دیت سے زیادہ دیں، اس کے قائل امام مالک، امام شافعی، امام

---

[1] مسند أحمد (١/ ١١٩) سنن أبي داود (٤٥٣٠) سنن النسائي (٨/ ١٩) سنن ابن ماجه (٢٦٨٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١١١)

احمد، اسحاق اور ابو ثور رحمہم اللہ ہیں۔ جمہور عورت کے بدلے مرد کے قتل کی طرف دیت میں زیادتی کے بغیر گئے ہیں اور یہی درست ہے اور اس بحث کی تفصیل "شرح منتقی" میں ہے۔[1]

نویں آیت:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ [البقرة: ۱۸۰]

[تم پر لکھ دیا گیا ہے، جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے، اگر اس نے کوئی خیر چھوڑی ہو، اچھے طریقے کے ساتھ وصیت کرنا ماں باپ اور رشتے داروں کے لیے، متقی لوگوں پر یہ لازم ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ میراث سے منسوخ ہے اور کہا گیا ہے کہ حدیث: «لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»[2] [وارث کے حق میں وصیت نہیں ہے] سے منسوخ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اجماع سے منسوخ ہے، جسے ابن العربی رحمہ اللہ نے حکایت کیا ہے۔ اس کے نسخ کی طرف ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ اور ضحاک رحمہم اللہ گئے ہیں۔

"الفوز الکبیر" میں کہا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ یہ آیت، اس آیت: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ [النساء: ۱۱] [اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے] سے منسوخ ہے اور مذکورہ آیت اس نسخ کی وضاحت کرتی ہے۔[3] انتهیٰ.

طاؤس، قتادہ اور حسن بصری رحمہم اللہ وغیرہ نے کہا ہے کہ منسوخ نہیں ہے، بلکہ وصیت و میراث کے درمیان تطبیق ممکن ہے۔

شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ آیت کے بارے میں اہلِ علم مختلف ہیں کہ یہ آیت محکم ہے یا منسوخ؟ ایک جماعت کا مذہب ہے کہ محکم ہے، ان کا کہنا ہے کہ آیت اگرچہ عام ہے، لیکن اس کا معنی مخصوص ہے اور اس سے مقصود وہ والدین ہیں جو وارث نہیں ہوتے، جیسے کافر ماں باپ اور

---

[1] فتح القدير (۱/ ۳۲۳) نیز دیکھیں: نيل الأوطار (۷/ ۹۴)

[2] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

[3] الفوز الكبير (ص: ۵۲۔ ۵۳)

وہ جو غلامی میں ہوں اور ورثا کے سوا رشتے دار۔

ابن المنذر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ اہلِ علم، جن سے علم کو یاد رکھا جاتا ہے، اس موقف پر ہیں کہ ان ماں باپ اور قریبیوں کے لیے، جو وارث نہ ہوں، وصیت جائز ہے۔ بہت سے اہلِ علم کا مذہب یہ ہے کہ حدیثِ مذکور کے ساتھ آیتِ میراث منسوخ ہے۔ کچھ اہلِ حدیث اسے صحیح قرار دیتے ہیں اور یہ کئی وجوہ سے مروی ہے۔ بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ اس کا وجوب منسوخ ہے اور ندب برقرار ہے۔ یہ موقف شعبی، نخعی اور امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے۔[1] اس مسئلے کی تفصیل ہم نے "دليل الطالب علي أرجح المطالب" میں ذکر کردی ہے۔[2]

دسویں آیت:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [البقرة: ١٨٣]

[تم پر روزہ رکھنا لکھ دیا گیا ہے، جیسے ان لوگوں پر لکھا گیا جو تم سے پہلے تھے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، اس آیت: ﴿كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ [البقرة: ١٨٧] [کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ تمھارے لیے سیاہ دھاگے سے سفید دھاگا فجر کا خوب ظاہر ہو جائے] سے منسوخ ہے، یعنی عیسائی افطار کے بعد کھانے پینے اور ہم بستری سے عشاے آخر تک شغل رکھتے تھے اور جب سو جاتے تو دوسرے دن کی مغرب تک یہ تمام چیزیں ان پر حرام تھیں۔ ایسے ہی اسلام میں یہ طریقہ رائج رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے رات کے وقت امساک (کھانا پینا ترک کرنا) اٹھا لیا۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مفسرین وجہ تشبیہ میں مختلف ہیں۔ کہا گیا ہے کہ روزے کی مقدار اور اس کا وقت ایک ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر رمضان کا روزہ فرض کیا تھا، جسے انھوں نے بدل دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وجوب ہے، یعنی گذشتہ امتوں پر روزہ واجب تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ "صفت" ہے، یعنی کھانے پینے وغیرہ کے ترک کرنے میں مشابہت ہے۔ تو اول تقدیر پر آیت کا معنی یہ ہے کہ اس امت پر روزہ لکھ دیا گیا، جیسے ان سے پہلے لوگوں پر لکھ دیا گیا تھا اور

[1] فتح القدير (١/ ٣٢٦)

[2] دليل الطالب (ص: ٨٠٠)

دوسری تقدیر پر یہ مطلب ہے کہ جیسے ان پر روزہ شکن چیزوں سے رکنا واجب کیا تھا، ایسے ہی ان پر بھی واجب کیا گیا۔[1] انتہیٰ.

اس صورت میں اس کا نسخ متعین نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں آیتِ کریمہ: ﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ﴾ [البقرة: ۱۸۷] [تمھارے لیے روزے کی رات اپنی بیویوں سے صحبت کرنا حلال کر دیا گیا ہے] کے تحت کہا ہے کہ اس کو ﴿كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [البقرة۱۸۳] [جیسے ان لوگوں پر لکھا گیا جو تم سے پہلے تھے] کا ناسخ کہتے ہیں، کیوں کہ اس کا مقتضا سونے کے بعد اکل و وطی کی حرمت میں موافقت ہے، اسے ابن العربی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اور حکایت کیا ہے کہ یہ سنت سے منسوخ ہے۔[2] انتہیٰ.

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "الفوز الکبیر" میں کہا ہے کہ تشبیہ، نفسِ وجوب میں ہے، اس لیے یہ منسوخ نہیں ہے، بلکہ ایسی چیز کی تبدیلی ہے جو ان کے نزدیک شریعت سے پہلے تھی۔ میں نے اس پر کوئی دلیل نہیں پائی کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے یہ دستور (شریعت) بنایا تھا اور اگر تسلیم کریں تو یہ سنت سے ہوگا۔[3] انتہیٰ.

گیارھویں آیت:

﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ [البقرة: ۱۸٤]

[اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں ان پر فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے، پھر جو شخص خوشی سے کوئی نیکی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور یہ کہ تم روزہ رکھو تمھارے لیے بہتر ہے]

کہا گیا ہے کہ یہ آیت اس آیت: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرة: ۱۸۵] [تو تم میں سے جو اس مہینے میں حاضر ہو وہ اس کا روزہ رکھے] سے منسوخ ہے۔ یعنی اللہ نے اس امت پر رمضان کا روزہ فرض کیا اور ان کو روزہ رکھنے اور ہر دن کے بدلے نصف صاع گیہوں مسکین

---

[1] فتح القدير (۱/ ۳۲۹)

[2] الإتقان (۲/ ٦۰)

[3] الفوز الكبير (ص: ۵۳)

کو کھلا کر روزہ نہ رکھنے کا اختیار دے دیا، اس کے بعد "تخییر" کو مذکورہ آیت سے منسوخ کر دیا اور بیمار و مسافر کے سوا ہر ایک پر علی التعیین روزہ واجب رہ گیا۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں کہا ہے کہ کہا گیا ہے کہ یہ آیتِ مذکورہ سے منسوخ ہے اور کہا گیا ہے کہ محکم ہے اور "لا" مقدر ہے۔[1] "الفوزالکبیر" میں دوسری وجہ بیان کی گئی ہے۔ یعنی آیت کا معنی یہ ہے کہ "وعلی الذین یطیقون الطعام فدیة هي طعام مسکین" [ان لوگوں پر جو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتے ہیں، فدیہ لازم ہے اور وہ ایک مسکین کا کھانا ہے] تو اس میں اضمار قبل الذکر ہے، کیوں کہ وہ رتبے میں پہلے ہے۔ ضمیر مذکر کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ فدیے سے مقصود کھانا ہے، جو صدقہ فطر ہے اور اللہ تعالیٰ نے روزے کے حکم کے بعد اس آیت میں صدقۂ فطر کو رکھا ہے، جیسے کہ آیت ثانیہ میں اس کے بعد تکبیراتِ عید کو رکھا ہے۔[2] انتھیٰ. اس تقدیر پر یہ آیت منسوخ نہیں ہوگی۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں لکھا ہے کہ اہلِ علم نے اس آیت میں اختلاف کیا ہے کہ محکم ہے یا منسوخ۔ کہا گیا ہے کہ منسوخ ہے اور صیام فرض ہونے کی ابتدا میں یہ رخصت تھی، کیوں کہ ان پر روزہ مشکل اور دشوار تھا، تو جو روزانہ مسکین کو کھلاتا تھا، وہ طاقت کے باوجود روزہ نہیں رکھتا تھا، اس کے بعد یہ طریقہ منسوخ ہوگیا۔ یہ جمہور کا قول ہے۔ بعض اہلِ علم سے روایت کیا گیا ہے کہ منسوخ نہیں، بلکہ ان بوڑھے خواتین و حضرات کے لیے خصوصیت سے رخصت ہے، اس وقت جب وہ بغیر مشقت کے روزہ نہ رکھ سکتے ہوں۔ یہ تشدید کی قراءت کے مناسب ہے، یعنی جب انھیں مشقت محسوس ہو۔ اس آیت کا ناسخ جمہور کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ﴾ [البقرة: ١٨٥] [تو تم میں سے جو اس مہینے میں حاضر ہو] ہے۔ فدیے کے بارے میں اختلاف ہے، انھوں نے کہا ہے کہ ہر روز گیہوں کے علاوہ سے ایک صاع دے یا گیہوں سے نصف صاع اور صرف ایک "مُد" بھی کہا گیا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی نسخ کے قائل ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت: ﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَه، الخ﴾ اتری تو جو چاہتا تھا روزہ رکھتا تھا اور جو چاہتا

[1] الإتقان (٢/ ٦٠)

[2] الفوز الکبیر (ص: ٥٣)

تھا روزہ چھوڑ دیتا تھا اور فدیہ دیتا تھا۔ اس کے بعد یہ آیت: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ اتری، یعنی یہ اس کی ناسخ ہے۔[1] ابن جریر رحمہ اللہ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس بوڑھے کے بارے میں ہے، جو روزہ نہ رکھ سکتا ہو تو وہ چھوڑ دے اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، دار قطنی اور بیہقی رحمہم اللہ یہ روایت لائے ہیں کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی وفات سے ایک سال پہلے روزے رکھنے سے کمزور ہوگئے تو انھوں نے ایک بڑا برتن ثرید تیار کر کے تیس مسکینوں کو بلا کر انھیں کھلا دیا۔ نیز عبد بن حمید، ابن جریر اور دار قطنی رحمہم اللہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت لائے ہیں کہ انھوں نے اپنی حاملہ یا مرضعہ لونڈی سے کہا کہ تو اس کے درجے میں ہے جو روزے کی طاقت نہیں رکھتا، لہٰذا تجھ پر کھانا کھلانا ہے، قضا نہیں ہے۔ نیز عبد بن حمید، ابو حاتم اور دار قطنی رحمہم اللہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے کہ ان کی ایک دختر نے، جو حاملہ تھی، ان سے صومِ رمضان کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ روزہ چھوڑ دے اور ہر روز ایک مسکین کو کھلا دے۔ اس کے مثل تابعین کی ایک جماعت سے بھی روایت کیا گیا ہے۔[2] انتھیٰ.

میر غلام علی آزاد بلگرامی رحمہ اللہ "مآثر الکرام" میں لکھتے ہیں کہ میر طفیل محمد بلگرامی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جس وقت میں اور علامہ مرحوم میر عبدالجلیل بلگرامی اکبر آباد گئے اور نواب فضائل خان کی مجلس میں اول دفعہ وارد ہوئے، تو نواب فضلا کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اتفاقاً ذکر علمی کے دوران میں نواب کی زبان سے نکلا کہ آیت ﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ میں بعض مفسرین "لا" مقدر مانتے ہیں۔ میرے دل میں ایک توجیہ گزری ہے کہ "لا" کی تقدیر کے بغیر سلبی معنی پیدا ہوجاتا ہے۔ یعنی یہ باب افعال سے ہے اور ہمزہ اِفعال سلب کے لیے بھی آتا ہے، لہٰذا "یطیقونہ" "لا یطیقونہ" کے معنی میں ہے۔ حاضرین نے تعریف کے ہونٹ کھول دیے۔ میں نے کہا: اگر حکم ہو تو ایک بات عرض کروں؟ نواب نے اجازت دی۔ میں نے کہا: یہ توجیہ نہایت درست ہے، بشرطیکہ معنی سلبی "إطاقة" میں سنا گیا ہو، کیوں کہ ہمزہ سلب بابِ افعال میں سماعی ہے نہ کہ قیاسی۔ تفسیر فخر الدین رازی، کشاف، بیضاوی اور دیگر کتبِ تفاسیر اور

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٢٣٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٤٥)

[2] فتح القدير (١/ ٣٣٢)

کتبِ لغت میں سے صحاح جوہری اور قاموس وغیرہ دیکھی گئی، مگر کسی جگہ اس مادے میں سلبی معنی برآمد نہیں ہوا۔ نواب نے داد انصاف دیا اور فرمایا: تمھارا اعتراض درست ہے اور اس تقریب میں گرم جوشی دکھائی اور اس علامہ کو اپنی رفاقت میں لے لیا۔ یہ بات اوائلِ تحصیل کی ہے۔ پھر اس کے بعد دوسری تفاسیر پر عبور حاصل ہوا اور علم ہوا کہ شمس الائمہ اس پر ہیں کہ ہمزہ اِطاقت ہمزہ سلب ہے اور کچھ علما نے ان کی توجیہ کو مستحسن قرار دیا ہے اور کچھ دوسرے علما نے اعتراض کیا ہے۔ انتھیٰ.

بہر حال آیت کے عدمِ نسخ کا پلہ صاحبِ ''الفوز الکبیر'' کی توجیہ اور صحابہ کی ایک جماعت کے قول وفعل کے موافق نسخ پر بھاری ہے۔ واللّٰہ أعلم.

بارھویں آیت:

﴿وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا﴾ [البقرة: ۱۹۰]

[اور اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو]

کہا گیا ہے کہ یہ آیت اس آیت: ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ [البقرة: ۱۹٤] [پس جو تم پر زیادتی کرے، سو تم اس پر زیادتی کرو، اس کی مثل جو اس نے تم پر زیادتی کی ہے] سے اور اس ارشاد: ﴿وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ [التوبة: ۹] [اور مشرکوں سے ہر حال میں لڑو] سے منسوخ ہے، یعنی پہلی آیت میں علی الاطلاق اضرار سے روک دیا گیا ہے اور دوسری آیت میں مکافات کے طور پر اعتدا کو جائز کیا گیا ہے، لہٰذا دوسری آیت پہلی آیت کی ناسخ ہوگی۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اہلِ علم کے درمیان اس میں اختلاف نہیں ہے کہ ہجرت سے پہلے اللہ کے ارشاد: ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ﴾ [المائدة: ۱۳] [انھیں معاف کر دے اور ان سے در گزر کر] اور اس کے ارشاد: ﴿وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا﴾ [المزمل: ۱۰] [اور انھیں چھوڑ دے خوبصورت طریقے سے چھوڑنا] اور اس کے ارشاد: ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ [الغاشية: ۲۲] [تو ہرگز ان پر کوئی مسلط کیا ہوا نہیں] اور اس کے ارشاد: ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [المؤمنون: ۹٦] [اس طریقے سے برائی کو ہٹا جو سب سے اچھا ہے] وغیرہ کے ذریعے، جو مکے میں اترے ہیں، قتال سے روکا گیا تھا۔ پھر جب نبی ﷺ نے مدینے کی طرف ہجرت کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قتال کا حکم دیا اور یہ مذکورہ بالا آیت اتری۔ کہتے ہیں کہ جو آیت پہلے اتری وہ اللہ کا یہ ارشاد: ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ

﴿يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ [الحج: ٣٩] [ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جاتی ہے، اجازت دے دی گئی ہے، اس لیے کہ یقیناً ان پر ظلم کیا گیا] ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ اس آیت کے نزول کے بعد جو لڑتا اس سے قتال کرتے اور جو باز رہتا اس سے باز رہتے تھے، یہاں تک کہ یہ آیت: ﴿وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ [التوبة: ٩] [اور مشرکوں سے ہر حال میں لڑو] اتری۔

سلف کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ کے ارشاد: ﴿اَلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ﴾ [ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں] کا معنی ہے کہ بچوں، عورتوں، راہبوں اور ان جیسوں کے ماسوا سے لڑو۔ اہلِ علم اس آیت کو محکم غیر منسوخ قرار دیتے ہیں اور پہلے قول والوں کے نزدیک "اعتداء" کا معنی یہ ہے کہ کافر جماعتوں میں سے جو قتال نہیں کرتے، ان سے قتال نہ کرو اور دوسرے قول پر اس کا معنی یہ ہے کہ منجملہ مذکورین کے سزاوارِ قتل سے غیر سزاوارِ قتل کی طرف تجاوز نہ کرو۔[1]

تیرھویں آیت:

﴿وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [البقرة: ١٩١]

[اور مسجدِ حرام کے پاس ان سے نہ لڑو، یہاں تک کہ وہ اس میں تم سے لڑیں، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو، ایسے ہی کافروں کی جزا ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ [التوبة: ٥] [تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو] سے منسوخ ہے، یعنی پہلی آیت میں حرم میں کافروں سے قتال کی نہی کی گئی ہے، مگر یہ کہ وہ قتال کی ابتدا کریں۔ اس کے بعد اس کی تحریم کا حکم منسوخ ہوگیا اور ان کے ساتھ قتال کی ابتدا کو، وہ جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں، جائز کر دیا گیا۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور حرم میں قتال جائز نہیں، مگر اس کے بعد کہ کوئی اعتدا کے ساتھ قتال کرے، ایسی صورت میں اس کے دفعیے کے لیے مقاتلہ جائز ہے اور یہی درست ہے۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ یہ آیتِ مذکورہ سے منسوخ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان عام اور خاص کی

[1] فتح القدير (١/ ٣٤٥)

بنیاد پر تطبیق ممکن ہے۔ چنانچہ مشرک، حرم کے سوا جہاں بھی ملے، قتل کر دیا جائے گا اور اس کا موید آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

«إِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَ إِنَّهَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ»[1]

[بلاشبہہ وہ (حرم میں لڑائی) مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھی، یقیناً میرے لیے وہ دن کی ایک گھڑی میں حلال کی گئی]

یہ روایت صحیح میں ہے۔ نسخ کے قائلین نے ابن اخطل کے بارے میں آپ ﷺ کے ارشاد سے استدلال کیا ہے، جو کعبے کے پردے سے لٹکا ہوا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم اس ساعت میں ہوا، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے حلال کیا تھا۔[2]

چودھویں آیت:

﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [البقرة: ١٩٢] [پھر اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے] یعنی اگر وہ لڑائی سے باز رہیں تو تم بھی انھیں معاف کر دو اور ان کے ساتھ قتال کرنے سے درگزر کرو۔ کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے مذکورہ آیت کا معنی یہ کیا ہے کہ پس اگر وہ تمھارے قتال سے باز رہیں اور اسلام میں داخل ہو جائیں تو تم بھی درگزر کرو، کیوں کہ جو شرک سے دور ہو گیا اور اسلام میں داخل ہو گیا اس سے قتال جائز نہیں۔[3] انتھی. اس تقدیر پر مذکورہ آیت غیر منسوخ ہے اور یہی درست ہے۔

پندرھویں آیت:

﴿وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّه﴾ [البقرة: ١٩٦]

[اور اپنے سروں کو نہ مونڈو، یہاں تک کہ قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ پر پہنچ جائے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾ [البقرة: ١٩٦] [پھر تم میں سے جو بیمار ہو، یا

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٣٠٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٣٥٥)
[2] فتح القدير (١/ ٣٤٦)
[3] فتح القدير (١/ ٣٤٦)

اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو روزے یا صدقے یا قربانی میں سے کوئی ایک فدیہ ہے] سے منسوخ ہے، یعنی اول آیت میں ہدی کے اپنے محل میں پہنچنے سے پہلے سر منڈانے سے نہی کی گئی ہے اور دوسری آیت میں بیمار اور صاحبِ اذی کے لیے اسے فدیے کے ساتھ جائز کیا گیا ہے۔ درست یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ مخصوص باستثنا کی جنس سے ہے، جیسا کہ اسے ابو داود رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے،[1] نہ کہ منسوخ کے باب سے، اسے منسوخ کے باب سے شمار کرنا غلط ہے۔

سولھویں آیت:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ﴾ [البقرة: ٢١٥]

[وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کیا چیز خرچ کریں؟ کہہ دے تم خیر میں سے جو بھی خرچ کرو سو وہ ماں باپ اور زیادہ قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت سورۂ براءت کی آیت: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠] [صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں] سے منسوخ ہے، یعنی اول آیت میں والدین و اقربین پر انفاق اور صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد دوسری آیت میں زکات کے مصارف بیان کیے ہیں، لہٰذا اول کا وجوب زکات کے وجوب سے منسوخ ہوگیا، بلکہ ہر صدقے کا وجوب زکات سے منسوخ ہوگیا، جیسا کہ ہر صوم، صومِ رمضان سے اور ہر قربانی اضحیہ سے منسوخ ہے۔ درست یہ ہے کہ یہ بھی نسخ کے باب سے نہیں ہے، بلکہ دوسری آیت اس کی مفسر ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مذکورہ آیت میں سوال اِنفاق سے متعلق تھا کہ وہ کیا ہے؟ لہٰذا مصارف کو بیان کر کے اس کا جواب دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ ﴿مَآ اَنْفَقْتُمْ﴾ ﴿مَاذَا يُنْفِقُوْنَ﴾ کا بیان ہے اور اس سے مراد ہر وہ خیر ہے جو کریں۔ نیز کہتے ہیں کہ انھوں نے انفاق کے لیے برّ کے مصارف کے بارے میں سوال کیا، جن میں وہ خرچ کریں اور یہ خلافِ ظاہر ہے۔[2]

---

[1] فتح القدير (١/ ٣٥٧)

[2] فتح القدير (١/ ٣٨١)

سترھویں آیت:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ﴾ [البقرۃ: ۲۱۷]

[وہ تجھ سے حرمت والے مہینے کے متعلق اس میں لڑنے کے بارے میں پوچھتے ہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کے اس ارشاد: ﴿وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ [التوبۃ: ۳۶] [اور مشرکوں سے ہر حال میں لڑو] سے منسوخ ہے۔ (أخرجه ابن جرير عن عطاء بن ميسرة)

یعنی آیت اول میں حرمت والے مہینوں میں کافروں کے ساتھ ابتداءً قتال کو حرام کیا گیا تھا اور وہ حرمت والے مہینے رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم ہیں، پھر اس کے بعد قتال کو حل وحرم میں جائز قرار دیا گیا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سفیان ثوری رحمہ اللہ نے یہی فرمایا ہے۔[1] مگر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "الفوز الکبیر" میں فرمایا ہے کہ یہ آیت تحریمِ قتال پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ اس کی تجویز پر دال ہے اور یہ علت کو تسلیم کرنے اور بندش کو ظاہر کرنے کے قبیل سے ہے، لہٰذا اس کا معنی یہ ہے کہ حرمت والے مہینے میں قتال بہت بڑی چیز ہے، لیکن فتنہ اس سے زیادہ سخت ہے، لہٰذا اس کے مقابلے میں جائز ہوگا۔ اس کے سیاق سے یہ توجیہ ظاہر ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔[2] انتہیٰ.

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ جمہور کے نزدیک اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے کفارِ قریش! تم حرمت والے مہینے میں قتال کو بڑی چیز سمجھتے ہو اور حالت یہ ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو، جیسے راہِ خدا سے، مسجد حرام سے اور جو اسلام کا ارادہ کرے، اس کو روکنا اور اہلِ حرم کو حرم سے نکالنا، اللہ کے نزدیک یہ جرم وگناہ میں اس سے بڑھ کر ہے۔ اس کا سببِ نزول اس معنی کا شاہد ہے، کیوں کہ یہ سوال ان کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے لشکر سے جو ہوا، اس کے انکار کے طور پر تھا اور فتنے کا معنی کفر ہے، یعنی تمھارا کفر اس قتل سے بڑھ کر ہے جو اس لشکر میں ہوا۔[3]

اٹھارویں آیت:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ [البقرۃ: ۲۱۹]

---

[1] فتح القدیر (۱/ ۳۸۶)

[2] الفوز الکبیر (ص: ۵۴)

[3] فتح القدیر (۱/ ۳۸۴)

[تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے ہیں اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ [المائدة: ۹۰] [سراسر گندے ہیں شیطان کے کام سے ہیں] سے منسوخ ہے، یعنی اول آیت میں فرمایا ہے کہ شراب میں فائدہ اور گناہ دونوں ہیں اور تحریم کی صراحت نہیں کی، پھر دوسری آیت میں اس سے اجتناب کا حکم دیا اور اس آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۱] [تو کیا تم باز آنے والے ہو] یعنی وہ اسے بیچنے، پینے اور بنانے سے باز رہیں۔ تو یہ معلوم ہوا کہ اول آیت دوسری آیت سے منسوخ ہے۔

احمد، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور حاکم رحمہم اللہ اور ضیا رحمہ اللہ نے "مختارہ" میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ترمذی و حاکم رحمہما اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"اللّٰهم! بين لنا في الخمر بيانا شافيا، فإنها تذهب بالمال و العقل"

[اے اللہ! شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی بیان فرما، کیوں کہ یہ تو مال و عقل کو برباد کر دیتی ہے]

تو آیتِ مذکورہ ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ، الخ﴾ اتری اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھی گئی تو انھوں نے فرمایا: "اللّٰهم! بين لنا في الخمر بيانا شافيا" [اے اللہ! شراب سے متعلق کوئی واضح ارشاد نازل فرما] تو دوسری آیت اتری، جو سورۂ نسا میں ہے، یعنی ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ [النساء: ۴۳] [اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نماز کے قریب نہ جاؤ، اس حال میں کہ تم نشے میں ہو] اس پر نبی ﷺ نے نماز کے وقت اعلان کیا کہ بدمست نماز کے نزدیک نہ ہو، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور ان کے سامنے یہ آیت پڑھی: انھوں نے کہا: "اللّٰهم! بين لنا في الخمر بيانا شافيا" [اے اللہ! شراب سے متعلق کوئی واضح ارشاد نازل فرما] پھر وہ آیت اتری جو سورۃ المائدہ میں ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور ان کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی۔ جب اللہ کے ارشاد: ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۱] [تو کیا تم باز آنے والے ہو]

تک پہنچے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "انتھینا انتھینا" [ہم رک گئے، باز آ گئے][1]

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت لائے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ ہم شراب پیتے تھے تو یہ آیت ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ ......﴾ اتری تو ہم نے کہا ہم اسے پئیں گے، جو ہمیں فائدہ دے، تو سورۃ المائدہ میں ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ، الخ﴾ اتری، تو سب نے کہا: "اللّٰھم! انتھینا"[2] (اے اللہ! ہم سب باز آ گئے) بعض لوگ اس آیت سے بھی تحریم سمجھے ہیں، اس صورت میں یہ منسوخ نہیں ہوگی اور دوسری آیات اس کی موکد ومفسر ہوں گی۔ واللہ أعلم.

انیسویں آیت:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ [البقرة: ٢١٩]

[وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کیا چیز خرچ کریں؟ کہہ دے جو بہترین ہو]

کہتے ہیں: "عفو" کا معنی فضل، یعنی زائد مال ہے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو بھی غذا سے زائد ہوتا، صدقہ کر دیتے تھے اور یہ ان پر دشوار تھا، پھر یہ آیت اس آیت: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ [التوبة: ١٠٣] [ان کے مالوں سے صدقہ لے، اس کے ساتھ تو انھیں پاک کرے گا اور انھیں صاف کرے گا] سے منسوخ ہوگئی۔ یہ آیت زکات کے ایجاب میں صریح اور مقدارِ واجب اور مقدارِ موجب فیہ کے بارے میں مجمل ہے۔ سنت نے اس کو سونے، چاندی، اونٹ اور بقر وغنم اور زراعت کے بارے میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ "عفو" وہ ہے جو آسان ہو اور دل پر بوجھ نہ بنے۔ معنی یہ ہے کہ جو تمھاری ضروریات سے زائد ہو اور اس میں تمھاری جانوں کے لیے مشقت نہ ہو، اسے خرچ کرو۔ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے جو اہل وعیال کے خرچ سے بڑھ جائے۔ جمہور علما نے کہا ہے کہ مقصود رضا کارانہ نفقہ ہے۔ نیز کہا گیا ہے کہ یہ آیت فرض زکات کی آیت سے منسوخ ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ محکم ہے اور مال میں زکات کے سوا بھی کچھ حق ہے۔[3] انتهى. یہی راجح ہے۔

[1] مسند أحمد (١/ ٥٣) سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٦٧٠) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٠٤٩) سنن النسائي (٨/ ٣٨٦) المستدرك للحاكم (٤/ ١٤٣)

[2] تفسير ابن أبي حاتم (٢/ ٣٩٠) فتح القدير (١/ ٣٩١)

[3] فتح القدير (١/ ٢٩٢)

بیسویں آیت:

﴿لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ [البقرة: ۲۲۱]

[اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت سورۃ المائدہ کی آیت: ﴿وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [المائدۃ: ۵] [اور مومن عورتوں میں سے پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی] سے منسوخ ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں مشرکات سے شادی کرنے سے نہی ہے اور اس سے مقصود وثنیات یعنی بت پرست ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ تمام کتابیات کو عام ہے، کیوں کہ اہلِ کتاب مشرک ہیں۔

﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِ۟ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ [التوبة: ۳۰]

[اور یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا: مسیح اللہ کا بیٹا ہے]

اہلِ علم نے اس آیت میں اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکات سے شادی کو حرام کیا ہے اور انھیں میں کتابیات شامل ہیں۔ اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیت آئی اور کتابیات کو اس عموم سے خاص کر دیا۔ یہ موقف سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مالک، سفیان بن سعید، اور اوزاعی رحمہم اللہ سے مروی ہے۔ ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ آیت سورۃ المائدہ کی آیت کی ناسخ ہے اور کتابیات و مشرکات سے شادی کرنا حرام ہے۔ یہ شافعی رحمہ اللہ کے دو اقوال میں سے ایک ہے اور اہلِ علم کی ایک جماعت اس کی قائل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ پہلے اتری ہے اور سورۃ المائدہ بعد میں۔ لہٰذا قول اول راجح ہے اور اس کے قائل عثمان بن عفان، طلحہ، جابر، حذیفہ رضی اللہ عنہم، سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، طاؤس، عکرمہ، شعبی اور ضحاک رحمہم اللہ ہیں، جیسا کہ قرطبی اور نحاس رحمہما اللہ ان سے حکایت کرتے ہیں۔ اس کو ابن منذر رحمہ اللہ نے بھی مذکورین سے حکایت کیا ہے اور ان میں سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو زیادہ کیا اور کہا ہے کہ اوائل میں سے کسی سے صحیح ثابت نہیں ہے کہ اس نے اسے حرام کہا ہو۔

بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ لفظ "مشرك" اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے ﴿مَا يَوَدُّ

﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ [البقرۃ: ۱۰۵] [اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، نہ وہ پسند کرتے ہیں اور نہ مشرکین کہ تم پر تمھارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی اتاری جائے] اور اس کے اس ارشاد کی وجہ سے ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ﴾ [البینۃ: ۱] [وہ لوگ جنھوں نے اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا] اہلِ کتاب کو شامل نہیں ہے اور لفظ "مشرکین" کو عام فرض کر لینے کی صورت میں یہ عموم سورۃ المائدہ کی آیت سے مخصوص ہوگا، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ انتہیٰ۔[1]

مجوسیات کا حکم بھی کتابیات جیسا ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «سُنُّوْا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ»[2] [ان (مجوسیوں) کے ساتھ اہلِ کتاب جیسا معاملہ کرو]

اکیسویں آیت:

﴿وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَ لَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا﴾ [البقرۃ: ۲۲۸]

[اور وہ عورتیں جنھیں طلاق دی گئی ہے اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں اور ان کے لیے حلال نہیں کہ وہ چیز چھپائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں پیدا کی ہے، اگر وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہیں اور ان کے خاوند اس مدت میں انھیں واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں، اگر وہ (معاملہ) درست کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ [البقرۃ: ۲۲۹] [یہ طلاق (رجعی) دو بار ہے، پھر یا تو اچھے طریقے سے رکھ لینا ہے، یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے] سے منسوخ ہے، یعنی ابتدائے اسلام میں شوہر اس مطلقہ سے رجعت اور عقد کر سکتا تھا، جس کو وہ تین، چار اور اس سے بھی زیادہ مرتبہ طلاق دے چکا ہوتا۔ جب دوسری آیت اتری تو نکاح و رجعت مذکورہ کا حکم منسوخ ہوگیا، اب شوہر کے لیے جائز نہیں رہ گیا کہ اس کو زوجیت میں لے، جب تک کہ مذکورہ عورت دوسرے سے عقد نہ کرے اور وہ اسے دخول کے بعد نہ

[1] فتح القدير (۱/ ۲۹۳)

[2] موطأ الإمام مالك (٦١٦) التلخيص الحبير (۳/ ۱۷۱) إرواء الغليل (٥/ ۸۸)

چھوڑے۔ پھر ایک طلاق کے بعد عقد کا حکم ثابت رہ گیا اور تین طلاق کے بعد منسوخ ہوگیا۔ ایک گروہ کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے، کیوں کہ لفظ "مطلقات" عام ہے۔ تین طلاقوں وغیرہ سے مطلقہ عورتوں کو شامل ہے۔ تو اللہ کا ارشاد: ﴿اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ اس کے ارشاد: ﴿وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ﴾ کے لیے تخصیص کے حکم میں ہوگا اور یہی راجح ہے۔

بائیسویں آیت:

﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا﴾ [البقرة: ۲۲۹]

[تمھارے لیے حلال نہیں کہ اس میں سے جو تم نے انھیں دیا ہے کچھ بھی لو]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾ [البقرة: ۲۲۹] [مگر یہ کہ وہ دونوں ڈریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدیں قائم نہیں رکھیں گے] سے منسوخ ہے، یعنی اول آیت میں، جو خلع کے باب میں وارد ہے، اس سے مال لینے کی تحریم کو بیان فرمایا ہے، اس کے بعد اس کے لینے کی تحلیل سے اس کو منسوخ بنا دیا ہے، لیکن در اصل یہ آیت استثنا کے باب سے ہے، نسخ کے باب سے نہیں، لہٰذا اس کا شمار منسوخات میں غلط ہوگا۔ حاصل یہ کہ شوہر کے لیے جائز نہیں کہ جو مہر اس نے اپنی بیویوں کو دیا ہے، اسے مخالفت کی وجہ سے لے، مگر یہ کہ خدا کی ان حدود کو پار کرنے سے ڈرے، جو شوہر اور بیوی میں حسنِ عشرت، اطاعت اور وفا جیسی چیزوں کو واجب کیا ہے، تو اس صورت میں اگر شوہر کوئی چیز عورت سے لے یا عورت کوئی چیز اسے دے اور اس کے بدلے اپنے آپ کو عقد سے نکالے تو کوئی بات نہیں ہے۔ یہ خلع ہے، جمہور اس کے جواز کی طرف گئے ہیں اور قرآن مجید نے اس کی صراحت کی ہے۔

امام ابن منذر رحمہ اللہ نے بعض اہلِ علم سے حکایت کیا ہے کہ اس نے جو کچھ عورت سے لیا ہے، اس کے لیے جائز نہیں اور اس سے اس کو جبراً واپس نہیں کرایا جائے گا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ بات انتہائی غلط ہے۔ بکر بن عبداللہ المزنی رحمہ اللہ سے حکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے اس آیت کو سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ [النساء: ۲۰] [اور اگر تم کسی بیوی کی جگہ اور بیوی بدل کر لانے کا ارادہ کرو اور تم ان میں سے کسی ایک کو خزانہ دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح گناہ کر کے لو گے] سے منسوخ کہا

ہے اور یہ قول اجماع سے باہر ہے۔ دونوں آیتوں میں منافات نہیں ہے۔

اہلِ علم نے اس صورت میں اختلاف کیا ہے جب شوہر بیوی سے اس سے زیادہ طلب کرے، جو اسے مہر وغیرہ دیا ہے اور وہ اس پر راضی ہو جائے کہ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو ظاہر قرآن جواز میں ہے، کیوں کہ آیت میں کسی مقدارِ معین کی قید نہیں ہے۔ امام مالک، شافعی اور ابو ثور رحمہم اللہ اس کے قائل ہیں اور اسی کے مثل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ سے مروی ہے۔ طاؤس، عطا، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ جائز نہیں۔ انتهیٰ. اس کے بعد اس کے جواز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث لائے ہیں اور یہی درست ہے۔[1] واللّٰہ أعلم.

تیئسویں آیت:

﴿وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [البقرة: ٢٣٣]

[اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، اس کے لیے جو چاہے کہ دودھ کی مدت پوری کرے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ [البقرة: ٢٣٢] [پھر اگر وہ دونوں آپس کی رضا مندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں] سے منسوخ ہے۔ اس آیت میں ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ کا نسخ ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ استثنا کے باب سے ہے، نسخ کی جنس سے نہیں اور اس کا موید اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

﴿لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [البقرة: ٣٢٣] [جو چاہے دودھ کی مدت پوری کرے] ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس لفظ میں دلالت ہے کہ دو سال دودھ پلانا واجب نہیں، بلکہ وہ پوری مدت ہے اور اس سے کمتر پر اکتفا کرنا جائز ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے کہ اگر بچے کو پستان سے دو سال سے پہلے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر گناہ نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مدتِ حولین کو اتمامِ رضاعت سے مقید کیا ہے۔[2]

---

[1] دیکھیں: فتح القدير (١/ ٤١٥۔ ٤١٦)

[2] فتح القدير (١/ ٤٢٥)

چوبیسویں آیت:

﴿وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ﴾ [البقرة: ٢٤٠] [اور جو لوگ تم میں سے فوت کیے جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ اپنی بیویوں کے لیے ایک سال تک نکالے بغیر سامان دینے کی وصیت کریں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا﴾ [البقرة: ٢٤٠] [وہ عورتیں اپنی جانوں کے ساتھ چار ماہ اور دس دن تک انتظار کریں] سے منسوخ ہے۔ اول آیت میں ایک سال کا حکم تھا اور دوسری آیت میں چار مہینے دس دن کا ہو گیا۔ منسوخ یہاں تلاوت میں ناسخ پر مقدم ہے اور حکم میں متاخر ہے۔ "الإتقان" میں کہا ہے کہ ایک قوم کے نزدیک وصیتِ میراث سے منسوخ ہے اور "سکنیٰ" (رہایش) ثابت ہے اور دوسرے لوگوں کے نزدیک حدیث "ولا سکنیٰ"[1] سے منسوخ ہے۔[2] انتھیٰ۔

"الفوز الکبیر" میں لکھا ہے کہ یہ جمہور مفسرین کے نزدیک، جیسا کہ کہا گیا ہے، منسوخ ہے، البتہ یہ کہنا ممکن ہے کہ میت کے لیے وصیت مستحب یا جائز ہے اور عورت پر اس کی وصیت میں سکونت واجب نہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی پر ہیں اور یہ توجیہ آیت سے ظاہر ہے۔[3] انتھیٰ۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ سلف اور مفسرین میں ان کے پیروکاروں کا اس آیت میں اختلاف ہے کہ یہ آیت محکم ہے یا منسوخ؟ جمہور کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا﴾ سے منسوخ ہے اور وصیت جو اس میں مذکور ہوئی ہے، اس میراث سے منسوخ ہے، جو اللہ نے عورتوں کے لیے فرض کی ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے مجاہد رحمہ اللہ سے حکایت کیا ہے کہ یہ آیت محکم ہے، اس میں نسخ نہیں ہے۔ اس میں چار ماہ دس روز عدت کے لیے ہیں اور سات مہینے بیس رات وصیت کے مطابق سکنیٰ ہے، جسے اللہ نے ان کے لیے مقرر کیا ہے اور عورت مختار ہے کہ چاہے تو وصیت کے اندر سکونت کرے یا نکل جائے۔ ابن عطیہ اور قاضی عیاض رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ اس پر اجماع منعقد ہے کہ "حول" منسوخ ہے اور اس کی عدت یہی چار مہینے دس دن ہے۔ مجاہد سے بخاری رحمہ اللہ

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٤٨٠)

[2] الإتقان (٢/ ٦٠)

[3] الفوز الکبیر (ص: ٥٤)

نے اپنی صحیح میں اس کی تخریج کی ہے، جس کی روایت ابن جریر نے ان سے کی ہے۔[1]

پچیسویں آیت:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ [البقرة: ٢٥٦] [دین میں کوئی زبردستی نہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت آیتِ سیف ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَ جَدْتُّمُوْهُمْ﴾ [التوبة: ٥] [ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو] سے منسوخ ہے۔ اول آیت میں اسلام پر کفار کے اکراہ کی نفی تھی، دوسری آیت میں ان سے قتال کا حکم دیا ہے، اگرچہ اکراہ سے ہو۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اہلِ علم نے اس آیت میں کئی اقوال پر اختلاف کیا ہے:

1. منسوخ ہے، کیوں کہ (آپ ﷺ) نے اہلِ عرب کا دینِ اسلام پر اکراہ کیا، ان سے قتال کیا اور ان کے اسلام ہی پر راضی ہوئے۔ اس کا ناسخ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

    ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ [التوبة: ٧٣]

    [اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو]

    نیز فرمایا:

    ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَ لْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [التوبة: ١٢٣]

    [اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں سے لڑو جو کافروں میں سے تمھارے قریب ہیں اور لازم ہے کہ وہ تم میں کچھ سختی پائیں اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے]

    نیز فرمایا:

    ﴿سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ [الفتح: ١٦]

    [عن قریب تم ایک سخت لڑنے والی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے، تم ان سے لڑو گے، یا وہ مسلمان ہو جائیں گے]

    اکثر مفسرین اسی طرف گئے ہیں۔

---

[1] فتح القدير (١/ ٤٤٧)

۲ یہ منسوخ نہیں ہے، یہ خاص اہلِ کتاب کے بارے میں اتری ہے اور اگر وہ جزیہ دینا چاہیں تو ان کا اکراہ اسلام پر نہیں کیا جائے گا، بلکہ وہ اہلِ مکہ اور اہلِ اوثان ہیں، جن سے یا تو اسلام قبول کیا جائے گا یا سیف (تلوار)۔ شعبی، حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ اس کی طرف گئے ہیں۔

۳ یہ انصار کے بارے میں خاص ہے۔

۴ جو تلوار کی وجہ سے اسلام لایا ہو، اسے مکرہ نہ کہو، کیونکہ دین میں اکراہ نہیں ہے۔

۵ یہ اسیرانِ اہلِ کتاب کے بارے میں وارد ہوئی ہے کہ ان پر اسلام کے لیے جبر نہ کریں۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یعنی کسی پر دینِ اسلام میں داخل ہونے کے لیے جبر نہ کرو، کیوں کہ وہ روشن اور ظاہر ہے اور اس کے دلائل و براہین نمایاں اور آشکارا ہیں، لہٰذا ضرورت نہیں ہے کہ کسی پر اس میں داخل ہونے کے لیے جبر کیا جائے، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کی راہ نمائی کرے گا اور اس کے سینے کو اس کے لیے کشادہ کر دے گا اور اس کی بصیرت کو روشن کر دے گا، وہ بصیرت کی بنیاد پر خود اس میں داخل ہو جائے گا اور جسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نابینا اور اندھا بنا دے گا اور اس کے کان اور آنکھ پر مہر لگا دے گا، تو اسے جبراً دین میں داخل کرنا مفید نہیں ہے اور یہ اس قابل ہے کہ چھٹا قول ہو۔

کشاف میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے معاملے کو جبر و قسر پر جاری نہیں کیا ہے، بلکہ میلانِ خاطر اور اختیار پر رکھا ہے۔ اسی کے مثل ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

﴿وَ لَوْشَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ [یونس: ۹۹]

[اور اگر تیرا رب چاہتا تو یقیناً جو لوگ زمین میں ہیں سب کے سب اکٹھے ایمان لے آتے۔ تو کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا، یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں]

یعنی اگر اللہ چاہتا تو ان پر ایمان کے لیے جبر کرتا، لیکن اس نے یہ کام نہیں کیا اور معاملے کی بنیاد اختیار پر رکھی اور یہ ساتواں قول ہوسکتا ہے۔ قابلِ اعتماد بات اور جس کے پاس رکنا متعین ہے، وہ یہ ہے کہ یہ آیت جس سبب سے اتری ہے، یہ محکم غیر منسوخ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب انصار میں کسی عورت کی اولاد زندہ نہ رہتی تو اپنے ساتھ یہ عہد کرتی کہ اگر اس بار بیٹا پیدا ہوا تو اسے یہودی بنا دوں

گی۔ جب بنونضیر کے یہود جلاوطن کیے گئے تو ان میں انصار کے بیٹے اور اولاد بھی تھی اور انھوں نے کہا کہ ہم اپنے بیٹوں کو نہیں چھوڑیں گے، اس پر یہ آیت اتری۔[1]

(أخرجه أبو داوٗد والنسائي وابن جرير وابن المنذر وابن أبي حاتم وابن مردويه والبيهقي في السنن و الضياء في المختارة عن ابن عباس)

یہ قصہ ان کتب میں متعدد وجوہ سے وارد ہوا ہے، جس کا حاصل یہی ہے جو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس معنی کے ساتھ متضمن زیادتی کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ انصار نے کہا کہ ہم نے انھیں یہودی بنایا تو اس لیے بنایا کہ وہ سچا دین ہے اور ہمارے دین سے افضل ہے۔ جب اس وقت اللہ تعالیٰ دین اسلام لے آیا اور ہمیں مسلمان بنا دیا تو ضروری ہے کہ ہم جبراً انھیں دینِ اسلام میں لائیں، جس پر یہ آیت اتری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فرزندوں کو اختیار دے دیا اور اسلام پر جبر نہیں کیا۔ یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ اسلام کے بارے میں اہلِ کتاب پر جبر نہیں ہے، جب تک کہ اپنے دین کو اختیار کریں اور جزیہ دیں۔ رہے اہلِ عرب تو آیت اگر چہ ان کو شامل ہے، کیوں کہ نفی کے سیاق میں نکرہ اور دین کی تعریف اسی کا فائدہ دے رہی ہے اور اعتبار عمومِ لفظ کا ہے نہ کہ خصوصِ سبب کا، لیکن یہ عموم اسلام پر اہلِ حرب کفار کے اکراہ کے بارے میں وارد آیتوں سے مخصوص ہوگیا۔[2] انتھیٰ کلام الإمام الشوکاني رحمہ اللہ.

چھبیسویں آیت:

﴿وَ اَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾ [البقرة: ٢٨٢]

[اور جب آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لو]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ﴾ [البقرة: ٢٨٣] [پھر اگر تم میں سے کوئی کسی پر اعتبار کرے، تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے وہ اپنی امانت واپس کرے] سے منسوخ ہے، یعنی اول آیت میں باہم بیع کرنے پر اشہاد کو واجب کیا تھا اور اس آیت میں اسے اٹھا دیا، لیکن شافعی اور نخعی رحمہما اللہ کے نزدیک یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مبایعت پر اشہاد کا وجوب اب بھی ثابت ہے۔ اکثر مفسرین اس پر ہیں کہ اس کا وجوب نسخ پذیر

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٦٨٢) تفسير ابن جرير (٣/ ١٠)

[2] فتح القدير (١/ ٤٧١)

ہو گیا اور ندب واستحباب برقرار ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں کہ اشہاد واجب ہے یا مندوب؟ ابوموسیٰ اشعری، ابن عمر رضی اللہ عنہم، ضحاک، عطا، سعید بن مسیّب، جابر بن زید، داود بن علی ظاہری رحمہم اللہ اور اس کے فرزند اس طرف گئے ہیں کہ واجب ہے۔ طبری نے اسے ہی ترجیح دی ہے۔ شعبی، حسن، مالک، شافعی اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ اور ان کے اصحاب اس طرف گئے ہیں کہ مندوب ہے۔

ان کے درمیان یہ اختلاف آیت: ﴿وَ اَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾ [البقرة: ۲۸۲] [اور جب آپس میں خرید وفروخت کرو تو گواہ بنا لو] کی وجہ سے سودے پر شاہد بنانے کے وجوب کے بارے میں ہے۔ اس معاملے میں اور اس کے ارشاد: ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ﴾ [البقرة: ۲۸۲] [اور اپنے مردوں میں سے دو گواہوں کو گواہ بنالو] کے درمیان فرق نہیں ہے، لہٰذا سودے میں اس کے وجوب کے قائلین پر ضروری ہے کہ مداینت میں بھی اسے واجب قرار دیں۔ پھر اگر تمھارا بعض بعض سے بے خوف ہو، یعنی جس کا قرض ہے، قرض دار کے ساتھ اپنے حسنِ ظن کی وجہ سے یا اپنے نزدیک اس کی امانت کے ثبوت اور اس کی امانتداری کی بنا پر اس پر شاہد بنانے سے بے نیاز ہو تو چاہیے کہ موتمن یعنی قرضدار امانت یعنی قرض اسے جس کا قرض اس کے اوپر ہے، ادا کرے۔[1] انتهى.

یہ آیت کے عدمِ نسخ کا اشارہ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مبایعت مذکورہ سے مقصود آیت میں نقد تجارت ہے، جس میں اشہاد کافی ہے اور کچھ نے کہا ہے کہ ہر سودے میں نقد ہو یا ادھار، کیوں کہ یہ مادہ اختلاف کو دور کرنے اور منازعت کی منشا کو کاٹنے کے لیے ہے۔

ستائیسویں آیت:

﴿اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ [البقرة: ۲۸٤]

[اور اگر تم اسے ظاہر کرو جو تمھارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ۲۸٦] [اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجایش کے مطابق] سے منسوخ ہے، یعنی اول آیت میں

[1] فتح القدير (۱/ ۵۱۰)

خواطرِ قلوب پر محاسبہ تھا اور جب یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر دشوار ہوا، کیوں کہ اس سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے، تو یہ آیت اتری اور طاقت سے زیادہ تکلیف کو اٹھا لیا گیا۔

"الفوز الکبیر" میں کہا ہے کہ یہ عام کی تخصیص کے باب سے ہے۔ بعد والی آیت مبین ہے، یعنی اس سے مقصود وہ اخلاص و نفاق ہے، جو تمہارے دلوں میں ہے، دل کی باتیں نہیں، جن میں اختیار نہیں، کیوں کہ تکلیف اسی چیز میں ہوتی ہے جو انسان کی وسعت میں ہو۔[1] انتھی.

اس تقدیر پر مذکورہ آیت غیر منسوخ ہوگی۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس میں اہلِ علم نے کئی اقوال پر اختلاف کیا ہے:

① اگرچہ آیت عام ہے، لیکن کتمانِ شہادت کے ساتھ مخصوص ہے اور چھپانے والے کا اس کے چھپانے پر محاسبہ ہے، چاہے لوگوں پر اپنا کاتم (شہادت کو چھپانے والا) ہونا ظاہر کرے یا نہ کرے۔ یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور مجاہد رحمہم اللہ سے مروی ہے، لیکن اس قول کو رد کر دیا گیا ہے، کیوں کہ آیت میں لفظ کا عموم ہے اور اس قابل نہیں کہ اس سے پہلے کی کتمِ شہادت کی نہی سے مختص ہو۔

② مذکورہ آیت ان امور سے مختص ہے جو نفوس کو عارض ہوتے اور شک و یقین کے درمیان دائر ہوتے ہیں۔ یہ مجاہد کا قول ہے اور یہ حقیقت میں تخصیص بلا مخصص ہے۔

③ یہ محکم اور عام ہے، جو نفس میں ہو، اس پر عذاب کفار و منافقین کے ساتھ مختص ہے۔ اسے طبری رحمہ اللہ نے ایک قوم سے حکایت کیا ہے اور یہ بھی بلا مخصص تخصیص ہے، کیوں کہ اللہ کا ارشاد: ﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [البقرة: ٢٨٤] [پھر جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا] بعض کے ساتھ مختص نہیں ہو سکتا۔

④ یہ آیت منسوخ ہے۔ یہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، شعبی، عطا، محمد بن سیرین، محمد بن کعب اور موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ نیز سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت سے روایت کیا گیا ہے اور یہی درست ہے، کیوں کہ اس کے نسخ کی صراحت آئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہے:

[1] الفوز الکبیر (ص: ٥٤)

«إِنَّ اللّٰهَ غَفَرَ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا»[1] (أحمد و مسلم و أبوداود)

ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ پر ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾ اتری تو اصحابِ رسول پر بڑی دشوار گزری، چناں چہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور زانو کے بل کھڑے ہوگئے اور کہا کہ اے رسولِ خدا ﷺ! ہمیں ان اعمال کا مکلّف بنایا گیا ہے، جن کی طاقت رکھتے ہیں، یعنی نماز و روزہ اور جہاد و صدقہ۔ اب آپ ﷺ پر یہ آیت اتری ہے اور ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم چاہتے ہو کہ کہو: جیسے اہلِ کتاب نے تم سے پہلے کہا: ﴿سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا﴾ [البقرة: ۹۳] [ہم نے سنا اور نہیں مانا] بلکہ کہو: ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ [البقرة: ۲۸۵] [ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، تیری بخشش مانگتے ہیں اے ہمارے رب! اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے] تو جب قوم نے یہ آیت پڑھی اور اس کے ساتھ ان کی زبانیں لرزیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ آیتِ کریمہ اتاری: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ﴾ [البقرة: ۲۸۵] [رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب کی جانب سے اس کی طرف نازل کیا گیا] اور جب اسے ادا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ اخیر تک اتار دی۔[2]

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن المنذر، حاکم اور بیہقی رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسے ہی مرفوعاً روایت کیا ہے اور انھوں نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾

[اے ہمارے رب! ہم سے مواخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں]

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

«قَدْ فَعَلْتُ» [میں نے کر دیا، یعنی نسیان اور خطا پر مواخذہ نہیں کروں گا]

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٤٩٦٨) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٢٧) سنن أبي داود، رقم الحدیث (٢٢٠٩) مسند أحمد (٢/ ٣٩٣)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٩٩) مسند أحمد (٢/ ٤١٢) تفسیر الطبري (٣/ ٩٥)

پھر فرمایا:

﴿رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾

[اے ہمارے رب! اور ہم پر کوئی بھاری بوجھ نہ ڈال، جیسے تو نے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پہلے تھے] فرمایا کہ میں نے کر دیا۔

پھر فرمایا:

﴿وَاعْفُ عَنَّا وَ اغْفِرْلَنَا﴾ [اور ہم سے درگزر کر اور ہمیں بخش دے] فرمایا کہ میں نے کر دیا۔[1]

پھر فرمایا: یہ قصہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے چند طرق سے روایت کیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ مروان اصفر، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص سے لائے ہیں کہ ﴿اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ﴾ [اور اگر تم اسے ظاہر کرو جو تمھارے دلوں میں ہے، یا اسے چھپاؤ] کو اس کے بعد کی آیت نے نسخ کر دیا ہے اور اندازہ ہے کہ مذکور صحابی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہوں گے۔[2]

عبد بن حمید اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے علی رضی اللہ عنہ سے اسی کے مثل روایت کیا ہے،[3] ایسے ہی سعید بن منصور اور ابن جریر و طبرانی رحمہم اللہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔[4] ابن جریر نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس کے مانند روایت کیا ہے۔[5] ان روایات کے مجموعے سے سعید بن منصور، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ کی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس روایت کا ضعف ظاہر ہو گیا کہ یہ کتمانِ شہادت کے بارے میں ہے، کیوں کہ اگر اس کے بارے میں ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر معاملہ اتنا دشوار نہ ہوتا۔ بہر حال ناسخ و منسوخ کی صراحت کرنے والی ان احادیث کے بعد ان کی مخالفت کی گنجایش باقی نہیں رہی۔

---

① صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٠٠) مسند أحمد (١/ ٢٣٣) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٩٢)

② صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٥٤٦) شعب الإيمان (٣٠٢٥)

③ سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٥٩٠)

④ تفسير الطبري (٣/ ٩٧) الطبراني (٩٠٣٠)

⑤ تفسير الطبري (٣/ ٩٧)

نیز صحیحین وسنن اربعہ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کی موید ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَتَكَلَّمْ وَ تَعْمَلْ بِهِ»[1]

[یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ان باتوں سے درگزر کر دیا ہے، جو ان کے دل باتیں کرتے ہیں، جب تک وہ ان کے مطابق کلام نہ کریں یا اسے عمل میں نہ لے آئیں]

امام ابن جریر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت لائے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

«كُلُّ عَبْدٍ هَمَّ بِسُوْءٍ وَ مَعْصِيَةٍ، وَ حَدَّثَ نَفْسَهُ بِهِ، حَاسَبَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا، يَخَافُ وَ يَحْزَنُ، وَ يَشْتَدُّ هَمُّهُ، لَا يَنَالُهُ مِنْ ذَلِكَ شَيْئٌ، كَمَا هَمَّ بِالسُّوْءِ وَ لَمْ يَعْمَلْ مِنْهُ بِشَيْئٍ»[2]

[ہر وہ بندہ جس نے معصیت و نافرمانی کا ارادہ کیا اور اپنے دل میں اس کی بات کی، اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کا حساب لے گا، وہ ڈرتا ہے اور غم زدہ ہوتا ہے، اس کا ارادہ سخت ہو جاتا ہے مگر وہ اس کے مطابق کچھ نہیں کر پاتا، جس طرح اس نے معصیت کا ارادہ کیا اور اسے عمل میں نہ لایا]

سعید بن منصور اور ابن جریر رحمہ اللہ نے ان سے اس کے مثل روایت کیا ہے، لیکن نسخ کی صراحت کرنے والی سابقہ احادیث اس کو رد کر رہی ہیں۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: إِنَّ كُتَّابِي لَمْ يَكْتُبُوْا مِنْ أَعْمَالِكُمْ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا فَأَمَّا مَا أَسْرَرْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ فَأَنَا أُحَاسِبُكُمُ الْيَوْمَ فَأَغْفِرُ لِمَنْ شِئْتُ وَ أُعَذِّبُ مَنْ شِئْتُ»[3]

[یقیناً اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا کہ میرے کاتبین نے تمھارے وہی اعمال لکھے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٧٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٢٧) سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٢٠٩) سنن الترمذي، رقم الحديث: ١١٨٣) سنن النسائي، رقم الحديث (٣٤٣٣) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٠٤٠)

[2] تفسير الطبري (٣/ ٩٩)

[3] تفسير الطبري (٣/ ٩٨)

ہیں جو ظاہر ہوتے رہے اور وہ خیالات جن کو تم نے اپنے دل میں چھپائے رکھا تو میں آج تم سے ان کا حساب لوں گا، جس کو چاہوں بخش دوں گا اور جس کو چاہوں عذاب دوں گا]

یہ بھی پہلے کی احادیث سے ردھورہی ہے۔[1] انتهیٰ كلام الشوكاني رحمہ اللہ.

یہیں سے یہ معلوم ہوگیا کہ مذکورہ آیت کا نسخ مرفوع تفسیر سے ثابت ہے اور اس کا ورود حدیثِ نفس کے بارے میں ہے نہ کہ اس کے ماسوا کے بارے میں، لہٰذا جو تاویل "الفوز الكبير" سے نقل ہوئی ہے، اگرچہ وہ ایک مناسب احتمال رکھتی ہے، لیکن مرفوع حدیث کی بنا پر درست نہیں ہے۔ والله أعلم بالصواب.

سورت آلِ عمران:

یہ سورت مدنی ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ بہ اجماع مدنی ہے۔[2] اسے بیہقی رحمہ اللہ نے "الدلائل" میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے طریق سے روایت کیا ہے۔[3] اس سورت میں اکثر کے نزدیک ایک آیت منسوخ ہے اور بعض کے نزدیک تین۔ اس میں کوئی ناسخ نہیں ہے۔

پہلی آیت:

﴿وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ﴾ [آل عمران: ٢٠]

[اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو تیرے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے، یعنی اوّل میں کافروں کو اسلام پہنچانے پر اکتفا کیا گیا ہے اور ثانی میں قتال کا حکم دیا ہے، لہٰذا منسوخ ہوگئی، لیکن اکثر اہلِ علم کے نزدیک غیر منسوخ ہے، کیوں کہ ابلاغ ترکِ قتال نہیں چاہتا ہے۔

دوسری آیت:

﴿كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ

[1] فتح القدير (١/ ٥١٦)

[2] تفسير القرطبي (٤/ ٥)

[3] فتح القدير (١/ ٥٢٣)

جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [آل عمران: ٨٦]

[اللہ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا، جنھوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا اور (اس کے بعد کہ) انھوں نے شہادت دی کہ یقیناً یہ رسول سچا ہے اور ان کے پاس واضح دلیلیں آ چکی ہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [آل عمران: ٨٩] [مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح کر لی تو یقیناً اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے] سے منسوخ ہے، یعنی پہلی آیت کا مضمون یہ ہے کہ انھیں ہدایت نہیں دے گا اور ثانی میں مرتد کی، جب وہ اسلام کی طرف اخلاص سے لوٹ آئے، توبہ قبول کرنے کی دلیل ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن یہ حقیقت میں استثنا کے باب سے ہے نہ کہ نسخ کی جنس سے۔ اسی لیے اکثر مفسرین نے اس کے نسخ کے ذکر سے تعرض نہیں کیا ہے۔

تیسری آیت:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ [آل عمران: ١٠٢]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو جیسا اللہ سے ڈرنے کا حق ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن: ١٦] [سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو] سے منسوخ ہے، یعنی اوّل آیت کا مفاد یہ ہے کہ اللہ سے جیسے ڈرنا چاہیے ڈرو اور وہ اس کی بے عصیان اطاعت، اس کا بے نسیان ذکر اور بے کفران شکر ہے اور یہ استطاعت سے باہر ہے، اس لیے دوسری آیت میں اسے استطاعت پر مقصور فرمایا ہے۔

"الإتقان" میں سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ محکم ہے، اس سورت میں کوئی ایسی آیت اس کے سوا نہیں ہے جس پر نسخ کا دعویٰ صحیح ہو۔[1] یہ مقاتل نے کہا ہے۔[2]

"الفوز الکبیر" میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ﴿حَقَّ تُقَاتِهٖ﴾ سے مقصود شرک و کفر

---

[1] الإتقان (٢/ ٦١)

[2] فتح القدير (١/ ٦٠٢)

کے بارے میں اور اعتقاد کی طرف راجع چیز میں اس سے ڈرنا ہے اور ﴿مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ اعمال کے بارے میں ہے، یعنی جو وضو نہ کر سکے تو تیمّم کرے اور جو کھڑا نہیں ہو سکتا تو وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے اور یہ وجہ اس آیت ﴿وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ کے سیاق سے ظاہر ہے۔[1] انتھیٰ.

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ آیت اتری تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کون اس کام کی سکت رکھتا ہے؟ جب یہ معنی ان پر دشوار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا فرمان: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ نازل کیا تو یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ یہ قتادہ، ربیع اور ابن زید رحمہم اللہ سے مروی ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ ﴿اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ اس کے ارشاد: ﴿مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ سے مبیّن ہے اور یہ زیادہ درست ہے، کیوں کہ نسخ اس وقت ہوتا ہے جب تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں تطبیق ممکن ہے، لہٰذا یہی اولیٰ ہوگی۔ نیز اللہ سبحانہٗ کے ارشاد: ﴿حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ کی نقل کردہ روایت اس کی موید ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ منسوخ نہیں ہے، لیکن ﴿حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور تم پر اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت کا اثر نہ ہو اور اللہ کے لیے انصاف کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، اگرچہ یہ ان کی اپنی ذات، اپنے آبا و اجداد اور بیٹوں کے خلاف ہو۔[2] انتھیٰ کلامه.

برادرِ گرامی فضیلت آگین مولانا احمد بن حسن عرشی قنوجی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جو محققین نے جزم کیا ہے اور صحیح وصواب ہے، وہ یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ اس کے دوسرے ارشاد کی منشا کا مفسر و مبیّن ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اسی کا مکلّف بناتا ہے، جو ان کی استطاعت میں ہو، چنانچہ اس نے فرمایا: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ اور دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ انتھیٰ. نیز کتبِ عقائد میں لکھا ہوا ہے کہ "الفعل مع الاستطاعة" [فعل وعمل استطاعت کے ساتھ (مقید) ہے]

سورة النساء:

یہ پوری سورت مدنی ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ایک آیت کے سوا ساری مدنی ہے اور

---

[1] الفوز الكبير (ص: ٥٥)

[2] فتح القدير (١/ ٦٠٢)

وہ آیت ہے جو مکے میں فتح مکہ والے سال عثمان بن طلحہ حجبی کے بارے میں اتری اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ [النساء: ٥٨] [بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو] ہے۔[1] اس سورت میں اکثر اہلِ علم کے نزدیک تین آیات منسوخ ہیں۔ بعض کے نزدیک تیرہ اور بعض کے نزدیک چوبیس ہیں۔

پہلی آیت:

﴿وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ [النساء: ٨]

[اور جب تقسیم کے وقت قرابت والے اور یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو انھیں اس میں سے کچھ دو اور ان سے اچھی بات کہو]

کہتے ہیں کہ یہ آیت آیتِ مواریث سے منسوخ ہے۔ سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں فرمایا ہے کہ کہتے ہیں کہ منسوخ نہیں ہے، لیکن لوگوں نے اس پر عمل میں سستی کی۔[2]

"الفوز الکبیر" میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ آیت محکم ہے اور حکم استحباب کے لیے ہے اور یہ زیادہ ظاہر ہے۔[3] انتہیٰ.

"فتح القدیر" میں امام شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں قرابت دار سے مقصود غیر وارث ہیں اور ایسے ہی یتامیٰ اور مساکین ہیں، لہٰذا جب یہ تقسیم کے وقت حاضر ہوں تو انھیں کچھ دیا جائے۔ ایک قوم کا مذہب ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور حکم ندب کے لیے ہے۔ دوسرے کہتے ہیں کہ اللہ کے ارشاد: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ [النساء: ١١] [اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے] سے منسوخ ہے، مگر پہلا مذہب راجح ہے، کیوں کہ آیت میں مذکور غیر وارث ہیں اور جو کچھ انھیں دیا جائے، وہ منجملہ میراث نہیں ہے کہ اسے آیتِ میراث سے منسوخ ٹھہرایا جائے، مگر جو قرابت دار کو ورثا کے معنی میں لیتے ہوں تو اس صورت میں نسخ کی ایک وجہ بنتی ہے۔ ایک گروہ نے

---

[1] تفسیر القرطبي (٥/ ٥) فتح القدير (١/ ٦٧٢)

[2] الإتقان (٢/ ٦١)

[3] الفوز الكبير (ص: ٥٥)

کہا ہے کہ غیر وارث قرابت دار کو اتنی مقدار میں کچھ دے دینا واجب ہے، جس سے ورثا خوش ہوں اور یہ امر کا اصلی معنی ہے۔ تو بغیر قرینے کے ندب کی طرف نہ جائیں۔ اللہ کے ارشاد میں ﴿مِنْهُ﴾ کی ضمیر ایسے مقسوم مال کی طرف لوٹ رہی ہے، جس پر تقسیم کے ساتھ دلالت کی گئی ہو۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ متروکہ مال کی طرف لوٹتی ہے۔ ''قول معروف'' سے مراد ایسی اچھی بات ہے جس میں اس شخص پر، جسے اس تقسیم سے دیا جائے، منت اور اذیت نہ ہو۔[1] انتهیٰ.

دوسری آیت:

﴿وَ لْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾ [النساء: ۹]

[اور لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو اپنے پیچھے اگر کمزور اولاد چھوڑتے تو ان کے متعلق ڈرتے، پس لازم ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات کہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ [البقرة: ۱۸۲] [پھر جو شخص کسی وصیت کرنے والے سے کسی قسم کی طرف داری یا گناہ سے ڈرے، پس ان کے درمیان اصلاح کر دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں] سے منسوخ ہے۔ ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہ اللہ نے سنن میں روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے، جو کسی شخص کی موت کے وقت حاضر ہو اور اسے ورثا کے بارے میں نقصان دہ وصیت کرتے ہوئے سنے تو اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے کہ خدا سے ڈرے اور اس وصیت کو موافق اور درست بنائے اور اس کے ورثا کا پاسبان رہے، جیسے اپنے ورثا کے بارے میں ان کی بربادی کے وقت جو کچھ پسند کرتا ہے۔[2] یہ تفسیر چند طرق سے مروی ہے، لہٰذا بیشتر علما آیتِ مذکورہ کو منسوخ نہیں شمار کرتے اور یہی درست ہے۔

تیسری آیت:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا﴾ [النساء: ۱۰]

---

[1] فتح القدير (۱/ ۶۹۱)

[2] تفسير الطبري (۳/ ۶۱۱) تفسير ابن كثير (۱/ ۶۰۴) فتح القدير (۱/ ۶۹۱)

[بے شک جو لوگ یتیموں کے اموال ظلم سے کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھاتے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ﴾ [البقرة: ٢٢٠] [وہ تجھ سے یتیموں کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے ان کے لیے کچھ نہ کچھ سنوارتے رہنا بہتر ہے] سے منسوخ ہے۔ علما کی ایک جماعت کے نزدیک یہ آیت محکم ہے اور دونوں میں تطبیق ممکن ہے، کیوں کہ مبنی بر ظلم یتیموں کا مال کھانے سے نہی ہے، لہٰذا غیر ظلم کی صورت میں معروف کے ساتھ جائز ہوگا۔

چوتھی آیت:

﴿وَ الّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا﴾ [النساء: ١٥]

[اور تمھاری عورتوں سے جو بدکاری کا ارتکاب کریں، ان پر اپنے میں سے چار مرد گواہ طلب کرو، پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو انھیں گھروں میں بند رکھو، یہاں تک کہ انھیں موت اٹھا لے جائے، یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ بنا دے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت سورۃ النور کی آیت سے منسوخ ہے۔ اسے سیوطی رحمہ اللہ "الإتقان" میں ذکر کیا ہے۔[1] شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "الفوز الکبیر" میں فرمایا ہے کہ اس میں نسخ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک غایت تک ممتد ہے اور جب غایت آئی تو آنحضرت ﷺ نے بیان کردی کہ سبیلِ موعود ایسے ایسے ہے۔[2] انتھی.

میں کہتا ہوں کہ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت اس آیت: ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ [النور: ٢] [جو زنا کرنے والی عورت ہے اور جو زنا کرنے والا مرد ہے، سو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو] سے منسوخ ہے، یعنی زانیہ کا حکم ابتداے اسلام میں

---

[1] الإتقان (٢/ ٦١)

[2] الفوز الکبیر (ص: ٥٥۔ ٥٦)

مکان کے اندر تا موت حبس تھا اور جب یہ آیت اتری تو حبس کا حکم منسوخ ہوگیا اور اس کا عوض (بدلہ) غیر شادی شدہ ہو تو کوڑے اور اگر شادی شدہ ہو تو رجم قرار دیا گیا ہے۔ بعض نے کہا کہ سنت سے منسوخ ہے اور وہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

«خُذُوا عَنِّي فَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَ الرَّجْمُ»[1]

[مجھ سے (اللہ کا حکم) لے لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک راستہ مقرر کر دیا ہے، کنوارے لڑکے اور کنواری لڑکی کی سزا سو کوڑے مارنا اور ایک سال کے لیے جلا وطنی کرنا اور شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کی سزا سو کوڑے مارنا اور سنگسار کرنا ہے]

تو مکان میں حبس و امساک کا حکم اس سنت سے منسوخ ہوگیا۔ "فتح القدير" میں فرمایا ہے کہ خانہ اسیری ابتداے اسلام میں تھی، پھر مذکورہ آیت سے منسوخ ہوگئی۔[2] کچھ اہلِ علم اس بات کی طرف گئے ہیں کہ حبس و ایذا کا حکم کوڑوں کے ساتھ ساتھ باقی ہے، کیوں کہ دونوں کے درمیان تعارض نہیں، بلکہ تطبیق ممکن ہے۔ سبیل سے مقصود وہی ہے جو سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں "خُذُوا عَنِّي..." آیا ہے۔

پانچویں آیت:

﴿وَ الَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا﴾ [النساء: ١٦]

[اور دونوں جو تم میں سے اس کا ارتکاب کریں سو ان دونوں کو ایذا دو]

کہتے ہیں کہ یہ آیت سورۃ النور کی آیت: ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ﴾ سے منسوخ ہے۔ حاصل یہ کہ ابتداے اسلام میں ایذا اور سرزنش دونوں کا حکم تھا، اس کے بعد غیر شادی شدہ کے لیے جلد اور شادی شدہ کے لیے رجم سے منسوخ ہوگیا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا نزول لواطت کے بارے میں ہوا ہے، اس کے بعد دونوں کے قتل سے منسوخ ہوگیا اور قتل کی کیفیت میں فقہا کا اختلاف ہے۔ "فتح القدير" میں فرمایا ہے کہ آیت یعنی ﴿الّٰتِيْ﴾ عورتوں کے بارے میں خاص ہے محصنات ہوں یا غیر محصنات اور دوسری رجال کے بارے

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٢٩٠)

[2] فتح القدير (١/ ٧٠٦)

میں خاص ہے۔ تثنیہ کا صیغہ لانے کی وجہ دو صفت یعنی محصن اور غیر محصن ہے تو عورت کی سزا ''حبس'' ہے اور رجال کی سزا ''اذیٰ'' ہے۔ یہ نحاس رحمہ اللہ کا مختار مذہب ہے اور اسے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ اسے مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ سے لائے ہیں اور اسے مستحسن کہا ہے۔

سدی اور قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہے کہ آیت اولیٰ شادی شدہ عورتوں کے بارے میں ہے اور اس میں رجال بھی داخل ہیں اور دوسری آیت غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لیے ہے۔ طبرانی رحمہ اللہ نے اسے ترجیح دی ہے اور نحاس رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ''اذیٰ'' کی تفسیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ کچھ نے ڈانٹ، پھٹکار اور عار دلانا کیا ہے اور کچھ نے بغیر عار دلائے برائی کرنا اور بعض نے زبان سے بے عزت کرنا اور جوتے مارنا کیا ہے۔ ایک قوم نے کہا ہے کہ ''حبس'' کے مانند ہی ''اذیٰ'' بھی منسوخ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ منسوخ نہیں ہے، جیسا کہ ''حبس'' کے بارے میں گزرا۔[1]

چھٹی آیت:

﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ﴾ [النساء: ۱۷]

[توبہ (جس کا قبول کرنا) اللہ کے ذمے (ہے) صرف ان لوگوں کی ہے جو جہالت سے برائی کرتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیتِ کریمہ ﴿وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ﴾ [النساء: ۱۸] [اور توبہ ان لوگوں کی نہیں جو برے کام کیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جاتی ہے تو وہ کہتا ہے بے شک میں نے اب توبہ کر لی اور نہ ان کی ہے جو اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہوتے ہیں] سے منسوخ ہے۔ یعنی پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ اس شخص کی توبہ کی پذیرائی ہے جو بغیر تاخیر و تسویف کے جلد تائب ہو جائے اور دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ جس نے موت سے پہلے اور موت کے وقت توبہ کی، اس کی توبہ کی پذیرائی نہیں۔ اس کے بعد یہ حکم اس آیت: ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ [التوبة: ۱۰۴] [کیا انھوں نے نہیں جانا کہ بے شک

[1] فتح القدير (۱/ ۷۰۳)

اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے] سے منسوخ ہوگیا، یعنی موت کے وقت غرغرہ اور ملک الموت کے مددگاروں کو دیکھنے سے پہلے بھی توبہ کی پذیرائی ہوتی ہے، لیکن اس کے بعد نہیں ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مسلمان سے پذیرائی ہے، کافر سے نہیں، جیسے فرعون کا ایمان ہے۔ بعض کے نزدیک یہ آیت غیر منسوخ ہے، کیوں کہ ان کے درمیان تطبیق ممکن ہے۔ عبد بن حمید، ابن منذر ابن ابی حاتم اور ابو العالیہ رحمہم اللہ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ﴾ [النساء: ۱۷] [توبہ (جس کا قبول کرنا) اللہ کے ذمے (ہے)] میں روایت کرتے ہیں کہ یہ مومنوں کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿لَيْسَتِ التَّوْبَةُ﴾ [النساء: ۱۸] [اور توبہ ان لوگوں کی نہیں] کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ منافقین کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ﴾ [النساء: ۱۸] [اور نہ ان لوگوں کی ہے جو اس حال میں مرے] کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مشرکین کے لیے ہے۔[1]

ساتویں آیت:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ﴾ [النساء: ۱۹]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھارے لیے حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور نہ انھیں اس لیے روک رکھو کہ تم نے انھیں جو کچھ دیا اس میں سے کچھ لے لو]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ [النساء: ۱۹] [مگر اس صورت میں کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کا ارتکاب کریں] سے منسوخ ہے، لیکن یہ حقیقت میں استثنا ہے، نسخ نہیں۔ اسی لیے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: "هي محكمة لم تنسخ" [یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں] اسے علی الہمدانی رحمہ اللہ نے اپنی "ناسخ" میں ذکر کیا ہے۔

آٹھویں آیت:

﴿وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ [النساء: ۲۲]

[اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمھارے باپ نکاح کر چکے ہوں]

---

[1] فتح القدير (۱/ ۷۰٦)

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ [النساء: ٢٢] [مگر جو پہلے گزر چکا] سے منسوخ ہے، لیکن یہ بھی استثنا ہے، نسخ نہیں، لہٰذا دونوں آیات محکم اور غیر منسوخ ہوں گی۔

نویں آیت:

﴿أَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾ [النساء: ٢٣] [اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ [النساء: ٢٣] [مگر جو گزر چکا] سے منسوخ ہے۔ یہ بھی آیت سابقہ کے مانند تخصیص کے باب سے ہے، تنسیخ کی جنس سے نہیں اور آیتِ کریمہ عموم کی وجہ سے ہر قسم کی دو بہن کو شامل ہے آزاد ہوں یا کنیزیں۔

دسویں آیت:

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ [النساء: ٢٤]

[پھر وہ جن سے تم ان عورتوں میں سے فائدہ اٹھاؤ، پس انھیں ان کے مہر دو، جو مقرر شدہ ہوں]

کہتے ہیں کہ اللہ کے ارشاد: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ [المؤمنون: ٥، ٦] [اور وہی جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، مگر اپنی بیویوں، یا ان (عورتوں) پر جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں] سے منسوخ ہے۔

"فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ اس آیت کے معنی میں اہلِ علم اختلاف کرتے ہیں۔ حسن رحمہ اللہ اور مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہے کہ معنی یہ ہے کہ جن عورتوں سے ہم بستری کے ذریعے تم نے تلذذ اور استفادہ شرعی نکاح کے ذریعے کیا ہے، ان کے مہر انھیں دے دو۔ جمہور کہتے ہیں کہ اس آیت سے مقصود نکاح متعہ ہے جو ابتدائے اسلام میں تھا اور بعد میں منع ہوگیا، جیسا کہ صحیحین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

«نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ وَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ»[1]

[نبی کریم ﷺ نے خیبر والے دن نکاحِ متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٢١٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٠٧)

صحیح مسلم میں سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الْاِسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ، وَ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ ذَالِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ مِنْهُنَّ شَيْئٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيْلَهَا، وَلَا تَأْخُذُوْا مِمَّا آتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا»[1]

[لوگو! میں نے تمھیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دے رکھی تھی، اب اللہ نے قیامت تک کے لیے اسے حرام فرما دیا ہے، لہٰذا جس کے پاس کوئی ایسی عورت ہو تو وہ اسے آزاد کر دے اور تم نے جو کچھ انھیں دیا ہے، اس میں سے کچھ بھی (واپس) نہ لو]

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع کا تھا، تو یہ احادیث آیت مذکورہ کی ناسخ ہیں۔ سعید بن جبیر نے فرمایا ہے کہ اس کی ناسخ میراث کی آیت ہے، کیوں کہ "متعہ" میں میراث نہیں ہے۔ قاسم بن محمد رحمہ اللہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ متعہ کا نسخ قرآن میں ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ، الخ﴾ ہے اور جو عورت متعہ والی ہے، وہ بیویوں سے ہے اور نہ لونڈیوں میں سے، کیوں کہ زوجہ کی شان یہ ہے کہ وہ خود بھی وارث ہو اور دوسرے اس کے وارث ہوں، جب کہ متعہ والی عورت ایسی نہیں ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعہ کے جواز کی روایت ہے۔ نیز اس کے ناسخ کے پہنچنے پر اس سے رجوع کرنے کی بھی روایت ہے۔ روافض کی ایک جماعت اس کے جواز کی قائل ہے اور ان کے اقوال پر اعتماد نہیں۔ بعض متاخرین اس مسئلے پر تکثیرِ کلام اور اس کے مجوزین کی تقویت کی وجہ سے اپنی جان کو تھکان میں ڈالے ہوئے ہیں، یہ اس کے بطلان کی جگہ نہیں ہے۔ منتقیٰ کی شرح میں جواز پر استدلال کرنے والے کے شک کو باطل کرنے کے لیے میں نے طویل بحث کی ہے۔[2] انتهیٰ كلام الإمام الشوكاني رحمہ اللہ

گیارھویں آیت:

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٠٦)

[2] فتح القدير (١/ ٧٢١)

تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ [النساء: ٢٩]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضا مندی سے تجارت کی کوئی صورت ہو]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ﴾ [النور: ٦١] [نہ اندھے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے] سے منسوخ ہے، یعنی پہلی آیت میں تجارت کے ذریعے کے سوا ایک دوسرے کا مال کھانے کی ممانعت ہے۔ اسلام سے پہلے اور ابتداے اسلام میں سفر میں رفقا کا کھانا آمیز کر لیتے تھے اور اسے سب مل کر کھاتے تھے، لیکن جب یہ آیت اتری تو انھوں نے اندھے، لنگڑے اور بیمار کے ساتھ کھانا کھانے میں الجھن محسوس کی۔ اس پر یہ آیت اتری اور اس میں اس الجھن کو دور کر دیا۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے عکرمہ اور حسن رحمہ اللہ سے مذکورہ آیت میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص کو الجھن اور دشواری ہوئی کہ اس آیت کے اترنے کے بعد کسی نزدیکی کے ساتھ کھانا کھائے تو اس کا حکم سورۃ النور کی آیت: ﴿وَلَا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ﴾ [النور: ٦١] [اور نہ خود تم پر کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ] سے منسوخ ہوگیا۔[1]

اکثر اہلِ علم کے نزدیک یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں اور اس کا حکم برقرار ہے۔ باطل ذریعے سے کھانا ممنوع ہے اور وہ ایسے کھانا ہے جس کے ساتھ شریعت وارد نہ ہوئی ہو اور جو شریعت میں وارد ہے، وہ باطل نہیں ہے، بلکہ درست ہے، لہٰذا آیتِ مذکورہ میں داخل نہیں ہوگا۔ اسی لیے امام سیوطی رحمہ اللہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مذکورہ آیت کے بارے میں صحیح سند سے لائے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ "إنها محكمة ما نسخت، ولا تنسخ إلى يوم القيمة"[2] [بلاشبہ وہ محکم ہے منسوخ نہیں ہوئی اور نہ قیامت تک منسوخ ہوگی] نیز باطل میں وہ سودے شامل ہیں، جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔

بارھویں آیت:

﴿وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾ [النساء: ٣٣]

---

[1] تفسير الطبري (٤/ ٣٣)

[2] الدر المنثور (٢/ ٤٩٤)

[اور جن لوگوں کو تمھارے عہد و پیمان نے باندھ رکھا ہے انھیں ان کا حصہ دو]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾ [الأنفال: ۷۵] [اور رشتے دار اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں] سے منسوخ ہے، یعنی ابتداے اسلام میں دو شخص عقدِ موالات اور عہد کرتے تھے کہ جس کی بھی پہلے موت ہوگی، دوسرا اس کا وارث ہوگا تو آیتِ میراث یا آیتِ مذکورہ نے اس کا نسخ کر دیا۔

"فتح القدیر" میں آیتِ کریمہ: ﴿وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ﴾ [النساء: ۳۳] [اور ہم نے اس (ترکے) میں جو والدین اور زیادہ قرابت والے چھوڑ جائیں، ہر ایک کے وارث مقرر کر دیے ہیں] کے تحت فرمایا ہے کہ ہر انسان کے ہم نے وارث بنا دیے ہیں، تاکہ وہ اس کی میراث کے مالک اور وارث ہوں۔ کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ [النساء: ۳۳] [اور جن لوگوں کو تمھارے عہد و پیمان نے باندھ رکھا ہے] سے منسوخ ہے اور اس کے برعکس بھی کہتے ہیں، جیسا کہ ابن جریر رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ جمہور اس طرف گئے ہیں کہ اس کا ناسخ، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ، الخ﴾ [الأنفال: ۷۵] [اور رشتے دار] ہے، یعنی ہم نے ہر ایک کے عصبہ بنائے ہیں کہ جو کچھ فرائض سے باقی ہو، اس کا وارث ہو۔[1] انتھیٰ. لیکن "الفوز الکبیر" میں لکھا ہے کہ آیت کا ظاہر یہ ہے کہ میراث قریبی رشتے داروں کے لیے ہے اور بر وصلہ مولی الموالاۃ[2] کے لیے اور یہ نسخ نہیں ہے۔[3] انتھیٰ.

تیرھویں آیت:

﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ [النساء: ٦٤]

[اور اگر واقعی یہ لوگ، جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، تیرے پاس آتے، پھر اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول ان کے لیے بخشش مانگتا تو اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت مہربان پاتے]

---

① فتح القدیر (۱/ ۷۳۷)

② ایک شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اور وہ دونوں عہد کریں کہ وہ باہم وارث بنیں گے اور دیت وغیرہ میں ذمے دار ہیں، تو اسے "مولیٰ الموالاۃ" کہتے ہیں۔

③ الفوز الکبیر (ص: ۵۵)

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ [المنافقون: ٦] [ان پر برابر ہے کہ تو ان کے لیے بخشش کی دعا کرے، یا ان کے لیے بخشش کی دعا نہ کرے، اللہ انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گا] سے منسوخ ہے، یعنی یہ منافقین کے بارے میں ہے، جو دل میں کفر چھپائے رہتے ہیں اور اوپر سے اسلام ظاہر کرتے ہیں تو ان کی توبہ کی پذیرائی نہیں۔ یہاں فقہا کے درمیان اختلاف ہے، اسی لیے بہت سے علما کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے، لیکن حیاتِ نبوی میں استغفارِ نبوی پر مقصور ہے اور آپ ﷺ کی موت کے بعد استغفار وارد نہیں ہوا ہے، لہٰذا یہ محض زیارتِ قبور کے لیے سفر اور مقبور سے طلبِ استغفار کے لیے دلیل نہیں ہوگی۔

چودھویں آیت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا﴾

[النساء: ٧١]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے بچاؤ کا سامان پکڑو، پھر دستوں کی صورت میں نکلو، یا اکٹھے ہو کر نکلو]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً﴾ [التوبة: ١٢٢] [اور ممکن نہیں کہ مومن سب کے سب نکل جائیں] سے منسوخ ہے، یعنی پہلی آیت میں تمام مومنوں کو روانہ ہونے کا حکم تھا اور اس میں بعض کو ہے، لہٰذا دوسری آیت پہلی کی ناسخ ہوئی۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کہتے ہیں کہ یہ آیت، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا﴾ [التوبة: ٤١] [نکلو ہلکے اور بوجھل] اور اس کے اس ارشاد: ﴿إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ﴾ [التوبة: ٣٩] [اگر نہ نکلو گے تو وہ تمھیں عذاب دے گا] سے منسوخ ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں آیات محکم ہیں۔ ایک اس وقت کے لیے ہے، جب سب کو جانے کی ضرورت ہو اور دوسری بعض کو چھوڑ کر بعض کے جانے پر اکتفا کے بارے میں ہے۔[1] انتهى.

پندرھویں آیت:

﴿وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾ [النساء: ٨٠]

[1] فتح القدير (١/ ٧٧٥)

[اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے تجھے ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا]

کہتے ہیں کہ یہ آیت آیتِ سیف ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَ جَدْتُّمُوْهُمْ﴾ [التوبة: ٥] [تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو] سے منسوخ ہے۔

سولھویں آیت:

﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ [النساء: ٨١]

[پس ان سے منہ موڑ لے اور اللہ پر بھروسا کر]

کہتے ہیں کہ یہ آیت آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

سترھویں آیت:

﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [النساء: ٨٤]

[پس اللہ کے راستے میں جنگ کر، تجھے تیری ذات کے سوا کسی کی تکلیف نہیں دی جاتی اور ایمان والوں کو رغبت دلا]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ [التوبة: ٣٦] [اور مشرکوں سے ہر حال میں لڑو] سے منسوخ ہے۔ زجاج رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تنہا جہاد کرنے کا حکم دیا ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کے لیے مدد کا ذمے دار ہے۔ ابن عطیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ظاہر لفظ یہی ہے، لیکن کسی خبر میں یہ نہیں آیا ہے کہ قتال صرف آپ ﷺ پر فرض تھا، امت پر نہیں۔ تو اگر چہ خطاب لفظ میں خصوصیت سے آپ ﷺ کے لیے ہے، لیکن معنی یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! تم کو اور تمھاری امت کے ہر فرد کو چاہیے کہ راہِ خدا میں قتال کرے۔[1] انتهیٰ.

اس معنی پر یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں ہے۔

اٹھارویں آیت:

﴿فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ [النساء: ٨٩]

[تو انھیں پکڑو اور انھیں قتل کرو جہاں انھیں پاؤ]

[1] فتح القدير (١/ ٧٨٣)

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ [النساء: ۹۰] [مگر وہ لوگ جو ان لوگوں سے جا ملتے ہیں کہ تمھارے درمیان اور ان کے درمیان عہد و پیمان ہے] سے منسوخ ہے، لیکن یہ بھی تخصیص کے باب سے ہے، نسخ سے نہیں۔

انیسویں آیت:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ، الخ﴾ [النساء: ۹۰]

[مگر وہ لوگ جو ان لوگوں سے جا ملتے ہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ ابو داود، ابن منذر، ابن ابی حاتم، نحاس اور بیہقی رحمہ اللہ سنن میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت لائے ہیں کہ اس آیت کو آیتِ براءت ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [التوبة: ٤] [پس جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو ان مشرکوں کو قتل کرو] نے منسوخ کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اجماع سے منسوخ ہے۔ بہت سے اہلِ علم اس کے عدمِ نسخ کی طرف گئے ہیں اور اسے تخصیص کے باب سے شمار کرتے ہیں۔[1]

بیسویں آیت:

﴿فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ﴾ [النساء: ۹۰]

[تو اگر وہ تم سے الگ رہیں اور تم سے نہ لڑیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ اسے عبدالرزاق، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی عاصم رحمہ اللہ نے قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ نیز ابن جریر، حسن اور عکرمہ رحمہ اللہ سے اس آیت کے بارے میں روایت لائے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ براءت نے اسے منسوخ کر دیا ہے،[2] لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت غیر منسوخ ہے۔

اکیسویں آیت:

﴿سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ﴾ [النساء: ۹۱]

---

[1] دیکھیں: فتح القدير (۱/ ۷۸۸)

[2] تفسير الطبري (٤/ ١٩٩)

[عن قریب تم کچھ اور لوگ پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے امن میں رہیں]
کہتے ہیں کہ یہ آیت آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

بائیسویں آیت:

﴿فَاِنْ کَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّکُمْ وَ ھُوَ مُؤْمِنٌ﴾ [النساء: ۹۲]
[پھر اگر وہ اس قوم میں سے ہو جو تمھاری دشمن ہے اور وہ مومن ہو]
کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ﴾ [التوبۃ: ۱] [اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے بری ہونے کا اعلان ہے] سے منسوخ ہے، لیکن اکثر اہلِ علم اس کے عدمِ نسخ کی طرف گئے ہیں۔

تیئسویں آیت:

﴿وَ مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خٰلِدًا فِیْھَا وَ غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ لَعَنَہٗ وَ اَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا﴾ [النساء: ۹۳]
[اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی جزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والا ہے اور اللہ اس پر غصے ہو گیا اور اس نے اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا ہے]
کہتے ہیں کہ یہ آیت سورۃ النساء کی آیت: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ [النساء: ۱۱۶] [بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا] سے منسوخ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس وقت بالاجماع منسوخ ہے، جب قاتل مسلمان ہو۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں کہا ہے کہ علما اس میں اختلاف کرتے ہیں کہ عمداً قتل کرنے والے کے لیے توبہ ہے یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے لائے ہیں کہ اس آیت میں علمائے اہلِ کوفہ نے اختلاف کیا تو میں اسے دریافت کرنے کے لیے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سوار ہو کر روانہ ہوا اور ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ آخری چیز ہے جو اتری

اور کسی چیز نے اسے منسوخ نہیں کیا۔[1] اسی کے مانند امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی ان سے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔[2] ان میں سے جو عدمِ توبہ کی طرف گئے ہیں، سلف میں سے ابوہریرہ، ابن عمر رضی اللہ عنہم، ابوسلمہ، عبید بن عمیر، حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ ہیں، اسے ابو حاتم رحمہ اللہ نے ان سے نقل کیا ہے۔ جمہور اس کی توبہ کی طرف گئے ہیں اور اللہ کے اس جیسے ارشاد سے استدلال کرتے ہیں:

﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ [هود: ١١٤]

[بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں]

نیز فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ [الشورىٰ: ٢٥]

[اور وہی ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے]

نیز فرمایا:

﴿وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [النساء: ١١٦]

[اور بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جس کو چاہے گا]

وہ کہتے ہیں کہ اس آیتِ نسا اور آیتِ فرقان میں تطبیق بھی ممکن ہے، تو دونوں کا معنی یوں ہوگا کہ "فَجَزَاؤُہٗ جَهَنَّمُ إِلَّا مَنْ تَابَ" [اس کی جزا جہنم ہے، سوائے اس کے جو توبہ کر لے] خصوصاً جب سبب متحد ہے جو قتل ہے اور موجب بھی متحد ہے، جو عقاب کی وعید ہے۔

صحیحین میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تُبَايِعُوْنِي عَلىٰ أَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئاً وَ لَا تَزْنُوْا، وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ»[3]

[میری بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، زنا نہیں کرو گے اور اس جان کو قتل نہیں کرو، جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے سوائے اس کے جو حق ہے]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٥٩٠)

[2] سنن النسائي الكبرىٰ، رقم الحديث (٣٤٦٣، ٣٤٦٩)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٧٨٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٠٩)

اس کے بعد فرمایا:

«فَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَالِكَ شَيْئاً فَسَتَرَهُ اللّٰهُ فَهُوَ إِلَى اللّٰهِ، إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ، وَ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ»

[جس شخص نے ان میں سے کوئی کام کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ پر پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، چاہے معاف فرمائے اور چاہے سزا دے]

نیز صحیح مسلم میں سو شخص کے قاتل کے بارے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں۔[1] ایک جماعت نے، جن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، کہا ہے کہ قاتل عمد اس کی مشیت کے تحت ہے، اس نے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔ شرح "منتقیٰ" میں میں نے ہر ایک کے استدلال کو بیان کردیا ہے۔ درست یہ ہے کہ توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا، بلکہ ہر قاصد کے لیے کھلا ہوا ہے۔ جب شرک سب سے بڑا گناہ اور سب سے سخت ہے اور اللہ سے توبہ کرنے کی وجہ سے مٹ جاتا ہے اور اس کے مرتکب کے لیے اس سے نکلنے اور توبہ کے دروازے میں داخل ہونے کی گنجایش ہے تو اس سے چھوٹی معصیت جو قتل عمد ہے، اس کی کیا حیثیت ہے؟ لیکن قاتلِ عمد کی توبہ میں قتل کا اعتراف اور خود کو قصاص کے لیے حوالے کرنا، اگر قصاص واجب ہے اور دیت دینا، اگر قصاص واجب نہ ہو، ضروری ہے۔ مال دار قاتل اس کے کل یا کچھ کو حوالے کرے گا، لیکن دوبارہ ایسا نہ کرنے کے عزم سے خالی توبہ، جس میں اعتراف اور تسلیم نفس نہ ہو، تو میں اس کی پذیرائی کا یقین نہیں کرتا ہوں۔ واللّٰه أرحم الراحمين، هو الذي يحكم بين عباده فيما كانوا فيه يختلفون.[2]

چوبیسویں آیت:

﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا﴾ [النساء: ١٤٥]

[بے شک منافق لوگ آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٤٧٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٦٦)

[2] فتح القدير (١/ ٧٩٤)

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ [النساء: ١٤٦] [مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور اللہ کو مضبوطی سے تھام لیا اور اپنا دین اللہ کے لیے خالص کر لیا تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں] سے منسوخ ہے۔ یہ درحقیقت استثنا کے ذریعے تخصیص کے باب سے ہے، نسخ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

سورة المائدة:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ سورت بالا جماع مدنی ہے۔[1] انتهى. اس سورت میں منسوخات بعض کے نزدیک ایک آیت، کچھ کے نزدیک دو اور بعض کے نزدیک تین اور کچھ کے نزدیک سات اور بعض کے نزدیک نو ہیں۔ یہ سب سے آخری سورت ہے، جو مدینے میں یا حجۃ الوداع میں مکے اور مدینے کے درمیان اتری۔

پہلی آیت:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْیَ وَ لَا الْقَلَآئِدَ وَ لَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا﴾ [المائدة: ٢]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی کرو اور نہ حرمت والے مہینے کی اور نہ حرم کی قربانی کی اور نہ پٹوں (والے جانوروں) کی اور نہ حرمت والے گھر کا قصد کرنے والوں کی، جو اپنے رب کا فضل اور خوشنودی تلاش کرتے ہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت آیتِ سیف سے منسوخ ہے، کیوں کہ مشرکین حج وعمرہ کرتے اور ہدی بھیجتے تھے تو مسلمانوں نے چاہا کہ انھیں لوٹ لیں، اس کی نہی میں یہ آیت اتری۔[2] اس کے بعد وہ اس آیت: ﴿فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ [التوبة: ٢٨] [پس وہ اپنے اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں] اور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد: «لَا یَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ

[1] تفسير القرطبي (٦/ ٣١)

[2] فتح القدير (٢/ ١٢)

مُشْرِكٌ »[1] [اس سال کے بعد کوئی مشرک (بیت اللہ کا) حج نہ کرے] سے منسوخ ہوگئی۔ عبد بن حمید اور ابو داود رحمہ اللہ "ناسخ" میں اور ابن جریر اور ابن منذر رحمہ اللہ شعبی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ مائدہ سے یہی ایک آیت منسوخ ہوئی ہے۔[2] ایک قوم نے کہا کہ منسوخ نہیں، بلکہ محکم ہے اور مسلمانوں کے بارے میں ہے۔ "الفوز الکبیر" میں لکھا ہے کہ ہم نے قرآن وسنت میں اس کا کوئی ناسخ نہیں پایا، لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ شہرِ حرام میں حرام قتال زیادہ سخت گناہ والا عمل ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں فرمایا:

« إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَ أَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا »[3] انتہیٰ۔

[تمھارے خون اور تمھارے مال ایک دوسرے کے لیے اسی طرح قابلِ احترام ہیں، جس طرح تمھارے اس شہر (مکے) میں اس مہینے (ذوالحج) کا یہ (حج کا) دن]

میں کہتا ہوں کہ ناسخ ومنسوخ میں ابو داود اور نحاس رحمہ اللہ کی ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل رحمہ اللہ سے مروی روایت اس کی موید ہے کہ انھوں نے کہا کہ مائدہ سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی، یعنی سب آیات محکم ہیں اور ایسے ہی اسے سعید بن منصور اور ابن المنذر رحمہ اللہ نے ان سے روایت کیا ہے[4]، اسی طرح عبد بن حمید اور ابو داود رحمہ اللہ نے اپنی "ناسخ" میں اسے روایت کیا ہے۔ ابن المنذر رحمہ اللہ نے حسن بصری رحمہ اللہ سے اور ابو عبید رحمہ اللہ نے ضمرہ بن حبیب اور عطیہ بن قیس رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تنزیل کے لحاظ سے سورۃ المائدہ قرآن مجید کی آخری سورت ہے، لہٰذا اس کے جائز کو جائز کرو اور اس کے حرام کو حرام بناؤ۔

دوسری آیت:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ﴾ [المائدۃ: ۱۳]

[انھیں معاف کر دے اور ان سے درگزر کر]

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۴۳۸۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۳۴۷)

[2] تفسیر ابن جریر الطبري (۴/ ۳۹۲)

[3] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۱۶۵۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۱۸)

[4] الناسخ والمنسوخ للنحاس (ص: ۳۵۷)

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ [التوبة: ۲۹] [لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخر پر] اور آیتِ سیف سے منسوخ ہے، یعنی پہلی آیت میں ان یہود کے قتال سے عفو و اعراض کا حکم تھا، جو رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتے تھے اور اس آیت میں ان سے قتال کا حکم فرمایا، یہاں تک کہ ایمان لائیں یا جزیہ دیں۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں، بلکہ معاہدین کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا محکم ہوگی۔

تیسری آیت:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ [المائدة: ۳۳]

[ان لوگوں کی جزا جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں، یہی ہے کہ انھیں بری طرح قتل کیا جائے، یا انھیں بری طرح سولی دی جائے، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف سمتوں سے بری طرح کاٹے جائیں، یا انھیں اس سرزمین سے نکال دیا جائے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کے اس ارشاد: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ﴾ [المائدة: ۳٤] [مگر جو لوگ اس سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر قابو پاؤ] سے منسوخ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ محکم ہے منسوخ نہیں، بلکہ یہ استثنا کے ذریعے تخصیص کے باب سے ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ عرنیوں کے بارے میں اتری۔ امام مالک، امام شافعی، ابو ثور اور اصحاب الرائے رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ مسلم رہزنوں اور فسادیوں کے بارے میں اتری۔ ابن المنذر رحمہ اللہ نے کہا کہ امام مالک رحمہ اللہ کی بات صحیح ہے۔ ابو ثور رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اللہ کا ارشاد: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ غیر اہلِ شرک کے بارے میں اس کے نزول کی دلیل ہے، کیوں کہ اس بات پر اجماع کیا گیا ہے کہ اہلِ شرک جب مسلمان ہو جائیں تو ان کا خون محفوظ ہو جاتا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ اس کا نزول اہلِ اسلام کے بارے میں ہوا ہے۔[1] انتھی.

نیز اس پر اللہ کا ارشاد: ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾

[1] فتح القدير (۲/ ٤۹)

[الأنفال: ٣٨] [ان لوگوں سے کہہ دے جنھوں نے کفر کیا، اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ گزر چکا انھیں بخش دیا جائے گا] اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان: «اَلْإِسْلَا مُ يَهْدِمُ مَا قَبْلَهُ»[1] [اسلام پہلے گناہ مٹا دیتا ہے] دلیل ہے، جسے مسلم رحمہ اللہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں بعض اہلِ علم سے حکایت کرتے ہیں کہ یہ آیت یعنی آیتِ محاربہ عرنیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے فعل سے منسوخ ہے اور ان حدود پر معاملہ موقوف ہوگیا ہے۔ محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عرنیوں کے ساتھ نبی ﷺ کا یہ فعل نزولِ حدود سے پہلے تھا اور اہلِ علم کی ایک جماعت اس کی قائل ہے۔ دوسری جماعت کا مذہب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا عرنیوں کے ساتھ یہ فعل آپ ﷺ کی مثلہ کی نہی سے منسوخ ہے،[2] لیکن اس قول کے قائل سے ناسخ کی تاخیر کو بیان کرنے کی دلیل مطلوب ہے۔ درست یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین اور غیر مشرکین کو، جو آیت کے مضمون کا ارتکاب کریں، عام ہے اور خصوصِ سبب کا اعتبار نہیں، بلکہ عمومِ لفظ کا اعتبار ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اہلِ علم کے درمیان اس میں اختلاف نہیں ہے کہ یہ حکم اہلِ اسلام محاربین پر مترتب ہوتا ہے، اگرچہ وہ مرتدین یا یہود کے بارے میں اترا ہے۔[3]

چوتھی آیت:

﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ [المائدۃ: ٤٢]

[پھر اگر وہ تیرے پاس آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ کر، یا ان سے منہ پھیر لے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کے اس ارشاد: ﴿وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ [المائدۃ: ٤٩] [اور یہ کہ ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا ہے] سے منسوخ ہے، اسی طرف مجاہد اور سعید بن المسیب رحمہما اللہ گئے ہیں۔ ایک دوسری جماعت نے کہا ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور یہ حسن بصری، شعبی اور نخعی رحمہم اللہ کا مختار مذہب ہے۔ "الفوز الکبیر" کی عبارت یہ ہے کہ آیت کا معنی یوں ہے کہ اگر آپ فیصلہ کرنا اختیار کریں تو ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کے موافق فیصلہ

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٢١)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٣٧٠)

[3] فتح القدير (٢/ ٥٠)

کریں اور ان کی خواہش کی پیروی نہ کریں۔ حاصل یہ کہ ہمیں چاہیے کہ اہلِ ذمہ کو ان کے قضیے میں ان کے علما کی رائے پر چھوڑ دیں، تاکہ وہ اپنے موافق اس کا فیصلہ کریں اور یہ بھی جائز ہے کہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے موافق فیصلہ کریں۔[1] انتھیٰ.

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ آیت میں رسول اللہ ﷺ کو حکم و اعراض میں اختیار ہے، اس سے دونوں باتوں کے درمیان مسلم حکام کے مخیّر ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ علما نے اجماع کیا ہے کہ اہلِ اسلام حکام پر مسلم اور ذمی کے درمیان اگر معاملہ پیش کریں تو فیصلہ کرنا واجب ہے اور اہلِ ذمہ کے اپنے درمیان معاملہ پیش کرنے میں اختلاف ہے۔ ایک قوم کا مذہب "تخییر" ہے اور دوسری وجوب کی قائل ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت، مذکورہ آیت سے منسوخ ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، زہری، عمر بن عبدالعزیز اور سدی رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا صحیح قول ہے اور اسے امام قرطبی رحمہ اللہ نے اکثر علما سے حکایت کیا ہے۔[2]

پانچویں آیت:

﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ [المائدة: ٩٩]

[رسول پر پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے اور اکثر اہلِ علم اس پر ہیں کہ محکم ہے اور ان کے ساتھ قتال ''بلاغ'' کی ایک صورت ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ پیغمبر کو صرف انھیں پیغام پہنچا دینا ہے اور اگر وہ نہ مانیں اور اطاعت نہ کریں تو اس کا ضرر ان ہی پر ہے اور انھوں نے اپنی جانوں ہی پر اس کا ارتکاب کیا ہے۔ رہے رسول اللہ ﷺ تو جو کچھ ان پر واجب تھا، انھوں نے پورا کر دیا اور اللہ کا حکم ادا کر دیا۔ واللہ أعلم.

چھٹی آیت:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ [المائدة: ١٠٥]

---

[1] الفوز الكبير (ص: ٥٦)

[2] فتح القدير (٢/ ٦٣۔ ٦٤)

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر اپنی جانوں کا بچاؤ لازم ہے، تمھیں وہ شخص نقصان نہ پہنچائے گا جو گمراہ ہے، جب تم ہدایت پا چکے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰] [تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو] اس کی ناسخ ہے، جب کہ اکثر اسی پر ہیں کہ یہ محکم ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سقوط کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیوں کہ اس کا تارک اس (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کے سب سے بڑے دینی واجب ہونے کی وجہ سے ہدایت یافتہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ﴿اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ فرمایا ہے اور بہت سی آیات و احادیث اس کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہوگی، جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب کو ادا نہ کرسکتا ہو یا کسی حالت میں جب کہ اسے اس کی تاثیر کا اندازہ نہ ہو یا اپنے اوپر ضرر سے ڈرتا ہو تو اس صورت میں اس کا ترک روا ہے۔ سنن اربعہ میں اور ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن حبان، دارقطنی اور ضیا رحمہم اللہ نے "مختارہ" میں اور ان کے سوا دوسروں نے قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ سے بہ سند صحیح روایت کیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ اے لوگو! تم اسے پڑھتے اور اسے بے موقع رکھتے ہو۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جب لوگ منکر کو دیکھیں گے اور اسے بدلیں گے نہیں تو نزدیک ہوگا کہ اللہ انھیں عام عذاب دے۔[1]

ترمذی اور ابن ماجہ نے اور بغوی رحمہ اللہ نے معجم میں اور ابن ابی حاتم، طبرانی، ابوشیخ، حاکم، ابن مردویہ اور بیہقی رحمہم اللہ نے شعب الایمان میں ابو امیہ شعبانی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: میں سیدنا ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ اس آیت کے بارے میں کیا کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: کس آیت کے بارے میں؟ میں نے کہا: ﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ، الخ﴾ انھوں نے کہا کہ بخدا میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معروف کا حکم دو اور منکر سے

[1] مسند أحمد (۲/ ۵) سنن أبي داود، رقم الحديث (۴۳۳۸) سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۱۶۸) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۴۰۰۵) مصنف ابن أبي شيبة (۱۹۴۲۹) تفسير ابن جرير (۷/ ۶۴)

روکو، یہاں تک کہ جب ہوس کی اطاعت اور ہوائے نفس کی پیروی اور دنیا کی برتری اور ہر شخص کی خود رائی کو دیکھو تو اپنے آپ کو دیکھو اور عوام کو چھوڑ دو، کیوں کہ اس زمانے کے بعد ایسا زمانہ ہے کہ اس میں صبر ہاتھ میں انگارہ لینے کے برابر ہوگا اور اس میں جو عمل کرے گا، اس کے لیے پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ہوگا، جو تم میں سے کوئی کرتا ہو۔

ترمذی اور حاکم رحمہ اللہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔[1] ایک روایت میں آنحضرت ﷺ سے آیا ہے کہ "تم پر کفار میں سے کسی کے گناہ گار ہونے کا کوئی ضرر نہیں ہوگا جب تم ہدایت پر رہو گے۔"[2] سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آخری زمانہ ہوگا۔ اسے عبدالرزاق اور ابن جریر رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔[3] انتهىٰ.

اس صورت میں مذکورہ آیت منسوخ نہیں، بلکہ خاص ہے اور یہی درست ہے۔

ساتویں آیت:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ [المائدة: ١٠٦]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھاری آپس کی شہادت، جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے، وصیت کے وقت دو عدل والے آدمی ہوں گے، جو تم میں سے ہوں، یا دو اور تمھارے غیر سے ہوں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿وَ اَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ [الطلاق: ٢] [دو صاحبِ عدل آدمی گواہ بنا لو] سے منسوخ ہے، لہٰذا مسلم پر بالاجماع کافر کی شہادت کی پذیرائی نہیں ہوگی۔ آیت مذکورہ بالا میں کافر کی شہادت کا ذکر نہیں ہے، کیوں کہ اس کا نزول مسلمان کے حق میں ہوا ہے کہ سفر میں موت کے وقت دو کافروں یا دو مسلمانوں کے روبرو وصیت کرے۔

"الفوز الکبیر" میں فرمایا ہے کہ احمد رحمہ اللہ نے اس آیت کے ظاہر کے موافق کہا ہے اور ان کے سوا دوسروں کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ تمھارے اقربا کے سوا یعنی عام مسلمانوں میں سے ہوں۔[4] انتهىٰ.

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٣٤١) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٠٥٨) سنن ابن ماجه (٤٠١٤) اس کی سند میں "عمرو بن جارية" اور "أبو أمية" مجہول ہیں۔ البتہ اس حدیث میں صبر کرنے والے کے اجر کے متعلق الفاظ ایک اور حدیث میں ثابت ہیں۔ دیکھیں: السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (٤٩٤)

[2] مسند أحمد (٤/ ١٢٩) المعجم الكبير (٢٢/ ٣١٧)

[3] فتح القدير (٢/ ١٢١)

[4] الفوز الكبير (ص: ٥٧)

اس صورت میں مذکورہ بالا آیت منسوخ نہیں ہوگی۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں اس مقام کی تفصیل یوں کی ہے کہ ﴿اٰخَرٰنِ﴾ معطوف ہے ﴿اثْنٰنِ﴾ پر اور ﴿مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ اس کی صفت ہے، یعنی وہ دونوں اجنبیوں میں سے ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿مِنْكُمْ﴾ میں ضمیر مسلمین کے لیے ہے اور ﴿غَيْرِكُمْ﴾ میں کافروں کے لیے اور یہی سیاق آیت کے زیادہ مناسب ہے اور ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔

لہٰذا آیت میں دورانِ سفر خصوصاً وصیتوں میں مسلمانوں پر اہلِ ذمہ کی شہادت کے جواز کی دلیل ہوگی، جیسا کہ نظم قرآنی کا مفاد ہے اور سببِ نزول اس کا شاہد ہے۔ تو جب موصی کے ہمراہ مسلمانوں میں سے کوئی نہ ہو، جو اس کی وصیت پر شاہد ہو سکے تو دو شخص اہلِ کفر میں سے آنے کے بعد بہ حلف گواہی دیں گے اور ان دونوں کی شہادت پر اس صورت میں فیصلہ کیا جائے گا اور اس کے بعد اگر ان کا کذب ظاہر ہو تو موصی کے اولیا میں سے دو شخص حلف لیں گے اور وہ دونوں اپنی جنایت کی بنا پر غریم ہوں گے۔ یہ ہے مذکورہ لوگوں کے نزدیک آیت کا معنی اور اسی کے قائل ہیں سعید بن مسیّب، یحییٰ بن یعمر، سعید بن جبیر، ابومجلز، شریح، عبیدہ سلمانی، ابن سیرین، مجاہد، قتادہ، سدی، ثوری، ابوعبید اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ۔ پہلے معنی، یعنی ﴿مِنْكُمْ﴾ کی ضمیر کی تفسیر قرابت یا عشیرہ سے اور ﴿غَيْرِكُمْ﴾ کی تفسیر اجانب سے، اس کی طرف زہری، حسن، عکرمہ، امام مالک، امام شافعی اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ وغیرہ گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت منسوخ ہے اور ان کا استدلال اللہ کے ارشاد: ﴿مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ﴾ [البقرۃ: ۲۸۲] [جنھیں تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو] اور اس کے ارشاد: ﴿وَّاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ [الطلاق: ۲] [دو صاحبِ عدل آدمی گواہ بنا لو] سے ہے اور کفار پسندیدہ ہیں اور نہ عادل۔ جمہور ان کے مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت محکم ہے اور یہی درست ہے، کیوں کہ نسخ پر دلالت کرنے کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے، لیکن پہلی دو آیات اشخاص، ازمان اور احوال کے بارے میں عام ہیں، جب کہ یہ آیت: ﴿ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ یعنی سفر اور وصیت اور مسلم شاہد کے نہ ہونے کی حالت کے ساتھ خاص ہے اور عام و خاص میں تعارض نہیں ہوتا ہے۔[1] انتهى.

[1] فتح القدیر (۲/ ۱۲۲۔ ۱۲۳)

آٹھویں آیت:

﴿فَاِنْ عُثِرَ عَلٰی اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا﴾ [المائدۃ: ۱۰۷]

[پھر اگر اطلاع پائی جائے کہ بے شک وہ دونوں کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ [الطلاق: ۲] [دو صاحبِ عدل آدمی گواہ بنا لو] سے منسوخ ہے۔

نویں آیت:

﴿ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰی وَجْهِهَاۤ﴾ [المائدۃ: ۱۰۸]

[یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ گواہی کو اس کے طریقے پر ادا کریں]

کہتے ہیں کہ اہلِ اسلام کی شہادت سے منسوخ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں شہادت کے اندر شک کی صورت میں شاہد کو حلف دلانا ہے۔ لہٰذا یہ اللہ کے ارشاد: ﴿وَ لَا یُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِیْدٌ﴾ [البقرۃ: ۲۸۲] [اور نہ کسی لکھنے والے کو تکلیف دی جائے اور نہ کسی گواہ کو] سے منسوخ ہوئی، لیکن درست یہ ہے کہ یہ دونوں آیات محکم ہیں، منسوخ نہیں اور وہ شہادت کے ذریعے نقصان سے روک دیے گئے ہیں اور شاہد میں اس کا اضرار ہے، لیکن درست یہ ہے کہ یہ دونوں آیتیں محکم ہیں، منسوخ نہیں، جیسا کہ گزشتہ تقریر سے ظاہر ہو چکا ہے اور اسی پر اہلِ علم اور ان کے محققین کی اکثریت ہے۔ واللہ أعلم.

سورۃ الأنعام:

ظاہر ترین اقوال کے مطابق چھے آیتوں کے سوا مکی ہے اور وہ یہ ہیں: ﴿وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ﴾ تین آیات کے آخر تک، ﴿اَتْلُ مَا حَرَّمَ﴾ تین آیات کے آخر تک۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ دو آیات مکی ہیں۔ ایک ﴿وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ﴾ اور دوسری ﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ﴾ ہے۔[1] بالجملہ اس میں منسوخات میں سے بعض کے نزدیک تین آیات ہیں، بعض کے نزدیک تیرہ اور بعض کے نزدیک چودہ ہیں۔

---

[1] فتح القدیر (۲/ ۱۳۷)

پہلی آیت:

﴿قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ [الأنعام: ١٥]

[کہہ دے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بے شک میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ [الفتح: ٢] [تاکہ اللہ تیرے لیے بخش دے تیرا کوئی گناہ جو پہلے ہوا ہو اور جو پیچھے ہوا ہو] سے منسوخ ہے، یعنی آنحضرت ﷺ ابتداے اسلام میں معصیت اور عذاب سے ڈرتے تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے ذنوب متقدمہ و متاخرہ کی مغفرت کی خبر دے کر مامون کر دیا گیا، پس حکم خوف منسوخ ہوگیا۔ اہلِ علم کی ایک جماعت کے نزدیک یہاں خوف، علم کے معنی میں ہے، یعنی میں جانتا ہوں کہ اگر اس کی معصیت کروں گا تو مجھے عذاب ہوگا، اس تقدیر پر یہ آیت محکم ہے اور یہی درست ہے۔

دوسری آیت:

﴿قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ﴾ [الأنعام: ٦٦] [کہہ میں ہرگز تم پر کوئی نگہبان نہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے، یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ منسوخ نہیں، کیوں کہ ان کا ایمان آپ ﷺ کی وسعت میں نہیں ہے۔[1]

تیسری آیت:

﴿وَ مَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ [الأنعام: ٦٩]

[اور ان لوگوں کے ذمے جو بچتے ہیں، ان کے حساب میں سے کوئی چیز نہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ﴾ [النساء: ١٤٠] [کہ جب تم اللہ کی آیات کو سنو کہ ان کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں] سے منسوخ ہے، یعنی پہلی آیت میں اضطرار کے وقت کافروں کی مجالست کی رخصت تھی اور اس کے بعد اس دوسری آیت کے نزول سے وہ نسخ پذیر ہوگئی۔

[1] فتح القدير (٢/ ١٨٠)

چوتھی آیت:

﴿وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا﴾ [الأنعام: ۷۰]

[اور ان لوگوں کو چھوڑ دے جنھوں نے اپنے دین کو کھیل اور دل لگی بنا لیا]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ یہ بات قتادہ رحمہ اللہ نے کہی ہے اور مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بطور تہدید ہے، جیسے اللہ کا ارشاد ہے: ﴿ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا﴾ [المدثر: ۱۱] [چھوڑ مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا] اس صورت میں یہ آیت محکم ہوگی اور اکثر اہلِ علم اسی پر ہیں۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ (یہودی) جس دین پر ہیں، اسے انھوں نے لہو و لعب بنا لیا ہے، جیسے وہ اپنے جانوروں کے ساتھ جہالتوں اور ضلالتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ نیز کہا گیا ہے کہ یہاں دین، عید کے معنی میں ہے، یعنی انھوں نے اپنی عید کو لہو و لعب بنا لیا ہے۔[1]

پانچویں آیت:

﴿فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا﴾ [الأنعام: ۱۰۴]

[پھر جس نے دیکھ لیا تو اس کی جان کے لیے ہے اور جو اندھا رہا تو اسی پر ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

چھٹی آیت:

﴿وَ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ﴾ [الأنعام: ۱۰۴] [اور میں تم پر کوئی محافظ نہیں]

زجاج رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ آیت قتال فرض ہونے سے پہلے کی ہے، اس کے بعد بتوں کی عبادت کو تلوار کے زور سے روک دینے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے یہ آیت، سیف کی آیت سے منسوخ ہوگی۔

ساتویں آیت:

﴿وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [الأنعام: ۱۰۶] [اور مشرکوں سے کنارہ کر]

[1] فتح القدير (۲/ ۱۸۲)

ابو الشیخ، سدی رحمہ اللہ سے روایت لائے ہیں کہ یہ آیت قتال کے حکم والی آیت [التوبة: ٥] سے منسوخ ہے۔

آٹھویں آیت:

﴿وَ مَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ [الأنعام: ١٠٧] [اور ہم نے تجھے ان پر محافظ نہیں بنایا]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

نویں آیت:

﴿لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [الأنعام: ١٠٨]

[اور انھیں گالی نہ دو جنھیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، پس وہ زیادتی کرتے ہوئے کچھ جانے بغیر اللہ کو گالی دیں گے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ جمہور اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت محکم، ثابت اور غیر منسوخ ہے۔ سدِ ذرائع اور مشابہت کی راہ کاٹنے میں بنیادی ضابطہ ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جب سچائی کا داعی اور باطل کی ممانعت کرنے والا اس دعوت اور ممانعت سے ڈرے کہ یہ اس سے زیادہ سخت چیز کی حرمت کو پامال کرنے، سچائی کی مخالفت اور باطل میں پڑ جانے کا سبب بن جائے گی تو اسے اس کو ترک کرنا اولیٰ بلکہ واجب ہے۔ یہ آیت کتنی مفید اور اللہ کے دلائل کے حاملین اور اس کے بیان کے درپے افراد کے لیے اس میں کتنا بڑا فائدہ ہے کہ جب قوم میں بہرے اور گونگے لوگ ہوں تو ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چھوڑ دیں، کیوں کہ اسے منکرات کی خبر دینا اس کے سچائی اور صداقت پرستوں سے بغض اور اللہ پر جرات کی وجہ سے اس میں اثر انداز نہیں ہوگا مگر صرف تلوار ہی، کیوں کہ تلوار ہی شریعت مطہرہ کے اس معاند کے لیے حاکم عدل ہے، جو دین کی مخالفت اور اہلِ دین پر جرات کو اپنی عادت بنائے ہوئے ہے، جیسے اہلِ بدعت میں دیکھا جاتا ہے کہ جب انھیں سچائی کی دعوت دی جائے تو اور زیادہ باطل میں پڑ جاتے ہیں اور جب سنت کی راہ دکھائی جائے تو اس کا مقابلہ اپنی بدعتوں سے کرتے ہیں۔ تو یہ دین سے کھلواڑ اور شریعت کی توہین کرتے ہیں اور ملحدوں سے بدتر ہیں۔[1] انتهىٰ كلامه.

[1] فتح القدير (٢/ ٢١٢)

دسویں آیت:

﴿فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ﴾ [الأنعام: ۱۱۲] [پس چھوڑ انھیں اور جو وہ جھوٹ گھڑتے ہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

گیارھویں آیت:

﴿وَ لَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ [الأنعام: ۱۲۱]

[اور اس میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ [المائدۃ: ۵] [آج تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے جنھیں کتاب دی گئی] سے منسوخ ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی طرف گئے ہیں، لیکن درحقیقت یہ استثنا کے ذریعے تخصیص کے باب سے ہے، نسخ کے باب سے نہیں۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں لکھا ہے کہ اہلِ علم نے اس آیت میں اختلاف کیا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما، نافع، شعبی اور ابن سیرین رحمہم اللہ کا مذہب اور ایک روایت میں امام مالک، احمد بن حنبل، ابو ثور اور داود ظاہری رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ جس ذبیحے پر اللہ کا نام مذکور نہ ہو، خواہ عمداً ہو یا بھول کر اس آیت کے مطابق وہ حرام ہے اور اس استدلال کا موید اللہ کا ارشاد: ﴿وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ﴾ ہے۔ احادیثِ صحیحہ میں تسمیہ کا حکم شکار و غیر شکار میں ثابت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ مستحب ہے، واجب نہیں۔ یہ سیدنا ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور امام عطا بن رباح رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے آیت کا معنی غیر اللہ کے لیے ذبیحہ لیا ہے اور یہ بغیر مخصص کے آیت کی تخصیص ہے۔

مراسیل ابو داود میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا ذبیحہ جائز ہے، اس پر اللہ کا نام ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے۔[1] یہ روایت آیت کی تخصیص کے قابل نہیں ہو سکتی۔ ہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ایک قوم گوشت لاتی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اس پر خدا کا نام ذکر کیا گیا ہے یا نہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔[2] یہ حدیث اس

---

[1] المراسيل لأبي داود، رقم الحديث (۳۷۸)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (۲۰۵۷)

بات کا فائدہ دے رہی ہے کہ اس کے ذبیحے کے وقت میں التباس کے باوجود کھانے کے وقت بسم اللہ کہہ لینا کافی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور مذہب اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، ان کے اصحاب اور اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ نسیان کی وجہ سے ترکِ تسمیہ مضر نہیں ہے اور اگر قصداً ترک کر دیا تو ذبیحہ جائز نہیں ہوگا۔ یہی بات سیدنا ابن عباس، علی رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیّب، عطاء، طاؤس، حسن بصری، ابو مالک، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، جعفر بن محمد اور ربیعہ رحمہم اللہ سے مروی ہے۔

انھوں نے بیہقی میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت سے استدلال کیا ہے کہ اگر ذبح کے وقت تسمیہ بھول گیا ہے تو چاہیے کہ بسم اللہ پڑھے اور کھائے۔[1] اس حدیث کو مرفوع قرار دینا غلط ہے، کیونکہ یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایسے ہی عبدالرزاق، سعید بن منصور، عبد بن حمید اور ابن المنذر رحمہم اللہ نے ان کا قول روایت کیا ہے، ہاں اس مذہب پر اللہ کے ارشاد: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ [البقرة: ٢٨٦] [اے ہمارے رب! ہم سے مواخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں] سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: «رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ»[2] [میری امت سے غلطی اور بھول چوک (پر مواخذے کو) اٹھا لیا گیا ہے] سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ انتھی.

بارھویں آیت:

﴿يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ﴾ [الأنعام: ١٣٥]

[کہہ دے اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرو، بے شک میں (بھی) عمل کرنے والا ہوں، تو تم عن قریب جان لو گے وہ کون ہے جس کے لیے اس گھر کا اچھا انجام ہوتا ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

تیرھویں آیت:

﴿قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴾ [الأنعام: ١٥٨]

[کہہ دے انتظار کرو، بے شک ہم (بھی) منتظر ہیں]

کہتے ہیں کہ کفار کے بارے میں انتظار کا یہ حکم آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

---

[1] سنن البيهقي (٩/ ٢٣٩)

[2] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٠٤٥)

چودھویں آیت:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ [الأنعام: ١٥٩]

[بے شک وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر لیا اور کئی گروہ بن گئے، تو کسی چیز میں بھی ان سے نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ ہی کے حوالے ہے، پھر وہ انھیں بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے]

کہتے ہیں کہ محاسبہ الٰہی تک انھیں چھوڑ دینے کا حکم آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ یہ بھی آیتِ سیف سے منسوخ آیات میں شامل ہے۔ کہتے ہیں کہ اس سے مقصود یہود ونصاریٰ ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ مشرکین ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت تمام کافروں اور بدعتیوں کے بارے میں عام ہے اور یہی درست ہے۔[1]

سورۃ الأعراف:

آٹھ آیتوں کے سوا یہ سورت مکی ہے اور وہ آیات اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ﴾ سے اس کے ارشاد: ﴿وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ﴾ تک ہیں۔[2] اس میں ایک یا دو آیات منسوخ ہیں اور باقی محکم ہیں۔

پہلی اور دوسری آیت:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ [الأعراف: ١٩٩] [درگزر کر اور نیکی کا حکم دے] اور دوسری ﴿وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾ [الأعراف: ١٩٩] [اور جاہلوں سے کنارہ کر] ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلی آیت: ﴿اٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ سے اور دوسری آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے اور ان جیسی آیتوں کے بارے میں کلام گزر چکا ہے۔

سورۃ الأنفال:

بہت سے مفسرین نے بغیر کسی استثنا کے اسے مدنی قرار دیا ہے، چنانچہ حسن، عکرمہ، جابر بن زید

---

[1] فتح القدير (٢/ ٢٥٧۔ ٢٥٨)

[2] فتح القدير (٢/ ٢٦٣)

اور عطا رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں۔ اسی کے مثل سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ البتہ امام قرطبی رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: مگر سات آیتیں مکی ہیں۔ وہ اللہ کے ارشاد: ﴿وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ سے سات آیتوں تک ہیں۔[1] اس میں بعض کے نزدیک دو آیات منسوخ ہیں، بعض کے نزدیک چھے آیتیں اور بعض کے نزدیک زیادہ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ [الأنفال: ١]

[وہ تجھ سے غنیمتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دے غنیمتیں اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ [الأنفال: ٤١] [اور جان لو کہ بے شک تم جو کچھ بھی غنیمت حاصل کرو تو بے شک اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے] سے منسوخ ہے، یعنی پہلی میں نفل اللہ اور رسول کے لیے خاص تھا اور اس دوسری آیت میں چار خمس کو مجاہدین کے لیے مقرر کر دیا اور ایک خمس اللہ اور اس کے رسول وغیرہ کے لیے ہے۔ اسی کی طرف مجاہد رحمہ اللہ، عکرمہ رحمہ اللہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما گئے ہیں۔ ایک جماعت کے نزدیک یہ تخصیص کے باب سے ہے، نسخ سے نہیں، لہٰذا محکم ہوگی۔

دوسری آیت:

﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ [الأنفال: ٣٣]

[اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ انھیں عذاب دے، جب کہ تو ان میں ہو اور اللہ انھیں کبھی عذاب دینے والا نہیں جب کہ وہ بخشش مانگتے ہوں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [الأنفال: ٣٤] [اور انھیں کیا ہے کہ اللہ انھیں عذاب نہ دے، جب کہ وہ مسجد حرام سے روک رہے ہیں] سے منسوخ ہے اور یہ عذاب بدر کے دن اور اس کے بعد

[1] فتح القدير (٢/ ٤٠٦)

ہوا۔ اہلِ علم کی ایک جماعت کے نزدیک یہ آیت محکم ہے، یعنی عذاب کی نفی برقرار ہے اور استغفار اس میں ان مسلمانوں کے بارے میں ہے، جو ان کے درمیان ہیں اور معنی یہ ہے کہ ان کے اندر موجود مسلمان جب تک استغفار کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دے گا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کے ان کی پشتوں میں سے ہونے کی وجہ سے ان کو عذاب نہیں ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ان میں دو امان تھے: ایک آنحضرت ﷺ جو چلے گئے اور دوسرا استغفار جو برقرار ہے۔[1]

تیسری آیت:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ [الأنفال: ٣٨]

[ان لوگوں سے کہہ دے جنھوں نے کفر کیا، اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ گزر چکا انھیں بخش دیا جائے گا]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ [الأنفال: ٣٩] [اور ان سے لڑو، یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے] سے منسوخ ہے، یعنی پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ سے قتال و عداوت سے باز رہنے پر مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے، اس کے بعد ان سے قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک یہ آیت محکم ہے اور اس کا معنی اسلام میں داخل ہونے کے ذریعے قتال سے یا کفر سے باز رہنا ہے اور اس میں دلیل ہے کہ اسلام اپنے سے پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔[2]

چوتھی آیت:

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ [الأنفال: ٣٩]

[اور ان سے لڑو، یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے، لیکن درحقیقت یہ غایت (انتہائی مدت) کے ساتھ تخصیص کے باب سے ہے، نسخ کے باب سے نہیں۔

پانچویں آیت:

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾ [الأنفال: ٦١]

[1] فتح القدير (٢/ ٤٣٩)

[2] دیکھیں: صحیح مسلم، رقم الحديث (١٢١)

[اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تو بھی اس کی طرف مائل ہو جا]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ [التوبة: ٢٩] [لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یومِ آخر پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دینِ حق کو اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ حقیر ہوں] سے منسوخ ہے، یعنی پہلی آیت میں یہود کے ساتھ مصالحت ہے، جو اس کے بعد نسخ پذیر ہے۔

چھٹی آیت:

﴿اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ﴾ [الأنفال: ٦٥]

[اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ﴾ [الأنفال: ٦٦] [اب اللہ نے تم سے (بوجھ) ہلکا کر دیا اور جان لیا کہ یقیناً تم میں کچھ کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے سو صبر کرنے والے ہوں تو دوسو پر غالب آئیں گے] سے منسوخ ہے، یعنی پہلے یہ حکم تھا کہ ایک مسلمان غزوے میں دس کافروں سے مقابلہ کرے اور فرار نہ ہو، اس کے بعد حکم ہوا کہ دو آدمیوں سے فرار نہ ہو۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "الفوز الکبیر" میں فرمایا ہے: "قلت: هي كما قال منسوخة"[1] [میں کہتا ہوں کہ یہ ان کے حسبِ ارشاد منسوخ ہے] انتھی. درحقیقت یہ تشدید کی تخفیف ہے نہ کہ اصل حکم کا نسخ۔

ساتویں آیت:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ [الأنفال: ٧٢]

[اور وہ لوگ جنھوں نے جگہ دی اور مدد کی، یہ لوگ ان کے بعض بعض کے دوست ہیں]

[1] الفوز الكبير (ص: ٥٧)

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾ [الأنفال: ۷۵] [اور رشتے دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں] سے منسوخ ہے، یعنی مہاجرین و انصار ہجرت و نصرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوا کرتے تھے، پھر یہ حکم ذوی القربیٰ سے منسوخ ہوگیا۔

آٹھویں آیت:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا﴾ [الأنفال: ۷۲]

[اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تمھارے لیے ان کی دوستی میں سے کچھ بھی نہیں، یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾ [الأنفال: ۷۵] [اور رشتے دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں] سے منسوخ ہے، یعنی پہلے ہجرت کے ساتھ اسلام پر میراث تھی، اس کے بعد نصرت و موالات کی وجہ سے ہوگئی، اس کے بعد ﴿اُولُوا الْاَرْحَامِ﴾ سے منسوخ ہوکر عصبہ پر قرار پائی۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور آیت میں اخبار ہے کہ بعض قرابتیں بعض سے اولیٰ تر ہیں نہ یہ کہ میراث نصرت و موالات سے منسوخ ہے، لیکن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نسخ کی طرف گئے ہیں اور کہا ہے کہ اعرابی کا مہاجر متولی اور وارث نہیں ہوتا، حالاں کہ وہ مومن ہوتا ہے اور ایسے ہی اعرابی مہاجر کا وارث نہیں ہوتا، پھر آیتِ ارحام نے اس کو منسوخ کر دیا۔[1]

سورت براءت:

اسے "سورۂ توبہ" بھی کہتے ہیں۔ یہ مدنی سورت ہے۔[2] امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس میں ایک آیت منسوخ ہے۔ بعض کے نزدیک تین اور بعض کے نزدیک چھے یا اس سے بھی زیادہ منسوخ ہیں۔

---

[1] فتح القدير (۲/ ٤٧٣)

[2] فتح القدير (۲/ ٤٧٥)

پہلی آیت:

﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [التوبة: ١]

[اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ان مشرکوں کی طرف بری الذمہ ہونے کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

دوسری آیت:

﴿وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ [التوبة: ٦]

[اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دے، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے]

ضحاک رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے اور حسن رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ آیت محکم ہے۔[1]

تیسری آیت:

﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [التوبة: ٣٤]

[اور جو لوگ سونا اور چاندی خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ زکات: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ [التوبة: ١٠٣] [ان کے مالوں سے صدقہ لے] سے منسوخ ہے۔ یہ عراک بن مالک اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قول ہے۔[2] سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ یہ نزولِ زکات سے پہلے تھا اور جب زکات کا حکم اترا تو اللہ تعالیٰ نے اسے مال کے پاک ہونے کا ذریعہ بنا دیا۔ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو پروا نہیں کروں گا، میں اس کو شمار کروں گا اور اس کی زکات دے کر اس سے اللہ کی اطاعت بجا لاؤں گا۔[3] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت یہود کے بارے میں ہے، خاص بھی ہے اور عام بھی۔ انتہیٰ. درحقیقت یہ تخصیص

[1] دیکھیں: فتح القدير (٢/ ٣٨٥۔ ٣٨٦)

[2] فتح القدير (٢/ ٥١١)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٦٦١)

کے باب سے ہے نہ کہ تنسیخ سے۔ علی ہمدانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: درست یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

چوتھی آیت:

﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ [التوبة: ٣٩]

[اگر تم نہ نکلو گے تو وہ تمھیں دردناک عذاب دے گا]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت ﴿لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ﴾ [النور: ٦١] [نہ اندھے پر کوئی حرج ہے] سے منسوخ ہے۔ درحقیقت یہ تخصیص ہے، تنسیخ نہیں۔

پانچویں آیت:

﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا﴾ [التوبة: ٤١] [نکلو ہلکے اور بوجھل] کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ارشاد: ﴿وَ مَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّةً﴾ اور گزشتہ آیتِ عذر سے منسوخ ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "الفوز الکبیر" میں فرمایا ہے کہ خفاف کا معنی وہ کم از کم سامانِ حرب و ضرب ہے، جس سے جہاد ہو سکے، جیسے چند سواریاں، خدمت کے لیے کچھ غلام اور قناعت و گزر بسر کے مطابق خرچہ۔ ثقال کا معنی بہت سے خادم اور بہت سی سواریاں ہے۔ لہٰذا میں کہوں گا کہ آیت میں نسخ نہیں ہے یا کہوں گا کہ نسخ متعین نہیں ہے۔[1]

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ روانہ ہو جاؤ اپنے ہلکے اور بوجھل ہونے کی حالت میں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی اکیلے اور جماعت بنا کر ہے۔ نیز کہا گیا ہے کہ نشاط اور غیر نشاط ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فقرا اور اغنیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جوان اور بوڑھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ پیادہ اور سوار۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صاحبِ عیال اور غیر صاحبِ عیال۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بطور مقدمة الجیش لڑائی کی طرف سبقت کر گیا ہو اور جو پیچھے رہ گیا ہو، جیسے لشکر، اس کے سوا بھی بہت کچھ کہا گیا ہے۔

آیت کے یہ سب معنی لینے میں کوئی بندش نہیں ہے، کیوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ روانہ ہو جاؤ تم ہلکے ہو یا بھاری۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کے ارشاد: ﴿لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَی

[1] الفوز الکبیر (ص: ٥٧)

﴿الْمَرْضٰى﴾ [التوبة: ٩١] [نہ کمزوروں پر کوئی حرج ہے اور نہ بیماروں پر] سے منسوخ ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کا ناسخ اللہ کا ارشاد: ﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ، الآية﴾ ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ محکم ہے، منسوخ نہیں۔ اس کے ارشاد: ﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ﴾ سے اندھے اور لنگڑے کو نکالنا اور اس کے ارشاد: ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى﴾ سے کمزور اور بیمار کو نکالنا تخصیص کے باب سے ہے نہ کہ نسخ کے باب سے، جب ان سب کو اللہ کے ارشاد: ﴿خِفَافًا وَّ ثِقَالًا﴾ میں داخل ہونے کو فرض کر لیا جائے، لیکن ظاہر اس عموم کے تحت ان کا عدمِ دخول ہے۔[1] انتهیٰ.

چھٹی آیت:

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ [التوبة: ٤٣]

[اللہ نے تجھے معاف کر دیا، تو نے انھیں کیوں اجازت دی]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ﴾ [النور: ٦٢] [تو جب وہ تجھ سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو ان میں سے جسے تو چاہے اجازت دے دے] سے منسوخ ہے۔ میں کہوں گا کہ دونوں آیتوں کے مابین تطبیق ممکن ہے، بایں طور کہ عتاب صادق کے کاذب سے ظاہر ہونے تک چھان بین سے پہلے کے اذن کی طرف متوجہ ہے اور یہاں اذن تحقیق کے بعد کے اذن کی طرف ہے۔ و اللّٰہ أعلم.

ساتویں آیت:

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ [التوبة: ٨٠]

[ان کے لیے بخشش مانگ، یا ان کے لیے بخشش نہ مانگ، اگر تو ان کے لیے ستر بار بخشش کی دعا کرے گا تو بھی اللہ انھیں ہرگز نہیں بخشے گا]

کہتے ہیں کہ اس کا اول، آخر سے منسوخ ہے، یعنی ﴿لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ سے۔ نیز کہتے

[1] فتح القدير (٢/ ٥٢١)

ہیں کہ اللہ کے ارشاد: ﴿لَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ﴾ [التوبة: ٨٤] [اور ان میں سے جو کوئی مر جائے، اس کا کبھی جنازہ نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا] سے منسوخ ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ پہلی آیت ایک قوم کے بارے میں ہے اور یہ دوسری آیت دوسری قوم کے بارے میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اول منافقوں کے بارے میں ہے اور یہ یہود کے بارے میں اور اس کے سوا بھی کہا گیا ہے۔ اکثر اہلِ علم کے نزدیک یہ آیت محکم ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو خبر دی ہے کہ ان کے بارے میں استغفار کا صدور اور اس کا عدم برابر ہے، کیوں کہ یہ نہ استغفار کے اہل ہیں اور نہ اللہ کی طرف سے مغفرت کے سزاوار، تو گویا یہ اللہ کے ارشاد: ﴿قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ﴾ [التوبة: ٥٣] [کہہ دے خوشی سے خرچ کرو، یا ناخوشی سے، تم سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا] کے مانند ہے۔[1]

آٹھویں آیت:

﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا﴾ [التوبة: ٩٧]

[بدوی لوگ کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ [التوبة: ٩٩] [اور بدویوں میں سے کچھ وہ ہیں جو اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہیں] سے منسوخ ہے۔ دراصل یہ عام کی تخصیص ہے نہ کہ احکام کا نسخ۔ ایسے ہی آیت: ﴿وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا﴾ [التوبة: ٩٨] [اور بدویوں میں سے کچھ وہ ہیں کہ جو خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں] کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بھی مذکورہ آیت سے منسوخ ہے۔ درحقیقت یہ آیتیں اَعراب کی مختلف اقسام کو بیان کرنے کے لیے ہیں کہ کچھ ایسے ہیں اور کچھ ایسے، نہ کہ ایک دوسری کا نسخ کرنے کے لیے ہیں، لہٰذا اہلِ علم کی ایک جماعت نے اسے محکم میں داخل کیا ہے اور یہی درست ہے۔

سورت یونس:

یہ سورت تین آیات کے سوا مکی ہے اور وہ تین آیات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿فَاِنْ كُنْتَ فِيْ

[1] فتح القدير (٢/ ٥٤٩)

شَكٍّ﴾ سے اس کے آخر تک ہیں۔ ایسے ہی امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ پھر مقاتل رحمہ اللہ سے روایت لائے ہیں کہ دو آیات کے سوا سب مکی ہیں۔ کلبی رحمہ اللہ سے ایک آیت نقل کی ہے۔ حسن، عطا، عکرمہ اور جابر رحمہ اللہ سے حکایت ہے کہ یہ بلا استثنا مکی ہے۔[1] اس میں منسوخ آیات بعض کے نزدیک پانچ ہیں اور اکثر کے نزدیک اس میں اور مائدہ میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

پہلی آیت:

﴿قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ [یونس: ۱۵]

[بے شک میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ [الفتح: ۲] [تاکہ اللہ تیرے لیے بخش دے تیرا کوئی گناہ جو پہلے ہو اور جو پیچھے ہو] سے منسوخ ہے۔ اس جیسی آیات کے بارے میں کلام پہلے گزر چکا ہے۔

دوسری آیت:

﴿فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾ [یونس: ۲۰] [پس انتظار کرو بے شک میں (بھی) تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں] کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

تیسری آیت:

﴿وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ﴾ [یونس: ٤١] [اور اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو کہہ دے میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل] یہ بھی آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

چوتھی آیت:

﴿فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ، الخ﴾ [یونس: ۱۰۸] [تو جو سیدھے راستے پر آیا تو وہ اپنی جان ہی کے لیے راستے پر آتا ہے] یہ آیتِ قتال سے منسوخ ہے۔

پانچویں آیت:

﴿حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ﴾ [یونس: ۱۰۹] [یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے]

---

[1] فتح القدير (۲/ ۵۹٤)

یہ بھی آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

سورت ھود:

حسن، عکرمہ، عطا اور جابر رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہ مکی سورت ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ایک آیت کے سوا مکی ہے اور وہ آیت اللہ کا یہ ارشاد ہے: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ﴾ [هود: ١١٤] [اور دن کے دونوں کناروں میں نماز قائم کر] ہے۔[1] اس سورت میں بعض کے نزدیک کوئی آیت منسوخ نہیں اور بعض کے نزدیک تین آیات منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ﴾ [هود: ١٥]

[جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہو ہم انھیں ان کے اعمال کا بدلہ اسی (دنیا) میں پورا دے دیں گے اور اس (دنیا) میں ان سے کمی نہ کی جائے گی]

کہتے ہیں کہ یہ آیت سورت بنی اسرائیل کی آیت: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ﴾ [بني اسرائيل: ١٨] [جو شخص اس جلدی والی (دنیا) کا ارادہ رکھتا ہو ہم اس کو اس میں جلدی دیں گے جو چاہیں گے، جس کے لیے چاہیں گے] سے منسوخ ہے۔ لیکن یہ درحقیقت اطلاق کی تقیید ہے، نسخ نہیں ہے۔

دوسری آیت:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ﴾ [هود: ١٢١]

[اور ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے، کہہ دے تم اپنی جگہ عمل کرو، یقیناً ہم (بھی) عمل کرنے والے ہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

تیسری آیت:

﴿وَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴾ [هود: ١٢٢] [اور انتظار کرو یقیناً ہم (بھی) انتظار کرنے

[1] فتح القدير (٢/ ٦٦٩)

والے ہیں] اس کا نسخ بھی آیتِ سیف سے ہے، جیسا کہ پہلے آیا ہے۔ چوں کہ یہ آیات کتاب عزیز میں مکرر وارد ہوئی ہیں، لہٰذا انھیں نسخ کے باب میں الگ سے شمار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

سورت یوسف:

سورت یوسف کی سبھی آیات مکی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہجرت کے وقت مکے اور مدینے کے درمیان یہ سورت اتری۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ چار آیتوں کے سوا مکی ہے۔[1] اس میں ناسخ و منسوخ آیات نہیں ہیں۔

سورة الرعد:

اس میں اختلاف ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی۔ سعید بن جبیر، حسن، عکرمہ، عطا اور جابر بن زید رحمہم اللہ اسے مکی کہتے ہیں اور ابن زبیر، کلبی اور مقاتل رحمہم اللہ اسے مدنی کہتے ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ دو آیات کے سوا یہ سورت مکی ہے۔ اس میں دو آیات منسوخ ہیں:

پہلی آیت:

﴿اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ﴾ [الرعد: ٦]

[اور بے شک تیرا رب یقیناً لوگوں کے لیے ان کے ظلم کے باوجود بڑی بخشش والا ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ [النساء: ٤٨] [بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے] سے منسوخ ہے۔ یہ ضحاک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اور یہ اس صورت میں ہے، جب ظلم یہاں کفر و شرک کے معنی میں ہو، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [لقمان: ١٣] [بے شک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے] اکثر اہلِ علم کے نزدیک بمعنی معصیت ہے۔ مومن عاصی کی مغفرت اہلِ سنت و جماعت کا مذہب ہے اور اس صورت میں یہ آیت محکم ہوگی منسوخ نہیں۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں عظیم بشارت اور بڑی امید ہے، کیوں کہ انسان ظلم سے اشتغال کے وقت تائب نہیں ہوتا۔ لہٰذا کہتے ہیں کہ یہ آیت خصوصیت سے نافرمان موحدین کے بارے میں ہے یا یہاں مغفرت آخرت تک عذاب کی تاخیر کے معنی میں ہے، تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کی

[1] فتح القدير (٣/ ٥)

کافروں کے استعجالِ عذاب کی حکایت کے موافق ہوجائے اور اس کے بعد والا جملہ ﴿إِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ اسی کا فائدہ دے رہا ہے، یعنی وہ اپنی مشیت کے اقتضا کے مطابق نافرمان جھٹلانے والے کافروں کو سزا دینے والا ہے۔

دوسری آیت:

﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ﴾ [الرعد: ٤٠] [تو تیرے ذمے صرف پہنچا دینا ہے]

یہ بھی آیتِ سیف سے منسوخ ہے، کیوں کہ پہلی آیت کا مفاد بغیر مقاتلہ صرف تبلیغِ رسالت ہے اور دوسری آیت میں مقاتلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ حکم میں نسخ نہیں بلکہ ترقی ہے، کیوں کہ قتال میں تبلیغ بہ وجہ ابلغ موجود ہے۔ واللہ أعلم.

سورت إبراهيم:

یہ مکی سورت ہے، جیسا کہ ابن مردویہ رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور زبیر رضی اللہ عنہ سے اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے اسے حسن، عکرمہ، جابر بن زید اور قتادہ رحمہم اللہ سے حکایت کیا ہے، مگر دو یا تین آیات مکی نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ [إبراهيم: ٢٨] [کیا تو نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا] سے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَمَصِيْرَكُمْ إِلَى النَّارِ﴾ [إبراهيم: ٣٠] [اور تمھارا لوٹنا آگ کی طرف ہے] تک ہیں۔[1] اس سورت میں ناسخ و منسوخ آیت کوئی نہیں، بلکہ سب آیات محکم و ثابت ہیں۔

سورة الحجر:

یہ بالاتفاق مکی سورت ہے۔ یہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اور یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[2] اس میں تین یا چار آیات منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا﴾ [الحجر: ٣]

---

[1] فتح القدير (٣/ ١٢٧)

[2] فتح القدير (٣/ ١٦٥)

[انھیں چھوڑ دے وہ کھائیں اور فائدہ اٹھائیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ عکرمہ اور مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ قتال سے پہلے کی آیت ہے۔[1]

دوسری آیت:

﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾ [الحجر: ٨٥]

[پس درگزر کر، خوبصورت طریقے سے درگزر کرنا]

یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ عکرمہ و مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ آیت قتال کے حکم سے پہلے کی ہے۔[2]

تیسری آیت:

﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ [الحجر: ٨٨]

[اپنی آنکھیں اس چیز کی طرف ہرگز نہ اٹھا جس کے ساتھ ہم نے ان کے مختلف قسم کے لوگوں کو فائدہ دیا ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے، لیکن اس میں نسخ کی وجہ غیر ظاہر ہے، کیوں کہ اس میں دنیا کے زخارف کی طرف توجہ کرنے اور اس کی طرف ہمیشہ دیکھنے سے نہی کی گئی ہے اور اس دنیا میں ان کافروں کے عیش و آسایش پر غم نہ کرنے اور مومنوں کے لیے نرم پہلو رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس میں قتال سے نہی نہیں ہے کہ آیتِ سیف اس کی ناسخ ہو، اس لیے اکثر علما نے اسے محکم قرار دیا ہے۔

چوتھی آیت:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [الحجر: ٩٤]

[پس اس کا صاف اعلان کر دے جس کا تجھے حکم دیا جاتا ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لے]

یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ محکم

---

[1] فتح القدير (٣/ ١٦٦)

[2] فتح القدير (٣/ ١٩٣ ـ ١٩٤)

ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اپنا کام کھل کر کرو، ان کی سرزنش سے اعراض کرو اور مشرکین کی طرف توجہ نہ دو کہ وہ اسلام کی دعوت پر تمھیں سرزنش کرتے ہیں۔ اس معنی کا موکد اس کے بعد کا جملہ ﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾ ہے۔

سورة النحل:

حسن، عطا، عکرمہ، جابر رحمہ اللہ، سیدنا ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے قول کے مطابق پوری سورت مکی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں ہے کہ اس کے آخر کی تین آیات کے سوا جو کے اور مدینے کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احد سے واپس آتے ہوئے اتریں، ساری سورت مکی ہے۔[1] اس سورت کا نام "سورۂ نعم" بھی ہے۔ اس میں دو یا تین حکم منسوخ ہیں اور بعض کے نزدیک پوری محکم ہے۔

پہلی آیت:

﴿وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا﴾ [النحل: ٦٧]

[اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے بھی، جس سے تم نشہ آور چیز اور اچھا رزق بناتے ہو]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ﴾ [الأعراف: ٣٣] [میرے رب نے تو صرف بے حیائیوں کو حرام کیا ہے، جو ان میں ظاہر ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو] سے منسوخ ہے اور اس دوسری آیت میں ﴿اِثْم﴾ خمر (شراب) کے معنی میں ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ اس آیت کا نزول تحریمِ خمر سے پہلے ہوا ہے۔ ﴿سَكَرًا﴾ حبش کی زبان میں سرکہ ہے اور رزق حسن سے مراد دونوں درختوں کا کھانا ہے۔ اہلِ لغت کہتے ہیں کہ ﴿سَكَرًا﴾ شراب کا نام ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ سکر وہ ہے، جو اس کے پھل سے حرام ہے اور رزقِ حسن حلال ہے۔ ابو داود رحمہ اللہ "ناسخ" میں ابن منذر اور ابو حاتم رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "سکر" نبیذ ہے اور رزقِ حسن زبیب (کشمش) ہے،[2] تو اسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ﴾ [المائدة: ٩٠] [بات یہی ہے کہ شراب

---

[1] فتح القدیر (٣/ ٢٠٣)

[2] فتح القدیر (٣/ ٢٤٤)

اور جوا] نے منسوخ کر دیا۔ بعض نے آیت کا معنی یہ کیا ہے کہ کھجور اور انگور کے پھل رزقِ حسن تھے تو تم نے اس سے سکر (شراب) بنالیا، اس تقدیر پر یہ آیت منسوخ نہیں ہوگی۔

دوسری آیت:

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ﴾ [النحل: ۸۲]

[پھر اگر وہ پھر جائیں تو تیرے ذمے تو صرف واضح پیغام پہنچا دینا ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ قتال سے منسوخ ہے۔ درحقیقت اس میں ان کے پیٹھ پھیرنے پر آنحضرت ﷺ کو دلاسا دینا اور تمہید عذر ہے کہ آپ کا فرض صرف پیغام رسانی ہے، لہٰذا محکم ہوگی۔

تیسری آیت:

﴿وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ [النحل: ۱۲۵] [اور ان سے اس طریقے کے ساتھ بحث کر جو سب سے اچھا ہے] کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے، کیوں کہ یہ دلائلِ قطعیہ، جو یقین کا فائدہ دینے والے ہیں، کے ذریعے یا دلائلِ ظنیہ، اقناعیہ موجبۂ تصدیق، مقدماتِ مقبولہ کے ذریعے زبان سے مجادلہ ہے اور وہ تلواروں اور نیزوں سے مجادلہ ہے۔ دعوت کے یہی دو طریقے ہیں اور یہی دونوں آیتوں کے درمیان تطبیق ہے۔[1] واللّٰه أعلم.

سورت بني إسرائیل:

یہ سورت تین آیات کے سوا مکی ہے۔ بعض کے نزدیک اس میں صرف دو آیات منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا﴾ [بني إسرائیل: ۲٤]

[اور کہہ اے میرے رب! ان دونوں پر رحم کر جیسے انھوں نے چھوٹا ہونے کی حالت میں مجھے پالا]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس کے بعد اس آیت: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَ لَوْ كَانُوْۤا اُولِیْ قُرْبٰی﴾ [التوبة: ۱۱۳] [اس نبی اور ان

[1] فتح القدير (۳/ ۲۸۱)

لوگوں کے لیے جو ایمان لائے، کبھی جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں، خواہ وہ قرابت دار ہوں] کا نزول ہوا۔[1] لیکن یہ تخصیص کے باب سے ہے، تنسیخ سے نہیں۔

دوسری آیت:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا﴾ [بني إسرائيل: ٥٤]

[اور ہم نے تجھے ان پر کوئی ذمے دار بنا کر نہیں بھیجا]

یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدير" میں فرمایا ہے کہ "ما وكلناك في منعهم عن الكفر وقسرهم على الإيمان" [ہم نے آپ کو انھیں کفر سے روکنے اور ایمان پر جبر کرنے کے لیے نہیں بھیجا ہے] یہ بھی کہا گیا ہے کہ "ماجعلناك كفيلا لهم تؤخذ بهم"[2] [ہم نے آپ کو ان کا ذمے دار نہیں بنایا ہے کہ ان کی وجہ سے آپ کی گرفت کریں گے] اس معنی پر یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں۔

سورة الكهف:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تمام مفسرین کی رائے میں یہ سورت مکی ہے اور اسی کے قائل سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما ہیں۔[3] یہ ساری سورت محکم ہے، اس میں کوئی آیت بھی منسوخ نہیں ہے۔

سورت مریم:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ اس کا نزول مکہ میں ہوا۔[4] اس میں بعض کے نزدیک چار آیات منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾

[مريم: ٣٩]

---

[1] فتح القدير (٣/ ٣٠٥)
[2] فتح القدير (٣/ ٣٢٧)
[3] فتح القدير (٣/ ٣٧٢)
[4] فتح القدير (٣/ ٤٤٢)

[اور انھیں پچھتاوے کے دن سے ڈرا جب (ہر) کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ سراسر غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں رکھتے]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے، لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت محکم ہے، کیوں کہ دونوں کے درمیان تطبیق ممکن ہے، اس لیے کہ اس میں اہلِ دنیا کی حکایت ہے نہ کہ ان سے ترکِ قتال کا حکم ہے۔

دوسری آیت:

﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ [مريم: ٥٩]

[پھر ان کے بعد ایسے نالائق جانشین ان کی جگہ آئے جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے تو وہ عن قریب گمراہی کو ملیں گے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت بعد والی آیت: ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا﴾ [مريم: ٦٠] [مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیا تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا] سے منسوخ ہے۔ لیکن یہ عموم کی تخصیص کے باب سے ہے، نسخ سے نہیں۔

تیسری آیت:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا﴾ [مريم: ٧٥]

[کہہ دے جو شخص گمراہی میں پڑا ہو تو لازم ہے کہ رحمان اسے ایک مدت تک مہلت دے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ لیکن اکثر اہلِ علم کے نزدیک محکم ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ انھیں، جو دنیوی ساز و سامان پر فخر کرتے ہیں، جواب دیں کہ جو ضلالت پر برقرار رہے گا، رحمان اس کی ضلالت اور بڑھا دے گا۔ اگرچہ ﴿فَلْيَمْدُدْ﴾ صیغہ امر ہے، لیکن یہ بیان کرنے کے لیے خبر کی جگہ پر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو مہلت دیتا ہے، تاکہ ان کا عذر کٹ جائے اور قیامت کے روز ان سے کہا جائے گا:

﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ﴾ [الفاطر: ٣٧]

[اور کیا ہم نے تمھیں اتنی عمر نہیں دی کہ اس میں جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا کر لیتا]

یا یہ استدراج کے لیے ہے، جیسے اس کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا نُمۡلِیۡ لَهُمۡ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا﴾ [آل عمران: ۱۷۸]

[ہم تو انھیں صرف اس لیے مہلت دے رہے ہیں کہ وہ گناہ میں بڑھ جائیں]

یہ بھی کہتے ہیں کہ آیت کا معنی مہلت اور موقع دینے کی دعا ہے۔ زجاج رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: اس کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ضلالت کا بدلہ دنیا میں انھیں ترک کر دینا اور چھوٹ دینا بنایا ہے۔[1] آیت میں ان سے عدمِ تعرض کا حکم نہیں ہے کہ آیتِ سیف سے منسوخ ہو۔

چوتھی آیت:

﴿فَلَا تَعۡجَلۡ عَلَیۡهِمۡ﴾ [مریم: ۸٤] [پس تو ان پر جلدی نہ کر]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

سورت طٰہٰ:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما اسی کے قائل ہیں۔[2] اس میں دو یا تین آیات منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿وَ لَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ﴾ [طٰہٰ: ۱۱٤] [اور قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کر]

یہ آیت اللہ کے ارشاد: ﴿سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰۤی﴾ [الأعلیٰ: ٦] [ہم ضرور تجھے پڑھائیں گے تو تو نہیں بھولے گا] سے منسوخ ہے۔

دوسری آیت:

﴿فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ﴾ [طٰہٰ: ۱۳۰] [سو اس پر صبر کر جو وہ کہتے ہیں]

یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب صبر کا معنی ترکِ قتال ہو اور اگر

[1] فتح القدير (۳/ ٤٧٨)

[2] فتح القدير (۳/ ۳۸۸)

ان کی سرزنش و عداوت اور بدزبانی و ایذا رسانی پر صبر ہو تو یہ آیت محکم ہوگی اور یہی درست ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ اس آیت میں ان کے آپ ﷺ کو ساحر و کذاب وغیرہ کہنے جیسے باطل طعنوں پر آپ ﷺ کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔[1]

سورة الأنبياء:

سب کے نزدیک یہ مکی سورت ہے۔ یہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔[2] اس میں بعض کے نزدیک ایک یا دو آیات منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ﴾ [الأنبياء: ۹۸]

[بے شک تم اور جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، جہنم کا ایندھن ہیں، تم اسی میں داخل ہونے والے ہو]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾ [الأنبياء: ۱۰۱] [بے شک وہ لوگ جن کے لیے پہلے بھلائی طے ہو چکی، وہ اس سے دور رکھے گئے ہوں گے] سے منسوخ ہے۔ لیکن درحقیقت یہ تخصیص کے باب سے ہے، تنسیخ سے نہیں۔

دوسری آیت:

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ وَ اِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ﴾ [الأنبياء: ۱۰۹]

[پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو کہہ دے میں نے تمھیں اس طرح خبردار کر دیا ہے کہ (ہم تم) برابر ہیں اور میں نہیں جانتا آیا قریب ہے یا دور، جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ قتال سے منسوخ ہے، یعنی پہلی آیت میں فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تم سے محاربے کے بارے میں مجھے کیا حکم دیا جائے گا؟ پھر آیتِ سیف نے اس کا نسخ کر دیا۔ لیکن اکثر

---

[1] فتح القدیر (۳/ ۵۳۸۔ ۵۳۹)

[2] فتح القدیر (۳/ ۵۴۳)

اہلِ علم کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ اگر یہ اسلام سے اعراض کریں تو کہہ دو کہ آگاہ رہو! ہم اور تم یعنی لڑائی میں برابر ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان صلح نہیں،[1] تو اس بنا پر یہ آیت محکم ہوگی۔

سورة الحج:

اس سورت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ سیدنا ابن عباس، ابن زبیر رضی اللہ عنہم اور قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ چار آیات کے سوا مدنی ہے اور وہ چار آیتیں: ﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ﴾ تک ہیں۔ جمہور کہتے ہیں کہ ملی جلی ہے، کچھ مکی اور کچھ مدنی ہے اور یہی صحیح ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اول سورت سے تیس آیات تک مدنی ہے اور بقیہ مکی ہے۔ نیز ان میں سے رات کو اترنے والی پانچ آیات مدنی ہیں۔ اس میں دو یا تین حکم منسوخ ہیں:

پہلی آیت:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ﴾ [الحج: ٥٢]

[اور ہم نے تجھ سے پہلے نہ کوئی رسول بھیجا اور نہ کوئی نبی مگر جب اس نے کوئی تمنا کی تو شیطان نے اس کی تمنا میں (خلل) ڈالا]

کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى﴾ [الأعلیٰ: ٦] [ہم ضرور تجھے پڑھائیں گے تو تو نہیں بھولے گا] سے منسوخ ہے۔ لیکن اکثر اہلِ علم کے نزدیک یہ آیت محکم ہے اور اس میں آنحضرت ﷺ کو دلاسا دینا ہے کہ تمھاری تلاوت و قراءت میں شیطان کا غلط القا اور نسیان کوئی نئی چیز نہیں ہے، گذشتہ پیغمبروں کے ساتھ بھی اس نے ایسے ہی کیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے القا کو منسوخ کر کے اپنی آیتوں کو محکم بنایا ہے۔ آنحضرت ﷺ بحکم ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [النجم: ٣، ٤] [اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے] شیطان کے القا کی پذیرائی کرنے سے مامون ہیں۔ اکثر تفسیروں میں آنحضرت ﷺ کی زبان پر اس عبارت:

"تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى"

---

[1] فتح القدیر (٣/ ٥٨٨)

[یہ عالی مقام دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے]

کے جاری ہو جانے کا جو قصہ اس آیت کے سببِ نزول میں لکھا ہے، محققین اہلِ حدیث کے نزدیک کسی صورت سے صحیح نہیں ہے اور نہ اس کی اسناد متصل ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ قصہ نقل کے لحاظ سے غیر ثابت ہے، اس کے بعد انھوں نے اس کے راویوں پر کلام کیا ہے کہ وہ مطعون ہیں۔ امام الائمہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ قصہ ملحدین کا بنایا ہوا ہے۔ مجدد سرہندی شیخ احمد فاروقی رحمہ اللہ نے اپنے مکاتیب میں اس سے استدلال کیا ہے، گویا انھیں اس کی حقیقت کی خبر نہیں ہوئی۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء" میں فرمایا ہے کہ امت نے اجماع کیا ہے کہ اس خبر میں جو پیغام رسانی کے سلسلے کی ہو کہ آنحضرت ﷺ اس کی عمداً یا سہواً و غلطاً خلافِ حقیقت خبر دینے میں معصوم ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ غرانیق کا قصہ سبھی مفسرین ذکر کرتے ہیں، لیکن اس کے سبھی طرق مرسل ہیں اور میں نے کسی صحیح وجہ سے اسے مسند نہیں دیکھا ہے۔[1] انتهی.

دوسری آیت:

﴿اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ [الحج: ٦٩]

[اللہ قیامت کے دن تمھارے درمیان اس کے بارے میں فیصلہ کرے گا، جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے، حالاں کہ حقیقت میں یہ امت کو تعلیم ہے کہ باطل کے ساتھ جھگڑا کرنے والے کو ایسے جواب دیں، لہٰذا یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں۔

تیسری آیت:

﴿وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ [الحج: ٧٨]

[اور اللہ کے بارے میں جہاد کرو جیسا اس کے جہاد کا حق ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن: ١٦] [سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو] سے منسوخ ہے، لیکن اکثر اہلِ علم اس پر ہیں کہ یہ محکم ہے اور حق جہاد کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں کسی کی سرزنش سے نہ ڈریں یا دینِ الٰہی کو زندہ کرنے میں پوری کوشش صرف کر دیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ یہ آیت

[1] فتح القدير (٣/ ٦٢٩) نیز دیکھیں: تفسير ابن كثير (٤/ ٦٥٥)

مذکورہ سے منسوخ ہے، لیکن اس کی تردید کی گئی ہے کہ تکلیف قدرت سے مشروط ہے، لہٰذا نسخ کی طرف جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔[1]

سورۃ المؤمنون:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ بلا اختلاف سب کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔[2] بعض کے نزدیک اس میں دو آیات منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتَّى حِينٍ﴾ [المؤمنون: ٥٤] [سو تو انھیں ایک وقت تک ان کی غفلت میں رہنے دے] کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ محکم ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو ان کی حالت میں چھوڑ دو، کیوں کہ یہ اہلِ ہدایت نہیں ہیں۔ ان سے عذاب کی تاخیر پر آپ کا سینہ تنگ نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ ہر ایک چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔

دوسری آیت:

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [المؤمنون: ٩٦] [اس طریقے سے برائی کو ہٹا جو سب سے اچھا ہے] یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت اس امت کے بارے میں محکم ہے اور کفار کے بارے میں منسوخ ہے، کیوں کہ مقصود کفار کی اس بری عادت سے درگزر اور اعراض ہے، جو شرک ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت علی الاطلاق محکم ہے، کیوں کہ دل جوئی اس وقت محبوب ہے، جب تک دین میں نقص تک نہ پہنچائے۔

سورۃ النور:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔[3] اس میں دو یا سات آیات منسوخ ہیں۔

---

[1] فتح القدير (٣/ ٦٤٠)

[2] فتح القدير (٣/ ٦٤٤)

[3] فتح القدير (٤/ ٥)

پہلی آیت:

﴿اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [النور: ۳]

[زانی نکاح نہیں کرتا مگر کسی زانی عورت سے، یا کسی مشرک عورت سے اور زانی عورت، اس سے کوئی نکاح نہیں کرتا مگر کوئی زانی یا مشرک اور یہ کام ایمان والوں پر حرام کر دیا گیا ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ [النور: ۳۲] [اور تم نکاح کر دو اپنے میں سے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا] سے منسوخ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ [النساء: ۳] [عورتوں میں سے جو تمھیں پسند ہو ان سے نکاح کرلو] سے منسوخ ہے۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے بالاجماع اسے منسوخ کہا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "الفوز الکبیر" میں فرمایا ہے کہ احمد رحمہ اللہ ظاہر آیت کے موافق ہیں اور اس کا معنی ان کے سوا دوسروں کے نزدیک یہ ہے کہ مرتکبِ کبیرہ زانیہ ہی کا کفو ہے یا زانیہ کو اختیار کرنا مستحب نہیں ہے اور ﴿حُرِّمَ ذٰلِكَ﴾ سے زنا اور شرک کی طرف اشارہ ہے، لہٰذا منسوخ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى﴾ عام ہے، جو خاص کا ناسخ نہیں ہو سکتا۔[1] انتہیٰ.

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ اہلِ علم نے اس آیت کے معنی میں چند اقوال پر اختلاف کیا ہے:

① اس سے مقصود زنا اور اہلِ زنا کی برائی کرنا ہے اور یہ کہ زنا مومنوں پر حرام ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ زانی زانیہ ہی سے زنا کرتا ہے اور اس کے برعکس ہوتا ہے، لہٰذا نکاح اس میں وطی کے معنی میں ہے، عقد کے معنی میں نہیں۔ آیت میں شرک کی زیادتی معاصی میں زنا وغیرہ سے زیادہ عام ہونے کی وجہ سے ہے۔ زجاج رحمہ اللہ نے اس توجیہ کو رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کتاب اللہ میں نکاح تزویج ہی کے معنی میں آیا ہے اور اس رد پر یہ رد کیا گیا ہے کہ نکاح کتاب اللہ میں وطی کے معنی میں ثابت ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ وطی کے معنی میں ہے اور آیتِ مذکورہ میں وطی کے معنی کے

[1] الفوز الکبیر (ص: ۵۸)

قائلین میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ رحمہ اللہ ہیں۔

② یہ آیت خاص زنا کے بارے میں اتری ہے، لہٰذا اسی کے ساتھ خاص ہوگی، جیسا کہ خطابی نے فرمایا ہے۔

③ مسلمانوں میں سے ایک شخص کے بارے میں اتری ہے، اس لیے اسی کے ساتھ خاص ہوگی۔

④ یہ اہلِ صفہ کے بارے میں اتری ہے اور انھیں کے ساتھ مخصوص ہے، یہ ابوصالح رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

⑤ زانی اور زانیہ سے مقصود حد کی سزا پانے والے ہیں، اسے زجاج رحمہ اللہ وغیرہ نے حسن رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے کہ حد کی سزا پانے والا زانی حد کی سزا پانے والی زانیہ ہی سے شادی کرے اور اسی کے مثل ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے۔ بعض اصحابِ شافعی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن ابن العربی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ معنی نظراً صحیح نہیں ہے، جیسے کہ نقلاً بھی ثابت نہیں ہے۔

⑥ یہ آیت، آیت ﴿اَیَامٰی﴾ سے منسوخ ہے۔ نحاس رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اسی قول پر اکثر علما ہیں۔

⑦ یہ حکم غالب کی بنیاد پر ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ زیادہ تر زانی زانیہ ہی سے شادی کرنے کی رغبت رکھتے ہیں اور زیادہ تر زانیہ عورتیں زانی ہی سے شادی کرنے کی رغبت رکھتی ہیں اور اس سے مقصود مومنوں کو زنا سے زجر کرنے کے بعد زانیہ سے شادی کرنے پر زجر کرنا ہے اور سببِ نزول بھی اسی کا شاہد ہے۔ اسی عورت سے شادی کرنے پر جس سے زنا کیا ہو، علما نے اختلاف کیا ہے۔ شافعی اور ابوحنیفہ رحمہما اللہ اسے جائز کہتے ہیں۔ یہی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ عمر، ابن مسعود اور جابر رضی اللہ عنہم سے عدمِ جواز روایت کیا گیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ دونوں ہمیشہ زانی ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں۔ ﴿حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کا معنی ان کے نزدیک یہ ہے کہ زانیہ سے شادی ناجائز ہے، کیوں کہ اس میں فاسقوں سے تشبہ، الزام کا نشانہ اور نسب میں طعن ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ صرف مکروہ ہے اور اس کی تعبیر تحریم سے مبالغہ اور زجر کے لیے ہے۔[1] انتهى كلام الشوكاني رحمه الله.

ہم نے اس مسئلے کے متعلق "مسك الختام شرح بلوغ المرام" اور تفسیر آیاتِ احکام (نیل المرام) میں تفصیل سے کلام کیا ہے، لہٰذا انھیں دیکھو۔[2]

[1] فتح القدير (٤/ ٧-٨)

[2] مسك الختام (٢/ ١٦٤) نيل المرام (ص: ٣٨٦)

دوسری آیت:

﴿وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ [النور: ٤] [اور ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ سے منسوخ ہے، لیکن دراصل یہ استثنا کے ذریعے تخصیص ہے، نسخ نہیں۔

تیسری آیت:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [النور: ٦]

[اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس کوئی گواہ نہ ہوں مگر وہ خود ہی، ان میں سے ہر ایک کی شہادت اللہ کی قسم کے ساتھ چار شہادتیں ہیں کہ بلاشبہ یقیناً وہ سچوں سے ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، دو آیتوں سے منسوخ ہے۔ ایک ﴿وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ [النور: ٧] [اور پانچویں یہ کہ بے شک اس پر اللہ کی لعنت ہو، اگر وہ جھوٹوں سے ہو] اور دوسری ﴿وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [النور: ٩] [اور پانچویں یہ کہ بے شک اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو، اگر وہ (مرد) سچوں سے ہو] ہے، لیکن یہ نسخ غیر ظاہر ہے، اس لیے یہ آیت محکم ہے۔

چوتھی آیت:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا﴾ [النور: ٢٧]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہو، یہاں تک کہ انس معلوم کر لو اور ان کے رہنے والوں کو سلام کہو]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ﴾ [النور: ٢٩] [تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ان گھروں میں داخل ہو جن

میں رہایش نہیں کی گئی، جن میں تمھارے فائدے کی کوئی چیز ہو] سے منسوخ ہے۔ یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے، لیکن یہ بھی تخصیص ہے، تنسیخ نہیں۔

پانچویں آیت:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ، الخ﴾ [النور: ٣١]

[اور مومن عورتوں سے کہہ دے اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں ظاہر ہو جائے]

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ، الخ﴾ [النور: ٦٠] [اور عورتوں میں سے بیٹھ رہنے والیاں، جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں سو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے کپڑے (چہرے سے) اتار دیں، جب کہ وہ کسی قسم کی زینت ظاہر کرنے والی نہ ہوں] سے منسوخ ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ عموم کی تخصیص ہے، مفہوم کا نسخ نہیں۔

چھٹی آیت:

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ﴾ [النور: ٥٢]

[پھر اگر تم پھر جاؤ تو اس کے ذمے صرف وہ ہے جو اس پر بوجھ ڈالا گیا اور تمھارے ذمے وہ ہے جو تم پر بوجھ ڈالا گیا]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے، کیوں کہ پہلی آیت کا معنی یہ ہے کہ رسول پر نہیں ہے، مگر وہی یعنی تبلیغ جس کا انھیں حکم دیا گیا ہے اور وہ اسے بجالاتے ہیں، تو آیتِ قتال نے اس کا نسخ کر دیا، لیکن اس کے عدمِ نسخ کے بارے میں بھی وہی بات ہے، جو پہلے گزری ہے۔

ساتویں آیت:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ﴾ [النور: ٥٨]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! لازم ہے کہ تم سے اجازت طلب کریں وہ لوگ جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ ہیں اور وہ بھی جو تم میں سے بلوغت کو نہیں پہنچے، تین بار]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ [النور: ٥٩] [اور جب تم میں سے بچے بلوغت کو پہنچ جائیں، تو اسی طرح اجازت طلب کریں، جس طرح وہ لوگ اجازت طلب کرتے رہے جو ان سے پہلے تھے] سے منسوخ ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں فرمایا ہے: کہتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ منسوخ نہیں، لیکن لوگوں نے اس پر عمل میں سستی کی ہے۔[1]

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدير" میں لکھا ہے کہ ﴿لِيَسْتَاْذِنْكُمْ﴾ کے معنی میں کئی اقوال پر اختلاف کیا گیا ہے: اول یہ کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ یہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، جب کہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں حکم ندب کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ واجب ہے، کیوں کہ ان کے دروازے نہیں ہوتے تھے اور اگر وہ دوبارہ اس حالت میں لوٹے تو وجوب بھی لوٹ آئے گا، اسے مہدوی رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں حکم وجوب کے لیے ہے، آیت محکم غیر منسوخ ہے اور اس کا حکم ثابت ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہی اکثر علما کا قول ہے اور ابو عبدالرحمن سلمی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آیت عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ [النساء: ٣] [یا جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ ہوں] غلام اور کنیز کے معنی میں ہے اور ﴿لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ﴾ [النور: ٥٨] [جو بلوغت کو نہیں پہنچے] سے مقصود آزاد بچے ہیں۔[2] انتهى كلامه.

سورۃ الفرقان:

جمہور اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک پوری سورت مکی ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صرف تین آیات کا نزول مدینے میں ہوا اور وہ ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ...﴾ [الفرقان: ٦٨۔ ٧٠] تین آیات ہیں۔[3] اس میں ایک یا دو آیات منسوخ ہیں۔

---

[1] الإتقان (٢/ ٦٢)

[2] فتح القدير (٤/ ٦٨)

[3] فتح القدير (٤/ ٨١)

پہلی آیت:

﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ [الفرقان: ٦٣]

[اور جب جاہل لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ اکثر اہلِ علم کے نزدیک یہ آیت محکم ہے اور اس میں سلام تسلیم کے معنی میں نہیں، بلکہ تسلّم یعنی براءت کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مومن جاہلوں اور نادانوں کی ایذا کو برداشت کریں اور جاہلوں کے ساتھ جہل اور نادانوں کے ساتھ نادانی نہ کریں۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدير" میں فرمایا ہے کہ سیبویہ رحمہ اللہ کہتا ہے کہ مسلمان ان دنوں مشرکین پر سلام کے مامور نہیں تھے، لیکن اس قول پر کہ ہم بَری ہیں تم سے اور ہمارے تمھارے درمیان کوئی خیر و شر نہیں ہے۔ مبرد رحمہ اللہ نے کہا کہ اسے کہنا چاہیے تھا کہ مسلمان ان دنوں ان سے لڑنے کے مامور نہیں تھے، اس کے بعد اس کے مامور ہوگئے۔ محمد بن یزید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیبویہ نے اس آیت میں غلطی کی اور بہت بری عبارت ذکر کی ہے۔ نحاس نے کہا ہے کہ ناسخ و منسوخ کے بارے میں اس آیت کے سوا سیبویہ رحمہ اللہ کے کسی کلام کا علم نہیں ہے، کیوں کہ اس آیت کے آخر میں اس نے خود کہا ہے: "فنسختها آية السيف" [تو اس آیت کو، آیتِ سیف نے منسوخ کر دیا] میں کہتا ہوں کہ اپنے فن کے علاوہ دوسرے علم میں کلام کرنے والا اور اپنا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلنے والے کا یہی حال ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو نہ مشرکوں کو سلام کرنے کا حکم دیا گیا اور نہ اس سے روکا گیا، بلکہ انھیں درگزر اور ہجر جمیل کا مامور بنایا گیا، اس لیے یہاں نسخ کے دعویٰ کی کوئی ضرورت نہیں۔[1]

دوسری آیت:

﴿وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا﴾ [الفرقان: ٦٩] [اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل کیا ہوا رہے گا]

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ [الفرقان: ٧٠] [مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور عمل کیا نیک عمل] سے منسوخ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ سے منسوخ ہے، یعنی آیتِ اولیٰ میں

---

[1] فتح القدير (٤/ ١١٥)

نافرمان مسلمانوں کے لیے خلودِ نار کا حکم کیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس سے تائبین کا استثنا کر دیا تو حکم اول منسوخ ہوگیا، لیکن درحقیقت یہ مخصوص ہوگیا، منسوخ نہیں۔

سورة الشعراء:

جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس کے آخر کی چار آیتیں مدینے میں اتریں اور وہ ﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ، الخ﴾ [الشعراء: ٢٢٤] [اور شاعر لوگ، ان کے پیچھے گمراہ لوگ لگتے ہیں] ہیں۔[1] اس سورت میں ناسخ و منسوخ کوئی آیت نہیں ہے، بلکہ پوری سورت محکم ہے۔ ہاں بعض کے نزدیک ایک آیت ﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ [الشعراء: ٢٢٤] [اور شاعر لوگ، ان کے پیچھے گمراہ لوگ لگتے ہیں] منسوخ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس ارشاد: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ [الشعراء: ٢٢٧] [مگر وہ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے] سے منسوخ ہے، لیکن حقیقت میں استثنا کی وجہ سے مخصوص ہے، منسوخ نہیں۔

سورة النمل:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ سب کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔[2] یہ ساری سورت محکم ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک اس میں ایک آیت منسوخ ہے اور وہ اللہ کا ارشاد: ﴿اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ﴾ [النمل: ٩٢] [میں تو بس ڈرانے والوں میں سے ہوں] ہے، یعنی میرا فرض صرف انذار ہے، جو "إعلام مع التخويف" [ڈراتے ہوئے آگاہ کر دینا] ہوتا ہے۔ وہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ اس کے باوجود نظمِ آیت غیر منسوخ ہے، کیوں کہ آپ بے شک منذر و مبشر ہیں۔

سورة القصص:

حسن، عکرمہ اور عطا رحمہم اللہ کے نزدیک پوری سورت مکی ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مکے اور مدینے کے درمیان اتری۔ ابن سلام رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہجرت کے وقت "جحفه" میں اتری۔[3] اس میں ایک حکم منسوخ ہے اور وہ یہ ہے:

﴿لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ [القصص: ٥٥]

---

[1] فتح القدير (٤/ ١٢٤)

[2] فتح القدير (٤/ ١٦٥)

[3] فتح القدير (٤/ ٢٠٨)

[ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال]

اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے۔ یہ زجاج رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ لیکن اکثر اہلِ علم کے نزدیک محکم ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کفر کا ضرر تم کو ہوگا، ہم کو نہیں اور ایمان کا فائدہ ہم کو ہوگا، تم کو نہیں۔

سورۃ العنکبوت:

اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ سیدنا ابن عباس، ابن زبیر رضی اللہ عنہم اور حسن، عکرمہ، عطا اور جابر بن زید رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ پوری سورت مکی ہے۔ سیدنا قتادہ رحمہ اللہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہم نے ایک روایت میں فرمایا ہے کہ پوری سورت مدنی ہے۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ مکے اور مدینے کے درمیان اتری ہے۔[1] بعض اہلِ علم کی رائے میں اس میں ایک حکم منسوخ ہے اور وہ اللہ کا ارشاد: ﴿وَلَا تُجَادِلُوٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [العنکبوت: ٤٦] [اور اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ کرو، مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو] ہے اور اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے۔ یہ قتادہ اور مقاتل رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ نحاس رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جو اس کے نسخ کا قائل ہے، وہ اس سے استدلال کرتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور اس وقت قتال فرض ہوا تھا نہ طلبِ جزیہ اور نہ کچھ اور فرض تھا۔[2] انتہیٰ.

اکثر اہلِ علم کے نزدیک یہ آیت محکم ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ان سے مجادلہ نہ کرو، جو یہود و نصاریٰ میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں، جیسے عبداللہ بن سلام، مگر اچھے انداز سے، یعنی جو اہلِ کتاب کی خبریں وہ تم سے بیان کریں، اس میں موافقت کرو۔ آیت ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ کا معنی اس صورت میں یہ ہے کہ جو اپنے کفر پر برقرار ہیں، یا معنی یہ ہے کہ انھیں اسلام کی دعوت دینے میں ان سے بہتر طریقے سے مجادلہ کرو، انھیں دلائل و براہین سے آگاہ کرو اور تشدد اور سختی نہ کرو، مگر ان کے ساتھ جو ظلم کرتے ہوں اور مسلمانوں کے ساتھ ادب کا طریقہ نہ اپناتے ہوں، تو ان سے سختی کے ساتھ مجادلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اکثر مفسرین اس کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔

سورۃ الروم:

کسی اختلاف کے بغیر یہ سورت مکی ہے۔ یہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔[3] اس میں ایک حکم

---

[1] فتح القدير (٤/ ٢٥٢)

[2] فتح القدير (٤/ ٢٧٠)

[3] فتح القدير (٤/ ٢٨١)

منسوخ ہے اور وہ یہ ہے:

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ [الروم: ٦٠] [پس صبر کر، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے]

کہتے ہیں کہ اس کا نسخ آیتِ سیف سے ہے، لیکن جمہور کے نزدیک یہ آیت محکم ہے، کیوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی ایذا رسانی پر صبر کرو اور ان پر مدد اور اپنی دلیل کی بلندی اور اپنی دعوت کے غلبے کے بارے میں اللہ کے وعدے کا انتظار کرو۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔[1]

سورت لقمان:

یہ مکی سورت ہے، مگر اس کی تین آیات: ﴿وَ لَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ﴾ اس کے آخر تک مکی نہیں۔ یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ دو آیات مکی نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں بغیر استثنا کے مروی ہے کہ مکمل سورت مکی ہے۔[2] کہتے ہیں کہ اس میں ایک حکم: ﴿وَ مَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ [لقمان: ٢٣] [اور جس نے کفر کیا اس کا کفر تجھے غم میں نہ ڈالے، ہماری ہی طرف ان کا لوٹ کر آنا ہے] منسوخ ہے اور اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے۔ لیکن اکثر اہلِ علم کے نزدیک یہ آیت محکم ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کافر کا کفر آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتا۔

سورۃ السجدہ:

سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ ﴿اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا﴾ [السجدة: ١٨] [تو کیا وہ شخص جو مومن ہو وہ اس کی طرح ہے جو نافرمان ہو؟] سے لے کر تین آیتوں کے سوا مکی ہے۔[3] اس میں ایک حکم منسوخ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ﴾ [السجدة: ٣٠]

[پس تو ان سے منہ پھیر لے اور انتظار کر یقیناً وہ (بھی) انتظار کرنے والے ہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت سیف سے منسوخ ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ محکم ہے، کیوں کہ کبھی قتال

---

[1] فتح القدير (٤/ ٣٠٥)

[2] فتح القدير (٤/ ٣٠٧)

[3] فتح القدير (٤/ ٣٢٤)

کے حکم کے ساتھ بھی اعراض ہوتا ہے۔ یومِ انتظار سے مقصود قتل کے ذریعے ان کی ہلاکت کا دن ہے اور وہ غزوہ بدر کا دن تھا یا قیامت کے دن کا انتظار مراد ہے۔

سورۃ الأحزاب:

یہ مدنی سورت ہے۔ یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔[1] اس میں دو آیات منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ [الأحزاب: ٤٨]

[اور کافروں اور منافقوں کا کہنا مت مان اور ان کی ایذا رسانی کی پروا نہ کر اور اللہ پر بھروسا کر]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے، لیکن جمہور کے نزدیک محکم ہے۔ اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے امت کے ساتھ تعریض ہے، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کہ جو وہ چاہیں اور اشارہ کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دین میں مداہنت کی وجہ سے ان کی اطاعت کریں، معصوم ہیں۔ اس میں آپ کی دین میں پائیداری اور دشمنوں پر شدت کی وجہ سے ان کی ایذا رسانی کی پروا نہ کرنے کا حکم ہے۔[2]

دوسری آیت:

﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَ لَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ﴾ [الأحزاب: ٥٢]

[تیرے لیے اس کے بعد عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ تو ان کے بدلے کوئی اور بیویاں کر لے، اگرچہ ان کا حسن تجھے اچھا لگے مگر جس کا مالک تیرا دایاں ہاتھ بنے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ، الآية﴾ [الأحزاب: ٥٠] [اے نبی! بے شک ہم نے تیرے لیے تیری بیویاں حلال کر دیں جن کا تو نے مہر دیا ہے اور وہ عورتیں جن کا مالک تیرا دایاں ہاتھ ہے] سے منسوخ ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "الفوز الکبیر" میں فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے ناسخ تلاوت

[1] فتح القدير (٤/ ٣٤١)

[2] فتح القدير (٤/ ٣٨٠)

میں پہلے ہوا اور یہی میرے نزدیک زیادہ ظاہر ہے۔[1] انتھی.

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدير" میں فرمایا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں اہلِ علم نے کئی اقوال پر اختلاف کیا ہے:

① یہ آیت محکم ہے اور آنحضرت ﷺ کے لیے اپنی بیویوں پر شادی کرنا، اس فعل کی مکافات کی وجہ سے کہ انھوں نے اللہ اور رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کیا، جس وقت آنحضرت ﷺ نے ان کو اختیار دیا، حرام ہے۔ یہ قول سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد، ضحاک، قتادہ، حسن، ابن سیرین، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام، ابن زید اور ابن جریر رحمہم اللہ کا ہے۔

② ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جب اللہ نے نبی ﷺ کی بیویوں پر دوسرے کسی خاوند سے شادی کرنا حرام کر دیا تو اس کے بعد آنحضرت ﷺ پر بھی ان بیویوں کے سوا کسی اور سے شادی کرنا حرام کر دیا۔

③ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، عکرمہ اور ابو رزین رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تیرے لیے مذکورہ اصناف کے بعد، جن کا نام لیا گیا ہے، عورتوں سے شادی کرنا حلال نہیں ہے۔

④ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے لیے یہودیات اور نصرانیات حلال نہیں ہیں، کیوں کہ امہات المومنین کے ساتھ انھیں متصف کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس قول میں بُعد ہے، کیوں کہ اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی "ولا يحل لك النساء من بعد المسلمات" حالاں کہ "مسلمات" کا ذکر اس سے پہلے نہیں ہوا ہے۔

⑤ نیز کہتے ہیں کہ یہ آیت سنت اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَ تُئْوِيَ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ﴾ [الأحزاب: ٥١] [ان میں سے جسے تو چاہے موخر کر دے اور جسے چاہے اپنے پاس جگہ دے دے] سے منسوخ ہے۔ سیدہ عائشہ، سیدہ ام سلمہ، علی بن ابی طالب اور علی بن حسین رحمہم اللہ وغیرہ۔ اسی کے قائل ہیں اور یہی راجح ہے۔ راجح قول پر تبدیل کرنا بھی اسی میں سے ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے بارے میں منسوخ کر دیا ہے۔[2] انتھی کلامه.

---

[1] الفوز الكبير (ص: ٥٩)

[2] فتح القدير (٤/ ٣٨٧)

سیدنا ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے اس سورت میں "اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ" پڑھا،[1] پھر اسے اٹھا لیا گیا۔ اسے نسائی، عبدالرزاق، طیالسی، سعید بن منصور اور ابن المنذر وغیرہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے۔[2] امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ وغیرہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت لائے ہیں: "سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کی، اس کے بعد فرمایا: اے لوگو! اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب اتری، ان پر جو کچھ اترا، اس میں آیت رجم بھی تھی، جسے ہم نے پڑھا اور یاد کیا: "اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم نے رجم کیا، تو میں ڈرتا ہوں کہ لوگوں کے ساتھ زمانہ دراز ہو جائے اور کوئی کہے کہ ہم رجم کی آیت اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے اور لوگ ایک فریضے کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں، جسے اللہ نے اتارا۔"[3] یہ روایت کئی طرق سے آئی ہے۔ انتھیٰ. تو یہ آیت اس جنس سے ہے، جس کی تلاوت منسوخ اور اس کا حکم روزِ قیامت تک کے لیے برقرار ہے، لیکن لوگوں نے اس پر عمل میں سستی کی، جیسے بہت سے احکام و حدود کو ترک کرنے میں کیا ہے۔ یہ اولین آبگینہ نہیں ہے، جو اسلام میں ٹوٹا ہو!!

سورت سبأ:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ سب کے نزدیک یہ سورت سوائے ایک آیت کے مکی ہے، جس میں اختلاف ہے اور وہ اللہ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَ يَرَى الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ أُنْزِلَ إِلَيْكَ﴾ [سبأ: ٦] [اور وہ لوگ جنھیں علم دیا گیا ہے، دیکھتے ہیں کہ جو تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا] ایک فرقہ اسے مکی اور ایک فرقہ مدنی کہتا ہے۔[4] اس میں ایک حکم منسوخ ہے اور وہ درج ذیل ہے:

﴿وَلَا نُسْئَلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ [سبأ: ٢٥]

---

[1] مصنف عبد الرزاق (١٣٣٦٣) مسند الطيالسي (٢/ ٧٣) سنن النسائي الكبرى (٧١٥٠)

[2] تفسير ابن كثير (٥/ ٤٢١)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٨٣٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٩١)

[4] فتح القدير (٤/ ٤١١)

[اور نہ ہم سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا جو تم کرتے ہو]

اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے، لیکن جمہور اس پر ہیں کہ محکم ہے، یعنی میں تمھیں صرف اسی چیز کی طرف دعوت دیتا ہوں، جس میں تمھارے لیے خیر اور فائدہ ہے اور تمہارے کفر اور میری دعوت کو نہ ماننے کا مجھے کوئی ضرر اور نقصان نہیں ہوتا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدير" میں فرمایا ہے کہ یہ اور اس کے مثل آیات، آیتِ سیف سے منسوخ ہیں۔[1]

سورۃ الفاطر:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے۔ اسے امام بخاری اور بیہقی رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[2] یہ پوری سورت محکم ہے، اس میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ بعض کے نزدیک یہ آیت: ﴿اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ﴾ [الفاطر: ٢٣] [تو تو محض ایک ڈرانے والا ہے] آیتِ سیف سے نسخ پذیر ہے اور اس کے مثل آیتوں کے بارے میں کلام گزر چکا ہے۔ اس سورت کو سورت "ملا ئكة" بھی کہتے ہیں۔

سورت یٰسٓ:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت بالاجماع مکی ہے، مگر ایک گروہ نے اس میں سے ایک آیت کو مدنی کہا ہے اور وہ: ﴿نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ﴾ [يٰس: ١٢] [اور ہم لکھ رہے ہیں جو عمل انھوں نے آگے بھیجے اور ان کے چھوڑے ہوئے نشان بھی] ہے، جو انصار میں سے بنوسلمہ کے بارے میں اس وقت اتری، جب انھوں نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں آنے کا ارادہ کیا۔[3] یہ پوری سورت محکم ہے، اس میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔

سورۃ الصآفات:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ سب کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔[4] اس میں چار آیات منسوخ ہیں۔

---

(1) فتح القدير (٤/ ٤٣٠)
(2) فتح القدير (٤/ ٤٤٥)
(3) فتح القدير (٤/ ٤٧٢)
(4) فتح القدير (٤/ ٥٠٨)

پہلی آیت:

﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ﴾ [الصآفات: ١٧٤]

[سو ایک وقت تک ان سے منہ موڑ لے]

دوسری آیت:

﴿وَاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ﴾ [الصآفات: ١٧٥]

[اور انھیں دیکھو، پس وہ بھی عن قریب دیکھ لیں گے]

تیسری آیت:

﴿وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ﴾ [الصآفات: ١٧٨]

[اور ایک وقت تک ان سے منہ موڑ لے]

چوتھی آیت:

﴿وَاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ﴾ [الصآفات: ١٧٩]

[اور دیکھ، پس وہ بھی جلدی دیکھ لیں گے]

کہتے ہیں کہ یہ چاروں آیات، آیتِ سیف سے منسوخ ہیں۔ لیکن اکثر کے نزدیک یہ محکم ہیں اور اس سے مقصود معین مدت ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ یہاں تک کہ میں آپ کو قتال کا حکم دوں۔ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ موت تک۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یوم بدر تک۔ نیز کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن تک۔ ان میں سے بعض اقوال کی بنیاد پر یہ منسوخ ہے۔

سورت صٓ:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے۔[1] اس میں صرف دو آیتیں منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ [صٓ: ٧٠] [میں تو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں]

[1] فتح القدير (٤/ ٥٥١)

دوسری آیت:

﴿وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِيْنٍ﴾ [ص: ۸۸]

[اور یقیناً تم اس کی خبر کچھ وقت کے بعد ضرور جان لو گے]

اس کی ناسخ آیت: ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [التوبة: ۵] [ان مشرکوں کو قتل کرو] ہے۔ لیکن اکثر علما کے نزدیک یہ آیت محکم ہے، کیوں کہ دونوں میں تطبیق ممکن ہے، یعنی اے کافرو! اللہ اور اس کی توحید کی طرف دعوت اور جنت کی ترغیب اور جہنم سے تحذیر کی جو خبر میں تم کو دے رہا ہوں، کچھ روز کے بعد تم اسے جان لو گے۔ قتادہ، زجاج اور فراء رحمہم اللہ نے یہ کہا ہے کہ موت کے بعد اور عکرمہ اور ابن زید رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اور کلبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو زندہ رہا، اس نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ظاہر ہوگیا تو جان لیا اور جس کی موت ہوگئی، اس نے موت کے بعد جان لیا۔ سدی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ جاننا بدر کے دن تھا۔[1]

سورۃ الزمر:

حسن، عکرمہ اور جابر بن زید رحمہم اللہ کے نزدیک مکی سورت ہے۔ نحاس رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کی تین آیتیں مدینے میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کے بارے میں اتریں اور وہ ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ﴾ [الزمر: ۵۳] [کہہ دے اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی!] سے تین آیات ہیں۔ بعض سات آیتیں کہتے ہیں۔ اس سورت میں چھے آیتیں منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ [الزمر: ۳]

[یقیناً اللہ ان کے درمیان اس کے بارے میں فیصلہ کرے گا، جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے، کیوں کہ اس میں اللہ کے قیامت کے روز ان کا

[1] فتح القدير (٤/ ٥٨٨)

فیصلہ کرنے تک انھیں چھوڑ دینے کا مضمون پوشیدہ ہے۔ میں کہوں گا کہ اس قسم کی آیتیں قرآن شریف میں بہت ہیں اور سب میں مذکورہ احتمال موجود ہے، تو سبھی منسوخ ہوں گی؟ بلکہ اس کا عدمِ نسخ راجح ہے، کیوں کہ قیامت کے روز ان کے درمیان اللہ کا فیصلہ کرنا دنیا میں قتال کے منافی نہیں ہے۔

دوسری آیت:

﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ [الزمر: ١٣]

[بے شک میں ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں]

کہتے ہیں کہ معصیت میں پڑنے کے خوف کا حکم سورۃ الفتح کی آیت: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ [الفتح: ٢] [تاکہ اللہ تیرے لیے بخش دے تیرا کوئی گناہ جو پہلے ہوا اور جو پیچھے ہوا] سے منسوخ ہے۔ یہ ابوحمزہ یمانی اور ابن المسیب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ اس جیسی آیات کے بارے میں کلام پہلے گزر چکا ہے۔

تیسری آیت:

﴿فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ [الزمر: ١٥] [تو تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے یا اللہ کے اس ارشاد: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ [آل عمران: ١٩] [بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے] سے منسوخ ہے، لیکن یہ اس وقت صحیح ہے، جبکہ آیت کا معنی غیر خدا کی عبادت کی اجازت ہو، حالاں کہ اس میں حکم "تہدید"، "تقریع" اور "توبیخ" کے لیے ہے اور اس میں غیر اللہ کی عبادت سے روکا گیا ہے، لہٰذا یہ آیت محکم ہوگی۔ اکثر مفسرین اسی پر ہیں اور "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ یہی اولیٰ ہے۔[1]

چوتھی آیت:

﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾ [الزمر: ٣٦] [کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے]

کہتے ہیں کہ اس آیت میں کفار کو ترک کرنے کا حکم پوشیدہ ہے، لہٰذا آیتِ سیف سے منسوخ ہوگی۔ لیکن جمہور کے نزدیک یہ محکم ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ مومن بندے کو ثواب دینے اور

[1] فتح القدير (٤/ ٥٩٩)

کافر کو عذاب دینے کے لیے کافی ہے۔ ﴿عَبْدَهٗ﴾ کی افراد کے ساتھ قراءت کی تقدیر پر مقصود آنحضرت ﷺ ہیں یا جنس مراد ہے اور اس میں آنحضرت ﷺ بدخول اولی داخل ہوں گے۔ "عبادہ" صیغہ جمع کی قراءت کے ساتھ اس سے مقصود انبیا اور مومنین ہوں گے یا سب مراد ہیں۔[1]

پانچویں آیت:

﴿قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ﴾ [الأنعام: ١٣٥]

[کہہ دے اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرو، بے شک میں (بھی) عمل کرنے والا ہوں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

چھٹی آیت:

﴿وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ [الزمر: ٤١]

[اور جو گمراہ ہوا تو اسی پر گمراہ ہوگا اور تو ہرگز ان پر کوئی ذمے دار نہیں]

یہ آیت بھی آیتِ سیف سے منسوخ ہے، کیوں کہ ان کا حاصل یہ ہے کہ آپ پر صرف پیغام رسانی اور خود کام کرنا ہے، کافروں سے حساب لینا نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان سے قتال کا حکم دیا، تاکہ "لا إله إلا الله" کا اقرار کریں اور احکامِ اسلام پر عمل کریں۔

سورۃ الغافر:

اس کو سورۃ المؤمن بھی کہتے ہیں۔ حسن، عطا، عکرمہ اور جابر رحمہ اللہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، لیکن حسن رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے اس ارشاد: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ [الغافر: ٥٥] [اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر] کے سوا مکی ہے، کیوں کہ نمازوں کا حکم مدینے میں اترا تھا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مگر دو آیتیں جو مدینے میں اتریں اور وہ دونوں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ [الغافر: ٥٦] [بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں] اور اس کے بعد کی ایک آیت ہے۔[2]

اس سورت میں ایک حکم منسوخ ہے اور وہ: ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ [الغافر: ٥٥] [پس

[1] فتح القدير (٤/ ٦١٠)

[2] فتح القدير (٤/ ٦٣٠)

صبر کر، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے] ہے۔ اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے۔ یہ کلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے، لیکن یہ اس وقت درست ہوگا، جب صبر ترکِ قتال کے معنی میں ہو، حالاں کہ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو مشرکین کی ایذا رسانی پر ان کی مدد کرنے کے ذریعے دلاسا دینا مقصود ہے، لہٰذا یہ آیت محکم ہوگی۔

سورت فصّلت:

اس کا نام "حٰم السجدة" بھی رکھتے ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے۔[1] یہ سورت پوری کی پوری محکم ہے، سوائے ایک حکم کے اور وہ ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [فصّلت: ٣٤] [(برائی) کو اس (طریقے) کے ساتھ ہٹا جو سب سے اچھا ہے] ہے، اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے۔ اس جیسی آیات کے بارے میں کلام گزر چکا ہے۔

سورة الشوریٰ:

حسن، عکرمہ، عطا اور جابر رحمہم اللہ کے نزدیک پوری سورت مکی ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما و قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مگر چار آیتیں جو مدینے میں اتریں اور وہ: ﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ اس کے آخر تک ہے۔[2] اس میں پانچ یا نو آیات منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ [الشوریٰ: ٥]

[اور ان لوگوں کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہی جو زمین میں ہیں]

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [الشوریٰ: ٣٦] [ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے] سے منسوخ ہے۔ درحقیقت یہ تخصیص کے باب سے ہے، نہ کہ تنسیخ سے۔

دوسری آیت:

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ، الخ﴾ [الشوریٰ: ٦]

[اور وہ لوگ جنھوں نے اس کے سوا کوئی اور کارساز بنا لیے اللہ ان پر نگران ہے]

یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے، اس جیسی آیات کے بارے میں کلام پہلے گزر چکا ہے۔

---

① فتح القدير (٤/ ٦٦١)

② فتح القدير (٤/ ٦٨٧)

تیسری آیت:

﴿فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ﴾ [الشوریٰ: ١٥]

[تو دعوت دے اور مضبوطی سے قائم رہ، جیسے تجھے حکم دیا گیا ہے اور اُن کی خواہشوں کی پیروی مت کر]

یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ [التوبۃ: ٢٩] [لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخر پر] سے منسوخ ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے پر استقامت میں کوئی ایسی چیز نہیں جو نسخ پر دلالت کرے، پس یہ آیت جمہور کے نزدیک محکم ہے۔

چوتھی آیت:

﴿لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ [الشوریٰ: ١٥]

[ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال۔ ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں]

یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے اور علی العموم خطاب یہود یا کافروں کو ہے۔

پانچویں آیت:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ﴾ [الشوریٰ: ٢٠]

[جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ﴾ [بني إسرائيل: ١٨] [جو شخص اس جلدی والی (دنیا) کا ارادہ رکھتا ہو] سے منسوخ ہے، مگر از روئے تحقیق یہ نسخ نہیں ہے، کیوں کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ آخرت کی نیت پر دنیا میں جو کچھ چاہتا ہے دیتا ہے اور دنیا کی نیت پر دنیا ہی دیتا ہے۔ یہ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ قشیری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت کافر کے بارے میں ہے، لیکن یہ تخصیص بغیر مخصص ہوگی۔

چھٹی آیت:

﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ [الشوریٰ: ۲۳]

[کہہ میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر رشتے داری کی وجہ سے دوستی]

کہتے ہیں کہ منسوخ ہے۔ یہ حسن بن فضل رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اور اسے ابن جریر رحمہ اللہ نے ضحاک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ اس کا نزول مکے میں ہوا، جب مشرکین نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی، تو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مودت کا حکم دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور جگہ دی، تو یہ ﴿وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور یہ آیت: ﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ﴾ اتری اور یہ اول کی ناسخ ہوئی۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں ہر بطن کے نسب کے درمیان شامل تھے، ان کا کوئی بطن ایسا نہیں ہے، مگر اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہے، اس لیے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ان سے کہو کہ میں تم سے دعوت اور رسالت پہنچانے پر کوئی اجر نہیں چاہتا مگر رشتے کی مودت، جس کے سبب مجھے دوست رکھو اور مذکورہ رشتے کے ذریعے جو میرا رشتہ تم سے ہے، میری حفاظت کرو۔[1]

اسے سعید بن منصور، ابن سعد، عبد بن حمید اور حاکم رحمہم اللہ نے ان سے روایت کیا ہے اور حاکم رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے اور ابن مردویہ نے اور بیہقی رحمہ اللہ نے "الدلائل" میں روایت کیا ہے اور اس کے کئی طرق ہیں۔ ابو نعیم رحمہ اللہ کے نزدیک سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت ہے اور دیلمی میں مجاہد رحمہ اللہ کے طریق سے آئی ہے، انھوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تم سب سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا مگر قرابت کی دوستی کا کہ میرے اہلِ بیت میں میری حفاظت کرو اور ان کو میرے لیے دوست رکھو۔" مگر اس کی سند ضعیف ہے۔[2]

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ ان میں اول معنی ہی صحیح ہے۔ ان سے ان کے تلامذہ اور بعد کے لوگوں کی ایک بڑی جماعت نے روایت کیا ہے اور یہ اس کے نسخ کی روایت کے

---

[1] المستدرك (۲/ ٤٤٤)

[2] فتح القدير (٤/ ٧٠٣)

منافی نہیں ہے، کیوں کہ اس سے کوئی چیز روک نہیں رہی ہے کہ یہ آیت مکے میں اتری ہو اور اس کے بعد استثنا نسخ پذیر ہوگیا ہو، کیوں کہ آپ علے الاطلاق پیغام رسانی پر اجرت کے خواستگار نہیں ہوئے۔[1] انتهیٰ.

ساتویں آیت:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ﴾ [الشوریٰ: ٣٩]

[اور وہ لوگ کہ جب ان پر زیادتی واقع ہوتی ہے وہ بدلہ لیتے ہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [الشوریٰ: ٤٣] [اور بلاشبہ جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو بے شک یہ یقیناً بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے] سے منسوخ ہے، یعنی پہلی آیت میں ظلم کے وقت بدلہ لینے کی تعریف اور اس میں عدل کا طریقہ ظاہر کیا گیا کہ برائی کا بدلہ اسی کے مثل برائی ہے، اس کے بعد صبر اور عفو کا حکم دیا، اس لیے بدلہ لینے کا حکم نسخ پذیر ہوگیا۔ درحقیقت یہ نسخ نہیں ہے، بلکہ اعلیٰ امور کی طرف ہدایت ہے کہ بدلہ اور انتقام لینے کے جواز کے باوجود عفو و صبر کی بڑی فضیلت ہے۔

درعفو لذتے ست کہ درانتقام نیست

[عفو میں جو لذت ہے وہ انتقام میں نہیں ہے]

آٹھویں آیت:

﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ [الشوریٰ: ٤١]

[اور بے شک جو شخص اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لے لے تو یہ وہ لوگ ہیں جن پر کوئی راستہ نہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [الشوریٰ: ٤٣] [اور بلاشبہ جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو بے شک یہ یقیناً بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے] سے منسوخ ہے۔ "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ یہ سب جہاد سے نسخ پذیر ہے اور مشرکین کے ساتھ خاص ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ عام ہے اور یہی نظمِ قرآن کا ظاہر ہے۔[2]

[1] فتح القدیر (٤/ ٧٠٣)

[2] فتح القدیر (٤/ ٧٠٩)

نویں آیت:

﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ [الشوریٰ: ٤٨]

[پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو ہم نے تجھے ان پر کوئی نگران بنا کر نہیں بھیجا، تیرے ذمے پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے اور اس جیسی آیت کے بارے میں مکرر بات گزر چکی ہے۔

سورۃ الزخرف:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت بالاجماع مکی ہے۔[1] اس میں دو حکم منسوخ ہیں۔

پہلا حکم:

﴿فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ﴾ [الزخرف: ٨٣]

[پس انھیں چھوڑ دے فضول بحث کرتے رہیں اور کھیلتے رہیں، یہاں تک کہ اپنے اس دن کو جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے]

کہتے ہیں کہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے اور یومِ موعود سے مقصود یوم قیامت ہے یا دنیوی عذاب۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ منسوخ نہیں ہے، بلکہ تہدید کے طور پر آئی ہے۔

دوسرا حکم:

﴿فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ [الزخرف: ٨٩]

[پس ان سے درگزر کر اور کہہ سلام ہے، پس عن قریب وہ جان لیں گے]

کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کے ارشاد: ﴿وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى﴾ [طٰہٰ: ٤٧] [اور سلام اس پر جو ہدایت کے پیچھے چلے] سے منسوخ ہے۔ "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ محکم ہے، منسوخ نہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی سخت تہدید اور بڑی وعید ہے۔[2]

---

[1] فتح القدیر (٤/ ٧١٥)

[2] فتح القدیر (٤/ ٧٤٢)

سورۃ الدخان:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

﴿إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا﴾ [الدخان: ١٥] [بے شک ہم یہ عذاب تھوڑی دیر کے لیے دور کرنے والے ہیں] کے۔[1] اس سورت میں ایک آیت منسوخ ہے اور وہ یہ ہے:

﴿فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ﴾ [الدخان: ٥٩]

[پس انتظار کر، بے شک وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں]

اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ محکم ہے۔ معنی یہ ہے کہ اس وعدے کا انتظار کرو، جو ہم نے ان پر فتح و نصرت اور آپ کے ہاتھوں ان کی ہلاکت کا کیا ہے، کیوں کہ یہ بھی آپ کی موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ انتظار کرو کہ تمھارے اور ان کے درمیان اللہ کیا فیصلہ کرتا ہے، کیوں کہ یہ بھی آپ پر حوادثِ زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں۔ دونوں معانی ہی ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

سورۃ الجاثیۃ:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ پوری سورت سب کے نزدیک مکی ہے۔[2] اس میں صرف ایک آیت منسوخ ہے اور وہ یہ ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ﴾ [الجاثية: ١٤]

[ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں کہہ دے کہ وہ ان لوگوں کو معاف کر دیں، جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے]

کہتے ہیں کہ اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ مشرکین کی ایذا رسانی سے آنحضرت ﷺ اعراض کر رہے تھے اور وہ آپ کی تکذیب اور استہزا کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان سے قتال کا حکم دیا، گویا یہ حکم نسخ پذیر ہوگیا۔ یہ ان سے ابن جریر، ابن المنذر اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔[3]

---

[1] فتح القدير (٤/ ٧٤٣)

[2] فتح القدير (٤/ ٥)

[3] تفسير الطبري (١١/ ٢٥٦)

سورة الأحقاف:

حسن، جابر اور عکرمہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ یہ موقف سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے، مگر ایک آیت مدنی ہے اور وہ اللہ کا ارشاد: ﴿قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، إلىٰ آخرها﴾ ہے۔[1] اس میں دو آیتیں منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ [الأحقاف: ۹]

[میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں اور نہ میں یہ جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ (یہ کہ) تمھارے ساتھ (کیا) میں تو بس اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے اور میں تو بس واضح ڈرانے والا ہوں]

کہتے ہیں کہ ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ [الفتح: ۲] [تا کہ اللہ تیرے لیے بخش دے تیرا کوئی گناہ جو پہلے ہوا اور جو پیچھے ہوا] سے منسوخ ہے۔ یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ "فتح القدیر" میں آیت کا معنی یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ زمانہ مستقبل میں کیا کیا جائے گا، میں مکہ ہی میں رہوں گا کہ یہاں سے باہر چلا جاؤں گا، میری موت ہوگی یا مارا جاؤں گا اور تمھیں جلد عذاب دیا جائے گا یا مہلت دیے جاؤ گے۔ یہ سب دنیا میں ہے، لیکن آخرت میں تو یقین ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت جنت میں ہوگی اور کافر جہنم میں ہوں گے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ قیامت کے روز میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ جب یہ آیت اتری تو مشرکین نے تنقید کی کہ ہم کیسے اس پیغمبر کی پیروی کریں، جو خود نہیں جانتا کہ اس کے اور ہمارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ اس کی ہمارے اوپر کوئی فضیلت نہیں ہے، پھر ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ﴾ اتری۔ مگر پہلا معنی اولیٰ اور بہتر ہے۔[2]

---

[1] فتح القدير (۵/ ۱۷)

[2] فتح القدير (۵/ ۲۰)

دوسری آیت:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ [الأحقاف: ٣٥]

[پس صبر کر جس طرح پختہ ارادے والے رسولوں نے صبر کیا]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے، لیکن صحیح اس کا عدمِ نسخ ہے، کیوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے مجاہدے پر صبر کرو، جیسے اولو العزم انبیا و رسل صبر کرتے تھے، کیوں کہ تم بھی انہیں میں سے ہو۔ شعبی اور کلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اولوا العزم سے مقصود وہ ہیں، جنھیں قتال کرنے کا حکم دیا گیا۔[1]

سورت محمد:

ماوردی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سورت سب کے نزدیک مدنی ہے، لیکن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ اس کی ایک آیت کو مکی قرار دیتے ہیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے بعد مکے سے نکلنے کے وقت بیت اللہ کی طرف دیکھا، اس وقت یہ آیت اتری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے کی جدائی پر رو رہے تھے اور وہ اللہ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيٓ أَخْرَجَتْكَ﴾ [محمد: ١٣]

[اور کتنی ہی بستیاں ہیں جو تیری اس بستی سے قوت میں زیادہ تھیں جس نے تجھے نکالا]

جب کہ ضحاک اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کا مکی ہونا غلط ہے، بلکہ یہ پوری سورت مدنی ہے۔[2] بالجملہ نہ اس میں ناسخ ہے اور نہ منسوخ۔ البتہ بعض کے نزدیک ایک آیت منسوخ ہے اور وہ یہ ہے: ﴿فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَآءً﴾ [محمد: ٤] [پھر بعد میں یا تو احسان کرنا ہے اور یا فدیہ لے لینا] کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے، جب کہ صحیح اس کا عدمِ نسخ ہے، کیوں کہ یہ تخییر، قتال میں اسیر کرنے کے بعد ہے نہ کہ پہلے، جیسا کہ سیاقِ آیت اس پر دلالت کر رہا ہے:

﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰٓ إِذَآ أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ﴾ [محمد: ٤]

[تو جب ان لوگوں سے ملو جنھوں نے کفر کیا تو گردنیں مارنا ہے، یہاں تک کہ جب

[1] فتح القدير (٥/ ٣٦)

[2] فتح القدير (٥/ ٣٨)

انھیں خوب قتل کر چکو تو ان کو مضبوط باندھ لو]

اِثخان قتل میں مبالغہ اور زیادتی کرنا ہے۔ "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ علما اس آیت میں اختلاف کرتے ہیں کہ محکم ہے یا منسوخ؟ کہا گیا ہے کہ بت پرستوں کے بارے میں منسوخ ہے۔ فدیہ اور ان پر احسان جائز ہے اور اس کی ناسخ آیتِ سیف اور اللہ کا ارشاد: ﴿فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ﴾ [الأنفال: ٥٧] [پس اگر کبھی تو انھیں لڑائی میں پا ہی لے تو ان (پر کاری ضرب) کے ساتھ ان لوگوں کو بھگا دے جو ان کے پیچھے ہیں] اور اللہ کا یہ ارشاد: ﴿وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ [التوبة: ٣٦] [اور مشرکوں سے ہر حال میں لڑو] ہے۔

قتادہ، ضحاک، سدی، ابن جریج رحمہم اللہ اور بہت سے اہلِ کوفہ اسی کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ سب سے آخر پر اترنے والی سورت، سورۃ المائدۃ ہے۔ پس ہر مشرک کا قتل واجب ہے، مگر جن کے ترکِ قتل پر دلیل موجود ہو اور ایسے ہی عورتوں اور بچوں کو اور جس سے جزیہ لیا جاتا ہو۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور مذہب ہے اور یہ عطا رحمہ اللہ وغیرہ سے روایت کیا گیا ہے۔ بہت سے علما کہتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے اور امام کو اسے قتل اور قید کرنے اور قید کے بعد احسان اور فدیہ لینے کا اختیار ہے۔ مالک، شافعی، ثوری، اوزاعی اور ابوعبید رحمہم اللہ وغیرہ اسی کے قائل ہیں اور یہی راجح ہے، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاے راشدین نے یہ کیا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فدیہ و اسیر بنانا اِثخان اور قتل بالسیف کے بعد ہی جائز ہوگا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ﴾ [الأنفال: ٦٧]

[کبھی کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس کے ہاں قیدی ہوں، یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون بہا لے]

لہٰذا جب خونریزی کے بعد قید کرے تو اس میں امام کی رائے ہے، قتل کرے یا کچھ اور کرے۔[1]

انتهیٰ، کلامه.

سورۃ الفتح:

سیدنا ابن عباس اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مدنی سورت ہے اور مروان رحمہ اللہ نے کہا

[1] فتح القدير (٥/ ٤١)

ہے کہ حدیبیہ کی شان میں اول سے آخر تک مکے اور مدینے کے درمیان اتری ہے۔ "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ یہ اس سورت کے مدنی ہونے پر اجماع کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ مدنی سورتوں سے مراد وہ سورتیں ہیں، جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔[1] اس سورت میں کوئی آیت منسوخ نہیں، بلکہ سب محکم ہیں۔

سورۃ الحجرات:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت بالاجماع مدنی ہے اور سیدنا ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں۔[2] اس میں ناسخ و منسوخ کوئی آیت نہیں ہے۔

سورت قٓ:

حسن، عکرمہ، عطا اور جابر رحمہم اللہ کے نزدیک پوری سورت مکی ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما و قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آیت کے سوا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾ [ق: ۳۸]

[اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، چھے دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کسی قسم کی تھکاوٹ نے نہیں چھوا][3]

اس میں صرف دو حکم منسوخ ہیں۔

پہلا حکم:

﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ [ق: ۳۹] [سو اس پر صبر کر جو وہ کہتے ہیں]

اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ اس کا معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی باتوں، ایذا رسانی اور ان کی تردید پر دلاسا دینا ہے اور یہ اس کے محکم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

---

[1] فتح القدیر (۵/ ۵۸)

[2] فتح القدیر (۵/ ۷۸)

[3] فتح القدیر (۵/ ۹۳)

دوسرا حکم:

﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ﴾ [ق: ٤٥] [اور تو ان پر کوئی زبردستی کرنے والا نہیں]

اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے، کیوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو ان پر مسلط نہیں کہ ان کے لیے ایمان پر جبر و زبردستی کرے۔

سورۃ الذاریات:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے۔[1] اس میں ایک آیت منسوخ ہے اور وہ ہے:

﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ﴾ [الذاريات: ٥٤]

[سو تو ان سے منہ پھیر لے، کیوں کہ تو ہرگز کسی طرح ملامت کیا ہوا نہیں]

اس کے بعد کفار سے تولی اور اعراض کا حکم آیتِ سیف سے منسوخ ہوگیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کے ارشاد: ﴿وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الذاريات: ٥٥] [اور نصیحت کر کیوں کہ یقیناً نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے] سے منسوخ ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ کفارِ مکہ کو نصیحت کریں، کیوں کہ انھیں نصیحت کرنے کا فائدہ اللہ کے علم میں یہ ہے کہ وہ ایمان لائیں گے۔ نیز کہتے ہیں کہ انھیں عقوبت اور ایامِ الٰہیہ کے ذریعے تذکیر کریں اور مومنوں کو خصوصیت سے نصیحت کریں، کیوں کہ اس سے فائدہ وہی حاصل کریں گے۔

سورۃ الطور:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے۔[2] اس میں ایک حکم منسوخ ہے اور وہ ہے:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ [الطور: ٤٨]

[اور اپنے رب کا حکم آنے تک صبر کر، پس بے شک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے]

---

[1] فتح القدير (٥/ ١٠٩)

[2] فتح القدير (٥/ ١٢٤)

اس کی ناسخ سیف کی آیت ہے۔ اگر یہاں صبر کا معنی جہاد پر صبر ہو، جیسا کہ سیاقِ آیت ''تو ہماری حفاظت وحمایت اور ہماری نگاہ میں ہے'' پر دلالت کر رہا ہے، تو یہ آیت محکم ہوگی۔

سورة النجم:

جمہور کے نزدیک پوری سورت مکی ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ایک آیت کے سوا اور وہ آیت ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ، الخ﴾ [النجم: ٣٢] [وہ لوگ جو بڑے گناہوں ور بے حیائیوں سے بچتے ہیں مگر صغیرہ گناہ][1] اس میں دو آیتیں منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا﴾ [النجم: ٢٩]

[سو اس سے منہ پھیر لے جس نے ہماری نصیحت سے منہ موڑا]

اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے اور ذکر ایمان یا قرآن کے معنی میں یا اللہ کا عام ذکر مراد ہے۔

دوسری آیت:

﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ [النجم: ٣٩]

[اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کے اس ارشاد: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ﴾ [الطور: ٢١] [اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ان کے پیچھے چلی] سے منسوخ ہے۔ ''فتح القدير'' میں فرمایا ہے کہ انسان کے لیے اس کی کوشش اور اس کے عمل ہی کا اجر و ثواب ہے اور کسی کو کسی کا عمل فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ یہ عموم اللہ سبحانہٗ کے اس جیسے ارشاد: ﴿اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ [الطور: ٢١] [ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے] اور اس جیسی دیگر آیتوں سے مخصوص ہے، جو بندوں کے لیے انبیا و ملائکہ کی شفاعت اور میت کے لیے زندوں کے دعا وغیرہ کرنے کے جواز کے بارے میں وارد ہیں۔ جس نے کہا کہ ان امور سے یہ آیت منسوخ ہے، وہ صواب کو نہیں پہنچا، کیوں کہ خاص عام کا ناسخ نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کا مخصص ہوگا، ہر اس چیز سے جس پر دلیل قائم

[1] فتح القدير (٥/ ١٣٧)

ہے کہ انسان ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اور وہ بھی اس کی سعی (کوشش) میں داخل ہے تو یہ اس آیت کے عموم کی مخصص ہوگی۔[1]

سورۃ القمر:

یہ پوری سورت جمہور کے نزدیک مدنی ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ نے کہا ہے تین آیتیں اللہ کے اس ارشاد: ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ﴾ [القمر: ٤٤] [یا وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک جماعت ہیں، جو بدلہ لے کر رہنے والے ہیں؟] سے اس کے ارشاد: ﴿وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ﴾ [القمر: ٤٦] [اور قیامت زیادہ بڑی مصیبت اور زیادہ کڑوی ہے] تک مدنی نہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔[2] اس میں ایک حکم منسوخ ہے اور وہ یہ ہے:

﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ﴾ [القمر: ٦]

[سو ان سے منہ پھیر لے۔ جس دن پکارنے والا ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا]

اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے، کیوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ان میں انذار اثر نہیں کرتا تو ان سے اعراض کرو۔

سورۃ الرحمٰن:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حسن، عروہ بن زبیر، عکرمہ، عطا اور جابر رحمہم اللہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ایک آیت: ﴿يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [الرحمٰن: ٢٩] [اسی سے مانگتا ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے] کے سوا جو مدنی ہے، جب کہ پہلا موقف زیادہ صحیح ہے۔[3] اس سورت میں صحیح ترین قول کے مطابق کوئی ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔

سورۃ الواقعۃ:

حسن، عکرمہ، جابر اور عطا رحمہم اللہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور

---

[1] فتح القدير (٥/ ١٥١۔ ١٥٢)

[2] فتح القدير (٥/ ١٥٨)

[3] فتح القدير (٥/ ١٧٣)

قتادہ رحمہ اللہ نے ایک آیت کو مدنی کہا ہے اور وہ اللہ کا ارشاد: ﴿وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ﴾ [الواقعة: ۸۲] [اور تم اپنا حصہ یہ ٹھہراتے ہو کہ بے شک تم جھٹلاتے ہو] ہے۔[1] صحیح ترین قول کے مطابق کوئی اس میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔

سورة الحديد:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مدنی ہے۔ سیوطی رحمہ اللہ بسند ضعیف سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت لائے ہیں کہ یہ آیت منگل کے دن اتری، منگل کے روز اللہ نے لوہا (حدید) پیدا کیا، ابن آدم (قابیل) نے اپنے بھائی کو منگل کے دن قتل کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منگل کے دن ''حجامت'' (سینگی لگوانے) سے نہی فرمائی۔[2] اس سورت میں کوئی ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔

سورة المجادلة:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سب کے قول میں مدنی سورت ہے، مگر عطا رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے کہ اول کی دس آیات مدنی اور باقی سب مکی ہیں۔ کلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس آیت: ﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ﴾ [المجادلة: ۷] [کوئی تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے] کے سوا سب مدنی ہیں، یہ مکے میں اتری ہے۔[3] اس میں ایک حکم منسوخ ہے اور وہ یہ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً﴾
[المجادلة: ۱۲]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ پیش کرو]

اس کا ناسخ اللہ کا یہ ارشاد: ﴿فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ [المجادلة: ۱۳] [سو جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ نے تم پر مہربانی فرمائی] ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ آیتِ زکات سے

---

[1] فتح القدير (۵/ ۱۹۵)

[2] حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: "رواه الطبراني، وفيه مسلمة بن علي، وهو ضعيف" (مجمع الزوائد: ۷/ ۱۲۳)

[3] فتح القدير (۵/ ۲۴۰)

منسوخ ہے۔ درست یہ ہے کہ اس کا ناسخ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [المجادلة: ١٢] [پھر اگر نہ پاؤ تو یقیناً اللہ بے حد بخشنے والا نہایت مہربان ہے] ہے۔

اس کے سببِ نزول کے بارے میں کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک قوم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تخلیہ کرتی تھی تو ان کی دوسری جماعت نے سمجھا کہ اس خلوت میں ہماری تنقیص کرتے ہیں، تو تخلیہ و سرگوشی سے پہلے صدقے کا حکم صادر ہوا اور اس تدبیر سے ان کے تخلیہ طلب کرنے کی بندش کی صورت ہوئی۔ بعض نے کہا ہے کہ اہلِ نجویٰ یہود اور منافقین تھے اور عادت شریف ایسی تھی کہ آپ ﷺ کسی کو بات اور مشورے سے نہیں روکتے تھے۔ مسلمانوں پر یہ بات دشوار ہوئی اور صدقہ کرنے کی آیت اتری۔ اہلِ باطل نجویٰ سے پہلے صدقہ نہیں کر سکتے تھے اور مسلمان بھی اس سے باز رہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تخفیف کر دی۔ "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ اسی آیت سے فعل کے ہونے سے پہلے نسخ کے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیوں کہ فعل ہونے کے بعد ہی نسخ ہوا ہے، چنانچہ بعض نے اس پر عمل کیا تھا۔[1] انتھی.

میں کہتا ہوں کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز آپ رضی اللہ عنہ نے خطبے میں فرمایا: قرآن میں ایک سورت ہے اور اس سورت میں ایک آیت ہے، جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ اس پر کوئی میرے بعد قیامت تک عمل کرے گا۔ لوگوں نے سوال کیا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: یہ آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ...... الخ﴾ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ آیت میں حکم ندب کے لیے تھا نہ کہ وجوب کے لیے۔ مقاتل بن حیان رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حکم دس راتوں تک باقی رہا، اس کے بعد منسوخ ہو گیا۔ کلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ایک رات اور قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دن کی ایک ساعت۔ یہیں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو رسائلِ زیارتِ مدینہ علی صاحبها الصلوٰة والسلام میں لکھا ہوا ہے کہ زائر مزار مبارک پر پہنچنے سے پہلے صدقہ دے اور حیاتِ انبیا کی بنیاد پر اس آیت سے تمسک کیا ہے، اعتبار سے گرا ہوا ہے، کیوں کہ یہ آیت منسوخ ہے۔[2] شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ

---

[1] فتح القدير (٥/ ٢٠١ ـ ٢٠٢)

[2] فتح القدير (٥/ ٢٠٣ ـ ٢٠٤)

نے "الفوز الکبیر" میں فرمایا ہے کہ یہ آیت اپنے مابعد کی آیت سے منسوخ ہے، میں نے کہا کہ ایسے ہی ہے جیسے انھوں نے فرمایا ہے۔[1] انتھیٰ.

سورۃ الحشر:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مدنی ہے۔[2] اس میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ ہاں ایک آیت اس میں ناسخ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ [الحشر: ۷]

[جو کچھ بھی اللہ نے ان بستیوں والوں سے اپنے رسول پر لوٹایا تو وہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے]

کیوں کہ اس میں فے کے مصارف کا اس کے بعد بیان ہے کہ فے اللہ اور رسول کے لیے خاص ہے، لہٰذا اللہ کا ارشاد: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ [الأنفال: ۱] [وہ تجھ سے غنیمتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں] اس کے آخر تک منسوخ ہوگا۔ "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ اہلِ علم اس آیت اور اس سے پہلے کی آیت کے بارے میں کلام کرتے ہیں کہ دونوں متفق ہیں یا مختلف؟ کچھ نے متفق کہا اور کچھ نے مختلف اور اس میں طویل کلام ہے۔ ابن العربی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، کیوں کہ یہاں تین آیات میں تین معانی ہیں:

① ﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ﴾ [الحشر: ٦] [اور جو (مال) اللہ نے ان سے اپنے رسول پر لوٹایا] ہے، یہ نبی ﷺ کے لیے خاص ہے اور اس سے مراد بنونضیر کے اموال ہیں اور جو بھی اس کے مثل ہو۔

② ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ [الحشر: ۷] [جو کچھ بھی اللہ نے ان بستیوں والوں سے اپنے رسول پر لوٹایا] یہ پہلی آیت کے سوا ابتدائی کلام ہے، اول کے سوا سزاوار کے لیے، اگر چہ یہ آیت اور آیت اولیٰ اس بات میں مشترک ہیں کہ دونوں اسی چیز کو متضمن

---

① الفوز الکبیر (ص: ٥٩)

② فتح القدیر (٥/ ٢٠٨)

ہیں، کہ اللہ نے فے اپنے رسول ﷺ کے لیے مقرر کیا ہے اور آیتِ اولیٰ کا مقتضا اس کا بغیر قتال کے حاصل ہونا ہے اور آیتِ ثانیہ کا مقتضا اس کا قتال سے حاصل ہونا ہے۔

③ ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ [الحشر: ٧] [جو کچھ بھی اللہ نے ان بستیوں والوں سے اپنے رسول پر لوٹایا] قتال یا بغیر قتال کے حصول کے ذکر سے خالی ہے۔ اختلاف یہیں سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ یہ پہلی آیت کے ساتھ ملحق ہے، جو صلح کا مال ہو۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ تیسری سے ملحق ہے، جو آیتِ انفال ہوگی۔ جو آیتِ انفال سے ملحق قرار دیتے ہیں وہ اختلاف کرتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے یا محکم۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس سورت کی پہلی آیت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور دوسری آیت بنوقریظہ کے بارے میں ہے، یعنی اس کا معنی آیتِ انفال کی طرف لوٹ رہا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ فے کے خمس کا طریقہ وہی ہے، جو مالِ غنیمت کے خمس کا طریقہ ہے، خمس کا چوتھائی رسول اللہ ﷺ کا تھا اور یہ آنحضرت ﷺ کے بعد مسلمانوں کے مفادات کے لیے ہوگا۔[1]

سورۃ الممتحنۃ:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مدنی ہے۔[2] اس میں تین آیتیں منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ﴾ [الممتحنة: ٨]

[اللہ تمھیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ قتال سے منسوخ ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں فرمایا

① فتح القدير (٥/ ٢٦٢۔ ٢٦٣)

② فتح القدير (٥/ ٢٧٩)

ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں یہ عہد کرنے والے کافروں کے ساتھ نیکی کرنے سے نہیں روکتا، جو مومنوں سے ترکِ قتال کا عہد کرتے ہیں اور اس پر کہ وہ تمھارے خلاف کافروں کی مدد نہیں کریں گے، ان کے ساتھ عدل کا معاملہ کرنے سے نہیں روکتا۔ ابن زید رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ ابتدائے اسلام میں موادعت اور قتال نہ کرنے کے حکم کے وقت تھا، اس کے بعد منسوخ ہوگیا۔ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کا نسخ ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَ جَدْتُّمُوْهُمْ﴾ [التوبة: ٥] [تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو] نے کردیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حکم آنحضرت ﷺ اور قریش کے مابین معاہدے کے وقت ثابت تھا اور جب مکہ فتح ہوگیا، معاہدہ زائل ہوگیا تو یہ حکم بھی منسوخ ہوگیا۔ نیز کہتے ہیں کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کے خلفا کے بارے میں اور جس کے درمیان عہد ہوا ہو، خاص ہے۔ کلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ خزاعہ اور بنو الحارث بن عبد مناف ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے بارے میں خاص ہے، جو ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی۔ نیز کہا گیا ہے کہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اکثر اہلِ تاویل سے حکایت کیا ہے کہ یہ آیت محکم ہے۔[1]

دوسری آیت:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ﴾ [الممتحنة: ١٠]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کی جانچ پڑتال کرو]

کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کے اس ارشاد: ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ﴾ [التوبة: ١] [اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے بری ہونے کا اعلان ہے] سے اس کے ارشاد: ﴿اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ﴾ [التوبة: ١٢] [اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسمیں] تک سے منسوخ ہے۔ یہ حدیبیہ کے روز آنحضرت ﷺ اور قریش کے مابین اس بات پر معاہدے کے وقت تھی کہ جو مسلمان ہو کر آئے گا، اسے واپس کر دیں گے۔ جب عورتیں ہجرت کر کے پہنچیں، تو انھیں مشرکین کو واپس کرنے سے اللہ خوش نہیں ہوا اور ان کے امتحان کا حکم اتار دیا۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ اہلِ علم اس میں اختلاف کرتے ہیں کہ عورتیں معاہدے اور مصالحت میں داخل تھیں یا نہیں؟ جو داخل مانتے ہیں ان کے نزدیک یہ آیت

[1] فتح القدیر (٥/ ٢٨٣)

معاہدے کی مخصص ہوگی اور یہی اکثر کا قول ہے اور دوسرے قول پر نہ نسخ ہے نہ تخصیص۔[1]

تیسری آیت:

﴿وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا﴾ [الممتحنة: ١١]

[اور اگر تمھاری بیویوں میں سے کوئی کافروں کی طرف چلی جائے، پھر تم بدلہ حاصل کرو تو جن لوگوں کی بیویاں چلی گئی ہیں انھیں اتنا دے دو جتنا انھوں نے خرچ کیا]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے اور کہا گیا ہے کہ اللہ کے ارشاد: ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِه، الآيات﴾ سے منسوخ ہے۔[2] "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ آیت منسوخ ہے اور فتح کے بعد اس کا حکم ٹوٹ گیا۔ "الفوز الکبیر" میں فرمایا ہے کہ کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ غنیمت سے منسوخ ہے اور کہتے ہیں کہ محکم ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اظہر یہی ہے کہ آیت محکم ہے، لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب مسلمان کمزور ہوں اور کافر قوت میں ہوں۔[3] انتھیٰ.

سورۃ الصف:

ماوردی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مدنی ہے۔[4] اس میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔

سورۃ الجمعۃ:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت تمام اہلِ علم کے نزدیک مدنی ہے۔[5] اس میں کوئی آیت ناسخ ہے نہ منسوخ۔

سورۃ المنافقون:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مدنی ہے۔[6] اس میں ناسخ ہے، لیکن

---

1. فتح القدیر (٥/ ٢٨٦)
2. فتح القدیر (٥/ ٢٨٧)
3. الفوز الکبیر (ص: ٥٩)
4. فتح القدیر (٥/ ٢٩١)
5. فتح القدیر (٥/ ٢٩٨)
6. فتح القدیر (٥/ ٣٠٥)

منسوخ نہیں ہے اور وہ اللہ کا یہ ارشاد ہے:

﴿سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ أَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ أَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ﴾ [المنافقون: ٦]

[ان پر برابر ہے کہ تو ان کے لیے بخشش کی دعا کرے، یا ان کے لیے بخشش کی دعا نہ کرے]

اس پر کلام گزر چکا ہے۔

سورۃ التغابن:

اکثر کے نزدیک سورت مدنی ہے اور ضحاک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مکی ہے۔ کلبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مکی مدنی دونوں ہے۔[1] اس سورت میں منسوخ کوئی آیت نہیں، لیکن ایک آیت ناسخ ہے اور وہ اللہ کا یہ ارشاد ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ﴾ [التغابن: ١٦] [سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو]

سورۃ الطلاق:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مدنی ہے،[2] اس میں ناسخ ہے، منسوخ نہیں ہے اور وہ اللہ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَأَشۡهِدُوا ذَوَيۡ عَدۡلٍ مِّنكُمۡ﴾ [الطلاق: ٢] [اور اپنوں میں سے دو صاحبِ عدل آدمی گواہ بنا لو]

سورۃ التحریم:

اسے سورۃ النبی (ﷺ) کہتے ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سورت سب کے نزدیک مدنی ہے۔[3] اس میں ایک آیت ناسخ ہے، لیکن اس میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے اور وہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ، الآية﴾ [التحریم: ١]

[اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا ہے؟]

سورۃ الملک:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے اور اس سورت کے کئی نام ہیں، جیسے سورت "تبارك"، "الواقية"، "المنجية"، "المانعة" وغیرہ۔[4] اس میں نہ ناسخ ہے نہ منسوخ۔

---

[1] فتح القدير (٥/ ٣١٢)

[2] فتح القدير (٥/ ٣١٩)

[3] فتح القدير (٥/ ٣٣١)

[4] فتح القدير (٥/ ٣٤٢)

سورت نٓ:

حسن، عکرمہ، عطا اور جابر رحمہم اللہ کے قول میں یہ سورت مکی ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما و قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس کے شروع سے لے کر اللہ کے اس ارشاد: ﴿سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ﴾ [نٓ: ١٦] [جلد ہی ہم اسے تھوتھنی پر داغ لگائیں گے] تک مکی ہے اور اس کے بعد اس کے ارشاد: ﴿مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ تک مدنی ہے، بقیہ سب مکی ہے۔ ایسے ہی ماوردی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔[1] اس سورت میں دو آیات منسوخ ہیں:

پہلی آیت:

﴿فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ﴾ [نٓ: ٤٤]

[پس چھوڑ مجھے اور اس کو جو اس بات کو جھٹلاتا ہے]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے اور حدیث یہاں قرآن کے معنی میں ہے۔ یہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ قیامت کا دن مراد ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دلاسا دینا ہے۔[2]

دوسری آیت:

﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ [نٓ: ٤٨] [پس اپنے رب کے فیصلے تک صبر کر]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے، کیوں کہ رب کے حکم سے اس میں کافروں کو مہلت دینا اور ان کے خلاف رسولِ مختار کی مدد میں تاخیر ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے مقصود پیغام رسانی ہے۔

سورۃ الحاقۃ:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے۔[3] اس میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔

---

[1] فتح القدير (٥/ ٣٥٤)

[2] تفسير القرطبي (١٨/ ٢١٩)

[3] فتح القدير (٥/ ٣٧٠)

سورۃ المعارج:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ بالاتفاق مکی سورت ہے۔[1] اس میں دو حکم منسوخ ہیں:

پہلا حکم:

﴿فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا﴾ [المعارج: ٥] [پس تو صبر کر، بہت اچھا صبر]

ابن زید رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے، کیوں کہ اس میں ان کے نزدیک اسلام کے ساتھ کفر و تکذیب پر اللہ کے ماسوا دوسروں سے شکوہ و شکایت کیے بغیر صبر کرنے کا حکم ہے اور یہی صبر جمیل کا معنی ہے۔[2]

دوسرا حکم:

﴿فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا﴾ [المعارج: ٤٢]

[پس انھیں چھوڑ دے کہ وہ بے ہودہ باتوں میں لگے رہیں اور کھیلتے رہیں]

اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے، کیوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو اپنے باطل میں کرید کرتے اور اپنی دنیا میں لہو ولعب کرتے چھوڑ دو اور تم وہی کرو جس پیغام رسانی کا تمھیں حکم دیا گیا ہے۔

سورت نوح:

ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔[3] اس میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔

سورۃ الجن:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے۔[4] اس میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔

سورۃ المزمل:

حسن، عکرمہ اور جابر رحمہم اللہ کے نزدیک یہ مکی سورت ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس

---

[1] فتح القدير (٥/ ٣٨٢)

[2] فتح القدير (٥/ ٣٨٤)

[3] فتح القدير (٥/ ٣٩٣)

[4] فتح القدير (٥/ ٤٠١)

کی دو آیتیں مدنی ہیں۔ ایک ﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ﴾ [المزمل: ۱۰] [اور اس پر صبر کر جو وہ کہتے ہیں] اور دوسری آیت جو اس سے متصل ہے۔ ثعلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اللہ کے ارشاد: ﴿اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰی﴾ [المزمل: ۲۰] [بلاشبہہ تیرا رب جانتا ہے کہ تو رات کو قیام کرتا ہے] سے آخر سورت تک مدنی ہے۔[1] اس میں پانچ آیات منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ [المزمل: ۲] [رات کو قیام کر مگر تھوڑا]

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ اس حکم کے ناسخ کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ﴾ [المزمل: ۲۰] [بلاشبہہ تیرا رب جانتا ہے کہ یقیناً تو رات کے دو تہائی کے قریب اور اس کا نصف اور اس کا تیسرا حصہ قیام کرتا ہے] آخر سورت تک ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ﴿عَلِمَ اَنْ سَیَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰی﴾ [المزمل: ۲۰] [اس نے جان لیا کہ یقیناً تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے] ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ صلواتِ خمسہ سے منسوخ ہے، چنانچہ مقاتل، امام شافعی اور ابن کیسان رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ﴾ [المزمل: ۲۰] [تو اس قرآن میں سے جو میسر ہو پڑھو] سے منسوخ ہے۔[2] انتھی.

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "الفوز الکبیر" میں فرمایا ہے کہ کہتے ہیں کہ آخرِ سورت سے منسوخ ہے اور آخرِ سورت صلواتِ خمسہ سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ صلواتِ خمسہ سے نسخ کا دعویٰ بے وجہ ہے، بلکہ درست یہ ہے کہ اول سورت قیام اللیل کے ندب کی تاکید میں ہے اور اس کا آخر محض ندب کی تاکید کا نسخ ہے۔[3] انتھی.

دوسری آیت:

﴿اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا﴾ [المزمل: ۳] [یا اس سے تھوڑا سا کم کر لے]

---

[1] فتح القدیر (۴۱۷)

[2] فتح القدیر (۵/ ۴۱۹)

[3] الفوز الکبیر (ص: ۶۰)

یہ آیت اللہ کے اس ارشاد: ﴿عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ [المزمل: ٢٠] [اس نے جان لیا کہ تم ہرگز اس کی طاقت نہیں رکھو گے، سو اس نے تم پر مہربانی فرمائی] سے منسوخ ہے اور اس سے مقصود نصف رات کے قیام کو ثلث کے ساتھ کم کرنا ہے۔[1]

تیسری آیت:

﴿اَوْ زِدْ عَلَيْهِ﴾ [المزمل: ٤] [یا اس سے زیادہ کر لے] کہتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کے ارشاد: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ [المزمل: ٢٠] [تو قرآن میں سے جو میسر ہو پڑھو] سے منسوخ ہے۔ امام سدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ﴿مَا تَيَسَّرَ﴾ سو آیات ہیں۔ سعید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پچاس آیات ہیں اور حسن رحمہ اللہ نے فرمایا جو مغرب اور عشا میں پڑھی جاتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں قرآن نماز کے معنی میں ہے، جیسے اللہ کا ارشاد: ﴿وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ ہے، یعنی جو تمھیں میسر ہو پڑھو۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدير" میں لکھا ہے کہ اس آیت ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ [المزمل: ٢٠] [تو قرآن میں سے جو میسر ہو پڑھو] نے قیام اللیل، نصف اور نصف سے کم و بیش کو منسوخ کر دیا ہے۔ تو احتمال ہے کہ یہ آیت جس پر متضمن ہے، فرض ثانی ہو یا اللہ کے ارشاد: ﴿فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ [بني إسرائيل: ٧٩] [پھر اس کے ساتھ بیدار رہ، اس حال میں کہ تیرے لیے زائد ہے۔ قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود پر کھڑا کرے] سے منسوخ ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ان دونوں سے ایک پر سنت سے استدلال واجب ہے، تو میں نے سنت سے پایا کہ نماز خمسہ کے سوا کوئی نماز واجب نہیں ہے۔ ایک قوم کا یہ مذہب ہے کہ قیام اللیل آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کے بارے میں منسوخ ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ مقدار کے ساتھ تقدیر منسوخ ہے اور اصل وجوب برقرار ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں فرض ہے اور آپ ﷺ کی امت کے حق میں منسوخ ہے، جب کہ اولیٰ یہ ہے کہ بالعموم آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت سے منسوخ ہے۔

اللہ کے ارشاد: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ [المزمل: ٢٠] [تو قرآن میں سے جو میسر ہو پڑھو] میں کوئی ایسی چیز نہیں جو وجوب میں سے کچھ کے برقرار رہنے پر دلالت کر رہی ہو،

[1] فتح القدير (٥/ ٤١٨)

کیوں کہ اگر اس سے مقصود قراءتِ قرآن ہے تو مغرب وعشا اور ان کے بعد کے نوافل میں موجود ہے اور اگر رات کی نماز کے معنی میں ہے تو یہ نماز مغرب وعشا اور اس کے ماتحت نوافل کے ذریعے موجود ہے۔ نیز احادیثِ صحیحہ کہ آنحضرت ﷺ سے سائل نے پوچھا کہ آیا مجھ پر ان کے یعنی نماز پنج گانہ کے سوا نماز ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، مگر یہ کہ نفل پڑھو۔[1] اس کی صراحت کر رہی ہیں اور یہ پنج گانہ نماز کے ماسوا کے عدمِ وجوب پر دلالت کر رہی ہے، لہٰذا اسی سے قیام اللیل کا وجوب آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ کی امت سے اٹھ گیا، جیسے کہ اس کا وجوب آنحضرت ﷺ سے اللہ کے ارشاد: ﴿وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ﴾ [بني إسرائيل: ۷۹] [اور رات کے کچھ حصے میں پھر اس کے ساتھ بیدار رہ، اس حال میں کہ تیرے لیے زائد ہے] سے اٹھ گیا ہے۔ واحدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے ارشاد: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ [المزمل: ۲۰] [تو قرآن میں سے جو میسر ہو پڑھو] کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ صدرِ اسلام میں تھا، اس کے بعد نمازِ پنج گانہ کے ذریعے منسوخ ہوگیا اور آنحضرت ﷺ پر خصوصیت سے ثابت رہ گیا۔[2]

چوتھی آیت:

﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا﴾ [المزمل: ۱۰]

[اور اس پر صبر کر جو وہ کہتے ہیں اور انھیں چھوڑ دے، خوبصورت طریقے سے چھوڑنا]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے، یعنی کافروں کی ایذا رسانی و بدزبانی اور استہزا پر صبر کر، ان سے تعرض نہ کر، ان سے انتقام لینے کی فکر نہ کر۔ نیز کہتے ہیں کہ ﴿هَجْرًا جَمِيْلًا﴾ یہ ہے کہ جس میں رونا اور فریاد کرنا نہ ہو اور یہ حکم قتال کے حکم سے پہلے کا ہے۔

پانچویں آیت:

﴿اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ [المزمل: ۱۹]

[یقیناً یہ ایک نصیحت ہے، تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ بنا لے]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے، جب کہ صحیح اس کا عدمِ نسخ ہے، کیوں کہ آیت

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (١١)

[2] فتح القدير (٥/ ٤٢٧)

کا مفہوم مخالف نہیں لیا گیا ہے، بلکہ معنی یہ ہے کہ تمام آیات وموعظت جو کہ پورے قرآن میں ہیں، نہ کہ صرف اس سورت میں، تذکرہ ہیں۔ جو چاہے اطاعت کے ذریعے، جس کی سب سے اہم صورت اس کی توحید ہے، اپنے رب تعالیٰ کی طرف راہ اختیار کرے، جو جنت تک راہ رساں ہے۔ اس میں یہ نہیں ہے کہ جو چاہے جہنم کی راہ پکڑ لے۔[1]

سورۃ المدثر:

بغیر اختلاف یہ مکی سورت ہے۔[2] اس میں ایک آیت منسوخ ہے اور وہ ہے:

﴿ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا﴾ [المدثر: ١١]

[چھوڑ مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا]

اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے، جب کہ صحیح اس کا عدمِ نسخ ہے، کیوں کہ اس کا ورود تہدید و وعید کے طور پر ہوا ہے۔ "وحید" سے مقصود ولید بن مغیرہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے چھوڑ دو، میں اس سے تمہارا انتقام لینے کے لیے کافی ہوں یا مجھے اور اسے چھوڑ دو، جسے میں نے اس کی ماں کے پیٹ میں اکیلا پیدا کیا، اس کے پاس مال تھا اور نہ اولاد۔[3]

سورۃ القیامۃ:

بغیر اختلاف یہ مکی سورت ہے۔[4] اس میں ایک آیت منسوخ ہے اور وہ ہے:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ [القيامة: ١٦]

[تو اس کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دے، تاکہ اسے جلدی حاصل کر لے]

اس کا ناسخ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى﴾ [الأعلى: ٦]

[ہم ضرور تجھے پڑھائیں گے تو تو نہیں بھولے گا]

---

① فتح القدير (٥/ ٤٢٦)

② فتح القدير (٥/ ٤٢٩)

③ فتح القدير (٥/ ٤٣٢)

④ فتح القدير (٥/ ٤٤٤)

جب کہ اصح یہ ہے کہ اس میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔ آیت مذکورہ کا معنی یہ ہے کہ وحی کے القا کے وقت اسے اخذ کرنے میں جلدی نہ کر، کیونکہ اس کی قراءت کو تیری زبان پر ثابت کرنا ہماری ذمے داری ہے، لہٰذا اس آیت کا معنی آیت ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى﴾ [الأعلىٰ: ٦] [ہم ضرور تجھے پڑھائیں گے تو تو نہیں بھولے گا] کے موافق ہوگا۔ اسی لیے اکثر اہلِ علم نے نسخ کے باب میں اس سے تعرض نہیں کیا ہے اور ایسے ہی اللہ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ﴾ [طٰه: ١١٤]

[اور قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کر، اس سے پہلے کہ تیری طرف اس کی وحی پوری کی جائے]

سورۃ الإنسان:

جمہور کہتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے اور مقاتل وکلبی نے فرمایا ہے کہ مکی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کے ارشاد: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا﴾ [الإنسان: ٢٣] [یقیناً ہم نے ہی تجھ پر یہ قرآن اتارا، تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا] سے آخر تک مکی ہے اور اس کے ماقبل مدنی ہے۔[1]

• اس میں تین آیات منسوخ ہیں۔

پہلی آیت:

﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا﴾ [الإنسان: ٨]

[اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور قیدی کو]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ یہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، یعنی یہ کافر اسیر کو کھانا کھلانا آیتِ سیف سے یا آیتِ صدقات سے نسخ پذیر ہوگیا۔ سعید رحمہ اللہ کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے کہ آیت محکم ہے اور یتیم ومسکین کو کھلانا نفل ہے اور اسیر کو کھانا کھلانا اس کی جان کی حفاظت کے لیے ہے، یہاں تک کہ امام اس کے بارے میں کوئی رائے اختیار کرے اور یہی راجح ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس آیت کا نزول سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہوا ہے۔[2] (أخرجه ابن مردويه)

---

[1] فتح القدير (٥/ ٤٥٦)

[2] فتح القدير (٥/ ٤٦٢۔ ٤٦٣)

دوسری آیت:

﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا﴾ [الإنسان: ٢٤]

[پس اپنے رب کے فیصلے تک صبر کر اور ان میں سے کسی گناہ گار یا بہت ناشکرے کا کہنا مت مان]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے، لیکن صحیح اس کا عدمِ نسخ ہے، کیوں کہ اس میں حکم سے مقصود اجل معین تک نصرت کی تاخیر میں قضاے خداوندی پر رضا ہے اور اس میں کافروں کی موافقت سے اپنے کلام ﴿لَا تُطِعْ﴾ سے نہی کی گئی ہے۔

تیسری آیت:

﴿فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ [الإنسان: ٢٩]

[تو جو چاہے اپنے رب کی طرف (جانے والا) راستہ اختیار کر لے]

کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے، لیکن اس میں مفہومِ مخالف مراد نہیں لیا گیا ہے کہ اس کا نسخ صحیح ہو، جیسا کہ پہلے گزرا ہے۔

سورة المرسلٰت:

حسن، عکرمہ، عطا اور جابر رحمہ اللہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور سیدنا قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ایک آیت مدنی ہے اور وہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ﴾ [المرسلٰت: ٤٨]

[اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھک جاؤ تو وہ نہیں جھکتے][1]

اس میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔

سورة النبأ:

سب کے نزدیک یہ مکی سورت ہے۔ اس میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔

سورة النازعات:

بغیر اختلاف مکی سورت ہے اور اس میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔

---

[1] فتح القدير (٥/ ٤٧١)

سورت عبس:

سب کے نزدیک مکی سورت ہے اور اس میں ایک آیت منسوخ ہے اور وہ ہے:

﴿فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ﴾ [عبس: ١٢] [تو جو چاہے اسے قبول کر لے]

اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے۔ اس جیسی آیت کے بارے میں کلام پہلے گزر چکا ہے۔

سورۃ التکویر:

بغیر اختلاف مکی سورت ہے، اس میں ایک آیت منسوخ ہے اور وہ ہے:

﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ﴾ [التكوير: ٢٨]

[اس کے لیے کہ جو تم میں سے چاہے کہ سیدھا چلے]

اس کا ناسخ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [التكوير: ٢٩]

[اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے، جو سب جہانوں کا رب ہے]

جب کہ صحیح اس کا عدمِ نسخ ہے، کیوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ سچائی اور ایمان و اطاعت پر استقامت کی توفیق کی مشیت اللہ سبحانہٗ کے دستِ اختیار میں ہے، تمھیں اس پر قدرت نہیں ہے، مگر اسی کی مشیت سے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [آل عمران: ١٤٥] [اور کسی جان کے لیے کبھی ممکن نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر مر جائے] نیز اس کے ارشاد: ﴿وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ [الأنعام: ١١١] [اور اگر واقعی ہم ان کی طرف فرشتے اتار دیتے اور ان سے مردے گفتگو کرتے اور ہم ہر چیز ان کے پاس سامنے لا جمع کرتے تو بھی وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے مگر یہ کہ اللہ چاہے] اور اس کے ارشاد: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [القصص: ٥٦] [بے شک تو ہدایت نہیں دیتا جسے تو دوست رکھے اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے] کے مانند ہے اور اس معنی میں آیاتِ قرآنیہ بہت ہیں جو سب محکمات ہیں۔

سورۃ الانفطار:

بغیر اختلاف مکی سورت ہے اور اس میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

سورۃ المطففین:

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ضحاک اور مقاتل رحمہ اللہ کے نزدیک مکی ہے اور حسن و عکرمہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدنی ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ اولین سورت ہے جو مدینے میں اتری۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مگر اللہ کے اس ارشاد: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا﴾ سے آخر تک آٹھ آیتیں مکی ہیں۔ کلبی اور جابر بن زید رحمہ اللہ نے کہا کہ مکے اور مدینے کے درمیان اتری۔[1] اس میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

سورۃ الانشقاق:

بغیر اختلاف مکی سورت ہے اور اس میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔

سورۃ البروج:

بغیر اختلاف مکی سورت ہے اور اس میں ناسخ ہے نہ منسوخ۔

سورۃ الطارق:

بغیر اختلاف مکی سورت ہے اور اس میں ایک آیت: ﴿فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا﴾ [الطارق: ١٧] [سو کافروں کو مہلت دے، مہلت دے انھیں تھوڑی سی مہلت] آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ آیت کے لفظ ﴿رُوَيْدًا﴾ کا معنی تھوڑا یا نزدیک ہے اور اس سے مقصود یومِ بدر ہے اور اس میں جو قتل اور قید کرنا وجود میں آیا تو اس معنی پر یہ آیت محکم ہوگی۔ اس میں آپ ﷺ کے دل کو تسلی دینا مقصود ہے۔

سورۃ الأعلیٰ:

جمہور کے نزدیک یہ مکی سورت ہے اور ضحاک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مدنی ہے۔[2] اس میں منسوخ

---

[1] فتح القدير (٥/ ٥٢٩)

[2] فتح القدير (٥/ ٥٦٣)

نہیں ہے، البتہ ایک آیت ناسخ ہے اور وہ یہ ہے:

﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى﴾ [الأعلى: ٦] [ہم ضرور تجھے پڑھائیں گے تو تو نہیں بھولے گا]
جب کہ صحیح یہ ہے کہ ناسخ نہیں ہے، کیوں کہ یہ جملہ مستانفہ ہدایتِ عامہ کو بیان کرنے کے بعد خصوصیت سے آنحضرت ﷺ کی راہنمائی کے بیان کے لیے ہے اور وہ نبی ﷺ کو حفظِ قرآن کے لیے راہنمائی کرنا ہے اور مقصود یہ ہے کہ ہم قراءت کے الہام کے ذریعے تمھیں قاری بنائیں گے۔ ﴿إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ اعم مفاعیل سے استثنا مفرغ ہے، یعنی تم فراموش نہیں کروگے، مگر جو کچھ اللہ چاہے کہ اسے فراموش کردو۔ فراء رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اللہ نے نہیں چاہا کہ آنحضرت ﷺ کسی چیز کو فراموش کریں، جیسے اللہ کا ارشاد: ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ﴾ [هود: ١٠٧] [ہمیشہ اس میں رہنے والے، جب تک سارے آسمان اور زمین قائم ہیں مگر جو تیرا رب چاہے] ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں نسیان بمعنی نسخ ہے، یعنی مگر وہ جس کی تلاوت وغیرہ کا نسخ اللہ چاہے گا۔[1]

سورۃ الغاشیۃ:

بغیر اختلاف مکی سورت ہے اور اس میں ایک ہی آیت ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ [الغاشية: ٢٢] [تو ہرگز ان پر کوئی مسلط کیا ہوا نہیں] منسوخ ہے اور اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے۔ لفظِ ﴿مُصَيْطِرٌ﴾ کا معنی مسلط ہے اور مقصد ان کا ایمان پر عدمِ اکراہ ہے۔

سورۃ الفجر:

بغیر اختلاف مکی سورت ہے اور اس میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔

سورۃ البلد:

بغیر اختلاف مکی سورت ہے اور اس میں منسوخ ہے اور نہ ناسخ۔

سورۃ الشمس:

بغیر اختلاف مکی سورت ہے اور اس میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔

---

[1] فتح القدير (٥/ ٥٦٥)

سورۃ اللیل:

جمہور کے نزدیک مکی سورت ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ مدنی ہے۔[1] اس میں ناسخ ہے اور نہ منسوخ۔

سورۃ الضحیٰ:

بغیر اختلاف مکی سورت ہے اور اس میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔

سورت الم نشرح:

بغیر اختلاف مکی سورت ہے اور اس میں ناسخ ہے اور نہ منسوخ۔

سورۃ التین:

جمہور کے نزدیک مکی سورت ہے اور اس میں ناسخ ہے اور نہ منسوخ۔

سورۃ العلق:

بغیر اختلاف مکی سورت ہے۔ یہ اولین سورت ہے، جو قرآن کریم سے اتری اور اس میں ناسخ ہے اور نہ منسوخ۔

سورۃ القدر:

اکثر مفسرین کے نزدیک مکی سورت ہے۔ ماوردی رحمہ اللہ نے ایسے ہی کہا ہے۔ ثعلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک مدنی سورت ہے۔ واقدی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اولین سورت ہے، جو مدینے میں اتری۔ سیدنا ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ مکے میں اتری۔[2] اس میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔

سورۃ العادیات:

سیدنا ابن مسعود، جابر، حسن، عکرمہ اور عطا رحمہم اللہ کے نزدیک مکی سورت ہے اور سیدنا ابن عباس، انس بن مالک رضی اللہ عنہم اور قتادہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدنی ہے۔[3] اس میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔

---

[1] فتح القدير (٥/ ٦٠٤)

[2] فتح القدير (٥/ ٦٣٣)

[3] فتح القدير (٥/ ٦٤٧)

سورۃ القارعۃ:

بغیر اختلاف مکی سورت ہے، اسے ابن مردویہ رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[1] اس میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔

سورۃ التکاثر:

سب کے نزدیک مکی سورت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ مدنی سورت ہے۔[2] اس میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔

سورۃ العصر:

جمہور کے نزدیک مکی سورت ہے اور قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مدنی ہے۔[3] اس میں ایک آیت: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾ [العصر: ۲] [کہ بے شک ہر انسان یقیناً گھاٹے میں ہے] منسوخ ہے، اس کا ناسخ اللہ کا ارشاد: ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، الخ﴾ [العصر: ۳] [سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے] ہے۔ حقیقت میں یہ نسخ نہیں، بلکہ عموم سے استثنا ہے، لہٰذا یہ عام کی تخصیص کے باب سے ہے اور خاص عام کا ناسخ نہیں ہوتا، جیسا کہ اصول سے ثابت ہے۔

سورۃ الھمزۃ:

بغیر اختلاف یہ مکی سورت ہے اور اس میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔

سورت قریش:

جمہور کے نزدیک یہ مکی سورت ہے اور ضحاک وکلبی رحمہما اللہ نے کہا کہ مدنی ہے۔[4] اس میں کوئی آیت ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔

سورۃ الماعون:

عطا اور جابر رحمہما اللہ کے قول میں اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول میں یہ سورت مکی ہے،

---

[1] فتح القدير (٥/ ٦٥٣)

[2] فتح القدير (٥/ ٦٥٦)

[3] فتح القدير (٥/ ٦٦١)

[4] فتح القدير (٥/ ٦٦٩)

جبکہ قتادہ رحمہ اللہ اور دوسروں کے قول میں مدنی ہے۔[1] اس میں منسوخ ہے اور نہ ناسخ۔

سورة الكوثر:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، کلبی اور مقاتل رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مکی سورت ہے اور حسن و عکرمہ اور مجاہد و قتادہ رحمہم اللہ کے نزدیک مدنی ہے۔[2] اس میں ناسخ ہے اور نہ منسوخ۔

سورة الكافرون:

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حسن و عکرمہ رحمہما اللہ کے نزدیک یہ مکی سورت ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دو میں سے ایک قول پر اور قتادہ و ضحاک رحمہما اللہ کے نزدیک مدنی ہے۔[3] اس میں ایک حکم منسوخ ہے اور وہ اللہ کا یہ ارشاد ہے:

﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ [الكافرون: ٦]

[تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے] اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدير" میں فرمایا ہے کہ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ منسوخ نہیں ہے، کیوں کہ اخبار ہے اور اخبار میں نسخ کا دخل نہیں ہے۔[4] انتہیٰ.

"تفسير العزيز" میں ہے کہ مشہور یہ ہے کہ یہ سورت آیتِ قتال سے منسوخ ہے، لیکن تحقیق یہ ہے کہ منسوخ نہیں ہے، کیوں کہ اس سورت کا مضمون کافروں اور مسلمانوں کے دین میں کمال تباعد کو بیان کرنا ہے نہ کہ عدمِ تعرض، بلکہ مسلمانوں کے دین میں جہاد و قتال داخل ہے، لہٰذا اس کے آیتِ قتال سے منسوخ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ انتہیٰ.

سورة النصر:

اسے سورت "تودیع" بھی کہتے ہیں۔[5] بغیر اختلاف یہ مدنی سورت ہے اور اس میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔

---

[1] فتح القدير (٥/ ٦٧٣)
[2] فتح القدير (٥/ ٦٧٧)
[3] فتح القدير (٥/ ٦٨١)
[4] فتح القدير (٥/ ٦٨٥)
[5] فتح القدير (٥/ ٦٨٦)

سورة اللهب:

بغیر اختلاف مکی سورت ہے اور اس میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔

سورة الإخلاص:

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حسن، عطا، عکرمہ اور جابر رحمہ اللہ کے نزدیک مکی سورت ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول پر اور قتادہ، ضحاک اور سدی رحمہ اللہ کے نزدیک مدنی ہے۔[1] اس میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔

سورة الفلق:

حسن وعکرمہ اور جابر وعطا رحمہ اللہ کے قول میں یہ مکی سورت ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول میں اور قتادہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدنی ہے۔[2] اس میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔

سورة الناس:

سورۃ الفلق کے مانند ہی اس کے مکی ومدنی ہونے میں اختلاف ہے اور اس میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔

احمد و بزار اور طبرانی وابن مردویہ رحمہ اللہ نے بہ طریق صحیح، جیسا کہ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ مصحف سے معوذتین کو مٹاتے اور فرماتے تھے کہ قرآن میں اسے آمیز نہ کرو، جو قرآن میں سے نہیں ہے۔ یہ دو سورتیں کتاب اللہ سے اس کے سوا نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ذریعے تعوذ کا حکم دیا اور وہ یہ دو سورتیں نہیں پڑھتے تھے۔ بزار رحمہ اللہ نے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس معاملے میں ان کی پیروی نہیں کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں کی قراءت نماز میں صحیح ہے اور انھیں مصحف میں ثابت رکھا گیا ہے۔[3]

امام احمد، امام بخاری اور امام نسائی رحمہ اللہ وغیرہ نے زر بن حبیش رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ مدینے میں آئے اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور کہا کہ اے ابو منذر! میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ

[1] فتح القدير (٥/ ٦٩٤)
[2] فتح القدير (٥/ ٧٠١)
[3] الإتقان (١/ ٢١٣)

کو دیکھا ہے کہ وہ معوذتین کو مصحف میں نہیں لکھتے، تو انھوں نے فرمایا: اس کی قسم! جس نے محمد ﷺ کو سچائی کے ساتھ مبعوث کیا، میں نے آپ ﷺ سے ان سورتوں کے بارے میں پوچھا اور جس دن سے میں نے آپ ﷺ سے پوچھا، اس دن سے تمھارے سوا ان کا حال کسی اور نے مجھ سے نہیں پوچھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا کہ کہو، تو میں نے کہا اور تم بھی کہو، تو میں کہتا ہوں، جیسے رسول اللہ ﷺ نے کہا۔[1]

امام طبرانی رحمہ اللہ اس جیسی روایت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی لائے ہیں اور اس کا لفظ یہ ہے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ سے ان دونوں سورتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا کہ کہو تو میں نے کہا اور تم بھی ویسے کہو جیسے میں نے کہا۔[2]

شاید سیدنا ابن مسعود ﷺ نے اسے صرف تعویذ پر محمول کیا ہو، ورنہ ان دونوں سورتوں کا تنزیل سے ہونا آفتاب سے زیادہ ظاہر ہے۔ بعض اہلِ علم نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے انکار کو ان کی بھول قرار دیا ہے اور ان کی بھول کی جگہوں کو سات عدد تک پہنچایا ہے اور اسی میں تکبیرِ تحریمہ کے سوا میں رفع الیدین بھی ہے۔

امام مسلم، ترمذی و نسائی رحمہم اللہ وغیرہ کے ہاں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر اس رات ایسی آیتیں اتری ہیں، جن کے مانند میں نے کبھی نہیں دیکھیں، یعنی ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾[3] اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس﴾ اور اس باب میں صحیح احادیث آئی ہیں۔

تفسیر "فتح القدیر" وغیرہ میں مذکور ہے کہ یہ ہے مجموعہ ان آیاتِ منسوخہ کا جو اکثر اہلِ علم کی رائے کے مطابق منسوخ ہیں۔ ان میں سے بہت سی آیات کے بارے میں کلام ہے، جیسا کہ ان کی تعداد کے ضمن میں اس کا اشارہ ہوا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٦٩٢) مسند أحمد (٥/ ١٢٩)

[2] المعجم الكبير (١٠/ ١٣٢)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١٤) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٠٢) سنن النسائي (٥٤٤٠)

نسخ کی اقسام

امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں سینتالیسواں (۴۷) باب اسی کے بیان میں لکھا ہے۔ ان کے کلام کا حاصل یہاں لکھا جا رہا ہے، وہ کہتے ہیں کہ نسخ کی کئی قسمیں ہیں:

پہلی قسم:

مامور بہ کا اس کے امتثال سے پہلے نسخ، حقیقت میں نسخ یہی ہے، جیسے آیت نجویٰ کا نسخ ہے۔

دوسری قسم:

ہم سے پہلے کی شریعت کا نسخ، جیسے آیتِ قصاص و دیت، یا ایسی چیز کا نسخ جو اجمالی امر ہو، جیسے بیت المقدس کی طرف (عبادت کے لیے) متوجہ ہونے کا کعبہ سے اور صومِ عاشورہ کا رمضان سے نسخ ہے۔ اسے مجازاً نسخ کا نام دیتے ہیں۔

تیسری قسم:

جو کسی سبب سے مامور بہ تھا، اس کے بعد وہ سبب زائل ہوگیا، جیسے ضعف اور قلت کے وقت صبر اور درگزر کا حکم ایجابِ قتال سے منسوخ ہوگیا۔ یہ درحقیقت نسخ نہیں، بلکہ منسی (موخر) کی قسم میں سے ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَوْ نُنْسِهَا﴾ تو قتال کا حکم مسلمانوں کی قوت تک منسی تھا اور حالتِ ضعف میں اذیت پر صبر کے وجوب کا حکم ہے۔ یہاں سے ایسے بہت سے لوگوں کا قول کمزور ہوگیا کہ اس باب میں وارد آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے، کیوں کہ یہ نسخ نہیں بلکہ منسی ہے، اس معنی میں کہ ہر وارد حکم کا امتثال جو کسی ایسی علت کی بنا پر کسی وقت واجب ہو جو اس حکم کی مقتضی ہے تو اس کے بعد اس علت کے انتقال کی وجہ سے دوسرے حکم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور یہ نسخ نہیں، کیوں کہ نسخ حکم کا ازالہ ہے، تا آنکہ اس کا امتثال جائز نہ ہو۔

مکی نے فرمایا ہے کہ ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ جو خطاب توقیت اور غایت کو بتانے کے

ساتھ وارد ہوئے ہیں، جیسے سورۃ البقرہ میں اللہ کا ارشاد: ﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ﴾ [البقرة: ۱۰۹] [سوتم معاف کرو اور درگزر کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے] وہ محکم اور غیر منسوخ ہیں، کیوں کہ وقت کے ساتھ موقت ہیں اور وقت کے ساتھ موقت امر میں نسخ نہیں ہوتا۔

ناسخ ومنسوخ کے اعتبار سے قرآنی سورتوں کی اقسام:

قرآن کی سورتیں ناسخ ومنسوخ کے لحاظ سے چند صورتوں پر ہیں:

پہلی قسم:

ایک قسم وہ ہے جس میں نہ ناسخ ہے اور نہ منسوخ اور وہ تینتالیس سورتیں ہیں:

فاتحہ، یوسف، یٰسین، حجرات، رحمٰن، حدید، صف، جمعہ، تحریم، ملک، حاقہ، نوح، جن، مرسلات، عم، نازعات، انفطار اور اس کے بعد تین سورتیں، فجر اور اس کے بعد آخر قرآن تک، تین، عصر اور کافرون کے سوا۔

دوسری قسم:

ایک قسم وہ ہے جس میں ناسخ اور منسوخ دونوں ہیں اور وہ پچیس سورتیں ہیں:

بقرہ اور اس کے بعد تین سورتیں، حج اور نور اور ان کے متصل سورتیں، احزاب، سبا، مومن، شوریٰ، ذاریات، طور، واقعہ، مجادلہ، مزمل، مدثر، کورت اور عصر۔

تیسری قسم:

ایک قسم وہ ہے جس میں صرف ناسخ ہے اور وہ چھے سورتیں ہیں: فتح، حشر، منافقون، تغابن، طلاق اور اعلیٰ۔

چوتھی قسم:

ایک قسم وہ ہے جس میں صرف منسوخ ہے اور وہ بقیہ چالیس سورتیں ہیں، لیکن اس میں نظر ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔

ناسخ کی اقسام:

ناسخ کی چند قسمیں ہیں:

پہلی قسم:

ایک فرض جو کسی فرض کو منسوخ کرے، پہلے پر عمل کے عدمِ جواز کے ساتھ، جیسے زانیوں کے لیے حد کے ذریعے حبس کا نسخ ہے۔

دوسری قسم:

فرض جو کسی فرض کو منسوخ کرے، لیکن اول پر عمل کے جواز کے ساتھ، جیسے مصابرت کی آیت کا نسخ ہے۔

تیسری قسم:

فرض جو کسی مندوب کو منسوخ کرے، جیسے قتال پہلے مندوب تھا، اس کے بعد فرض ہو گیا۔

چوتھی قسم:

مندوب جو کسی فرض کو منسوخ کرے، جیسے قیام اللیل جو قراءت سے اللہ کے اس ارشاد: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ [المزمل: ٢٠] [تو قرآن میں سے جو میسر ہو پڑھو] کے ذریعے منسوخ ہو گیا۔

بیانِ نسخ کے بارے میں کتب مؤلفہ اس قسم میں ہیں کہ جس کا حکم منسوخ ہو گیا نہ کہ تلاوت۔ یہ نسخ حقیقت میں تھوڑا ہے، اگر چہ اس قسم کی آیتوں کو شمار کرنے میں لوگوں نے زیادتی کی ہے، کیوں کہ محققین نے اس میں تمیز اور اتقان دکھایا ہے، جن میں قاضی ابو بکر ابن العربی رحمہ اللہ شامل ہیں۔

نسخ کی ایک اور تقسیم:

میں کہتا ہوں کہ بہت زیادہ آیات کو منسوخ قرار دینے والوں نے نسخ کی بعض ایسی اقسام بھی ذکر کی ہیں، جو درحقیقت نسخ بنتی ہی نہیں۔ اس کی چند قسمیں ہیں:

پہلی:

ایک قسم وہ ہے جو نسخ اور تخصیص میں سے کچھ نہیں ہے اور نہ اس کا دونوں میں سے کسی

صورت سے کوئی تعلق ہے، جیسے اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ [البقرة: ٣]

[اور اس میں سے جو ہم نے انھیں دیا خرچ کرتے ہیں]

ایسے ہی اللہ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ﴾ [التين: ٨]

[کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں]

اسے آیتِ سیف سے منسوخ قرار دیتے ہیں، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ابدالاباد احکم الحاکمین ہے، یہ کلام نسخ پذیر نہیں ہے، اگر چہ اس کا معنی تفویض کا حکم اور ترکِ معاقبت ہو۔ اسی طرح بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ ہے وعلی هذا القياس.

دوسری:

ایک قسم وہ ہے جو مخصوص کی جنس سے ہے، منسوخ سے نہیں۔ ابن العربی رحمہ اللہ نے اس کو بڑی عمدگی سے تحریر کیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [العصر: ٢، ٣]

[کہ بے شک ہر انسان یقیناً گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے]

﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ [الشعراء: ٢٢٤]

[اور شاعر لوگ، ان کے پیچھے تو گمراہ لوگ چلتے ہیں]

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [العصر: ٣] [سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے]

اور ﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ [البقرة: ١٠٩]

[سو تم معاف کرو اور درگزر کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے]

وغیرہ آیتیں ہیں، جو استثنا یا غایت کے ذریعے مخصوص ہیں اور انھیں منسوخ میں داخل کرنا غلط ہے۔ اسی سلسلے میں اللہ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ [البقرة: ٢٢١]

[اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں]

کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ارشاد: ﴿وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ [المائدة: ٥] [اوران لوگوں کی پاک دامن عورتیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی] سے منسوخ ہے، حالاں کہ مخصوص ہے۔

تیسری:

ایک قسم وہ ہے جس میں جاہلیت کی چیز یا ہمارے پہلے کی یا ابتداے اسلام کی شریعتوں کا ازالہ ہے اور اس کا نزول قرآن میں نہیں ہوا ہے، جیسے باپ کی بیویوں سے شادی کا ابطال، قصاص و دیت کی مشروعیت اور طلاق کا تین میں حصر، اسے ناسخ کی قسم میں داخل کرنا قریب ہے، لیکن نہ داخل کرنا اقرب ہے۔ اسی کو مکی رحمہ اللہ وغیرہ نے ترجیح دی ہے، اس لیے کہ اگر اس کو ناسخ میں شمار کریں تو پورا قرآن اسی قسم سے ہے، کیوں کہ اس کے کل یا اکثر نے کسی ایسی چیز کو اٹھا دیا ہے، جس پر کفار یا اہلِ کتاب عامل تھے، حالاں کہ حقیقت میں ناسخ و منسوخ وہ ہے کہ ایک آیت دوسری آیت کی ناسخ ہو۔ ہاں جو ابتداے اسلام میں تھا، اس کے بعد اسے اٹھا دیا گیا، اس کو داخل کرنا مذکورہ دونوں اقسام سے زیادہ مناسب ہے۔

جب تم یہ معنی جان چکے تو آیتوں کا جم غفیر جسے مکثرین نسخ میں درگزر اور عفو کی آیتوں سمیت لائے ہیں، باہر ہو گئیں، کیوں کہ آیتِ سیف ان کی ناسخ نہیں ہے اور نسخ کے قابل ان میں سے بہت تھوڑی رہ گئیں، جنھیں میں نے ایک تالیف لطیف میں جدا گانہ ادلّہ کے ساتھ لکھا ہے اور یہ اکیس (۲۱) آیات ہیں، البتہ بعض آیات کے نسخ میں اختلاف بھی ہے۔ ان کے ماسوا میں نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ آیتِ استیذان اور قسمت میں محکم ہونا زیادہ صحیح ہے، پس یہ انیس (۱۹) آیتیں ہوئیں اور انھیں میں اللہ کا یہ ارشاد: ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ [البقرة: ١١٥] [تو تم جس طرف رخ کرو، سو وہیں اللہ کا چہرہ ہے] ہے، جو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے پر اللہ کے ارشاد: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرة: ١٤٤] [سو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے] سے منسوخ ہے، تو یہ پوری بیس (۲۰) آیتیں ہوئیں اور میں نے انھیں ابیات میں بھی نظم کیا ہے۔

ابیات:

قَدْ أَكْثَرَ النَّاسُ فِيْ الْمَنْسُوْخِ مِنْ عَدَدٍ
وَأَدْخَلُوْا فِيْهِ آياً لَيْسَ تَنْحَصِرُ

[لوگوں نے منسوخ کی تعداد کو بہت زیادہ کر دیا ہے اور اس میں بے شمار آیتوں کو داخل کر دیا ہے]

وَهَاكَ تَحْرِيْرُ آيٍ لَا مَزِيْدَ لَهَا
عِشْرِيْنَ حَرَّرَهَا الْحُذَّاقُ وَالْكُبُرُ

[یہ ان آیتوں کا نوشتہ ہے، جس سے زیادہ منسوخ نہیں، وہ بیس آیات ہیں جنھیں ماہرین اور بڑوں نے منسوخ لکھا ہے]

آيُ التَّوَجُّهِ حَيْثُ الْمَرْءِ كَانَ وَأَنْ
يُوْصِيَ لِأَهْلِيْهِ عِنْدَ الْمَوْتِ مُحْتَضَرُ

[انسان جہاں بھی ہو نماز میں قبلے کی طرف توجہ کی آیت اور یہ کہ قریب المرگ موت کے وقت اپنے اہل کو وصیت کرے]

وَحُرْمَةُ الْأَكْلِ بَعْدَ النَّوْمِ مَعَ رَفَثٍ
وَفِدْيَةٌ لِمُطِيْقِ الصَّوْمِ مُشْتَهِرُ

[سونے کے بعد ہم بستری سمیت کھانے کی حرمت اور طاقتور کے روزے کا فدیہ مشہور ہے]

وَحَقُّ تَقْوَاه فِيْمَا صَحَّ فِيْ أَثَرٍ
وَفِيْ الْحَرَامِ قِتَالٌ لِلْأُلَى كَفَرُوْا

[اس سے ڈرنے کا حق ادا کرو، جیسے حدیث سے ثابت ہے اور حرام مہینے میں کافروں سے قتال کرنا]

وَالْإِعْتِدَادُ بِحَوْلٍ مَعَ وَصِيَّتِهَا
وَأَنْ يُّدَانَ حَدِيْثُ النَّفْسِ وَالْفِكَرِ

[عورت کا وصیت کے ساتھ ایک سال عدت گذارنا اور یہ کہ نفس کی بات اور فکر کا بدلہ دیا جائے گا]

وَالْحَلْفُ وَالْحَبْسُ لِلزَّانِيْ وَ تَرْكُ أُلَى
كَفَرُوْا شَهَادَتَهُمْ وَالصَّبْرُ وَالنَّفَرُ

[زانی کے لیے حلف اور حبس اور کافروں کو شاہد نہ بنانا اور صبر اور نکلنا]

وَمَنْعُ عَقْدٍ لِزَانٍ أَوْ لِزَانِيَةٍ
وَمَا عَلَى الْمُصْطَفٰى فِي الْعَقْدِ مُحْتَظَرُ

[زانی یا زانیہ کی شادی نہ کرنا اور شادی کے سلسلے میں مصطفیٰ ﷺ پر بندش نہیں ہے]

وَدَفْعُ مَهْرٍ لِمَنْ جَاءَتْ وَ آيَةُ نَجْوَاهُ
كَذٰلِكَ قِيَامُ اللَّيْلِ مُسْتَطَرُ

[جو عورت آئے اس کو مہر دینا اور نجویٰ کی آیت اور ایسے ہی رات کا قیام لکھا ہوا تھا]

وَزِيدَ آيَةُ الْاِسْتِيْذَانِ مَنْ مَلَكَتْ
وَآيَةُ الْقِسْمَةِ الْفُضْلٰى لِمَنْ حَضَرُوْا

[مملوک کے استیذان کی آیت کو زیادہ کیا گیا ہے اور ان رشتے داروں کے لیے تقسیم کی آیت کو جو حاضر ہوں] انتھیٰ کلام السیوطي رحمہ اللہ[1]

"الفوزالكبير في أصول التفسير" میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ان بیں آیتوں کا سورتوں کی ترتیب کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کے مطابق جو میں نے لکھا ہے، صرف پانچ آیتوں میں نسخ متعین ہوتا ہے۔[2] انتھیٰ.

یہ تعقبات آیاتِ مذکورہ کے ضمن میں اس رسالے میں ذکر کیے گئے ہیں، اسے وہی دیکھو۔

حکم کے ازالے اور تلاوت کی بقا کی حکمت:

اس کے بعد امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں لکھا ہے کہ حکم کے ازالے اور تلاوت کو برقرار رکھنے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب دو وجہ سے ہے:

1. جیسے قرآن کی تلاوت حکم و عمل جاننے کے لیے کی جاتی ہے، ایسے ہی اس لیے بھی اس کی تلاوت کی جاتی ہے کہ اللہ کا کلام ہے اور اس پر ثواب دیا جاتا ہے، تو تلاوت کا برقرار رہنا اسی وجہ سے ہے۔
2. نسخ غالباً تخفیف کے لیے ہے، اس لیے تلاوت کو تذکیرِ نعمت اور مشقت کو زائل کرنے کی حکمت

---

[1] الإتقان (٢/ ٦٣)

[2] الفوز الكبير (ص: ٦٠)

کے لیے برقرار رکھا گیا ہے۔ قرآن میں جو طریقہ جاہلیت یا ہم سے پہلے کی شریعتوں یا جو کچھ اول اسلام میں تھا، اس کا ناسخ ہے، وہ بھی قلیل العدد ہے، جیسے آیتِ قبلہ سے بیت المقدس کا استقبال یا صومِ عاشورا کا صوم رمضان سے نسخ ہے۔

بعض فوائد:

1. ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ قرآن میں کوئی ناسخ نہیں ہے، مگر منسوخ ترتیب میں اس سے پہلے ہے دو آیتوں کے سوا، ایک سورۃ البقرۃ میں عدت کی آیت اور دوسرا اللہ کا یہ ارشاد ہے: ﴿لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ﴾ جیسا کہ پہلے گزرا اور کچھ نے تیسری آیت زیادہ کی ہے اور وہ فے کے بارے میں سورۃ الحشر کی آیت ہے، اس شخص کی رائے میں جس نے اسے آیتِ انفال ﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾ [٤١] [اور جان لو کہ بے شک تم جو کچھ بھی غنیمت حاصل کرو] سے منسوخ قرار دیا ہے۔ بعض نے چوتھی آیت زیادہ کی ہے اور وہ اللہ کا ارشاد: ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ [الأعراف: ١٩٩] [درگزر اختیار کر] ہے، اس شخص کی رائے پر جو اسے آیتِ زکات سے منسوخ قرار دیتا ہے۔

2. ابن العربی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو بھی قرآن میں کافروں سے درگزر اور ہاتھ روکنے کے بارے میں ہے، وہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے، اس طرح آیتِ سیف سے ایک سو چوبیس آیتیں منسوخ ہوئی ہیں، پھر اس کے بعد اسی کے آخر نے اس کے اول کا نسخ کیا ہے۔ انتھیٰ.
لیکن اس میں جو نظر و بحث ہے، وہ گزر چکی ہے۔

3. انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ منسوخ میں سے عجیب ترین اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿خُذِ الْعَفْوَ، الآیۃ﴾ ہے، کیوں کہ اس کا اول و آخر جو ﴿اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾ ہے، منسوخ ہے اور اس کا وسط جو ﴿وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ ہے، محکم ہے۔ نیز اس کے عجائب میں سے یہ بھی ہے کہ آیت کا اول حصہ منسوخ اور آخر ناسخ ہے، اس کی کوئی نظیر نہیں ہے اور وہ اللہ کا ارشاد: ﴿ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ [المائدۃ: ١٠٥] [تم پر اپنی جانوں کا بچاؤ لازم ہے، تمھیں وہ شخص نقصان نہیں پہنچائے گا جو گمراہ ہے، جب تم ہدایت پا چکے] ہے، یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ اور یہ اس کے ارشاد: ﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ کا ناسخ ہے۔

۴ سعیدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کوئی منسوخ حکم اس آیت: ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ، الىٰ آخرها﴾ [الأحقاف: ۹] [کہہ دے میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں] سے زیادہ مدت برقرار نہیں رہا ہے، یہ منسوخ سولہ سال برقرار رہا، یہاں تک کہ سورۃ الفتح کی ابتدائی آیات نے حدیبیہ والے سال اسے منسوخ کیا۔

۵ ہبۃ اللہ بن سلامہ ضریر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ اس آیت: ﴿وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا﴾ [الدھر: ۸] [اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور قیدی کو] میں لفظ ﴿وَّاَسِيْرًا﴾ منسوخ ہے، کیوں کہ اس سے مشرکین کے اسیر مراد ہیں۔ کسی نے ابن سلامہ رحمہ اللہ پر اس کی یہ کتاب پڑھی اور اس کی صاحبزادی سن رہی تھی۔ جب وہ اس جگہ پہنچا تو اس کی بیٹی نے کہا: اے ابا جان! آپ نے غلطی کر دی، اس نے پوچھا: کیسے؟ اس نے کہا کہ مسلمانوں نے اجماع کیا ہے کہ اسیر کو کھانا دیا جائے گا اور اسے بھوک سے نہیں مارا جائے گا۔ اس نے کہا کہ تم نے ٹھیک کہا ہے۔

۶ شیذلہ رحمہ اللہ نے برہان میں کہا ہے کہ ناسخ کا نسخ جائز ہے، پھر ناسخ بھی منسوخ ہو جاتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ [الکافرون: ٦]

[تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے]

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [التوبۃ: ٥] [تو ان مشرکوں کو قتل کرو] اس کا ناسخ ہے، اس کے بعد یہ ناسخ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ﴾ [التوبۃ: ۲۹] [یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں] سے منسوخ ہوگیا۔ لیکن اس میں دو وجہ سے نظر ہے: ایک تو وہی ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا اور دوسری یہ کہ اللہ کا ارشاد: ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ﴾ آیت کا مخصص ہے، ناسخ نہیں۔ ہاں اس کی مثال آخر سورۃ المزمل سے دی جا سکتی ہے، کیوں کہ وہ خود اپنے اول کی ناسخ ہے اور پھر نمازِ خمسہ کی فرضیت سے منسوخ ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا﴾ [التوبۃ: ٤١] [نکلو ہلکے اور بوجھل] آیاتِ کف [لڑائی سے ہاتھ روکنے کا حکم دینے والی آیات] کا ناسخ ہے اور یہ آیت، آیاتِ عذر سے منسوخ ہے۔

7 ابو عبید رحمہ اللہ، حسن اور ابو میسرہ رحمہ اللہ سے روایت لائے ہیں کہ لوگوں نے کہا ہے کہ سورۃ المائدۃ میں منسوخ نہیں ہے اور یہ اس وجہ سے مشکل ہے جو مستدرک میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ اللہ کا ارشاد: ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُم اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ [المائدۃ: ٤٢] [تو ان کے درمیان فیصلہ کر، یا ان سے منہ پھیر لے] اللہ کے اس ارشاد: ﴿وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ [المائدۃ: ٤٨] [اور یہ کہ ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا ہے] سے منسوخ ہے۔

8 ابوعبید رحمہ اللہ وغیرہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جو سب سے پہلے قرآن سے منسوخ ہوا، وہ شانِ قبلہ ہے۔ نیز ابو داود رحمہ اللہ دوسرے طریقے سے روایت لائے ہیں کہ سب سے پہلے قرآن سے منسوخ ہونے والا قبلہ پھر صیام ہے۔ مکی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس تقدیر پر مکی آیات میں ناسخ نہیں ہے، حالاں کہ اس سلسلے میں کئی آیتوں کو ذکر کیا گیا ہے، انھیں میں سے "سورۃ الغافر" میں اللہ کا ارشاد: ﴿يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [الغافر: ٧] [اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں جو ایمان لائے] اس کے ارشاد: ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ [الشوریٰ: ٥] [اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں جو زمین میں ہیں] کا ناسخ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے بہتر قیام اللیل کا نسخ ہے کہ "سورۃ المزمل" کا اول اس کے آخر سے منسوخ ہے یا صلواتِ خمسہ کا وجوب اس کا ناسخ ہے اور یہ باتفاق مکے میں ہوا تھا۔

نسخ کے مصادر:

ابن الحصار رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ نسخ میں آنحضرت ﷺ یا صحابی سے کھلی نقل ہونی چاہیے۔ مثلاً وہ فرمائیں کہ فلاں آیت فلاں آیت سے منسوخ ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ تعارض کے موجود ہونے پر علمِ تاریخ سے اس کا حکم لگاتے ہیں، تاکہ متقدم اور متاخر کی شناخت ہوجائے۔ نسخ میں بغیر صحیح نقل اور کھلے معارضے کے عام مفسرین بلکہ مجتہد کے اجتہاد پر بھی اعتماد نہیں کیا جاتا، کیوں کہ نسخ اس حکم کے ازالے اور اثبات کو متضمن ہے، جو نبی ﷺ کے زمانے سے مقرر ہے، اس لیے اس میں

نقل و تاریخ ہی معتمد ہے، نہ کہ رائے واجتہاد۔ لوگ اس باب میں دو متضاد راہوں کے درمیان ہیں، بعض کہتے ہیں کہ نسخ میں عدول کی اخبارِ آحاد مقبول نہیں ہیں اور بعض متساہل اس میں ایک مفسر یا مجتہد کی بات پر اکتفا کرتے ہیں، جب کہ صحیح بات ان دونوں آرا کے خلاف ہے۔ انتھیٰ.

تلاوت کے نسخ اور حکم کے بقا کی حکمت:

صاحبِ فنون نے فرمایا ہے کہ اس کی حکمت اس امت کی مقدارِ اطاعت کو ظاہر کرنا ہے کہ وہ بطورِ ظن، یقین کی تفصیل طلب کیے بغیر، ادنا چیز کی وجہ سے بذلِ نفوس میں مسارعت کرتے ہیں، جیسے خلیل علیہ السلام نے اپنے فرزند کو ذبح کرنے میں خواب کی وجہ سے سرعت فرمائی، جو وحی کا ادنا طریقہ ہے اور اس قسم کی مثالیں بہت ہیں۔

① سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سورۃ الاحزاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو سو آیات پر مشتمل تھی اور عثمان کی کتابت کے وقت اتنی ہی مقدار رہ گئی جو اب ہے۔[1]

② زر بن حبیش سے مروی ہے کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سورۃ الاحزاب کو کتنی شمار کرتے ہو؟ تو فرمایا کہ بہتر یا تہتر آیات، فرمایا کہ وہ بقرہ کے برابر تھی اور ہم اس میں رجم کی آیت پڑھتے تھے۔[2]

③ حمیدہ بنت ابی یونس رحمہا اللہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ میرے والد اسی (۸۰) سال کے تھے، انھوں نے میرے سامنے مصحفِ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ اللہ کے ارشاد: "وَعَلَى الصُّفُوْفِ الْأُوْلىٰ" تک پڑھا اور یہ حضرت عثمان کے تغیرِ مصاحف سے پہلے تھا۔[3]

④ ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی جاتی تھی تو ہم آتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھاتے تھے۔ ایک روز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو کہا کہ اللہ فرماتا ہے:

« إِنَّا أَنْزَلْنَا الْمَالَ لِإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَلَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِّنْ

---

[1] فضائل القرآن لأبي عبيد (٥٧٩) اس کی سند میں "عبداللّٰه بن لهيعة" ضعیف ہے۔

[2] فضائل القرآن (٥٨٠)

[3] فضائل القرآن (٥٨٩)

ذَهَبٍ لَأَحَبَّ أَنْ يَكُونَ إِلَيْهِ الثَّانِيُ، وَلَوْ كَانَ لَهُ الثَّانِيُ لَأَحَبَّ أَنْ يَكُونَ إِلَيْهِمَا الثَّالِثُ، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلىٰ مَنْ تَابَ» [1]

[ہم نے اقامتِ نماز اور ایتاے زکات کے لیے مال اتارا ہے۔ اگر ابن آدم کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ اس کے ساتھ دوسری کو پسند کرتا ہے، اگر دوسری بھی مل جائے تو وہ چاہے گا کہ ان کے ساتھ تیسری بھی ہو۔ آدم کے بیٹے کا پیٹ صرف (قبر) کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ اللہ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے]

۵ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم پر قرآن پڑھوں، پھر آپ نے پڑھا: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ﴾ [البينة: ۱] [وہ لوگ جنھوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا] اور اس کا بقیہ حصہ یہ تھا:

"لَوْ أَنَّ ابْنَ آدَمَ وَسَأَلَ وَادِيًا مِّنْ مَّالٍ فَأُعْطِيَهُ، سَأَلَ ثَانِيًا، وَإِنْ سَأَلَ ثَانِيًا فَأُعْطِيَهُ، سَأَلَ ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلىٰ مَنْ تَابَ، وَإِنَّ ذَاتَ الدِّيْنِ عِنْدَ اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةُ غَيْرُ الْيَهُوْدِيَّةِ وَالنَّصْرَانِيَّةِ، وَمَنْ يَّعْمَلْ خَيْراً فَلَنْ يُّكْفَرَهُ" [2]

[اگر ابن آدم مال کی بھری ایک وادی کا سوال کرے اور وہ اسے دے دی جائے تو وہ دوسری کا سوال کرے گا۔ اگر وہ دوسری کا سوال کرے اور اسے دے دی جائے تو وہ تیسری کا سوال کرے گا۔ اس کے پیٹ کو صرف (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اصل دین، دینِ حنیف ہے، نہ کہ یہودیت و نصرانیت۔ جو کوئی اچھا کام کرے گا، اس کی نا قدری نہیں کی جائے گی]

۶ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "سورة البراءة" کے برابر ایک سورت اتری، پھر اسے اٹھا لیا گیا اور اس کی یہ آیت یاد رہ گئی:

"إِنَّ اللّٰهَ سَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِأَقْوَامٍ لَا خَلَاقَ لَهُمْ، وَلَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَيْنِ

[1] فضائل القرآن (۵۸۵)

[2] المستدرك للحاكم (۲/ ۵۷۹)

مِنْ مَّالٍ لَتَمَنّٰى وَادِيًا ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ"[1]

[یقیناً اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد ایسے لوگوں کے ذریعے فرمائے گا، جن کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں ہے۔ اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرے گا۔ ابن آدم کے پیٹ کو صرف (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے]

(۷) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ ہم "مسبحات" میں سے ایک سورت کے مشابہ سورت پڑھتے تھے، لیکن پھر ہم اسے فراموش کرا دیے گئے، سوائے اس کے کہ اس سے اتنا یاد رکھتے ہیں:

"يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ فَتُكْتَبُ شَهَادَةٌ فِيْ أَعْنَاقِكُمْ فَتُسْأَلُوْنَ عَنْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ"[2]

[اے ایمان والو! وہ کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، تمھاری گردنوں میں اس کی شہادت و گواہی لکھی جاتی ہے، پھر قیامت کے دن تم سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا]

(۸) عدی بن عدی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ہم "لَا تَرْغَبُوْا عَنْ آبَائِكُمْ فَإِنَّهُ كُفْرٌ بِكُمْ" [اپنے آبا و اجداد سے بے رغبتی نہ کرو، یہ تمھاری طرف سے کفر و انکار شمار ہو گا] پڑھتے تھے، اس کے بعد زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ایسے ہی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں۔[3]

(۹) عمر رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جو ہم پر اترا، اس میں تم نے "أَنْ جَاهِدُوْا كَمَا جَاهَدْتُّمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ" [ویسے جہاد کرو، جیسے تم نے پہلے جہاد کیا] کو نہیں پایا، کیوں کہ ہم اسے نہیں پا رہے ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ جو آیات قرآن سے ساقط ہو گئیں، انہیں میں یہ آیت بھی ساقط ہو گئی۔[4]

---

(1) فضائل القرآن لأبي عبيد (٥٨٦)

(2) تفسير ابن أبي حاتم (١٠/ ٣٣٥٣)

(3) فضائل القرآن لأبي عبيد (٥٩٠)

(4) فضائل القرآن لأبي عبيد (٥٩١)

⑩ ابو سفیان کلاعی رحمہ اللہ نے کہا کہ مسلمہ بن مخلد انصاری رحمہ اللہ نے ان سے کہا: مجھے دو آیتوں کی خبر دو، جنھیں ہم نے مصحف میں نہیں لکھا تو لوگوں نے انھیں اس کی خبر نہیں دی۔ سعد بن مالک بھی حاضر تھے۔ پھر مسلمہ رحمہ اللہ نے کہا:

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَلَا! اَبْشِرُوْا اَنْتُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، وَالَّذِيْنَ آوَوْهُمْ وَنَصَرُوْهُمْ وَجَادَلُوْا عَنْهُمُ الْقَوْمَ الَّذِيْنَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اُولٰئِكَ لَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ"[1]

[بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا، خبردار! خوش رہو تم ہی فلاح پانے والے ہو۔ وہ لوگ جنھوں نے ان کو جگہ دی، ان کی مدد کی اور ان کی طرف سے ایسی قوم سے جھگڑا کیا، جن پر اللہ کا غضب ہوا، یہی وہ لوگ ہیں کوئی نہیں جانتا کہ اللہ نے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کیا مخفی رکھا ہے، بہ طور جزا کے جو وہ عمل کیا کرتے تھے]

⑪ صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے اصحابِ بئر معونہ کے قصے میں ہے جو قتل کر دیے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت کی اور ان کے قاتلوں پر بد دعا کی۔ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ان کے بارے میں قرآن اترا، جسے ہم نے پڑھا پھر اٹھا لیا گیا:

"اَنْ بَلِّغُوْا عَنَّا قَوْمَنَا اَنَّا لَقِيْنَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَاَرْضَانَا"[2]

[ہماری طرف سے ہماری قوم کو پیغام دے دو کہ ہماری ملاقات ہمارے رب تعالیٰ سے ہوئی ہے، وہ ہم سے راضی ہو گیا ہے اور اس نے ہمیں بھی راضی کر دیا ہے]

⑫ ابو الحسین بن المنادی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "ناسخ و منسوخ" میں کہا ہے کہ قرآن سے جس کی رسم (کتابت) کو اٹھا لیا گیا اور اس کی یاد داشت دل سے نہیں اٹھائی گئی، وتر میں قنوت کی دو سورتیں ہیں، جن کا نام سورۃ الخلع اور سورۃ الحفد ہے۔[3]

[1] فضائل القرآن لأبي عبيد (٥٠٩)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦٤٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٦٦)

[3] الإتقان (٢/ ٦٨)

تنبیہ:

قاضی ابوبکر رحمہ اللہ نے اس قسم کے انکار کی تائید میں ایک قوم سے حکایت کیا ہے کہ چوں کہ ان کے بارے میں وارد اخبار آحاد ہیں اور انزالِ قرآن اور اس کے نسخ کے بارے میں اخبارِ آحاد سے یقین کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں حجت نہیں ہے۔

ابوبکر رازی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ رسم وتلاوت کا نسخ اس طریقے سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں فراموش کرا دے اور لوگوں کے خیال سے اٹھا لے اور اس کی تلاوت اور مصحف میں اس کی کتابت سے اعراض کا حکم دے اور وہ زمانے سے مٹ جائے، جیسے کہ تمام پرانی کتابیں ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اپنے اس ارشاد میں ذکر کیا ہے:

﴿اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى﴾ [الأعلیٰ: ۱۸، ۱۹]

[بے شک یقیناً یہ بات پہلے صحیفوں میں ہے، ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں]

اس وقت ان میں سے کسی کو پہچانا نہیں جاتا۔ نیز یہ دو حالت سے خالی نہیں ہے، یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی اور جب آپ نے وفات پائی تو قرآن میں متلو نہیں تھی، یا آپ کی وفات ہوئی تو متلو اور رسم کے ساتھ موجود تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کو فراموش کرا دیا اور اسے ان کے ذہنوں سے اٹھا دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن سے کسی چیز کا نسخ جائز نہیں ہے۔[1] انتہی۔

''برہان'' میں کہا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ کہیں گے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو یقیناً میں اس میں رجم کی آیت لکھ دیتا، تو ظاہر ہے کہ اس کی کتابت جائز ہے، مگر لوگوں کی بات اس سے روک بن گئی۔ کبھی کوئی چیز بذات خود جائز ہوتی ہے، لیکن بیرونی بندش پیدا ہو جاتی ہے اور جب جائز ہے تو ضروری ہے کہ ثابت ہو، کیوں کہ مکتوب کی شان یہی ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ اگر اس کی تلاوت برقرار ہوتی، تو عمر رضی اللہ عنہ مبادرت کرتے اور لوگوں کی بات کی پروا نہ کرتے، کیوں کہ لوگوں کی بات ممانعت کی سزاوار نہیں ہے اور بالجملہ یہ تلازم مشکل ہے۔ شاید کہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ یہ خبر واحد ہے اور قرآن خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتا ہے، اگرچہ حکم ثابت ہو۔ یہیں سے ابن ظفر رحمہ اللہ نے اس قسم کو اس میں شمار کرنے سے انکار کیا ہے، جس کی تلاوت منسوخ ہے۔

---

[1] الإتقان (۲/ ۶۹)

انھوں نے کہا ہے کہ چوں کہ خبرِ واحد قرآن کی مثبت نہیں ہے، بلکہ یہ منسا (موخر) میں ہے، نسخ نہیں، نیز یہ دونوں باہم ملتبس ہوجاتے ہیں اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ جس کا لفظ منسا ہو، کبھی اس کے حکم کا علم ہوجاتا ہے۔ انتھیٰ.

اس کی یہ بات کہ "شاید اس کے خبر واحد ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو" مردود ہے، کیوں کہ صحیح ثابت ہے کہ اس کو عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا۔

حاکم رحمہ اللہ نے کثیر بن الصلت رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ زید بن ثابت اور سعید بن عاص رضی اللہ عنہما مصحف لکھ رہے تھے۔ جب اس آیت پر گزرے، تو زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا»

[جب شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں تو ان دونوں کو رجم کر دو]

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب یہ آیت اتری تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ اسے لکھوں؟ گویا انھوں نے اسے مکروہ سمجھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نہیں دیکھتے کہ بوڑھا جب زنا کرے اور محصن نہ ہو تو اسے کوڑا مارا جاتا ہے اور جوان جب زنا کرے اور محصن ہو تو رجم کیا جاتا ہے۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ اس حدیث سے اس کے عموم سے غیر ظاہر پر عمل ہونے کی وجہ سے اس آیت کی تلاوت کا نسخ مستفاد ہوتا ہے۔[2]

میں کہتا ہوں کہ میرے دل میں ایک اچھا نکتہ گزرا ہے، جو یہ ہے کہ اس کا سبب اس کی عدمِ تلاوت اور مصحف میں عدمِ کتابت کے ذریعے امت پر تخفیف ہے، اگرچہ اس کا حکم برقرار ہے، کیوں کہ یہ حکم میں سب سے ثقیل اور حدود میں اغلظ ہے اور اس میں ستر کے مندوب ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ نسائی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ مروان بن الحکم رحمہ اللہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا: تم اسے مصحف میں نہیں لکھ رہے ہو؟ انھوں نے کہا: تم نہیں دیکھتے کہ دونوں شادی شدہ رجم کیے جاتے ہیں اور ہم نے اس کا ذکر کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمھارے لیے کفایت کروں گا، پھر کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے آیت رجم لکھوا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسا نہیں کر سکتا۔[3] ان کی یہ

---

[1] المستدرك للحاكم (٤/ ٤٠٠)

[2] فتح الباري (١٢/ ١٤٣)

[3] سنن النسائي الكبرى (٤/ ٢٧١)

بات کہ مجھے لکھوا دیں کا مطلب ہے کہ مجھے اس کی کتابت کی اجازت دیں اور مجھے اس پر قادر کریں۔

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ رجم میں شک نہ کرو، کیوں کہ یہ ثابت ہے۔ بخدا! میں نے ارادہ کیا کہ اسے مصحف میں لکھوں تو میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ تمھیں یاد نہیں کہ تم میرے پاس آتے تھے، جب میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنے کی درخواست کر رہا تھا تو تم میرے سینے میں مارتے اور فرماتے کہ تم آیتِ رجم پڑھواتے ہو اور وہ جانوروں کے مانند بدکاری کرتے ہیں۔[1]

ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس میں اس کی تلاوت کے اٹھا لیے جانے کے سبب کی طرف اشارہ ہے اور وہ اختلاف ہے۔[2]

تنبیہ:

ابن حصار رحمہ اللہ نے اس قسم کے بارے میں کہا ہے کہ اگر کہیں کہ بدل کے بغیر نسخ کیسے ہو سکتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا﴾ [البقرة: ١٠٦]

[جو بھی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں، اس سے بہتر یا اس جیسی اور لے آتے ہیں]

یہ اخبار ہے، اس میں وعدہ خلافی کا دخل نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ اس وقت قرآن سے ثابت ہے اور منسوخ نہیں ہوا ہے، وہی اس کا بدل ہے، جس کی تلاوت نسخ پذیر ہو چکی ہے۔ تو جو کچھ اللہ نے قرآن میں سے نسخ فرمایا ہے، جسے تم اس وقت نہیں جانتے، تو اس کا بدل اسے بنایا ہے جو ہمیں سکھایا ہے اور جس کا لفظ و معنی ہماری طرف متواتر ہوا ہے۔ انتھیٰ کلام السیوطي في الإتقان.[3]

ہم نے اس کتاب میں ان تمام چیزوں کی، جسے مکثرین نے نسخ میں شمار کیا تھا، حقیقت حال

---

① الإتقان (٢/ ٧٠)

② فتح الباري (١٢/ ١٤٣)

③ الإتقان (٢/ ٧١)

اور اس میں علما کے تکلم کو بیان کرنے کے لیے ذکر کر دیا ہے، تاکہ علم کی رغبت رکھنے والے طالب کو اس علم کی دریافت کے لیے دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہو، ورنہ نسخ بہت تھوڑی مقدار میں ہے، بیس آیتوں میں، بلکہ پانچ آیتوں میں ہوگا، جیسا کہ پہلے گزرا، بلکہ پانچ سے بھی کم میں ہے، جیسا کہ میں نے "دلیل الطالب علی أرجح المطالب" میں اسے بیان کر دیا ہے۔[1] واللہ أعلم.

---

[1] دلیل الطالب (ص: ۷۹۹)

باب دوم

حدیث شریف کے ناسخ ومنسوخ کا بیان

امام ابو الفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی رحمہ اللہ، دیگر اجلہ اہلِ حدیث اور اس فن کے اکابر کے استقرا کے مطابق اس کا مجموعہ اکیس (۲۱) احادیث ہیں۔ شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم عبدالسلام حرانی رحمہ اللہ کے نزدیک دس (۱۰) احادیث اور حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کے نزدیک دس سے بھی کمتر ہیں۔

ابوالفرج ابن جوزی رحمہ اللہ نے "إخبار أهل الرسوخ" میں، جو انھوں نے اس باب میں لکھی ہے، فرمایا ہے کہ جب میں نے حدیث کے ناسخ ومنسوخ کے بارے میں ان کی آمیزش کو دیکھا تو میں نے لغزشوں سے مہذب اور آمیزش سے سالم ایک کتاب فراہم کی۔[1] جب وہ کتاب دراز ہوئی تو میں نے چاہا کہ جس قدر احادیث کا نسخ صحت کو پہنچا ہے یا جس میں نسخ کا احتمال رہا ہے، جداگانہ لکھوں اور جس میں ناسخ یا اس کے احتمال کی کوئی وجہ نہ ہو، اس سے اعراض کروں، لہٰذا جو کسی بتانے والے کو سنے کہ وہ نسخ کا دعویٰ کرتا ہے اور وہ منسوخ میری اس مختصر کتاب میں نہیں ہے، تو جانے کہ اس کا دعویٰ کمزور ہے۔ یہ پوری اکیس (۲۱) احادیث ہیں۔[2] انتهى.

پہلی حدیث:

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«أَتَى النَّبِيُّ ﷺ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ وَهُوَ قَائِمٌ»[3] (متفق عليه)

[یعنی آنحضرت ﷺ ایک قوم کی کوڑے والی جگہ کے پاس آئے اور کھڑے ہوکر پیشاب کیا]

---

① اس کتاب کا نام "إعلام العالم بعد رسوخه بحقائق ناسخ الحديث و منسوخه" تھا۔ (الذيل على طبقات الحنابلة: ۱/ ٤١٧)

② إخبار أهل الرسوخ (ص: ١٦)

③ صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٣٣٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٣)

کہتے ہیں کہ یہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہے، انھوں نے کہا ہے:

«رَآنِي النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا أَبُولُ قَائِماً فَقَالَ: يَا عُمَرُ رضی اللہ عنہ! لَا تَبُلْ قَائِماً فَمَا بُلْتُ قَائِماً بَعْدُ»[1] (رواه الترمذي وابن ماجه)

[مجھے رسول اللہ ﷺ نے دیکھا اور میں کھڑا ہو کر پیشاب کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔ پھر میں نے اس کے بعد کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا]

نسخ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، بلکہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے نہی اس لیے ہے کہ پیشاب کرنے والے پر اس کے چھینٹے نہ پڑیں۔ رہا نبی کریم ﷺ کا فعل تو وہ ایک بیماری کی وجہ سے تھا، جس نے آپ ﷺ کو بیٹھنے سے روک دیا اور اس مرض سے شفا اہلِ عرب کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے حاصل کرتے ہیں، نیز کثرتِ نجاست کی وجہ سے وہاں بیٹھ نہیں سکے۔[2]

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی وجوہات:

حسین بن عبدالرحمن اہدل نے "عدة المنسوخ"[3] میں فرمایا ہے کہ علما نے آنحضرت ﷺ کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی پانچ وجوہ ذکر کی ہیں:

1. پیٹھ کے درد سے عرب کی عادت کے مطابق شفا حاصل کرنے کے لیے اور اس وقت آپ کو یہ درد تھا اور آپ ﷺ شفایاب ہوئے۔
2. آپ ﷺ کے گھٹنے کے اندر ایک بیماری تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ پاؤں میں زخم تھا، جس کی وجہ سے بیٹھ نہیں سکے، جیسا کہ ایک ضعیف روایت میں آیا ہے کہ گھٹنے میں درد تھا۔
3. بیٹھنے کی جگہ نہیں پائی، کیوں کہ کوڑے خانے کی جس طرف آنحضرت ﷺ کھڑے تھے، وہ اونچا تھا۔
4. آپ ﷺ کا یہ فعل ہوا کے دوسری راہ سے نکلنے سے امن کے لیے تھا، کیوں کہ اکثر ایسا ہوتا

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۰۸) ترمذی نے اسے معلق ذکر کیا ہے۔ یہ روایت ضعیف ہے، کیوں کہ اس کی سند میں ایک راوی "عبد الكريم بن أبي المخارق" ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني، رقم الحديث (۹۳٤)

[2] إخبار أهل الرسوخ (ص: ۱۹)

[3] یہ کتاب حسين بن عبدالرحمن بن محمد اليمني بدر الدين المعروف بابن الأهدل کی تالیف ہے۔ (هداية العارفين، ص: ۱٦۷)

ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا دبر کے لیے زیادہ محافظ ہے۔[1]

⑤ یہ بیانِ جواز کے لیے کیا ہے، کیوں کہ آپ کی عادت پیشاب کے وقت بیٹھنے کی تھی۔

چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے:

«مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَبُوْلُ قَائِماً فَلَا تُصَدِّقُوْهُ، مَا كَانَ يَبُوْلُ إِلَّا قَاعِداً»[2] (رواه أحمد والترمذي والنسائي)

[جو شخص تم سے بیان کرے کہ نبی مکرم ﷺ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے تو اس کی تصدیق نہ کرو، آپ ﷺ تو بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے]

علما نے فرمایا ہے کہ بغیر عذر کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ ہے اور یہ کراہتِ تحریم نہیں ہے۔ ابن المنذر رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں اختلاف کی حکایت کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ بیٹھ کر پیشاب کرنا اولیٰ ہے اور کھڑے ہوکر جائز ہے۔ یہ سب آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے اور اہلِ سباطہ اسے ناپسند نہیں کرتے تھے، بلکہ وہی ان کو پسند تھا اور یہ کوڑا خانہ خاص ان کا تھا، بلکہ ان سب کے مکانوں کے صحن میں تھا۔[3] واللہ أعلم، انتہیٰ کلامه.

میں کہتا ہوں کہ سب سے بہتر وجہ بیان جواز ہے اور بس۔ دوسری وجوہ احتمالات سے زیادہ نہیں ہیں، مگر یہ کہ ان پر کوئی دلیل قائم ہو اور اس صورت میں حدیث مذکور میں کوئی نسخ نہیں ہوگا۔

دوسری حدیث:

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

« إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ، وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا، وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا أَوْغَرِّبُوْا»[4] (متفق عليه)

[یعنی جب تم اپنی قضائے حاجت کے لیے آؤ تو قبلے کی طرف منہ کرو اور نہ پیٹھ، لیکن منہ مشرق کی جانب کرلو یا مغرب کی جانب]

یہ حکم مدینہ منورہ کے لیے مخصوص ہے، کیوں کہ اہلِ مدینہ کا قبلہ جنوبی ہے اور ہمارے اس دیار

---

① سنن البيهقي (١/ ١٠٢)

② مسند أحمد (٦/ ١٩٢) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٢) سنن النسائي، رقم الحديث (٢٩)

③ الأوسط لابن المنذر (١/ ٣٥٣)

④ صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٨٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٤)

میں قبلہ غربی ہے، کیوں کہ اگر ہم منہ مشرق و مغرب کی طرف کریں تو منہ اور پیٹھ قبلے کی جانب ہوگی۔ غرض اس سے نہی ہے، لیکن جس کا قبلہ اس کے استقبال یا استدبار میں آئے تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث، ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے منسوخ ہے، کیوں کہ انھوں نے کہا ہے:

«اِرْتَقَيْتُ فَوْقَ بَيْتِ حَفْصَةَ لِبَعْضِ حَاجَتِي فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْضِي حَاجَتَهُ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ»[1] (متفق عليه)

[میں کسی کام سے حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی چھت پر چڑھا، میں نے دیکھا کہ نبی مکرم ﷺ قبلے کی جانب پیٹھ اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے قضاے حاجت کر رہے ہیں]

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ انھوں نے اس نہی کے ایک سال کے بعد آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ قبلے کی طرف پیٹھ کر کے پیشاب کر رہے تھے تو ایک جماعت نے گمان کیا کہ یہ پہلی حدیث سے منسوخ ہے، جبکہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ اول حدیث صحرا میں ہے اور ثانی آبادی میں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس باب میں کئی مذہب ہیں:

١. دونوں کے درمیان فرق کرنا۔ یہ مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ وغیرہ کا مذہب ہے۔
٢. استقبال کا بہر صورت عدمِ جواز ہے۔
٣. دونوں کا ہر صورت میں جواز ہے۔
٤. ہر صورت میں استقبال کا عدمِ جواز اور ہر صورت میں استدبار کا جواز ہے۔

شافعی رحمہ اللہ وغیرہ نے تفریق پر احادیثِ صحیحہ سے جن میں بنیان کے اندر جواز کی صراحت ہے، استدلال کیا ہے، لہٰذا دونوں روایتوں میں تطبیق کے لیے نہی صحرا پر محمول ہوگی۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس مسئلے میں آٹھ اقوال پر اختلاف کیا گیا ہے اور میں نے "شرح منتقیٰ" میں انکا پورا بیان کیا ہے۔[2] انتهى.

اپنی مختصر کتاب میں وہ عدمِ استقبال و استدبارِ قبلہ کی طرف گئے ہیں اور اس کی شرح میں مجوزین و مفرقین کے ادلہ کا جواب دیا ہے، اس کی پوری بحث "مسك الختام شرح بلوغ المرام" میں مذکور ہے، اس کو دیکھیے۔[3]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦٦)

[2] نيل الأوطار (١/ ٩٨)

[3] مسك الختام شرح بلوغ المرام (١/ ١٥٢)

تیسری حدیث:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«تُصُدِّقَ عَلٰى مَولَاةٍ لِمَيْمُوْنَةَ بِشَاةٍ فَمَرَّ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: هَلَّا أَخَذْتُمْ إِهَابَهَا فَدَبَغْتُمُوْهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهِ؟ فَقَالُوْا: إِنَّهَا مَيْتَةٌ! فَقَالَ: إِنَّمَا حُرِّمَ أَكْلُهَا»[1] (متفق عليه)

[رسول اللہ ﷺ ایک مری ہوئی بکری کے پاس سے گزرے جو میمونہ رضی اللہ عنہا کی کنیز پر صدقہ کی گئی تھی، تو فرمایا کہ اس کا چمڑا کیوں نہیں لے لیا اور اسے دباغت دے دیا، پھر اس سے فائدہ اٹھاتے؟ لوگوں نے کہا: یہ مری ہوئی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: صرف اس کا کھانا حرام ہے]

کہتے ہیں کہ یہ حدیث، عبداللہ بن عکیم رحمہ اللہ تابعی سے مروی حدیث سے منسوخ ہے، انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس آپ ﷺ کی وفات کے ایک ماہ پہلے خط آیا کہ مردار کے چمڑے اور چربی سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔[2] (رواه الترمذي و أبو داود والنسائي و ابن ماجه)

اثرم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ گویا یہ حدیث، پہلی حدیث کی ناسخ ہے، لیکن ان کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے کہ اباحت آپ ﷺ کی وفات سے ایک روز پہلے کی ہوسکتی ہے اور پہلی حدیث صحیحین میں ہے، جبکہ ابن عکیم رحمہ اللہ کی روایت بہت مضطرب ہے۔[3]

کاتب سطور کے والد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ دونوں حدیثوں کے مابین ایسے تطبیق ممکن ہے کہ "إھاب" بغیر دباغت دیے چمڑے کا نام ہے۔ پس میتہ کے چمڑے سے بغیر دباغت استفادہ کرنے سے روکا گیا ہے اور اگر اسے دباغت دے دیا جائے تو کوئی بات نہیں، جیسے پہلی حدیث کے آخر سے ظاہر ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے:

«يُطَهِّرُهَا الْمَاءُ وَالْقَرَظُ»[4]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٤٢١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٦٣)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤١٢٨) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٧٢٩) سنن النسائي، رقم الحديث (٤٢٤٩) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٦١٣)

[3] إخبار أهل الرسوخ (ص: ٢١)

[4] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤١٢٦) سنن النسائي، رقم الحديث (٤٢٤٨) مسند أحمد (٦/٣٣٤)

[پانی اور قرظ (کیکر کے مشابہ درخت اور اس کے پتے) اسے پاک کر دیتے ہیں]

صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے:

«إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ»[1]

[چمڑا دباغت دینے سے پاک ہو جاتا ہے]

"عدة المنسوخ" میں فرمایا ہے کہ میتہ کے چمڑے کی طہارت کے بارے میں سات مذاہب ہیں۔ ہر صاحبِ مذہب نے احادیث وغیرہ سے اس پر استدلال کیا ہے اور بعض نے بعض کی دلیل کا جواب دیا ہے۔ نووی رحمہ اللہ نے شرح مہذب میں ان کے دلائل کی وضاحت کی ہے اور شرح مسلم میں ادلہ کے بیان کے بغیر ذکرِ مذاہب پر اکتفا کیا ہے۔[2] انتہیٰ.

میں کہتا ہوں کہ ان کے کچھ ادلہ ہم نے "مسك الختام"[3] میں ذکر کر دیے ہیں اور "دليل الطالب" میں اس پر بسیط کلام کیا ہے کہ اس حدیث کا نسخ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نیز حدیث مذکورہ «إِنَّمَا حُرِّمَ أَكْلُهَا» سے ثابت ہوا کہ جو چیز حرام ہے، نجس نہیں ہے۔ "دراري مضيئة" اور "سبل السلام" میں شوکانی رحمہ اللہ اور محمد بن اسماعیل امیر یمانی رحمہ اللہ وغیرہ اسی طرف گئے ہیں اور یہی راجح اور صواب ہے، جیسا کہ "شرح بلوغ المرام" میں ہم نے ظاہر کیا ہے۔[4] والله أعلم بالصواب.

چوتھی حدیث:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: تَوَضَّؤُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ»[5] (رواه مسلم)

[میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ وضو کرو اس سے جسے آگ نے چھوا ہو]

کہتے ہیں کہ یہ حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث "أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَكَلَ

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٦٦)

[2] شرح صحيح مسلم للنووي (٤/ ٥٤) شرح المهذب (١/ ٢١٧)

[3] مسك الختام (١/ ٥٥) دليل الطالب (ص: ٢٢٢)

[4] مسك الختام شرح بلوغ المرام (١/ ٥٥)

[5] صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٥٢)

كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰى فَلَمْ يَتَوَضَّأْ“[1] (متفق عليه) سے منسوخ ہے (یعنی رسول اللہ ﷺ نے بکری کی دستی کھائی، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا) نیز جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«آخِرُ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَرْكُ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ»[2]

[یعنی رسول اللہ ﷺ کا دو میں سے آخری فعل جسے آگ نے چھوا ہو، اس سے وضو نہ کرنا ہے]

میں کہتا ہوں کہ علما نے اس سے وضو کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ جمہور عدمِ وجوب پر ہیں اور ایک گروہ وجوب کی طرف گیا ہے۔ جمہور نے اس کا جواب دو طریقے سے دیا ہے۔ ایک یہ کہ ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہم کی حدیث سے منسوخ ہے، دوسرا یہ کہ اس کا معنی ہاتھ اور منہ دھونا ہے۔[3] یہ اختلاف صدرِ اول میں تھا، اس کے بعد وضو کے عدمِ وجوب پر اجماع کر لیا گیا۔ و اللّٰه أعلم.

ہاں اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کے بارے میں حکم برقرار ہے اور اکثر وضو کے نہ ٹوٹنے کی طرف گئے ہیں۔ اس سے وضو ٹوٹنے کی طرف احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن یحییٰ، ابن منذر اور ابن خزیمہ رحمہ اللہ گئے ہیں اور اسی کو بیہقی اور نووی رحمہ اللہ نے اس خاص باب میں حدیث کی صحت کی وجہ سے اختیار کیا ہے اور یہی درست ہے۔ آگ کے چھونے سے وضو کی حدیث عام ہے اور خاص عام پر مقدم ہے۔ ”ما لا بد منه“ میں فرمایا ہے کہ احتیاط سب سے اولیٰ ہے۔

”حجة اللّٰه البالغة“ میں لکھا ہے کہ رہا اونٹ کا گوشت تو اس کا معاملہ دشوار ہے، اس کا فقہائے صحابہ وتابعین میں سے کوئی قائل نہیں ہے۔ اس کے قائل احمد اور اسحاق رحمہ اللہ ہیں اور میرے نزدیک اس میں انسان کے لیے احتیاط بہتر ہے۔[4] انتهیٰ. ان دونوں مسئلوں پر پوری بحث شرح مختصر شوکانی رحمہ اللہ میں ہم نے ذکر کر دی ہے۔[5]

پانچویں حدیث:

بسرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٠٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٥٤)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٩٢) سنن النسائي، رقم الحديث (١٨٥)

[3] دیکھیں: سنن الترمذي، رقم الحديث (١٨٤٨) الناسخ والمنسوخ لابن شاهين (١٢٥)

[4] حجة اللّٰه البالغة (ص: ٣٧٤)

[5] الروضة الندية شرح الدرر البهية (١/ ٤٥)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «إِذَا مَسَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ»[1]

(رواه مالك وأحمد و أبو داوٗد و الترمذي والنسائي وابن ماجه والدارمي)

[یعنی جب تم میں سے کوئی اپنے آلہ تناسل کو چھوئے تو وہ وضو کرے]

کہتے ہیں کہ یہ حدیث، طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہے:

«سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ مَسِّ الرَّجُلِ ذَكَرَهُ بَعْدَ مَا تَوَضَّأَ قَالَ: هَلْ هُوَ إِلَّا بُضْعَةٌ مِنْهُ»[2] (رواه أبو داوٗد والترمذي والنسائي وابن ماجه نحوه)

[یعنی رسول اللہ ﷺ سے وضو کرنے کے بعد کسی کے اپنا ذکر چھونے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اس (کے جسم) کا ایک ٹکڑا ہی ہے]

بغوی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے، کیوں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ طلق کے آنے کے بعد اسلام لائے اور انھوں نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے ذکر کو چھوئے اور اس کے اور اس کی شرم گاہ کے درمیان کوئی چیز نہ ہو تو چاہیے کہ وہ وضو کرے۔[3] انتھیٰ.

(رواه الشافعي والدارقطني)

کاتبِ سطور کے والد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان میں نقض کو کپڑے کی آڑ کے بغیر چھونے پر محمول کرکے اور عدمِ نقض کو آڑ پر محمول کر کے دونوں کے درمیان تطبیق ممکن ہے، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کی وضاحت کر رہی ہے۔ انتھیٰ.

"عدة المنسوخ" میں فرمایا ہے کہ ایک قوم نے طلق رضی اللہ عنہ کی حدیث کے نسخ کا دعویٰ ان کے آنحضرت ﷺ کے پاس مسجد نبوی کی تاسیس کے وقت آمد کی وجہ سے کیا ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مہاجر ہیں اور یہ قول محتمل ہے۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف نہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اپنی سند اور متن کے لحاظ سے کئی وجوہ سے راجح ہے:

پہلی: راوی کا موخر الاسلام ہونا۔

---

[1] الموطأ للإمام مالك (١/ ٤٢) مسند أحمد (٢/ ٤٢٣) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (١٨١) سنن الترمذي، رقم الحديث (٨٢) سنن النسائي (١٦٣) سنن ابن ماجه (٤٧٩) سنن الدارمي (١/ ١٩٩)

[2] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (١٨٢) سنن الترمذي، رقم الحديث (٨٥) سنن النسائي (١٦٥)

[3] شرح السنة (١/ ٣٤٢-٣٤٣) سنن الدارقطني (١/ ١٤٧) مسند الشافعي (٣٤)

دوسری: اس کا احفظ واحوط ہونا۔

تیسری: اس کا عادت سے عبادت کی طرف ناقل ہونا۔

چوتھی: یہ مثبت ہے۔ نیز ترجیح کے لیے دوسری وجوہ بھی ہیں۔ انتھیٰ.

شوکانی رحمہ اللہ نے "شرح مختصر" میں کہا ہے کہ بسرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث تنہا راجح ہے تو دوسری احادیثِ کثیرہ کے اس کے ساتھ انضمام سے اس کے برابر کیا ہو سکے گی؟ کیوں کہ اس باب میں صحابہ کی ایک جماعت جابر، ام حبیبہ، ابن عمر، زید بن خالد، سعد بن ابی وقاص، عائشہ، ابن عباس، نعمان بن بشیر، انس، ابی بن کعب، معاویہ، قبیصہ اور اروی بنت انیس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ بسرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو احمد، اہلِ سنن، مالک، شافعی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ابن الجارود اور احمد رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے اور ترمذی، دارقطنی، یحییٰ بن معین، بیہقی، حازمی، ابن حبان اور ابن خزیمہ رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں۔

جو طلق کی حدیث کی ترجیح کی طرف گئے ہیں، کوئی مفید بات نہیں لائے ہیں۔ ذکر کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کی طرف صحابہ و تابعین اور ائمہ کی ایک جماعت گئی ہے اور اس کے خلاف بھی ایک جماعت گئی ہے اور درست وضو ٹوٹنا ہے۔ جو شرم گاہ چھونے سے وضو ٹوٹنے پر دلالت کر رہی ہے، وہ قبل اور دبر ہر دو سے عام ہے، جیسا کہ ابن ماجہ رحمہ اللہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے لائے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ فرماتے تھے کہ جو اپنی شرمگاہ چھوئے تو وہ وضو کرے۔ اسے ابوزرعہ اور احمد رحمہما اللہ نے صحیح کہا ہے اور ابن السکن رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں اس حدیث کی کوئی علت نہیں جانتا۔[1]

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "حجۃ اللہ" میں کہا ہے کہ یہ اس جنس سے ہے جس میں سلف اختلاف کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت متعارض ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کے نسخ پر اطمینان نہیں ہوا۔[2] انتھیٰ. اس کی پوری بحث ہم نے "شرح بلوغ المرام" اور "درر بھیہ" کی شرح میں لکھی ہے۔[3]

چھٹی حدیث:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

[1] الدراري المضية للشوكاني (١/ ٥٣)

[2] حجة الله البالغة (ص: ٣٧٢)

[3] مسلك الختام (١/ ١٢٦) الروضة الندية (١/ ٤٧)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: «اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ»[1]

(رواه مسلم وأبوداود وابن خزيمة وابن حبان، وأصله في البخاري، ورواه أحمد من حديث رافع وعتبان، والطحاوي من حديث أبي هريرة، و ابن شاهين في ناسخه من حديث أنس)

اس کا معنی یہ ہے کہ پانی کا استعمال اور پانی سے غسل کا وجوب پانی یعنی منی کے شہوت کے ساتھ نکلنے سے ہے، لہٰذا اس حدیث کے حکم سے غسل بغیر انزال واجب نہیں ہوگا۔ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہے۔ انھوں نے کہا ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ «إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ، ثُمَّ جَهَدَهَا، فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ»[2] (متفق عليه)

امام مسلم نے زیادہ کیا ہے: «وَإِنْ لَّمْ يُنْزِلْ»[3]

[یعنی جب عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھے، پھر اسے تکان اور مشقت میں ڈال دے، تو غسل واجب ہوگیا، یعنی دونوں پر، اگر چہ وہ انزال نہ کرے]

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ یہ شروع اسلام میں ایک رخصت تھی، اس کے بعد اس سے نہی کردی گئی۔[4] ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ایسے ہی بہت سے صحابہ سے روایت کیا گیا ہے کہ یہ حکم ابتداے اسلام میں تھا، اس کے بعد منسوخ ہوگیا اور یہ حکم ہوا کہ جب آلہ تناسل عورت کی شرمگاہ کے اندر چلا گیا اور مرد و عورت کی شرمگاہیں آپس میں مل گئیں تو غسل واجب ہوگیا، انزال ہو یا نہ ہو۔[5] امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امت ہم بستری سے غسل کے وجوب پر متفق ہے، اگر چہ اس کے ساتھ انزال نہ ہوا ہو۔ انزال سے وجوبِ غسل پر صحابہ کی ایک جماعت تھی، جن میں سے بعض نے بعد میں رجوع کرلیا اور دونوں حکموں کے بعد احادیثِ صحیحہ کی بنیاد پر شرم گاہوں کے ملنے سے غسل کے وجوب پر اجماع ہوگیا۔[6] انتهیٰ.

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٤٣) سنن أبي داود، رقم الحديث (٢١٧) صحيح ابن خزيمة (١/١١٧) صحيح ابن حبان (٣/٤٤٣) مسند أحمد (٤/٣٤٢) شرح معاني الآثار للطحاوي (١/٥٤) الناسخ والمنسوخ لابن شاهين (٨١)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٤٨)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٤٨)

[4] سنن أبي داود، رقم الحديث (٢١٥)

[5] سنن الترمذي، رقم الحديث (١١١)

[6] شرح النووي على صحيح مسلم (٤/٣٦)

میں کہتا ہوں کہ جمہور نے کہا ہے کہ حدیث «اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ» منسوخ ہے اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ منسوخ نہیں ہے، بلکہ اس کا معنی خواب میں منی دیکھنے پر غسل کے وجوب کی نفی ہے جب اسے انزال نہ ہوا ہو، لیکن درست یہ ہے کہ حدیث احتلام میں مطلق ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تلخيص الحبير" میں کہا ہے کہ اس باب میں چند احادیث عدمِ ایجاب کے بارے میں ہیں، لیکن اخیر میں وجوبِ غسل پر اجماع منعقد ہوگیا۔ یہ ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔[1] انتھیٰ۔

رہی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا: جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اور انزال نہیں کرتا، وہ اپنا ذکر دھوئے اور وضو کرے۔ تو یہ منسوخ ہے یا ماسوائے شرمگاہ مباشرت پر محمول ہے۔ داود رحمہ اللہ اور صحابہ وتابعین کی ایک تھوڑی سی جماعت عدمِ انزال میں عدمِ وجوب کی طرف گئی ہے۔ عثمان، علی، زبیر، طلحہ، ابو ایوب اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں اور بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ غسل احوط ہے۔ شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس مسئلے میں صحابہ اور جو ان کے بعد ہیں، اختلاف کرتے ہیں اور حق غسل کرنا ہی ہے۔[2]

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "حجة الله" میں فرمایا ہے کہ جو روایتاً صحیح ہے اور جس پر جمہور فقہا ہیں، یہ ہے کہ جس نے جہد کیا، اس پر غسل واجب ہوگیا، گو انزال نہ کرے۔[3] انتھیٰ. اس کی پوری بحث "شرح بلوغ المرام" اور "شرح درر بهية" میں ہے۔[4]

ساتویں حدیث:

صحیحین وغیرہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ»[5]

[جب تم میں سے کوئی جمعے کے لیے آئے تو وہ غسل کرے]

---

[1] التلخيص الحبير (١/ ١٣٥)
[2] الدراري المضية (١/ ٥٤)
[3] حجة الله البالغة (ص: ٣٧٧)
[4] الروضة الندية (١/ ٥٠) مسك الختام (١/ ١٦٣)
[5] صحيح البخاري، رقم الحديث (٨٣٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٤٤)

اس حدیث میں اس روز کے غسل کا وجوب ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے منسوخ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ تَوَضَّأَ لِلْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ، وَمَنِ اغْتَسَلَ فَذٰلِكَ أَفْضَلُ»[1]

(أخرجه أبوداود والنسائي والترمذي)

[یعنی جس نے جمعے کے لیے وضو کیا، اس نے اچھا کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے]

لیکن صحیح اس کا عدمِ نسخ ہے، کیوں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو امت نے قبول کیا ہے اور تقریباً تین سو شخص اسے نافع سے روایت کرتے ہیں اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سوا چوبیس صحابی اس کے راوی ہیں۔ سلف کی ایک جماعت اس کے وجوب کی طرف گئی ہے اور اہلِ ظاہر اسی کے قائل ہیں۔ اسے ابن منذر رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ، عمار رضی اللہ عنہما اور مالک رحمہ اللہ سے حکایت کیا ہے اور خطابی رحمہ اللہ نے حسن بصری رحمہ اللہ سے اور ابنِ حزم رحمہ اللہ نے صحابہ و تابعین کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے۔ جمہور حدیثِ سمرہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اسے مستحب کہتے ہیں، مگر اس میں کلام ہے، کیوں کہ حسن نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا ہے۔[2]

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس لفظ کے ساتھ حدیث ہے کہ «مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ، الخ»[3] [جس نے اچھی طرح وضو کیا، پھر جمعہ کے لیے آیا] اس کے سوا دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ احادیث وجوب کے مندوب ہونے کی طرف جانے کے لیے قرینہ صارفہ ہیں۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ احادیث اس حکم کی صارف ہیں، لیکن آپ کے اس جیسے ارشاد: «حَقٌّ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْماً، يَغْسِلُ فِيهِ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ»[4] [ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ ہر ہفتے ایک (یعنی جمعہ کے) دن غسل کرے، وہ اس دن اپنا سر اور جسم دھوئے] جو کہ صحیحین وغیرہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اس کے صرف کی اہلیت نہیں رکھتیں، کیوں کہ یہ وجوب میں صریح ہے، اور پوری بحث "نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار" میں ہے۔[5]

---

(1) سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٥٤) سنن النسائي، رقم الحديث (١٣٨٠) سنن الترمذي (٤٩٧)

(2) ائمہ محدثین کے نزدیک سمرہ رضی اللہ عنہ سے حسن رحمہ اللہ کا سماع صحیح و ثابت ہے۔ دیکھیں: جامع التحصيل للعلائي (ص: ١٦٥)

(3) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٥٧)

(4) صحيح البخاري، رقم الحديث (٨٥٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٤٩)

(5) الدراري المضية (١/ ٥٩) نیز دیکھیں: نيل الأوطار (١/ ٢٩٠)

آٹھویں حدیث:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ»[1]

[یعنی آپ ﷺ نے عصر کے بعد نماز سے نہی فرمائی، جب تک آفتاب غروب نہ ہو]

کہتے ہیں کہ یہ حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے منسوخ ہے، انھوں نے کہا ہے کہ «مَا دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَّا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ»[2] یہ حدیث سنن ابی داود اور نسائی میں ہے۔ اثرم رحمہ اللہ نے کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث درست نہیں ہے، کیوں کہ ان ہی سے روایت ہے کہ یہ دو رکعت ظہر کے بعد پڑھتے تھے تو آپ ﷺ کو ایک قوم نے مشغول کر دیا تو آپ ﷺ نے ان کو عصر کے بعد ادا کیا۔[3] انتھیٰ.

میں کہتا ہوں کہ اس کے مثل صحیح بخاری میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ ”سفر السعادۃ“ میں کہا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی، جب کہ دوسروں کے لیے مکروہ ہے۔[4] انتھیٰ. جیسا کہ ابو داود کی روایت میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے اور لوگوں کو اس سے روکتے تھے، اسی طرح خود صومِ وصال رکھتے تھے اور دوسروں کو اس سے روکتے تھے۔[5]

شیخ رحمہ اللہ نے ”شرح سفر السعادۃ“ میں فرمایا ہے کہ بالجملہ احادیث و آثارِ نمازِ عصر کے بعد عام نماز سے نہی کے بارے میں غالب وقوی ہیں اور جمہور علما کی رائے بھی یہی ہے۔ لہٰذا درست یہ دکھائی دیتا ہے کہ یہ دو رکعتیں آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے تھیں اور آپ کے سوا کے لیے مکروہ ہیں، جیسا کہ مصنف نے کہا ہے۔ انتھیٰ.

ابن عقیل رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ممنوعہ اوقات میں نماز کا جواز صومِ وصال کی بنیاد پر آنحضرت ﷺ

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٦٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٢٥)
2. صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٦٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٦٧) سنن أبي داود، رقم الحديث (١٢٧٩) سنن النسائي، رقم الحديث (٥٧٥)
3. إخبار أهل الرسوخ (ص: ٢٨)
4. سفر السعادة (ص: ٢٣)
5. سنن أبي داود، رقم الحديث (١٢٨٠) اس کی سند میں محمد بن اسحاق مدلس ہے۔

کے ساتھ مخصوص تھا۔ "عدة المنسوخ" میں کہا ہے کہ یہاں ایک دوسری وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ نبی ﷺ کے لیے مخصوص نہیں، بلکہ جس شخص کی سنت راتبہ فوت ہو جائے، وہ اسے ممنوع وقت میں پڑھ سکتا ہے، لیکن زیادہ صحیح اور معروف پہلا قول ہی ہے۔ انتھیٰ. اس صورت میں مذکورہ بالا حدیث منسوخ ہوگی۔ کاتبِ سطور کہتا ہے کہ اس نہی سے فجر اور عصر کے بعد طواف کی دو رکعت ادا کرنا اس حدیث کی وجہ سے مخصوص ہے، جو ابن ماجہ وغیرہ میں اس باب میں وارد ہے۔[1]

نویں حدیث:

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

«إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَضَعُ يَدَيْهِ بَيْنَ رُكْبَتَيْهِ إِذَا رَكَعَ»[2]

[یعنی آنحضرت ﷺ رکوع میں اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھتے تھے]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ہم پہلے ایسے کیا کرتے تھے، پھر ہمیں گھٹنوں (پر ہاتھ رکھنے) کا حکم دیا گیا۔[3] یہ نسخ میں صریح ہے اور یہی جمہور علما کا مذہب ہے کہ دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھنا سنت ہے اور تطبیق مکروہ ہے، مگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھی علقمہ اور اسود رحمہما اللہ اس پر تھے کہ ان کے نزدیک سنت تطبیق ہے،[4] کیونکہ ناسخ ان تک نہیں پہنچا اور وہ سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اب جمہور اسی پر ہیں۔

دسویں حدیث:

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے صحیحین وغیرہ میں روایت ہے کہ ہم نماز میں اپنے ساتھی سے بات کرتے تھے، یہاں تک کہ ﴿وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ اتری تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور بات کرنے سے روک دیا گیا۔[5]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٨٩٤) سنن الترمذي، رقم الحديث (٨٦٨) سنن النسائي، رقم الحديث (٥٨٥) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٢٥٤)

[2] إخبار أهل الرسوخ (ص: ٢٩) نیز دیکھیں: سنن النسائي الكبرىٰ (١/ ٢١٤) نيل الأوطار (٢/ ٢٧٠)

[3] نيل الأوطار (٢/ ٢٧٠)

[4] مصدر سابق.

[5] صحيح البخاري، رقم الحديث (١١٤٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٣٩)

ایسے ہی صحیحین وغیرہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث: «إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغُلاً»[1] [یقیناً نماز میں یہ ایک طرح کا شغل اور مصروفیت ہوتی ہے] کے الفاظ میں ہے۔

احمد، نسائی، ابوداود اور ابن حبان رحمہم اللہ کی روایت میں ہے:

«إِنَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ مِنْ أَمْرِہِ مَا شَاءَ، وَإِنَّہُ قَدْ أَحْدَثَ مِنْ أَمْرِہِ أَنْ لَّا یُتَکَلَّمَ فِي الصَّلَاۃِ»[2]

[یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے معاملے میں جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بلاشبہہ اس نے نئی بات یہ پیدا کی ہے کہ نماز میں کلام نہ کیا جائے]

یہ نسخ میں صریح ہے۔ حسن اہدل رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مالک وابوحنیفہ اور احمد وجمہور سلف رحمہم اللہ کا مذہب نماز میں کلام کی تحریم ہے، اگر چہ وہ نماز کی ضرورت اور مصلحت کے لیے ہو۔ نیز یہ کہ کلام نماز کو باطل کر دیتا ہے۔ اوزاعی رحمہ اللہ اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے نماز کی مصلحت کے لیے جائز ہے اور یہ اصحاب مالک سے روایت کیا گیا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

امام شوکانی رحمہ اللہ نے اپنی ''شرح مختصر'' میں کہا ہے کہ جو بھول جائے اور جسے ممانعت کا علم نہ ہو، اس کے کلام میں اختلاف ہے۔ رہا علم نہ رکھنے والا تو صحیح میں معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ اعادہ نہیں کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان جاہل پر تنگی نہ کرنا اور غالب احوال میں قضا کا حکم نہ دینا تھی، بلکہ اس کی تعلیم پر اور اسے کسی چیز کے عدمِ جواز کی خبر دینے پر جو اس سے ہوئی ہو، اکتفا کرنا تھی۔ ہاں کبھی اعادہ کا حکم بھی دیتے تھے، جیسا کہ مسییٔ صلاۃ کی حدیث میں ہے۔ بہ ظاہر غلطی کرنے والے اور بھولنے والے اور عالم کے درمیان ابطالِ صلات میں فرق نہیں ہے۔[3] حافظ ابن القیم رحمہ اللہ ''إعلام الموقعین'' میں ناواقف اور بھولنے والے متکلم کی نماز کی صحت کی طرف گئے ہیں،[4] جب کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ بھولنے والے کا کلام مبطلِ صلات

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۱۱۵۸) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۵۳۸)

[2] مسند أحمد (۱/ ۳۷۷) سنن أبي داود، رقم الحدیث (۹۲٤) سنن النسائي، رقم الحدیث (۱۲۲۱) صحیح ابن حبان (٦/ ۱۵)

[3] الدراري المضیة للشوکاني (۱/ ۹۲)

[4] إعلام الموقعین (۲/ ۳٤۵)

ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث تحریمِ کلام سے پہلے کی تھی، پھر منسوخ ہوگئی اور اس میں بحث ہے، کیوں کہ تحریمِ کلام مکہ میں تھی اور یہ واقعہ مدینے میں ہوا۔

شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کلامِ ناسی غیر مبطل اور کلامِ عامد مبطل ہے، اگر چہ تھوڑا ہو۔ اس حدیث کی تاویل ان کے نزدیک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناسی تھے اور اپنے کلام کی بنیاد اس پر رکھی کہ نماز پوری ہوگئی۔ یہ نسیان ہے اور ذوالیدین کا کلام قصر نماز کے توہم پر تھا، لہٰذا اس کا حکم ناسی کا حکم ہوگا۔ قوم کا کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب تھا اور اجابتِ رسول مبطلِ صلات نہیں ہے۔ مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر تھوڑا کلام نماز کو درست کرنے کے لیے ہو تو مبطل نہیں ہے، جیسے کوئی کہتا ہے کہ نماز پوری نہیں ہوئی اور دوسرا کہتا ہے کہ میں نے پوری کی ہے۔ اس نوعیت کا کلام حدیث « نُهِينَا عَنِ الْكَلَامِ » اور « لَا تَكَلَّمُوْا » سے مخصوص ہے۔ ایسے ہی "المسوی شرح الموطأ" میں ہے۔ اس مسئلے پر پورا کلام تحقیق کے ساتھ ہم نے "دلیل الطالب" میں کیا ہے اور وضاحت کے ساتھ صحیح موقف ذکر کیا ہے، اسے دیکھو۔[1]

گیارھویں حدیث:

ابو سعید رضی اللہ عنہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے:

« إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا لَهَا »[2] یہ حدیث صحیحین وغیرہ میں ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث "قَامَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَعَدَ"[3] (رواہ مسلم) سے منسوخ ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کے لیے کھڑے ہوئے، پھر بیٹھ گئے۔ ایک روایت ان سے اس لفظ کے ساتھ ہے:

« كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَنَا بِالْقِيَامِ بِالْجَنَازَةِ، ثُمَّ جَلَسَ، وَأَمَرَنَا بِالْجُلُوْسِ »[4] (رواه أحمد وأبو داود)

---

[1] دليل الطالب (ص: ٣٢٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٢٤٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٥٨)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٦٢)

[4] مسند أحمد (٨٢/١) سنن أبي داود، رقم الحديث (٣١٧٥)

یہ روایت قیام کے نسخ میں صریح ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ سلف کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ قیام کا حکم علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے منسوخ ہے۔[1] انتھی. ابن عقیل رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بایں طور تطبیق ممکن ہے کہ قیام مستحب ہو اور قعود جائز ہے، اس طرح اس میں نسخ نہیں ہے۔[2]

میں کہتا ہوں کہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ لوگ اس مسئلے میں اختلاف کرتے ہیں۔ مالک وابو حنیفہ اور شافعی رحمہم اللہ قیام کو منسوخ کہتے ہیں۔ احمد، اسحاق، ابن حبیب اور ابن ماجشون رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ اختیار ہے اور اس شخص کے قیام میں، جو قبر تک جنازے کی مشایعت کرتا ہو، اختلاف ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جب تک جنازہ زمین پر نہ رکھا جائے، کھڑا رہے۔ نیز کہتے ہیں کہ اس شخص کے لیے قیام منسوخ ہے، جس کے پاس سے جنازہ گزرے۔ اسی کے قائل اوزاعی، احمد، اسحاق اور محمد بن حسن رحمہم اللہ ہیں۔

قبر پر، جب تک دفن نہ کیا جائے، کھڑے ہونے میں اختلاف ہے۔ ایک قوم نے اسے مکروہ کہا ہے اور دوسروں نے اس پر عمل کیا ہے۔ یہ عثمان، علی اور ابن عمر وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے۔[3] "عدة المنسوخ" میں کہا ہے کہ یہ قاضی رحمہ اللہ اور اس کے بعد نووی رحمہ اللہ کا کلام ہے۔ ہمارے مذہب میں مشہور یہ ہے کہ قیام مستحب نہیں ہے۔ اس حدیث کو علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ کہتے ہیں اور نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مختار یہی ہے، پس اس کا حکم مندوب ہوگا۔ قعود بیانِ جواز کے لیے ہوگا اور اس جیسے میں نسخ کا دعویٰ درست نہیں ہوتا، کیوں کہ احادیث میں نسخ تطبیق کے متعذر ہونے پر ہوتا ہے اور یہاں متعذر نہیں ہے۔ واللّٰہ أعلم.

بارھویں حدیث:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

«قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ أَدْرَكَهُ الصُّبْحُ وَهُوَ جُنُبٌ فَلَا صَوْمَ لَهُ»[4]

[یعنی جسے سویرے نے پالیا اور وہ حالت جنابت میں ہو تو اس کا روزہ نہیں ہے]

---

[1] إكمال المعلم شرح صحيح مسلم للقاضي عياض (٣/ ٢٢٧)

[2] إخبار أهل الرسوخ (ص: ٣١)

[3] إكمال المعلم للقاضي عياض (٣/ ٢٢٧) المجموع شرح المهذب (٥/ ٢٨٠)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٨٢٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٠٩)

کہتے ہیں کہ یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے منسوخ ہے۔ انھوں نے فرمایا:

«وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ فِي رَمَضَانَ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ غَيْرِ حُلُمٍ فَيَغْتَسِلُ وَيَصُوْمُ»[1] (متفق علیه)

[یعنی آنحضرت ﷺ کو رمضان میں فجر اس حالت میں پالیتی تھی کہ آپ ﷺ بغیر احتلام جنابت کی حالت میں ہوتے تھے، پھر غسل کرتے اور روزہ رکھتے تھے]

ابو الفرج ابن جوزی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دو باتوں کا احتمال رکھتی ہے:

ایک یہ کہ اول اسلام میں ایسا تھا، پھر منسوخ ہوگیا، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے۔

دوسرا یہ کہ اس شخص کی طرف اشارہ ہو جو فجر نمودار ہونے کے بعد ہم بستری کی وجہ سے جنبی ہوا ہو تو اسے امساک کا حکم دیا جائے گا اور اس کا اس دن کا روزہ شمار نہیں کیا جائے گا۔[2] انتہیٰ.

میں کہتا ہوں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب تین وجہ سے ہے، ان میں سے یہی دو احتمال ہیں، جن میں سے پہلا ابن منذر رحمہ اللہ کا جواب ہے، جسے بیہقی رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے اور نووی رحمہ اللہ نے اس کی حکایت کی ہے کہ یہ حدیث اول اسلام میں اس وقت تھی، جب سونے کے بعد رات میں ہم بستری حرام تھی، جیسا کہ کھانا اور پینا حرام تھا، پھر منسوخ ہوگیا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جب اس کے نسخ کی خبر پہنچی تو اس سے رجوع کر لیا۔ ابن المنذر نے کہا ہے کہ "هو أحسن ماسمعت فيه" والله أعلم.

وجہ ثانی کے بارے میں نووی رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے کہ شاید ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس شخص پر محمول ہے، جسے حالتِ جماع میں فجر نے پالیا اور وہ اس پر علم کے باوجود برابر برقرار رہا تو وہ مفطر ہوگیا، چناں چہ وہ امساک کرے گا اور اس کا روزہ نہیں ہوگا۔[3] تیسری وجہ یہ ہے کہ افضل کی طرف ارشاد ہے کہ فجر سے پہلے غسل کر لے اور اگر اس کے خلاف کرے تو جائز ہے۔ یہ ہمارے اصحاب اور ان کے بھائیوں اہلِ حدیث کا مذہب ہے۔ ان زمانوں میں احتلام اور ہم بستری سے جنبی کے روزے کی صحت پر اتفاق کیا گیا ہے۔ جماہیر صحابہ و تابعین اسی کے قائل ہیں۔ حسن بن صالح رحمہ اللہ نے اس حکایت کا ابطال کیا ہے اور اسی موقف پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے، جب کہ صحیح یہ ہے کہ انھوں نے

---

[1] المصدر السابق.

[2] إخبار أهل الرسوخ (ص: ٣١۔ ٣٢)

[3] المجموع شرح المهذب (٦/ ٣٠٨)

رجوع کرلیا تھا۔[1] یہ بھی کہتے ہیں کہ رجوع نہیں کیا۔ طاوس، عروہ اور نخعی رحمہم اللہ سے روایت ہے کہ اگر اپنی جنابت کو جانتا ہے تو صحیح نہیں، ورنہ صحیح ہے۔ حسن بصری اور نخعی رحمہما اللہ سے حکایت کیا گیا ہے کہ نفل روزے میں حرام ہے نہ کہ فرض میں۔ سالم بن عبداللہ اور حسن بن صالح رحمہما اللہ سے حکایت کیا گیا ہے کہ روزہ رکھے اور قضا کرے، پھر یہ اختلاف اٹھ گیا اور علما نے بعد میں اس کی صحت پر اجماع کرلیا اور اختلاف کے بعد اجماع کی صحت میں اہلِ اصول کا مشہور اختلاف ہے۔ لیکن سیدہ عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہر مخالف پر حجت ہے۔ واللہ أعلم، كذا في عدة المنسوخ.

تیرھویں حدیث:

«أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ»[2]

(رواه أحمد وابن ماجه عن شداد بن أوس، وصححه البخاري وأحمد وابن خزيمة وابن حبان)

[سینگی لگانے اور لگوانے والے نے روزہ افطار کرلیا]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تلخيص الحبير" میں اس حدیث کے طرق کو صحابہ کی ایک جماعت سے بیان کیا ہے۔[3] "سبل السلام شرح بلوغ المرام" میں کہا ہے کہ "أخرجه الأئمة عن ستة عشر من الصحابة"[4] سیوطی رحمہ اللہ نے "جامع صغیر" میں کہا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے۔[5] بالجملہ اس میں دلیل ہے کہ حجامت حاجم اور محجوم دونوں کے لیے مفطر صوم ہے اور اسی کی طرف ایک چھوٹا سا گروہ، جیسے احمد بن حنبل اور ان کے پیرو اور ابن المبارک، اوزاعی، ابن حبان، اسحاق اور ابو ثور رحمہم اللہ گئے ہیں۔ اس پر قضا اور کفارہ واجب ہے، چنانچہ ابن خزیمہ اور ابن منذر رحمہما اللہ اسی کے قائل ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ حدیث انس بن مالک کی حدیث "ثُمَّ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَخَّصَ فِي الْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ"[6] [یقیناً رسول اللہ ﷺ نے روزے دار کو سینگی لگوانے کی رخصت عنایت فرمائی] سے منسوخ

---

[1] دیکھیں: صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٠٩)

[2] صحيح البخاري (٢/ ٦٨٤) مسند أحمد (٤/ ١٢٣) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٦٨١) صحيح ابن خزيمة (٨/ ٣٠٣)

[3] التلخيص الحبير (٢/ ١٩٣)

[4] سبل السلام للصنعاني (١/ ٨٤)

[5] الجامع الصغير للسيوطي (١٣٠٩)

[6] صحيح ابن خزيمة (٣/ ٢٣١) المعجم الأوسط للطبراني (٨/ ١٠) نیز دیکھیں: إرواء الغليل (٤/ ٧٢)

ہے۔ ابو سعید کی حدیث میں ہے:

«ثَلٰثَةٌ لَا يُفْطِرْنَ الصَّائِمَ: اَلْقَيئُ، وَالْحُلْمُ، وَالْحِجَامَةُ»[1] (رواه الترمذي)

[تین چیزیں روزے دار کا روزہ افطار نہیں کرتیں: قے، احتلام اور سینگی لگوانا]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور اس کا راوی عبد الرحمن بن زید حدیث میں ضعیف ہے۔ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ پہلی حدیث اَثبت ہے، کیوں کہ عبدالرحمن بن زید کی تضعیف پر اجماع ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو خالد بن مخلد البجلی نے روایت کیا ہے اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے خالد میں طعن کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی احادیث منکر ہیں، تو اگر یہ صحیح ہو تو نسخ کے بارے میں نصِ صریح ہوگی۔[2] انتهى.

میں کہتا ہوں کہ حدیثِ افطار متواتر کے برابر ہے، البتہ عکرمہ رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں:

«إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ»[3]

[یعنی آنحضرت ﷺ نے روزے کی حالت میں حجامہ کرایا]

تو نبی ﷺ کا فعل بتا رہا ہے کہ مقصود کراہت ہے۔ ابوداود رحمہ اللہ نے ثابت رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہم ایسے نہیں کہ روزے دار کے لیے حجامت کو ترک کر دیں مگر کراہتِ ضعف کی وجہ سے اسے ناپسند کرتے ہیں۔''[4] (أخرجه البخاري)

کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا فعل آپ ﷺ کے قول کا ناسخ ہے، کیوں کہ قول عام فتح مکہ میں تھا اور فعل حجۃ الوداع ۱۰ھ میں۔ ایسے ہی ابن الرفعہ رحمہ اللہ نے اس حدیث پر بات کی ہے۔ ابن صلاح رحمہ اللہ نے کتاب ''علوم الحدیث'' میں فرمایا ہے کہ شافعی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما شداد رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث کی ناسخ ہے، کیوں کہ شداد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں روایت ہے کہ وہ زمانہ فتح میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے تو آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ رمضان میں حجامت کرا رہا ہے تو آپ ﷺ

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٧١٩) اس کی سند میں ''عبد الرحمن بن زيد بن أسلم'' ضعیف ہے۔

[2] إخبار أهل الرسوخ (ص: ٣٣)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٨٣٦)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٨٣٨) سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٣٧٥)

نے فرمایا: حاجم اور محجوم دونوں نے افطار کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجامہ کرایا اور آپ محرم اور روزے دار تھے۔ تو ظاہر ہوا کہ یہ اول سنہ آٹھ میں ہوا اور یہ آخری سنہ ۱۰ھ میں۔ انتھیٰ. اس مسئلے کی پوری بحث ہم نے "شرح بلوغ المرام" میں لکھی ہے، اس کی طرف رجوع کرو۔

چودھویں حدیث:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

«صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ، وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ» [1] (رواہ مسلم)

[یعنی آنحضرت ﷺ نے عاشورا کا روزہ رکھا اور اس کا روزہ رکھنے کا حکم دیا]

کہتے ہیں کہ یہ حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث "فلما نزلت فريضة رمضان ترك يوم عاشوراء، فمن شاء صامه ومن شاء أفطره" سے منسوخ ہے۔ "یعنی جب رمضان کا فریضہ نازل ہوا تو عاشورا کا روزہ ترک کر دیا گیا، پھر جس نے چاہا روزہ رکھا اور جس نے چاہا چھوڑ دیا۔"

میں کہتا ہوں کہ اہلِ علم اس دن کے روزے کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ اول اسلام میں فرض تھا، اس کے بعد نسخ پذیر ہوگیا۔ شافعی رحمہ اللہ کی اس میں دو وجہ ہے، اس میں مشہور تر یہ ہے کہ روزہ جس دن سے شروع ہوا سنت ہے اور کبھی اس امت میں واجب نہیں تھا، لیکن اس کا استحباب متاکد تھا اور جب رمضان کا روزہ نازل ہوا تو وہ مستحب رہ گیا۔ دوسری یہ کہ واجب تھا۔ شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

«هٰذَا يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ وَلَمْ يُكْتَبْ عَلَيْكُمْ صِيَامُهُ، وَأَنَا صَائِمٌ، فَمَنْ شَاءَ صَامَ، وَمَنْ شَاءَ فَلْيُفْطِرْ» [2]

[یہ یومِ عاشورا ہے، تم پر اس کا روزہ لکھا نہیں گیا، البتہ میں روزہ رکھوں گا، جو چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے چھوڑ دے]

دونوں مذاہب پر یہ روزہ مستحب سنت ہے، اس کے بعد کہ آنحضرت ﷺ نے یہ کلام ارشاد

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۷۹۳)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۱۸۹۹) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۱۲۹)

فرمایا، اس پر اجماع حاصل ہو گیا کہ فرض نہیں ہے اور اس کی فرضیت کے قائلین گزر گئے۔ میں کہتا ہوں کہ اس باب میں بہت سی احادیث ہیں، جنھیں شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ "ما ثبت من السنة" میں لائے ہیں۔[1] شوکانی رحمہ اللہ نے اس روزے کو محرم کے مہینے کا سب سے مؤکد روزہ کہا ہے۔[2] "مسوی" میں ہے کہ اکثر کے نزدیک مستحب ہے کہ نویں کے ساتھ دسویں کا بھی روزہ رکھے۔[3] واللہ أعلم بالصواب.

پندرھویں حدیث:

صحیح مسلم وغیرہ میں سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ فتح مکہ میں غزوہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے باہر نہیں آئے کہ اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا۔[4] اسی کے مانند ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔[5] علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: «نَهىٰ عَنِ الْمُتْعَةِ يَوْمَ خَيْبَرَ» یہ صحیحین میں ہے۔[6] ترمذی رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت لائے ہیں کہ متعہ اول اسلام میں تھا، یہاں تک کہ یہ آیت: ﴿إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ اتری۔[7] اس باب میں بہت سی احادیث اور طویل اختلاف ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "نیل الأوطار" میں پوری بحث کر کے مختصر میں کہا ہے کہ نکاحِ متعہ منسوخ ہے اور اس کی شرح میں فرمایا ہے کہ جس نے روایت کیا ہے کہ اس کی تحریم یومِ قیامت تک کے لیے ہے، اس باب میں حجت ہے۔[8]

"حجة الله البالغه" میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ روز اس کی رخصت دی، اس کے بعد اس سے منع کر دیا۔ اور رخصت دینا حاجت کی بنا پر تھا اور نہی غالب اوقات میں اس حاجت کے نہ ہونے کی وجہ سے تھی۔ نیز اس رسم کو جاری رکھنے میں انساب کی آمیزش ہے، کیوں کہ مذکورہ

[1] ما ثبت بالسنة للدهلوي (ص: ٦)
[2] نيل الأوطار (٤/ ٣٢٦)
[3] المسوىٰ شرح الموطأ للشاه ولي الله الدهلوي (١/ ٣٠٦)
[4] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٠٦)
[5] إخبار أهل الرسوخ (ص: ٣٥)
[6] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٨٢٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٠٧)
[7] سنن الترمذي، رقم الحديث (١١٢٢) اس کی سند میں "موسیٰ بن عبیدہ" ضعیف ہے۔
[8] نيل الأوطار (٦/ ١٩٤) الدراري المضية (٢/ ٢٠٧)

مدت پوری ہونے کے بعد عورت مرد کے دائرے سے باہر ہو جاتی ہے اور معاملے کا اختیار عورت کے ہاتھ میں ہو جاتا ہے اور وہ نہیں جانتی کہ کیا کرے۔ نکاح صحیح میں عدت کا ضبط کرنا انتہائی دشوار ہے، حالاں کہ اس کی بنا تابید پر ہوتی ہے تو متعہ میں کیا ہو سکتا ہے؟[1] انتہیٰ.

"شرح السنة" میں فرمایا ہے کہ علما نے تحریم متعہ پر اتفاق کیا ہے اور یہ اجماع بیّن المسلمین جیسا ہے۔ اول اسلام میں یہ جائز تھا، پھر منسوخ ہو گیا۔[2] ابو الفرج رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ احادیث نسخِ متعہ پر متفق ہیں۔ پہلی دو حدیثیں مکہ معظّمہ میں اس کی تحریم پر دلالت کر رہی ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کر رہی ہے کہ اس کی تحریم خیبر میں تھی اور یہ تین وجہ سے مقدم ہے۔ ایک یہ کہ اس کی صحت متفق علیہ ہے اور سبرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث افراد مسلم میں سے ہے۔ دوسری یہ کہ علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو دوسروں سے زیادہ جانتے تھے اور تیسری وجہ یہ کہ یہ تقدیم زمانہ کی مثبت ہے جبکہ وہ ان پر مخفی رہی۔ گویا ان لوگوں نے فتح مکہ کے وقت اسے استعمال کیا جو ناسخ کا علم نہ ہونے کی وجہ سے جائز جانتے تھے۔ پس انھیں منع کیا اور ایک جماعت پر اس کا نسخ مخفی رہ گیا، جن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔[3] انتہیٰ.

میں کہوں گا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس باب کی شرح شافی طریقے پر کی ہے اور نفیس چیزیں لائے ہیں۔ نووی رحمہ اللہ نے اس پر بہت سی چیزوں کا استدراک کیا ہے اور اس باب کا ترجمہ یوں بنایا ہے:

"بيان نكاح المتعة وبيان أنه أبيح ثم نسخ ثم أبيح ثم نسخ"

اس کے بعد ماوردی اور قاضی رحمہ اللہ کے کلام کو مکمل ذکر کیا اور کہا ہے کہ راجح اور مختار تحریم ہے اور اباحت وحلت دو بار ہوئی۔ خیبر سے پہلے یعنی اول اسلام میں، پھر خیبر کے روز حرام ہو گیا، پھر مکہ کے سال اوطاس کے روز جائز ہوا، پھر تین دن بعد تحریم موبد کے ذریعے قیامت تک کے لیے حرام ہو گیا، جیسا کہ مسلم نے روایت کیا ہے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اباحت جو کچھ کہا گیا، اس سے مختص تھی، خیبر کے دن تحریم تاکید کے لیے ہے اور جو کچھ فتح مکہ کے دن فرمایا، اباحت کے تقدم کے بغیر صرف تحریم کی تاکید ہے، جیسا کہ ماوردی اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے، کیوں کہ مسلم کی مذکورہ روایات فتح کے روز اباحت کے بارے

[1] حجة الله البالغة (ص: ٦٩٣)
[2] شرح السنة (٩/ ٩٩)
[3] إخبار أهل الرسوخ (ص: ٣٦)

میں صریح ہیں، جن کا اسقاط جائز نہیں اور اباحت کی تکرار سے کوئی روک نہیں۔

علما نے اتفاق کیا ہے کہ یہ متعہ معین مدت کے لیے عقد تھا، اس میں میراث ونفقہ نہیں، اس سے بغیر طلاق مدت پوری ہونے پر جدائی ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد اس کی تحریم پر تمام علما کا اجماع ہو گیا ہے اور اس میں فرقہ روافض ہی ان کا مخالف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کے ناسخ کے اپنے تک پہنچنے سے پہلے اس کی اباحت کے قائل تھے، پھر اس سے رجوع کر لیا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ تم اپنی جان کے ساتھ کیا کرتے ہو کہ نکاحِ متعہ کو دوست رکھتے ہو؟ سوار اس خبر کو آفاق میں لے گئے۔ کہا کہ پھر وہ باہر آئے اور اپنا سر برہنہ کر دیا اور کہا کہ جو مجھے پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا تو میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ہوں، یقیناً نکاحِ متعہ حرام ہے، جیسے میتہ اور خون حرام ہیں۔[1]

ایسے ہی "عدة المنسوخ" میں ہے۔

سولھویں حدیث:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز سے زیادہ قربانیوں کا گوشت کھانے سے روک دیا۔[2] کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہے کہ رسولِ خدا ہمیں تین دن سے زیادہ (گوشت) رکھنے سے روکتے تھے، پھر ہمیں اس کی رخصت دے دی کہ کھائیں اور ذخیرہ بنائیں۔[3] میں کہتا ہوں کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

كُنَّا لَا نَأْكُلُ لُحُومَ بُدْنِنَا فَوْقَ ثَلٰثٍ فَرَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: «كُلُوْا وَتَزَوَّدُوْا فَأَكَلْنَا وَتَزَوَّدْنَا»[4] (متفق عليه)

[ہم تین دن سے زیادہ اپنی قربانیوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رخصت دے دی۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ اور ذخیرہ کرو، لہٰذا ہم نے کھایا اور ذخیرہ کیا]

سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] شرح صحيح مسلم للنووي (٩/ ١٧٩)

[2] صحيح مسلم (٢/ ١٨٣)

[3] صحيح مسلم (٢/ ١٨٤)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٦٣٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٧٢)

«كُلُوْا وَأَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا، فَإِنَّ ذٰلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ فَأَرَدْتُّ أَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهِمْ»[1] (متفق عليه)

[کھاؤ، کھلاؤ اور ذخیرہ کرو، کیوں کہ گزشتہ سال لوگ قحط سالی کی وجہ سے تکلیف میں تھے، اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ تم ان کی اعانت کرو]

اس باب میں کئی حدیثیں مروی ہیں۔ نووی رحمہ اللہ نے قاضی عیاض رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ فرمایا کہ تین دن کے بعد قربانیوں کا گوشت کھانے سے نہی کے بارے میں علما نے اختلاف کیا ہے۔ ایک قوم نے کہا کہ روکنا اور اس میں سے تین روز کے بعد کھانا حرام ہے اور تحریم کا حکم برقرار ہے، جیسا کہ علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نے کہا ہے، جب کہ جمہور علما کہتے ہیں کہ تین دن کے بعد کھانا اور رکھنا جائز ہے اور نہی ان احادیث کی وجہ سے، جو نسخ کی صراحت کر رہی ہیں خصوصیت سے بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہے۔ کچھ نے کہا ہے کہ یہ نسخ نہیں ہے، بلکہ تحریم ایک علت کی وجہ سے تھی اور جب وہ علت زائل ہوگئی تو تحریم بھی زائل ہوگئی اور وہ علت (شفقت) تھی، یعنی شہر میں آئے ہوئے بادیہ نشینوں کے لیے اعانت ہے اور اس سے مقصود ان کی غم خواری تھی۔ کہتے ہیں کہ اول نہی کراہت کے لیے تھی اور یہ اب تک برقرار ہے، لیکن حرام نہیں ہے۔ اگر مذکورہ علت کے مانند اس وقت کوئی ضرورت پیدا ہو تو لوگوں کی مواسات کے لیے اول حکم ثابت ہوگا، اسی پر علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے مذہب کو محمول کیا گیا ہے۔[2] واللہ أعلم.

سترھویں حدیث:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دبا (کدو کے برتن) مزفت (روغن زفت والا برتن) نقیر (لکڑی والا برتن) مقیر (روغن قیر والا برتن) میں نبیذ بنانے کی نہی صحیح ہے،[3] نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی صحیح ہے کہ فرمایا:

«كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوْفِ، وَإِنَّ ظَرْفاً لَا يُحِلُّ شَيْئاً، وَلَا يُحَرِّمُهُ، كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ»[4]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٢٤٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٧٤)

[2] شرح صحيح مسلم للنووي (١٣/ ١٢٩)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٢٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧)

[4] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٩٩)

[میں تمھیں برتنوں سے منع کرتا تھا، یقیناً برتن کسی چیز کو حلال کرتا ہے نہ حرام، البتہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے]

بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صحیح مسلم کے ایک لفظ میں ہے:

«كُنتُ نَهَيْتُكُم عَنِ الْأَشْرِبَةِ إِلَّا فِي ظُرُوفِ الْأَدَمِ فَاشْرَبُوا فِي كُلِّ وِعَاءٍ غَيْرَ أَنَّ لَا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا»[1]

[میں تمھیں چمڑے کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتنوں میں مشروبات پینے سے منع کرتا تھا، اب ہر برتن میں پیو، ہاں کوئی نشہ آور چیز استعمال نہ کرو]

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اول اسلام میں ان برتنوں میں نبیذ بنانا اس ڈر سے ممنوع تھا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ مسکر ہو جائے اور اس کی کثافت کی وجہ سے اس کی حالت کا علم نہ ہو اور کوئی اسے غیر مسکر سمجھ کر پی لے اور پینے والے کو نشہ ہو جائے۔ یہ مسکر کی اباحت کے نزدیک کا زمانہ تھا۔ جب زمانہ دراز ہو گیا۔ مسکر کی تحریم کی شہرت ہو گئی اور ان کے نفوس میں پائیداری ہو گئی تو وہ حکم منسوخ ہو گیا اور ہر برتن میں جائز ہو گیا، بشرطیکہ وہ مسکر نہ پئیں۔[2] انتھیٰ.

شوکانی رحمہ اللہ نے "شرح مختصر" میں کہا ہے کہ اس باب میں دبا وغیرہ میں نبیذ بنانے کی نہی کے نسخ کے بارے میں احادیث صراحت کرنے والی ہیں۔[3] انتھیٰ.

میں کہتا ہوں کہ ابھی لوگ اس میں مختلف ہیں۔ ایک قوم اس میں خطرے کے برقرار رہنے کی طرف گئی ہے، چناں چہ مالک اور احمد رحمہما اللہ اسی کی طرف گئے ہیں اور ایک قوم نسخِ تحریم کی قائل ہے اور یہی راجح ہے۔

اٹھارویں حدیث:

ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَكْتُبُوا عَنِّي شَيْئًا إِلَّا الْقُرْآنَ، وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي شَيْئًا فَلْيَمْحُهُ»[4]

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٩٩)

[2] شرح صحيح مسلم للنووي (١٣/ ١٥٨)

[3] الدراري المضية (٢/ ٣٣٤)

[4] صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٠٠٤)

[یعنی قرآن کے سوا مجھ سے کچھ نہ لکھو اور جس نے مجھ سے کچھ لکھا ہو تو وہ اس کو مٹا دے]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

«قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابَةِ»[1] [یعنی علم کو لکھ کر قید کرو]

لیکن یہ موقوف ہے، جو مرفوع سے تعارض کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے کہا کہ اول اسلام میں فرمایا اور جب جانا کہ سنن بہت ہو جائیں گی اور حفظ فوت ہو جائے گا تو کتابت اختیار کی۔[2] انتہیٰ.

میں کہتا ہوں کہ امام نووی رحمہ اللہ نے تحریم مکہ کی حدیث میں آپ کے ارشاد: «اُكْتُبُوْا لِأَبِي شَاهٍ»[3] [ابو شاہ کو لکھ دو] کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ غیر قرآن کی کتابت کے جواز میں صریح ہے۔ اسی طرح علی رضی اللہ عنہ کی حدیث "ما عندنا إلا ما في هذه الصحيفة"[4] [ہمارے پاس صرف اور صرف وہ ہے، جو اس صحیفے میں ہے] اور اسی کے مانند ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "كان ابن عمرو يكتب ولا أكتب"[5] [ابن عمرو رضی اللہ عنہما لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا] لیکن مرفوع موقوف سے بے نیاز ہے اور غیر قرآن کی کتابت سے نہی کے بارے میں کئی احادیث آئی ہیں۔

سلف میں سے بعض نے علم کی کتابت سے روک دیا اور جمہور سلف جواز کے قائل ہوئے۔ اس کے بعد امت نے اس کے استحباب پر اجماع کر لیا اور نہی کی احادیث کا دو طریقے سے جواب دیا ہے۔ ایک یہ کہ منسوخ ہے اور نہی اول اسلام میں ہر ایک تک قرآن کی شہرت سے پہلے تھی اور اس کے غیر کی کتابت سے نہی اس کے غیر سے آمیز ہونے اور اشتباہ کی وجہ سے تھی۔ دوسرا یہ کہ اس شخص کے لیے نہی تنزیہی تھی، جو حفظ پر وثوق رکھتا ہو اور اس پر کتابت پر بھروسا کر لینے کا خوف ہو اور اجازت اس شخص کے لیے تھی، جو وثوق نہ رکھتا ہو۔[6] انتہیٰ.

اضافے کے ساتھ اور اسی کے مثل شرح کے اخیر میں "باب التثبت في الحديث وحكم

[1] سنن الدارمي (١/ ١٣٨) المستدرك للحاكم (١/ ١٨٨) المعجم الكبير للطبراني (١/ ٢٤٦) مصنف ابن أبي شيبه (٥/ ٣١٣) السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (٢٠٢٦)

[2] إخبار أهل الرسوخ (ص: ٣٩)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٣٠٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٣٥٥)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٨٧٠)

[5] صحيح البخاري، رقم الحديث (١١٣)

[6] شرح صحيح مسلم للنووي (١٨/ ١٣٠)

کتابة العلم'' میں ذکر کیا ہے اور اس معنی کو دوسری جگہ بھی شرح میں مکرر ذکر کیا ہے۔

کتابت کے جواز کے ادلہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی ہے:

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْئٌ يُوصِي فِيهِ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ»[1] (متفق عليه)

[جو مسلمان وصیت کرنا چاہتا ہو اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ دو راتیں بھی یوں گزار دے کہ وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو]

کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث کے مطابق وصیت لکھ کر اپنے پاس رکھتے تھے۔ یہیں سے ظاہر ہے کہ جس نے علم کی کتابت اور تصانیف کو بدعات میں شمار کیا ہے، اس نے اچھا نہیں کیا اور آپ ﷺ کے ارشاد: «اُكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ» کی دلالت کم سے کم اس کی اباحت ہے، بلکہ استحباب پر ہے، ورنہ صیغہ امر کسی صارف کی عدم موجودگی کی وجہ سے وجوب پر محمول ہے۔ واللہ أعلم.

انیسویں حدیث:

آنحضرت ﷺ سے عورتوں اور بچوں کے قتل سے نہی کے بارے میں صحیحین وغیرہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث صحیح ہے۔[2] جبکہ صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین پر شبخون مارنے اور اس میں عورتوں اور بچوں کے زد میں آنے کے بارے میں سوال کیا گیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «هُمْ مِنْهُمْ»[3] [وہ انہیں میں سے ہیں] یہ صحیحین میں ہے اور اس باب میں کئی حدیثیں ہیں۔ زہری رحمہ اللہ جب اس حدیث کو روایت کرتے تو فرماتے تھے کہ یہ منسوخ ہے۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کہا کہ ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ نہی عورتوں اور بچوں کو بالقصد قتل کرنے کے بارے میں ہے اور صعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بالقصد نہیں ہے، لہٰذا تناقض نہیں ہوگا۔[4] انتهى.

میں کہتا ہوں کہ شوکانی رحمہ اللہ نے "دراري مضية" میں فرمایا ہے کہ عورتوں اور بچوں کو بغیر

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٥٨٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٢٧)
[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨٥٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٤٤)
[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨٥٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٤٥)
[4] إخبار أهل الرسوخ (ص: ٤٠)

ضرورت قتل نہ کرنے پر اتفاق ہے، جیسے کہ وہ انھیں اپنی ڈھال بنائیں یا وہ خود لڑیں۔[1] انتھیٰ.

"مسویٰ" میں فرمایا ہے کہ شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نہی تفرد اور تمیز کی حالت میں ہے، لیکن شبخون جائز ہے، اگر چہ اس میں عورتیں اور بچے زد میں آئیں۔ انتھیٰ. نووی رحمہ اللہ نے اس مسئلے کے لیے یوں ترجمہ باب قائم کیا ہے: "باب قتل النساء والصبيان من غير تعمد" اس کے بعد حدیث لا کر اس کی شرح کی ہے اور فرمایا ہے کہ عدمِ تعمد مقصود سے بغیر ضرورت ہے اور نہی عدمِ تمیز اور قتال میں ہے، پس اگر لڑیں تو جمہور علما کے قول پر مارے جائیں گے اور یہی ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔[2] واللہ أعلم

بیسویں حدیث:

بریدہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا اور فرمایا کہ اگر اسے زندہ پاؤ تو قتل کر دو اور اگر زندہ نہ پاؤ تو جلا دو۔ وہ شخص گیا تو اسے مردہ پایا، تو اس نے اس کو آگ میں جلا دیا۔[3]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور فرمایا: اگر تم ہبار بن الاسود کو پاؤ تو اسے لکڑی کے دو گٹھوں کے درمیان رکھ دو، پھر اسے آگ سے جلا دو، پھر اس کے بعد ایک شخص کو بھیجا اور فرمایا کہ «لَا تُعَذِّبُوا بِالنَّارِ»[4] [آگ سے عذاب نہ دو]

میں کہتا ہوں کہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ان دو حدیثوں سے زیادہ ذکر نہیں کیا اور نہ ان کے حکم پر کلام کیا ہے، مگر یہ کہ تقریرِ حکم کا مفہوم آگ سے نہ جلانا ہے اور وہ ایسا ہی ہے۔[5] بیہقی رحمہ اللہ اپنی سنن میں ہبار کی حدیث کو اس جیسے مشرکین سے قتال کی دوسری حدیث کے ساتھ اس قول "قتلهم بضرب الأعناق دون المثلة" کے ترجمہ میں لائے ہیں اور فرمایا ہے کہ شافعی رحمہ اللہ سے آیا ہے کہ اہلِ شرک کو آگ میں جلانا انھیں قید کرنے کے بعد جائز نہیں ہے اور اگر لڑیں تو انھیں تیر، پتھر اور آگ سے

---

1. الدراري المضية (٢/ ٤٤٦)
2. شرح صحيح مسلم للنووي (١٢/ ٤٨)
3. التلخيص الحبير (٤/ ١٢٧)
4. سنن سعيد بن منصور (٢/ ٢٤٤) نیز دیکھیں: مسند أحمد (٣/ ٤٩٤) سنن أبي داود (٢٦٧٣)
5. إخبار أهل الرسوخ (ص: ٤٢)

مارنا جائز ہے، نیز جس چیز سے بھی ان کو مسلمانوں کی لڑائی سے روکا جا سکے اور اہلِ اسلام کی مدد کی جا سکے۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ سے قریش کے دو افراد کو جلانے کا حکم روایت کیا ہے، پھر آپ ﷺ نے اس سے نہی فرما دی۔[2]

شوکانی رحمہ اللہ نے "شرح مختصر" میں فرمایا ہے کہ ضرورت کے بغیر عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنا، ان کا مثلہ کرنا اور آگ میں جلانا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی وجہ سے جو بخاری وغیرہ میں ہے، حرام ہے:

« بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ بَعْثٍ فَقَالَ: إِنْ وَجَدْتُمْ فُلَانًا وَفُلَانًا لِرَجُلَيْنِ فَأَحْرِقُوْهُمَا بِالنَّارِ، ثُمَّ قَالَ: حِيْنَ أَرَدْنَا الْخُرُوْجَ إِنِّيْ كُنْتُ أَمَرْتُكُمْ أَنْ تُحْرِقُوْا فُلَانًا وَ فُلَانًا، وَإِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا إِلَّا اللّٰهُ فَإِنْ وَجَدْتُمُوْهُمَا فَاقْتُلُوْهُمَا »[3]

[رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک دستے کے ساتھ روانہ کیا اور دو آدمیوں کا نام لے کر فرمایا کہ اگر تم فلاں اور فلاں کو پاؤ تو انھیں آگ میں جلا دو، پھر جب ہم نے روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمھیں فلاں فلاں آدمی کو آگ میں جلانے کا حکم جاری کیا تھا، جب کہ آگ کا عذاب صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے، لہٰذا اگر تمھیں وہ دونوں آدمی مل جائیں تو ان کو قتل کر دو]

رہا درخت، بتوں اور ساز و سامان کو جلانا تو یہ ثابت ہے، جب ان کے جلانے میں مصلحت ہو۔[4] انتهیٰ، واللّٰه أعلم.

اکیسویں حدیث:

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

« أَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كِسْرٰى فَقَبِلَ مِنْهُ وَأَهْدٰى لَهُ قَيْصَرُ فَقَبِلَ مِنْهُ

---

1. سنن البيهقي (٩/ ٦٨)
2. صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨٥٣)
3. صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨٥٣)
4. الدراري المضية (٢/ ٤٤٦)

وَأَهْدَتْ لَهُ الْمُلُوْكُ فَقَبِلَ مِنْهُمْ»[1] (أخرجه أحمد والترمذي والبزار)

[یعنی رسول اللہ ﷺ کے لیے کسریٰ وقیصر اور بادشاہوں نے ہدیہ بھیجا تو آپ ﷺ نے قبول کیا]

یہاں سے ثابت ہوا کہ کافروں کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ اس باب میں کئی حدیثیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ احادیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہیں، انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا أَقْبَلُ هَدِيَّةَ مُشْرِكٍ»[2] [میں کسی مشرک کا تحفہ قبول نہیں کرتا]

(أخرجه موسى بن عقبه في المغازي، وقال في فتح الباري: رجاله ثقات إلا أنه مرسل)

عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے اونٹنی کا ہدیہ بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام لائے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«نُهِيتُ عَنْ زَبَدِ الْمُشْرِكِيْنَ»[3] [مجھے مشرکین کے ہدیے سے منع کر دیا گیا ہے]

(أخرجه أبوداوٗد والترمذي وابن خزيمة وصححاه)

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "شرح مختصر" میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کافروں کا ہدیہ قبول کرنے کی احادیث بہت ہیں۔ خطابی رحمہ اللہ نے کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ "يشبه أن يكون هذا الحديث منسوخا" یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہدیہ رد کرنا غصہ دلانے کے ارادے سے تھا، تاکہ ان کی طرف مائل نہ ہوں، کیوں کہ مشرکین کی طرف مائل ہونا جائز نہیں ہے اور مذکورین کے ہدیے کے قبول کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اہلِ کتاب ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ رد اس کے ہدیے کا ہے جو اس ہدیے سے دوستی اور موالات کا ارادہ رکھتا ہو اور قبولیت اس کے لیے ہے جس سے تانیس وتالیف کی امید ہو اور ممکن ہے کہ، جمعاً بین الادلہ، نہی صرف کراہت کے لیے ہو، جو جواز کے منافی نہیں ہے۔[4] انتھیٰ۔

"عدة المنسوخ" میں فرمایا ہے کہ ان احادیث میں تین وجوہ ہیں:

ایک یہ کہ قبولیت کی احادیث اثبت ہیں اور عیاض رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اِرسال ہے۔ دوسری

---

[1] مسند أحمد (١/ ٩٦) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٥٧٦) مسند البزار، رقم الحديث (٣/ ٢٩) اس کی سند میں "ثوير بن أبي فاخته" ضعیف ہے۔

[2] المعجم الكبير للطبراني (١٩٣/٣) مصنف عبدالرزاق (٣٧٩/٥) السلسلة الصحيحة (١٧٢٧)

[3] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٣٠٥٧) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٥٧٧)

[4] الدراري المضية (٢/ ٣٠٣)

یہ کہ عیاض کی حدیث مقدم ہے اور اکیدر کی حدیث متاخر، اس لیے اس کی ناسخ ہوگی۔

تیسری یہ کہ ہدیے کی قبولیت اہلِ کتاب سے ہے، مشرکین سے نہیں اور عیاض رضی اللہ عنہ اہلِ کتاب نہیں ہے۔

پھر کہا جائے گا کہ کسریٰ سے کون سی قسم قبول کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ثویر بن ابی فاختہ کی روایت ہے، جو ثقہ نہیں ہے یا یہ کہ غیر کتابی سے قبولیت منسوخ ہے اور کتابی سے غیر منسوخ۔[1] واللہ أعلم. یہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کا آخری کلام ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے "باب غزوة خيبر" میں شرح مسلم کے اندر اس باب میں احادیث کے تعارض کا ذکر کیا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ان میں سے بعض سے نقل کیا ہے کہ احادیثِ نہی ہدیے کی قبولیت کی ناسخ ہیں۔ جمہور کہتے ہیں کہ نسخ نہیں، بلکہ قبولیت کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دوسروں کے برخلاف بغیر قتال مالِ فے مخصوص ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اسلام اور تالیف کی امید کی ہوگی، یا مسلمانوں کے لیے کسی مصلحت کی امید رکھی ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کو ہدیے کا صلہ دیا اور جس کے اسلام کی امید اور اس سے قبولیت میں مصلحت نہیں تھی، اسے رد کر دیا۔ غیر نبی، والیوں اور علما و عمال کے لیے جمہور علما کے نزدیک اپنے لیے قبول کرنا جائز نہیں اور اگر قبول کریں تو مسلمانوں کے لیے مالِ فے ہوگا، کیوں کہ اسے ہدیہ اسی لیے کیا گیا ہے کہ وہ امام المسلمین ہے۔ اگر وہ ہدیہ کسی ایسی قوم کا ہو، جس کا محاصرہ کیا گیا ہو تو مالِ غنیمت ہوگا نہ کہ ہدیہ۔ یہ اوزاعی، محمد بن حسن، ابن حبیب اور ابن قاسم رحمہم اللہ وغیرہ کا قول ہے۔ کہتے ہیں کہ امام کے ساتھ خاص ہے۔ ابو یوسف، اشہب اور سحنون رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔

طبرانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہدیے کو رد کیا، جو خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لیے بھیجا گیا اور جو اس کے خلاف ہدیہ تھا، جس میں مسلمانوں کی طلبِ تالیف تھی، اسے قبول کیا اور کہا کہ نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ نے اس کے کافروں کے مال کے قائم مقام حالات کے لحاظ سے فے یا غنیمت ہونے کا حکم لگایا ہے۔ یہی حدیث: «هَدَايَا الْعُمَّالِ غُلُولٌ إِذَا خَصُّوا بِهَا أَنْفُسَهُمْ» کا معنی ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہلِ کتاب کے ہدیوں کو قبول کرنا ہمارے لیے ان کے ذبیحوں اور ان سے مناکحت کی اباحت جیسا ہے، برخلاف مشرکین اور بت پرستوں کے۔[2] انتهىٰ كلامه.

---

[1] إخبار أهل الرسوخ (ص: ٤٤)

[2] شرح صحيح مسلم للنووي (١٢/ ١١٤)

یہ ہے ان احادیثِ منسوخہ کا مجموعہ، جسے ابن الجوزی رحمہ اللہ وغیرہ نے پورے استقرا و استیفا کے بعد یکجا کیا ہے اور ان میں سے اکثر میں بحث ہے، جیسا کہ ہر حدیث کے تحت گزری ہے۔ یہاں ان کے سوا مزید دو تین حدیثیں ہیں، جن پر عمل میں علما کا اختلاف ہے، جن کا الحاق فائدے کے پیشِ نظر مناسب ہے۔

بائیسویں حدیث:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ»[1] (رواه الترمذي والنسائي)

[یعنی جو شراب پیے اسے کوڑے مارو، پھر اگر چوتھی بار پیے تو اس کو قتل کر دو]

کہتے ہیں کہ یہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہے، کیوں کہ اس کے آخر میں کہا ہے:

«ثُمَّ أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ فِي الرَّابِعَةِ فَضَرَبَهُ وَلَمْ يَقْتُلْهُ»[2]

[یعنی رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص کو، جس نے چوتھی بار شراب پی، لایا گیا تو آپ ﷺ نے اسے مارا اور قتل نہیں کیا]

اسی سے ثابت ہوا کہ آپ کا فعل آپ ﷺ کے قول کا ناسخ ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ اسی طرف گئے ہیں۔ انھوں نے "مختصر" میں فرمایا ہے کہ "قتله في الرابعة منسوخ" [چوتھی مرتبہ شراب پینے پر اس کے قتل کا حکم منسوخ ہے][3] انتهیٰ. ان کا مستند جابر رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث ہے۔ نیز ترمذی اور ابوداود رحمہما اللہ قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ کی حدیث اس لفظ کے ساتھ لائے ہیں:

«ثُمَّ أُتِيَ بِهِ فَجَلَدَهُ وَرَفَعَ الْقَتْلَ»[4]

[پھر اسے لایا گیا تو آپ ﷺ نے اسے کوڑے مارے اور قتل نہیں کیا]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٤٨٥) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٤٤٤) سنن النسائي، رقم الحديث (٥٦٦١)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٤٤٤)

[3] الدراري المضية شرح الدرر البهية (٢/ ٤٠٠)

[4] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٤٨٥) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٤٤٤)

مسند احمد کی ایک روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِسَكْرَانٍ فِي الرَّابِعَةِ فَخَلّٰى سَبِيلَهُ»[1]

[پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک نشئی کو لایا گیا، جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی تو آپ ﷺ نے اسے (قتل سے) چھوڑ دیا]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سنن کی کتاب "العلل" میں فرمایا ہے:

"جميع ما في هذا الكتاب من الحديث هو معمول به، وبه أخذ بعض أهل العلم ما خلا حديثين: حديث ابن عباس وحديث النبي ﷺ: فإن عاد في الرابعة فاقتلوه، وقد بينا علة الحديثين جميعا في الكتاب"[2] انتهىٰ.

[اس کتاب کی تمام احادیث معمول بہ ہیں۔ اہلِ علم نے بھی اسے قبول کیا ہے، سوائے دو حدیثوں کے، ایک ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے اور ایک نبی مکرم ﷺ کی یہ حدیث کہ اگر شرابی چوتھی مرتبہ شراب پیے تو اسے قتل کر دو۔ ہم نے ان دونوں حدیثوں کی علت کتاب میں بیان کر دی ہے]

جو کچھ انھوں نے اپنی اس کتاب یعنی اپنی سنن میں بیان کیا ہے، وہ یہ کہ ابتدا میں یہی حکم تھا، اس کے بعد منسوخ ہوگیا۔ اسی کے مانند جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے، جیسا کہ گزرا اور ایسے ہی قبیصہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے اسی کے مانند روایت کیا ہے، جیسے گزرا یہ رخصت تھی۔ عام اہلِ علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے اور اس باب میں قدیم وجدید میں ان کے درمیان ہم کوئی اختلاف نہیں جانتے۔[3] انتہیٰ.

"دراسات اللبيب في الأسوة الحسنة بالحبيب" میں ہے:

''اس کا قول کہ یہ ابتدا میں تھا اس کے بعد منسوخ ہوگیا۔ اس چیز میں بغیر دلیل دعویٰ ہے، جس میں شریعت کی نص کے بغیر دعویٰ جائز نہیں۔ ایسے ہی جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چوتھی بار قتل نہیں کیا۔ پس دونوں حدیثوں میں تطبیق ایسے ہوگی کہ قتل کا حکم چوتھی بار میں اباحت کے باب سے اور رخصت سیاست کے لیے ہے، ایجابِ حد کے لیے نہیں

[1] مسند أحمد (۲/۲۹۱)

[2] العلل الصغير للترمذي (ص: ۱)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (۱٤٤٤)

ہے۔ پس دوسری حدیث میں ترکِ قتل اس رخصت کے معارض نہیں ہوگا اور جب تک تطبیق ممکن ہو، نسخ کا قول جائز نہیں ہے، جبکہ تطبیق کے عدمِ امکان کی صورت میں بھی نسخ پر پیش رفت نہیں ہو سکتی، جب تک کہ شریعت سے کوئی نص اس کے نسخ کی نہ پائی جائے، اگرچہ دو حدیثوں میں سے ایک کے دوسری سے تاخر کی تاریخ کا علم ہو، جیسا کہ حافظ حازمی نے اپنی کتاب "الاعتبار" کے مقدمے میں اس کی صراحت کی ہے۔

''اس کا قول کہ یہ رخصت تھی۔ اس کا معنی میرے نزدیک یہ ہے کہ چوتھی بار میں جس حدیث میں اس کا حکم دیا گیا، قتل کی رخصت تھی، لہٰذا اس کا حکم اباحت کا حکم تھا اور اسی لیے اس کو قتل نہیں کیا، جیسا کہ قبیصہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ ترمذی پر تعجب ہے کہ اس تطبیق کے باوجود جسے خود زہری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، کیسے نسخ کے حکم پر پیش رفت کر دی اور جب نسخ ثابت نہیں ہوا تو وہ کون سی علت ہے کہ باب العلل میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے؟ پھر اہلِ علم کے اس کو چوتھی بار میں برائے سیاست رخصت یا اباحت کے معنی میں نہ لینے کے ثبوت کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے باوجود کہ اگر امت میں ایک عالم سے بھی اس کا نہ ہونا ثابت ہو تو بھی وہ اس حدیث سے عدمِ اخذ پر دلالت نہیں کرے گا، کیوں کہ رخصت کی احادیث سے اخذ کا معنی یہی ہے کہ وہ احادیث اباحت کے لیے ہیں، اگرچہ ان پر کبھی عمل نہ ہو، جیسا کہ عقل مند پر پوشیدہ نہیں ہے، لہٰذا کسی طریقے سے اس حدیث پر اس حکم کی صحت کہ کسی ایک عالم نے اس سے اخذ کیا ہو، ظاہر نہیں ہوئی۔[1] انتهىٰ كلامه .

میں کہتا ہوں کہ یہ نقد جو انھوں نے ترمذی پر کیا ہے، خوب ہے، اگر ثابت ہو جائے کہ دو حدیثوں میں سے ایک کا دوسری سے تاریخ میں تاخر ناسخ نہیں ہے۔ وفيه نظر. مگر یہ کہ اسے نظر انداز کر کے اباحت اور رخصت کے ساتھ اس کی تاویل کریں۔ "عدة المنسوخ" میں کہا ہے کہ چوتھی بار شراب پینے پر شرابی کے قتل کا نسخ مجمع علیہ ہے اور اس پر ترکِ عمل کے اجماع کا اس کے ناسخ کے وجود کی تقدیر پر ذکر کیا ہے، اس کے بعد فرمایا ہے کہ اجماع حکمِ شریعت کا ناسخ نہیں ہو سکتا ہے۔ والله أعلم.

تیئیسویں حدیث:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِالْمَدِينَةِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ مِنْ غَيْرِ

[1] دراسات اللبيب (ص: ٢٣٧)

خَوُفٍ وَلَا مَطَرٍ وَلَا سَفَرٍ»[1] (رواه الترمذي ومسلم)

[بے شک نبی اکرم ﷺ نے مدینے میں بغیر کسی خوف، بارش اور سفر کے، ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو جمع کیا]

یہی وہ دوسری حدیث ہے، جسے ترمذی رحمہ اللہ نے چوتھی بار شراب پینے پر شرابی کے قتل کی حدیث کے ساتھ یکجا کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان دو حدیثوں کے سوا جو حدیث بھی ان کی کتاب سنن میں ہے، معمول بہ ہے، ان کے قول کے مطابق اس حدیث کو کسی اہلِ علم نے اخذ نہیں کیا ہے، گویا اسے منسوخ قرار دیا ہے۔ انھوں نے کتاب العلل میں کہا تھا کہ اس حدیث کی علت میں نے کتاب ''سنن'' میں بیان کر دی ہے اور وہ علت یہ ہے کہ سنن میں فرمایا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کئی وجہ سے مروی ہے، اسے جابر بن زید، سعید بن جبیر اور عبداللہ بن شقیق عقیلی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے آنحضرت ﷺ سے روایت ہے جو اس کے سوا معارض ہے اور وہ یہ ہے:

عَنُ ابُنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنُ جَمَعَ الصَّلَاةَ مِنُ غَيُرِ عُذُرٍ فَقَدُ أَتٰى بَاباً مِنُ أَبُوَابِ الُكَبَائِرِ»[2]

اس کی سند میں حنش یعنی ابو علی رحبی ہے، جو اہلِ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے، اسے احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور اہلِ علم کے نزدیک عمل اسی پر ہے کہ دو نمازیں ایک ساتھ سفر اور عرفہ ہی میں پڑھی جائیں۔ بعض تابعین اہلِ علم نے دو نمازیں ایک ساتھ ادا کرنے کی بیمار کو رخصت دی ہے۔ احمد اور اسحاق رحمہما اللہ اسی کے قائل ہیں۔ بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ بارش میں دو نمازیں ایک ساتھ پڑھے، اس کے قائل شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ ہیں۔ شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بیمار کے لیے دو نمازیں ایک ساتھ پڑھنی جائز نہیں ہے۔[3] انتهىٰ كلام الترمذي.

"دراسات اللبیب" میں فرمایا ہے کہ ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی علت میں دونوں مذکورہ حدیثوں کے درمیان معارضہ سے زیادہ کوئی علت نہیں بیان کی ہے، جبکہ یہ معارضہ صورت میں ہے، حقیقت میں نہیں، کیوں کہ اکٹھی پڑھنے کی حدیث صحیح حدیث ہے، اسے مسلم رحمہ اللہ نے کئی وجہ سے

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٠٥) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٨٧) سنن أبي داود، رقم الحديث (١٢١١)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٨٨)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٨٨)

روایت کیا ہے اور اکٹھی نمازیں ادا کرنے کی حرمت کی حدیث حنش کی وجہ سے معلول ہے، جیسا کہ خود ہی اس کا اقرار کیا ہے۔ ایسے ہی ایک بڑی جماعت نے اس پر سخت جرح کی ہے، لہٰذا دونوں حدیثوں کے درمیان ایک کی صحت اور دوسری کے ضعف کے سبب کوئی معارضہ نہیں ہوگا۔ دونوں میں معارضے کے ثبوت اور دونوں کو صحت میں برابر فرض کرنے کی صورت میں تعارض اس وقت ہوگا، جب دونوں کے درمیان تطبیق ممکن نہ ہو، جب کہ ان دونوں کے درمیان کئی وجہ سے تطبیق ممکن ہے، اگر چہ عزیمت اور رخصت پر محمول کرنا جس سے اکثر جگہ متعارضین کے درمیان تطبیق دیتے ہیں، یہاں صحیح نہیں ہوگا، کیوں کہ دو حدیثوں میں سے ایک حدیث وعید کی صراحت کر رہی ہے، جو رخصت کے منافی ہے:

اوّل: یہ کہ آپ کا ارشاد: "من جمع بین الصلاتین" مطلق ہے، جو ہر دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنے پر صادق آتا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نے اسے ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشا کے ساتھ پڑھنے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کھلے فعل سے مقید بالجواز کیا ہے، تو یہ قول اس کے ماسوا کو حرام کرے گا اور فعل کی حدیث سے اس کی اباحت ہوگی۔

دوسری: یہ کہ حدیث مذکور کا معنی یہ ہے کہ جو شخص فوت شدہ اور وقتی دو نمازیں ایک ساتھ بایں طور پڑھے کہ نیند، نسیان یا بے ہوشی یا اس کے مانند عذر کے بغیر کوتاہی کی ہو، یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آ گیا تو ایسا کرنا کبائر کے ابواب میں سے ایک باب ہے اور وہ نماز کا فوت کرنا ہے۔ تطبیق کی صورتوں میں سے، ایک اقرب صورت uh ہے کہ حدیث قولی میں حرمت غیر عذر سے مقید ہے اور فعل عذر کے ساتھ تھا، البتہ عذر صرف خوف، بارش، سفر اور بیماری میں محدود نہیں ہے، بلکہ یہ تمام اعذار سے عام ہے، وہ زیادہ ہوں یا تھوڑے یا کمزور عذر ہو یا بڑا ہو، جیسے کوئی گھریلو ضرورت، مہمان کی آمد یا اس کے سوا کوئی عذر ہو، کیوں کہ یہ ایسا شغل ہے جس میں بعض پر نماز کے فوت ہونے کا خوف ہوتا ہے۔

پس مکروہ یا حرام اس شخص کا ایک ساتھ پڑھنا ہو گا جس نے بے سبب اسے عادت بنا لیا ہو یا سست و کاہل اور عبادت سے مائل بہ فراغت شخص ہو یا اجر کی طرف قلت رغبت اور شغل در شغل اور تعمیر اوقات متعددہ کی وجہ سے اللہ کی طرف ادائے فرائض کے ذریعے عدمِ توجہ اس کا سبب ہو، جیسا کہ باطل پرست امامیہ اور ان کے جاہلوں سے یہ دیکھا جاتا ہے۔ یہ

سب کلام بر سبیل نزول پر ہے، ورنہ یہ علم ہے کہ حدیثِ قول اس کے راوی حنش کی وجہ سے بہ اقرار ترمذی معلول ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ علما کی اس حدیث میں کئی تاویلات اور مذاہب ہیں۔ بعض نے بارش کے عذر سے تاویل کی ہے اور یہ کبار متقدمین کی ایک جماعت سے مشہور ہے، لیکن یہ قول دوسری روایت "مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ" کے سبب ضعیف ہے۔ بعض نے تاویل کی ہے کہ ابر میں ہو اور جب ظہر ادا کر لے اور ابر دور ہو تو یہ علم ہو کہ عصر کا وقت ہو گیا ہے، پھر عصر بھی پڑھ لے۔ یہ قول بھی باطل ہے، اس میں اگرچہ ظہر و عصر کے لیے کچھ احتمال ہے، لیکن مغرب و عشا اس معنی کی متحمل نہیں ہے۔ بعض نے اسے جمع صوری قرار دیا ہے، یعنی پہلی کی تاخیر اور دوسری کی تعجیل، مگر یہ بھی ضعیف و باطل ہے، کیوں کہ یہ ظاہر کے مخالف ہے، پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فعل،[1] ان کا اپنے فعل کی تصویب پر حدیث سے استدلال، اس کے لیے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور اس کا عدمِ انکار اس تاویل کی تردید میں صریح ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ بیماری وغیرہ کے عذر سے ایک ساتھ دو نمازیں پڑھنی درست ہے۔ یہ احمد بن حنبل اور قاضی حسین رحمہ اللہ کا قول ہے۔ خطابی، رویانی اور متولی رحمہم اللہ نے اسے مختار قرار دیا ہے اور یہی ظاہر حدیث اور فعلِ ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی موافقت کی بنا پر تاویل میں مختار ہے اور اس لیے کہ اس میں بارش سے زیادہ مشقت ہے۔[2] انتهیٰ كلام النووي.

ان تاویلات و مذاہب کے باوجود اگرچہ ان میں بعض بعید ہیں، کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کسی عالم نے اس پر عمل نہیں کیا؟ اگر ترمذی رحمہ اللہ کا مقصد بغیر تاویل اس کے ظاہر پر عمل ہے تو ان کا یہ قول "ہر حدیث جو میری کتاب میں دو حدیثوں کے سوا ہے معمول بہ ہے۔" باطل ہوگا، کیوں کہ ان کی کتاب

---

[1] عبداللہ بن شقیق نے کہا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روز ہمیں عصر کے بعد خطبہ دیا، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور ستارے ظاہر ہو گئے، لوگ نماز پکارنے لگے اور بنو تمیم کے ایک شخص نے کہا کہ نماز۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا: تو مجھے سنت کی تعلیم دیتا ہے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر اور مغرب و عشا ایک ساتھ پڑھی۔ عبداللہ بن شقیق نے کہا کہ اس بات سے میرے سینے میں کچھ خلش ہوئی تو میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور پوچھا تو انھوں نے ان کی بات کی تصدیق کی۔ (مسند أحمد: ۱/ ۲۵۱)

[2] شرح صحیح مسلم (۵/ ۲۱۹)

کی ہر حدیث غیر موول معمول بہ ظاہر نہیں ہے، جب کہ اس حدیث کے ظاہر پر ائمہ کی ایک جماعت نے عمل کیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہی وہ محمل ہے جس کی طرف احمد، قاضی حسین اور ائمہ کی ایک جماعت حضر میں بوقتِ ضرورت دونمازیں ایک ساتھ پڑھنے کے جواز کی طرف گئی ہے، خصوصیت سے اس کے لیے جو اسے عادت نہ بنائے اور یہی اصحابِ مالک رحمہ اللہ میں سے ابن سیرین اور اشہب رحمہما اللہ کا قول ہے اور اسے خطابی رحمہ اللہ نے اصحابِ شافعی میں سے قفال شاشی کبیر سے، ابو اسحاق مروزی رحمہما اللہ سے اور اصحابِ حدیث کی ایک جماعت سے حکایت کیا ہے اور اسے ابن المنذر رحمہ اللہ نے مختار قرار دیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ظاہر قول "أراد أن لایحرج أمته" اس کی تائید کرتا ہے، یہاں انھوں نے اس کی تاویل بیماری وغیرہ سے نہیں کی ہے۔ واللّٰہ أعلم، انتهیٰ کلامه.

میرے نزدیک یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بغیر کسی عذر و حاجت کے اخذ کیا ہے، کیوں کہ وہ ظہر وعصر اور مغرب وعشا کے وقت میں اشتراک کے قائل ہیں، کیوں کہ ظہر وعصر اور مغرب وعشا ایک ساتھ پڑھنے کا لفظ "فَأَخَّرَ الظُّهرَ فَصَلَّاهَا فِيْ وَقْتِ الْعَصْرِ" کے لفظ کے ساتھ مالک رحمہ اللہ کے قول سے زیادہ کسی شَے پر دلالت نہیں کرتا۔ ان کے مذہب میں اشتراک کا معنی یہ ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے تو عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے اور ظہر کا وقت نہیں جاتا، بلکہ دونوں وقت غروب تک باہم آمیز ہو جاتے ہیں۔ پس ظہر کا وقت مختار ہر چیز کا سایہ اس کے مانند ہو جانا ہے اور جب تک غروبِ آفتاب چار رکعت کی مقدار وقت رہ جائے تو اس کا آخر وقت ادا ہے۔ مالک رحمہ اللہ اس قول میں اکیلے نہیں ہیں، بلکہ طاؤس اور عطاء رحمہما اللہ ان کے موافق ہیں۔ مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مغرب کا وقت ممتد ہوتا ہے، پھر یہ وقت عشا کے ساتھ مشترک ہو جاتا ہے تو مغرب میں ان کے نزدیک مختار وقت ایک ہے اور عشا تک وسعت رکھتا ہے اور وقتِ ادا برقرار رہتا ہے، جب تک فجر کے نمودار ہونے سے پہلے چار رکعت کی بہ مقدار وقت موجود ہو۔ طاؤس رحمہ اللہ کے نزدیک مغرب اور عشا دن ہونے پر ہی فوت ہوتی ہیں اور ان کا مستند اس باب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہی حدیث ہے۔ مسلم میں اس حدیث کے ایک طریق میں آیا ہے کہ یہ ظہر کو دیر کر کے اور اسے عصر کے ساتھ عصر کے وقت میں ایک ساتھ پڑھنا ہے اور ایسے ہی مغرب میں تاخیر کر کے اسے عشا کے ساتھ پڑھنا ہے اور یہ عین اشتراک وامتزاج ہے۔ ان سب کے باوجود مذاہب کا علم رکھنے والے

شخص کے لیے یہ کہنا کیسے جائز ہے کہ اہلِ علم میں سے کسی نے اس حدیث کو اخذ نہیں کیا؟[1] انتهیٰ.
کلام الدراسات ملخصاً

شوکانی رحمہ اللہ نے "شرح مختصر" میں فرمایا ہے کہ دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنا اگر صوری ہو تو عذر کے ساتھ جائز ہے اور یہ حقیقت میں ایک ساتھ پڑھنا نہیں ہے، کیوں کہ ہر نماز اپنے وقتِ مقرر میں ادا کی گئی ہے۔ اسی سے نبی ﷺ کا بغیر بارش و سفر مدینے میں دو نمازیں ایک ساتھ پڑھنا ہے، جیسا کہ صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی حدیث ہے۔ بعض روایات میں اس کی صراحت آئی ہے، بلکہ خود راوی نے اس کی تفسیر "جمع صوری" سے کی ہے۔ میں نے اس کی وضاحت ایک مستقل رسالے میں کی ہے کہ دو نمازیں ایک ساتھ پڑھنا عذر کی وجہ سے جائز ہے، جیسے مسافر اور بیمار کا ایک ساتھ دو نمازیں پڑھنا اور بارش بھی عذر ہے، جیسا کہ ادلہ صحیحہ اس کے بارے میں وارد ہیں۔ اختلاف دو نمازوں کو بغیر عذر کے ایک ساتھ پڑھنے کے بارے میں ہے اور درست اس کا عدمِ جواز ہے۔[2] واللہ أعلم. یہ پوری بحث میں نے کتاب "دلیل الطالب علی أرجح المطالب" میں اس کی جگہ پر مناسب تفصیل کے ساتھ ذکر کر دی ہے، اسے وہیں دیکھنا چاہیے۔[3]

چوبیسویں حدیث:

آنحضرت ﷺ قرض دار کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ»[4] [اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ پڑھو]

(أخرجه أحمد والبخاري والنسائي من حديث سلمة بن الأكوع)

اس باب میں کئی حدیثیں ہیں۔ اس کے بعد جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے:

«مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِأَهْلِهِ وَمَنْ تَرَكَ دَيْناً أَوْ ضِيَاعًا فَإِلَيَّ وَعَلَيَّ»[5]

(أخرجه مسلم والنسائي وأحمد)

---

[1] دراسات اللبيب (ص: ٢٥١)

[2] الدراري المضية (١/ ٧٤)

[3] دليل الطالب (ص: ٣٠٥)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢١٧٣) سنن النسائي (١٥٧٨) مسند أحمد (٣/ ٣١٠)

[5] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٦٧) سنن النسائي، رقم الحديث (١٥٧٨) مسند أحمد (٣/ ٣١٠)

[جس نے کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے گھر والوں کے لیے ہے اور جو شخص قرض یا پسماندگان چھوڑ جائے تو وہ میرے ذمے ہیں]

یہ حدیث پہلے حکم کی ناسخ ہے اور اس باب میں کئی حدیثیں ہیں۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے "الفتح الرباني" میں کہا ہے:

"قد ثبت التصريح في بعض الأحاديث بأنه قال هذا المقالة بعد ما كان يمتنع من الصلاة على المديون، وهذا يدل على النسخ أبين دلالة، ويفيده أوضح مفاد، ومن لم يذكره ممن صنف في الناسخ والمنسوخ فهو مما يستدرك به عليه"[1] انتهى.

[بعض احادیث میں بہ صراحت ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات اس کے بعد فرمائی جب آپ قرض دار کا جنازہ نہیں پڑھاتے تھے، اس کی دلالت نسخ پر نہایت آشکارا ہے اور اس کا واضح فائدہ دیتی ہے۔ جس نے ناسخ و منسوخ کے بارے میں تصنیف کی ہے اور اس حدیث کا ذکر نہیں کیا ہے تو اس پر اس کے ذریعے استدراک کیا جا سکتا ہے]

اس مقصد پر پورا کلام "دليل الطالب" میں ہے، اسے دیکھیے۔[2]

پچیسویں حدیث:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ؟ قَالَ: لَا يَلْبَسُ الْقَمِيْصَ وَلَا الْعِمَامَةَ... إِلٰى قَوْلِهِ: وَلَا الْخُفَّيْنِ إِلَّا أَنْ لَّا يَجِدَ نَعْلَيْنِ فَلْيَقْطَعْهُمَا حَتّٰى يَكُوْنَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ»[3] (رواه أهل السنن)

[یعنی رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ محرم کیا پہنے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سلے

---

[1] الفتح الرباني من فتاوى الإمام الشوكاني (٣٠٦٣/٦)

[2] دليل الطالب (ص: ٣٨٩)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٥٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٧٧) سنن أبي داود، رقم الحديث (١٨٢٣) سنن الترمذي، رقم الحديث (٨٣٣) سنن النسائي، رقم الحديث (٢٦٦٧) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٩٢٩)

کپڑے، قمیص اور پگڑی نہ پہنے... آپ ﷺ کے اس ارشاد تک: اور نہ موزے مگر یہ کہ جوتے نہ پائے تو ان دونوں کو کاٹ لے، یہاں تک کہ ٹخنوں کے نیچے ہو جائیں]

اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ کاٹنا موزے پہننے کے جواز کی شرط ہے اور اسی پر جمہور علما اور فقہا ہیں۔ احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اسے بغیر کاٹے پہننا جائز ہے، کیوں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مطلق ہے، جو یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عرفات میں خطبہ دیتے ہوئے سنا:

«مَنْ لَمْ يَجِدْ إِزَاراً فَلْيَلْبَسْ سَرَاوِيلَ، وَمَنْ لَمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ»[1] (متفق عليه)

[جسے تہبند میسر نہ آئے تو وہ شلوار پہن لے اور جس کو جوتے نہ ملیں تو وہ موزے پہن لے]

ایک روایت میں ابو الشعثاء رحمہ اللہ کے طریق سے ہے کہ میں نے کہا کہ "لِيَقْطَعْهُمَا" نہیں فرمایا؟ تو انھوں نے فرمایا کہ نہیں۔[2] (رواہ أحمد) "منتقی" میں فرمایا ہے کہ یہ بہ ظاہر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث "يَقْطَعُ الْخُفَّيْنِ" کی ناسخ ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے عرفات میں بہ وقتِ ضرورت فرمایا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مدینے میں تھی، جیسا کہ احمد اور دارقطنی رحمہما اللہ کی روایت میں آیا ہے۔[3] انتھیٰ.

جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا معنی یہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ، وَمَنْ لَمْ يَجِدْ إِزَاراً فَلْيَلْبَسْ سَرَاوِيلَ»[4] (رواه أحمد ومسلم)

[جو شخص جوتے نہ پائے تو وہ موزے پہن لے اور جو ازار بند نہ پائے تو وہ پاجامہ پہن لے]

"نیل الأوطار" میں فرمایا ہے کہ حنابلہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا جو جمہور کے نزدیک کاٹنے کے وجوب کی دلیل ہے، کئی وجہ سے جواب دیا ہے۔ ایک ان میں سے نسخ کا دعویٰ ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، اسے دارقطنی رحمہ اللہ نے ابو بکر نیشا پوری رحمہ اللہ سے حکایت کیا ہے اور شافعی رحمہ اللہ نے "الام" میں فرمایا ہے کہ دونوں حافظ و صادق ہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زیادتی ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مخالف

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٤٦٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٧٩)

[2] مسند أحمد (١/ ٢٢٨)

[3] نيل الأوطار (٥/ ٥٤)

[4] صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٧٩) مسند أحمد (١/ ٢٢١)

نہیں ہے، کیوں کہ محتمل ہے کہ انھوں نے اس میں شک کیا ہو یا کہا ہو، لیکن بعض رواۃ نے ان سے نقل نہ کیا ہو یا ان پر مخفی رہ گئی ہو۔[1] انتھیٰ.

لیکن ابوالشعثاء رحمہ اللہ کا قول اس کا انکار کر رہا ہے، جیسا کہ گزرا۔ بعض نے دونوں حدیثوں میں ترجیح کا طریقہ اپنایا ہے۔

ابن الجوزی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اس کے رفع و وقف کا اختلاف ہے، جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مختلف نہیں ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کاٹنے کے حکم کے بارے میں روایت شاذہ کے ماسوا میں مختلف نہیں ہے، نیز اس سے بھی ان کا معارضہ کیا گیا ہے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما مختلف ہے۔ چناں چہ ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے بہ سند صحیح سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے اسے موقوفاً روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ محدثین میں سے کوئی بھی شک نہیں کرتا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے اصح ہے، کیوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ایسی سند سے آئی ہے، جو اصح الاسانید ہے اور اس پر کئی ایک حفاظ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اتفاق کرتے ہیں، انھیں میں نافع اور سالم رحمہما اللہ ہیں۔ اس کے برخلاف ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث صرف جابر بن زید رحمہ اللہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً آئی ہے، حتی کہ اصیلی نے فرمایا ہے کہ "إنه شیخ مصري لایعرف، کذا قال، و ھو شیخ معروف موصوف بالفقه عند الأئمة" [یقیناً وہ غیر معروف مصری شیخ ہے، ایسے ہی انھوں نے کہا ہے، حالاں کہ وہ معروف شیخ ہے اور ائمہ کے ہاں فقہ کے ساتھ موصوف ہے] ان میں سے بعض نے خف کو سراویل پر قیاس کر کے نہ کاٹنے پر استدلال کیا ہے، مگر یہ رد کر دیا گیا ہے، کیوں کہ نص سے ٹکرا رہا ہے، لہٰذا فاسد الاعتبار ہوگا۔ بعض نے عطا رحمہ اللہ کے قول کو دلیل بنایا ہے کہ کاٹنا فساد ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو دوست نہیں رکھتا، مگر یہ بھی مردود ہے، کیوں کہ فساد اس چیز میں ہے، جس سے شریعت نے نہی کی ہے، نہ کہ اس چیز میں جس کی اجازت دی ہے، بلکہ اس کو واجب کیا ہے۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ دونوں حدیثوں پر عمل کرتے ہوئے کاٹنے کا حکم اباحت پر محمول ہے، اشتراط پر نہیں اور یہ تکلف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مطلق و مقید میں تعارض نہیں ہے، کیوں کہ دونوں کے درمیان مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے ذریعے

[1] نیل الأوطار (٥/ ٥٤)

تطبیق ممکن ہے اور جب تک تطبیق ممکن ہو، اسی کی طرف جانا واجب ہے نہ کہ ترجیح کی طرف اور اگر ترجیح کی طرف جانا جائز ہو تو مطلق کی ترجیح ممکن ہے، کیوں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے اور دو شخصوں کی روایت کی وجہ سے اَرجح ہے. واللّٰه أعلم[1] انتهىٰ كلامه.

میں کہتا ہوں کہ حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما سنن میں ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث صحیحین میں اور اس کے ساتھ ساتھ متفق علیہ ہے، اس کے بعد بخاری و مسلم رحمہما اللہ کے نزدیک اس کا رفع ثابت ہے۔ ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ کے طریق میں اس کا وقف نقصان نہیں دیتا، کیوں کہ رفع زیادت ہے اور صحیح طریق سے منقول زیادت مقبول ہے، اس کے علاوہ حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما مقدم ہے اور حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما متاخر، لہٰذا آخر اول کی ناسخ ہوگی۔ اگر نسخ کی بات درست نہیں تو یہاں تطبیق کفایت کرتی ہے، جیسے کہ پہلے گزری ہے۔ واللّٰه أعلم.

نسخِ حدیث کی معرفت:

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ حدیث کے نسخ کی شناخت بھی نص سے ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث ہے:

«كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا، وَنَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِ فَوْقَ ثَلٰثٍ فَأَمْسِكُوا مَا بَدَا لَكُمْ، وَنَهَيْتُكُمْ عَنِ النَّبِيذِ إِلَّا فِي سِقَاءٍ فَانْتَبِذُوا فِي الْأَسْقِيَةِ كُلِّهَا، وَلَا تَشْرَبُوا مُسْكِراً»[2]

[میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، لیکن (اب) ان کی زیارت کیا کرو۔ میں نے تمھیں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع کیا تھا، لیکن اب جتنی ضرورت محسوس کرو اسے رکھو۔ میں نے مشکیزے کے علاوہ نبیذ بنانے سے تمھیں منع کیا تھا، لیکن اب تم تمام برتنوں میں نبیذ بنا سکتے ہو، لیکن نشہ آور مشروب استعمال نہ کرو]

کبھی صحابی رضی اللہ عنہ کے خبر دینے سے نسخ کی معرفت ہوتی ہے، جیسا کہ کہتے ہیں: "كَنَ آخِرَ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَرْكُ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ"[3] کبھی اجماع سے، جیسے چوتھی بار میں شارب خمر

---

[1] نيل الأوطار (٥/ ٥٤)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٧٧)

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٩٢)

کے قتل کا ترک کرنا اور کبھی تاریخ سے تطبیق کے دشوار ہونے کے وقت معلوم ہوتا ہے۔[1] واللہ أعلم.

حسین بن عبدالرحمن اہدل رحمہ اللہ نے "عدة المنسوخ" میں مذکورہ احادیث لانے کے بعد لکھا ہے کہ کبھی ایک شخص کو منسوخ کی قلت کا گمان ہوتا ہے اور وہ اس پر اشیا کے استدراک کے ذریعے توجہ کرتا ہے تو اس پر اس کا استحضار دشوار ہو جاتا ہے۔ کبھی اس میں سے بعض کا استحضار ہو جاتا ہے تو اس سے اعتراض کی لگام پکڑنے کی طرف لوٹتا ہے، یا علما کی منسوخ سے متعلق بہت مختصر کتابوں میں ضبط سے باخبر ہو جاتا ہے اور جان لیتا ہے نسخ شریعت میں تخصیص وتعارض کو دیکھتے ہوئے تھوڑا ہے، زیادہ نہیں۔

حازمی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ سب جس کے نسخ پر علما نے اتفاق کیا ہے، تقریباً ستائیس (۲۷) حکم ہیں:

(۱) استقبالِ بیت المقدس ہے، جو استقبالِ کعبہ سے منسوخ ہو گیا اور وہ اول چیز ہے جو امورِ شریعت میں سے نسخ پذیر ہوئی، جبکہ صحابہ ظہر کی نماز میں تھے اور آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ دو رکعتیں ادا کر لی تھیں (۲) نماز میں کلام (۳) حکمِ مسبوق (۴) خوف میں ترکِ صلات (۵) نمازِ جمعہ قبل خطبہ (۶) منافقوں پر نمازِ جنازہ (۷) مردوں پر زیارتِ قبور کی تحریم (۸) کافروں کے لیے ان کی کفر پر موت کے بعد استغفار کا جواز (۹) وجوبِ صومِ عاشورا (۱۰) آفتاب کے نکلنے اور روشن ہونے کے درمیان سجود (۱۱) گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے کا جواز (۱۲) رجعتِ مطلقہ ابدی (۱۳) متوفی عنہا زوجہا کی ایک سال عدت (۱۴) شراب پینے کا جواز (۱۵) رمضان کی راتوں میں کھانے اور جماع کرنے کی تحریم (۱۶) روزے اور کفارے کے درمیان اختیار (۱۷) کافروں کے ساتھ جہاد بالسیف کی تحریم (۱۸) حرمت والے مہینے میں قتال (۱۹) آپ ﷺ کے سوا دوسروں پر قیامِ لیل کا وجوب (۲۰) تحریمِ رضاعت میں دس رضعات کا اعتبار (۲۱) غیرِ قرآن کی کتابت کی تحریم (۲۲) اقربین کے لیے وصیت کا وجوب (۲۳) قرابت کے درمیان توارث (۲۴) زانیوں کا تا موت حبس (۲۵) ایک مسلمان کے دس کافروں سے قتال کا وجوب (۲۶) مسلمانوں نے اجماع کیا ہے کہ نماز چہارگانہ دو رکعت ادا نہیں کی جائے گی، اگرچہ اصل میں ایسے ہی تھی، لیکن عبادت میں زیادتی کے بارے میں دو قول پر اس میں اختلاف ہے کہ یہ نسخ ہے یا نہیں (۲۷) عورتوں کے لیے حجاب کے وجوب پر اجماع کیا گیا ہے۔ پس اگر اس کا جواز ترکِ ابتدا سے اصل اباحت پر ہے تو منسوخ نہیں

[1] شرح صحیح مسلم للنووي (۱۳/ ۱۳۵)

ہے اور اگر شریعت کی ترخیص پہلے کی شریعت کی ناسخ ہے تو منسوخ ہے اور اقرب اول ہے۔

ان میں سے جو ہم نے منسوخات کے شمار میں ذکر کیا ہے، کچھ ایسی چیز ہے جس کے ثبوت پر اجماع نہیں کیا گیا ہے، جیسے دس رضعات کا اعتبار، لیکن اب اس کے عدمِ اعتبار پر متفق ہیں۔ تو جس کے نزدیک وہ ثابت شدہ ہے، تطبیق کے حکم میں نسخ پر ہے۔ وہ منسوخ ہے جس کا نسخ مشہور ہے اور اس میں اختلاف نہیں اور نہ ایسے شخص سے اجماع منقول ہے، جس پر اس چیز کے بارے میں بھروسا ہے، جو اللہ نے اسے سکھایا ہے اور وہ فرع کے ساتھ منسوخ ہے، جیسے (۱) چوتھی بار میں شرابی کا قتل (۲) زانیوں کی ایذا رسانی کا حکم (۳) زکات نکالنے کے بعد سونے چاندی کے کنز کی تحریم (۴) حرمت والے مہینوں میں کافروں اور باغیوں کے قتل کی تحریم (۵) تقسیم سے پہلے تنفیل کا جواز (۶) سونے کی انگوٹھی پہننا (۷) سیاہ کتوں کو مار ڈالنے کا حکم (۸) مثلے کا جواز۔

وہ منسوخ ہے جس کا نسخ مشہور ہو اور اس کی طرف جمہور گئے ہوں اور اس میں مخالفت شاذ ہو، جیسے (۱) ''الماء من الماء'' کا نسخ (۲) اس سے وضو جسے آگ نے چھوا ہو (۳) رکوع میں تطبیق (۴) مطلقاً عورتوں کو مارنے کا حکم (۵) دو آدمیوں کے درمیان امام کا کھڑے ہونا (۶) صرف نسیئہ (ادھار) میں سود کا ہونا (۷) مال میں زکات کے سوا دوسرے واجبات کا وجوب (۸) عتیرہ کا حکم جو ماہِ رجب میں ذبیحہ ہوتا ہے (۹) عورتوں سے متعہ (۱۰) تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت کی تحریم (۱۱) رضاعت بعد الحولین (۱۲) گائے کی زکات میں بکری واجب نہ ہونا اس تفصیل کے ساتھ جو اس میں وارد ہے (۱۳) تحریم کے نسخ کا دعویٰ کرنے کے ذریعے سے ریشم پہننے کا جواز (۱۴) نسخ کا دعویٰ کرکے موزوں پر مسح۔ صدر اول میں اس مسئلے میں اختلاف شاذ تھا، اس کے بعد اس کے قائلین بہت ہوگئے، جیسے امامیہ ہیں (۱۵) قضاے حاجت کے وقت استقبالِ قبلہ کی تحریم کے نسخ میں اختلاف عام ہوگیا (۱۶) ذکر چھونے سے ترکِ وضو (۱۷) حج تمتع (۱۸) دباغت سے میتہ کے جلد کی طہارت (۱۹) شانوں تک تیمّم، اس کا نسخ صحیح ہے (۲۰) مسحِ قدمین کا جواز اور مخیّر اقرب الی الشذوذ ہے (۲۱) نماز میں التفات (۲۲) غیر مؤذن کی اقامت کا جواز (۲۳) سامنے سے گزرنے پر نماز کا باطل ہونا (۲۴) تصاویر کی طرف نماز (۲۵) گھٹنوں سے پہلے دونوں ہاتھ رکھنا (۲۶) بہ آواز بلند تسمیہ (۲۷) فجر میں قنوت کا ثبوت (۲۸) قراءتِ خلف الامام (۲۹) فجر کے ساتھ اسفار کی فضیلت (۳۰)

جنازے کے لیے قیام (۳۱) نمازِ جنازہ کی تکبیرات کا چار کی تعداد تک نسخ (۳۲) زمین پر جنازہ رکھنے تک بیٹھنے کی ممانعت (۳۳) جو جنابت کے ساتھ صبح کرے، اس کے روزے کا فاسد ہونا، جب کہ جمہور اس کی صحت کی طرف گئے ہیں (۳۴) حضر والے کے روزے کا فساد (۳۵) سفر میں روزہ رکھنے کی اباحت کا نسخ، جب کہ جمہور اس کے خلاف ہیں (۳۶) نبیذ کا نسخ صرف شراب کے برتنوں میں، جیسے حنتم، دبا، نقیر اور مزفت وغیرہ ہیں، اس میں عدمِ نسخ کے قائل صرف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ان کے پیروکار ہیں (۳۷) سورت ممتحنہ میں اللہ کے ارشاد ﴿فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا﴾ کے نسخ کے بارے میں اس آیت کے معنی میں اختلاف کی بنیاد پر اختلاف کرتے ہیں، جیسا کہ کتبِ تفاسیر میں مذکور ہے (۳۸) رقیہ (دم) سے نہی (۳۹) ''ما شاء اللہ و شاء فلان'' بولنے سے نہی (۴۰) حج میں شرط لگانا (۴۱) حرم میں کافروں سے قتال کی ابتدا (۴۲) وقتِ ضرورت سفر میں غیر مسلموں کی شہادت (۴۳) گھوڑے کے گوشت کی تحریم (۴۴) مزارعت کا جواز (۴۵) ایامِ عدت میں متوفی عنہا زوجہا کے لیے نقلِ مکان کی اجازت اور اس کا نسخ صحیح ہے (۴۶) ذمی کے بدلے مسلم کا قتل (۴۷) بغیر لڑائی کے آتش زنی (۴۸) زخم کے بھرنے سے پہلے قصاص لینا (۴۹) رجم سے پہلے محصن کو کوڑے مارنا (۵۰) اپنی بیوی کی لونڈی کے ساتھ زنا کرنے کا حکم (۵۱) دار الکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کا وجوب (۵۲) دعوت قبل از قتال (۵۳) کافر عورتوں کا قتل (۵۴) کافروں کے بچوں کا قتل (۵۵) مشرکین سے مدد لینے کی نہی (۵۶) بغیر دلیل سلب لینا (۵۷) غیر خدا کی حلف کا جواز (۵۸) کافروں کے ہدیوں کو قبول کرنا (۵۹) کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے نہی (۶۰) جمعے کے دن غسل کا وجوب۔

تو یہ ستانوے حکم ہیں، جن میں سے ستائیس احکام کے نسخ پر اہلِ علم نے اجماع کیا ہے۔ ان میں سے تیرہ احکام کا نسخ مشہور ہے۔ ان میں سے دو احکام کے نسخ کے قائل شاذ ہیں اور اڑتالیس احکام میں اختلاف مشہور ہے، لیکن ان میں زیادہ تر یا زیادہ ایسے ہیں جن میں نسخ کی شرائط فراہم نہیں ہوئیں، بلکہ وہ عموم و خصوص اور اطلاق و تقیید اور تعارض کے باب سے ہیں کہ جن میں تطبیق کی طرف لوٹا جاتا ہے یا دونوں پر ایک ساتھ عمل یا ترجیح ہوتی ہے۔

حدیث کے ناسخ و منسوخ کے بارے میں سب سے بہترین تالیف حافظ ابوبکر حازمی رحمہ اللہ کی

کتاب "الاعتبار" ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ اس کے مثل اس باب میں کوئی تالیف نہیں ہے۔ حازمی رحمہ اللہ نے حافظ ابوموسیٰ اصفہانی رحمہ اللہ سے سنا ہے۔ ان کی دوسری مفید تصانیف بھی ہیں، انھیں میں "عجالة اللسان في أسماء الأماكن والبلدان" ہے۔ انھوں نے احادیثِ مذہب کی ترجیح میں تالیف کا آغاز کیا تھا اور کتاب الصلاۃ تک پہنچے تھے۔ صاحبِ تصانیفِ نفیسہ ہیں، جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے ان کا ذکر "تهذيب الأسماء" میں کیا ہے۔[1] حدیث کے ناسخ و منسوخ میں ان کی کتاب ایک مبسوط کثیر الفوائد کتاب ہے اور اس سے قرآنِ عظیم کے ناسخ باہر نہیں جاتے۔ ان میں سے بہت سے یقینی طور پر معلوم ہیں، جن کے ذکر کی ضرورت نہیں، جیسے شراب پینے اور استقبال بیت المقدس وغیرہ کا نسخ ہے۔ واللّٰه أعلم. انتهىٰ كلام عدة المنسوخ من الحديث علىٰ ما أخبر به بعض أهل الحديث والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات.

---

[1] تهذيب الأسماء واللغات للنووي (٧٢٩)

خاتمہ

اصول شریعت اور باقی ماندہ دیگر امور کا بیان

کتاب اللہ:

یہ سب، جو بیان کیا گیا ہے، کتاب وسنت کے ناسخ ومنسوخ کا بیان تھا۔ علماے اصولِ فقہ نے کتابِ عزیز کی تعریف میں کئی تعریفوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سے کوئی ایک بھی اعتراض سے خالی نہیں ہے۔ اس کی سب سے بہترین تعریف یہ ہے:

"هو كلام الله المنزل علىٰ محمد المتلو المتواتر"

[وہ محمد ﷺ پر اللہ کا منزل متلو متواتر کلام ہے]

کیوں کہ اس تعریف پر، جو دیگر تعریفوں پر اعتراض وارد ہوتا ہے، کچھ بھی وارد نہیں ہوتا۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قرآن کا نزول سات حروف پر ہوا ہے۔[1] اصولیوں نے اس سے سات حرفوں، بلکہ قراءتِ عشرہ کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کچھ متواتر اور کچھ آحاد ہیں۔ جن پر مصحف شریف مشتمل ہے اور قراء مشہورین نے اتفاق کیا ہے کہ وہ تو قرآن ہے اور مختلف فیہ میں اختلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "بسم اللّٰه" ہر سورت کی آیت ہے۔ قرآن کے اندر محکم ومتشابہ کے ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی تعریف کی گئی ہے۔ محکم کا حکم اس پر عمل کا وجوب ہے اور متشابہ میں اختلاف ہے۔ درست موقف اس پر عمل کا عدمِ جواز ہے اور متشابہ کو محکم کی طرف لوٹانا واجب ہے، جیسا کہ قرب ومعیت وغیرہ کی نصوص میں اللہ کے استوا علے العرش اور اس کے علو وفوق کے اعتقاد کی طرف لوٹانا۔ سلف نے کہا ہے کہ قرآن میں رومی، ہندی، فارسی اور سریانی وغیرہ ہر زبان کا کوئی لفظ ہے، جب کہ اکثریت نے اس کا انکار کیا ہے، لیکن کوئی قابل استدلال دلیل نہیں لائے۔ یہاں تک کتاب اللہ کا بیان ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٢٨٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١٨)

سنت:

رہی سنت تو وہ آپ ﷺ کے فعل، قول اور تقریر سے عبارت ہے اور باتفاق اہلِ علم سنت مطہرہ احکام کی قانون سازی میں مستقل اور جائز کو جائز اور ناجائز کو ناجائز کرنے میں قرآن کے مانند ہے۔ قرآن پر حدیث کو پیش کرنے کی روایت اس فن کے ائمہ کے نزدیک خود ساختہ اور بناوٹی ہے۔[1]

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"الكتاب أحوج إلى السنة من السنة إلى الكتاب"[2]

[یعنی سنت کو قرآن کی نسبت قرآن کو سنت کی زیادہ ضرورت ہے]

یحییٰ بن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ "السنة قاضية على الكتاب"[3] کہ سنت کتاب اللہ پر فیصلہ کن ہے۔ حاصل یہ کہ سنت مطہرہ کی حجیت کا ثبوت اور احکام سازی میں اس کا استقلال ضرورت دینی ہے اور اس کے خلاف وہی کرتا ہے جو اسلام میں کوئی حصہ نہیں رکھتا۔

رسول اللہ ﷺ کے افعال میں تعارض نہیں ہے، بلکہ وہ متغایر حوادث ہیں، جو مختلف اوقات میں وجود میں آئے۔ ہاں اگر یہ افعال اقوال کے بیانات ہوں تو صرف صورتاً تعارض متصور ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اقوال کے مبینات کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ قول وفعل کے تعارض کی کئی صورتیں ہیں اور اسے دور کرنے کی بھی کئی صورتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کسی چیز کا ارادہ سنت میں داخل نہیں ہے، کیوں کہ یہ بدوں تکمیل محض دل میں آنے کی بات ہے۔ ہاں نبی ﷺ کے اشارات اور کتابت منجملہ سنت ہے اور اس پر دلیل قائم ہے۔ دل جوئی میں اس کا ترک آپ کے فعل کے حکم میں ہے۔ اخبار کی کئی انواع ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خبر متواتر سے علم ضروری حاصل ہوتا ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور خبر کے مخبر اور سامع سے متعلق کچھ شروط ہیں۔ جمہور کا مذہب خبر واحد پر عمل اور اس سے تعبد کا ثبوت ہے۔ جس نے اس کے خلاف کیا ہے، کوئی قابلِ تمسک چیز نہیں لایا ہے۔ خلفائے راشدین وغیرہ میں سے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اخبارِ آحاد پر عمل کے جویا ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ اس قدر ہیں کہ ایک بسیط تالیف ہی میں سما سکتے ہیں۔ جس نے بعض حالات

[1] الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة للشوكاني (ص: ٢٩١)
[2] جامع بيان العلم (٢/ ٣٦٨)
[3] جامع بيان العلم (٢/ ٣٦٩)

میں اس پر عمل میں تردد کیا ہے، بیرونی اسباب کی وجہ سے کیا ہے، جیسے تعارض کے ہوتے ہوئے صحت میں شک یا راوی میں التزام کی وجہ سے شک کرنا۔

آحاد کی کئی قسمیں ہیں:

آحاد پر عمل کی کچھ راوی سے متعلق، کچھ مدلولِ خبر سے متعلق اور کچھ نفس لفظِ خبر سے متعلق شروط ہیں۔ حدیث صحیح حجت ہے۔ ان میں سے مرسل بھی ہے اور درست اسے قبول نہ کرنا ہے، اس اختلاف کے ساتھ جو اس میں واقع ہوا ہے۔ حدیث منقطع حجت نہیں ہوگی۔ جرح وتعدیل میں تعارض اور دونوں میں تطبیق کے عدمِ امکان میں کئی اقوال ہیں۔ درست موقف اسے قبول کرنا ہے، کیوں کہ اس میں اجتہاد کا موقع ہے اور جرح وتعدیل میں سبب کا ذکر ضروری ہے۔ اس کے ذکر کے بعد خود راجح اور مرجوح میں تمیز مجتہد پر مخفی نہیں رہ جاتی۔ عارف کی طرف سے مجمل جرح وتعدیل کے قبول کرنے کی تقدیر پر جرح، تعدیل پر مقدم ہوگی۔ یہ سنت کا بیان ہے۔

اجماع:

رہا اجماع تو وہ امتِ محمدیہ کے مجتہدین کا آپ کی وفات کے بعد کسی زمانے میں کسی بات پر اتفاق کر لینے سے عبارت ہے۔ اتفاق سے مقصود اعتقاد یا قول یا فعل میں اشتراک ہے۔ مجتہدین کی قید سے عوام کا اتفاق باہر ہو گیا، کیوں کہ اجماع میں ان کے اتفاق ومخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ وجوبِ تقلید پر جو اجماع نقل کرتے ہیں، وہ اسی نوعیت کا ہے، کیوں کہ مجتہدین کا اجماع اس کی ممانعت پر ہے۔

نیز اس قید سے بعض مجتہدین کا اتفاق باہر ہو گیا۔ عصر سے مقصود اس مسئلے کے پیدا ہونے کے وقت اہلِ اجتہاد کا زمانہ ہے۔ کچھ نے اجماع کی حجیت میں مجتہدین کے زمانے کے گزر جانے اور مستقر کے خلاف پہلے سے نہ ہونے اور متفقین کی عدالت اور ان کے تواتر کی معتبر عدد کو پہنچنے کی شرط عائد کی ہے۔ فی نفسہ اجماع کے امکان، اس کے علم کے امکان اور اس کے ہماری طرف نقل کے امکان میں اختلاف ہے۔ حقیقت اس کا عدم ہے۔ ان سب کو تسلیم کرنے کی تقدیر پر اس میں یہ اختلاف ہے کہ وہ حجت شرعی ہے یا نہیں؟ جمہور کا مذہب اس کی حجیت ہے اور اس کی دلیل اکثر کے نزدیک صرف سمع ہے، عقل نہیں، جب کہ درست اس کی عدمِ حجیت ہے۔ اگر تسلیم کر لیں کہ حجت ہے اور اس کا علم ممکن ہے تو اس بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مجمع علیہ حق ہوگا۔ اس سے

اس کی پیروی کا وجوب لازم نہیں آتا، جیسا کہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہے اور دوسرے مجتہد پر اس کی پیروی واجب نہیں ہے، بلکہ مقلد پر بھی اس کی پیروی اس اجتہاد میں بہ خصوصہ واجب نہیں ہے۔ حجیتِ اجماع کے قائلین اختلاف رکھتے ہیں۔ ایک جماعت، جن میں حنفیہ بھی ہیں، اس طرف گئے ہیں کہ حجت قطعی ہے۔ ایک قوم نے ظنی قرار دیا ہے۔ کچھ نے تفصیل کی ہے کہ معتبرین کا متفق علیہ حکم قطعی ہے اور سکوتی ظنی ہے۔ اجماع کے لیے مستند ضروری ہے اور جس نے بغیر مستند جائز قرار دیا ہے، اس کی بات کمزور ہے۔ مجتہد پر اجماع کے لیے مستند کی بحث کے وجوب میں اختلاف ہے۔ ایسے ہی اجماع میں بدعتی مجتہد کے اعتبار کے بارے میں اختلاف ہے۔ اجماعِ صحابہ کے انعقاد میں تابعی کے ان کے زمانے کے مجتہد کو جاننے کی صورت میں اور اس میں کہ اجماع صحابہ حجت ہوگا یا نہیں؟ ایسے ہی اہلِ مدینہ کے علے انفرادہ اجماع کے بارے میں اختلاف ہے۔ اجماع سکوتی کے قبول کرنے نہ کرنے کے بارے میں بارہ قول ہیں اور ظاہر اس کی عدمِ حجیت ہے۔ نیز اس چیز پر اجماع کے جواز کے بارے میں اختلاف ہے، جس پر اس کے خلاف اجماع ہوا ہو اور اہلِ عصر کے اس مسئلے میں دو قول پر اختلاف کرنے کے بعد تیسرا نیا قول پیدا کرنے کے جواز میں بھی اختلاف ہے۔

مختلف فنون میں اس فن کے اہل کا اجماع معتبر ہے، دوسروں کا نہیں۔ مسائلِ فقہیہ میں تمام فقہا کا قول معتبر ہوگا، مسائلِ اصولیہ میں تمام اصولیوں کا قول، مسائل نحو یہ میں تمام نحویوں کا قول اور غیر اہلِ فن عوام کے حکم میں ہیں۔ ایک جماعت نے ان کا اعتبار کیا ہے اور ایک جماعت نے نہیں اور درست اس کا عدمِ اعتبار ہے۔ اہلِ اجماع مجتہدین میں سے ایک کا اختلاف بھی ناقضِ اجماع ہے۔ جمہور نے کہا ہے کہ نہ وہ اجماع ہوگا اور نہ حجت۔ بطریق آحاد منقول اجماع کی حجیت میں اختلاف ہے۔ جمہور تواتر کی تعداد کی شرط لگاتے ہیں۔ کسی قائل کا قول "لا أعلم خلافا بين أهل العلم في كذا" مفیدِ اجماع نہیں ہے اور جس نے یہ کہا ہے، اس کا قول فاسد ہے۔ یہ اجماع کا بیان ہے۔

قیاس:

رہا قیاس تو فقہا کی اصطلاح میں وہ اثباتِ حکم یا اس کی نفی میں معلوم کو معلوم پر دونوں کے درمیان کسی جامع حکم یا صفت کی وجہ سے محمول کرنا ہے۔ جمہور محققین نے اسے مختار قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ سے صادر قیاس کی حجیت پر اتفاق ہے اور اختلاف قیاس شرعی میں ہے۔ جمہور

صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین، فقہا و متکلمین اس طرف گئے ہیں کہ یہ اصولِ شریعت میں سے ایک اصل ہے، اس کے ذریعے سے احکامِ واردہ پر اولہ سمعیہ سے استدلال کیا جاتا ہے۔ ظاہر یہ نے اس کا انکار کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ کوئی ایسا حادثہ نہیں ہے، جس کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی منصوص علیہ یا نص کے مضامین سے معدول عنہ حکم اور اس کی دلیل نہ ہو۔ یہ قیاس سے بے نیاز کر دیتا ہے اور شک نہیں کہ کتاب وسنت کی نصوص کے عمومات ومطلقات میں ہر حادثے کا حل ہے اور یہ دونوں ہر پیش آمدہ مسئلے کے بیان کے ساتھ قائم ہیں، جس نے اسے پہچانا، پہچان لیا اور جس نے نہ جانا، وہ ناواقف رہ گیا۔

ارکانِ قیاس کا بیان:

قیاس کے ارکان چار ہیں:

① اصل۔ ② فرع۔ ③ علت۔ ④ حکم۔

ان میں سے ہر ایک کی طویل تفصیل ہے۔ صحتِ قیاس کی بارہ شرائط ذکر کی گئی ہیں، جو اپنے محل میں مذکور ہیں۔ ہر قیاس میں درست علت کا اعتبار ہے، جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے اور علت کے لیے مسالک ہیں۔ اسباب میں قیاس کے جاری ہونے میں اختلاف ہے۔ ایسے ہی حدود و کفارات میں قیاس سے ایک جماعت نے روکا ہے اور ایک جماعت نے جائز کہا ہے۔ مستدل کے کلام پر معترض کا اعتراض تین قسموں پر ہوتا ہے: مطالبات، قوادح اور معارضات۔ ان تینوں کی تفاصیل کا دائرہ بہت وسعت رکھتا ہے۔ اعتراض کی انواع کو تقریباً چالیس انواع تک پہنچایا گیا ہے۔

استحسان اور مصالح مرسلہ:

استحسان کی تحقیق میں کئی قول ہیں۔ ایک جماعت اس میں الجھی ہوئی ہے۔ جمہور نے اس کا رد کیا ہے، یہاں تک کہ شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"من استحسن فقد شرع"[1] [جس نے استحسان کیا تو اس نے شریعت سازی کی]

بعض اہلِ علم نے فرمایا ہے کہ استحسان کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے۔ ایک دلیلِ شریعت کی تقدیم پر اور یہ واجب العمل ہے، کیوں کہ حسن و قبح شرعی ہے اور دوسرا مخالفتِ دلیل پر۔ مثال کے طور

---

[1] إرشاد الفحول (ص: ۳۵۰)

پر کوئی ایسی چیز ہو، جو دلیلِ شریعت سے محظور ہو اور عوام کی عادات میں ثابت ہو تو اس کا قول حرام ہوگا۔ یہاں دلیل کی پیروی اور ترکِ عادت و رائے واجب ہے، خواہ دلیل نص ہو یا اجماع یا قیاس۔ اس جگہ ایک دوسری چیز ہے جس کا نام ''مصالح مرسلہ'' رکھتے ہیں اور اسے استدلال بالمرسل بولتے ہیں۔ اس میں کئی مذاہب اور اقوال پر اختلاف ہے۔ جمہور اس سے تمسک کو مطلقاً روکتے ہیں۔ یہ شریعت کے اصولِ اربعہ کا بیان ہے اور اس کی تفصیل مبسوط کتابوں میں ڈھونڈنی چاہیے۔

اجتہاد:

رہا اجتہاد تو فقہا کے عرف میں اس کی کئی تعریفیں ہیں:

آمدی نے کہا ہے:

''هو استفراغ الوسع في طلب الظن بشيئ من الأحكام الشرعية على وجه يحس النفس العجز عن المزيد عليه''[1]

[احکامِ شرعیہ میں سے کسی چیز کے ساتھ طلبِ ظن میں اس طرح پوری کوشش صرف کرنا کہ نفس اس سے زیادہ سے عاجز آ جائے]

لہٰذا مجتہد وہ ہے، جو حکم شریعت کے ظن کو طلب کرنے میں پوری کوشش سے کام لے۔ نیز ضروری ہے کہ وہ عاقل، بالغ، صادق الملکۃ اور ماخذ سے احکام نکالنے پر قادر ہو۔ اس کی کئی شرطیں ہیں:

اول، دوم: کتاب وسنت کی نصوص کا عالم ہو، کیوں کہ ان دونوں میں سے ایک میں بھی قاصر غیر مجتہد ہے یا اس کے لیے اجتہاد جائز نہیں ہے۔ اس میں احکام سے متعلق مقدار کی معرفت شرط ہے، جو بہت تھوڑی ہے۔

تیسری: زبانِ عرب کا ایسے طریقے پر عارف ہو کہ کتاب عزیز اور سنت مطہرہ وغیرہ کے غریب کی تفسیر کر سکتا ہو۔ اس کا ازبر ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ اس فن کے ائمہ کی کتابوں سے اس کے نکالنے پر قدرت کافی ہے۔ انھوں نے اس کی تقریب وتہذیب حروف ہجائیہ پر اچھے انداز سے کی ہے۔

چوتھی: اصولِ فقہ کا عالم، بلکہ اس میں ماہر اور کثیر الاطلاع ہو، کیوں کہ اجتہاد کا ترازو اور اس کی اساس یہی علم ہے۔

---

[1] الإحكام للآمدي (٤/ ١٦٩)

پانچویں: ناسخ ومنسوخ کا ایسے طریقے پر عارف ہو کہ کوئی چیز اس سے مخفی نہ رہے۔

میں نے ان شروط کی تفصیل "مسك الختام شرح بلوغ المرام" وغیرہ میں لکھی ہے، اسے دیکھیے۔

دلیلِ عقلی کے ساتھ علم کی شرط لگانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے شرط لگائی ہے اور ایک جماعت نے نہیں لگائی اور یہی درست ہے، کیوں کہ اجتہاد کا دوران ادلہ شرعیہ پر ہے، ادلہ عقلیہ پر نہیں۔ علم اصولِ دین اور علمِ فروع کی شرط عائد کرنے میں اختلاف ہے اور درست اس کا عدمِ اشتراط ہے، کیوں کہ فروع کی تولید خود اسی سے ہے، اس لیے اجتہاد میں اس کی کیا ضرورت ہے؟ بعض نے علمِ جرح و تعدیل کو علومِ اجتہاد میں داخل کیا ہے اور یہ درست ہے، لیکن یہ سنتِ مطہرہ کے علم میں داخل ہے، کیوں کہ علمِ سنت اس کے بغیر ناتمام ہے۔ کہتے ہیں کہ اس میں شروط وارکان سمیت قیاس کی معرفت بھی داخل ہے، کیوں کہ قیاس اجتہاد کا مناط اور اصل رائے ہے، جس سے فقہ کا انشعاب ہے، لیکن یہ بھی علم اصول فقہ میں داخل ہے، کیوں کہ یہ اس کے ابواب میں سے ایک باب ہے۔

ایک جماعت نے کہا ہے کہ کوئی زمانہ "مجتهد قائم بحجج الله" سے جو "ما أنزل الله" کو سب کے لیے بیان کرے خالی نہیں ہوسکتا۔ حنابلہ اسی کے قائل ہیں اور یہی درست ہے۔ اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث ہے:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ حَتّٰى يَاتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ»[1]

[میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، یہاں تک کہ اللہ کا امر (قیامت) آجائے]

زرکشی رحمہ اللہ نے اکثریت سے زمانے کے مجتہد سے خالی ہونے کی حکایت کی ہے اور شافعیہ اسی کے قائل ہیں، جب کہ درست بات پہلی ہے۔ یہ کیوں کر ممکن ہے، کیوں کہ متقدمین پر اجتہاد سے زیادہ متاخرین پر اجتہاد آسان وسہل ہے اور اس میں جو صحیح فہم اور سیدھی عقل رکھتا ہے، اختلاف نہیں کرتا ہے۔ رہے منکرین جو تقلید پر ڈٹے ہوئے ہیں اور کتاب وسنت کے سوا علم سے شغل رکھتے ہیں، وہ اسے دشوار قرار دیتے ہیں۔ جو شخص بھی اللہ کے فضل کو اس کی بعض مخلوق میں محدود کرتا ہے اور متقدم العصر پر شریعت مطہرہ کے فہم کو محصور کرتا ہے، وہ اللہ اور شریعت پر جرأت مند ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٠٢١) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٢٠)

اجتہاد کی تجزی:

اجتہاد کی تجزی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک جماعت نے روکا ہے اور ایک جماعت نے جائز قرار دیا ہے، مگر درست اس کا عدمِ جواز اور وجود ہے۔ درست مسائل شرعیہ میں اگر وہ قطعی معلوم بالضرورہ ہوں، جیسے کہ ایک ساتھ پانچ نمازوں اور صومِ رمضان کا وجوب تو اس کا موافق مصیب اور اس کا مخطی غیر معذور ہے۔ اگر ضروریاتِ شرعیہ میں سے نہیں ہے اور نہ اس کی دلیل قاطع ہے تو اس میں مخطی تقصیر کی صورت میں گناہ گار ہے اور اس سے بحث کے اندر عدمِ تقصیر کی صورت میں گناہ گار نہیں ہے۔ جس میں دلیل قاطع نہیں ہے، اس میں اختلاف طویل ہے۔

درست یہ ہے کہ حق ایک ہے اور اس کا مخالف مخطی ماجور ہے، اگر اس میں اجتہاد کا حق پورا کیا ہو اور مابہ الا جتہاد کے اِحراز کے بعد اپنی طرف سے اس کی بحث میں کسی تقصیر سے راضی نہ ہوا ہو۔ یہ قول باطل ہے کہ تعددِ مجتہدین کی وجہ سے حق متعدد ہے۔

تقلید:

تقلید اس شخص کی رائے کو بغیر حجت قبول کرنے سے عبارت ہے، جس کی حجت بغیر حجت قائم نہ ہوتی ہو۔ یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ قولِ نبی کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا تقلید نہیں ہے، کیوں کہ آپ کا قول وفعل خود حجت ہے۔ قاضی رحمہ اللہ نے تقریب میں اجماع نقل کیا ہے کہ جو نبی ﷺ کے قول سے اخذ کرے اور اس کی طرف لوٹے، وہ مقلد نہیں ہے، بلکہ وہ دلیل اور علم یقین کی طرف جا رہا ہے۔ انتہیٰ. اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ اللہ کے وجود وصفات سے متعلقہ مسائل میں تقلید جائز ہے یا نہیں؟ ایک جماعت جواز کی طرف گئی ہے اور ایک جماعت کہتی ہے کہ جائز نہیں ہے۔ ابو اسحاق رحمہ اللہ نے اس پر اہلِ حق اہلِ علم سے اجماع کی حکایت کی ہے۔ اگر تو بغیر دلیل جانے اس کا اعتقاد کیا تو اکثر ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ اہلِ شفاعت مومن ہے، اگر چہ ترکِ استدلال کی وجہ سے فاسق ہو جاتا ہے، چناں چہ ائمہ حدیث اسی کے قائل ہیں۔ اشعری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب تک جملہ مقلدین سے باہر نہ ہو، مومن نہیں ہے، مگر یہ باطل ہے۔ اس قول پر علم کا نشان نہیں ہے، جب کہ درست موقف پہلا ہی ہے۔

نیز مسائل شرعیہ فرعیہ میں جوازِ تقلید کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک جماعت نے جائز قرار دیا ہے اور ایک جماعت نے ناجائز۔ قرافی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مالک رحمہ اللہ اور جمہور علما کا

مذہب وجوبِ اجتہاد اور ترکِ تقلید ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"أنا بشر أخطئ وأصيب، فانظروا في رأيي فما وافق الكتاب والسنة فخذوا به، وما لم يوافقه فاتركوه"[1]

[میں ایک بشر ہوں، خطا بھی کرتا ہوں اور درست بات بھی کہتا ہوں۔ میری رائے پر غور کرو، جو کتاب وسنت کے مطابق ہو، اسے لے لو اور جو اس کی موافقت میں نہ ہو، اسے چھوڑ دو]

اسی کے مثل ابو حنیفہ، شافعی اور احمد رحمہم اللہ بھی فرماتے ہیں۔ تقلید سے ممانعت کی تصریح میں کتاب "قول مفید" میں ائمہ اربعہ کے اپنے الفاظ میں نصوص مذکور ہیں۔[2] یہیں سے یہ علم ہوا کہ تقلید سے روکنے پر اگر اجماع نہ ہو، پھر بھی جمہور کا مذہب ہے اور اس کا موید اموات کی تقلید کے عدمِ جواز پر اجماع ہے۔ نیز اس پر اجماع ہے کہ مجتہد کا عمل عدمِ دلیل کے وقت اپنے لیے رخصت ہے اور غیر کے لیے اس پہ عمل جائز نہیں ہے اور یہ دونوں اجماع تقلید کی بیخ کنی کرتے ہیں۔ تعجب ان پر ہے جو اپنے جہل پر قناعت نہ کر کے اپنے اوپر اور دوسروں پر تقلید کو واجب کرتے ہیں، جبکہ تقلید باتفاق اہلِ علم جہل ہے، علم نہیں!!

تیسرا مذہب تفصیل ہے، یعنی عامی پر واجب اور مجتہد پر حرام ہے۔ اکثر ائمہ کے پیرو اس کے قائل ہیں۔ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اختلاف میں اقوالِ مجتہدین کا اعتبار ہے اور یہ مقلدین کے پیرو ہیں نہ کہ مجتہدین، لہٰذا ان کا اختلاف معتبر نہیں ہوگا۔ خصوصیت سے جب ائمہ اربعہ نے انھیں اپنی تقلید اور دوسروں کی تقلید سے روک دیا ہے۔ بعض گمراہوں نے اس ممانعت کو مجتہدین پر محمول کیا ہے نہ کہ مقلدین پر۔

"إرشاد الفحول" میں فرمایا ہے:

"لم يأت من جوز التقليد، فضلا عمن أوجبه، بحجة ينبغي الاشتغال بجوابها، ولم نؤمر برد شرائع الله سبحانه إلى آراء الرجال"[3] انتهىٰ.

[جس نے تقلید کو جائز قرار دیا ہے، کجا کہ جس نے اسے واجب قرار دیا ہے، ایسی کوئی دلیل

---

[1] الإحكام لابن حزم (٦/ ٢٢٤) إرشاد الفحول (ص: ٣٩١)

[2] القول المفيد للشوكاني (ص: ٤١)

[3] إرشاد الفحول (ص: ٣٩١)

نہیں پیش کی جس کے جواب میں مشغول ہونا مناسب ہو، بہر حال ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شریعتوں کو رد کر کے دوسروں کی آرا کو ماننے کا حکم نہیں دیا گیا ہے]

اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ عامی پر ہر واقعے میں کسی معین مذہب کا التزام واجب ہے یا نہیں؟ ایک جماعت نے ضروری قرار دیا ہے اور کیا[1] نے اسے ترجیح دی ہے۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ واجب نہیں ہے۔ نووی اور ابن برہان رحمہ اللہ نے اسے ترجیح دی ہے اور یہی احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور اسی پر امت مرحومہ کے سلف گزرے ہیں۔[2]

ان مطالب کی تفصیل رسالہ "جنّة في الأسوة الحسنة بالسنّة" اور کتاب "حصول المأمول"[3] میں ڈھونڈنی چاہیے، کیوں کہ ان ابحاث کا محل علمِ اصولِ فقہ کی کتابیں ہیں، یہ جگہ نہیں۔ یہاں مقصود صرف اطراف کا ضبط اور اکناف کی طرف اشارات تھے۔ وباللّٰه التوفيق وهو المستعان وخير رفيق.

---

[1] اس سے مراد علی بن محمد بن علي أبو الحسن الطبري الكيا هراسي الشافعي (۴۵۰-۵۰۴ھ) ہیں۔

[2] إرشاد الفحول (ص: ۳۹۱)

[3] الجنة في الأسوة الحسنة بالسنة (ص: ۵۲) حصول المأمول من علم الأصول (ص: ۱۰۰)

خاتمۃ الطبع از نتائج طبع عالی مہر سپہر بلند خیالی علامہ وحید

مولانا ابوالفتح محمد عبدالرشید سلّمہٗ المجید

میکدہ سخن کے کلید کی جنبش ستائش پسند خدا کی پسندیدہ ستایش کی مدد سے ہے۔ یا رب! گو ہونٹ کی چسپیدگی کی افزایش اس یکتا اور بے مثل کی نیایش برکت کی شیرینی سے ہے اور چند صد چند۔ بے نیازی کے کرشمے نے سرمہ دیدہ اطاعت کو شرمندگی کے ہاتھ میں ڈال رکھا ہے اور اس سے زیادہ بندہ نوازی نے جس سے زیادہ درمیان میں نہیں سما سکتی بندے کو ناامیدی کے پردے کی بندش سے باہر کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ روئے عشق محمدی کے گل کشادہ کی غالیہ سا جو حیاتِ جاودانی کی رگ نو بہار سے نافہ کشا ہے، سرورِ کائنات کی صلوات زاکیات ہے۔ ایمان کی نعمت کے رنگ برنگ دستر خوان کی چاشنی جن کے ذائقے سے آسودوں کے تالو اور زبان آب در دہن ہیں، سید موجودات کی تحیات نامیات "اللّٰھم صل وسلم وعلی آلہٖ سلالیم السلامة وأصحابہٖ اساطین الاستقامة" ہے۔

اس کے بعد صحیفہ مشکیں سواد نامہ آسمانی کے رقم خوانوں کے لیے بینائی کی افزایش کی خوشخبری ہے اور جلوہ شاہد سے بیخود روانی افزاے ایمان یمانی کے لیے نوید نقد ارزانی ہے کہ خدا کا دیا ہوا اور خزانے کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ وہ بغیر اس کے تمنا کی جان پر سو منت رکھے جا سکتے ہیں۔ یہ اس کے باوجود کہ اس کے مرجان تولنے کا ترازو ہاتھ سے ہر دست بردہ ہوس کے ہاتھ میں دیا جا سکتا ہو در پیش ہے، یعنی اس کا وقت آ پہنچا ہے کہ کتاب "إفادة الشيوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ" مٹھی بھر بھر کر پھول ہمیشہ چاپ کی بہار اہلِ عالم کے دامن میں دے اور دامن دامن مطالب دینیہ کے لعل و گہر عقل مندوں کی جیب و آغوش میں ڈالتی رہے۔ ہر چند یہ گرامی نامہ اس سطر تبسم طبع سے پہلے صفحہ روزگار سے پڑھا گیا۔ اس کے جلوہ جمال کے جاں دہندوں کے روبرو باریابی کا دروازہ کھول رکھا تھا،

لیکن ہر ہفت کردہ کے حسن کے لیے نظر نظر دوسری نظر ہے۔ روستائی کے لیے حسن کی دل فریبی کا اندازہ اثر کے دل میں دوسرا اثر ہے۔ خداے بے نیاز کی رحمت جو بے نواؤں کا ساز وسامان اور اس کی نعمت ہر دانا اور نادان پر بے انتہا ہے۔ اس مینو مثال کی نخل بندی ایسے رضوان پر ارزانی رکھا کہ اس کی نسیم نفس کی جنبش نے نامہ نگاری کے نیم شگفتہ غنچہ کو پھول کا چمن بنادیا اور ملت حنیفیہ سمحہ سہلہ بیضاء کے بدن میں ایک تازہ روانی آئی۔ کوتاہ نظر جو اپنے پاؤں کے آگے نہیں دیکھتے، گمان بھی نہیں کرتے تھے کہ نامہ نگاری کے کمند کے لیے اس چوٹی سے زیادہ اوپر کوئی نشست ہے اور افادے کے باز کی رسی کے لیے اس پایہ سے بلند تر کوئی بیابان ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے، جب کہ ”کل میسر لما خلق له“ کے مضمون کے مطابق زید وعمرو کے خون گرم نے جو دروازے کھولے ہیں بند نہیں کیے جاسکتے اور جو بندش اس دروازے میں رکھی ہے، کوشش کے بازو کے زور سے کھولی نہیں جاسکتی۔

اس نامہ مبارک کے کاتب نواب والا جاہ امیر الملک سید محمد صدیق حسن خاں بہادر ہیں کہ زبان ناطقہ جن کی تعریف سے تر ہے اور بیان کا میدان جن کے اوصاف کے ہجوم سے تنگ۔ یہ نئی بنیاد اس لیے رکھی ہے کہ اس منصب کے مدعیوں کی آموز گارانہ گوشمالی کریں اور خود پسندی کے تیرہ انجاموں کے ہاتھ میں مشعل رکھیں اور ایک عالم کو جو پہلے لوگوں کے دفتروں کی جستجو میں تن کو کشاکش میں دیے ہوئے ہیں، اس چھوٹے سے رسالے کے مطالعہ سے دیپ کا دھواں کھانے سے بے نیاز کر دیں۔ میں اور میرا ایمان ہے کہ ان کا باسخاوت وجود اللہ کے بہت بڑے احسانوں میں سے ہے اور اس کے بابرکات افادات سنت کی جادہ پیائی میں ہے، بے راہ روی میں نہیں۔ اس اخیر دور میں ممالک کے نظم ونسق کے مشغلے کے باوجود شریعت مطہرہ کی تدوین میں شغل رکھنا اور تمام جاہ و شرف کو کچھ نہ سمجھنا کس کی بہادرانہ ہمت ہے۔ اللہ کارساز نے خان والا شان محمد عبدالرحمٰن خان صاحب کو ممتازِ زمانہ بنایا کہ مؤلف سے دوبارہ اجازت کا خواستگار ہوا اور تازہ لطافت کے ذریعے پہلی طباعت کے رنگ بہار کو توڑ دیا اور یغما کا دستر خوان آراستہ کردیا اور صاحب دلوں کے دل کو حمیت اسلامی کی روشنی سے روشن کردیا اور مجھ نامہ سیاہ کو، جو زیادہ کو کم سے اور دریا کو نم سے نہیں پہچانتا، خاتم الطبع لکھنے کا موقع دیا اور عزیزوں کی مجلس میں باریاب کیا۔ مولوی عبدالعلی صاحب مدراسی جو فواضل کی آرزو کی انتہا اور فضائل کی آبرو ہیں، تصحیح کے وقت جب اپنی دست گاہ کی کشایش کو میری دست گاہ

شمار کیا اور قبول کے موتی اس خذف فروش کے لفظ ومعنی کی مانگ پر جھاڑ دیے تو ناچار گرہ در گرہ خاتمۃ الطبع کا شیرازہ باندھنے کی ہمت کے سررشتہ سے کام لیا اور تقریر پریشاں کے کمند کو اس بلند پایہ فرار ستان سے پھینک دیا۔ ایزد مہربان یکتا گزینی و یک پرستی کے نقش کو ہم سب کے دل میں بٹھا دے اور سنت منزل دل کی بدعت کے اہرمن کی ترکتاز سے حفاظت فرمائے۔

فإن بدور مغفرته على عباده الصالحين سافرة، وإنه رحمان الدنيا ورحيم الآخرة.

قطعاتِ تاریخ، گناہگار انسانوں میں سب سے حقیر بندے محمد عبدالعلی مدراسی کی طرف سے، اللہ اس کے تمام گناہوں سے درگزر فرمائے

زہی خوش طبع شد این نسخہ مطبوعہ دلہا ز تصنیفِ امیر مقتدیٰ علّامہ دوران

[امیر مقتدیٰ علامہ دوراں کی تصنیف کا یہ مطبوعہ نسخہ دلوں کے لیے کیا ہی خوش کن ہے]

چہ علامہ کہ ہر ساعت زبان عذب البیان دارد بشہدِ ذکرِ سلمائے حدیث و شاہدِ قرآن

[وہ ایسے علامہ ہیں کہ ہر لمحہ حدیث کی سلمیٰ اور قرآن کے شاہد کی شہد سے زبان کو شیریں بیان رکھتے ہیں]

اگر خواہی نشان از نامِ ذیشان و خطابِ او امیر الملک والاجاہ صدیق الحسن خان دان

[اگر تم ان کے خطاب اور شاندار نام کا نشان چاہو تو امیر الملک والا جاہ صدیق الحسن جان لو، اس میں شک نہیں]

درین شک نیست کین نقشِ دوم خوشتر ز اول شد صفایِ طبع را میرم شوم بر حسنِ خط قربان

[کہ یہ دوسرا نقش، نقش اول سے زیادہ بہتر ہے۔ میں طباعت کی صفائی پر جان دیتا ہوں اور جس خط پر قربان ہوں]

عجب دریاے فیض ست این کہ باشد موج ہر سطرش گہر ریز و گہربیز و گہر خیز و گہر افشان

[وہ عجیب فیض کا دریا ہے کہ اس کی ہر سطر گہر ریز، گہر خیز اور گہر افشاں ہے]

بسلکِ مصرعی سفتم دو نادر دانۂ تاریخ یکی توقیع نسخ و دیگری توصیفِ نسخ ایجان

۹۶ ۱۲ھ ۹۶ ۱۲ھ

[ایک مصرعے کے دھاگے میں میں نے تاریخ کے دو موتی کے دانے پرو دیے ہیں اے جان! ایک ''توقیع نسخ'' (۱۲۹۶ھ) اور دوسرا ''توصیف نسخ'' (۱۲۹۶ھ) ہے]

ایضاً

دہ چہ خوش نسخہ طبع گشت کزو ہمہ احکامِ نسخ شد معلوم

[وہ کتنا اچھا نسخہ طبع ہوا، جس سے تمام احکامِ نسخ معلوم ہو گئے]

زد رقم سال ارتسام فروغ نامۂ علم نسخ شد مرسوم

۹۶ ۱۲ھ

[اس کے ارتسام کے سال کو لکھا ''نامۂ علمِ نسخ'' (۱۲۹۶ھ) مرسوم ہو گیا]

وجہ مہر و دستخط

اس معنی کی سند کے لیے کہ یہ کتاب مطبع نظامی کی مطبوع ہے، مہتمم کی مہر اور دستخط اس کے خاتمے پر ثبت ہوئے۔ محمد عبدالرحمٰن بن حاجی محمد روشن علی خان حنفی (۱۲۷۳ھ)

إكسير

في أصول التفسير

تالیف

امام علامہ نواب محمد صدیق حسن خان بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الحمد لله الذي جعل كتابه المبين كافلا ببيان الأحكام، وجمعه بين أصح العلوم وأوضحها في مدارك الأفهام، شاملا لما شرعه لعباده من الحلال والحرام، وفضَّل المهرة من حملته علىٰ جميع الأعلام، ويسره للذكر على الدوام، رحمة منه لنا وحجة علينا لا يتغير ولا يبلىٰ بمر الشهور والأعوام، وأُوَجّه أفضل التحية والسلام، إلى من خصه الله بأعباء الرسالة وفضائل تشفي الأوام، وتلصق أنوف الجاحدين بالرغام، خاتم الرسل وعاقبها ومعلم السبيل إلى النجاة، لطالبها بحرالعلوم الموّاره، ونجم الفنون النواره، ثم إلى عصابة الإسلام وبرك الإيمان من الصحابة الكرام البررة، وآله وحملة علمه الخيرة المهرة، أما بعد:

یوں تو اس کمزور اور حقیر بندے پر مال و دولت اور اولاد وغیرہ جیسی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، مگر ان میں سب سے بڑی نعمت قرآن کریم کا فہم اور فرقانِ عظیم کے دامن سے وابستگی ہے۔ خاتم الانبیاء ﷺ کے بھی اس کمزور ترین امتی پر بہت احسانات ہیں، جن میں سب سے عظیم احسان، کتابِ عزیز اور سنتِ مطہرہ کی تبلیغ ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کمال شفقت اور عام مہربانی کے ساتھ اپنے بندوں جن وانس کی ہدایت کے لیے رسولِ امین پر اپنا کلامِ مجید نازل فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ﴿بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ [المائدة: ٦٧] [اے رسول! پہنچا دے جو کچھ تیری طرف نازل کیا گیا ہے] قرنِ اول کے لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دی اور انھیں اس کی تلقین کی۔ پھر قرنِ اول نے قرنِ ثانی کو اور قرنِ ثانی نے قرنِ ثالث کو قرآن مجید اور اس کے ساتھ سنتِ مطہرہ کی تعلیمات پہنچائیں۔

اسی طرح تعلیماتِ کتاب و سنت آگے منتقل ہوتی رہیں، حتیٰ کہ عربی طبیعت سے عاری، ہندی الاصل اور میدانِ ایجاد کے اس سرگرداں (نواب صاحب رحمہ اللہ) کو ان (کتاب و سنت) کی روایت، درایت، تلاوت اور دراست میں سے کچھ حصہ ملا۔ اس آخری دور ۱۲۹۰ھ میں جب میری عمر کی پانچویں دہائی کا آغاز ہو چکا ہے، مجھے کتاب عزیز کی تفسیر لکھنے کی توفیق مل گئی۔ اس کی تالیف کے شغل میں عمرِ عزیز صرف کرنے کے خیال سے میں نے چاہا کہ ایک ایسی مختصر کتاب منصۂ شہود پر آ جائے، جس میں کتابِ مجید کے احوال، سلف و صالحین کی تالیف کردہ کتبِ تفاسیر، ان کے مولفین کے نام اور ان کی وفیات کے ذکر کے ساتھ ساتھ علمِ قراءت و تجوید کی کتابیں اور وہ کتابیں جو قرآن مجید کے علوم کے بارے میں لکھی گئی ہیں، ان سب کا تذکرہ ہو۔ جس طرح کتاب "إتحاف النبلاء المتقين بإحياء مآثر الفقهاء المحدثين" میں سنت کے علوم سے متعلق کتابوں کو جمع کیا گیا ہے، اسی طرح اس رسالے "إكسير في أصول التفسير" میں تفاسیر کی کتابوں کو جمع کیا گیا ہے اور اس فن شریف کے معتبر دواوین کو غیر معتبر سے ممتاز کیا گیا ہے۔

نیز اس میں ان مقاصدِ تنزیل کو بھی چند ابواب میں بہ طورِ اختصار ضبط کر دیا گیا ہے، جو کلام اللہ میں تدبر، تفاسیر کے مطالعے اور اس علمِ عزیز کی تالیف میں کام آئیں، تاکہ ان مقاصدِ جلیلہ کو سمجھ لینے اور ضوابطِ جمیلہ کا ادراک کر لینے سے قرآن مجید کے مبانی کے فہم اور فرقانِ حمید کے معانی کی معرفت کا راستہ کھل جائے۔ نیز خدا و رسول کی مرضی کے موافق روایتِ صحیحہ اور درایتِ مقبولہ کا دروازہ اس طرح کھل جائے کہ اگر عمر کا ایک حصہ تفاسیرِ متداولہ کے صحف کا مطالعہ کرنے میں صَرف کریں یا ان کو اس آخری دور کے مفسرین پر، جو اَب عنقا اور کیمیا کا حکم رکھتے ہیں، إلا ماشاء الله، و قليل ما هم، پیش کریں تو بھی اس کے گوشوں میں چھپی ہوئی باتوں پر یہ ربط و ضبط اور عبور و عشور میسر نہیں آ سکتا۔ چنانچہ کتاب "كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون" اور کتاب "الفوز الكبير في أصول التفسير" کو اس کا ماخذ اور اس قابلِ ستایش عمل کا منبع بنایا گیا ہے۔

اس میں تفسیر اور اس فن کی کتابوں کو اپنی مرضی کی ترتیب و تہذیب کے مطابق حسین اختصار

اور عمدہ تلخیص کے ساتھ روز مرہ سلیس عبارت میں جمع کیا ہے۔ نیز اس پر اپنی طرف سے کئی چیزوں کا اضافہ کیا ہے اور اس کو اپنی تفسیر کبیر کا، جس کا تاریخی نام "فتح البیان في مقاصد القرآن" ہے، مقدمہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا ناظر غیر مناظر کو، جو حق میں سرگرداں اور انصاف کا دل دادہ ہے، چاہیے کہ وہ پہلے اس جریدے کے مطالب سے حظ اٹھائے اور اس کے بعد تفسیر موصوف اور دیگر کتبِ تفسیر یہ میں اپنی حق پسند فیاض طبع اور اپنے اقبال مند دل کو گردش کرنے اور دوڑ دھوپ کرنے کی اجازت و رخصت دے، تقدیرِ ازل کے مطابق فوائد، علوم اور تحقیقاتِ علمِ تفسیر سے اپنا حصہ اور نصیب حاصل کرے اور امتِ مرحومہ کے اس حقیر و ناچیز کے حق میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ثنا کے لیے زبان کھولے۔ اس تاریخی مقالے کا نام "إکسیر في أصول التفسیر" رکھا گیا ہے، جو کتابِ عزیز کے فہم و دراست کے سرمائے کے گرد گھومتا ہے۔

ترتیبِ کتاب:

یہ رسالہ ایک مقدمے، دو مقاصد اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ مقدمے میں کتاب اللہ کی تعریف اور اس کے فضل و تعظیم کا بیان ہے۔ مقصدِ اوّل میں اصولِ علمِ تفسیر اور جو اس کے مناسب ہے، اس کا بیان ہے۔ مقصدِ دوم مذکورہ بالا علم کی تالیفات کے بیان میں ہے، جب کہ خاتمے میں اہلِ تفسیر کے طبقات کو بیان کیا گیا ہے۔

یقیناً میں ایک ایسے دور میں ہوں، جس دور کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو کینے اور حسد سے بھر دیا ہے، حتیٰ کہ وہ ان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ وہ ایک ایسی قوم ہے، جس پر جہالت نے غلبہ پا لیا ہے، دنیا کی محبت نے ان کی آنکھوں کو پھوڑ کر انھیں اندھا کر دیا اور انھیں بہرا بنا دیا ہے۔ انھوں نے شریعت کے علم سے پہلو تہی کر لی ہے اور اسے بھلا دیا ہے۔ وہ فلسفہ اور حکمت کے علم پر جھک گئے ہیں اور اسی کی درس و تدریس میں مشغول ہو گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے فلسفیوں کی تقلید کرتے ہوئے کتاب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کو اپنی پشتوں کے پیچھے پھینک دیا ہے۔ وہ بدعتیوں کے پیچھے چل کر ایسی جگہوں میں پہنچ گئے ہیں، جہاں پر پاؤں پھسلتے ہیں اور ایسا کر کے انھوں نے فانی زندگی کو باقی رہنے والی نعمتوں پر ترجیح دی ہے۔ وہ محض حکما (فلاسفہ) اور

متکلمین کی عبارتوں کے فہم میں بہت سی مشقت اٹھا کر مطمئن ہیں اور وہ کتاب و سنت کے حق کے درک میں تعمق اور وہم میں معلق ہو کر رہ گئے ہیں۔

ان میں سے کوئی انسان چاہتا ہے کہ وہ آگے بڑھے، مگر اللہ نے اس بات کا انکار کیا ہے، سوائے اس کے کہ وہ اس کی تاخیر ہی میں اضافہ کرے۔ وہ گناہ کے ساتھ عزت چاہتا ہے۔ اس کے پاس علم ہے اور نہ وہ اپنے لیے کوئی دوست اور مددگار ہی پاتا ہے۔ تم انھیں دیکھو گے کہ ان کے ناک (بہ وجہ کراہت) سکڑے ہوئے ہیں، دل حق کے منکر ہیں اور ان سے صادر ہونے والے اقوال جعلی اور جھوٹی باتوں پر مشتمل ہیں۔ جب تم حق کی طرف ان کی راہنمائی کرتے ہو تو وہ اندھے اور بہرے بن جاتے ہیں، یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نگران مقرر نہیں فرمائے، جو ان کے اقوال و اعمال کو سن کر اور دیکھ کر احاطہ تحریر میں لاتے ہوں۔ ان کے اندر اگر کوئی قرآن و سنت کا عالم ہو تو اسے ہر اینٹ اور پتھر سے مارا جاتا ہے۔ جاہل بچے اور ناتجربہ کار لوگ ان سے کھلواڑ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک کامل شخص مذموم ہے۔

اللہ کی قسم! یقیناً یہ وہ دور ہے، جس میں چپ سادھ لینا، گھروں کا ہو کر رہ جانا اور جو علم ہے، اس پر عمل کرتے رہنا ہی لازم ہے، اگر صحیح حدیث میں یہ فرمانِ مصطفیٰ ﷺ نہ ہوتا:

«مَنْ عَلِمَ عِلْماً فَكَتَمَهُ، أَلْجَمَهُ اللّٰهُ بِلِجَامٍ مِّنْ نَارٍ»[1]

[جس نے کوئی علم پڑھا، پھر اسے چھپا لیا تو اللہ تعالیٰ (روزِ قیامت) اسے آگ کی لگام دے گا]

مجھ سے پہلے بھی اہلِ علم کی ایک بہت بڑی تعداد میرے اس شکوے جیسا شکوہ کر چکی ہے۔

شکوت وما شکوی لمثلي عادة ولکن تفیض الکأس عند امتلائها

[میں نے شکوہ کیا، حالاں کہ شکوہ کرنا مجھ جیسے آدمی کی عادت نہیں ہے، لیکن جب جام لبا لب بھر جاتا ہے تو وہ بہنے لگتا ہے]

تو لیجیے! اب اللہ عز وجل پر بھروسا کرتے ہوئے میں اس کتاب کے مقاصد کو تحریر کرنے کی طرف لوٹتا ہوں۔ وما توفیقي إلا باللّٰه وإلیه مآب.

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحدیث (٣٦٥٨) سنن الترمذي، رقم الحدیث (٢٦٤٩) مسند أحمد (٢/٢٦٣)

مقدمہ

کتاب عزیز ۔أدام الله ظله علی أهليه۔ کی تعریف وفضیلت اور عظمت کا بیان

قرآن کی تعریف:

لغت میں کتاب کا لفظ ہر ''تحریر'' اور ''مکتوب'' پر بولا جاتا ہے، جب کہ شرع شریف کے عرف میں اس لفظ سے قرآن کریم مراد لیا جاتا ہے۔ لفظِ ''قرآن'' لغت میں مصدر ''قراءت'' (پڑھنا) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور عرف عام میں اس لفظ کا استعمال حق سبحانہ وتعالیٰ کے کلام کے اس معین مجموعے کے معنی میں غالب ہے، جو بندوں کی زبانوں سے پڑھا جاتا ہے۔ لفظِ ''کتاب'' کا بھی مشہور معنی یہی ہے۔ اہلِ اصول کی اصطلاح میں کتاب اللہ کی کئی ایک تعریفیں کی گئی ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی تعریف کسی اعتراض و اشکال سے خالی نہیں ہے۔ البتہ ان تعریفوں میں سب سے بہتر تعریف یہ ہے، جو وہ بیان کرتے ہیں:

"هو كلام الله المنزل علىٰ محمدﷺ، المتلو والمتواتر"

[وہ اللہ کا کلام ہے، جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور وہ تواتر کے ساتھ ثابت ہے]

کتاب اللہ کی یہ تعریف اعتراض سے خالی ہے۔ وہ قراءات جو بہ طریقِ آحاد منقول ہیں، ان کے متعلق اہلِ علم نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ قرآن کا حصہ نہیں ہیں۔ اصولیوں نے سات، بلکہ دس قراءتوں کو متواتر شمار کیا ہے، لیکن اس پر کوئی علمی ثبوت منقول نہیں ہے، کیوں کہ ان قراءتوں میں سے ہر ایک قراءت اخبارِ آحاد کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ قرآن کی سندوں کو پہچاننے والوں نے اس موقف کو سراہا ہے اور قرا کی ایک جماعت سے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ قراءتوں

کے بارے میں متواتر اور آحاد دونوں قسم کی روایات مروی ہیں۔ کسی ایک کا تواتر کے ساتھ ثابت ہونا ساتوں قراءتوں کے تواتر کے ساتھ ثابت ہونے کو لازم قرار نہیں دیتا، چہ جائے کہ دس قراءتیں تواتر کے ساتھ ثابت ہوں۔ الحاصل مصحف شریف جس طرح کی روایات کے ساتھ ثابت ہے اور مشہور قرا نے اس پر اتفاق کیا ہے، وہی قرآن شریف ہے۔

قرآن مجید سات قراءتوں پر نازل ہوا ہے:

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ قرآن مجید سات حرفوں پر نازل ہوا ہے۔[1] ہر حرف سے مراد لغتِ عرب ہے، جو سات زبانوں پر جاری ہوتی ہے۔ ان میں سے بہت تھوڑے الفاظ مختلف ہیں، جب کہ اکثر الفاظ پر اتفاق ہے۔ پس ہر وہ قراءت جو ان لغات میں سے کسی لغت کے ساتھ موافق ہو، وہ عربی اور اِعرابی معنی کے موافق ہو گی۔ بہرحال یہ مضمون قدرے تفصیل کا متقاضی ہے۔ علم اصولِ فقہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے اس مسئلے پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے:

بہرحال قرآن کریم خداوندِ عالم کا کلام ہے، جس کے ساتھ اس نے تکلم کیا ہے اور محمد ﷺ پر اسے نازل فرمایا ہے۔ یہ کتبِ الٰہیہ میں سے آخری کتاب ہے، جو سات آسمانوں کے اوپر عرش سے، آخری نبی، رسولوں میں سب سے افضل اور آخری رسول پر حوادث و واقعات کے مطابق تیئیس (۲۳) سال کی مدت میں جبریل علیہ السلام کے واسطے سے نازل ہوئی ہے۔ اس کے اتارنے اور نازل کرنے میں عظیم اہتمام کیا گیا۔ اس کے ساتھ ایسے نگران فرشتوں کو نازل کیا گیا، جو جنات اور شیاطین کے اس کو چرا لینے سے اس کی پوری حفاظت کرتے تھے۔

کلام اللہ کی حقیقت:

رہا یہ قول کہ قرآن مجید کے یہ حروف حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے، بلکہ یہ اس کے کلام کی حکایت ہے یا اس کے کلام سے عبارت ہے، تو یہ غلط ہے۔ یہ کلام قدیم ہے، مصاحف میں لکھا ہوا ہے، دلوں میں محفوظ ہے، زبانوں سے اس کی تلاوت ہوتی ہے اور کانوں سے سنا جاتا ہے، اس کے الفاظ اور معانی سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۲۲۸۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸۱۸)

قرآن مجید کا محافظ خود اللہ عز وجل ہے:

کلام اللہ کے نزول میں جبریل علیہ السلام کی حیثیت ایک ناقل سے زیادہ نہیں ہے۔ محمد ﷺ کا کام بس اس کی تعلیم دینا اور تبلیغ کرنا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی حفاظت خود اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹]

[اور بے شک ہم ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں]

یہ حفاظت عام ہے، جو کمی بیشی کے ساتھ اس کی تحریف، تصحیف اور تغییر سے حفاظت پر مشتمل ہے۔

قرآن مجید، ایک اجل واعظم کلام ہے:

لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید متعمقین (تکلف کے ساتھ گہرائی میں اترنے والوں) کی تصانیف، متکلمین کی باریکیوں اور علما کی تالیفات سے نفع وخطر اور قدر واثر میں اعظم اور اَجل ہے۔

اللہ جل وعلا نے فرمایا ہے:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ [الحشر: ۲۱]

[اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو یقیناً تو اسے اللہ کے ڈر سے پست ہونے والا، ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا دیکھتا]

نیز فرمایا:

﴿وَ لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى﴾ [الرعد: ۳۱]

[اور واقعی اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعے سے پہاڑ چلائے جاتے یا اس کے ذریعے سے زمین قطع کی جاتی، یا اس کے ذریعے سے مردوں سے کلام کیا جاتا]

تاثیرِ قرآن:

جب قرآن مجید کی قدر وعظمت، اس کا نفع وبرکت اور اس سے حاصل ہونے والا نورِ ہدایت

اس درجے کا ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کوئی بالتفصیل اس کی معرفت کا احاطہ نہیں کر سکتا اور وہ قرآن مضبوط پہاڑوں اور سخت چٹانوں پر اس حد تک اثر انداز ہے تو ذرا قیاس اور غور کرنا چاہیے کہ اس قرآن پر تدبر کرنے والوں، اس کا علم حاصل کرنے والوں، اس کی مہمات کو سر کرنے والوں اور اس سے نورِ ہدایت حاصل کرنے والوں کے دلوں پر وہ کیا کچھ اثر نہیں کرتا ہو گا۔ روے زمین پر وہ کون سی کتاب ہے، جو اس طرح کے وصف کے ساتھ موصوف ہو کہ جس کا وصف بیان کرنے والا خود رب جلیل علام الغیوب ہے؟ جس پر خطا اور غلطی، کسی چیز کی تعظیم جو حقیقت میں تعظیم کے لائق نہیں ہے اور کلام میں ناحق قبیح قسم کا غلو کرنا، جیسا کہ مادہ پرست لکھاریوں کا شیوہ ہے، بالکل محال ہے۔

اس ذکر مبین کے دلائل مخلوقین کی تالیفات اور جدلیین کے اسالیب کے برابر، جو ترک کے لائق ہیں، کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس کی روشن نصوص پر اِشکالات اور اس کے واضح علوم میں شکوک و شبہات وارد کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ اسی طرح جو اس کتاب پر اعتماد کا دعوے دار ہے، اس کو معیوب کیسے سمجھا جا سکتا ہے اور جو مشکلات میں اس کی طرف رجوع کرنے والا ہو، اسے گمراہ کیسے کہا جا سکتا ہے؟

تدبرِ قرآن:

حق سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ [الأعراف: ١٨٥]

[پھر اس کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟]

نیز فرمایا:

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ [محمد: ٢٤]

[تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ یا کچھ دلوں پر ان کے قفل پڑے ہوئے ہیں؟]

پس ان آیات میں اور ان جیسی دیگر آیات میں صیغۂ استفہام آیا ہے، جو معنی انکار کو متضمن ہے۔ علماے بیان کے نزدیک عمدہ وضاحت کے لیے یہ ایک عظیم مبالغہ ہے۔ اسی کتاب عزیز کا وجوبِ ایمان پر دلالت کرنا، اس کے تدبر میں عظیم تر نفع کا پایا جانا اور اس پر اس طریقے سے عمل کرنا کہ اس کے علاوہ کوئی اور کتاب ان اشیا میں اس کے مماثل، بلکہ مقارب بھی نہیں ہو سکتی ہے۔

قرآن مجید کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ [بني إسرائيل: ۸۸]

[کہہ دے اگر سب انسان اور جن جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہیں لائیں گے، اگرچہ ان کا بعض بعض کا مددگار ہو]

اس مفہوم میں اور آیات بھی وارد ہوئی ہیں، لہٰذا اس بہت بڑے معجز کلام کے علوم میں نظر کرتے ہوئے مشغول و مصروف ہونا، جس نے تمام مخلوق کو نصوص قرآنیہ اور ضرورت عقلیہ کے ساتھ عاجز کر دیا، تمام لوگوں کے علومِ اجناس و امثال میں مصروف ہونے سے بہتر ہے۔ ہر وہ شخص جو مخلوق کو اس کتاب اور اس کے علم کی طرف دعوت دینے والے پر نکتہ چینی کرتا ہے، وہ علم اور اہلِ علم کے دائرے سے خارج اور جہلا کی جماعت میں شامل ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [الأعراف: ۵۲]

[اور بلاشبہہ یقیناً ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں، جسے ہم نے علم کی بنا پر خوب کھول کر بیان کیا ہے، ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت بنا کر جو ایمان رکھتے ہیں]

اس آیت کے الفاظ ﴿فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ﴾ قابلِ غور ہیں کہ یہ کس قدر قرآن مجید کے مفہوم کے مطابق ہیں۔ ایجاز کی جگہ ایجاز کے ساتھ اور اکتفا کی جگہ جملہ اکتفا کے ساتھ، اس کے مطابق جو علمِ الٰہی میں مومنوں کے مصالح کے لیے مقرر ہے، کون سی کتاب ایسی ہے جو اس نہج پر مکمل علم کے ساتھ مفصل بیان کی گئی ہو، جس طرح یہ قرآن کریم سے صادر ہوئی ہے۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَ لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۟ قَيِّمًا﴾ [الكهف: ۱، ۲]

[جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہ رکھی۔ بالکل سیدھی]

اس آیت میں ﴿قیماً﴾ کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید سے ٹیڑھے پن کی مکمل نفی کی ہے۔ یہ قرآن مجید وہ کتاب ہے، جو اِحکام و اِتقان میں تعارض، خطا، تناقض اور اِیہام کی نفی میں انتہائی درجے کو پہنچی ہوئی ہے۔ ٹیڑھے پن کی نفی اور قیومیت کے اثبات کو جمع کرنا، ایک ایسی چیز ہے جو کسی بھی دوسری کتاب سے بے پروا کرتی ہے اور یہ تاکید و مبالغے کے ساتھ متصف ہے، تو اس کے علاوہ کوئی کتاب اس کے قائم مقام اور کوئی کتاب، کتاب اللہ کے برابر کیسے ہو سکتی ہے؟

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الأعراف: ٢]

[ایک کتاب ہے جو تیری طرف نازل کی گئی ہے تو تیرے سینے میں اس سے کوئی تنگی نہ ہو، تاکہ تو اس کے ساتھ ڈرائے اور ایمان والوں کے لیے سراسر نصیحت ہے]

یہ آیت کریمہ بھی اسی معنی میں ہے:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [النسآء: ٦٥]

[پس نہیں! تیرے رب کی قسم ہے! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس میں فیصلہ کرنے والا مان لیں جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے، پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کر لیں، پوری طرح تسلیم کرنا]

یہ آیتِ کریمہ اس لحاظ سے پہلی آیت کے معنی میں ہے کہ قرآن مجید وہ موکد چیز ہے، جس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا ہے اور یہ ہر قسم کے شک و شبہے سے بالا ہے۔ پس جو کوئی اس قرآن میں سے کسی چیز پر شک کرے گا، وہ اس کے علاوہ چیزوں میں زیادہ شک و شبہے میں مبتلا ہو گا۔ نیز قرآن مجید کے ساتھ ایسی نفیس صفات مختص ہیں، جو کسی اور کتاب کے اندر نہیں پائی جا سکتیں، بلکہ وہ اس کی ان صفات میں شریک بھی نہیں ہیں، جیسے یہ کلامِ خدا ہے، جو سب کو عاجز کر دینے والا ہے۔ کلامِ خدا اور کلامِ مخلوق میں وہی فرق ہے، جو مخلوق اور خالق کے درمیان فرق ہے۔ بلاشبہہ وہ ایک بڑی شان والا قرآن ہے، جو اس تختی میں لکھا ہوا ہے، جس کی حفاظت کی گئی ہے۔ قرآن مجید

کتابِ مکنون (لوحِ محفوظ) میں لکھا ہوا ہے اور وہ ایسی کتاب عزیز ہے کہ اس کے پاس باطل نہ آگے سے آتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، ایک کمال حکمت والے، تمام خوبیوں والے کی طرف سے اتاری ہوئی ہے اور یقیناً وہ سینوں میں موجود دلوں کے لیے نور اور شفا ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ يَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَ يَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ [سبأ: ٦]

[اور وہ لوگ جنھیں علم دیا گیا، دیکھتے ہیں کہ جو تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے وہی حق ہے اور وہ اس کا راستہ دکھاتا ہے جو سب پر غالب ہے، تمام خوبیوں والا ہے]

اس آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ اہلِ علم اس وجہ سے علما ہیں کہ وہ معرفتِ قرآن کے ساتھ مختص ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً حدیث مروی ہے کہ قرآن ہی شفا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ایک حدیث ابن ماجہ کی کتاب الطب میں موجود ہے۔[1] پس اس شفا کے باوجود اگر کوئی جاہل اس قرآن میں کسی نقص اور کوتاہی کا دعوی کرے اور کہے کہ اس میں حجت کا ذکر نہیں ہے تو اس کی تکذیب کرنے کے لیے قرآن مجید کی نصوص اور علماے اسلام کافی ہیں اور اگر وہ یہ دعوی کرے کہ قرآن مجید کی عبارت میں کوئی نقص ہے تو اس کی تکذیب کرنے کے لیے ضرورت اور اجماع ہی کافی ہیں۔

تعظیمِ قرآن کے عقلی دلائل:

قرآن مجید کی تعظیم پر عقلی دلیل یہ ہے کہ علما اور عقلا کی جماعت جنسِ کتب اور ان کے عظیم نفع پر اس قرآن سے ہمیشہ استدلال کرتے آئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اہلِ علم کی تالیفات ان کے علوم کے پیشِ نظر فضیلت والی ہیں، جبکہ یہ قرآن علام الغیوب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جو تمام علوم کا

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٤٥٢) یہ روایت مرفوعاً ضعیف ہے، البتہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً صحیح و ثابت ہے۔ دیکھیں: شعب الإیمان للبیهقي (٢/ ٥١٩) أحادیث معلة ظاهرها الصحة للوادعي (٢٤٧)

جاننے والا ہے اور مخلوق میں جملہ مؤلفین اور مصنفین سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کتاب سراپا ہدایت، نور، شفا اور بیان بن کر نازل ہوئی ہے۔

علومِ قرآن:

یہ بات معلوم ہے کہ قرآن مجید مصالح و مفاسد دونوں کے بارے میں علوم پر مشتمل ہے، چناں چہ جادو کے متعلق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ﴾ [البقرة: ۱۰۲]

[اور وہ ایسی چیز سکھاتے تھے جو انھیں نقصان پہنچاتی اور فائدہ نہ دیتی تھی]

قیامت کے بارے میں اس کا فرمان ہے:

﴿اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى﴾ [طٰهٰ: ۱۵]

[میں قریب ہوں کہ اسے چھپا کر رکھوں، تاکہ ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے جو وہ کوشش کرتا ہے]

ایک جگہ فرمایا ہے:

﴿وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ [الأنفال: ۴۳]

[اور اگر وہ تجھے دکھاتا کہ وہ بہت ہیں تو تم ضرور ہمت ہار جاتے اور ضرور اس معاملے میں آپس میں جھگڑ پڑتے]

نیز فرمایا:

﴿لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ﴾ [المائدة: ۱۰۱، ۱۰۲]

[ان چیزوں کے بارے میں سوال مت کرو جو اگر تمھارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں بری لگیں اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہے تو تمھارے لیے ظاہر کر دی جائیں گی۔ اللہ نے ان سے درگزر فرمایا اور اللہ

بے حد بخشنے والا نہایت بردبار ہے۔ بے شک تم سے پہلے ان کے بارے میں کچھ لوگوں نے سوال کیا، پھر وہ ان سے کفر کرنے والے ہو گئے]

مزید فرمایا ہے:

﴿اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [المائدة: ١١٥]

[یقیناً میں اسے تمھارے اوپر اتارنے والا ہوں، پھر جو اس کے بعد تم میں سے ناشکری کرے گا تو بے شک میں اسے عذاب دوں گا، ایسا عذاب کہ وہ جہانوں میں سے کسی ایک کو نہ دوں گا]

ان آیات میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض اوقات علم کی زیادتی عذاب کی زیادتی کا باعث بنتی ہے۔ پس بہت سے علوم وفنون کے بیان میں مخلوق کی مصلحت کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ چناں چہ اللہ عزوجل نے مندرجہ ذیل فرمان میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿وَ مَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ﴾ [بني إسرائيل: ٥٨]

[اور ہمیں کسی چیز نے نہیں روکا کہ ہم نشانیاں دے کر بھیجیں مگر اس بات نے کہ پہلے لوگوں نے انھیں جھٹلا دیا]

اس آیتِ کریمہ کے سببِ نزول کے بارے میں سیدنا ابن عباس اور سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے دو احادیث مروی ہیں۔ دونوں روایتوں کے راوی صحیح ہیں۔ امام ہیثمی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مجمع الزوائد'' میں سورت ہود اور اسراء کی تفسیر میں ان کو جدا جدا نقل کیا ہے۔[1]

قرآن میں تمام مسائل کا حل موجود ہے:

لہٰذا جب یہ معنی ثابت ہو گئے تو کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنا واجب ٹھہرا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے مصالح ومفاسد کو خود ہم سے زیادہ جانتی ہے، اس لیے کہ اللہ علیم وخبیر کا فرمان ہے:

﴿وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة: ٢١٦]

[اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے]

[1] مسند أحمد (١/ ٢٥٨، ٣/ ٢٩٦) مجمع الزوائد (٧/ ١٤٠)

کتاب اللہ کی طرف یہ رجوع اس امر کے بعد ہے کہ اس کا کلام اللہ ہونا معجزات اور طریقہ سلف کی دلیل کے ساتھ معلوم اور متحقق ہو چکا ہے۔ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے اور اس کو دوسری چیزوں پر ترجیح دینے میں رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلِ بیت عظام علیہم السلام سے جو کچھ مروی ہے، سب کو بیان کرنے میں بڑی طوالت کا خطرہ ہے۔ اس بارے میں علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اس کتاب کے مقصد دوم کے آخر پر فضائل واعتصام کی دیگر احادیث کے ساتھ آئے گی۔[1] تمام جماعتوں کے علما نے اس پر اجماع کیا ہے کہ قرآن مجید ظن وتقلید کے بغیر توحید کے دلائل کی معرفت کے لیے مفید ہے اور بندوں کی ظاہر و باطن کی تہذیب اور صفائی کے لیے ایک چشمے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بڑے بڑے مسائل و احکام، اہم قواعد اور اساسِ اسلام پر مشتمل ہے۔ علومِ صحیحہ، فنونِ حقہ اور شریعتِ صادقہ کا جامع ہے، ہدایت و ارشاد کا منبع ہے، نجات کی راہ کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے، بندوں کو جنت کے باغوں کی طرف لے جانے والا قائد و سائق ہے، مواعظ و اَمثال، اَنبیا و رسل کے واقعات اور حکمتوں اور عبرتوں کا خزانہ ہے۔ نیز اس کے علاوہ بھی قرآن مجید میں بے شمار چیزیں ہیں، جن کو شمار کیا جا سکتا ہے نہ ان کا احاطہ کرنا ہی ممکن ہے۔ الغرض کوئی کتاب و خطاب، کتاب اللہ کی گرد کو بھی نہیں پا سکتی اور نہ اس کے غبار کو پہنچ سکتی ہے۔

نظم

مخدرات سرا پردہائے قرآنی چہ دلبرانہ کہ دل می برند پنہانے

[قرآنی پردوں میں کچھ ایسی دلکش مخفی تنبیہات ہیں، جو (سینوں میں) چھپے ہوئے دل کھینچ لیتی ہیں]

بہفت پردہ درخشان چو دیدہائے نجوم بنور حق ہمہ ہر ہفت کردہ پیشانی

[ستاروں کی نظروں کی طرح سات چمکتے دمکتے پردوں کے ساتھ، نورِ حق کے ساتھ ساتوں کو پیشانی (کی طرح نمایاں) بنا دیا]

فگندہ برسر و رخسار معجز اعجاز بخوش ادائی برتر ز حد انسانی

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۹۴۸) یہ حدیث ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: السلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (۱۸۳٤)

[اپنے سر اور رخسار پر اعجاز کا پردہ ڈالے ہوئے ہے، خوش ادائی میں وہ حد انسانی سے برتر ہے]

بصورتی ہمہ آیات صنع یزدان ست بمعنی ہمہ تصدیق ہائے ایمانی

[ظاہر میں اللہ تعالیٰ کی تحقیق کی تمام نشانیاں رکھتا ہے اور باطن میں ایمان کی تمام تصدیقات ہیں]

بدودمانِ قدم جملہ ثابت النسب اند بہ پاکدامنی از اتہام حدثانی

[خاندانِ ولادت کے ساتھ سب ثابت النسب ہیں، اپنی پاکدامنی کے ساتھ اختراعی تہمت سے (پاک صاف ہیں)]

یقینم آنکہ ز بالائے عرش می نازند گرفتہ تربیت اندر کنار ربانی

[مجھے یقین ہے کہ وہ جو عرش کے اوپر سے ناز کرتا ہے، اس نے ربانی پہلو میں تربیت پائی ہے]

چنیں جمال نخیزد میان انس و ملک نہ درمیان پریزادگان حورانی

[اس طرح کا حسن و جمال انس و ملک میں ہے نہ حورانی پری زادوں میں]

یگان دوگان ہمہ نجما بجلوہ افروزی چو نجم ہائے ثواقب برجم شیطانی

[اکیلا اور دو سب ستارے جلوہ افروزی میں ان ستاروں کی طرح ہیں، جو شیطانوں کو رجم کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں]

فرود آمدہ چون مہ بحجلہ ناموس شدند نور فشان در جہان ظلمانی

[وہ حجرۂ ناموس میں ماہتاب بن کر اترا اور اندھیری دنیا میں ایک پھیلنے والا نور بن گیا]

بہ تخت عاج نشینند و زلف بکشایند سواد چشم تماشا کنند ارزانی

[وہ ہاتھی کے دانت سے بنے تخت پر بیٹھے اور زلف کھینچ کر قریب کر لیا، آنکھ سستا نظارہ کرتی ہے]

بوسمہ کہ بعدات ابروان بستند برند آب زبرجد و رنگ مرجانی

[آبروؤں کے کناروں پر ایسا وسمہ لگایا گیا، جس پر زبرجد کا پانی اور مرجان کا رنگ چڑھا

ہوا ہے]

دوات مکحلہ و کلک میل برگیرند   کشند جدول کحلی بعین فتانی

[سرمے دانی کی دوات اور سرمچو کا قلم پکڑتے ہیں اور عین فتانی پر سرمے کا جدول بنا دیتے ہیں]

کنند زیر و زبر پیش چشم مژگاں را   زنند غمزہ بہ تبدیع آل مروانی

[آنکھ کی پیش کو زبر و زیر کر دیتے ہیں، پلکوں اور آبروؤں کے ساتھ آل مروان جیسے ناز و انداز کرتے ہیں]

بکار بردہ برخ غاز ہائے گلگوں را   جلا دہند تو گوئی بلوحِ عنوانی

[چہرے پر گل رنگ غازوں کا استعمال کیا گیا ہے، تو کہہ سکتا ہے کہ انھوں نے اس کو لوحِ عنوانی کے ساتھ چمک دار بنا دیا ہے]

بآب لولو لالا ورنگ زر مذاب   الف کشیدہ زبینی بروے نورانی

[نورانی چہرے پر موتی، گلِ لالہ اور پگھلائے ہوئے سونے کے پانی کے ساتھ ناک کی الف بنائی گئی ہے]

زخالہا کہ برخسار مشک سا کردند   فتادہ بر ورق گل نقط اگردانی

[رخسار پر بنے ہوئے تلوں نے اس کو مشک کی طرح کا بنا دیا ہے، اگر تو سمجھے تو یوں لگتا ہے کہ پھول کی پتیوں پر نقطے لگے ہوئے ہیں] .

زتنگیِ دہن از بہر صفر آیہ کنند   بخندہ روزنی در لعلک بدخشانی

[منہ کی تنگی اور چڑچڑے پن کے لیے مسکراہٹ کے ساتھ بدخشانی یاقوت میں سوراخ کرتے ہیں]

نہفتہ در عربی حلہ ہند بفریبند   نمودہ رنگ مسی سدہائے دندانی

[عربی حلے میں ہند چھپا ہوا ہے، سیکڑوں دانتوں میں فریب کے ساتھ تانبے کا رنگ ظاہر کیا ہوا ہے]

بنسخ حسن خطِ نو خطان چہ دامانہا   کہ شستہ اند بآبِ چہ زنخدانی

[خوبصورت خط کے ساتھ آغاز شبہات کے خط نے اگرچہ دامنوں کوٹھوڑی کے نیچے والے پانی کے گھڑے سے دھویا ہوا ہے]

بوصل و فصل کہ در غبغب وذقن دارند فتادہ عقل بگردابہائے حیرانی

[ٹھوڑی اوراس کے نیچے والے ابھرے ہوئے کنارے میں جو وصل وفصل ہے، اس نے عقل کو حیرانی کےبھنوروں میں گرا دیا ہے]

زگوشہائے صدف پارہ پر زشوشہ نور شکستہ قطبی الماس و در عمانی

[سیپی کے ٹکڑوں جیسے کانوں سے جوشوشہ نور سے پر ہیں، عمانی ہیرے جواہرات کو مات کر رہے ہیں]

لہٰذا میں دیکھتا ہوں کہ ہر صدی میں اہلِ علم کی ایک جماعت کتاب اللہ کی تفسیر کی دامن گرفتہ رہی اور اس کلامِ معجز نظام کی خدمت کے ساتھ دونوں جہان کی کامیابی کا سرمایہ جمع کرتی رہی۔ انھوں نے ہر زبان میں اس کے احکام کی تبلیغ کی۔ اس کے دلائل ومخائل [آثار] کی اشاعت واذاعت میں دور ونزدیک کا کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہ کیا۔ ہر نقیر وقطمیر (معمولی مسئلے) میں اس کو مضبوط تھاما اور علومِ قرآن کو جداگانہ تالیفات میں ایک ایک کر کے شمار کیا۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام انھوں نے "الإتقان في علوم القرآن" رکھا ہے اور اس کتاب کو اپنی تفسیر کبیر "مجمع البحرین ومطلع البدرین" کا مقدمہ قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں علومِ قرآن کی اسی (۸۰) قسمیں تحریر کی ہیں اوران کے آخر پر کہا ہے:

"لو نوعت باعتبار ما أدمجته في ضمنها لزادت على الثلاث مائة، وغالب هذه الأنواع فيها تصانيف مفردة، وقفت على كثير منها"[1] انتھیٰ.

[جن چیزوں کو میں نے ان انواع میں مدغم کر دیا ہے، اگر میں ان کو الگ الگ انواع شمار کرتا تو یہ انواع تین سو سے تجاوز کر جاتیں۔ ان میں سے اکثر انواع میں علاحدہ تصانیف لکھی گئی ہیں، جن میں سے اکثر میرے علم میں ہیں]

[1] الإتقان في علوم القرآن (۱/ ۳۰)

بہر حال اس سے اس کتاب قرآن مجید اور فرقان حمید کی بلند پایہ عظمت کو معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے اور اس کا شرف، فضل اور کرامت کہاں تک ہے۔ ملت اسلامیہ کے روشن ماہتاب سید محمد بن اسماعیل امیر صاحب سبل السلام کا کتاب و سنت کی مدح اور اس پر ترکِ عمل کی شکایت ہر دو امور پر مشتمل کلمہ مفیدہ اور قصیدہ سدیدہ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مقدمے کے آخر پر اس کو نقل کیا جائے۔ و باللہ التوفیق. قال رحمه الله تعالىٰ، ولله دره وعلى الله أجره:

نظم

أما آن عما أنت فيه متاب وهل لك من بعد البعاد إياب

[تم جس فعل میں مبتلا ہو، کیا اس سے توبہ کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا اور کیا تمھارا (اپنی اصل منزل سے) دور ہٹ جانے کے بعد واپسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے؟]

نقضت بك الأعمار في غير طاعة سوى عمل ترضاه وهو سراب

[اطاعت کے بغیر عمریں بیت گئیں، اس عمل کے علاوہ جس کو تو پسند کرتا ہے، حالاں کہ وہ سراب ہے]

فللعمل الإخلاص شرط إذا أتى وقد وافقته سنة وكتاب

[جب کوئی کام کیا جائے تو اس کے لیے اخلاص شرط ہے اور کتاب و سنت اس کی موافقت کرتے ہوں]

وقد صين عن كل ابتداع وكيف ذا وقد طبق الآفاق منه عباب

[اور وہ ہر بدعت سے محفوظ ہو اور وہ اس طرح کہ اس کے نمایاں حصے نے آفاقِ عالم کو آپس میں ملا دیا ہو]

طغى الماء من بحر ابتداع على الورى فلم ينج منه مركب و ركاب

[ہر بدعت کے سمندر نے لوگوں پر سرکشی کی، جس سے کوئی سواری بچ سکی نہ سوار]

وطوفان نوح كان في الفلك أهله فأنجاهم والكافرون تباب

[طوفانِ نوح کے دوران میں ان کے اہل کشتی میں تھے، جس نے ان کو نجات دے دی، جبکہ کافر تباہ ہو گئے]

فأنیٰ لنا فلك يطير وليته يطير بنا عما نراه غراب

[ہمیں اڑنے والی کشتی کہاں سے میسر آئے؟ کاش! ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں، ہم اس سے پہلے ہی بوڑھے ہو جاتے]

وأين إلى أين المطار وكلها على ظهرها يأتيك من عجاب

[اس کی پرواز کہاں سے کہاں تک ہے، ہر وہ چیز جو اس کے اوپر سوار ہے، تجھے اس سے عجیب وغریب چیزیں دیکھنے کو ملتی ہیں]

نسائل مَنْ دار البلاد سياحة عسى بلدة فيها هدى وصواب

[ہم اس امید پر اس شخص سے دریافت کرتے ہیں، جو ملکوں میں گھوما پھرا، شاید کسی ملک میں رشد و ہدایت مل جائے]

فيخبر كلٌ عن عجائب ما رآى . وليس لأهليها يكون متاب

[ہر شخص اپنی دیکھی ہوئی عجیب وغریب چیزوں کے بارے میں خبر دیتا ہے اور وہاں کے باسیوں کا توبہ کا کوئی ارادہ نہیں ہے]

لأنهم عدوا قبائح فعلهم محاسن يرجى عندهن ثواب

[کیوں کہ انھوں نے اپنے برے اعمال کو اچھے اعمال شمار کیا ہے اور ان سے ثواب کی امید رکھی ہوئی ہے]

كقوم عراة في ذرى مصر ما علا علیٰ عورة منهم هناك ثياب

[جیسے کسی شہر میں ننگے لوگ ہوں اور ان کی شرم گاہ پر کپڑے نہ ہوں]

يدورون فيها كاشفي عوراتهم تواتر هذا لا يقال كذاب

[وہ اپنی شرمگاہوں کو کھول کر اس میں گھومتے ہیں اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے، اس کو جھوٹا نہیں کہا جا سکتا]

يعدونهم في مصرهم فضلاءهم دعاؤهم في ما يرون عجاب

[وہ ان لوگوں کو اپنے شہر میں اپنے فضلا اور اکابر سمجھتے ہیں اور ان کی دعاؤں کو قبول ہونے والی شمار کرتے ہیں]

وفي كل مصر مثل مصر وإنما لكل مسمى والجميع ذئاب

[ہر شہر میں دوسرے شہر کی مانند لوگ ہیں، ان کے نام تو الگ ہیں، جب کہ (ان کا مشترک نام یہ ہے کہ) وہ سب بھیڑیے ہیں]

ترى الدين مثل الشاة قد وثبت له ذئاب وما عنه لهن ذهاب

[آپ دیکھیں گے کہ دین اس بکری کی مانند ہے، جس پر بھیڑیوں نے حملہ کر دیا ہو اور اس کے لیے ان سے چھٹکارا ممکن نہ ہو]

فقد مزقته بعد كل ممزق فلم تبق منه جثة وإهاب

[بھیڑیوں نے اسے کچھ اس طرح سے چیر پھاڑ کیا ہو کہ اس کی کھال نوچ کر اس کے وجود کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہو]

وليس اغتراب الدين إلا كما ترى فهل بعد هذا الاغتراب إياب

[دین کو چھوڑنے کا انجام وہی ہوتا ہے جو تو دیکھ رہا ہے۔ کیا دین کے اس ترک کے بعد لوٹنے کے کوئی امکان ہیں؟]

فيا غربة هل ترتجىٰ منك أوبة فيجبر من هذا البعاد مصاب

[اے جلا وطنی! کیا تجھ سے واپسی کی کوئی امید کی جا سکتی ہے کہ دوری اور پردیس کاٹنے کے اس نقصان کی تلافی ہو سکے؟]

فلم يبق للراجي سلامة دينه سوى عزلة فيها الجليس كتاب

[اپنے دین کی سلامتی کے امیدوار کے لیے گوشہ نشینی اور کنارہ کشی کے سواہ کوئی راہ نہیں ہے جس میں اس کا ہم نشین (اللہ کی) کتاب ہو]

كتاب حوىٰ كل العلوم وكلما حواه من العلم الشريف صواب

[جو کتاب تمام علوم کی جامع ہے اور اس کے اندر جو بھی علم شریف ہے، وہ صحیح اور درست ہے]

فإن رمت تأريخا رأيت عجائبا ترى آدما إذ كان وهو تراب

[پس اگر تو اس سے تاریخ کا علم جاننا چاہے تو وہ تجھے عجائبِ عالم کا مشاہدہ کرائے گی اور

تو اس میں آدم علیہ السلام کو اس حالت میں بھی دیکھ لے گا، جب وہ مٹی تھے]

ولاقيت هابيلا قتيل شقيقه يواريه لما أن أراه غراب

[اور تو اپنے حقیقی بھائی کے ہاتھوں قتل ہونے والے ہابیل سے بھی ملاقات کرے گا، جس کو اس کا بھائی قتل کرنے کے بعد ایک کوے کی راہنمائی کرنے پر دفن کر رہا تھا]

وتنظر نوحا وهو في الفلك إذ طغىٰ على الأرض من ماء السماء عباب

[تو اس میں نوح علیہ السلام کو کشتی میں سوار دیکھے گا، جب آسمان سے اترنے والا پانی طوفان کی شکل میں زمین پر سرکشی کر رہا تھا]

وإن شئت كل الأنبياء و قولهم وما قال كل منهم و أجابوا

[اور اگر تو تمام انبیا کو دیکھنا اور ان کی باتیں سننا چاہے، نیز تو یہ جاننا چاہے کہ انبیا نے کیا کہا اور امتیوں نے اس کا کیا جواب دیا]

ترى كل ما تهوى وفي القوم مومن وأكثرهم قد كذبو وخابوا

[تو اس میں جو چاہے گا، سب دیکھ لے گا، نیز تو یہ بھی دیکھے گا کہ قوم میں صرف ایک ہی مومن ہے، اکثر نے اس (نبی) کو جھٹلا دیا اور وہ رسوا ہوئے]

وجنات عدن حورها ونعيمها ونارا بها للمشركين عذاب

[نیز تو اس میں ہمیشہ باقی رہنے والی جنتیں، اس کی حوریں اور نعمتیں دیکھے گا اور اس آگ کا مشاہدہ کرے گا، جس کے ساتھ مشرکوں کو عذاب دیا جائے گا]

فتلك لأرباب التقاء وهذه لكل شقي قد حواه عقاب

[وہ (جنتیں) تقویٰ والوں کے لیے اور یہ (آگ) ہر بدبخت کے لیے ہے، جس کو عذاب نے گھیر رکھا ہے]

وإن ترد الوعظ الذي إن عقلته فإن دموع العين عنه جواب

[اور اگر تو وعظ و نصیحت کو سمجھنے کے بعد رد کر دے گا تو تجھے اس کے بدلے آنکھوں سے آنسو بہانا ہوں گے]

تجده وما تهواه من أي مشرب فللروح منه مطعم و شراب

[تو اس (کتاب) میں جو طریقہ چاہے گا پا لے گا، نیز اس میں روح کا کھانا پینا اور اس کی غذا بھی موجود ہے]

وإن رمت إبراز الأدلة في الذي تريد فما تدعو إليه تجاب

[اور اگر تو اپنے من پسند مسئلے کے دلائل معلوم کرنے کا ارادہ کرو تو تم اس سے جو کچھ پوچھو گے تمھیں اس کا جواب ملے گا]

تدل على التوحيد فيه قواطع بها قُطِّعت للملحدين رقاب

[اس میں توحید کے ایسے قطعی دلائل ہیں، جن کے ساتھ ملحدوں کی گردنیں کاٹی جاتی ہیں]

وما مطلب إلا و فيه دليله وليس عليه للذكي حجاب

[اس میں ہر مسئلے کی دلیل موجود ہے اور اس میں ذہین آدمی سے کوئی اوٹ اور رکاوٹ نہیں ہے]

وفيه الدواء من كل داء فَثِقْ به فواللّٰه! ما عنه ينوب كتاب

[اس میں ہر بیماری کا علاج ہے، لہٰذا اس پر اعتماد کرو، اللہ کی قسم! اس کے قائم مقام کوئی کتاب نہیں ہے]

وفي رقية الصحب اللديغ قضيةٌ وقررها المختار حين أصابوا

[(کسی زہریلی چیز کے) ڈسے ہوئے شخص کو صحابہ کے دم کرنے کا معاملہ ہے، جس کو (احمد ﷺ) مختار نے ثابت رکھا، جب انھوں نے یہ کام کیا]

ولكن سكان البسيطة أصحبوا كأنهم عما حواه غضاب

[لیکن اب زمین کے باسی اس طرح کے ہو گئے ہیں کہ گویا وہ اس کتاب کے مشتملات پر غضب ناک ہیں]

فلا يطلبون الحق منه و إنما يقولون من يتلوه فهو مثاب

[وہ اس سے حق کو تلاش نہیں کرتے، بلکہ وہ تو صرف یہی کہتے ہیں کہ جو اس کی تلاوت کرے گا اسے ثواب ہوگا]

فإن جاءهم فيه الدليل موافقا لما كان للآباء إليه ذهاب

[اگر تو اس میں ان کے آبا و اجداد کی روش کے مطابق کوئی دلیل مل جائے]

رضوه و إلا قیل هذا مؤول ویرکب للتأویل فیه صعاب

[تو وہ اس پر راضی ہو جائیں گے، وگرنہ کہیں گے کہ اس کی تاویل کی جائے گی اور وہ تاویل کرنے کے لیے جان کو جوکھوں میں ڈالتے ہیں]

تراه أسیرا کلُّ حبر یقوده إلی مذهب قد قررته ضحاب

[تم اس کو دیکھو گے کہ وہ ایک قیدی ہے، جس کو ہر عالم اپنے اس مذہب کی طرح ہانک رہا ہے، جو اس کے علما نے مقرر کیا ہے]

أتُعرض عنه عن ریاض أریضة وتعتاض جهلا بالریاض هضاب

[کیا تو اس سے منہ موڑ کر زمینی باغات لے گا اور اپنی جہالت و نادانی کی بنا پر جنتی باغات کے عوض زمینی ٹیلے لے گا؟]

یریك صراطا مستیقما وغیره مفاوز جهل کلها و شعاب

[یہ (کتاب) تجھے سیدھی راہ دکھائے گی، جب کہ اس کے علاوہ سارے جہالت سے بھرپور جنگلات اور گھاٹیاں ہی ہیں]

تزید علی مر الجدیدین جدة فألفاظه مهما تلوت عِذاب

[جدت جدید اور ماڈرن لوگوں کی تلخیوں ہی میں اضافہ کرتی ہے، لیکن تو اس کے الفاظ (وآیات) کو جب بھی تلاوت کرے گا، ان کو شیریں ہی پائے گا]

و آیاته في کل حین طریة و تبلغ أقصی العمر وهي کعاب

[اور اس کی آیات ہر آن میں تر و تازہ ہیں اور انتہائی عمر کو پہنچ کر بھی ان کی شان و عظمت برقرار ہے]

ففیه هدی للعالمین ورحمة وفیه علوم جمة و ثواب

[پس اس میں جہانوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے، اس میں بہت سے علوم اور ڈھیروں ثواب ہے]

فکل کلام غیره القشر لا سوی وذا کله عند اللبیب لباب

[اس کے سوا جو بھی کلام ہے، اس کی حیثیت چھلکے کی سی ہے اور رہا یہ کلام تو یہ سارے کا سارا مغز ہی مغز ہے]

دعوا كل قول غيره ما سوى الذي أتى عن رسول الله فهو صواب

[اس قول کے سوا جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، ہر چیز کو چھوڑ دو، کیوں کہ وہی حق اور سچ ہے]

وعضوا عليه بالنواجذ واصبروا عليه و لو لم يبق في الفم ناب

[اس کو خوب مضبوطی سے پکڑ لو اور اس پر صبر کرو، اگر چہ منہ میں کوئی دانت باقی نہ رہے (یعنی آخری دم تک اس سے وابستہ رہو)]

تروا كل ما ترجون من أي مطلب إذا كان فيكم همة وطلاب

[تمھیں جس قسم کا بھی مطلب ہو، اس سے پورا ہو جائے گا، بشرطیکہ تمہارے اندر ہمت اور جستجو موجود ہو]

أطيلوا على السبع الطوال[1] وقوفكم تَدِرُّ عليكم بالعلوم سحاب

[سبع طوال (سات لمبی سورتوں) کی تلاوت کثرت سے کرو، تم پر علوم کے بادل برسیں گے]

وكم من ألوف في المئين[2] فكن بها ألوفا تجد ما ضاق عنه حساب

[سو آیات والی قرآنی سورتوں میں ہزاروں (فوائد) ہیں، ان کے ساتھ وفا کا رشتہ بناؤ، تنگیاں آسانیوں میں تبدیل ہو جائیں گے]

وفي طي أثناء المثاني[3] نفائس يطيب لها نشر و يفتح باب

---

[1] طوال سے مراد سات لمبی سورتیں: ① البقرۃ۔ ② آل عمران۔ ③ النساء۔ ④ المائدۃ۔ ⑤ الأنعام۔ ⑥ الأعراف۔ ⑦ یونس ہیں۔

[2] "مئین" سے مراد وہ سورتیں ہیں، جو سبع طوال کے بعد ہیں اور ان کی آیات کی تعداد ایک سو یا اس کے قریب قریب ہے۔

[3] اس سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے یا وہ سورتیں جو سبع مئین کے بعد ہیں اور ان کی آیات کی تعداد دو سو کے لگ بھگ ہے یا پھر اس سے سارا قرآن مراد ہے۔

[قرآنی آیات (یا سورۃ الفاتحہ) کے ضمن میں بہت سی نفیس اور قیمتی چیزیں ہیں، جن سے خوشبو مہکتی ہے اور (کامیابیوں کا) دروازہ کھلتا ہے]

وكم من فصول في المفصل[1] قد حوت أصولا إليها للذكي مآب

[مفصل (قرآن مجید کا آخری ساتواں حصہ) میں کتنی فصول ایسی ہیں، جو بہت سے احوال پر مشتمل ہیں اور وہ پاکیزہ لوگوں کا ٹھکانا ہیں]

وما كان في عصر الرسول وصحبه سواه لِهَدْيِ العالمين كتاب

[رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے دور میں جہانوں کی راہنمائی کے لیے اس کے علاوہ کوئی کتاب نہیں تھی]

تلا فصلت لما أتاه مجادل فأُبلِس حتىٰ لا يكون جواب

[جب آپ ﷺ کے پاس ایک جھگڑنے والا آیا تو آپ ﷺ نے سورت فصلت کی تلاوت کی تو وہ حیران وششدر ہو کر لاجواب ہو گیا]

أقر بأن القول فيه طلاوة ويعلو ولا يعلو عليه خطاب

[اس نے اقرار کیا کہ اس بات میں آب و تاب ہے، یہ بلند ہے، ، اس کے اوپر کوئی خطاب وقول نہیں ہے]

وأدبر عنه هائما في ضلالة يدبر ماذا في الأنام يعاب

[پھر اس نے گمراہی میں سرگرداں اس سے منہ پھیر لیا اور وہ اعراض کرتا ہے، عوام کے پاس کیا ہے؟ اس پر عیب لگایا جاتا ہے]

وقال ابن عم المصطفىٰ ليس عندنا سواه وإلا ما حواه قراب

[اور (محمد) مصطفیٰ ﷺ کے چچا زاد بھائی (علی رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ ہمارے پاس اس علم کے سوا کوئی خاص علم نہیں جو میں نے لکھ کر اپنی نیام میں رکھا ہوا ہے]

وإلا الذي أعطاه فهما إلٰهه بآياته فاسأل عساك تجاب

---

[1] مفصل کی تین اقسام ہیں: ① طوالِ مفصل: یہ سورت ق سے سورۃ البروج تک کا حصہ ہے۔ ② اوساطِ مفصل: یہ سورۃ البروج سے سورۃ البینۃ تک ہے۔ ③ قصارِ مفصل: یہ سورۃ البینۃ سے سورۃ الناس تک ہے۔

[اور سوائے آیات کے اس فہم کے جو اللہ تعالیٰ کسی کو عطا کر دے، تو بھی (اسی سے) مانگ، قریب ہے کہ تیری دعا قبول ہو]

فما الفهم إلا من عطاياه لا سوى   بل الخير كل الخير فيه وصاب

[پس فہم و فراست تو اسی کی عنایات سے ہے، تمام قسم کی خیر و بھلائی اور حق و درستی اسی کے پاس ہے]

سليمان قد أعطاه فهما فناده   يجبك سريعا ما عليه حجاب

[سلیمان (علیہ السلام) کو اس نے فہم و فراست عطا کی، پس تو بھی اسی کو پکار، وہ تیری دعا کو جلد ہی قبول کر لے گا، اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے]

وسل منه توفيقا و لطفاً ورحمة   فتلك إلى حسن الختام مآب

[اس (اللہ تعالیٰ) سے توفیق، لطف و کرم اور رحمت کا سوال کرو، اسی سے خاتمہ بالخیر ہو گا]

اس پاکیزہ قصیدے کا نام "أبيات التوبة" ہے۔ صاحبِ قصیدہ رحمہ اللہ کی طرف سے اس کی شرح بھی لکھی گئی، جس کا نام "محو الحوبة" ہے، اس کتاب کے مصنف نے شرح و بسط کے ساتھ کتاب و سنت کی مدح اور تفصیل کے ساتھ شرک و بدعت کا رد کیا ہے۔ جزاه الله عنا خيراً.

مقصدِ اول

اصولِ علمِ تفسیر کا بیان

پہلا باب:

قرآن کریم کے وجوہِ مبانی کا بیان

جان لینا چاہیے کہ متکلمِ قدیم (اللہ تعالیٰ) نے قرآنِ عظیم کو اپنے رسولِ کریم ﷺ پر بندوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا۔ اس کا اسلوبِ بیان اول عربوں کے طریقے پر ہے نہ کہ بعد والوں کی تقریر کے طریقے پر۔ حالات کے تقاضے کے مطابق ایک سورت کے بعد دوسری سورت نازل ہوئی۔ زمانہ نبوت میں ہر سورت علاحدہ محفوظ و مضبوط تھی۔ تمام سورتوں کے یک جا ہونے کا اتفاق نہ ہوا۔

نظمِ قرآن:

قرآن مجید کی ترتیب متون کی طرح ابواب کی شکل میں مفصل نہیں ہے، تا کہ اس کے ہر مضمون کو علاحدہ علاحدہ فصلوں میں ڈھونڈا جا سکے۔ یوں سمجھیں کہ قرآن مجید مکتوبات کا ایک مجموعہ ہے، جس طرح بادشاہ اپنی رعایا کے لیے حالات کے تقاضے کے مطابق کچھ فرامین لکھتے ہیں اور کچھ مدت کے بعد کچھ دوسرے ارشادات لکھ بھیجتے ہیں، وعلی هذا القياس. حتیٰ کہ بہت سے فرامین و ارشادات جمع ہو جاتے ہیں، جن کو کوئی شخص یکجا کر کے ان کی تدوین کر دیتا ہے اور اسے ایک مرتب مجموعے کی شکل دے دیتا ہے۔[1]

تدوینِ قرآن:

اسی طرح سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں قرآن مجید کی تمام سورتوں کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ ایک جلد میں جمع کر دیا گیا اور اس مجموعے کا نام "مصحف" رکھا گیا۔

[1] لیکن قرآن کی ترتیب میں یہ امتیاز ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے نبی کریم ﷺ نے ترتیب دیا تھا۔

قرآنی سورتوں کی تقسیم:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں قرآن مجید کی سورتیں چار قسموں پر تقسیم ہوئیں:

① پہلی قسم کی وہ سورتیں ہیں، جنھیں "سبع طوال" (سات لمبی سورتیں) کہا جاتا ہے اور یہ قرآن مجید کی سب سے لمبی سورتیں ہیں۔

② دوسری قسم میں وہ سورتیں ہیں، جنھیں "مئین" کا نام دیا گیا، یعنی وہ سورتیں جن کی آیات کی تعداد ایک سو یا سو سے کچھ زیادہ ہے۔

③ تیسری قسم کی سورتیں "مثاني" کہلاتی ہیں، جن کی آیات سو سے کم ہیں۔

④ چوتھی قسم کی سورتوں کو "مفصل" کہا جاتا ہے۔

اس ترتیب میں دو تین سورتیں ایسی ہیں، جو از قسم مثانی ہونے کے باوجود مئین میں شامل کی گئی ہیں، کیوں کہ ان کا سیاق مئین کے سیاق سے ملتا جلتا ہے۔ اسی طرح بعض اقسام میں کچھ تصرف ہوا ہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی مصحف سے کچھ اور مصحف لکھوائے اور مختلف ملکوں میں روانہ کر دیے، تاکہ لوگ ان مصاحف سے استفادہ کریں اور کسی اور ترتیب کی طرف میلان نہ کریں۔

سورتوں کے اسلوب کی شاہی مکاتیب سے مشابہت:

قرآن مجید کی سورتوں کا اسلوب بادشاہوں کے فرامین کے ساتھ مکمل مناسبت رکھتا ہے۔ اس میں ابتدا و انتہا کے اعتبار سے خطوط کی رعایت پائی جاتی ہے، لہٰذا جس طرح بادشاہ لوگ بعض خطوط کو خدا تعالیٰ کی حمد سے شروع کرتے ہیں، بعض کو ان کے لکھنے کی غرض سے شروع کرتے ہیں، بعض کو خط بھیجنے والے اور جس کی طرف بھیجا جا رہا ہے، ان کے نام سے شروع کیا جاتا ہے، بعض رقعے اور خط بغیر عنوان کے ہوتے ہیں، بعض خطوط لمبے ہوتے ہیں اور بعض مختصر۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کو حمد یا تسبیح سے شروع کیا اور بعض کو ان کی غرض و غایت کے بیان سے شروع کیا، چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سُورَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا﴾ [النور: ۱]

[(یہ) ایک سورت ہے، ہم نے اسے نازل کیا اور ہم نے اسے فرض کیا]

ان سورتوں کا آغاز دستاویزات کی طرح ہے، جن کی ابتدا یوں ہوتی ہے: ''یہ وہ تحریر ہے جس پر فلاں اور فلاں نے مصالحت کی ہے'' یا ''یہ وہ تحریر ہے، جس کی فلاں نے فلاں کو وصیت کی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے واقعہ حدیبیہ میں یہ لکھا تھا:

«هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ»[1] [یہ وہ (تحریر) ہے جس پر محمد ﷺ نے معاہدہ کیا ہے]

بعض سورتوں کو اللہ علیم وخبیر نے مرسل اور مرسل الیہ کے ذکر سے شروع کیا، چناں چہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ [الزمر: ١]

[اس کتاب کا اتارنا اللہ کی طرف سے ہے، جو سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے]

ایک جگہ فرمایا:

﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾ [هود: ١]

[ایک کتاب ہے جس کی آیات محکم کی گئیں، پھر انھیں کھول کر بیان کیا گیا ایک کمال حکمت والے کی طرف سے جو پوری خبر رکھنے والا ہے]

یہ بالکل اس تحریر کی طرح ہے، جس میں یہ لکھا جاتا ہے کہ یہ شاہی فرمان فلاں شہر کے باشندوں کے نام تحریر کیا گیا ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے لکھا تھا:

«مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ»[2]

[محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کی طرف]

بعض سورتوں کو رقعوں کی مانند بغیر عنوان کے شروع کیا، جیسے ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ [المنافقون: ١] [جب منافق تیرے پاس آتے ہیں]

ایک جگہ یوں فرمایا:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ﴾ [المجادلة: ١] [یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی پکار سن لی]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٥٥٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٨٣)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٧٣)

ایک اور جگہ اس طرح فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ﴾ [التحريم: ١] [اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے؟]

بعض سورتوں کی ابتدا و انتہا قصائدِ عرب کے مشابہ ہیں:

عربوں کی فصاحت کا مظہر ان کے قصائد تھے۔ ان قصائد کا آغاز محبوبہ کے اوصاف و محاسن کے بیان، عجیب وغریب جگہوں اور بھیانک واقعات کے ذکر سے کرنا ان کی پرانی عادت تھی۔ اس اسلوب کو بعض سورتوں میں اختیار کیا گیا ہے، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا﴾ [الصافات: ١، ٢]

[قسم ہے ان (جماعتوں) کی جو صف باندھنے والی ہیں! خوب صف باندھنا۔ پھر ان کی جو ڈانٹنے والی ہیں! زبردست ڈانٹنا]

نیز ارشاد فرمایا:

﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ﴾ [التكوير: ١، ٢]

[جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے]

پھر جس طرح بادشاہ خطوط کو جامع کلمات، نادر وصیتوں، ان میں مذکور احکام کی پابندی کی تاکید اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو تہدید کے ساتھ ختم کرتے ہیں، اسی اسلوب میں اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کا اختتام فرمایا۔ بعض اوقات سورت کے درمیان میں حمد، تسبیح، نعمتوں کا بیان اور احسانات کے تذکرے میں سے کسی نوع کا بیان بلیغ، عظیم الفائدہ اور بدیع الاسلوب کلام کے ساتھ فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر ایک سورت میں اللہ تعالیٰ نے خالق اور مخلوق کے مراتب کا فرق بیان کرنے سے آغاز فرمایا:

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى آللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [النمل: ٥٩]

[کہہ دے سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور سلام ہے اس کے بندوں پر جنھیں اس نے چن لیا۔ کیا اللہ بہتر ہے، یا وہ جنھیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں؟]

اس کے بعد پانچ آیات میں اس مدعا کو بڑے بلیغ طریقے اور بدیع اسلوب میں بیان فرمایا۔

یا جیسے سورۃ البقرہ میں بنی اسرائیل کے مخاصمے (جھگڑے) کو ان الفاظ میں شروع فرمایا:

﴿يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ﴾ [البقرة: ٤٠]

[اے بنی اسرائیل! میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی]

پھر انہی الفاظ کے ساتھ اس جھگڑے کو ختم کیا۔ پس اس کلام سے مخاصمے کا آغاز اور اسی کلام کے ساتھ اس کا اختتام بلاغت میں ایک عظیم مقام رکھتا ہے۔ اسی طرح سورت آلِ عمران میں اہلِ کتاب سے اس آیت کے ساتھ مخاصمے کو شروع کیا:

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ [آل عمران: ١٨]

[بے شک دین اللہ کے ہاں صرف اسلام ہے]

تاکہ محلِ نزاع کی تصویر کشی اور اس مدعا پر ہونے والے قیل و قال کا توارد اور جواب واقع ہو جائے۔

سورتوں کی آیات پر تقسیم:

اکثر سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہوئی ہے کہ سورتوں کو آیات پر تقسیم کیا گیا ہے، جس طرح قصائد کو شعروں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ آیات اور اَبیات (شعروں) میں زیادہ سے زیادہ جو فرق کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ اَبیات ان عروض اور قافیوں کے ساتھ مقید ہیں، جن کی خلیل نے تدوین کی ہے اور شعرا نے ان (عروض و قوافی) کو اس (خلیل) سے لیا ہے، جبکہ آیات کی بنا اجمالی وزن اور قافیے پر ہے نہ کہ عروضیوں کے افاعیل و تفاعیل پر، جو طبعی امر کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتی ہیں اور نہ ان کے اوزان اور قافیوں پر جو ایک مصنوعی اور اصطلاحی امر ہے۔ فطرتِ سلیمہ موزون قصیدوں، عمدہ رجزوں اور اس طرح کی دیگر چیزوں سے لطف کا ادراک کرتی ہے اور حلاوتِ ذوق ظاہر کرتی ہے۔ جب (فطرتِ سلیمہ) اس لطف اندوزی کے سبب پر غور کرتی ہے تو اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ دو کلام جن کے بعض اجزا بعض کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں، انھوں نے مخاطب کے نفس کو لذت مہیا کی ہے اور اسے اس طرح کے کلام کا شوقین بنا دیا ہے۔ اس کے بعد جب اسی توافقِ اجزا کے ساتھ دوسرا شعر اس کے نفس پر واقع ہو اور امرِ منتظر وجود میں آیا تو اس کی لذت دوبالا ہوگئی۔ جب دونوں شعر قافیہ بندی میں مشترک ہوں تو اس کی لذت سہ چند ہو جاتی ہے۔ پس اَبیات کی لذت کا سبب آدمیوں کی پرانی فطرت کا یہ راز ہے۔ معتدل علاقوں کے باسیوں کی سلیم طبائع اس پر

متفق ہیں، اگر چہ مصرعے پر توافقِ اَجزا و اَبیات میں قافیۂ مشترکہ کی شروط میں مختلف مذاہب ہیں اور رسوم ایک دوسری کی ضد ہیں۔

عربوں کے ہاں ایک قانون ہے، جس کی خلیل نے وضاحت کی ہے۔ ہندوؤں کے ہاں ایک رسم ہے، ان کا طریقہ سلیقہ اس کے مطابق ہے۔ اسی طرح ہر دور کے لوگوں نے ایک وضع اختیار کی ہے اور اس کے راہی بنے ہیں۔ جب ہم ان رسوم اور مذاہب سے کوئی جامع امر نکالیں اور ان بکھری ہوئی اشیا کے سرنہاں پر غور کریں تو وہ ظن وتخمین کے سوا کسی چیز سے موافق نہیں ہوگا۔ اس کشید کردہ راز کے ساتھ عقل کا اجمالی تعلق تو ہوسکتا ہے، تفصیلی نہیں۔ مسلسل قافیوں اور ذوقِ سلیم کی اس خالص شیرینی کے ساتھ دوستی ہے نہ کہ بحرِ طویل کے ساتھ۔

فائدہ:

خلاق علیم اللہ تعالیٰ نے جب اس مشت خاک (انسان) سے ہم کلام ہونا چاہا تو اس نے اس اجمالی حسن پر نظر رکھی نہ کہ ان مستحسن قوالب پر جو ایک قوم کے ہاں مسلم ہیں، مگر دوسروں کے ہاں نہیں۔ مالک الملک نے جو آدمیوں کے طریقے پر کلام کرنے کا ارادہ کیا تو اس بسیط اصل کو اختیار کیا نہ کہ ان قوانینِ متغیرہ کو جو اَدوار و اَطوار کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ قوانینِ مصطلحہ کا تمسک جہل و عجز کی پیداوار ہے اور ان قواعد کے توسط کے بغیر حسنِ اجمالی کو اس طریقے سے تھامنا ہے کہ پستیوں اور بلندیوں میں بیان ہاتھ سے نہ چھوٹے اور ہر نشیب و فراز میں عاجز و ساکت ہو کر کلام ضائع نہ ہو۔ پس حق سبحانہ و تعالیٰ کے اس طریقے پر چلنے سے ہم ایک اصل اور بنیاد کشید کرتے ہیں اور ایک قاعدے کے ساتھ اس کا انتقال ثابت کرتے ہیں۔ وہ قاعدہ یہ ہے کہ اکثر سورتوں میں امتدادِ صوت (آواز کو لمبا کرنا) کو معتبر سمجھا گیا ہے نہ کہ بحرِ طویل و مدید وغیرہ کو۔ فواصل میں سانس کے انقطاع کو مدہ کے ساتھ اور اس کے ساتھ جس پر مدہ قرار پکڑتا ہے، معتبر بنایا گیا ہے نہ کہ فنِ قوافی کے قواعد کو۔ سانس کے اس امتداد کے لیے تین قسم کے وزن بنائے گئے ہیں:

① طویل، جیسے سورۃ النساء ہے۔

② متوسط، جیسے سورۃ الاعراف اور سورۃ الانعام ہے۔

③ قصیر، جیسے سورۃ الشعراء اور سورۃ الدخان ہے۔

سانس کا ایسے مدہ پر پورا ہونا جو مدہ ایک حرف پر معتمد ہو، اس سے ایک متسع قافیہ بنتا ہے، جس کا طبع ذوق کرتی ہے اور چند بار اس کا اعادہ کرنے سے لذت حاصل کرتی ہے۔ اگرچہ وہ مدہ ایک جگہ الف ہو، ایک جگہ واؤ یا یا ہو اور وہ آخری حرف اگرچہ ایک جگہ یا ہو اور ایک جگہ جیم یا قاف ہو۔ اسی طرح کلام کے آخر پر الف کے ملنے سے ایک متسع قافیہ بنتا ہے، جس کے اعادے سے لذت محسوس ہوتی ہے گو حرف کی صورت مختلف ہو، جیسے "حدیثا" اور "بصیرا" ہے۔

اس صورت میں اگر التزام موافقت روی کام آتا ہے تو وہ التزام بلا ملتزم کی قبیل سے ہوگا، جیسے سورت مریم اور سورۃ الفرقان کے شروع میں واقع ہوا ہے، اسی طرح آیات کا ایک حرف پر توافق، جیسے سورت قتال (محمد) سورت ن (والقلم) اور سورۃ الرحمٰن میں ہے، لذت دیتا ہے۔ اسی طرح ایک جملے کے بعد دوسرے جملے کا اعادہ ایک گونا لذت عطا کرنے والا ہے، جیسے سورۃ الشعراء، سورۃ القمر، سورۃ الرحمٰن اور سورۃ المرسلات میں ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سامع کے ذہن کو خوش کرنے کے لیے اور اس کلام کی لطافت سے آگاہ کرنے کے لیے سورت کے آخری فواصل کو شروع کے فاصلوں سے مختلف کر دیا جاتا ہے، جیسے سورت مریم کے آخر پر ﴿إِدًّا﴾ اور ﴿هَدًّا﴾ ہے، ﴿كِرَامًا﴾ اور ﴿سَلٰمًا﴾ سورۃ الفرقان کے آخر پر اور ﴿طِيْنٍ﴾، ﴿سٰجِدِيْنَ﴾ اور ﴿يَنْظُرُوْنَ﴾ سورت صاد کے آخر پر ہے، جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ ان سورتوں کے شروع میں فواصل آخر سے مختلف ہیں۔ پس اکثر سورتوں میں اسی وزن اور قافیے کو، جس کی تعبیر و بیان گزر چکا ہے، معتبر سمجھا گیا ہے۔

اگر آیت کے آخر پر کوئی ایسا حرف ہو، جو قافیہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو وہ قافیہ بن جائے گا، ورنہ اسے ایسے جملے کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے، جس میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر یا مخاطب کے لیے کوئی تنبیہ ہوتی ہے، ایسی بعض جگہوں میں اِطناب (مخصوص فائدے کے لیے مطلب سے زیادہ الفاظ لانا) کو کام میں لایا جاتا ہے، کبھی تقدیم و تاخیر کو استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی قلب و زیادت کا سہارا لیا جاتا ہے، جیسے "الیاس" اور "طور" کو ﴿إِلْ يَاسِيْنَ﴾ اور ﴿طُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾ میں۔

بعض سورتوں میں قافیے اور وزن کی اس قسم کو استعمال میں نہیں لایا جاتا، بلکہ خطبا کے خطبوں کی طرز اور نکتہ دان لوگوں کے طریقے پر ان کو بیان کیا جاتا ہے۔ بعض سورتوں میں عرب نامور لوگوں

کے طور اور طریقے پر کسی چیز کی رعایت رکھے بغیر (کلام) واقع ہوتا ہے، جیسے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کلام کرتے ہیں۔ مگر ہر کلام کو ایسی چیز پر ختم کیا جاتا ہے، جو مبنی بہ اختتام ہوتی ہے۔ اس جگہ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لغتِ عرب میں جس جگہ سانس ختم ہوتا ہے اور نشاطِ کلام کا متلاشی ہوتا ہے، وہاں پر وقف کیا جاتا ہے۔ چناں چہ محلِ وقف میں مستحسن یہ ہے کہ سانس مدہ پر ختم ہو، لہٰذا سورتوں اور آیات میں اسی جہت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

قرآن مجید میں تکرارِ مطالب:

قرآن مجید میں تکرارِ مطالب اس لیے ہے کہ سامع کو فائدہ پہنچانا، جو ہمارا مطلوب و مقصود ہے، دو قسم کا ہوتا ہے:

① پہلی قسم وہ ہے جس کا مقصود محض نامعلوم چیز کی تعلیم دینا ہے، تاکہ مخاطب مجہول کا حکم معلوم کر لے اور وہ نامعلوم چیز معلوم ہو جائے۔

② اس کی دوسری قسم کا مقصود مخاطب کے لیے اس علم کی صورت کا استحضار ہوتا ہے، جو علم اس کے ادراک میں ہوتا ہے، تاکہ وہ اس سے فراوانی کے ساتھ لذت حاصل کرے اور اس علم کا رنگ سب پر قوی طریقے سے غالب آجائے۔

قرآن کریم نے علوم خمسہ، جن کا بیان آگے آ رہا ہے، میں سے ہر ایک کی بہ نسبت فائدہ پہنچانے کی مذکورہ دو قسموں کا ارادہ فرمایا ہے۔ یعنی نامعلوم کی تعلیم جاہل کی نسبت اور اس تکرار کے سبب نفوس کو مہذب کرنا عالم کی نسبت فرمایا ہے، مگر اکثر احکام میں تکرار نہیں ہے، کیوں کہ وہاں پر دوسری قسم والا فائدہ پہنچانا مطلوب نہیں ہے۔ لہٰذا شریعت میں تکرارِ تلاوت کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ محض فہم پر اکتفا کرنا۔ اتنا فرق کر دیا گیا ہے کہ اکثر احوال میں ان مسائل کی تکرار تازہ عبارت اور جدید اسلوب کے ساتھ اختیار کی گئی ہے، تاکہ وہ دلوں میں اچھی طرح بیٹھ جائے اور ذہنوں میں لذت کا باعث بنے۔ اگر ایک لفظ کی تکرار ہو تو یہ ایک ایسی چیز بنتی ہے کہ بہ طور وظیفہ اس کی تکرار کی جاتی ہے۔ تعبیرات و تغایرِ اسلوب کے اختلاف کی صورت میں ذہن غور و خوض کرتا ہے اور دل کلی طور پر اس میں مشغول ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم کے مطالب کی عدم ترتیب:

مطالب و مفاہیم کو قرآن مجید کی سورتوں میں بیان کر دیا گیا ہے، ترتیب کی رعایت نہیں کی گئی۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا اور اس کا خوب حق ادا کیا گیا۔ اس کے بعد اَیام اللہ (تاریخِ عالم کے عبرت ناک ایام) کا مکمل تذکرہ کیا گیا۔ اس کے بعد کفار کے ساتھ مخاصمے کو بیان کیا گیا، کیوں کہ قدرتِ الٰہی اگرچہ تمام ممکنات کو شامل ہے، لیکن ان مضامین و ابواب میں حکمت یہ ہے کہ زبان اور اسلوبِ بیان میں ان لوگوں کی موافقت کی جائے، جن کی طرف یہ قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴾ [حمٓ السجدہ: ٤٤]

[اور اگر ہم اسے عجمی قرآن بنا دیتے تو یقیناً وہ کہتے اس کی آیات کھول کر کیوں نہ بیان کی گئیں، کیا عجمی زبان اور عربی (رسول)؟ کہہ دے یہ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہدایت اور شفا ہے اور وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ ان کے حق میں اندھا ہونے کا باعث ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں بہت دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے]

قرآن مجید کے نزول تک عربوں کے پاس کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ کتابِ الٰہی اور نہ کسی بشر کی تالیف۔ وہ ترتیب جو اِس وقت کے مصنفین نے ایجاد کی ہے، عرب اس کو نہیں جانتے تھے۔ اگر آپ اس بات کو باور نہیں کرتے تو آپ مخضرمین شعراء (جنھوں نے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں شاعری کی) کے قصائد پر غور و خوض کریں۔ نیز رسول اللہ ﷺ کے خطوط اور عمر رضی اللہ عنہ کے مکاتیب پڑھیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی۔

لہٰذا اگر ان لوگوں کے طور طریقے کے خلاف بات کی جاتی تو وہ لوگ حیرت میں مبتلا ہو جاتے۔ ایک ناآشنا چیز ان کے کانوں تک پہنچتی تو وہ ان کے فہم کو اُلجھن اور تشویش میں ڈال دیتی۔ نیز اس انداز سے مقصود محض فائدہ پہنچانا نہ تھا، بلکہ استحضار و تکرار کے ساتھ فائدہ پہنچانا مقصود تھا، لہٰذا

یہ مقصود غیر مرتب کلام کے ساتھ زیادہ قوی اور مکمل طریقے سے حاصل ہوتا ہے۔

قرآنِ عظیم کا اعجاز:

تحقیقی بات یہ ہے کہ قرآنِ مجید کا اعجاز کئی ایک وجوہ سے ثابت ہوتا ہے:

① پہلی وجہ قرآن مجید کا بدیع اسلوب ہے، کیوں کہ عربوں کے کچھ میدان تھے جن میں وہ بلاغت کے گھوڑے دوڑاتے تھے اور قصیدوں، خطبوں، خطوط اور محاوروں کے مقابلوں میں بازی لے جاتے تھے۔ مذکورہ بالا چار اَوضاع کے سوا کوئی اسلوب جانتے تھے اور نہ اس کے اِبداع و ایجاد پر قادر تھے۔ پس اِبداع وہ اسلوب ہے جو ان کے اسلوبوں سے جدا ہے اور یہ اسلوب رسولِ امی ﷺ کی زبان پر یقیناً اعجازِ قرآن ہے۔

② رسول اللہ ﷺ کا بغیر تعلیم حاصل کیے سابقہ امتوں کے واقعات اور احکام کی اس طرح خبر دینا، جو سابقہ کتب کی تصدیق کرتا ہے۔

③ آیندہ کے احوال کی خبر دینا۔ جب بھی ان احوال میں سے کوئی چیز منصہ شہود پر آتی ہے، اعجازِ قرآن اور زیادہ ظاہر و باہر ہو جاتا ہے۔

④ بلاغتِ معانی اور فصاحتِ مبانی کا وہ بلند درجہ اور مقام جو بشر کی طاقت میں نہیں ہے اور جب ہم اولین عربوں کے بعد والے دور کی طرف لوٹتے ہیں تو ہم اس کی کنہ تک پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتے، لیکن ہم اتنا ضرور جان جاتے ہیں کہ شیریں کلمات اور عمدہ ترکیبات کا الطاف تام اور عدمِ تکلف انسجام کا جس قدر استعمال ہم قرآن میں پاتے ہیں، متقدمین و متاخرین کے قصائد میں سے کسی قصیدے میں ہمیں یہ چیز نہیں ملتی ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو ماہر شعراء کا ذوق ہی سمجھ سکتا ہے، عوام اس کے ذائقے سے ناواقف ہیں۔ نیز ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں تذکیر ومخاصمے کی انواع میں معانی کو ہر جگہ نیا لباس پہنایا گیا ہے اور اس کا اسلوب ایسا عجیب وغریب ہے، جو کسی کی دسترس میں نہیں ہے۔ اگر کسی کو یہ بات سمجھ میں نہ آئے تو اسے چاہیے کہ وہ سورۃ الاعراف، سورت ہود اور سورۃ الشعراء میں بیان ہونے والے قصصِ انبیا پر غور کرے، پھر انھیں واقعات کو سورۃ الصافات میں دیکھے اور پھر انھیں قصص کو سورۃ الذاریات میں ملاحظہ کرے، تاکہ اس کے سامنے یہ فرق واضح ہو جائے۔

اسی طرح قرآن مجید میں گناہ گاروں کے عذاب اور نیکو کاروں کے ثواب میں ہر جگہ ایک اور ہی رنگ اور انداز اختیار کیا گیا ہے۔ جہنمیوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑنا، ہر جگہ ایک علاحدہ صورت میں جلوہ گر نظر آتا ہے، بہرحال اس موضوع پر بہت لمبی بات ہو سکتی ہے۔

نیز ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتضائے مقام کی رعایت جس کی تفصیل فنِ معانی میں ہے اور استعارات و کنایات جن سے فنِ بیان بھرا ہوا ہے، باوجود مخاطبین کے حال کی رعایت کے، جو امی، ان پڑھ اور ان فنون سے نا آشنا تھے، قرآن مجید میں جس انداز سے یہ سب کچھ بیان ہوا ہے، اس سے بہتر انداز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ اس جگہ مقصود یہ ہے کہ معروف طرز ہائے تخاطب میں، جن سے تمام لوگ آشنا تھے، اس نکتۂ عام کو داخل کیا جائے، جو دو نقیضوں کو جمع کرنے کی طرح ہے۔

زپای تا بسرش ہر کجا کہ می نگرم　　کرشمہ دامن دل میکشد جا کہ اینجا ست

[اس کے پاؤں سے لے کر سر تک جہاں بھی میں نگاہ ڈالتا ہوں تو دل کے دامن کو یہ کرشمہ کھینچ لیتا ہے کہ دل لگانے کی جگہ یہی ہے]

⑤ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسرارِ شرائع میں تدبر کرنے والے کے سوا کسی کو اس کا فہم میسر نہیں آتا اور وہ یہ ہے کہ وہ پانچ قرآنی علوم جس کا بیان دوسرے باب میں آ رہا ہے، بذاتِ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولادِ آدم کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے۔

اسرارِ شرائع کا عالم یہ جانتا ہے کہ بنی آدم کے نفوس کی تہذیب کے لیے کس کس چیز کو استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ بعد میں وہ علومِ خمسہ پر غور کرتا ہے تو یقیناً اسے یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ یہ فنون اپنے معانی میں اس انداز کے ساتھ بیان ہوئے ہیں کہ اس سے بہتر صورت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ وجوہِ مبانی اور نظمِ قرآنِ کریم کا مختصر بیان تھا۔

دوسرا باب

فرقانِ عظیم کے وجوہِ معانی کا بیان

قرآن مجید کے معانی منطوقہ اور مقاصدِ منظومہ مندرجہ ذیل پانچ علوم سے باہر نہیں ہیں:

① علمِ احکام: یعنی واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام، خواہ وہ از قسم عبادات ہوں یا معاملات، تدبیرِ منزل سے تعلق رکھتے ہوں یا سیاستِ مدن سے۔ اس علم کی تفصیل فقیہ کے ذمے ہے۔

② علمِ مخاصمہ: یعنی چار گمراہ فرقوں: یہود، نصاریٰ، مشرکین اور منافقین کے ساتھ مخاصمہ کرنا۔ اس علم کا بیان متکلم کے ذمے ہے۔

③ علمِ تذکیر بآلاء اللہ: یعنی آسمان و زمین کی پیدایش کا بیان اور بندوں کو اس چیز کا الہام کرنا جو ان کے لائق ہے، نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کامل صفات کو بیان کرنا۔

④ علمِ تذکیر بایام اللہ: یعنی ان واقعات کا بیان جن کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اطاعت گزار لوگوں کو نوازنے اور مجرموں کو عذاب دینے کے لیے ایجاد کیا تھا۔

⑤ علمِ التذکیر بالموت ......الخ: یعنی موت اور اس کے بعد حشر ونشر، حساب، میزان، جنت اور جہنم کے ساتھ نصیحت کرنا۔ ان تین علوم کی تفصیلات کو یاد کرنا اور ان کے ساتھ مناسبت رکھنے والی احادیث اور آثار کو ملانا ایک واعظ اور نصیحت کرنے والے کا کام ہے۔

ان علوم کو پہلے عربوں کے اسلوبِ تقریر پر بیان کیا گیا ہے نہ کہ متاخرین کے اسلوبِ تقریر پر۔ چناں چہ آیاتِ احکام میں اختصار کا، جو متن نویسوں کا قاعدہ ہے اور غیر ضروری قیود سے قواعد کی تنقیح کا، جو اصولیوں کی روش ہے، التزام نہیں کیا گیا۔ آیاتِ مخاصمہ میں اللہ تعالیٰ نے مشہوراتِ مسلمہ اور خطاباتِ نافعہ کا التزام کیا ہے نہ کہ تنقیحِ براہین کا جو منطقیوں کا طریقہ ہے۔ ایک مطلب سے دوسرے مطلب کی طرف انتقال کرتے وقت کسی مناسبت کا لحاظ نہیں رکھا گیا، جیسا کہ متاخرین ادبا کا قاعدہ

ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر جس چیز کا القا اہم سمجھا، اسے بیان کر دیا، خواہ وہ مقدم ہو یا مؤخر۔

آیاتِ مخاصمہ:

عام مفسرین کا یہ طریقہ ہے کہ وہ آیاتِ مخاصمہ اور آیاتِ احکام میں سے ہر ایک آیت کو کسی قصے کے ساتھ جوڑتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ قصہ اس آیت کا سببِ نزول ہے۔ مگر اس معاملے میں تحقیق شدہ بات یہ ہے کہ نزولِ قرآن کا اصل مقصود نفوسِ بشر کی تہذیب، عقائدِ باطلہ کی بیخ کنی اور اعمالِ فاسدہ کی نفی کرنا ہے۔ پس مکلفین میں عقائدِ باطلہ کا وجود اور باہمی معاملات میں مظالم کا واقع ہونا آیاتِ احکام کے نزول کا سبب ہے، نیز بندوں کا اللہ کی نعمتوں، اللہ کے ایام، موت اور اس کے بعد کے حالات و واقعات کے ذکر کے بغیر متنبہ اور خبردار نہ ہونا آیاتِ تذکیر کے نزول کا سبب ہے۔

ان مفسرین نے جزوی واقعات کی خصوصیات میں جو تکلف کیا ہے، اس کی کوئی خاطر خواہ گنجایش نہیں ہے، سوائے چند آیات کے جن میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے یا اس سے پہلے کے دور میں پیش آمدہ واقعات میں سے کسی واقعے کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور وہ اشارہ سن کر سامع کو جس چیز کا انتظار ہوتا ہے، وہ اس واقعے کے بیان کے بغیر زائل نہیں ہوتا۔

مشرکین کی گمراہیوں کا بیان:

قرآن مجید میں جن چار گمراہ فرقوں یعنی مشرکین، منافقین، یہود اور نصاریٰ کے ساتھ مخاصمے کا بیان ہوا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں:

1. باطل عقیدے کو بیان کیا جاتا ہے، اس کی قباحت اور برائی کو واضح کر کے صرف اس پر انکار کیا گیا ہے۔
2. ان کے شبہات کو واضح کر کے برہانی یا خطابی دلائل کے ساتھ ان کو حل اور ان کا ازالہ کیا جاتا ہے۔

مشرکین اپنے آپ کو حنفا کہتے اور ملتِ ابراہیمی کا معتقد ہونے کا دعوی کرتے تھے، مگر جمہور مشرکین اس ملت کے شعائر کو ترک کر چکے تھے اور صورتِ حال یہ بن چکی تھی کہ یہ شعائر ان کے

اعمال سے یوں غائب ہوئے، جیسے یہ کبھی تھے ہی نہیں۔ اسی طرح وہ اس ملت کے محرمات کا ارتکاب کرتے تھے اور ان میں نفسِ امارہ کی پیروی کرتے تھے۔ ان الٰہی اور نبوی عقائد میں جمہور مشرکین کے لیے بہت سے شبہات، جو ان امور کو خارج از امکان سمجھنے اور ان کے ادراک کے ساتھ عدمِ دلچسپی ہونے سے پیدا ہوئے تھے، فراہم ہو چکے تھے۔ ان کی گمراہیاں درج ذیل تھیں:

① شرک۔

② تشبیہ۔

③ تحریف۔

④ آخرت کا انکار۔

⑤ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ناممکن سمجھنا۔

⑥ برے اعمال اور آپس کے مظالم کو ظاہر کر کے ان کا چرچا کرنا۔

⑦ فاسد رسموں کو ایجاد کرنا۔

⑧ عبادات کو مٹا دینا۔

مشرکین کی صورتِ حال کا دورِ حاضر میں مشاہدہ:

اگر آپ مشرکین کی صورت حال، ان کے عقائد و اعمال کا مشاہدہ کرنا چاہیں تو اس دور کے عوام اور جہلا کے احوال پر نگاہ دوڑا لیجیے، خاص طور پر وہ لوگ جو دارالاسلام کے اَطراف میں سکونت پذیر ہیں کہ وہ ولایت کو کیا خیال کرتے ہیں۔ وہ اولیا متقدمین کی ولایت کے باوجود اس زمانے میں اولیا کے وجود کو محال سمجھتے ہیں۔ وہ قبروں اور آستانوں پر جاتے ہیں اور انواع و اقسام کے شرک کرتے ہیں، ان میں کس طرح تشبیہ اور تحریف در آئی ہے۔ ایک حدیث صحیح:

«لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ»①

[تم پہلے لوگوں کے طریقے پر چل پڑو گے (تم ان کے ساتھ یوں برابر ہو جاؤ گے) جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے]

کے مصداق ان آفات میں سے کوئی ایسی آفت باقی نہیں رہی، مگر آج اس کا ارتکاب کرنے

① صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٨٨٩)

والی اور اس کی معتقد جماعت موجود ہے۔ عافانا اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ عن ذلك.

بہرحال خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کو عرب میں مبعوث فرمایا اور انھیں ملتِ حنیفیہ کو قائم کرنے کا حکم دیا۔ قرآن مجید میں ان (عربوں) کے ساتھ مخاصمہ کیا گیا اور اس مخاصمے میں ملتِ حنیفیہ کی باقیات میں سے ان کے مسلمات کو پکڑا گیا، تاکہ ان پر دلیل مضبوط ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ جن لوگوں میں مبعوث ہوئے، ان کی اکثریت مشرک تھی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا مضامین کو بہت سی سورتوں میں متعدد اسلوبوں اور بلیغ تاکیدوں کے ساتھ ثابت کیا ہے اور ان کے بار بار اعادے سے کنارہ کشی نہیں کی۔ جی ہاں! اس طرح کے جاہلوں کے ساتھ حکیمِ مطلق کا طرزِ تخاطب ایسا ہی ہونا چاہیے اور ان بے وقوفوں کے مقابلے میں ایسی ہی تاکید ہونی چاہیے۔ ذلك تقدير العزيز العليم.

یہودیوں کی گمراہی:

یہودی تورات پر ایمان رکھتے تھے، ان کی گمراہی کے اسباب درج ذیل تھے:

① احکامِ تورات میں (لفظی یا معنوی) تحریف کرنا۔

② اس کی آیات کو چھپانا۔

③ اپنی طرف سے افترا باندھتے ہوئے اس کے ساتھ ان چیزوں کو ملا دینا، جو اس میں سے نہیں ہیں۔

④ اس کے احکام کی اقامت میں تساہل کا مظاہرہ کرنا۔

⑤ اپنے مذہب پر تعصب میں مبالغہ کرنا۔

⑥ ہمارے نبی ﷺ کی رسالت کو دور از امکان سمجھنا۔

⑦ آپ ﷺ کی نسبت، بلکہ حق تبارک وتعالیٰ کی نسبت بے ادبی اور طعن کرنا۔

⑧ ان کا بخل اور حرص وغیرہ میں مبتلا ہونا۔

یہودی تورات میں لفظی اور معنوی دونوں قسم کی تحریف کرتے تھے۔ جہاں تک لفظی تحریف کا تعلق ہے تو وہ تورات کے ترجمے وغیرہ میں یہ تحریف کرتے تھے نہ کہ اصل تورات میں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

کا بھی یہی موقف ہے۔ معنوی تحریف کا مطلب یہ ہے کہ تاویلِ فاسد کرنا، یعنی سینہ زوری کرتے ہوئے اور صراطِ مستقیم سے انحراف کرتے ہوئے اس کو دوسرے معنی پر محمول کرنا۔

اس امت میں یہودیوں کا نمونہ:

بہر حال آپ اگر یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ علماے سو کو دیکھ لیں، جو طالبِ دنیا ہیں، سلف کی تقلید کے عادی ہیں، کتاب وسنت کی نصوص سے اعراض کرنے والے ہیں، کسی عالم کے استحسان میں تعمق اور تشدد کو اختیار کرتے ہیں، شارع معصوم کے کلام سے بے پروا ہو جاتے ہیں اور موضوع احادیث اور فاسد تاویلات کی اقتدا کر کے اپنی ہلاکت کا سامان کرتے ہیں۔ ذرا غور کریں! یقیناً یہ وہی لوگ ہیں۔

نصاریٰ کی گمراہی:

نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، ان کی گمراہی کے اسباب درج ذیل تھے:

① وہ یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تین شاخیں اور حصے ہیں، جو ایک لحاظ سے متغیر اور ایک لحاظ سے متحد ہیں۔ وہ ان تین شاخوں اور حصوں کا نام "أقانيم ثلاثه" رکھتے تھے:

① ایک باپ جو عالم کے مبدا و آغاز کے مقابلے میں ہے۔

② دوسرا ابن جو صادر اول کے مقابلے میں ہے، جس کا معنی عام ہے اور وہ تمام موجودات کو شامل ہے۔

③ تیسرا روح القدس، جو اقنوم عقولِ مجردہ کے مقابلے میں ہے۔

وہ یہ اعتقاد کرتے تھے کہ "اقنوم ابن" نے روحِ عیسیٰ علیہ السلام کی زرہ پہنی ہے، یعنی جس طرح جبریل علیہ السلام آدمی کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، ایسے ہی ابن روحِ عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام الہٰ اور خدا ہیں، ابن اللہ بھی ہیں اور بشر بھی ہیں۔ آپ علیہ السلام پر الٰہی اور بشری دونوں قسم کے احکام جاری ہوتے ہیں، اس سلسلے میں وہ انجیل کی بعض نصوص کو دلیل بناتے تھے۔

② ان کی گمراہی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام قتل ہو گئے ہیں، جب کہ فی الواقع عیسیٰ علیہ السلام کے قصے میں ان کو اشتباہ لاحق ہو گیا ہے۔ انھوں نے ان کے آسمان

کی طرف اٹھائے جانے کو ان کا قتل ہونا گمان کر لیا ہے۔ نسل در نسل ان میں یہی غلط روایت چلی آتی ہے۔

③ ان کی گمراہی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ فارقلیط (محمد ﷺ کا وہ نام جو انجیل میں آیا ہے، مسلمان اس کے لغوی معنی احمد اور عیسائی روح القدس بتاتے ہیں) سے عیسیٰ علیہ السلام ہی مراد ہیں، جو قتل ہونے کے بعد حواریوں کے پاس آئے اور انھیں انجیل کو مضبوط تھامنے کی وصیت کی۔

اس امت میں نصاریٰ کا نمونہ:

اگر آپ آج نصاریٰ کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو مشائخ و اولیا کو دیکھ لیں کہ وہ اپنے آبا و اجداد کے متعلق کس قسم کے گمان رکھتے ہیں اور انھوں نے ان کی شان و مقام میں کس مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے۔ نیز ان کا نمونہ ان جاہل صوفیوں میں دکھائی دیتا ہے، جو توحیدِ وجودی (عقیدہ وحدۃ الوجود) کے قائل ہیں اور انھوں نے خالق سبحانہ و تعالیٰ کے حق میں کس قسم کا باطل عقیدہ گھڑ رکھا ہے۔ انھوں نے ایسے کام میں غور و خوض شروع کر رکھا ہے، جس کا انھیں حکم نہیں دیا گیا اور انھوں نے باطن کو ظاہر شریعت کے برابر ٹھہرا دیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ [الشعراء: ۲۲۷]

[عن قریب وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا، جان لیں گے کہ وہ لوٹنے کی کون سی جگہ لوٹ کر جائیں گے]

منافقین کی گمراہی اور ان کی اقسام:

منافقین کی دو قسمیں ہیں:

① ایک قسم تو وہ گروہ ہے جو زبان سے کلمۂ ایمان پڑھتے ہیں، مگر ان کے دل کفر پر مطمئن ہوتے ہیں اور وہ اپنے دلوں میں خالص انکار چھپائے ہوئے ہیں۔ ان کے حق میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [النسآء: ۱۴۵]

[بے شک منافق لوگ آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے]

② دوسرا گروہ وہ ہے جو اسلام میں ضعف و کمزوری کے ساتھ داخل ہوتے ہیں، مثلاً وہ اپنی قوم کی عادات کی اتباع کرتے رہتے ہیں اور ان کی موافقت کے عادی رہتے ہیں۔ اگر ان کی قوم ایمان لائے تو وہ بھی ایمان لے آتے ہیں اور اگر وہ کفر کریں تو یہ بھی ان کے ساتھ مل کر کفر کرتے ہیں۔ دنیا کی لذتوں کی اتباع کا ان کے دلوں پر ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے لیے ان کے دلوں میں کوئی جگہ باقی نہیں بچتی۔ حرصِ مال، حسد اور کینہ وغیرہ ان کے دلوں پر یوں مسلط ہوتے ہیں کہ مناجات کی چاشنی اور عبادات کی برکات ان کے دلوں پر کچھ اثر نہیں کرتی۔ وہ لوگ امورِ دنیا میں اس قدر شغف رکھتے ہیں اور ان میں یوں مشغول ہوتے ہیں کہ آخرت کے معاملے کا اہتمام کرنے، اس کی امید رکھنے اور اس کی فکر میں مگن ہونے کی ان کے پاس فرصت نہیں رہتی ہے۔ ان کے دلوں میں ہمارے نبی ﷺ کی رسالت کے بارے میں واہی قسم کے گمان اور رکیک قسم کے شبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں، لیکن یہ اس درجے کے نہیں ہوتے کہ وہ اپنے گلوں سے اسلام کا پٹا اتار دیں اور کلی طور پر اس سے خارج ہو جائیں۔ ان شکوک کا منشا ہمارے نبی ﷺ میں احکامِ بشریت کا جاری ہونا ہے اور ملتِ اسلامیہ کا اطرافِ ممالک پر بادشاہوں کے غلبے وغیرہ کا ظاہر ہونا ہے۔ ان کو اپنے قبیلوں اور خاندانوں سے اس قدر محبت تھی کہ وہ ان کی نصرت، تقویت اور تائید میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگاتے تھے، اگرچہ اس میں اہلِ اسلام کی مخالفت ہی ہوتی ہو اور وہ اس کشمکش میں اسلام کے معاملے میں سستی کرتے تھے۔ نفاق کی یہ قسم نفاق عملی اور نفاق اخلاقی کہلاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد پہلی قسم کے نفاق (نفاقِ اعتقادی) کے بارے میں کسی کو اطلاع اور علم ہونا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ یہ علمِ غیب کی قبیل سے ہے اور وہ چیز جو دلوں میں مرکوز اور پیوست ہو، اب اس پر اطلاع پانا ممکن نہیں ہے۔ جہاں تک دوسری قسم کے نفاق کا تعلق ہے تو وہ خصوصاً ہمارے دور میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث اور اس جیسی کئی احادیث میں اسی نفاق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

«أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ»[1]

[جس میں چار خصلتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہوگا: ① جب بات کرے تو جھوٹ بولے، ② جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، ③ جب وہ عہد کرے تو دھوکا دے، ④ جب جھگڑا کرے تو فجور کرے (یعنی گالی دے)]

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ان کے اعمال و اخلاق کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان دونوں گروہوں کے احوال اس لیے بھی بہت زیادہ بیان فرمائے ہیں، تاکہ ساری امت ان سے گریز کرے۔

اس امت میں منافقین کا نمونہ:

اگر آپ منافقوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو امرا کی مجلس میں چلے جائیں اور ان کے مصاحبوں کو دیکھیں کہ کس طرح وہ ان (امرا) کی مرضی کو شارع کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان منافقوں جنھوں نے بلا واسطہ رسول اللہ ﷺ کا کلام سنا اور نفاق کا راستہ اختیار کیا اور ان منافقوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے جو اس دور میں پیدا ہوئے ہیں، انھوں نے یقینی طور پر شارع کے حکم کو معلوم کر لیا، پھر انھوں نے اس کے برخلاف چیزوں کو اس پر ترجیح دی اور اس کی مخالفت پر پیش قدمی کی۔

علیٰ ہذا القیاس معقولیوں (عقل پرستوں) کی وہ جماعت، جن کے دلوں میں شکوک و شبہات بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ آخرت کو بالکل بھول چکے ہیں، وہ بھی منافقوں کا ایک نمونہ اور ماڈل ہیں۔

بہر حال جب آپ قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو یہ گمان نہ کیا کریں کہ جس قوم اور گروہ کے ساتھ مخاصمہ ہوا، وہ گزر چکی ہے، بلکہ مندرجہ ذیل حدیث: «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ» [تم پہلے لوگوں کے طریقے پر چل پڑو گے] کے پیش نظر گذشتہ دور میں جو بھی بلا اور گمراہی تھی، آج کے اس دور میں بھی اس کا نمونہ موجود ہے۔ پس مقصودِ اصلی ان مقاصد کے کلیات کا بیان ہے نہ کہ وہ جو ان

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠٠٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٨)

حکایات کی خصوصیات ہیں۔

یہ تھا ان گمراہ فرقوں کی گمراہیوں کو بیان۔ آیاتِ مخاصمہ کے معانی کو سمجھنے کے لیے اتنا ہی بیان کافی ثابت ہوگا۔ إن شاء اللّٰہ تعالیٰ.

تذکیر بآلاء اللہ:

جب نزولِ قرآن کا مقصد انسانی جماعتوں کی اصلاح وتہذیب ہے، وہ جماعتیں عرب کی ہوں یا کسی اور ملک کی، وہ شہری ہوں یا بدوی، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے "تذکیر بآلاء اللّٰہ" کے سلسلے میں بنی آدم کے اکثر افراد کی معلومات کا لحاظ رکھا ہے اور بحث وتحقیق میں زیادتی نہیں کی ہے۔ اس نے اپنے اسما وصفات کو ایسے طریقے سے بیان فرمایا ہے، جسے عوام کے فطری فہم سمجھ سکیں اور اس کے لیے فلسفۂ الٰہیات اور علمِ کلام کی ضرورت نہ رہے۔ پس قرآن مجید میں ذاتِ باری تعالیٰ کا اثبات بہ طورِ اجمال ہے، کیوں کہ تمام افرادِ بنی آدم کی فطرت میں اس کا علم شامل ہے۔ معتدل اور متوسط درجے کے ملکوں میں کسی گروہ کو تم اللہ کا منکر نہیں پاؤ گے۔

چوں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو حقائق کی تحقیق کے ذریعے سے ثابت کرنا محال تھا اور پھر یہ بات بھی تھی کہ اگر لوگ صفاتِ الٰہیہ سے مطلع نہ ہوں گے تو انھیں ربوبیت کی معرفت بھی حاصل نہ ہوگی، جو تہذیب واصلاحِ نفس کے لیے مفید ترین شے ہے، اس لیے حکمتِ خداوندی نے انسان کی صفاتِ کاملہ سے ان صفات کا انتخاب کرلیا، جسے سب جانتے اور قابلِ تعریف سمجھتے ہیں۔ پھر ان کو ایسے دقیق معانی کی جگہ استعمال کیا جن کی عظمت کی بلندی تک انسان کی عقل نہیں پہنچ سکتی۔ اس ضمن میں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ [اس کی مثل کوئی چیز نہیں] کہہ کر جہل مرکب کے سخت مرض کے لیے تریاق مہیا کر دیا ہے۔ جو بشری صفات اللہ تعالیٰ کے لیے مناسب نہیں تھیں اور جن سے غلط اوہام، باطل عقائد پیدا کر سکتے تھے، وہ ممنوع کر دیے گئے، مثلاً بیٹے کا ہونا، رونا اور بے صبری کا مظاہرہ کرنا۔

یقیناً اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم توقیفی ہے اور اس میں من مانی گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی قدرت کی نشانیوں سے متعلق صرف وہی باتیں بیان کی گئی

ہیں، جنھیں شہری، بدوی، عرب اور غیر عرب سب یکساں طور پر سمجھ سکیں۔ لہٰذا ان روحانی نعمتوں کا ذکر نہیں کیا گیا، جو علما اور اولیا کے ساتھ مخصوص ہیں۔ نیز ان نفع بخش نعمتوں کا بھی بیان نہیں کیا گیا، جو بادشاہوں کو خاص طور پر میسر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف انھی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کا ذکر عوام کے لیے مفید ہو سکتا ہے، مثلاً آسمان اور زمین کی پیدایش، ابر سے پانی برسانا، چشمے جاری کرنا، بارش کے ذریعے سے طرح طرح کے پھول، پھل اور اناج اگانا، کار آمد صنعتوں کا الہام اور ان کے چلانے پر قادر ہونا۔ اکثر مقامات میں ہجوم مصائب پر اور ان کے دفع ہونے کے وقت انسان پر مختلف احوال و کیفیات کا ہونا بہ طور تنبیہ بیان کیا گیا ہے، کیوں کہ امراض نفسانیہ اکثر انھی سے پیدا ہوتے ہیں۔

تذکیر بأیام اللہ:

ایام اللہ یعنی وہ واقعات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرماں بردار بندوں کے لیے بہ طور انعام اور نافرمانوں کے لیے بہ طور عذاب پیدا کیے، ان میں انھی واقعات کا انتخاب کیا گیا ہے، جنھیں عوام پہلے سے اجمالاً سنتے آرہے تھے، جیسے قومِ نوح، قومِ عاد اور قومِ ثمود کے قصے۔ نیز ابراہیم علیہ السلام اور انبیاے بنی اسرائیل کے قصے ہیں۔ غیر مانوس، ایرانیوں اور ہندوؤں کے باہمی مقابلوں کے واقعات بیان نہیں کیے گئے اور مشہور و معروف قصوں میں سے بھی وہی حصے لیے گئے، جو سبق آموز تھے۔ تمام قصے پوری تفصیل سے بیان نہیں کیے گئے۔

قصوں کے بیان کی حکمت:

ان قصوں کے بیان میں حکمت و مصلحت یہ ہے کہ جب عوام عجیب و غریب قصے سنتے ہیں اور قصے کے تمام پہلو ان کے سامنے واضح کیے جاتے ہیں تو نفسِ قصہ کی طرف ان کا میلان ہوتا ہے اور سبق آموزی کا اصلی مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اسے یوں سمجھ لو جیسے کسی عارف نے کہا ہے کہ جب سے لوگوں نے تجوید کے قواعد سیکھے ہیں، قرآن مجید کی خشوع و خضوع کے ساتھ تلاوت سے محروم ہو گئے ہیں اور جب سے مفسرین تفسیر کرنے میں بعید وجوہ کی تلاش میں چل پڑے، تب سے علمِ تفسیر ایک ایسی نادر چیز ہو گئی ہے، جو نایاب ہے۔

قرآن مجید کے مکرر قصوں کا بیان:

قرآن مجید میں جو قصے بار بار مذکور ہیں، وہ یہ ہیں:

1. آدم علیہ السلام کی پیدائش، ملائکہ کا ان کو سجدہ کرنا، شیطان کا اس سجدے سے انکار کر کے ملعون ہو جانا اور اس کے بعد سے بنی آدم کو گمراہ کرنے کی کوشش کرنا۔
2. نوح، صالح، ابراہیم، لوط اور شعیب علیہم السلام کا اپنی اپنی قوم سے توحید، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں مباحثوں کا قصہ۔
3. موسیٰ علیہ السلام کا فرعون اور بنی اسرائیل کے نادانوں کے ساتھ مباحثے کا قصہ۔
4. داود اور سلیمان علیہما السلام کی خلافت کا قصہ اور ان کے معجزات و کرامات کا بیان۔
5. ایوب اور یونس علیہما السلام کی مصیبت کا تذکرہ۔
6. زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہونے کا واقعہ۔
7. عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ۔

یہ تمام قصے مختلف طرز سے کہیں بہ طورِ اختصار اور کہیں بہ طورِ تفصیل قرآن کی سورتوں کے اسلوب کے اقتضا کے مطابق بیان ہوئے ہیں۔

غیر مکرر قصوں کا بیان:

وہ قصے جو قرآن مجید میں ایک یا دو جگہ مذکور ہیں، درج ذیل ہیں:

1. ادریس علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا۔
2. ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مباحثہ اور مناظرہ کرنا۔
3. ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پرندوں کو زندہ کرتے دیکھنا۔
4. ابراہیم علیہ السلام کا اپنے فرزند کو ذبح کرنا۔
5. یوسف علیہ السلام کا قصہ۔
6. موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ۔
7. ان کو دریا میں ڈالے جانے کا قصہ۔

⑧ ان کا ایک قبطی کو قتل کرنا۔

⑨ ان کا مدین کی طرف نکل جانا اور وہاں نکاح کرنا۔

⑩ ان کا درخت پر آگ دیکھنا۔

⑪ گائے کے ذبح کا قصہ۔

⑫ موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام سے ملاقات۔

⑬ طالوت و جالوت کا قصہ۔

⑭ ملکہ بلقیس کا قصہ۔

⑮ ذوالقرنین کا قصہ۔

⑯ اصحابِ کہف کا قصہ۔

⑰ دو آدمیوں کا قصہ جو باہم گفتگو کر رہے تھے۔

⑱ باغ والوں کا قصہ۔

⑲ عیسیٰ علیہ السلام کے تین رسولوں کا قصہ۔

⑳ اس مومن کا قصہ جسے کافروں نے شہید کر دیا تھا۔

㉑ اصحابِ فیل کا قصہ۔

ان تمام قصوں سے مقصود یہ نہیں کہ گذشتہ واقعات کا علم ہو جائے، بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ سننے والے کے ذہن میں شرک اور گناہوں کی برائی جم جائے اور وہ یہ سمجھ لے کہ کفار پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے اور مخلص بندے اس کی نصرت وحمایت کی بنا پر مامون ومحفوظ رہتے ہیں۔

تذکیر بالموت:

قرآن مجید میں موت اور اس کے بعد کے واقعات کا ذکر کچھ اس طرح ہے: انسان کی موت کی کیفیت، اس وقت اس کی بے چارگی، موت کے بعد اس کے سامنے جنت اور دوزخ پیش کرنا اور عذاب کے فرشتوں کا ظاہر ہونا۔

علاماتِ قیامت:

قیامت کی علامات سے جو باتیں مذکور ہیں وہ یہ ہیں: عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، دجال کا خروج، یاجوج ماجوج کا خروج، فنا کا صور، حشر ونشر کا صور، سوال و جواب، میزان، اعمال ناموں کا دائیں اور بائیں ہاتھ میں ملنا، مومنوں کا بہشت اور کافروں کا دوزخ میں داخل ہونا، اہلِ نار اور پیشواؤں اور ان کے پیروکاروں کا باہم جھگڑنا، اہلِ ایمان کا اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونا اور انواع و اقسام کے عذاب کا ذکر، جیسے زنجیریں، طوق، گرم کھولتا پانی، خون پیپ کا پانی اور تھوہر ہیں۔

جنت کی نعمتوں کا بیان:

جنت میں طرح طرح کی نعمتیں ہیں، مثلاً: حوریں، محلات، نہریں، مزے دار کھانے، عمدہ لباس، حسین عورتیں اور جنتیوں کا باہم مل کر تفریح حاصل کرنا۔

مذکورہ بالا تمام امور کو مختلف سورتوں میں کہیں بہ طور اجمال اور کہیں بہ طور تفصیل مناسب طرز میں بیان کیا گیا ہے۔

مباحثِ احکام میں قاعدہ کلیہ:

احکام کے مباحث کے سلسلے میں اصل الاصول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ملتِ ابراہیمی میں مبعوث ہوئے، اس لیے اس ملت کی شریعت کو باقی رکھنا ضروری تھا۔ اس کے اہم مسائل کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہاں عموم کی تخصیص ہوئی اور حدود و تعزیرات وغیرہ میں اضافہ ہوا۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ وہ محمد ﷺ کے ذریعے سے عربوں کو پاک کرے اور عرب سارے ملکوں کو پاک کریں، اس لیے یہ ضروری تھا کہ آپ ﷺ کی شریعت کا مواد عربوں کے رسوم و عادات سے لیا جائے۔ اگر تم ملتِ ابراہیمی کے مجموعی قوانین پر غور کرو اور عربوں کی رسوم و عادات کا لحاظ رکھو، پھر رسول اللہ ﷺ کی شریعت پر نظر کرو، جو اصلاح و تکمیل کا درجہ رکھتی ہے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہر حکم کا کوئی سبب اور ہر امر و نہی سے کوئی خاص مصلحت مقصود ہے۔ ان باتوں کی تفصیل بہت طویل ہے۔

حاصل یہ کہ ملت ابراہیمی کی عبادات، طہارت، نماز، روزہ، زکات اور حج میں بڑا فتور پیدا ہو گیا تھا۔ قرآنِ عظیم نے اس بدنظمی کو دور کر دیا اور اصلاح و درستی کے ذریعے سے صحیح طریقے جاری کر دیے۔ تدبیر منزل میں نقصان دہ رسوم اور ظلم و سرکشی کا رواج تھا۔ شہریت کا نظام بھی بگڑا ہوا تھا۔ قرآن مجید نے اس کے لیے اصول منضبط کیے اور حد بندی فرمائی۔ اس ضمن میں کئی قسم کے کبائر اور اکثر صغائر کا ذکر فرمایا۔ نماز کے مسائل کا بہ طور اجمال ذکر کیا اور اقامتِ صلات کا حکم فرما دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اذان، بناے مساجد، جماعت اور اوقاتِ نماز کی تفصیل فرمائی۔

مسائلِ زکات بھی بہ طور اختصار بیان کیے اور آنحضرت ﷺ نے ان کی تفصیل فرمائی۔ روزے کا بیان سورۃ البقرہ میں، حج کا اس سورت اور سورۃ الحج میں، جہاد کا سورۃ البقرۃ، سورۃ الانفال اور دوسرے متفرق مقامات میں، حدود کا سورۃ المائدہ اور سورۃ النور میں، میراث کا سورۃ النساء میں اور نکاح وطلاق کا سورۃ البقرۃ اور سورۃ الطلاق میں ذکر کیا گیا ہے۔

جب تم مضامین کی یہ قسم جس کا فائدہ پوری امت کے لیے عام ہے، جان چکے تو اب دوسری قسم کی طرف توجہ کرو اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص آنحضرت ﷺ سے سوال کرتا ہے تو آپ ﷺ اس کا جواب دیتے ہیں یا کسی موقع پر اہلِ ایمان اپنی جان اور مال صرف کرتے اور منافق بخل کرتے اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے، تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدح اور منافقین کی مذمت کرتے ہوئے انھیں دھمکایا۔ جب دشمنوں پر فتح ہوتی اور مومن ان کی ایذا سے محفوظ رہتے تو اللہ تعالیٰ مومنوں پر اپنا احسان جتاتا اور انھیں وہ نعمتیں یاد کرواتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ مقامات بھی ہیں، جہاں زجر و تنبیہ یا طنز و اشارے یا امر و نہی کی ضرورت تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مناسب آیات نازل فرمائیں۔

ایسے مقامات پر مفسر کو چاہیے کہ وہ ان سے متعلق قصوں کو مختصر بیان کر دے، جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، چناں چہ سورۃ الانفال میں واقعۂ بدر کی طرف اشارہ ہے، آل عمران میں احد کی طرف، احزاب میں غزوہ خندق کی طرف، سورۃ الفتح میں صلح حدیبیہ کی طرف اور سورۃ الحشر میں بنونضیر کی طرف اشارے ہیں، اسی طرح سورۃ البراءۃ میں فتح مکہ اور تبوک کے لیے ابھارا گیا ہے۔

سورۃ المائدہ میں حجۃ الوداع کی طرف، احزاب میں نکاحِ زینب کی طرف، سورۃ التحریم میں لونڈی کی تحریم کی طرف، سورۃ النور میں واقعۂ افک کی طرف، سورۃ الجن اور سورۃ الاحقاف میں جنوں کی ایک جماعت کا آنحضرت ﷺ سے تلاوتِ قرآن سننے کی طرف، سورۃ البراءۃ میں مسجد ضرار کی طرف اور سورت بنی اسرائیل کی ابتدا میں اسرا و معراج کی طرف اشارے کیے گئے ہیں۔

اگرچہ اس قسم کے مضامین بھی فی الحقیقت تذکیر بایام اللہ میں داخل ہیں، لیکن چوں کہ ان اشارات کا حل متعلقہ قصص و واقعات جاننے پر موقوف ہے، اس لیے انھیں تمام اقسام سے علاحدہ رکھا گیا۔

تیسرا باب

نظمِ قرآن کے معانی مخفی ہونے کی وجوہات کا بیان

جان لینا چاہیے کہ قرآن کریم خالصتاً عرب اول کے محاورے کے مطابق نازل ہوا، عرب لوگ قدرتی طور پر اس کے صحیح معنی سمجھ لیتے تھے، چناں چہ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب سے متعلق فرمایا:

﴿وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ [الزخرف: ٢]

[اس کتاب کی قسم جو کھول کر بیان کرنے والی ہے۔]

نیز فرمایا:

﴿قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ [يوسف: ٢]

[اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو]

مزید فرمایا:

﴿اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ﴾ [هود: ١]

[جس کی آیات محکم کی گئی ہیں، پھر انھیں کھول کر بیان کیا گیا]

شارع کی مرضی یہ ہے کہ قرآن مجید کی مشابہ آیات کی تاویل میں، اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقت کو متصور کرنے میں اور مبہم امور کی تخصیص اور قصوں کی تفصیل وغیرہ میں غور و خوض نہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ سے بہت کم سوال کیا کرتے تھے، اسی لیے سوالات کم ہی نقل کیے گئے ہیں۔ مگر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور گزر گیا اور عجمیوں کی مداخلت سے پہلی زبان متروک ہوئی، تب بعض مقامات پر شارع کی مراد کو سمجھنا دشوار اور مشکل ہو گیا، چناں چہ لغت اور علم نحو کی چھان بین کی حاجت ہوئی۔ سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا، تفسیری کتب کی تصنیف کا

آغاز ہوا۔ چناں چہ ضروری ہے کہ مشکل مقامات کا اجمالاً ذکر کر دیں اور اس کے ساتھ مثالیں بھی پیش کر دیں، تاکہ غور وخوض کے وقت طول بیانی کی ضرورت نہ رہے اور وہ مقامات خود حل ہو جائیں۔

قرآن میں غریب لفظ اور اس کی شرح کا بیان:

قرآن مجید کے مشکل مقامات میں سے ایک مقام وہ ہے جہاں لفظ کے معنی معلوم نہیں ہو پاتے اور اس کا سبب اس لفظ کا غیر مانوس یا اجنبی ہونا ہے۔ غریب لفظ کی شرح عربی لغت کے تتبع کی بنیاد پر ہوتی ہے یا اسے آیت کے سیاق وسباق سے سمجھا جاتا ہے۔ نیز اس لفظ کی جملے کی جزا کے ساتھ مناسبت سے بھی اس کا معنی جانا جاتا ہے۔ بہرحال اس کا علاج یہ ہے کہ اس لفظ کے معنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین رحمہم اللہ اور اہلِ لغت سے اخذ کیے جائیں۔

پس اس جگہ بھی عقل کا دخل موجود ہے اور اختلاف کی گنجایش ہے، کیوں کہ عربی زبان میں ایک ہی کلمہ مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور عقلیں عربوں کے استعمال کا تتبع کرنے اور اس کی سیاق وسباق کے ساتھ مناسبت کو جاننے میں مختلف ہیں۔ اسی لیے اس مسئلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے اقوال مختلف ہیں اور ہر ایک نے ایک راستہ اختیار کیا ہے۔ مفسر کو غریب کی شرح میں عربوں کے استعمالات میں سنجیدگی سے مقدمات کے احکام، مواردِ استعمال کے تتبع اور آثار کے تفحص کے بعد سوچ بچار کرنا چاہیے کہ کون سی وجہ زیادہ قوی اور راجح ہے۔ نیز سیاق وسباق کی مناسبت میں کون سی وجہ بہتر اور دل نشین ہے۔

غریب لفظ کی بہترین شرح:

قرآن مجید کے غیر معروف الفاظ کی بہترین شرح ترجمانِ قرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے، جو ابن ابی طلحہ رحمہ اللہ کے واسطے سے صحیح طور پر ہم تک پہنچی ہے اور غالباً امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں اس پر اعتماد کیا ہے۔

اس کے بعد وہ روایات جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ضحاک رحمہ اللہ کے ذریعے سے مروی ہیں، پھر نافع بن الازرق رحمہ اللہ کے سوالات پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جوابات ہیں۔ ان تین ذرائع کا ذکر علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الإتقان" میں کیا ہے۔[1] اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے ائمہ تفسیر سے جو شرح نقل کی ہے، اس کا مرتبہ ہے، پھر وہ شرحیں ہیں، جو دوسرے مفسرین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم،

[1] الإتقان للسیوطي (۱/ ۳۰۵)

تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ سے روایت کی ہیں۔ رسالہ "فتح الخبیر"[1] میں قرآن کی تمام معتبر شرحوں کو مع شانِ نزول جمع کر دیا گیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ اکثر کسی لفظ کی تفسیر اس کے لازم معنی سے کرتے ہیں اور متاخرین لغات کے تتبع اور مواقع کی تلاش میں قدیم تفسیر کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔

غرائبِ قرآن کی اقسام:

غرائبِ قرآن جن کا احادیث میں بہت اہتمام کیا گیا ہے اور اس کے بیان کے لیے ایک علاحدہ فصل مختص کی گئی ہے، اس کی چند قسمیں ہیں:

① علمِ تذکیر بآلاء اللہ کے فن میں غریب آیت وہی ہے، جو اللہ عز وجل کی صفات کی جامع ہو، جیسے آیۃ الکرسی، سورۃ الاخلاص، سورۃ الحشر کی آخری اور سورۃ المومن کی ابتدائی آیات۔

② علمِ تذکیر بایام اللہ میں غریب آیت وہ ہے، جس میں قلیل الذکر قصہ بیان کیا گیا ہو، یا جس آیت میں معلوم قصے کو اس کی تمام تر تفصیلات کے ساتھ بیان کیا گیا ہو، یا اس میں بہت ہی فائدہ مند قصہ جس کے محلِ اعتبار بہت زیادہ ہوں، ذکر کیا گیا ہو۔ چناں چہ موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری خواہش تھی کہ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے ساتھ مزید صبر کا مظاہرہ کرتے، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کا مزید قصہ بیان فرماتا۔[2]

③ علمِ تذکیر بالموت وما بعدہ کے فن میں غریب وہ آیت ہے، جو آیت احوالِ قیامت کی جامع ہو۔ لہٰذا حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے قیامت کو دیکھے تو اسے کہہ دو کہ وہ سورت ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ پڑھے۔[3]

④ علمِ احکام میں غریب وہ آیت ہے جو حدود کے بیان اور خاص وضع کی تعیین پر مشتمل ہو، جیسے زنا کی حد میں سو کوڑے مقرر کرنا، مطلقہ کی عدت میں تین حیض یا تین طہر کا تعین کرنا اور وراثت کے حصے مقرر کرنا۔

⑤ علمِ مخاصمہ میں غریب آیت وہ ہوگی جس میں غریب نہج پر سوال کا جواب دیا گیا ہو جو بلیغ ترین

---

[1] یہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جس کا نام ہے: "فتح الخبیر بما لا بد من حفظه في علم التفسير" یہ رسالہ شاہ صاحب کے کتابچے "الفوز الكبير" کا تکملہ ہے۔

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٢٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٣٨٠)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٣٣٣)

وجوہ کے ساتھ شبے کا قلع قمع کرے، یا واضح مثال کے ساتھ اس فریق کے حال کو اس کے ساتھ بیان کیا گیا ہو، جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾ [البقرة: ١٧]

[اس شخص کی مثال کی سی ہے، جس نے آگ خوب بھڑکائی]

اسی طرح بتوں کی پرستش کی برائی اور خالق ومخلوق، مالک ومملوک کے درمیان عجیب مثالوں سے فرق بیان کیا گیا ہو، یا ریاکار اور دکھلاوا کرنے والے لوگوں کے اعمال کا ضائع ہونا بلیغ ترین وجوہ سے بیان کیا گیا ہو۔

آیت کا ظاہر و باطن اور اس کا مطلع:

غرائبِ قرآن صرف مذکورہ ابواب میں محصور نہیں ہے۔ کبھی کوئی آیت بلاغتِ کلام اور خوش اسلوبی کی وجہ سے غریب ہوتی ہے، جیسے سورۃ الرحمٰن ہے۔ اس سورت کو حدیث میں "عروس القرآن" کا نام دیا گیا ہے۔ کبھی آیت کی غرابت اس میں نیک بخت اور بدبخت انسان کی صورت کشی کے حوالے سے ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے:

«لِكُلِّ آيَةٍ مِّنْهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ، وَلِكُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ»[1]

[ہر آیت کا ظاہر اور باطن ہے اور ہر سطح کا مفہوم سمجھنے کے لیے مناسب استعداد کی ضرورت ہے]

علوم پنج گانہ کا ظاہر وہ چیز ہے جو ان کا مدلول اور مفہوم ہے۔ تذکیر بآلاء اللہ کا باطن اللہ کی نعمتوں میں تفکر کرنا اور صحیح مراقبہ کرنا ہے۔ تذکیر بایام اللہ میں مدح وذم، ثواب وعذاب کی علت جاننا اور ان واقعات سے نصیحت پکڑنا ہے۔ جنت اور جہنم کی تذکیر میں خوف ورجا کا ظہور ہے اور ان امور کو عینی مشاہدے کی طرح بنانا ہے۔ آیاتِ احکام میں اشارات وکنایات کے ساتھ فقہی احکام کا استنباط کرنا ہے۔ گمراہ فرقوں سے مخاصمے میں باطن ان قباحتوں کی اصل کو جاننا اور اس طرح کی چیزوں کو اس کے ساتھ ملانا ہے۔ ظاہر کا مطلع عربی زبان اور فنِ تفسیر سے متعلقہ آثار کی معرفت حاصل کرنا ہے اور باطن کا مطلع نورِ باطن اور حالتِ سکینت کے ساتھ ذہن کا لطف اور فہم کی استقامت ہے۔ واللّٰه أعلم.

قرآن کے ناسخ ومنسوخ کا بیان:

فنِ تفسیر کے مشکل مقامات میں سے ایک مشکل مقام جس میں بہت سے اختلافات ہیں، ناسخ ومنسوخ کی معرفت ہے۔ اس میں دشواری کا سب سے بڑا سبب متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا

[1] شرح السنة للبغوي (١/ ٢٦٣) مسند أبي يعلىٰ (٩/ ٨٠)

اختلاف ہے۔ اس بارے میں صحابہ اور تابعین کے کلام سے جو کچھ اخذ کیا جا سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ نسخ کو اس کے لغوی معنی میں استعمال کرتے تھے، یعنی ایک چیز کو ہٹا کر دوسری چیز لانا نہ کہ اہلِ اصول کے اصطلاحی معنی میں کہ ان کے نزدیک ایک آیت کے بعض اوصاف کا ازالہ کسی دوسری آیت سے کرنا نسخ ہے، چاہے مدتِ عمل کی انتہا سے ہو یا کلام کو اس کے متبادر معنی سے غیر متبادر کی طرف پھیرنے سے، یا کہیں یہ بتا دیا کہ یہ اتفاق سے قید لگائی تھی یا کبھی عام کو خاص کر دیا یا قرآن کی کسی صریح آیت اور بہ ظاہر قیاس کیے ہوئے مسئلے کے درمیان فرق کرنے کے لیے یا جاہلیت کی عادت ختم کرنا یا شریعتِ سابقہ کا ازالہ کرنے کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔

ان کے نزدیک نسخ کا میدان وسیع ہے، جہاں عقل کی جولانی کے لیے بہت موقع ہے، اس لیے اختلاف کا دائرہ بھی وسیع ہو گیا اور منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی۔ اگر اس طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی تعداد غیر محدود ہے، مگر متاخرین کی اصطلاح کی رو سے منسوخ آیات کی تعداد قلیل ہے، بالخصوص اس توجیہ کے اعتبار سے جو ہم نے اختیار کی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں بعض علما کے اقوال لے کر اس پر بسیط مضمون لکھا ہے۔ جو آیتیں متاخرین کی رائے میں منسوخ ہیں، وہ ابن العربی رحمہ اللہ کی موافقت میں تحریر کی ہیں اور تقریباً بیس منسوخ آیات شمار کی ہیں، مگر ان بیس میں سے اکثر کے متعلق تامل ہے۔[1]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر" میں ابن العربی رحمہ اللہ کا کلام تعاقب کے ساتھ بیان کیا ہے، پھر اس کے آخر پر کہا ہے کہ ہماری تحریر کے مطابق صرف پانچ ہی آیات ہیں، جو نسخ کے لیے متعین کی جا سکتی ہیں۔[2] اس مسئلے کی تفصیل میرے رسالے "إفادة الشيوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ" میں تلاش کی جا سکتی ہے۔ جہاں تک نسخ کے اصطلاحی معنی کا تعلق ہے تو اس کے بیان میں اصل یہ ہے کہ یہ تاریخ کی معرفت کو کہتے ہیں، کبھی سلف صالحین کے اجماع کو اور کبھی جمہور علما کے اتفاق کو نسخ کی علامت قرار دیتے ہیں اور نسخ کے قائل ہو جاتے ہیں۔ بہت سے فقہا اس امر کا شکار ہوئے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جس چیز پر آیت صادق آتی ہے، اجماع اس پر صادق نہ آتا ہو۔ حاصل یہ کہ وہ آثار جو نسخ پر مبنی ہیں، ان میں بہت دقت ہے اور

[1] دیکھیں: الإتقان (۲/ ۶۰)

[2] الفوز الکبیر (ص: ۶۰)

غور و فکر کے ساتھ اصل بات تک پہنچنا دشوار و مشکل ہے۔ میری کتاب "حصول المأمول من علم الأصول" ان مباحث پر کافی روشنی ڈالتی ہے، اس مسئلے میں تنقید و تنقیح کے لیے اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اسبابِ نزول:

دشوار مقامات میں سے ایک اسبابِ نزول کا مسئلہ بھی ہے۔ اس کی صعوبت و دشواری کا سبب بھی متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات کا اختلاف ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے بیانات سے جو نتیجہ نکالا جا سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ حضرات جہاں یہ کہتے ہیں: "نزلت في كذا" [یہ آیت فلاں بارے میں نازل ہوئی] تو یہ کسی واقعہ سے مخصوص نہیں ہوتا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں ہوا اور نزولِ آیت کا سبب بنا ہو، بلکہ ان حضرات کی عادت یہ تھی کہ وہ ایسے مواقع کا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یا اس کے بعد آئے ہوں، ذکر کرتے تو کہہ دیا کرتے کہ یہ آیت ایسے مواقع پر نازل ہوئی ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آیت پوری طرح اس واقعہ پر منطبق ہو، بلکہ اسے اصل حکم پر منطبق ہونا چاہیے۔

کبھی ایسا بھی ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں کوئی واقعہ پیش آیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا حکم کسی آیت سے اخذ فرما کر موقع پر تلاوت کر دی۔ ایسے واقعات کو بھی بیان کرتے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم "نزلت في كذا" کہہ دیا کرتے تھے۔

کبھی وہ ان صورتوں میں کہتے: "فأنزل لله تعالىٰ قوله كذا" [اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم اس طرح نازل فرمایا] یا کہتے: "فنزلت هذه الآية" [تو یہ آیت نازل ہوئی] اس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آیت سے استنباط اور اس وقت قلب مبارک پر جو کچھ القا ہوا، وہ بھی وحی اور دل میں الہام کی ایک قسم ہے، لہٰذا ایسے موقع پر "فأنزل اللّٰه" [پس اللہ نے نازل کی] یا "فنزلت" [پس اتری] کہنا جائز ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص اسے تکرارِ نزول سے تعبیر کر لے۔

محدثین کی یہ عادت ہے کہ وہ قرآنی آیات کے ذیل میں بہت سی ایسی چیزیں ذکر کر دیتے ہیں، جو در حقیقت سببِ نزول نہیں ہوتیں، جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنے مباحثے میں کسی آیت کو بہ طور شہادت پیش کرنا یا کسی آیت سے مثال دینا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سے اپنی بات کو ثابت کرنا یا ایسی حدیث روایت کرنا جو اصل مطلب کی آیت کی موافقت میں ہو یا نزولِ آیت کے موقع کا تعین

کرنا یا جو اسما آیت میں بہ طور مبہم مذکور ہوں، ان کا تعین کرنا یا کسی قرآنی کلمے کا تلفظ کرنا یا قرآنی سورتوں اور آیتوں کے فضائل بیان کرنا یا اوامر قرآنی کی رسول اللہ ﷺ نے جس طرح تعمیل کی ہے، اس کی شکل بتانا، اس قسم کی ساری باتیں درحقیقت اسبابِ نزول میں شامل نہیں ہیں۔

مفسر کے لیے دو چیزوں کا شرط ہونا:

مذکورہ بالا باتوں کا احاطہ کرنا مفسر کے لیے ضروری نہیں ہے۔ ہاں اس کے لیے دو باتیں ضروری ہیں:

① جن قصص و واقعات کے اشارے قرآنی آیات میں آئے ہیں، ان کا اسے علم ہو، کیوں کہ آیات کے اشارے کا سمجھنا واقعات کے علم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

② اس قصے کے وہ اجزا بھی جاننے چاہییں جن سے عام باتوں کی تخصیص ہوتی ہے یا کوئی اور فائدہ حاصل ہوتا ہے، مثلاً کلام کو اس کے ظاہری معنی سے پھیرنے کے وجوہ کو جاننا، کیوں کہ اس کے بغیر آیات کے اصل مقصد کو سمجھنا ممکن نہیں۔

یہ بات جان لینا چاہیے کہ حدیث میں انبیا کے قصص کم بیان ہوئے ہیں۔ وہ لمبے چوڑے قصے جو مفسرین بیان کرتے ہیں وہ اہلِ کتاب کے علما سے منقول ہیں۔ إلا ما شاء اللّٰہ.

صحیح بخاری میں مرفوعاً مروی ہے:

«لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ»[1] [اہلِ کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب]

اسبابِ نزول میں جزوی واقعات کا ذکر:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ مشرکین اور یہود کے مذاہب اور ان کی جاہلانہ عادات کے جو جزوی قصے بیان کرتے ہیں، اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ عقائد و عادات واضح ہو جائیں۔ ایسے مواقع پر وہ کہہ دیا کرتے ہیں:

"نزلت الآیة في کذا" [اس کے بارے میں اس طرح آیت نازل ہوئی]

اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آیت اس طرح کے واقعات سے متعلق اتری۔ ایسا کہنے سے ان کی مراد عام ہوتی ہے، خواہ سببِ نزول وہی واقعہ ہو یا اسی طرح کا کوئی اور واقعہ یا آیت اس

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٤٢١٥)

کے قریب ہی نازل ہوئی ہو۔ خاص موقع پر ظاہر کرنے سے ان کا مقصد اس کی تخصیص کا اظہار کرنا نہیں ہوتا۔ صرف یہ غرض ہوتی ہے کہ یہ صورت ان امورِ کلیہ کے لیے ایک اچھی مثال ہے۔ اس ضمن میں اکثر اوقات ان کے اقوال میں باہم اختلاف ہوتا ہے اور ہر ایک کی بات ایک جانب کو جھکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، مگر اصل میں سب کے مقاصد متحد ہوتے ہیں۔

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ کوئی شخص فقیہ نہیں ہوسکتا، جب تک اس میں ایک آیت کو متعدد مواقع پر اطلاق کرنے کا ملکہ پیدا نہ ہو جائے۔[1]

دو صورتیں:

اسی بنا پر قرآن مجید میں یہ اسلوب بہ کثرت اختیار کیا گیا ہے، اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک سعید کی، اس کے تحت سعادت کے بعض اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ دوسری شقی کی، جس کے تحت بعض اوصافِ شقاوت مذکور ہیں۔ عام طور پر اس سے غرض ان اوصاف و اعمال کے احکام کا بیان ہے، کسی شخص کی طرف تعریض یا اشارہ کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ کسی شخص میں بعینہٖ وہی خصوصیات پائی جاتی ہوں، چناں چہ درجہ ذیل آیت میں ایک بیج سے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

﴿كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾ [البقرة: ٢٦١]

[ایک دانے کی مثال کی طرح ہے، جس نے سات خوشے اگائے، ہر خوشے میں سو دانے ہیں]

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر بیج یا دانہ اس صفت کا ہو، بلکہ اس سے مقصد تو صرف اجر و ثواب کی زیادتی کی تصویر کشی ہے۔ اگر کوئی صورت ایسی ہو جس میں بہت سی یا سبھی خصوصیات میں توافق پایا جائے تو وہ "لزوم ما لا یلتزم" [جس کا چسپاں ہونا ضروری نہیں تھا، مگر چسپاں ہو گیا یعنی: ہم خرما ہم ثواب] میں شمار ہو گی۔

فرضی سوال و جواب

بعض اوقات کسی ایسے شبہے کو دور کیا جاتا ہے، جو بہ ظاہر پیدا ہوسکتا ہے یا کسی قریب الفہم

[1] الإتقان (١/ ٤٠٩) البرهان (١/ ٤٥٤)

سوال کا جواب کلامِ سابق کو واضح کرنے کے ارادے سے دیا جاتا ہے۔ گو اس زمانے میں نہ کسی نے شبہہ ظاہر کیا ہوتا ہے اور نہ کسی نے کوئی سوال۔ بہت دفع ایسا ہوا ہے کہ ایسے موقع پر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گفتگو کرتے تو کوئی سوال وہ بہ طور خود کرتے اور مطلب کو سوال و جواب کی صورت میں بیان کر دیتے۔ اگر ہم غور کر کے تحقیق و تلاش سے ان کی ساری گفتگو جمع کر لیں تو وہ سب باہم متصل و مربوط معلوم ہوں گی، جس میں ترتیبِ نزول کے لحاظ سے مقدم یا موخر کہنے کی گنجایش نہیں رہے گی۔ یہ گویا ایسا منظّم جملہ ہوگا جس کی حد بندی کا تجزیہ کسی قاعدے سے نہیں ہوسکتا۔

رتبے میں تقدم و تاخر:

بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تقدیم و تاخیر کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد مرتبے کے لحاظ سے تقدیم و تاخیر ہوتی ہے، جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آیت: ﴿وَ الَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَ الْفِضَّةَ﴾ کے بارے میں کہا کہ یہ آیت زکات نازل ہونے سے پہلے کی ہے۔ پھر جب زکات نازل ہوئی تو اللہ نے اسے اموال کے لیے پاک ہونے کا ذریعہ بنایا۔[1]

حالاں کہ یہ بات تو معلوم ہے کہ مذکورہ بالا آیت سورۃ البراءہ کی ہے، جو سب سورتوں کے بعد نازل ہوئی، اس لیے یہ آیت ان واقعات میں سے ہے جو سب سے متاخر ہیں۔ جب کہ زکات اس سے کئی سال پہلے فرض ہوئی، مگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد یہاں یہ بات کہنے سے یہ ہے کہ اجمال کا مرتبہ تفصیل کے مرتبے سے مقدم ہوتا ہے۔

دو شرطیں:

حاصل یہ کہ مفسر کے لیے جو امور ضروری ہیں وہ صرف دو قسم کے ہیں۔ ایک یہ کہ غزوات وغیرہ کے واقعات کا علم ہو، جن کی خصوصیات کی طرف مختلف آیتوں میں اشارے پائے جاتے ہیں، کیوں کہ جب تک یہ علم نہ ہو، تب تک متعلقہ آیات کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوسکتی۔

دوسرے یہ کہ بعض قیود کے فوائد اور بعض مقامات پر سختی کے اسباب سے واقفیت ہو اور یہ بات کیفیتِ نزول کا علم ہونے پر موقوف ہے۔ یہ دوسری بحث درحقیقت ''فنونِ توجیہ'' میں سے ایک فن ہے۔ توجیہ کے معنی ہیں کلام کی صورتِ اصل کو دکھانا۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٤٠٤)

محدثین کے نزدیک اصح التفاسیر:

محدثین کے نزدیک اصح التفاسیر وہ ہے جسے بخاری، ترمذی اور حاکم رحمہم اللہ نے اسبابِ نزول اور توجیہِ مشکل کو اپنی تفسیروں میں صحیح اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین عظام رحمہم اللہ تک پہنچایا ہے۔ مفسر کے لیے ان آثار (روایات) کا یاد رکھنا ضروری ہے۔ آیات کے معانی سمجھنے میں اکثر اسباب نزول کی ضرورت نہیں، البتہ ان قصوں کا کچھ دخل ضرور ہے۔ اکثر آیات اپنے مواقع اور موارد پر مقصور نہیں ہیں، بلکہ عمومِ لفظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خصوصِ سبب کا۔

محمد بن اسحاق، واقدی اور کلبی نے ہر آیت کے تحت جو قصہ بیان کیا ہے، انھوں نے افراط سے کام لیا ہے۔ محدثین کے نزدیک ان کا اکثر حصہ صحیح نہیں ہے اور جو اسانید پیش کی ہیں، وہ محلِ نظر ہیں۔ ان لوگوں کی اس زیادتی کو تفسیر کے لیے ضروری سمجھنا صریح غلطی ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن فہمی اس کے یاد رکھنے پر موقوف ہے، ان کو قرآن سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

تفسیری کتب میں روایت کردہ آثار اور ان کے متعلقات

کتبِ تفسیر میں جو آثار روایت کیے گئے ہیں، ان میں سے کچھ آثار سببِ نزول سے متعلق ہیں اور سببِ نزول کی دو قسمیں ہیں:

① پہلی قسم یہ ہے کہ کوئی ایسا حادثہ پیش آیا، جس میں مومنوں کا ایمان اور منافقوں کا نفاق ظاہر ہو گیا، جیسے جنگِ احد اور غزوہ احزاب میں ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدح اور منافقوں کی مذمت کی، تاکہ دونوں فریقوں کے درمیان فرق و امتیاز ہو جائے۔ اس مدح و ذم کے سلسلے میں حادثے کی خصوصیات کے ساتھ ساتھ بہت سی تعریضات کا ظہور ہوا، لہٰذا ضروری ہے کہ مختصر کلام کے ساتھ اس واقعے کی شرح کر دی جائے، تاکہ ان آیات کے پڑھنے والے پر سیاقِ کلام واضح ہو جائے۔

② دوسری قسم وہ ہے کہ آیت کا معنی و مفہوم اپنے عموم کے ساتھ اس واقعے کو جانے بغیر، جو اس کا سببِ نزول ہے، مکمل ہو۔ کیوں کہ اعتبار عمومِ لفظ کا ہے نہ کہ خصوصِ سبب کا۔

قدیم مفسرین نے کسی آیت کی مناسبت میں آثار جمع کرنے یا اس عموم کے صادق آنے کے ارادے سے وہ قصہ ذکر کیا ہوتا ہے۔ سببِ نزول کی اس قسم کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ تھے، جو "نزلت في كذا و كذا" [یہ آیت اس اور اس واقعے کے بارے میں نازل ہوئی] کہا کرتے تھے۔ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ آیت کے مصداق کی تصویر کشی ہو جائے اور بعض ان حوادث کا ذکر ہو جائے، جس کو آیت اپنے عموم کے ساتھ شامل ہے، خواہ قصہ پہلے کا ہو یا بعد کا، اسرائیلی ہو یا جاہلی یا اسلامی اور آیت کی تمام قیود کو اپنے اندر لیے ہوئے ہو یا ان میں سے بعض کو شامل۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قسم میں اجتہاد کا بھی دخل ہے اور متعدد قصوں کے اس میں شامل ہونے کی گنجایش ہے۔ چناں چہ جو شخص اس نکتے کو ازبر کر لے، وہ تھوڑی سی توجہ کے

ساتھ سببِ نزول کے اختلاف کے حل کو جان لے گا۔

اس سلسلے میں یہ بھی یاد رکھیں کہ قرآنی آیات کی ترتیب میں جس قصے کی طرف اشارہ موجود ہو، اس کی تفصیل بیان کر دی جائے۔ مفسرین ایسے مواقع پر اسرائیلی واقعات یا تاریخ وسوانح سے قصہ اخذ کرتے ہیں اور اس کے تمام پہلو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ یہاں ایک اور وضاحت کی بھی ضرورت ہے کہ اگر کسی آیت میں بہ ظاہر کسی لفظ سے اشارہ پایا جاتا ہو، جس پر اہلِ زبان رک جائے اور اس کی تلاش کرنے لگے تو مفسرین کا فرض ہے کہ اس کی توضیح کر دیں اور جس آیت میں ایسی کوئی بات نہ ہو، وہاں ایسی کاوش کرنا لایعنی تکلف ہے۔ مثلاً بنی اسرائیل کے قصہ بقرہ کے متعلق کہ وہ نر تھی یا مادہ، یا اصحابِ کہف کے کتے کے بارے میں کہ وہ چتکبرا تھا یا سرخ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسی باتوں کو برا سمجھتے تھے اور اسے تضییعِ اوقات میں شمار کرتے تھے۔

یہاں پر دو اور نکتے کی باتیں یاد رکھنے کے لائق ہیں۔ ایک یہ کہ سنے ہوئے قصے کو بغیر کسی عقلی تصرف کے بیان کر دیا جائے۔ قدیم مفسرین کی ایک جماعت نے ایسا نہیں کیا ہے۔ وہ کسی آیت میں تعریض ہی کے پیچھے نہیں پڑ گئے۔ انھوں نے کوئی مناسب موقع فرض کر لیا اور بہ صورت احتمال اس پر تقریر کی، جس کی بنا پر بعد میں آنے والے مفسرین کو اشتباہ ہو گیا۔ ایسا اکثر ممکن ہے، کیوں کہ جو تقریر بہ صورتِ احتمال ہوتی ہے، آگے جا کر وہ پکی تقریر کے مشابہ ہو جاتی ہے، کیوں کہ اگلے زمانے میں تقریر کے اسباب آج کل کی طرح خالص نہیں تھے۔

یہ مسئلہ اجتہادی ہے، اس میں عقل لڑانے کی گنجایش ہے، اس میں عقل کا دائرہ اور بحث کا میدان بہت وسیع ہے۔ جو شخص اس نکتے کو یاد رکھے گا، وہ اکثر مقامات پر مفسرین کے اختلاف کا فیصلہ کر سکے گا۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بہت سے مناظرات کے متعلق اس پر حقیقت واضح ہو جائے گی کہ وہ ان کا قول اور مسلک نہیں ہے۔ وہ تو صرف ایک علمی بحث ہے، جیسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول جو انھوں نے آیت: ﴿وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ [اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھولو)] کے بارے میں فرمایا تھا:

"لَا أَجِدُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ إِلَّا الْمَسْحَ، لٰكِنَّهُمْ أَبَوا إِلَّا الْغُسْلَ"[1]

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٥٨) یہ اثر ضعیف اور منکر ہے۔ علاوہ ازیں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس قول سے رجوع بھی مروی ہے۔ دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (٢/ ٣١)

[میں تو قرآن میں پاؤں کا مسح ہی پاتا ہوں، لیکن لوگ صرف دھونے ہی کے قائل ہیں]

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما مسح کے واجب ہونے کی طرف نہیں گئے ہیں اور نہ ہی ان کے قول میں کوئی ایسی یقینی بات ہے، جسے مسح کی رکنیت پر محمول کیا جا سکے۔ اصل میں وہ اس جگہ ایک مشکل کا بیان اور ایک احتمال کا اظہار کر رہے ہیں، جس سے مقصد یہ ہے کہ وہ دیکھیں کہ علمائے زمانہ اس تعارض میں مطابقت کیوں کر پیدا کرتے ہیں اور کون سی روش اختیار کرتے ہیں۔ جو لوگ اسلاف کے محاورے یا اندازِ بیان سے ناواقف ہیں، وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کو ان کا مذہب سمجھنے لگے۔ حاشا و کلا۔

دوسری نکتے کی بات یہ ہے کہ اسرائیلی روایات کی بلا ہمارے دین میں داخل ہو گئی ہے، حالاں کہ یہ قاعدہ بنا دیا گیا ہے کہ ان کی کتاب کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب۔ اس قاعدے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

① قرآن کی تعریض کا بیان جب ہمارے نبی کریم ﷺ کی حدیث میں مل جائے تو اہلِ کتاب سے نقل کرنے کے ہم مرتکب نہ ہوں۔

② تعریض کے اقتضا کے مطابق ہی بیان محدود رہے، تاکہ اس کی تصدیق قرآنی شہادت سے ہو سکے۔ اس سے زیادہ بیان سے زبان کو روکنا چاہیے۔

یہاں ایک نہایت لطیف نکتہ ہے، جسے ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ قرآن میں کبھی کسی جگہ ایک قصے کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اور دوسری جگہ اس کی تفصیل ہوتی ہے۔ لہٰذا اس تفصیل سے اجمالِ سابق کی تفصیل کر سکتے ہیں اور اس اجمال سے تفصیل کی طرف منتقل ہو سکتے ہیں۔

احکام ومسائل کا استنباط

توجیہ کا بیان:

فنونِ تفسیر میں سے ایک، توجیہ ہے۔ توجیہ وہ فن ہے جس کی بہت سی شاخیں ہیں، جنھیں شارحین اصل عبارت کی شرح کرنے میں استعمال کرتے ہیں۔ جس سے ان کی ذکاوت کا امتحان اور ان کے درجوں کا فرق معلوم ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کی توجیہ سے متعلق بہت گفتگو کی ہے، حالاں کہ اس زمانے میں توجیہ کے اصول وقواعد نہیں بنے تھے۔

توجیہ کی حقیقت یہ ہے کہ اگر شارح کو مصنف کے کلام کو سمجھنے میں کسی دشواری کی بنا پر رک جانا پڑے تو اس کو حل کر دے۔ چوں کہ کتاب پڑھنے والوں کے ذہن ایک ہی طرح کے نہیں ہوتے، اس لیے توجیہ بھی ایک سی نہیں ہوتی۔ مبتدیوں کی توجیہ کچھ اور ہوتی ہے اور منتہیوں کی توجیہ کچھ اور۔ بسا اوقات منتہی کے دل میں کوئی ایسی مشکل پیدا ہو جاتی ہے، جسے حل کرنے کی اسے ضرورت ہوتی ہے، مگر مبتدی اس سے غافل ہوتا ہے، وہ اس کی سمجھ سے باہر ہوتا ہے۔ کلام کا بہت سا حصہ مبتدی کے لیے مشکل ہوتا ہے، مگر منتہی کے ذہن میں کوئی بات مشکل نہیں ہوتی۔ مگر جسے عوام کی مختلف ذہنیتوں کا احاطہ کرنا ہوتا ہے، وہ انھی کی سطح پر آتا ہے اور ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔

توجیہ کا معنی کلام کی وجہ کا بیان کرنا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات کسی آیت میں کوئی ایسا ظاہری شبہہ آ جاتا ہے، جو اس صورت سے بعید ہوتا ہے جو اس آیت کا مدلول ومفہوم ہے یا دو آیتوں کا باہم تناقص وتعارض ہوتا ہے یا آیت کے مصداق کا تصور مبتدی کے ذہن پر مشکل ہوتا ہے اور قید کا فائدہ اس کے ذہن میں نہیں بیٹھتا۔ جب مفسر اس اشکال کا حل کرتا ہے تو مفسر کے اس حل کو توجیہ کہتے ہیں، جیسے آیت: ﴿ يَٰٓأُخْتَ هَٰرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴾ سے متعلق لوگوں نے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان بہت لمبا فاصلہ ہے تو پھر ہارون علیہ السلام مریم علیہا السلام کے بھائی کیسے بن گئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا کہ بنی اسرائیل کی یہ

عادت تھی کہ اپنے سے پہلے نیک لوگوں کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھتے تھے۔[1]

اسی طرح جب یہ سوال کیا گیا کہ قیامت کے دن آدمی اپنے چہرے کے بل کیسے چلے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الَّذِي أَمْشَاهُ فِي الدُّنْيَا عَلَىٰ رِجْلَيْهِ لَقَادِرٌ أَنْ يُمْشِيَهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ»[2]

[وہ (اللہ) جس نے دنیا میں اس (آدمی) کو اس کی ٹانگوں پر چلایا، یقیناً وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اسے اس کے چہرے کے بل چلا دے]

اور جیسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے پوچھا کہ ایک آیت میں تو آیا ہے:

﴿لَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ [القصص: ٦٦]

[وہ ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے]

جب کہ دوسری آیت میں آیا ہے:

﴿وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ﴾ [الصآفات: ٢٧]

[اور ان کے بعض بعض کی طرف متوجہ ہوں گے، ایک دوسرے سے سوال کریں گے]

انھوں نے جواب دیا کہ ایک دوسرے سے سوال نہ کرنا یہ میدانِ محشر میں ہوگا اور سوال کرنا جنت میں داخل ہونے کے بعد ہوگا۔[3]

عائشہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ اگر صفا و مروہ کی سعی واجب ہے تو پھر قرآن میں: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ کیوں آیا ہے؟ اماں جی نے جواب دیا کہ ایک قوم نے صفا اور مروہ کی سعی میں حرج محسوس کرتے ہوئے اجتناب کیا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ﴾ [البقرة: ١٥٨]

[بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، تو جو کوئی اس گھر کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ دونوں کا خوب طواف کرے اور جو کوئی خوشی سے کوئی نیکی

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢١٣٥)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٤٤٨٢) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٨٠٦)

[3] تفسیر الطبري (٩/ ٢٤٤) المستدرك (٢/ ٤٢٨)

کرے تو بے شک اللہ قدر دان ہے، سب کچھ جاننے والا ہے][1]

عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آیت: ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ [النساء: ١٠١] میں اس قید "إِنْ خِفْتُمْ" کا کیا معنی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا»[2] [یہ ایک صدقہ (رخصت) ہے جو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے]

یعنی یہ اتفاقی قید ہے۔ توجیہ آیات کی مثالیں بہت زیادہ ہیں، جو ہماری تفسیر ("فتح البیان" عربی اور "ترجمان القرآن" اردو) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس جگہ بس اس کے معنی و مفہوم پر تنبیہ کرنا مقصود ہے۔

توجیہِ آیات کی مختلف وجوہ:

آیاتِ مباحثہ میں اچھی توجیہ وہ ہے، جس میں بحث و حجت کرنے والی جماعتوں کے طریقوں کا بیان ہو اور اس میں وجہِ الزام کی صراحت کی گئی ہو۔ آیاتِ احکام میں بہتر توجیہ وہ ہے، جس میں سائل کی مختلف صورتوں کی وضاحت کی گئی ہو اور قیود کے فوائد وغیرہ کا ذکر ہو۔ تذکیر بآلاء اللہ کی آیتوں میں بہتر توجیہ وہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تصویر کشی کی گئی ہو اور ان کے چھوٹے چھوٹے یا جزوی مقامات ظاہر کیے گئے ہوں۔ اسی طرح تذکیر بأیام اللہ کی آیتوں میں اچھی توجیہ وہ ہے، جس میں واقعات باہم مرتب ہوں اور ان میں جو تعریض یا اشارے ہوں، ان کی وضاحت کا حق ادا ہو جائے۔ موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات سے متعلق آیات کی اچھی توجیہ وہ ہے، جس میں اس وقت کی تصویر کھینچی گئی ہو اور متعلقہ حالات کی توضیح ہو۔

فنونِ توجیہ کا بیان:

فنونِ توجیہ میں یہ امر بھی شامل ہے کہ جو چیزیں نامانوس ہونے کی وجہ سے فہم سے دور ہیں، وہ فہم کے قریب کر دی جائیں۔ دو دلیلیں جب ایک دوسرے کے خلاف ہوں تو ان میں فیصلہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح دو تعریفوں اور معقول و منقول کے درمیان ٹکراؤ ہو تو اسے بھی دور کرنا چاہیے۔ دو

---

[1] تفسير الطبري (٢/ ٦٤)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٦٨٦)

مشتبہ چیزوں کا فرق ظاہر کر دیا جائے اور حسبِ ضرورت دو مختلف باتوں میں مطابقت پیدا کی جائے۔ جس آیت میں کسی وعدے کی طرف اشارہ ہو، اس کی سچائی ظاہر کی جائے۔ قرآن عظیم میں جس بات کا حکم دیا گیا ہو، اس پر رسول اللہ ﷺ کے عمل کی کیفیت بتا دی جائے۔

الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر میں توجیہ کثرت سے ہے۔ اس دشوار مقام کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتا، جب تک دشواری کا سبب تفصیل سے نہ بیان کر دیا جائے۔ اس کے بعد دشواری کے حل پر مفصل گفتگو کی جائے، پھر اقوال کو تولا جائے۔

قرآن مجید میں تصرفاتِ نحویہ کا بیان

کلام کا مطلب مخفی رہنے کی وجوہ:

کلام کا اصل مطلب جن وجوہ سے مخفی رہتا ہے، وہ درج ذیل ہیں:

① کلام کے بعض اجزا یا حروف محذوف ہوں۔

② ایک شے کو دوسری شے سے بدلا گیا ہو۔

③ مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کر دیا گیا ہو۔

④ متشابہات، تعریضات اور کنایات استعمال کیے گئے ہوں اور معنی مقصود کی تصویر کشی ان محسوسات کے ذریعے سے کی گئی ہو، جو عادت میں اس معنی کو لازم ہوں۔

⑤ استعارہ بالکنایہ اور مجازِ عقلی کا استعمال کیا گیا ہو۔

اب ہم ان سے متعلق بہ طورِ اختصار چند مثالیں پیش کرتے ہیں، تاکہ ان سے بصیرت حاصل ہو۔

حذف اور اس کی اقسام:

حذف کی بہت سے قسمیں ہیں: حذفِ مضاف، حذفِ موصوف اور حذفِ متعلقات وغیرہ۔

یہ بات بھی جان لینا چاہیے کہ قرآن مجید میں "إنَّ" کی خبر اکثر محذوف ہوتی ہے۔ اسی طرح شرط کی جزا، مفعولِ فعل اور مبتدا وغیرہ بھی عام طور پر محذوف ہوتے ہیں، مگر ایسا اس وقت ہوتا ہے جب بعد میں آنے والا لفظ حذف پر دلالت کرتا ہو۔

نیز یہ بھی جاننا چاہیے کہ ﴿إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ﴾ اور ﴿إِذْقَالَ مُوسَىٰ﴾ جیسے مقامات میں "إذ" اصل میں "ظرفِ فعلی" ہوتا ہے، مگر یہاں خوف پیدا کرنے اور ڈرانے کے معنی کی طرف نقل کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ کوئی شخص کسی ہول ناک موقع یا ہول ناک واقعہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ کئی باتوں کا بیان اس طرح کرتا ہے کہ اس میں جملے کی ترکیب، تسلسل اور اعراب کو مدنظر نہیں

رکھتا، بلکہ اس واقعے کا نقشہ مخاطب کے ذہن میں جمانا مقصود ہوتا ہے، تاکہ اس کے دل پر خوف طاری ہو جائے۔ لہٰذا اس طرح کی جگہوں میں اس عامل کی جستجو کرنا کوئی ضروری نہیں ہوتا۔

اسی طرح وہ "أَنْ" جس سے مصدری معنی پیدا ہوتے ہیں، اس کے شروع میں حرفِ جر کو حذف کرنا عربی زبان میں عام ہے۔ اس کے معنی کبھی "لِأَنْ" کبھی "بِأَنْ" اور کبھی "إِنَّ" کے ہوتے ہیں۔

یہ بھی جاننا چاہیے کہ ﴿وَلَوتَرىٰ﴾، ﴿وَلَوْ يَرىٰ﴾ اور ﴿إِذْ يَرَوْنَ﴾ جیسی آیات جن میں "لَوْ" آتا ہے، ان کی اصل یہ ہے کہ وہاں پر شرط کے بعد جوابِ شرط محذوف ہوتا ہے۔ اہلِ عرب اس طرح کی ترکیب مخاطب میں تعجب پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس لیے محذوف کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

اِبدال کا بیان:

اِبدال جو کلام میں تصرف کو کہتے ہیں، یہ کئی طرح پر ہوتا ہے:

◈ کبھی تو ایک فعل کو دوسرے فعل کی جگہ مختلف اغراض کے لیے رکھتے ہیں۔ اس جگہ ان اغراض کا تفصیل کے ساتھ ذکر کرنا دشوار ہے۔ البتہ چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں:

① آیت: ﴿اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ﴾ میں "یَسُبُّ آلِهَتَکُمْ" کے بجائے ﴿یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ﴾ کا ذکر کرنا، کیوں کہ گالی کا لفظ مکروہ تھا۔

② آیت: ﴿مِنَّا لَا یُصْحَبُوْنَ﴾ میں "مِنَّا لَا یُنْصَرُوْنَ" کے بجائے ﴿مِنَّا لَا یُصْحَبُوْنَ﴾ چونکہ نصرت اجتماع اور مصاحبت نہیں ہو سکتی، اس لیے "یُنْصَرُوْنَ" کے بدلے "یُصْحَبُوْنَ" آیا ہے۔

③ آیت: ﴿ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ میں "خَفِیَتْ" کے بدلے ﴿ثَقُلَتْ﴾ بولا ہے، کیوں کہ جب کوئی چیز پوشیدہ ہوتی ہے تو آسمان و زمین والوں پر اس کا علم دشوار اور ثقیل ہوتا ہے۔

◈ کبھی ایک اسم کو دوسرے اسم سے بدل دیتے ہیں۔ اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

① آیت: ﴿فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ﴾ میں اسم "خَاضِعَةٌ" کے بدلے ﴿خٰضِعِیْنَ﴾ استعمال کیا ہے۔

② آیت: ﴿فَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾ میں "اَلْقَانِتَاتِ" کے بدلے ﴿اَلْقٰنِتِيْنَ﴾ استعمال ہوا ہے۔

③ آیت: ﴿وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ میں "ناصر" کے بدلے ﴿نٰصِرِيْنَ﴾ استعمال ہوا ہے۔

③ کبھی ایک حرف کو دوسرے حرف کی جگہ لاتے ہیں۔ اس کی مثالیں یہ ہیں:

① آیت: ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ﴾ میں "عَلَى الْجَبَلِ" کے بدلے ﴿لِلْجَبَلِ﴾ بولا ہے۔

② آیت: ﴿هُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ﴾ میں "إِلَيْهَا سَابِقُوْنَ" کے بدلے ﴿لَهَا سٰبِقُوْنَ﴾ استعمال ہوا ہے۔

③ آیت: ﴿لَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ میں "عَلٰى جُذُوْعِ النَّخْلِ" کے بدلے ﴿فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ بولا ہے۔

④ آیت: ﴿اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ﴾ میں "يَسْتَمِعُوْنَ عَلَيْهِ" کے بدلے ﴿يَسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ﴾ استعمال ہوا ہے۔

⑤ آیت: ﴿اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ﴾ میں "مُنْفَطِرٌ فِيْهِ" کے بدلے ﴿مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ﴾ استعمال ہوا ہے۔

⑥ آیت: ﴿مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ﴾ میں "عَنْهُ" کے بدلے ﴿بِهٖ﴾ بولا گیا ہے۔

⑦ آیت: ﴿اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ﴾ میں "عَلَى الْإِثْمِ" کے بدلے ﴿بِالْاِثْمِ﴾ استعمال ہوا ہے۔

④ کبھی ایک جملے کو ایک دوسرے جملے کی جگہ لے آتے ہیں، مثلاً ایک جملہ دوسرے جملے کے حاصلِ مضمون پر دلالت کرتا ہے اور اس کی موجودگی کا سبب ہوتا ہے تو پہلے جملے کو دوسرے جملے سے بدل دیا جاتا ہے، جیسے

① آیت: ﴿وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ﴾ کا مطلب ہے "إِنْ تُخَالِطُوْهُمْ لَا بَأْسَ بِذٰلِكَ لِأَنَّهُمْ إِخْوَانُكُمْ، وَشَأْنُ الْأَخِ أَنْ يُّخَالِطَ أَخَاهُ" [اگر تم ان کو اپنے ساتھ ملا لو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ وہ تمھارے بھائی ہیں اور بھائی کی صفت ہے کہ وہ اپنے بھائی کو اپنے ساتھ ملا لیتا ہے] اس آیت میں "لَا بَأْسَ بِذٰلِكَ" کے بدلے ﴿فَاِخْوَانُكُمْ﴾ استعمال ہوا ہے۔

④ آیت: ﴿لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ﴾ کا معنی ہے: "لَوَجَدُوْا ثَوَابًا وَمَثُوْبَةٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ" [یقیناً وہ اس کا ثواب اور بدلہ اللہ کی طرف سے پائیں گے] اس آیت میں بھی ﴿لَمَثُوبَةٌ﴾ "لَوَجَدُوْا" کے حاصلِ معنی پر دلالت کرتا ہے، اس لیے اس کا بیان کیا گیا ہے۔

⑤ بعض اوقات اصل جملہ کسی لفظ کو نکرہ کی صورت میں استعمال کرنے کا مقتضی ہوتا ہے، مگر اس کے ساتھ لامِ تعریف یا اضافت داخل کر کے تصرف کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں مفہوم نکرہ ہی کا رہتا ہے، مثلاً آیت: ﴿وَقِيلِهِ يَٰرَبِّ﴾ کا مطلب ہے: "قِيْلَ لَهُ: يَا رَبِّ" [اسے کہا گیا: اے میرے رب!] یہی مفہوم ﴿وَقِيلِهِ يَٰرَبِّ﴾ میں آ گیا ہے۔ اسی طرح آیت: ﴿حَقُّ الْيَقِينِ﴾ کا معنی ہے: "حَقٌّ يَقِيْنٌ" ان کی اضافت اس لیے ہے کہ اس سے تلفظ میں سہولت ہے۔

⑥ کبھی کلام کا طبعی قاعدہ اس کے مذکر ضمیر یا اس کی تانیث یا اس کے واحد ہونے کا تقاضا کرتا ہے، مگر کلام کو طبعی قاعدے سے ہٹا کر مذکر کے بدلے مونث اور مونث کے بجائے مذکر اور واحد کی جگہ جمع لاتے ہیں اور اس میں صرف معنی و مطلب کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

⑦ کبھی تثنیہ کے بجائے واحد مذکور ہوتا ہے۔

⑧ کبھی جملے کی طبعی ساخت کا اقتضا یہ ہوتا ہے کہ جزا کو صورتِ جزا میں، شرط کو صورتِ شرطیہ میں اور جوابِ قسم کو جوابِ قسم کی صورت میں رکھا جائے۔ تاہم اس میں بھی بعض اوقات تصرف کرتے ہیں اور جزا کو ایک مستقل اور متانف جملہ بنا دیتے ہیں۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کسی خاص معنی کی طرف میلان ہو، مگر اس کے ساتھ کوئی ایسی بات قائم رکھتے ہیں، جو کسی نہ کسی لحاظ سے اصل بات کی طرف راہنمائی کرے۔

⑨ کبھی کلام کے اسلوب کو پلٹ دیا جاتا ہے، مثلاً جہاں اسلوبِ کلام کا مقتضا خطاب ہوتا ہے، وہاں غائب لے آتے ہیں۔

⑩ کبھی خبر کی جگہ اِنشا اور اِنشا کی جگہ خبر لے آتے ہیں، جیسے "أَرَأَيْتَ" [کیا تو نے دیکھا] یہ اصل میں "رُؤْيَةٌ" سے استفہام ہے، کیوں کہ شروع میں ہمزہ استفہامیہ ہے۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ اس اسلوب سے آیندہ کے کلام کو سننے کے لیے ذہن خبردار ہو جائے، جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے: کیا تم نے کچھ دیکھا؟ کیا تم نے کچھ سنا؟

تقدیم وتاخیر:

تقدیم وتاخیر سے بھی مطلب سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے، اسی طرح الفاظ کا امرِ بعید سے تعلق وغیرہ بھی دشواری کا موجب ہوتا ہے۔

کلام کے مروجہ طریقوں پر زیادتی:

کلام کے مروجہ طریقوں پر زیادتی کئی طرح سے ہوتی ہے:

① کبھی تو صفت سے ہوتی ہے۔

② کبھی ابدال سے اضافہ ہوتا ہے۔

③ کبھی عطف تفسیری سے اضافہ ہوتا ہے۔

④ کبھی تکرار سے اضافہ ہوتا ہے۔

⑤ بعض اوقات فاعل یا مفعول پر حرفِ جر زیادہ کرتے ہیں اور اسے حرفِ جر کے واسطے سے فعل کا مفعول بناتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعے سے مفعول اور فعل پر زور و تاکید ہو جائے۔ چنانچہ ''واؤ'' اکثر مقامات پر تاکیدِ اتصال کے لیے آتا ہے، بہ طور حرفِ عطف نہیں۔ اسی طرح ''ف'' بھی زائد آتا ہے۔ بعض اوقات عبارت میں ضمیروں کے منتشر ہونے اور ایک کلمے کے دو معنی مراد لینے سے فہمِ مطلب میں دشواری ہوتی ہے۔ اسی طرح ''جَعَلَ'' اور ''شَيْئٌ'' وغیرہ بھی مختلف معنوں میں مستعمل ہیں۔ ''جَعَلَ'' کبھی تو ''خَلَقَ'' کے معنی میں آتا ہے اور کبھی ''اِعْتَقَدَ'' کے مفہوم میں ہوتا ہے۔ لفظِ ''شَيْئٌ'' کبھی فاعل کی جگہ آتا ہے اور کبھی مفعول بہ یا مفعول مطلق وغیرہ کی جگہ میں ہوتا ہے، جیسے: ﴿أَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾ اس آیت میں ﴿غَيْرِ شَيْءٍ﴾ سے مراد ''غَيْرِ خَالِقٍ'' ہے۔ کبھی ''أمر''، ''نبأ'' اور ''خَطْب'' سے مراد وہ چیز ہوتی ہے، جس کے متعلق کچھ بتایا جا رہا ہو، جیسے: ﴿هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ﴾ یعنی عجیب قصہ ہے۔

اسی طرح ''خیر''، ''شر'' اور ان کے ہم معنی الفاظ مختلف مقامات پر مختلف معنوں میں مستعمل ہوتے ہیں۔ انتشارِ آیات بھی اسی قسم (انتشارِ ضمائر) میں داخل ہے، مثلاً ایک آیت کا حقیقی مقام قصے کے اختتام کے بعد ہوتا ہے، مگر اسے اس سے پہلے بیان کر دیا جاتا ہے، پھر قصے کا سلسلہ شروع ہو جاتا

ہے اور اسے مکمل کیا جاتا ہے۔[1] کبھی کوئی آیت نزول میں مقدم ہوتی ہے، مگر تلاوت میں موخر اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ کبھی کفار کے قول کے اثنا ہی میں جواب درج کر دیا جاتا ہے۔

الحاصل ان مباحث میں بہت تفصیل کی ضرورت ہے، مگر ہم نے جتنا بیان کیا ہے، اتنا ہی کافی ہے۔ ان کی مثالیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب "الفوز الکبیر" میں مذکور ہیں۔[2] نیز ہماری ضخیم تفسیر میں ان تصرفات وغیرہ کی مثالیں مل سکتی ہیں، لہٰذا اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ ان امور کا مطالعہ کر کے دل نشین کر لیں تو اللہ تعالیٰ کے کلام کو بہ ادنیٰ تامل سمجھ لیں گے، غیر مذکور بات کو مذکور کے ذریعے سے قیاس کر لیں گے اور ایک مثال سے دوسری مثال تک ذہن پہنچ جائے گا۔

---

[1] مثلاً دیکھیں: سورۃ الحجر [آیت: ٦٠]

[2] الفوز الکبیر (ص: ٨٣)

محکم، متشابہ، کنایہ، تعریض اور مجازِ عقلی کا بیان

محکم:

محکم اس کلام کو کہتے ہیں جس سے زبان دان صرف وہی مخصوص معنی سمجھ سکے، جس معنی میں وہ کہا گیا ہے۔ اس سمجھنے سے اولین عربوں کا فہم مراد ہے نہ کہ ہمارے دور میں بہت باریکی نکالنے والے اور بال کی کھال اتارنے والے عالموں کا، جن کی دقتِ نظری ایک ایسا سخت مرض ہے، جس کے ذریعے سے وہ محکم کو متشابہ اور معلوم کو مجہول بنا دیتے ہیں۔

متشابہ:

متشابہ اس کلام کو کہتے ہیں، جس کے دو معنی ہوں۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے، جب کہ جملے میں کسی ضمیر کے دو مرجع ہوں یا کلمہ دو معنی میں مشترک ہو۔ ایسا اشتباہ اس وجہ سے بھی ہوتا ہے، جب کلام کے دو لفظوں پر جو قریب و بعید ہوں، عطف کا احتمال ہو۔ نیز اس صورت میں بھی اشتباہ ہوتا ہے، جہاں عطف بھی ہو سکتا ہو اور نئے جملے کا آغاز بھی ممکن ہو۔

کنایہ:

کنایہ ایسے اندازِ کلام کو کہتے ہیں، جس سے کوئی بات کسی کے لیے اس طرح ثابت کی جائے کہ سننے والے کا ذہن ایسی بات کی طرف منتقل ہو جائے، جو قدرتی طور پر عقل کے نزدیک لازم ہو، خواہ لزوم عادی ہو یا لزوم عقلی۔ اسی طرح اپنے دلی خیالات کو محسوسات کے ذریعے سے ظاہر کرنا بھی کنائے میں داخل ہے۔ یہ بہت وسیع مضمون ہے۔ عربوں کے اشعار، خطبات، قرآن عظیم اور احادیث نبویہ ﷺ میں کثرت سے کنایات پائے جاتے ہیں۔

تعریض:

تعریض یہ ہے کہ کوئی عام بات کہیں، مگر اس سے مقصود کسی شخص کا حال بیان کرنا ہو یا کسی

شخص کو تنبیہ کرنا مطلوب ہو۔ بعض اوقات سلسلۂ مضمون میں اس شخص کی بعض خصوصیات بیان کر دیتے ہیں اور مخاطب کو اس شخص سے مطلع نہیں کرتے۔ ایسے مقامات میں قرآن مجید پڑھنے والا قصے کا منتظر اور محتاج رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی فعل پر ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے تو یوں فرماتے:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَفْعَلُوْنَ كَذَا وَ كَذَا»[1]

[کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ایسا کام کرتے ہیں؟]

اسی طرح قرآن مجید کی آیت ہے:

﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ [الأحزاب: ٣٦]

[اور کبھی کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو ان کو اپنے فیصلے کا اختیار ہو]

اس آیتِ کریمہ میں زینب رضی اللہ عنہا اور زید رضی اللہ عنہ کے واقعے کی طرف تعریض و اشارہ ہے اور مندرجہ ذیل آیت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ﴾ [النور: ٢٢]

[اور تم میں سے فضیلت اور وسعت والے اس بات سے قسم نہ کھالیں]

ایسی صورتوں میں جب تک قصہ اور واقعہ معلوم نہ ہو، مطلب واضح نہیں ہوتا۔

مجازِ عقلی:

مجازِ عقلی یہ ہے کہ کلام میں کسی فعل کو ایسے شخص کی طرف منسوب کریں، جو حقیقت میں اس کا فاعل نہیں ہے اور ایسی چیز کو مفعول بہ بنائیں، جو اصل میں مفعول بہ نہیں ہے۔ ان دونوں کے درمیان کسی مشابہت کے تعلق کی وجہ سے ایسا کہا جاتا ہے۔ کہنے والا گویا اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ بھی اسی شمار میں ہیں اور اسی جنس سے ہیں، مثلاً کہا جاتا ہے:

---

[1] مثلاً دیکھیں: صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٧٥٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٣٥٦)

"بَنَى الْأَمِيْرُ الْقَصْرَ" [امیر نے محل بنایا]

حالاں کہ اس کے حکم سے بنانے والے معمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح کہا جاتا ہے:

"أَنْبَتَ الرَّبِيْعُ الْبَقْلَ" [بہار نے سبزہ اگایا]

حالاں کہ حقیقت میں اگانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ واللہ أعلم.

چوتھا باب

فنونِ تفسیر میں صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کا اختلاف اور اس کا حل

مفسرین کی مختلف جماعتیں ہیں:

① ایک جماعت ان آثار کی روایت پر چلتی ہے، جو آیات سے مناسبت رکھتے ہیں، خواہ وہ مرفوع حدیث ہو یا موقوف، کسی تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی روایت۔ یہ محدثین کا مسلک ہے۔

② ایک فرقہ اسما وصفات کی آیات میں تاویل کرتا ہے۔ جو آیت مذہبِ تنزیہ کی موافقت میں نہیں ہوتی، اس کے ظاہری معنی نہیں لیتے اور مخالفین کے اعتراض کو رد کرتے ہیں، جو متعلقہ آیات پر کیے جاتے ہیں۔ یہ متکلمین کا طریقہ ہے۔ متکلمین متشابہات کی تاویل میں اور صفات کی حقیقت کے بیان میں جو غلو کرتے ہیں، میرا وہ مذہب نہیں ہے۔ میرا مذہب امام مالک، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، تمام قدیم محدثین اور سلف صالحین رحمہم اللہ والا مذہب ہے۔ وہ مذہب متشابہات اور صفات کو ان کے ظواہر پر جاری کرنے اور ان کی تاویل میں غور وخوض کے ترک کرنے پر قائم ہے۔ احکامِ مستنبطہ میں جھگڑا کرنا، اپنے مذہب کے احکام کی نمود ونمایش کرنا، دوسروں کی وضع کو گرانا اور قرآنی دلائل کو رد کرنے کے لیے حیلے کرنا، میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ یہ کام قرآن مجید کے ساتھ جھگڑا کرنے کے برابر ہے، لٰہذا آیات کے مفہوم کا طالب ہونا چاہیے اور اپنا مذہب آیت کا مدلول بتانا چاہیے، خواہ وہ اس کے موافق ہو یا مخالف۔

③ ایک قوم فقہ کے مسائل کا استنباط کرتی ہے، بعض اجتہادات کو بعض پر ترجیح دیتی ہے اور اپنے مخالف کی قرارداد پر جواب وارد کرتی ہے۔ یہ فقہا اور اہلِ اصول کی جماعت کا طریقہ ہے۔

یہ مضمون خاصا وسیع ہے۔ عقل کے لیے مقاصد، ایماءات اور اقتضاءات پر مطلع ہونے کا

میدان بہت وسیع ہے اور کلی اختلاف کا حق حاصل ہے۔ صاحبِ "الفوز الکبیر" نے استنباطات کو دو قسموں میں محصور کیا ہے، ان کا یہ مقالہ احکامِ مستنبطہ پر غور وفکر کرنے اور ان کی وضاحت میں ایک بڑے میزان کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم نے یہ مضمون اپنی کتاب "حصول المأمول من علم الأصول" میں ذکر کیا ہے، لہٰذا اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔[1]

④ ایک جماعت قرآنی لغت اور نحوی ترکیب کی وضاحت کرتی ہے اور بات بات میں کلامِ عرب سے بہ کثرت اسناد و شواہد پیش کرتی ہے۔ یہ علماے نحو اور علماے لغت کا منصب ہے۔

جہاں تک لغتِ قرآن کا تعلق ہے تو اسے عرب اول کے استعمالات سے اخذ کرنا چاہیے اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے آثار پر کلی اعتماد کرنا چاہیے۔

رہی نحوِ قرآن تو اس میں ایک عجیب راستہ اختیار کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک جماعت نے سیبویہ کے مذہب کو اختیار کیا ہے اور جو اس کے مطابق نہیں ہے، وہ اس کی تاویل کرتے ہیں، خواہ وہ تاویل حقیقت میں کتنی ہی بعید کیوں نہ ہو۔ میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔ جو بات سیاق وسباق کے ساتھ قوی اور موافق ہو، اسے ہی اختیار کرنا چاہیے، خواہ وہ سیبویہ کا مذہب ہو یا فرا کا، زجاج کا ہو یا دیگر نحات کا۔

﴿وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ جیسی عبارتوں کے متعلق عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: "ستقیمها العرب بألسنتها"[2] [عرب لوگ اپنی زبانوں سے اسے درست کر لیں گے]

اس کلمے میں تحقیق یہ ہے کہ مشہور روزمرہ کا مخالف بھی روزمرہ ہے اور قدیم عربوں کے خطبات اور محاورات میں ایسا ہوتا ہے کہ قاعدہ مشہور کی مخالفت زبان پر چل جاتی ہے اور جب قرآن اولین عربوں کی لغت میں نازل ہوا تو اگر بعض دفعہ واؤ کے بدلے یا آ جائے یا تثنیہ کی جگہ مفرد استعمال ہو جائے یا مذکر کے بجائے مونث آ جائے تو اس میں تعجب والی کون سی بات ہے۔ پس اس میں تحقیق شدہ بات یہ ہے کہ آیت: ﴿وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ﴾ کا ترجمہ اس کو مرفوع سمجھ کر ہی کرنا چاہیے۔ واللّٰه أعلم.

⑤ ایک گروہ قرآن مجید میں علمِ معانی و بیان کی رو سے غور کر کے نکات دریافت کرتا اور کلام کی داد

---

[1] حصول المأمول من علم الأصول (ص: ٢١)

[2] الإتقان (١/ ٥٣٧) امام سیوطی فرماتے ہیں: إسناده ضعیف مضطرب منقطع"

دیتا ہے۔ یہ ادیبوں کا گروہ ہے۔

علم معانی و بیان وہ علم ہے، جو صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے گزر جانے کے بعد ایجاد ہوا ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں جو کچھ جمہور عرب کے عرف سے سمجھ میں آیا ہے، وہ سر آنکھوں پر اور جو کچھ امر خفی ہے، جو سوائے اس فن کے باریکی نکالنے والوں کے کسی کی سمجھ میں نہیں آتا، ہم نہیں سمجھتے کہ وہ قرآن کا مطلوب ہو۔

⑥ بعض لوگ قرآن کی ان قراءتوں کے بارے میں روایت کرتے ہیں، جو صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ، دیگر اساتذہ اور نحویوں سے منقول ہیں اور قراءت سے متعلق باریک باتوں پر بحث کرتے ہیں۔ یہ قاریوں کی صفت ہے۔

⑦ ایک جماعت آیات میں ادنا مناسبت پا کر علمِ سلوک یا علمِ حقائق سے متعلق نکات پر گفتگو کرتی ہے۔ یہ صوفیوں کا مسلک ہے۔

اشاراتِ صوفیہ کا تفسیر سے کوئی تعلق نہیں ہے:

رہے صوفیہ کے اشارات و اعتبارات تو وہ فی الحقیقت فنِ تفسیر کا جزو نہیں ہیں۔ کوئی سالک جب قرآن سنتا ہے تو بعض باتیں اس کے دل پر ظاہر ہوتی ہیں، وہ یا تو نظمِ قرآن سے متعلق ہوتی ہیں یا اس حالت سے جس سے سالک متصف ہوتا ہے یا اس علم و معرفت سے جو اسے اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عاشق جب لیلیٰ و مجنوں کا قصہ سنے اور اس کی وجہ سے اس کی معشوقہ یاد آ جائے اور ان واقعات کا منظر خیالی آنکھوں کے سامنے پھر جائے، جو اس کے اور معشوقہ کے معاملے میں ہو چکے ہیں۔

اعتبار و استشہاد:

یہاں ایک اہم بات ہے جس پر مطلع رہنا مفید ہے، وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتبار و استشہاد کے فن کا اہتمام کیا ہے اور اس طریقے پر چلے ہیں، تاکہ وہ علمائے امت کے لیے سنت ہو اور وہبی علوم کے لیے ایک دوسری راہ کا دروازہ کھل جائے۔ مثال کے لیے درج ذیل آیت پر غور کرو:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی﴾

[اللیل: ۵۔ ۷]

[پس لیکن وہ جس نے دیا اور (نافرمانی سے) بچا اور اس نے سب سے اچھی بات کو سچ مانا، تو یقیناً ہم اسے آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے]

ان آیات کو مسئلہ تقدیر میں معمول بہ بنایا ہے، اگرچہ اصل مفہوم یہ ہے کہ جس نے نیک عمل کیے، اسے جنت اور نعمات کی طرف لے جائیں گے اور جو بدعملی کا مرتکب ہو۔ اس کے لیے جہنم وعذاب کا دروازہ کھول دیں گے۔ لیکن (تقدیر) کے اعتبار سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ ہر شخص ایک مخصوص حالت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، وہی حالت اس پر طاری ہوتی ہے، چاہے وہ واقف ہو یا نہ ہو۔ اس اعتبار سے یہ آیت مسئلہ تقدیر سے مربوط ہوگی۔

اسی طرح درج ذیل آیت کا مضمون ہے:

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ [الشمس: ۷، ۸]

[اور نفس کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ٹھیک بنایا! پھر اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیزگاری (کی پہچان) اس کے دل میں ڈال دی]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو نیکی اور گناہ پر مطلع فرما دیا ہے، لیکن نیکی اور معصیت کی صورتِ علمیہ کی پیدائش میں اور انسان کے نفخِ روح کے وقت اجمالاً نیکی اور بدی پیدا کرنے میں ایک مشابہت ہے، فن اعتبار کی رو سے یہ آیت مسئلہ تقدیر میں بہ طور استشہاد پیش کی جا سکتی ہے۔ واللّٰه أعلم.

الحاصل تفسیر کا میدان بہت وسیع ہے۔ ہر شخص اپنے طور پر قرآن کے مطلب کو سمجھنا چاہتا ہے۔ ہر شخص ایک خاص فن کی رو سے غور کرنا اور اپنی قوتِ فصاحت اور فہم کے مطابق گفتگو کرتا ہے اور اپنی جماعت کا نظریہ پیشِ نظر رکھتا ہے۔ یہی وہ سبب ہے جس کی بنا پر فنِ تفسیر میں لامحدود وسعت ہو گئی ہے اور اس پر کثرت سے کتابیں لکھی گئیں، جن کا شمار ممکن نہیں۔ ایک جماعت نے ان سب کو ایک جگہ جمع کرنے کا ارادہ کیا، کبھی عربی میں کتاب لکھی اور کبھی فارسی میں۔ یہ کتابیں اختصار اور اِطناب کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ اس طرح اس علم کا دامن اور وسیع ہو گیا۔

میری تفسیر تفاسیر میں سے جامع ترین تفسیر ہے، جو روایت و درایت کی جامع ہے اور تفاسیر میں سے تنقیح، تنقید، نحو، قراءت اور احکام وغیرہ امور میں بہترین تفسیر ہے۔ وباللّٰه التوفيق.

پانچواں باب

قرآن مجید کی تدوین، ترتیبِ نزول اور اس کے سات قراء توں پر نازل ہونے وغیرہ کا بیان

جمع وتالیف:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن مجید چار افراد سے حاصل کرو:

① عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ② ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، ③ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، ④ سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ[1] (أخرجه الترمذي عن ابن عمر، وقال: حديث حسن صحيح)

نبی مکرم ﷺ کے دور میں چار انصاری صحابیوں نے قرآن مجید کی تدوین کی تھی:

① ابی رضی اللہ عنہ، ② معاذ رضی اللہ عنہ، ③ ابو زید سعد بن عبید رضی اللہ عنہ، ④ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔

قرآن مجید کی جمع و تالیف اس دور میں ایسے ہی تھی، جیسے یہ آج ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے، مگر اس وقت مصحف میں جمع کرنے کا عمل اس لیے ترک کیا گیا، کیوں کہ وہ دور نزولِ آیات، ان کے نسخ، رفعِ احکام اور تلاوت کے ختم کرنے اور باقی رکھنے کا دور تھا۔ اس وقت اگر مصحف میں جمع کر دینے کے بعد بعض آیات کی تلاوت ختم ہو جاتی تو دین کے معاملے میں اختلاف و اختلاط پیدا ہو جاتا۔ چناں چہ حکمتِ الٰہی نے یہ تقاضا کیا کہ نسخ کا دور ختم ہونے تک دلوں میں محفوظ رہے، مگر مصحف میں جمع نہ ہو۔ جب نزول کا زمانہ بیت گیا تو خلفاے راشدین کو یکجا جمع کرنے کی توفیق ملی، چناں چہ انھوں نے بغیر کسی کمی و بیشی کے اسی طرح مصحف میں جمع کر دیا، جس طرح حق سبحانہ و تعالیٰ نے

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٨١٠)

آنحضرت ﷺ پر نازل فرمایا تھا۔ قرآن مجید کو اس لیے جمع کر دیا گیا، تاکہ اس کے حفظ میں کوئی فتور اور گڑبڑ پیدا نہ ہو سکے اور بعض آیات ضائع نہ ہو جائیں۔

ترتیبِ قرآنی:

نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس طرز پر لکھنے کی تلقین فرماتے، جس ترتیب کے ساتھ یہ آج ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔ جبریل علیہ السلام ہر آیت کے نزول کے وقت نشان دہی فرماتے کہ اس آیت کو فلاں آیت کے بعد لکھا جائے اور اس سورت کو فلاں سورت کے بعد رکھا جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کاوش صرف قرآن مجید کو یکجا کرنے میں تھی نہ کہ اس کی آیات وسور کی ترتیب میں۔ قرآن مجید لوح محفوظ میں اسی طرح ہے، جس طرح آج مصاحف میں موجود ہے۔

آنحضرت ﷺ ہر سال رمضان میں جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید سناتے اور جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس سال آپ ﷺ نے دو مرتبہ جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید سنایا۔ آخری مرتبہ جب آپ ﷺ نے قرآن سنایا تو اس وقت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے، اس دوران میں قرآن کی جو آیات منسوخ ہونا تھیں، وہ منسوخ ہو گئیں اور جنھیں باقی رہنا تھا، وہ باقی رہیں۔ لہٰذا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مقرر کیا اور قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع کیا۔ قرآن مجید کی یہ تدوین امت میں کتاب اللہ کی بقا کا سبب بنی۔ نیز اس کی تدوین اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے اور فرمانِ حمید کی حفاظت کے وعدۂ الٰہی کا ثبوت ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹]

[بے شک ہم ہی نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں]

قرآن مجید کب اور کیسے نازل ہوا؟

قرآن مجید ماہِ رمضان میں قدر والی رات میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے حوادث کے وقوع پذیر ہونے کے وقت ضرورت کے مطابق

مشیتِ الٰہی کے تقاضے کے مطابق تیئس (۲۳) سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے آنحضرت ﷺ پر نازل کیا۔ اس نزول کے وقت اس کی ترتیب متفرق اور اس ترتیب کے سوا تھی، جس کی اب مصحف سے تلاوت کی جاتی ہے۔

تفسیر خازن میں ترتیبِ نزول کو ایک کے بعد دوسری سورت کے طرز پر بیان کیا گیا ہے۔ مکی اور مدنی سورتوں کی الگ الگ نشان دہی کی گئی ہے۔ تفسیر کے مصنف نے کہا ہے کہ بعض سورتوں کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

قرآن مجید کی قراءات:

قرآن مجید سات قراءتوں پر نازل ہوا ہے، چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ»[1]

[یقیناً یہ قرآن سات حروف میں اتارا گیا ہے، ان میں سے جس میں آسانی سے پڑھ سکو، پڑھو]

قراءات میں اہلِ علم کا اختلاف:

اہلِ علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سات قراءات سے کیا مراد ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ ان سے مراد تسہیل ہے، حصر مراد نہیں ہے۔ اکثر اہلِ علم اس طرف گئے ہیں کہ یہ حصر ان سات قراءتوں میں محصور ہے، پھر انھوں کا کہنا ہے کہ ان سات قراءتوں سے مراد یہ سات معانی ہیں:

① وعد ② وعید ③ محکم ④ متشابہ ⑤ حلال وحرام ⑥ قصص وامثال ⑦ امر ونہی۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ اِدغام، اِظہار، تفخیم، ترقیق، مد، قصر اور امالہ سے قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے کلمات بولنے کی کیفیت کا بیان ہے، کیوں کہ ان وجوہ کے اعتبار سے لوگ مختلف اللغات تھے۔ اس لیے حق تعالیٰ نے چاہا کہ ہر انسان پر قرآن مجید کی قراءت کو آسان کر دیا جائے، تاکہ ہر شخص اپنی لغت کے مطابق اسے پڑھ سکے اور اس کی زبان سے یہ آسانی کے ساتھ تلاوت ہو سکے۔

ابو عبیدہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد لغاتِ عرب سے سات لغتیں ہیں۔ لغتِ تمیم اور لغتِ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۲۲۸۷) صحيح مسلم، رقم الحديث (۸۱۸)

معد، یہ سب سے اعلا اور افصح لغتیں ہیں۔

ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس سے قریش، ہوازن، ہذیل اور اہلِ یمن کی لغت مراد ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ سب سات قراء تیں تنہا بنو مضر کی لغت ہیں اور قرآن مجید میں متفرق اور غیر مجتمع طور پر ایک کلمے میں واقع ہوئی ہیں۔ نیز انھوں نے کہا ہے کہ بعض کلمات میں مجتمع بھی ہوتی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿عَبَدَ الطَّاغُوْتَ﴾، ﴿نَرْتَعْ وَ نَلْعَبْ﴾، ﴿بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا﴾ اور ﴿بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ﴾

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان سے مراد سات قراء تیں ہی ہیں اور یہی موقف صحیح ہے، کیوں کہ یہ موقف اس بارے میں وارد صحیح احادیث کے موافق اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو مصاحف میں ثبت کروایا تھا اور ان کے صحیح ہونے کی خبر دی تھی اور جو تواتر سے ثابت نہ تھی، اس کو ترک کر دیا تھا۔ اگر چہ کبھی ان قراء ات کے الفاظ و معانی مختلف ہو جاتے ہیں، مگر نفس الامر میں یہ متضاد و متباین نہیں ہوتیں۔ جس کسی نے یہ کہا ہے کہ سات قراء توں سے مراد مختلف معانی ہیں اور اسی طرح اس کے اَحکام، اَمثال اور قصص بھی، اس نے غلطی کی ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان قراء توں میں سے ہر قراء ت اور ایک قراء ت کو دوسری قراء ت سے بدلنے کے جواز کا اشارہ فرمایا ہے۔ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اَمثال کی آیات کو احکام کی آیات سے بدلنا حرام ہے، اسی طرح "سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ" کو "غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ" کے ساتھ بدلنا نادرست ہے، کیوں کہ اس سے نظم و ترتیب قرآنی میں تغیر آ جاتا ہے اور اس پر اہلِ علم کا اجماع ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے ایک قراء ت پر (قرآن مجید) پڑھایا تو میں نے ان سے مزید طلب کیا تو انھوں نے مجھے مزید عطا فرما دیں۔ میں ان سے مزید کی درخواست کرتا رہا اور وہ مجھے مزید عطا فرماتے رہے، حتیٰ کہ سات قراء تیں مکمل ہو گئیں۔[1]

رائے کے ساتھ تفسیر کرنا:

قرآن مجید میں بغیر علم کے محض رائے کے ساتھ گفتگو کرنا ممنوع ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠٤٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١٩)

نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ وَفِي رِوَايَةٍ: بِرَأْيِهِ۔ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»[1]

(أخرجه الترمذي وحسنه)

[جس شخص نے بغیر علم کے، ایک روایت میں یہ ہے کہ اپنی رائے کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر کی تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم سمجھ لے]

جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ»[2]

(أخرجه أبو داوٗد والترمذي، وقال: غريب)

[جس شخص نے اپنی رائے کے ساتھ قرآن مجید کے بارے میں کوئی بات کی اور اس نے درست بات کہی، پھر بھی وہ خطا کار ہے]

جی ہاں! ظلوم وجہول انسان کی خراب رائے اور کم عقلی کب اس قابل ہے کہ وہ کلامِ خالق اور کتابِ متکلم قدیم کی تفسیر میں کوئی پیش بندی کرے، جہاں قدم پھسلتے ہیں۔ اس میدان میں علم وفضل کی دعویدار ایک جماعت نے لوگوں کے ایک گروہ کو ساحلِ نجات سے اٹھا کر ورطۂ ہلاکت میں پھینک دیا ہے۔ اگر آپ ان کے اس برے فعل کا نمونہ دیکھنا چاہیں تو آپ علماے کلام، اہلِ اعتزال، اربابِ تصوف، اصحابِ فلسفہ، اہلِ مواعظ وقصص، تقلید کے پٹے میں گرفتار فقہاے غیر سدید اور ان کے علاوہ دیگر اہلِ بدعت کی تفاسیر کا مشاہدہ کریں کہ کس طرح انھوں نے مقدس کلامِ الٰہی کو اپنی خواہشات کے ساتھ بغیر کسی روشن سمعی دلیل کے قرآن مجید کو اس کے ظاہری معنی ومفہوم سے پھیر دیا اور اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ آیاتِ بینات کی تفسیر میں کتنی ہی غیر معروف چیزوں کو، جو مقصدِ تنزیل سے بے گانہ اور کئی مرحلے دور ہیں، ان کو اپنے حزن وملال کے گھر کا مہمان بنا دیا ہے اور فضول قسم کی بحثوں اور معقول کو منقول کے ساتھ خلط ملط کر کے تصحیف وتحریف کی صورت پیدا کر دی ہے۔

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۹۵۰، ۲۹۵۱) اس کی سند میں عبدالاعلی ثعلبی ضعیف ہے۔

[2] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (۳۶۵۲) سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۹۵۲) اس کی سند میں سہیل بن ابی حزم راوی ضعیف ہے۔

نزلت بمكة في قبائل هاشم ونزلت بالبيداء أبعد منزل

[میں مکہ میں ہاشمی قبائل کے ہاں اترا اور تو منزل سے کہیں دور بیدا میں جا اترا]

طرفہ تماشا یہ کہ انھوں نے اپنی اس کارگزاری کو وسعتِ علمِ تفسیر پر محمول کیا ہے اور ان اضافوں کو علومِ قرآنیہ کا حصہ شمار کیا ہے۔ یہ سب کچھ فرقانِ حمید کی ان آیات بینات کے ساتھ ہوا، جن آیات کو قروی و بدوی اور عالم و جاہل تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے خالقِ عباد اور مدبرِ عالم نے افضل فرشتے (جبریل علیہ السلام) کے واسطے سے افضل بشر (محمد ﷺ) پر نازل فرمایا۔ ان لوگوں نے ان آیات کو اپنی دور از کار تاویلات و مقالات کے ساتھ بے حد مشکل اور چیستان بنا کر رکھ دیا، گویا قرآن مجید کا نزول خاص علما کے لیے ہے اور جاہل لوگ اس سے بے نصیب و بے توفیق ہیں۔ حتیٰ کہ اس آخری دور میں جبکہ خیرالبشر (محمد ﷺ) کی ہجرت کو تیرہ سو سال بیت چکے ہیں اور آج کا دور عہدِ نبوت سے دوری کی وجہ سے ﴿ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ کا مصداق بن کر رہ گیا ہے اور قیامت کبریٰ کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں، علما گفتگو میں، مشائخ جستجو میں اور عوام کو بکو (کیوں اور کیسے) میں گھرے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید اور فرقانِ حمید کے نزول کا مقصد خالی تلاوت بن کر رہ گیا ہے اور یہ عمل بھی۔ إلا ماشاء اللّٰہ۔ اخلاصِ عمل اور صلاحِ نیت کے بغیر ہو رہا ہے۔

معانیِ قرآن میں تدبر، مقاصدِ فرقان میں تفکر، اس کے اوامر و نواہی پر کاربند ہونا، اللہ کے ایام سے نصیحت پکڑنا، اللہ کی نعمتوں سے موعظت حاصل کرنا، اللہ تعالیٰ کے اہلِ کتاب، مشرکین اور منافقین کے ساتھ مباحثہ کرنے سے عبرت پکڑنا، اپنے نفسوں میں ان چاروں گمراہ فرقوں کے احوال و اخلاق اور اقوال و افعال جیسے تلاش کرنا اور ان پر عمل کرنے سے پرہیز کرنا، ہر کسی کے اقوال و احوال، وہ کوئی ہو کہیں ہو، کو اس قرآن پر پیش کرنا، ان میں سے ہر آیت کے موافق اور مخالف مجتہدات اور مستنبطات کو تلاش کرنا، جو قرآن کے موافق ہو، اسے لے لینا اور جو اس کے مخالف ہو، اسے چھوڑ دینا، کیوں کہ کتابِ عزیز کے نزول اور ذکرِ حکیم کے اتارنے کا یہی مقصد ہے، مگر اس سے ان لوگوں نے چشمِ بصیرت اور چشمِ اعتبار بند کر رکھی ہے اور قرآن مجید کے مفہوم و منطوق کے ساتھ چلنے سے دلوں کو بند کر رکھا ہے۔

اگرچہ آج کے اس دور میں اہلِ زمانہ پر یہ الفاظ گراں گزریں، مگر کل جب چشمِ بصیرت تیز ہو

جائے گی اور جو کچھ پوشیدہ ہے، وہ ظاہر ہو جائے گا، اس وقت سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ ہر جزو اور کل کا حساب لینے والے پر ان کا ذرہ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومات کہ باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

[صبح کے وقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ اس نے کس عشق کی بازی ہارے ہوئے کے ساتھ تاریک رات گزاری ہے]

کون ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ قرآن کریم کا فہم رکھتا ہو اور اس کے معنی و مفہوم کو زیادہ جانتا ہو؟ إلا من رحمه الله۔ اس کے باوجود قرآن مجید کا معنی بیان کرنے میں ان کی صورتِ حال یہ تھی کہ لوگوں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آیتِ کریمہ: ﴿وَفَاكِهَةً وَّأَبًّا﴾ [عبس: ٣١] [اور پھل اور چارہ] کا معنی دریافت کیا تو وہ فرمانے لگے:

"أَيُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِي، وَأَيُّ أَرْضٍ تُقِلُّنِي إِذَا قُلْتُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ؟"[1]

[اگر میں بغیر علم کے کتاب اللہ کے معنی و مفہوم کے بارے میں لب کشائی کروں تو کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا اور کون سی زمین مجھے پناہ دے گی؟]

الحاصل رائے کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر کرنے کی ممانعت اس شخص کے لیے ہے، جو اپنے دل کی مراد پوری کرنے کے لیے قرآن مجید کی (رائے کے ساتھ) تفسیر کرتا ہے اور وہ اپنی خواہش کا تابع ہے، خواہ وہ علم کی بنا پر ایسا کرے یا جہل کی بنا پر۔ اسی طرح اپنی بدعت اور عقیدہ فاسدہ کی تصحیح کے لیے قرآن مجید کی بعض آیات کو دلیل بنانا، باوجودیکہ وہ جانتا ہے کہ اس آیت کا کوئی اور معنی اور مفہوم ہے، لیکن وہ اپنے مد مقابل کو اندھیرے میں رکھنے کے لیے اور اپنی دلیل کو تقویت پہنچانے کے لیے ایسا کرتا ہے، جس طرح کہ باطنیہ کا شیوہ ہے، معتزلہ کا طریقہ ہے اور خوارج، روافض، مقلدین، اہلِ کلام اور شکوک و شبہات میں گرفتار معقولیوں کا طرزِ عمل ہے۔ اسی طرح وہ آیت جو چند وجوہ کا احتمال رکھتی ہے، مگر وہ شخص اس آیت کی ایسے معانی اور وجوہ کے ساتھ تفسیر کرتا ہے جن کی وہ آیت محتمل نہیں ہوتی ہے۔ پس تفسیر کی یہ دو قسمیں قابلِ مذمت ہیں اور مذکورہ بالا وعید میں داخل ہیں۔

---

[1] تفسیر الطبري (١/ ٥٨)

تاہم صرف استنباط کے طریق پر کسی ایسے مناسب معنی کے ساتھ تفسیر کرنا کہ آیت کا ماقبل و مابعد اس کا احتمال رکھتا ہو، نظم و ترتیبِ قرآن کا سیاق و سباق اس کی طرف اشارہ کرتا ہو یا اس کا تقاضا کرتا ہو، وہ کتاب وسنت کے مخالف بھی نہ ہو اور سلف کی ایک جماعت نے اس معنی کے ساتھ تفسیر بھی کی ہو تو اس تفسیر میں رخصت ہے، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کی تفسیر کرتے تھے، ان کے درمیان وجوہِ معانی میں اختلاف ہو جاتا تھا، مگر اس کے باوجود وہ جو کچھ بھی کہتے تھے، وہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا علم نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ثابت شدہ مرفوع تفسیر انتہائی قلیل، بلکہ قلیل ترین ہے، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خواہشاتِ نفس سے اجتناب کرتے ہوئے قرآن مجید میں اپنے فہم کے مطابق اس کے معانی پر کلام کرتے تھے، مگر ہر کام میں اتباعِ سنت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا فرمائی اور کہا:

«اَللّٰهُمَّ! فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ»[1]

[اے اللہ! اس کو دین کا فہم عطا کر اور اسے تفسیر کا علم سکھا دے]

لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ وہ ترجمانِ قرآن اور حبرِ (عالم) امت ہیں، چناں چہ ان سے بہت سی تفسیر مروی ہے، مگر ان سے مروی روایات میں صحیح اور ضعیف کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے۔ گذشتہ فصلوں میں ہم اس کی طرف اشارہ کر آئے ہیں۔ اسی طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے قرآن مجید کی تفسیر فرمائی ہے۔

صحیح ترین تفسیر وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو اور اہلِ روایت کے نزدیک مرفوع ہو۔ اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر ہے، پھر تابعینِ عظام رحمہم اللہ کی تفسیر ہے۔ اس کے بعد وہ جو ائمہ لغت ونحو کے ہاں از روے لغت ثابت ہو، بلکہ الفاظ کی حقیقتِ شرعیہ کے بعد حقیقتِ لغویہ سب پر مقدم ہے۔ چناں چہ قرآن مجید کا مفہوم سمجھنے والے کے لیے لغتِ عرب کے ظاہر

[1] مسند أحمد (۱/۲٦٦) صحیح ابن حبان (۱۵/۵۳۱) المستدرك للحاكم (۳/٦۱۵) المعجم الكبير للطبراني (۱۰/۲٦۳) المعجم الأوسط للطبراني (۲/۱۱۲) المعجم الصغير (۱/۳۲۷) مصنف ابن أبي شيبة (٦/۳۸۳) السلسلة الصحيحه للألباني، رقم الحديث (۲۵۸۹)

کے مطابق اور آیات کے مفہوم و مدلول کی راہ میں سلف کے فہم کے موافق چلنا چاہیے۔ گہرائی میں اترنے والوں کی گہرائی اور ان کے تشدد سے دور رہنا چاہیے کہ وہ تو ہر بال کی جڑ سے ایک تازہ معنی اگاتے ہیں اور دقیق نکات کا استنباط کرتے ہیں، کیوں کہ ان کا یہ طریقۂ کار سلفِ امت اور ان کے ائمہ کے طریق کے خلاف ہے۔

ترسم نرسی بکعبہ ای اعرابی کیں رہ کہ تو میروی بترکستانست

[اے دیہاتی! مجھے ڈر ہے کہ تو کعبہ نہیں پہنچے گا، کیوں کہ تو جس راہ کو اختیار کیے ہوئے ہے یہ ترکستان کی راہ ہے]

ہر آیت کے تحت غیر معروف چیزوں کا ذکر کر کے جو وہ لمبی چوڑی تفسیر کرتے ہیں، یہ سب بے جا موشگافیاں اور بہت سی عرق ریزیاں، جو یہ لوگ کرتے ہیں، یہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اور ہلکے سے ہلکے سکے کے برابر بھی ان کی قیمت نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو وہی تصحیف و تحریفِ کلام ہے، جو اہلِ کتاب سے مندرجہ ذیل فرمانِ مصطفی ﷺ کے مصداق اس امت کو ملی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ»[1]

[تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقے پر یوں چل پڑو گے، جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے]

تفسیر کیا ہے؟

لغوی لحاظ سے تفسیر کی اصل یہ ہے کہ یہ ''فسر'' سے مشتق ہے، جو پوشیدہ کو کھولنے کے معنی میں آتا ہے، یعنی معقول معانی کو بیان کرنا۔ پس ہر وہ معنیٰ جو اس چیز سے شناخت کیا جائے اور اس کا معنی معلوم ہو، وہ تفسیر ہے۔ کبھی تفسیر کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے، جو مفردات اور غریب لفظ کے ساتھ مختص ہو۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ تفسیر ''تفسرہ'' سے مشتق ہے، یعنی وہ دلیل جس پر نظر کرتے ہوئے طبیب مرض کی علت اور سبب دریافت کرتا ہے۔ اسی طرح مفسر کلامِ قدیم میں نظر کر کے آیت کا معنی، شانِ نزول، قصہ اور حکم دریافت کرتا ہے۔

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٨٨٩)

مشتق کی تاویل شروع سے اصل کی طرف رجوع کرنا ہے، یعنی کسی چیز کو اس کی غایت کی طرف لوٹانا اور اس سے مراد اس کی غایتِ مقصود کا بیان ہے۔ بیانِ معانی اور وجوہِ مستنبطہ کے بیان سے عبارت کی تاویل وتفسیر آیت کے لفظ کے موافق ہوتی ہے اور ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ تفسیر سنی ہوئی چیز کی نقل پر موقوف ہے اور تاویل صحیح فہم پر موقوف ہے۔ واللّٰہ أعلم.

چھٹا باب

قرآن مجید سے متعلق بعض مقاصد کا بیان

لفظِ ''کتاب'' کا اطلاق ہر کتاب اور مکتوب پر ہوتا ہے اور عرفِ شرع میں یہ لفظ عموماً قرآن کریم کے گرد گھومتا ہے۔ قرآن لغوی لحاظ سے قراءت کے معنی میں مصدر ہے۔ عرفِ عام میں حق سبحانہ وتعالیٰ کے کلام کے اس معین مجموعے پر یہ لفظ بولا جاتا ہے، جو بندوں کی زبانوں پر تلاوت ہوتا ہے۔ اس معنی میں لفظ ''قرآن'' لفظ کتاب سے اَشہر اور اَظہر ہے۔ لہٰذا اس (کتاب) کو اس (قرآن) کی تفسیر قرار دیا گیا ہے۔

کتاب کی یہ تعریف لغوی اعتبار سے ہے اور لفظی تعریف وہ ہے جو اس سے زیادہ مشہور مترادف لفظ کے ساتھ کرتے ہیں۔ لوگوں نے اصطلاحی رو سے مختلف عبارتوں کے ساتھ کتاب اللہ کی تعریف کی ہے، ان میں سے کوئی بھی نظر و اعتراض سے خالی نہیں ہے، چنانچہ بہتر تعریف یہ ہے:

''هو الكلام المنزل علىٰ محمد المتلو المتواتر''

[(کتاب اللہ) وہ متلو اور متواتر کلام ہے، جو محمد ﷺ پر اتارا گیا]

اس تعریف پر باقی تمام تعریفات پر ہونے والے اعتراضات میں سے کوئی اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کا تواتر کے ساتھ ثبوت:

اہلِ علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جو اخبارِ آحاد کے ساتھ منقول ہے، آیا وہ قرآن ہے یا نہیں؟ ایک جماعت نے کہا ہے کہ نہیں، کیوں کہ قرآن وہ ہے جس کے نقل پر متواتر اسباب و دواعی ہوں، اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے، جو احکامِ شرعیہ پر مشتمل اور معجزہ ہے۔ ہر وہ چیز جس کا یہ مقام ہو، اس کا متواتر ہونا ضروری اور لازمی ہے اور جو متواتر نہیں ہے، وہ قرآن نہیں ہے۔ اہلِ اصول

نے تواتر کے لیے یہی نہج مقرر کیا ہے۔ قراءاتِ سبعہ میں سے ہر ایک کے لیے تواتر کا دعوی کیا ہے اور وہ صرف ابو عمر، نافع، عاصم، حمزہ، کسائی، ابن کثیر اور ابن عامر رحمہم اللہ کی قراءتیں ہیں۔ انھوں نے قراء اتِ عشرہ کے بارے میں بھی تواتر کا دعوی کیا ہے اور یعقوب، ابو جعفر اور خلف رحمہم اللہ کی قراءتوں کو مذکورہ قراءتوں کے ساتھ جمع کیا ہے۔ مگر یہ دعوی کسی علمی بنیاد پر نہیں ہے، کیوں کہ مذکورہ بالا قراء کی قراءتیں اخبارِ آحاد سے منقول ہیں۔ چناں چہ اس فن کو جاننے والے پر ان قراء کی اسانید پوشیدہ نہیں ہیں۔ قراء کی ایک جماعت نے ان قراءتوں کے متواتر اور آحاد ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ جبکہ قراءاتِ سبعہ میں سے ہر ایک کے تواتر کا ہر کوئی قائل نہیں ہے، چہ جائیکہ وہ قراءاتِ عشرہ کے تواتر کا قائل ہو، بلکہ یہ قول بعض اصولیوں سے منقول ہے اور اہلِ فن اپنے فن کے بارے میں زیادہ خبر رکھتے ہیں۔

الحاصل قرآن مجید جس پر مشتمل ہے اور مشہور قراء نے اس پر اتفاق کیا ہے، وہی قرآن ہے۔

ہر وہ چیز جس میں اہلِ علم نے اختلاف کیا ہے تو اگر مصحف کا رسم الخط ان دو قراءتوں میں سے ہر ایک کے قراءت ہونے کا احتمال رکھتا ہے جن قراءتوں میں اختلاف وارد ہوا ہے اور وہ وجۂ عربی اور معنی عربی کے ساتھ مطابقت بھی رکھتا ہو تو وہ قرآن ہے اور اگر بعض کو چھوڑ کر بعض کا احتمال ہو اور اس کی اسناد وجہ عربی اور معنی عربی کے موافق ہونے میں غیر متحمل ہو تو یہ قراءت شاذ ہوگی اور اپنے مدلول پر دلالت کرنے میں اخبارِ آحاد کا حکم رکھے گی، خواہ وہ قراءاتِ سبعہ ہو یا کوئی اور ہو۔

ہر وہ قراءت جس کی سند صحیح نہیں ہے اور مصحف کا رسم الخط اس کا متحمل نہیں ہے تو وہ قرآن ہے نہ اس کو اخبارِ آحاد کے مقام پر رکھا جائے گا۔ اس کے قرآن ہونے کی نفی ظاہر ہے اور اس کا اخبارِ آحاد کے مقام پر نہ ہونے کا حکم اس کی سند کے صحیح نہ ہونے کی بنا پر ہوگا، اگرچہ وہ معنی عربی اور وجہ عربی کے موافق ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ اسناد کی عدمِ صحت کے ہوتے ہوئے محض موافقت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ قرآن مجید سات قراءتوں (لہجوں) پر اترا ہے اور ان سات قراءتوں سے مراد لغاتِ عرب ہیں اور وہ سات ہیں۔ ان میں سے بہت کم الفاظ پر اختلاف ہے، ان کے غالب حصے پر اتفاق ہے۔ پس ہر وہ (قراءت) جو ان لغات میں سے کسی لغت کے موافق ہو تو وہ عربی معنی اور اعراب کے موافق ہے۔ یہ مسئلہ قدرے تفصیل کا متقاضی ہے تاکہ اس کے ساتھ اس چیز کی حقیقت واضح ہو جائے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے

اس مسئلے پر ایک مستقل کتاب تالیف کی ہے، جس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔[1]

کیا بسملہ ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے؟:

اس جگہ اہلِ اصول نے بسملہ میں اس کے ہر سورت یا صرف سورۃ الفاتحہ کی ایک مستقل آیت ہونے میں یا اس کے دو سورتوں کے درمیان صرف فصل ہونے میں یا اس کے سرے سے قرآن کی آیت ہی نہ ہونے میں قراء کا اختلاف ذکر کیا ہے اور اس پر لمبی چوڑی بحث کی ہے۔ حتیٰ کہ بعض مبالغہ کرنے والوں نے اس مسئلے کو اعتقادی مسائل میں شمار کرتے ہوئے اس کو اصولِ دین کے مسائل میں شامل کیا ہے۔

اس مسئلے میں حق تو یہ ہے کہ یہ ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے، کیوں کہ رسمِ مصحف میں موجود ہے اور یہ امر کسی شے کی قرآنیت کو ثابت کرنے کے لیے رکنِ اعظم ہے، پھر مصحف میں سورتوں کے آغاز میں اس کے درج ہونے پر اہلِ علم کا اجماع ہے، قراء اور غیر قراء میں سے جو اس کے قرآن ہونے کو ثابت نہیں کرتے، وہ بھی اس (رکن) میں اختلاف نہیں کرتے۔ اس اجماع کے ساتھ رکن ثانی بھی حاصل ہوگیا اور وہ ہے اس (بسملہ) کا منقول ہونا، کیوں کہ وہ تمام جماعتوں کے نزدیک اجماعاً منقول ہے اور رکنِ ثالث اس کا وجہ اعرابی معنی عربی کے موافق ہونا ظاہر ہے۔

اس بحث سے آپ کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ رسمِ مصحف میں بسملہ کا وجود تسلیم کرتے ہوئے اس کے قرآن ہونے کی نفی کرنا محض ایک غیر مقبول دعویٰ ہے۔ اسی طرح بسملہ کا رسمِ مصحف میں ہر سورت کے شروع میں وجود تسلیم کر کے اس کے سورۃ الفاتحہ کی ایک آیت ہونے کا دعویٰ ایسی دلیلِ مقبول سے خالی دعویٰ ہے، جو دلیل بن سکتی ہو۔

جہاں تک بسملہ کی قراءت اور عدمِ قراءت، مطلقاً اس کو مخفی پڑھنے یا سری نماز میں مخفی اور جہری نماز میں جہری پڑھنے کے اختلاف کا تعلق ہے تو یہ محلِ نزاع سے خارج ہے۔ اس سلسلے میں احادیث بہت زیادہ مختلف ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے ایک مستقل رسالے میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔[2] اور اگر اس مسئلے میں ان کی کتاب "نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار" کی طرف آپ رجوع کر لیں تو آپ کو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہے گی۔[3]

---

① دیکھیں: إرشاد الفحول (۱/ ۸۸)

② اس کا نام "الرسالة المكملة في أدلة البسملة" ہے۔ دیکھیں: البدر الطالع (۲/ ۲۲۱)

③ نيل الأوطار (۲/ ۲۱۵)

محکم و متشابہ آیات کا بیان:

قرآن مجید میں محکم اور متشابہ آیات کے وجود میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیوں کہ نصِ صریح:

﴿مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ﴾ [آل عمران: ۷]

[جس میں سے کچھ آیات محکم ہیں، وہی کتاب کی اصل ہے اور کچھ دوسری کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں]

اس پر دلالت کرتی ہے۔ اہلِ علم نے ان ہر دو کی تعریف میں اختلاف کیا ہے اور گونا گوں باتیں کی ہیں۔ ہر ایک نے ایک موقف اور راستہ اختیار کیا ہے۔ ان سب باتوں کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بس اتنا جان لینا چاہیے کہ محکم کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے، جبکہ متشابہ میں اختلاف ہے۔ حق یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ﴾ [آل عمران: ۷]

[پھر جن لوگوں کے دلوں میں تو کجی ہے وہ اس میں سے ان کی پیروی کرتے ہیں جو کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، فتنے کی تلاش کے لیے اور ان کی اصل مراد کی تلاش کے لیے، حالاں کہ اس کی اصل مراد نہیں جانتا مگر اللہ اور جو علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے]

مذکورہ بالا آیت میں ﴿وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ پر وقف کرنا صحیح نہیں، کیوں کہ اس پر وقف کرنے کی صورت میں اس کے بعد والے جملے ﴿يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ﴾ کو جملہ حالیہ بنانا لازم آتا ہے اور ان کے علم کی اس کے ساتھ تقیید کرنے سے اس حالت میں خاصے کا کوئی معنی نہیں بنتا۔

یہ جو ہم نے کہا ہے کہ متشابہ پر عمل کرنا جائز نہیں، یہ اس لحاظ سے نہیں ہے کہ متشابہ آیت کا کوئی معنی ہی نہیں ہے، کیوں کہ یہ ناجائز ہے، بلکہ اس بنا پر ہے کہ لوگوں کے فہم اس علم سے قاصر ہیں۔ نیز اس بنا پر ہے کہ ان کو متشابہ آیات سے اللہ تعالیٰ کی مراد کا علم نہیں ہے، جس طرح سورتوں کے آغاز میں استعمال ہونے والے حروف مقطعات ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان حروف کے معانی ہیں،

مگر ہمارے فہموں کی ان تک رسائی نہیں ہے۔ چناں چہ حق سبحانہ وتعالیٰ تنہا ان کا علم رکھنے والا ہے۔ جو شخص متشابہ آیات کی تفسیر کرنے کا تکلف کرتا ہے وہ کوئی درست کام نہیں کرتا، کیوں کہ ان کی تفسیر کرنا ایسے ہی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے ذمے کوئی ایسی بات لگائی جائے، جو اس نے نہیں کہی ہے۔ نیز یہ محض اپنی رائے کے ساتھ کلام اللہ کی تفسیر کرنے کے مترادف ہے، جبکہ اس پر سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ صاحبِ "الفوز الکبیر" نے اس مسئلے پر قدرے کلام کیا ہے، جس سے دل میں قلق اور ملال ہے۔

قرآن مجید میں معرّب الفاظ کا وجود:

اہلِ علم نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آیا قرآن مجید میں معرب الفاظ موجود ہیں یا نہیں؟ معرب سے مراد وہ لفظ ہے، جو غیر عربوں کے ہاں ایک معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو اور عربوں نے اسے اس معنی میں استعمال کیا ہو، جیسے اسمٰعیل، ابراہیم، اسحٰق، یعقوب علیہم السلام اور اس طرح کے دیگر الفاظ ہیں۔ اس طرح کے مسئلے میں اختلاف کا واقع ہونا مناسب نہیں۔ تعجب تو اس شخص پر ہے جس نے اس کی نفی کی ہے۔ چنانچہ ابن حاجب اور اس کی کتاب کی شرح کرنے والوں نے کلامِ مجید میں معرب الفاظ کے وقوع کی اکثر نفی کی ہے۔ ان کے پاس اس موقف کے حق میں سوائے اس کے کوئی دلیل نہیں کہ قرآن مجید میں جو معرب الفاظ پائے جاتے ہیں، وہ توافق لغتِ عربی وعجمی کی قبیل سے ہیں، مگر یہ تجویز انتہائی بعید ہے۔ اگر اختلافی مقامات پر اس طرح کی چیزیں حجت ودلیل بننے لگیں تو ہر شخص محض اپنی تجویز کی بنا پر جو چاہے کہہ دے۔ اہلِ باطل کے لیے احتمالات بعیدہ ہی وہ راستہ ہے، جس پر چل کر وہ صحیح دلائل کا رد کرتے ہیں، جبکہ لازم بالا جماع باطل ہے اور ملزوم بھی اسی کی طرح باطل ہوگا۔

اہلِ عربیت کا اس پر اجماع ہے کہ ان اکثر اسما میں جو قرآن مجید میں موجود ہیں، عجمہ منع صرف کے اسباب وعلل میں سے ایک سبب اور علت ہے۔ پس اگر مذکورہ بالا بعید از عقل تجویز کا کوئی اثر ہوتا تو ان عربوں کا اس بات پر اجماع واقع نہ ہوتا۔ نفی کرنے والوں نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ قرآن مجید میں ایسے الفاظ بھی ہیں، جو عربی نہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ سارا قرآن عربی نہ ہو، مگر اس اشکال کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ الحاصل انھوں نے کوئی ایسی چیز پیش نہیں کی، جو محلِ نزاع میں استدلال کے لائق ہو۔

الغرض قرآن مجید میں رومی، ہندی، فارسی اور سریانی لغتوں کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن

کا انکار اور اس میں اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔ حتیٰ کہ بعض سلف نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں ہر لغت کا لفظ موجود ہے۔ اس سلسلے میں جو شخص حقیقتِ حال پر واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے، اسے کہو کہ وہ تفسیر کی کتابوں میں مشکات، استبرق، سجیل، قسطاس، یاقوت، اباریق اور تنور جیسے الفاظ نکال کر تحقیق کرے۔

قرآن مجید کے اسما کا بیان:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب کا نام ''قرآن'' رکھا ہے۔ جس طرح شعراے عرب اپنی پوری کتاب کا نام ''دیوان'' رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض قرآن کا نام ''سورۃ'' رکھا، جس طرح وہ (شعرا) اپنی کتاب کے بعض حصوں کا نام ''قصیدہ'' رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سورت کے اجزا کا نام ''آیت'' رکھا، جس طرح وہ اپنے قصیدوں کے اجزا کا نام بیت (شعر) رکھتے تھے۔ آیات کے آخر کو فاصلے کا نام دیا گیا، جبکہ شعرا نے شعروں کے آخر کا نام قافیہ رکھا۔

پس اجمال و تفصیل میں شاعروں کی روش کے خلاف روش اختیار کی گئی، تاکہ وہ جان لیں کہ اس کلام کا نظم اور اس کی ترتیب شعر نہیں ہے اور اس کتاب کو لانے والا (پیغمبر) شاعری کے وصف سے کوسوں دور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو متعدد ناموں سے یاد فرمایا ہے، جن میں سے ہر ایک نام اس کتابِ مقدس کی عزت، عظمت، شرف اور فضیلت پر مکمل طور پر دلالت کرتا ہے، چناں چہ وہ نام درج ذیل ہیں:

(۱) احسن الحدیث، (۲) احسن القصص، (۳) امر اللہ، (۴) برہان، (۵) بُشریٰ، (۶) ہدیٰ، (۷) ہادی، (۸) بشیر، (۹) نذیر، (۱۰) بصائر، (۱۱) بلاغ، (۱۲) بیان، (۱۳) تبیان، (۱۴) تذکرہ، (۱۵) تنزیل، (۱۶) حبل اللہ، (۱۷) حق، (۱۸) حکما عربیا، (۱۹) حکمۃ بالغۃ، (۲۰) حکیم، (۲۱) ذکر اللہ، (۲۲) ذکر مبارک، (۲۳) ذکریٰ، (۲۴) رحمۃ، (۲۵) روح، (۲۶) شفا، (۲۷) صحف مکرمہ، (۲۸) صحف مرفوعہ، (۲۹) صحف مطہرۃ، (۳۰) صدق، (۳۱) صراطِ مستقیم، (۳۲) عدل، (۳۳) عروۂ وثقی، (۳۴) مثانی، (۳۵) علم، (۳۶) ام الکتاب، (۳۷) فرقان، (۳۸) قرآن مبین، (۳۹) قرآن عربی، (۴۰) قرآن عظیم، (۴۱) قرآن کریم، (۴۲) قصص حق، (۴۳) قولِ فصل، (۴۴) قیم، (۴۵) کتابِ عزیز، (۴۶) کتاب اللہ، (۴۷) کتاب مبین، (۴۸) کتاب متشابہ، (۴۹) کلام اللہ، (۵۰) کتاب مبارک، (۵۱) کتاب حکیم، (۵۲) مصدق، (۵۳) منادی، (۵۴) مہیمن، (۵۵)

موعظۃ، (٥٦) نبا، (٥٧) نعمت، (٥٨) نور، (٥٩) نور مبین، (٦٠) وحی۔

مذکورہ بالا صفات میں سے بعض تو صریح اور ظاہر ہیں کہ ان سے مراد قرآن کریم ہی ہے اور بعض صفات لوگوں کی آرا کے اختلاف کی بنا پر احتمال کے ساتھ ہیں۔ جس طرح ابو شامہ رحمہ اللہ نے ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى﴾ میں ﴿رِزْقُ رَبِّكَ﴾ سے مراد قرآن عظیم ہے۔[1]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب قرآن مجید کو جمع کر کے اوراق پر لکھا گیا تو وہ فرمانے لگے کہ اس کو کس نام سے موسوم کرنا چاہیے؟ بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس کا نام "إنجیل" رکھا جائے۔ بعض نے "سفر" کا نام تجویز کیا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ وہ اپنی کتاب کو مصحف کہتے ہیں، لہٰذا انھوں نے اس کا نام مصحف رکھا۔[2] لیکن مصحف کا لفظ مرفوع حدیث میں وارد ہوا ہے۔[3] مگر شاید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث مخفی رہی ہو، ورنہ حبشیوں کے نام سے استشہاد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ قرآن مجید میں موجود قرآن کے اسما بندوں کے نام رکھنے سے مستغنی کرتے ہیں۔

رہے سورتوں اور اعشار کے وہ نام جو مصحف میں درج ہیں تو یہ حجاج بن یوسف ثقفی کی ایجاد ہے۔ تفاسیر میں سے تفسیر مدارک میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے کہ فلاں پیغمبر پر اتنے اور فلاں پر اتنے صحیفے نازل ہوئے اور ان تمام صحف اور کتبِ انبیا کے مقاصد سورۃ الفاتحہ میں جمع ہو گئے ہیں۔ سورۃ الفاتحہ کے تمام معانی بسملہ میں ہیں اور اس کے معانی بسملہ کی با میں ہیں اور با کے معنی اس کے نقطے میں ہیں۔ اس طرح کی باتیں نکات شعریہ کی قبیل سے ہیں، فنِ تفسیر میں اس کی گنجایش نہیں ہے۔ ایسا کرنا اس معاملے میں بحث و خوض کرنے کے مترادف ہے، جس کا ان کو حکم نہیں دیا گیا ہے۔

رحمن کی رحمت کا مظہر:

خدا تعالیٰ نے اپنی پوری لطافت اور نرمی کے ساتھ اپنے بندوں (کی ہدایت) کے لیے قرآن کریم نازل فرمایا، تاکہ وہ اللہ کی مرضی اور نامرضی کو پہچان لیں۔ اپنے نفس کی مکاریوں، اعمال کی

---

[1] الإتقان (١/ ١٤٦)

[2] مصدر سابق.

[3] دیکھیں: السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (٢٣٤٢)

اندھیریوں، ناپسندیدہ اور برے اخلاق سے نجات پا جائیں اور حظیرۃ القدس (جنت) کی راہ کے راہی بن جائیں اور اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ ہو جائیں۔ جب تک وہ اللہ خود دستگیری نہ فرمائے تو ممکن نہیں ہے کہ ان ہلاکتوں سے نجات میسر آ سکے۔ اگر وہ خود راہنمائی نہ کرے تو ان تہ بہ تہ اندھیروں سے بچ نکلنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

الحاصل اللہ تعالیٰ کے احسان نے ہمارے قلب و قالب کو گھیر رکھا ہے، اس کی سخاوت نے ہمارے ظاہر و باطن کو پکڑ رکھا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ہمیں سعادتِ دارین سے مطلع فرمایا ہے۔ دونوں زندگیوں کے مصالح بہ درجہ اتم بیان فرما دیے ہیں۔ لہٰذا حق تبارک و تعالیٰ کے بیان سے واضح تر کسی کا بیان نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ کی رحمت سے بالاتر رحمت نہیں، کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأنبياء: ١٠٧]

[اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر جہانوں پر رحمت کرتے ہوئے]

ہم میں سب سے زیادہ نیک بخت وہ ہے، جس نے قرآن مجید کے مبانی و معانی کا فہم حاصل کیا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اتباع کیا اور ہم میں سے سب سے زیادہ بدبخت وہ ہے، جس نے کتاب و سنت کی راہ سے انحراف کیا۔

ہر زمان و مکان میں مسلمانوں کی نصیحت اور خیر خواہی کا ایک الگ رنگ ڈھنگ اور انداز رہا ہے اور ہر دور کا اپنا علاحدہ اقتضا رہا ہے۔ لہٰذا علمائے دین اور کبرائے اہلِ یقین نے کتاب اللہ کی تفسیر میں اطناب (طوالت) کا راستہ اختیار کیا اور ایک جماعت نے اختصار کو پیش نظر رکھا۔ ایک جماعت نے عربی زبان میں (تفسیر کرتے ہوئے) موتی پروئے اور ایک گروہ نے عجمی زبان میں لب کشائی کی۔ عجمی تفاسیر اور ہندی تراجم میں کوئی کتاب "تفسیر فتح الرحمٰن" اور کوئی ترجمہ "موضح القرآن" کا مقابلہ نہیں کرتی۔ اگر میں اپنی اس مختصر کتاب میں اس اجمال کی تفصیل بیان کرنے لگوں تو بات طویل ہو جائے گی۔

یہ خطہ جس میں ہم رہ رہے ہیں اور یہ صدی جس میں ہم موجود ہیں، اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ قصوں کو بیان کیے بغیر اور زائد توجیہات کو ذکر کیے بغیر عربی محاورات کی سلیس عبارت کے ساتھ ایک تفسیر تحریر کی جائے۔ اصولِ تفسیر کے اس رسالے کے شروع سے لے کر

اب تک جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے، ان سب باتوں کو اس تفسیر میں بہ درجہ اتم ملحوظ رکھا جائے اور اسے عملی جامہ پہنایا جائے، تا کہ خواص و عوام سب یکساں فہم حاصل کریں اور سب چھوٹے بڑے ایک ہی طرح سے صحیح اور غلط کی پہچان حاصل کریں۔

اگر حق اور انصاف پوچھتے ہو تو نزولِ قرآن کا اصل فائدہ اس کے مواعظ کے ساتھ نصیحت کرنا اور اس کی ہدایت کے ساتھ راہنمائی کرنا ہے، صرف اس کا تلفظ و تلاوت کرنا نہیں۔ اگرچہ اس کا تلفظ بھی ایک غنیمت ہے، مگر جو شخص مفہومِ قرآن کو حق تعالیٰ کی مراد پر نہیں سمجھتا، اس کو مسلمانی کیا ہاتھ آئے گی؟ جو شخص قرونِ اولیٰ کی روش پر نہیں جائے گا، وہ اس کی کیا حلاوت اور شیرینی پائے گا؟

وہ لوگ جو تفاسیرِ متداولہ پر نظر رکھتے ہیں اور عربی لغت پڑھتے ہیں، اگر وہ اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو باری تعالیٰ عز اسمہ کے فضل سے امید ہے کہ وہ نحو، شرحِ غریب، اَحکام، قصص اور اس طرح کی دیگر چیزوں میں راجح اقوال اور اصح مختارات پر مطلع ہو جائیں گے، ان کو ایسے بہت سے تازہ فوائد حاصل ہوں گے، جو انھوں نے اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے پہلے دیکھے اور نہ سنے ہوں گے۔

غرض کہ مخلوقِ خدا کی شفقت اور ہمدردی کی بنیاد پر یہ تفسیر لکھی گئی ہے۔ اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کہ صرف، نحو، ضروری لغت اور علم اعراب کے قواعد جان لینے کے بعد، جن کو بچے اور مبتدی تھوڑے سے وقت میں سیکھ جاتے ہیں، ابتدائی عمر ہی میں تفسیر و حدیث کا علم حاصل کیا جائے۔ اگر علومِ الٰہیہ بہ درجہ اتم ہاتھ میں آ جائیں تو مقصد کی تکمیل کے لیے یہ بھی موید و معاون ثابت ہوں گے۔

یہ تفسیر چند لحاظ سے دیگر تفاسیر سے مختلف ہے:

① اِطنابِ عبارت، رکاکتِ تعبیر اور ایجازِ مراد سے حتی الامکان احتراز کیا گیا ہے۔

② قرآن سے متعلقہ قصوں میں امکانی حد تک میانہ روی اختیار کی گئی ہے، چناں چہ جہاں پر کسی آیت کا معنی و مفہوم کسی قصے پر موقوف ہے، تو بہ قدر ضرورت دو تین صحیح روایات کا انتخاب کر کے بیان کر دی گئی ہیں اور جہاں پر آیت کا معنی کسی قصے پر موقوف نہیں ہے، اسے ترک کر دیا گیا ہے۔

③ اسبابِ نزول میں لمبے قصوں سے ایک نکتہ کشید کر لیا گیا ہے اور جو چیز نقل سے تعلق رکھتی تھی، اس کو محدثین کی صحیح ترین تفاسیر سے نقل کر دیا گیا اور جہاں اخبارِ ضعیفہ اور قصصِ موضوعہ کے

آنے کا امکان تھا، ان سے احتراز کیا گیا ہے۔ وہ اسرائیلی واقعات جو اہلِ کتاب، کعب احبار رحمہ اللہ، وہب بن منبہ رحمہ اللہ اور ان جیسے دیگر لوگوں سے منقول ہیں، خیرالبشر اور صادق و مصدوق کی حدیث سے نہیں تو ان کو اس تفسیر میں شامل نہیں کیا گیا۔ الا یہ کہ کوئی جگہ ایسی ہو جہاں اس کے بیان کیے بغیر معنی واضح نہ ہوتا ہو یا اس کے ضعف پر تنبیہ کرنا ضروری تھا اور اس کے ضعف اور بے اصل ہونے کو بیان کرنے کی غرض سے بیان کیا گیا ہو۔

④ توجیہات میں سے عربیت کے اعتبار سے قوی ترین توجیہ، علمِ حدیث کے اعتبار سے صحیح ترین اور ظاہر سے پھیرنے میں کم ترین توجیہ کو اختیار کیا گیا ہے۔ جو بھی اس تفسیر اور دیگر تفاسیر کا مطالعہ کرے گا، اسے اس بات میں کوئی شک نہیں رہے گا۔

⑤ یہ تفسیر مذاہب میں سے کسی بھی مذہب کی طرف داری کیے بغیر صحیح روایت اور پسندیدہ درایت کی جامع ہے۔ اس میں سوائے حق تعالیٰ کی مراد اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے صحیح منقول ہے، اس کے سوا کسی چیز کو بنیاد نہیں بنایا گیا۔ وباللہ التوفیق.

قرآن مجید کی قراءت کی سند مجھ سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک حفص رحمہ اللہ کی روایت سے متصل ہے، حفص رحمہ اللہ، عاصم رحمہ اللہ سے عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے توسط سے روایت کرتے ہیں، جیسے کہ تفسیر "فتح الرحمٰن" کے آغاز میں یہ سند لکھی گئی ہے۔

ساتواں باب

قرآن مجید کی تلاوت اور تعلیم کی فضیلت

1 زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ، أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ، فِيهِ الْهُدىٰ وَالنُّورُ، فَخُذُوا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ»[1] (الحديث رواه مسلم)

[میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان میں سے پہلی اللہ کی کتاب ہے، جس میں ہدایت اور نور ہے۔ تو تم کتاب کو پکڑو اور اسے مضبوطی سے تھام لو]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«مَنِ اسْتَمْسَكَ بِهِ وَأَخَذَ بِهِ كَانَ عَلَى الْهُدىٰ، وَمَنْ أَخْطَأَ ضَلَّ»[2]

[جس نے اس کو مضبوطی سے تھام لیا، وہ ہدایت پر ہے اور جس نے اسے چھوڑ دیا، وہ گمراہی پر ہوگا]

ایک روایت میں یوں مروی ہے:

«هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ، مَنِ اتَّبَعَهُ كَانَ عَلَى الْهُدىٰ، وَمَنْ تَرَكَهُ كَانَ عَلٰى ضَلَالَةٍ»[3]

[وہ اللہ کی رسی ہے، جس نے اس کا اتباع کیا، وہ ہدایت پر ہوگا اور جس نے اسے چھوڑ دیا، وہ گمراہی پر ہوگا]

2 سنن ترمذی میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي، أَحَدُهُمَا أَعْظَمُ مِنَ

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٠٨)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٠٨)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٠٨)

الآخر، وَهُوَ كِتَابُ اللّٰهِ، حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ، وَعِتْرَتِي أَهْلُ بَيْتِي، لَمْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ، فَانْظُرُوا كَيْفَ تَخْلُفُونِي فِيهِمَا»[1]

[میں تم میں وہ کچھ چھوڑ کر جا رہا ہوں، جس کو تھام کر رکھنے سے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے، ان میں ایک دوسری سے بڑی ہے اور وہ اللہ کی کتاب ہے، وہ آسمان سے زمین تک لٹکائی ہوئی ایک رسی ہے اور میرے اہلِ بیت، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے، حتیٰ کہ یہ دونوں میرے پاس حوض (کوثر) پر وارد ہوں گے، لہٰذا تم دیکھو کہ تم ان دو چیزوں کے بارے میں کیسے جانشین ثابت ہو رہے ہو]

③ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خبردار رہو! تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا، وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ»[2] (رواه مسلم)

[یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے کچھ لوگوں کو رفعت عطا فرماتا ہے اور کچھ لوگوں کو پستی میں گراتا ہے]

④ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خبردار! بلا شبہہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

«أَلَا إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ، فَقُلْتُ: فَمَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ؟! قَالَ: كِتَابُ اللّٰهِ، فِيهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ، وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ، وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ، هُوَ الْفَصْلُ، لَيْسَ بِالْهَزْلِ، مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ، وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِي غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللّٰهُ، وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِينُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ، وَهُوَ الَّذِي لَا تَزِيغُ بِهِ الْأَهْوَاءُ، وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْأَلْسِنَةُ وَلَا تَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ، وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ، وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ، هُوَالَّذِي لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ إِذَا سَمِعَتْه حَتّٰى ﴿فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِيْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ﴾ مَنْ قَالَ بِهِ صَدَقَ، وَمَنْ عَمِلَ بِهِ أُجِرَ، وَمَنْ حَكَمَ بِهِ عَدَلَ، وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ، خُذْهَا إِلَيْكَ يَا أَعْوَرُ!»[3]

(أخرجه الترمذي، وقال: حديث غريب، وإسناده مجهول، وفي الحديث مقال)

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٧٨٨)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١٧)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٠٦) اس کی سند میں الحارث الاعور سخت ضعیف ہے۔

[''سن لو! عن قریب فتنے پیدا ہوں گے'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی کتاب ہے، اس میں سابقہ قوموں کے احوال اور مستقبل کی اخبار اور تمھارے مسائل کا حل ہے، وہ فیصلہ کن ہے، بے فائدہ نہیں۔ جس نے از روے تکبر اسے چھوڑ دیا، اللہ نے اسے ہلاک کر ڈالا، جس نے اس کے علاوہ کسی اور چیز سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی تو اللہ نے اسے گمراہ کر دیا۔ وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے، وہ ذکرِ حکیم اور صراطِ مستقیم ہے۔ اس کی وجہ سے خواہشات ٹیڑھی ہوتی ہیں نہ زبانیں اختلاط و التباس کا شکار ہوتی ہیں اور نہ علما اس سے سیر ہوتے ہیں۔ کثرتِ تکرار (تلاوت) سے وہ پرانی ہوتی ہے اور نہ اس کے عجائب ختم ہوتے ہیں۔ وہ ایسی کتاب ہے جسے سن کر جن بے ساختہ پکار اٹھے کہ ہم نے عجب قرآن سنا ہے، جو رشد و ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لے آئے۔ جس نے اس کے حوالے سے کہا سچ کہا، جس نے اس کے مطابق عمل کیا وہ اجر پا گیا، جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا، اس نے عدل کیا اور جس نے اس کی طرف بلایا، وہ صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت پا گیا'' اے اعور! اسے اچھی طرح (سمجھ کر) تھام لو]

٥ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الرَّجُلَ الَّذِي لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيْئٌ مِنَ الْقُرآنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ»[1] (أخرجه الترمذي وصححه)

[یقیناً جس شخص کے پیٹ (سینے) میں قرآن مجید کا کچھ حصہ نہ ہو تو وہ ویران و تباہ حال گھر کی طرح ہے]

٦ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرآنَ وَعَلَّمَهُ»[2] (أخرجه البخاري)

[تم میں سے بہترین شخص وہ ہے، جس نے قرآن سیکھا اور (دوسروں کو) سکھایا]

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩١٣) اس کی سند میں ایک راوی قابوس ہے، جو قدرے ضعیف ہے۔

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٣٩)

7 عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ»[1] (أخرجه الشيخان)

[ماہرِ قرآن، اطاعت گزار معزز لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور وہ شخص جو اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس پر دشوار ہوتا ہے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے]

8 ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْأُتْرُجَّةِ، طَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَرِيحُهَا طَيِّبٌ، وَالَّذِي لَا يَقْرَأُ كَالتَّمْرَةِ، طَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَلَا رِيحَ لَهَا، وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ، وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ، وَ لَا رِيحَ لَهَا»[2] (أخرجه البخاري)

[قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا مومن نارنگی کی طرح ہے، اس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور وہ خوش ذائقہ بھی ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت نہ کرنے والا مومن کھجور کی مانند ہے، جس کی خوشبو تو نہیں، لیکن اس کا ذائقہ شیریں ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا فاجر نازبو کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے اور قرآن نہ پڑھنے والا فاجر تمے کی طرح ہے جس کی خوشبو نہیں اور ذائقہ کڑوا ہے]

9 عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُولُ الم حَرْفٌ، وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ»[3]

(أخرجه الترمذي وقال حسن صحيح غريب وقد رفعه بعضهم عنه ووقفه بعضهم عليه)

[جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھتا ہے تو اس کے بدلے میں اسے ایک نیکی ملتی ہے

---

(1) صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٦٥٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٩٨)

(2) صحيح البخاري، رقم الحديث (٧١٢١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٩٧)

(3) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩١٠)

اور نیکی دس گنا بڑھ جاتی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک ہی حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے]

10 عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ، قَالَ: وَمَا الْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ؟ قَالَ: الَّذِيْ يَضْرِبُ مِنْ أَوَّلِ الْقُرْآنِ إِلىٰ آخِرِهِ كُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ»[1] (أخرجه الترمذي)

[اترنے والا اور روانہ ہونے والا۔ اس نے کہا: اترنے والے اور روانہ ہونے والے سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جو قرآن کو شروع سے پڑھتا ہے اور آخر تک پڑھتا چلا جاتا ہے، جب وہ ختم کرتا ہے تو اسے دوبارہ شروع کر دیتا ہے]

11 عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اقْرَأْ وَارْقَ، وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اللّٰهِ آخِرُ آيَتِهِ تَقْرَأُهَا»[2] (أخرجه الترمذي، وقال: حسن صحيح)

[صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ویسے ہی ترتیل سے پڑھ جیسے تو دنیا میں ترتیل سے پڑھتا تھا اور تو جہاں آخری آیت پڑھے گا، اللہ کے ہاں وہی تیری منزل ہوگی]

12 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَجِيْءُ الْقُرْآنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ!: حَلِّهِ، فَيُلْبَسُ تَاجَ الْكَرَامَةِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: يَا رَبِّ! زِدْهُ فَيُلْبَسُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: رَبِّ! ارْضَ عَنْهُ، فَيُقَالُ: اِقْرَأْ وَارْقَ، وَيُزَادُ بِكُلِّ آيَةٍ حَسَنَةً»[3] (أخرجه الترمذي وحسنه)

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٤٨) یہ روایت ایک راوی صالح المری کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (١٨٣٤)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩١٤)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩١٥)

[قیامت کے دن قرآن آئے گا اور عرض کرے گا: اے پروردگار! اسے زیب و زینت سے آراستہ فرما، لہٰذا اسے باعزت تاج پہنایا جائے گا، وہ پھر عرض کرے گا: اے پروردگار! اسے مزید آراستہ فرما، پھر اسے عزت کا لباس پہنایا جائے گا، پھر وہ مزید کہے گا: اے پروردگار! تو اس سے راضی ہو جا۔ پس (حافظ سے) کہا جائے گا کہ تو قرآن پڑھتا جا اور (جنت کے بلند) درجات کی طرف چڑھتا جا اور ہر آیت کے بدلے ایک نیکی بڑھا دیا جائے گا]

١٤ سہیل بن معاذ الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَاجًا ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا، لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا؟»[1] (أخرجه أبو داود)

[جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس کے مطابق عمل کیا تو قیامت کے روز اس کے والدین کو ایک تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی تمھارے دنیا کے گھروں میں چمکنے والے سورج کی روشنی سے، جب کہ وہ تمھارے اندر موجود ہو، اچھی ہو گی۔ تمھارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے، جس نے اس کے مطابق عمل کیا ہو؟]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٤٥٣) اس کی سند میں زبان نامی راوی ضعیف ہے، جس کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دیا گیا ہے، البتہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں بریدہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت پیش کی ہے:

«مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَتَعَلَّمَ وَعَمِلَ بِهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَاجًا مِنْ نُوْرٍ ضَوْءُهُ مِثْلُ ضَوْءِ الشَّمْسِ وَيُكْسىٰ وَالِدَاهُ حُلَّتَيْنِ لَا يَقُوْمُ لَهُمَا الدُّنْيَا فَيَقُوْلَانِ: بِمَا كُسِيْنَا؟ فَيُقَالُ: بِأَخْذِ وَلَدِكُمَا الْقُرْآنَ»

[جس نے قرآن پڑھا، اس کا علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا، اس کے والدین کو قیامت کے دن نور کا تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی سورج کی روشنی کی مانند ہو گی۔ نیز اس کے والدین کو دو ایسی پوشاکیں پہنائی جائیں گی، جو انھوں نے دنیا میں نہیں پہنی ہوں گی۔ وہ سوال کریں گے: ہمیں یہ پوشاکیں کس لیے پہنائی گئیں؟ کہا جائے گا: تمھارے بیٹے کے قرآن لینے (پڑھنے اور عمل کرنے) کی وجہ سے]

امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

١٤ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلاَلَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِيْ عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُمُ النَّارُ»[1]

(أخرجه الترمذي، وقال: حديث غريب، وليس له إسناد صحيح)

[جس شخص نے قرآن پڑھا، اسے یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام جانا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور اس کے اہلِ خانہ کے ان دس افراد کے بارے میں اس کی سفارش قبول فرمائے گا، جن پر جہنم واجب ہو چکی تھی]

١٥ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

«مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْئٍ كَأُذُنِهِ لِنَبِيٍّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ»[2] (أخرجه البخاري ومسلم)

[اللہ تعالیٰ نے اتنی توجہ سے کسی چیز کو نہیں سنا جتنا اس نے نبی کو ترنم کے ساتھ قرآن پڑھتے ہوئے توجہ سے سنا ہے]

"أذن" کا لغوی معنی ہے توجہ سے سننا۔ "یتغنی" کا معنی ہے قرآن کو ترنم کے ساتھ پڑھنا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ لوگوں سے بے پروا ہو گیا۔ مگر پہلا معنی اولیٰ اور بہتر ہے اور سیاق حدیث "یجھر به" بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔

١٦ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ»[3] (أخرجه البخاري)

[جو شخص خوش الحانی سے قرآن مجید نہیں پڑھتا، وہ ہم میں سے نہیں ہے]

١٧ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ: مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَ مَسْئَلَتِيْ أَعْطَيْتُهُ

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٠٥) اس کی سند میں حفص بن سلیمان راوی متروک ہے۔

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧١٠٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٩٣)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٠٨٩)

أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِيْنَ، وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ علىٰ سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلىٰ خَلْقِهِ» [1]

(رواه الترمذي والدارمي والبيهقي في شعب الإيمان، وقال الترمذي: هذا حديث حسن غريب)

[جس شخص کو قرآن مجید نے میرے ذکر اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول کر رکھا ہو، میں اسے اس سے بہتر عطا کرتا ہوں، جو سوال کرنے والوں کو دیتا ہوں اور اللہ کے کلام کو دیگر کلاموں پر ایسے ہی برتری حاصل ہے، جیسے اللہ کو اپنی مخلوق پر برتری حاصل ہے]

۱۸ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«لَوْ جُعِلَ الْقُرْآنُ فِي إِهَابٍ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ» [2] (رواه الدارمي)

[اگر قرآن مجید کو کسی چمڑے میں رکھ کر آگ میں ڈالا جائے تو وہ ہرگز نہ جلے گا]

۱۹ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَاقْرَأُوْهُ فَإِنَّ مَثَلَ الْقُرْآنِ لِمَنْ تَعَلَّمَ فَقَرأَ وَقَامَ بِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْكًا، تَفُوْحُ رِيْحُهُ كُلَّ مَكَانٍ، وَمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَهُ فَرَقَدَ وَهُوَ فِي جَوْفِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ أُوْكِيَ عَلىٰ مِسْكٍ» [3] (أخرجه الترمذي والنسائي وابن ماجه)

[قرآن سیکھو اور اسے پڑھو، کیوں کہ قرآن سیکھنے والا، اسے پڑھنے اور اس کا اہتمام کرنے والا کستوری سے بھری ہوئی تھیلی کی مانند ہے، جس کی خوشبو ہر جگہ مہکتی ہو اور جس نے اسے سیکھا، لیکن سویا رہا، حالاں کہ قرآن اس کے سینے میں ہے تو وہ کستوری کی اس بند تھیلی کی طرح ہے، جس کا منہ بند ہو گیا ہو]

۲۰ اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْآنَ فِيْ غَيْرِ الْمُصْحَفِ أَلْفُ دَرَجَةٍ، وَقِرَاءَتُهُ فِي

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٢٦) سنن الدارمي، رقم الحديث (٣٣٥٦) شعب الإيمان للبيهقي (٢/٣٥٣) اس کی سند میں محمد بن الحسن بن ابی یزید ضعیف ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (١٣٣٤)

[2] سنن الدارمي (٢/٥٢٢)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٧٦) سنن النسائي الكبرىٰ (٥/٢٢٧) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢١٧)

الْمُصْحَفِ تَضْعُفُ عَلىٰ ذٰلِكَ إِلىٰ أَلْفَيْ دَرَجَةٍ»[1]

[آدمی کا زبانی قرآن مجید پڑھنا ہزار درجے رکھتا ہے، جبکہ اس کا قرآن کریم سے دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے سے دو ہزار درجے رکھتا ہے]

21 عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ إِذَا أَصَابَهُ الْمَاءُ» قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! وَمَا جَلَاؤُهَا؟ قَالَ: «كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ، وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ»[2]

(رواهما البيهقي في شعب الإيمان)

[یہ دل زنگ آلودہ ہو جاتے ہیں، جس طرح لوہا پانی لگنے سے زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ عرض کی گئی: اللہ کے رسول ﷺ! اس کی چمک کس طرح آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن کی تلاوت کرنا]

22 ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ، فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الْإِبِلِ فِيْ عَقْلِهَا»[3] (متفق عليه)

[قرآن مجید کی خبر گیری کرتے رہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے! وہ (قرآن سینوں سے) نکل جانے میں اونٹ کے اپنی رسی سے نکل جانے سے بھی زیادہ تیز ہے]

23 جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِقْرَأُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوْبُكُمْ، فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْهُ»[4]

(أخرجه الشيخان)

---

[1] المعجم الكبير للطبراني (۱/۲۲۱) شعب الإيمان للبيهقي (۲/۴۰۷) اس کی سند میں عثمان بن عبداللہ بن اوس راوی ضعیف ہے۔

[2] شعب الإيمان للبيهقي (۲/۳۵۲) اس کی دو سندیں ہیں: ایک میں عبدالرحیم بن ہارون راوی کذاب ہے اور دوسری میں عبداللہ بن عبدالعزیز بن ابی رواد سخت ضعیف ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (۴۷۴۶) صحيح مسلم، رقم الحديث (۷۹۱)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (۴۷۷۳) صحيح مسلم، رقم الحديث (۲۶۶۷)

[قرآن اس وقت تک پڑھو، جب تک تمھارے دل اس پر متوجہ ہوں اور جب خیالات منتشر ہو جائیں تو پھر اسے پڑھنا چھوڑ دو]

٢٤ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ»[1] (رواه أحمد وأبو داوٗد وابن ماجه والدارمي)

[اپنی آوازوں کے ذریعے سے قرآن مجید کو مزین کرو]

٢٥ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِيْ أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ»[2] (رواه الترمذي وأبو داوٗد والدارمي)

[جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن پڑھا تو اس نے اسے سمجھا ہی نہیں]

٢٦ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ، وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ»[3]

(رواه الترمذي وأبو داوٗد والنسائي، وقال الترمذي: هذا حديث حسن غريب)

[بلند آواز سے قرآن پڑھنے والا علانیہ صدقہ کرنے والے کی طرح ہے، جب کہ آہستہ قرآن پڑھنے والا چھپا کر صدقہ کرنے والے کی طرح ہے]

٢٧ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَيْنِ، رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ، فَهُوَ يَقُوْمُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ»[4]

(متفق عليه)

---

[1] مسند أحمد (٢٨٣/٤) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (١٤٦٨) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٣٤٢) سنن الدارمي (٥٦٥/٢) سنن النسائي، رقم الحديث (١٠١٥)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٤٩) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (١٣٩٤) سنن الدارمي (٤١٨/١) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٣٤٧)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩١٩) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (١٣٣٣) سنن النسائي، رقم الحديث (٢٥٦٢)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٣٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١٥)

[صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے، ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن (کا علم) عطا کیا ہو اور وہ دن رات اس (کی تلاوت وعمل) کا اہتمام کرتا ہو اور ایک وہ آدمی جسے اللہ نے مال عطا کیا ہو اور وہ دن رات اس میں سے خرچ کرتا ہو]

الحاصل اس موضوع پر مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں، لیکن جو احادیث ہم نے اوپر بیان کی ہیں، یہ کافی ہیں اور عقل مندوں کو تو صرف پہنچا دینا ہے۔

ہم نے اپنی کتاب "قصد السبيل إلىٰ ذم الكلام والتأويل" میں قرآن کریم کی جملہ کتب پر فضیلت بیان کی ہے، لہٰذا اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

مقصدِ دوم

علمِ تفسیر پر لکھی جانے والی کتابوں کا بیان

مرتب بہ حروفِ ہجا از الف تا یا

باب الألف

* الإبانة في معاني القرآن: تالیف: ابو محمد مکی بن ابی طالب قیسی مقری رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۷ھ)
* إتحاف الأريب بما في القرآن من الغريب: تالیف: ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۵ھ)
* الإتحاف بتمييز ما تبع فيه البيضاوي صاحب الكشاف: ابن یوسف شامی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* الإتقان في فضائل القرآن: شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) کی مختصر کتاب ہے۔
* الإتقان في علوم القرآن: یہ ایک جلد میں شیخ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۱۱ھ) کی کتاب ہے، اس کتاب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أنزل على عبده الكتاب......الخ" یہ کتاب ان کی عظیم یادگار اور مفید کارنامہ ہے۔ انھوں نے اس میں اپنے شیخ کافیجی کی تصنیف کو مختصر کیا ہے اور بلقینی رحمہ اللہ کی ''مواقع العلوم'' کو بہ طور استقلال کے ذکر کیا ہے۔ پھر "التحبير في علم التفسير" لکھنے کے بعد امام زرکشی رحمہ اللہ کی کتاب "برهان" جو ایک جامع کتاب ہے، ان کے ہاتھ لگ گئی۔ انھوں نے اسے از سر نو تصنیف کیا اور اس میں اسی (۸۰) انواع کا اضافہ کیا۔ انھوں نے اپنی اس کتاب کو اپنی "مجمع البحرين" نامی "تفسير كبير" کا مقدمہ ٹھہرایا اور فرمایا کہ ان میں سے غالب انواع پر جداگانہ تصنیف پائی جاتی ہیں۔[1]

یہ کتاب ۱۲۷۱ھ میں دارالامارۃ کلکتہ سے طباعت کے سانچے میں ڈھلی اور اس نے اہلِ علم کے ہاتھوں میں آ کر خوب شہرت کمائی۔ علومِ قرآن کی انواع کو جمع کرنے کے لحاظ سے اس طرح کی

[1] كشف الظنون (۱/ ۸)

کوئی کتاب دکھائی نہیں دیتی۔ حق یہ ہے کہ سیوطی رحمہ اللہ اس موضوع کا حق ادا کرتے ہوئے اعجاز القرآن کے فنون کے طالب علم کے لیے ایک مشفق استاد اور علومِ فرقان کے خادم کے لیے ایک رفیق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ راقم الحروف کے پاس بھی موجود ہے۔ وباللہ التوفیق.

* أحكام القرآن: امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ (المتوفی بمصر: ۲۰۴ھ) نے اس موضوع پر سب سے پہلے تالیف کی۔ ان کے بعد اہلِ علم کی ایک جماعت نے اس کی تدوین پر کام کیا، جیسے شیخ ابوالحسن علی بن حجر سعدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۴ھ)، قاضی ابو اسحاق اسماعیل بن اسحاق ازدی بصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۸۲ھ)، شیخ ابوالحسن علی بن موسیٰ بن یزداد قمی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۵ھ)، شیخ ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۱ھ)، شیخ ابو محمد قاسم بن اصبغ قرطبی نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۴۰ھ)، شیخ ابوبکر احمد بن محمد معروف بہ جصاص رازی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۷۰ھ)، شیخ ابوالحسن علی بن محمد معروف بہ کیا ہراسی شافعی بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۴ھ)، قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ معروف بابن العربی حافظ مالکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۳ھ) ان کی کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "ذكر الله مقدم علىٰ كل أمر ذي بال......الخ" شیخ عبدالمنعم بن محمد بن فرس الغرناطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷ھ)

مختصر احکام القرآن از شیخ ابو محمد مکی قیسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۷ھ) تلخیص احکام القرآن جو شیخ جمال الدین محمد بن احمد معروف بابن سراج قونوی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۰ھ) کی تالیف ہے، شیخ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (المتوفی: ۴۵۸ھ) بھی اس موضوع پر لکھنے والے ہیں، جن کی تالیف کی ابتدا "الحمد لله رب العالمين......الخ" سے ہوتی ہے، جو امام شافعی رحمہ اللہ کے کلام سے جمع کی گئی ہے۔ شیخ احمد المعروف ملاجیون بن شیخ ابو سعید بن شیخ عبداللہ امیٹھوی رحمہ اللہ کی بھی ایک تفسیر ہے جو "تفسیر احمدی" کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں مولف نے آیاتِ احکام کی تفسیر کی ہے۔ امیٹھی لکھنو کے زیر انتظام اور ماتحت علاقہ ہے۔ ملا شیخ صدیقی حنفی المذہب تھے اور ملا لطف اللہ کردی کے شاگرد تھے، جو سلطان اورنگزیب عالمگیر بادشاہ کے استاد تھے۔ انھوں نے ۱۱۳۰ھ میں دہلی کے اندر وفات پائی، ان کے جسدِ خاکی کو امیٹھی میں لا کر دفن کیا گیا۔ انھوں نے اپنی تفسیر میں ان آیات کی تفسیر کی ہے، جن سے فقہی مسائل کا استنباط ہوتا ہے اور پھر ان مسائل کو کتبِ تفسیر و فقہ سے نقل کیا ہے۔ ان کی تفسیر

رطب و یابس کی جامع ہے۔ یہ ہندوستان میں کئی بار طبع ہو کر منصۂ شہود پر آ چکی ہے۔

* الإحكام لبيان ما في القرآن من الإبهام: یہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) کی تالیف ہے۔
* اختلاف المصاحف: ابو حاتم سہل بن محمد سجستانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۸ھ) کی تالیف ہے۔
* علم آداب تلاوة القرآن وآداب تاليه: یہ علمِ تفسیر کی فروع میں سے ایک فرع ہے۔ مفسرین کی ایک جماعت نے اس موضوع پر جداگانہ تصنیفات چھوڑی ہیں۔ ان میں سے امام نووی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ انھوں نے 'التبیان'' میں اس موضوع پر لکھا ہے اور اس میں تیس اور کچھ آداب بیان کیے ہیں۔
* علم آداب كتابة المصحف: یہ بھی علمِ تفسیر کی ایک فرع ہے۔ ملا کاتب چلپی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: "أنه أشبه منه في كونه فرعا لعلم الخط"[1] [بلاشبہہ وہ علمِ تفسیر کے بجائے علمِ خط کی فرع ہونے کے زیادہ مشابہ ہے]
* إرشاد العقل السليم إلىٰ مزايا الكتاب الكريم: یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر قرآن عظیم کی تفسیر ہے۔ یہ شیخ الاسلام، مفتی الانام ابو السعود بن محمد عمادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۸۲ھ) کی تالیف ہے۔ انھوں نے یہ تفسیر اپنے بیٹے کے ہاتھ سلطان سلیمان خان کے پاس بھیجی تو اس نے ایوان کے دروازے پر اس کا استقبال کیا اور ان کے وظیفے اور تشریفات میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔ منشی محمد مورخ ترکی نے اس کی تاریخ یوں بیان فرمائی ہے:

"باح تفسير كلام معجز"

۹۷۲ھ

اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس پر تفسیرِ اکبر کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس کی شہرت آفاق میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کے نسخے ملکوں میں مشہور اور پھیلے ہوئے ہیں۔ ماہرین نے اس کی تفسیر کو تلقی بالقبول سے نوازا ہے۔ وہ اپنی اچھائی میں بڑی زیرک اور لطفِ تعبیر میں اپنی ہم عصر تفاسیر سے فائق ہے، لہٰذا لوگ اس کے مولف کو خطیب المفسرین کہتے ہیں۔ یہ بات معلوم ہے کہ کشاف اور قاضی بیضاوی رحمہ اللہ

[1] كشف الظنون (١/ ٤٣)

کی تفسیر کے بعد کوئی تفسیر اعتبار و اشتہار میں اس پائے کی نہیں ہے۔ ملا کاتب رحمہ اللہ نے کہا ہے:

”والحق أنه حقيق به، مع ما فيه من المنافي لدعوى التنزيه، ولا شك أنه مما رواه طالع سعده كما قال الشهاب المصري في خبايا الزوايا“[1]

[حق تو یہ ہے کہ وہ اسی تعریف کے لائق ہے، اس کے باوجود اس میں تنزیہ کے دعوے کے منافی کچھ چیزیں پائی جاتی ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بلا شبہہ وہ ایسی چیز ہے، جسے وہی بیان کرتا ہے جو صاحبِ نصیب ہو، جیسے الشہاب المصری نے اپنی کتاب ”خبايا الزوايا“ میں بیان کیا ہے]

راقم الحروف کہتا ہے کہ اس تفسیر کا ماخذ کشاف، بیضاوی اور اس کی شروح ہیں۔ مولف نے اس کے مضامین کو خوش اسلوب عبارت، مرتب و آراستہ انداز اور ربطِ کلام کے ساتھ ادا کیا ہے۔ علمِ بلاغت اور علمِ ادب کی خوب داد دی ہے، گویا وہ علم معانی اور علم بیان کی کتاب ہے۔ اس میں مقصود تفسیر کم ہی پائی جاتی ہے، اس میں مولف تراکیب و اعرابِ نحویہ پر بھی کلام کرتے ہیں۔

شیخ احمد رومی الاقحصاری رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۴۱ھ) نے اس تفسیر پر سورۃ الروم سے سورۃ الدخان تک حاشیہ لکھا ہے۔ اس تفسیر کا دیباچہ بہت لمبا ہے۔ محمد بن محمد حسینی زیرک زادہ رحمہ اللہ نے ۱۰۰۳ھ میں اس کی شرح لکھی۔ اس کے دیباچے کا آغاز یوں ہوتا ہے: ”سبحان من أرسل رسوله بالهدىٰ ودين الحق......الخ“ اور اس کی شرح کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

”سبحان من أطلع شمس كتابه......الخ“

شیخ رضی الدین یوسف مقدسی رحمہ اللہ نے بھی تقریباً نصف تفسیر پر ایک عظیم حاشیہ تحریر کیا اور اسعد بن سعد الدین رحمہ اللہ کی بیت المقدس میں آمد کے موقع پر اس کی خدمت میں اس کا ہدیہ بھیجا۔ اس حاشیے میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دونوں علما (زمخشری و بیضاوی رحمہما اللہ) اور اس فاضل سے نقل کرتے ہیں۔ چناں چہ وہ کہتے ہیں: ”قال الكشاف، قال القاضي، قال المفتي“ اس کے بعد وہ ان تینوں کے درمیان محاکمہ کرتے ہیں۔ اس کا افتتاحیہ یوں ہے: ”الحمد لله الذي أنزل علىٰ عبده الكتاب......الخ“ ابھی تھوڑا ہی عرصہ پہلے مصر میں یہ تفسیر طبع ہوئی اور طالبان علم وحق

[1] كشف الظنون (١/ ٦٥)

کے ہاتھوں میں پہنچی ہے۔ راقم الحروف کے پاس بھی یہ تفسیر موجود ہے۔

* الإرشاد والتطريز في فضل ذكر اللّٰه سبحانه وتعالىٰ وتلاوة كتابه العزيز: یہ ابو سعادات عبداللہ بن اسعد یافعی یمنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۱ھ) کی تالیف ہے۔ انھوں نے اس کا ایک اختصار بھی لکھا ہے۔
* الإرشاد في تفسير القرآن: یہ شیخ الاسلام امام ابو الحکم عبدالسلام بن عبدالرحمن المعروف بابن برجان لخمی اشبیلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۲۷ھ) کی تالیف ہے۔ یہ کئی جلدوں پر محیط ایک ضخیم تفسیر ہے۔ اس میں وہ اَسرار و خواص ذکر کیے گئے ہیں، جو اس فن کے ماہرین میں مشہور ہیں اور ان کے رموزات سے کچھ امور کا استنباط کیا گیا، جن کی ان کے واقع ہونے سے پہلے خبر دی گئی ہے۔[1]

راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ تفسیر نہیں، بلکہ کوئی اور ہی فن ہے جو قرآن سے نکالا گیا ہے اور نزولِ قرآن کے مقصد سے خارج ہے۔

* الأريب في تفسير الغريب: یہ امام ابو الفرج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* إزالة الشبهات عن الآيات والأحاديث المشتبهات: یہ ابو عبداللہ محمد بن احمد معروف بابن اللبان مصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۹ھ) کی تالیف ہے۔
* الأزهار الفائحة على الفاتحة: یہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

علم أسباب النزول:

یہ علمِ تفسیر کی ایک فرع ہے۔ اس علم میں اہلِ علم سورت یا آیت کے سببِ نزول، نیز مکانِ نزول اور اس جیسی چیزوں پر بحث کرتے ہیں۔ ان مقدمات کے اصول سلف سے منقول اور مشہور ہیں۔ اس کی غرض ان امور کا ضبط کرنا ہے۔ سببِ نزول کی معرفت کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے حکمت کی وجہ معلوم ہو جاتی ہے، جو حکم کی تشریع کا باعث ہوتی ہے اور حکم کی اس کے ساتھ اس شخص کے ہاں تخصیص ہوتی ہے، جو خصوصِ سبب کے معتبر ہونے کا قائل ہے۔ لفظ کبھی عام ہوتا ہے اور اس کی تخصیص پر دلیل قائم

[1] كشف الظنون (۱/ ۶۹۔ ۷۰)

ہو جاتی ہے۔ چناں چہ جب سبب معلوم ہو جاتا ہے تو وہ اس کے سوا دوسرے سے تخصیص کا قصد کرتے ہیں۔

اس علم کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے قرآن مجید کے معانی کا فہم حاصل ہوتا ہے اور احکام کا استنباط ہوتا ہے۔ کتنی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی آیت کی معرفت اس کے سببِ نزول کو جانے بغیر میسر نہیں آتی، جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ جو استقبالِ قبلہ کے عدمِ وجوب کا تقاضا کرتا ہے، جبکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ یہ معنی اجماع کے خلاف ہے۔ یہ معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی، جب تک اس آیتِ کریمہ کا سببِ نزول معلوم نہ ہو۔ جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ آیتِ کریمہ سفری نوافل اور تحری کرنے والے نمازی کے بارے میں ہے۔ مشاہدینِ تنزیل سے روایت اور سماع کے بغیر سببِ نزول پر گفتگو نہیں کی جا سکتی۔

امام واحدی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

”ويشترط في سبب النزول أن يكون نزولها أيام وقوع الحادثة، وإلا كان ذلك من باب الإخبار عن الوقائع الماضية كقصة الفيل“[1]

[سببِ نزول میں یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ اس کا نزول، حادثے کے وقوع کے ایام میں ہو، ورنہ یہ ماضی کے واقعات کی خبر دینے کی قبیل سے ہوگا، جیسے ہاتھیوں کا قصہ ہے]

اس علم پر کئی کتابیں تالیف کی گئیں ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

① أسباب النزول: شیخ المحدثین علی بن المدینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۴ھ) کی تالیف ہے۔ علی بن مدینی رحمہ اللہ ہی وہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے اس موضوع پر کتاب تصنیف کی۔

② أسباب النزول: اس کے سو اجزا ہیں، جو شیخ عبدالرحمن بن محمد فطیس معروف بہ مطرف اندلسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۰۲ھ) رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ ابو نصر سیف الدین احمد بن اسبرتیکنی رحمہ اللہ نے اس کا فارسی میں ترجمہ لکھا ہے۔

③ أسباب النزول: شیخ ابو الحسن علی بن احمد واحدی مفسر رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۸ھ) کی تالیف ہے۔ اس موضوع کی مصنفات میں سب سے زیادہ مشہور تصنیف ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: ”الحمد لله الكريم الوهاب...“

---

[1] كشف الظنون (۱/ ۷٦)

شیخ برہان الدین ابراہیم بن عمر جعبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۳۲ھ) رحمہ اللہ نے اس کا اختصار کیا ہے۔ انھوں نے اس میں موجود روایات کی سندوں کو حذف کر دیا اور اس میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔

④ أسباب النزول: ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی البغدادی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

⑤ أسباب النزول: شیخ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (المتوفی: ۸۵۲ھ) رحمہ اللہ کی تالیف ہے، لیکن اس کا مسودہ مبیضے میں منتقل نہیں ہو سکا۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام "لباب النقول" ہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا۔

⑥ أسباب النزول: شیخ ابو جعفر محمد بن علی بن شعیب المازندرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۸۸ھ) کی تالیف ہے۔

* الاستغناء بالقرآن: یہ حافظ زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد معروف بابن رجب حنبلی بغدادی (المتوفی: ۷۹۵ھ) رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

* الاستغناء في التفسير: اس کی ایک سو جلدیں ہیں۔ یہ شیخ ابوبکر محمد بن علی بن احمد ادفوی (المتوفی: ۳۰۸ھ) رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

* أسماء القرآن الكريم: یہ شیخ امام حافظ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن ایوب درعی معروف بابن القیم جوزی حنبلی (المتوفی: ۷۵۱ھ) رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

* أسماء من نزل فيهم القرآن: یہ شیخ اسماعیل الضریر رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

* الأسئلة في البسملة: برہان الدین ابراہیم بن محمد القباقبی رحمہ اللہ (المتوفی فی حدود ۸۰۵ھ) کی تالیف ہے۔

* أسئلة الإمام: یوسف بن الدمشقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۵۵ھ) کی تفسیر و حدیث وغیرہ سے متعلق تالیف ہے۔ انھوں نے سلطان مراد خان کے حکم سے یہ کتاب تصنیف کی اور احمد بن یوسف مشہور بمعید، جو اس وقت عسکر روم ایلی کے قاضی تھے، کے پاس بھیج دی۔ اس نے اس کا جواب لکھا۔ جب امام کو اس کے جواب معلوم ہوئے تو انھوں نے ان میں سے اکثر کا رد کیا۔ سلطان نے چاہا کہ ان میں راجح جواب مرجوح جوابات سے ممتاز ہو جائیں، چناں چہ

اس نے ان دونوں کے درمیان محاکمہ تحریر کروانے کے لیے یہ جوابات یحییٰ افندی رحمہ اللہ مفتی کے پاس بھیج دیے۔ اس نے اس کا جواب لکھا اور اس میں امام صاحب کے بہت سے جوابوں کو ترجیح دی۔ امام کو پورے اکرام و اعزاز کے ساتھ قضاے عسکر کے مرتبے پر فائز کیا گیا۔

وہ مسائل جن میں محاکمہ ہوا، ان میں سے ایک مسئلہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الذاريات: ٥٥]

[اور نصیحت کر، کیوں کہ یقیناً نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے]

اور اس فرمان:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ [المائدة: ١٠٥]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر اپنی جانوں کا بچاؤ لازم ہے، تمھیں وہ شخص نقصان نہیں پہنچائے گا جو گمراہ ہے، جب تم ہدایت پا چکے]

کے درمیان توافق و تطبیق کیا ہے؟

معید نے اس کا جواب یہ دیا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی منافات ہی نہیں ہے کہ ان میں توافق کی ضرورت ہو، کیوں کہ پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے اور آپ ﷺ انذار و وعظ کی ذمے داری کے لیے مبعوث ہوئے ہیں، لہٰذا اس آیت میں آپ ﷺ کو مجادلہ ترک کرنے کے بعد وعظ و نصیحت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسری آیت مومنوں سے خطاب ہے اور اس سے مراد سارے اہلِ ایمان ہیں۔ وہ تذکیر و وعظ پر مامور نہیں ہیں، بلکہ وہ اپنے نفوس کی اصلاح و اہتدا کے پابند ہیں۔ اس کے باوجود امام بیضاوی رحمہ اللہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اہتدا کی وسعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو شامل ہے۔ پس تذکیر بھی اس میں داخل و شامل ہے، اس میں تنافی نہیں ہے۔

جب کہ امام صاحب نے فرمایا کہ احناف کے نزدیک خدا تعالیٰ کا رسول ﷺ کو خصوصی خطاب امت کو بھی اپنے اندر شامل کرتا ہے۔ بنابر تشریف اکیلے رسولِ خدا ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے اور آپ ﷺ کے متبعین بھی اس خطاب میں آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہیں، جیسا کہ اصولِ حنفیہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اور یہ کیسے نہ ہو جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ رَآى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَاسْتَطَاعَ أَنْ يُغَيِّرَهُ فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ» ① (الحديث)

[تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے اور وہ اپنے ہاتھ سے اسے روکنے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ اپنے ہاتھ سے اسے روکے، پھر اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو اپنی زبان کے ساتھ اسے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو اپنے دل کے ساتھ (اسے برا جانے)]

جہاں تک دوسری آیت کا تعلق ہے تو صادق و امین ﷺ نے خبر دی ہے کہ اس کا محل آخری زمانہ ہے۔ چناں چہ اس کے بارے میں روایت ہے کہ آپ ﷺ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَلِ ائْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ، وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ، حَتّٰى إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًى مُتَّبَعًا، وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً، وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِيْ رَأْيٍ بِرَأْيِهِ، فَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ» ② (الحديث)

[بلکہ تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو، لیکن جب تم ایسا بخل دیکھو جس کی اطاعت کی جاتی ہو، ایسی خواہش جس کا اتباع کیا جاتا ہو، ایسی دنیا جس کو ترجیح دی جاتی ہو اور ہر صاحبِ رائے اپنی رائے کو پسند کرنے لگے تو تم پھر خاص طور پر اپنے نفس (کی اصلاح) کو لازم پکڑو]

بس ان دونوں میں یہی تطبیق و توفیق ہوگی۔

مفتی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ عمدہ کلام ہے اور کتبِ اصول کے موافق ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ دوسری آیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب میں سب سے زیادہ تاکیدی آیت ہے اور اس سے جواب دینے والے کے کلام کا بھید ظاہر ہوتا ہے۔ مناسب یہ تھا کہ جواب میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اہتدا کے شامل ہونے میں اقتصار ہوتا۔ رہا وہ جو امام صاحب رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ صادق و امین ﷺ نے یوں خبر دی ہے، وہ توفیق و تطبیق کے

---

① سنن أبي داود، رقم الحديث (١١٤٠) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٢٧٥)

② سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٣٤١) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٠٥٨) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٠١٤)

لیے مناسب ہے، لیکن امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے:

"هذا القول عندي ضعيف" انتهیٰ. [میرے نزدیک یہ قول ضعیف ہے]

باقی کے سوالوں کے جواب کو بھی اسی پر قیاس کر لیں۔

* الإشارة في القراءات العشر: یہ ابو نصر منصور بن احمد عراقی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جو چوتھی صدی کے مشائخ میں سے ہیں۔

* أصول القراءات: یہ شیخ شمس الدین محمد بن محمد جزری (المتوفی: ۸۳۳ھ) رحمہ اللہ کی کتاب کا اختصار ہے۔

* إعجاز البيان في كشف بعض أسرار أم القرآن: یہ شیخ صدرالدین محمد بن اسحاق قونوی (المتوفی: ۶۷۲ھ) رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ یہ سورۃ الفاتحہ کی تفسیر ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله الذي بطن في حجاب عز غيبه الأحمى... الخ"

مصنف نے اس میں ذکر کیا ہے کہ اس میں انھوں نے اپنے کلام کو اہلِ تفسیر کے اقاویل اور ایسے غافلین کے اقوال کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا، جو ایسے ربط ڈھونڈتے ہیں، جو عربی زبان کے مصداق نہیں ہوتے، بلکہ اس میں عطایاے الٰہیہ اور واردات صمدیہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ اگر یہ واردات اہلِ حق کی تفاسیر کے مطابق ہیں اور مقصودِ تنزیل و سنتِ مطہرہ سے متصادم نہیں ہیں تو پھر قابلِ توجہ ہیں اور اگر یہ صوفیانہ مکاشفات کی قبیل سے ہیں تو یہ جو کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتے اور کلامِ الٰہی کی تفسیر کے فن سے خارج ہیں۔

علم إعجاز القرآن:

ابو الخیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ بھی علمِ تفسیر کے فروع سے ہے اور اس موضوع پر لکھنے والی اہلِ علم کی ایک جماعت ہے، جیسے خطابی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۸ھ)، رمانی اور رازی رحمہم اللہ ہیں۔ محمد بن یزید واسطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۶ھ) نے اس موضوع پر ایک کتاب "إعجاز القرآن" لکھی ہے۔ واسطی کی اس کتاب پر عبدالقادر جرجانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۷۴ھ) نے دو شرحیں لکھی ہیں۔ ایک بڑی جس کا نام "معتقد" ہے اور دوسری چھوٹی ہے۔ قاضی ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ اور ابن سراقہ رحمہ اللہ نے اعداد و شمار کے

مطابق لکھی ہیں اور ان میں ایک سے ہزار تک (اعجازِ قرآن) شمار کیے ہیں۔ نیز ابن ابی الاصبع، زملکانی اور رویانی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی اس موضوع پر تصانیف چھوڑی ہیں۔

علم إعراب القرآن:

یہ بھی علم تفسیر کی ایک فرع ہے، لیکن درحقیقت یہ موضوع علم نحو سے تعلق رکھتا ہے، اس کو ایک مستقل علم شمار کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں جو انواع ذکر کی ہیں اور انھیں علوم سے شمار کیا ہے، وہ بھی مناسب نہیں ہے۔ پھر انھوں نے بیان کیا ہے جن امور کی مراعات معرب پر واجب ہے اور انھیں کتاب اعراب القرآن کا مقدمہ بنایا جانا مناسب ہے، لیکن اس کا مقصود علوم و فوائد کو بڑھانا ہے۔ بہرحال اس نوع پر اہلِ علم کی ایک جماعت نے الگ کتابیں تصنیف کی ہیں، جیسے:

1. شیخ مکی بن ابی طالب حموش بن محمد قیسی نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۷ھ) ہیں۔ ان کی کتاب کا آغاز یوں ہوتا ہے: "أما بعد: حمدا لله جل ذكره...... الخ" ان کی یہ کتاب خاص طور پر مشکل اعراب سے متعلق ہے۔
2. ابو الحسن علی بن ابراہیم حوفی نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۶۲ھ) کی تالیف۔ ان کی یہ کتاب دس جلدوں میں ہے اور بڑی واضح کتاب ہے۔
3. ابو البقا عبداللہ بن حسین عکبری نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۱۶ھ) کی تالیف۔ یہ اس فن کی بہت مشہور کتاب ہے، جس کا نام "التبیان" ہے۔
4. ابو اسحاق ابراہیم بن محمد سفاقسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۲ھ) کی کتاب۔ ان کی یہ کتاب مذکورہ بالا کتاب سے بہتر ہے اور چند جلدوں میں مطبوع ہے۔ انھوں نے اس کا نام "المجيد في إعراب القرآن المجيد" رکھا ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي شرفنا بحفظ كتابه......" اس کتاب میں انھوں نے اپنے شیخ ابو حیان رحمہ اللہ کی کتاب "البحر المحيط" کا ذکر کر کے اس کی مدح کی اور کہا ہے:

"لكنه سلك سبيل المفسرين في الجمع بين التفسير والإعراب فتفرق فيه

المقصود"[1] انتہیٰ.

[لیکن وہ تفسیر و اعراب کو جمع کرنے میں مفسرین کی روش پر چلے ہیں، مگر وہ مقصود سے دور ہٹ گئے ہیں]

پھر انھوں نے اس کی تلخیص کی ہے اور ابو البقاء رحمہ اللہ کی کتاب میں اعراب سے متعلق جو باقی ماندہ تھا، اس میں انھوں نے جمع کر دیا ہے، کیوں کہ لوگوں نے اس کتاب پر بڑا اعتماد کیا تھا۔ انھوں نے علامتِ "میم" کے اشارے کے ساتھ اس کو اپنی کتاب کے ساتھ ملایا ہے اور جو کچھ اپنی طرف سے کہا ہے، اس کو "قُلْتُ" کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ چوں کہ یہ کتاب ضخیم ہے، اسی لیے شیخ محمد بن سلیمان صرخدی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۹۲ھ) نے اس کی تلخیص کی ہے اور کئی مواقع اس پر اعتراض وارد کیے ہیں۔

شیخ شہاب الدین احمد بن یوسف معروف بہ سمین حلبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵٦ھ) کی کتاب دیگر امور پر مشتمل ہونے کے باوجود اس فن کی اجل مصنفات میں سے ہے، کیوں کہ اس میں علومِ خمسہ اعراب، تصریف، لغت، معانی اور بیان کو جمع کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا امام سیوطی رحمہ اللہ "الإتقان" میں رقم طراز ہیں:

"وهو مشتمل علىٰ حشو وتطويل، لخصه السفاقسي فجوده"[2] انتهىٰ.

[وہ کتاب حشو و تطویل پر مشتمل ہے، سفاقسی نے اس کا خلاصہ لکھا ہے اور خوب لکھا ہے]

مگر یہ ان کا وہم ہے، کیوں کہ سفاقسی رحمہ اللہ نے اعراب کی تلخیص اس سے نہیں کی، بلکہ کتاب "البحر المحيط" سے تلخیص کی ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ سمین رحمہ اللہ نے بھی اپنے شیخ ابو حیان رحمہ اللہ کی زندگی میں "البحر المحيط" سے تلخیص کی تھی اور اس میں ان کے ساتھ بہت زیادہ مناقشہ کیا ہے اور اس کا نام "الدر المصون في علم الكتاب المكنون" رکھا ہے۔ انھوں نے اس کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے: "الحمد لله الذي أنزل علىٰ عبده الكتاب......الخ" وہ ۷۳٤ھ رجب کے وسط میں اس کتاب کی تصنیف سے فارغ ہوئے۔

تقی الدین نے طبقات میں کہا ہے:

---

[1] كشف الظنون (١/ ١٢٢)

[2] الإتقان للسيوطي (١/ ٥٢٨)

”إن علي بن أمر اللّٰه المعروف بابن الحنائي القاضي بالشام، حضر مرة درس الشيخ العلامة بدرالدين الغزي، لما ختم في الجامع الأموي من التفسير الذي صنفه، وجرىٰ فيه بينهما أبحاث، منها اعتراضات السمين علىٰ شيخه، فقال الشيخ: إن أكثرها غير وارد، وقال علي: والذي في اعتقادي إن أكثرها وارد، وأصرا علىٰ ذلك، ثم إن عليا كشف عن ترجمة السمين فرأى أن الحافظ ابن حجر وافقه فيه، حيث قال في الدرر الكامنة: صنف في حياة شيخه، وناقشه فيه مناقشات كثيرة، غالبها جيدة، فكتب إلى الشيخ أبياتا يسأله أن يكتب ما عثر الشهاب من أبحاثه، فاستخرج عشرة منها، و رجح فيها كلام أبي حيان، وزيف اعتراضات السمين عليها، وسماه بالدر الثمين في المناقشة بين أبي حيان والسمين، وأرسلها إلىٰ القاضي، فلما وقف انتصر للسمين، ورجح كلامه علىٰ كلام أبي حيان، وأجاب عن اعتراضات الشيخ بدرالدين، ورد كلامه في رسالة كبيرة، وقف عليها علماء الشام و رجحوا كتابته علىٰ كتابة البدر، وأقروا له بالفضل والتقدم“[1] انتهىٰ.

[قاضی علی بن امر اللہ المعروف بابن الحنائی رحمہ اللہ ایک مرتبہ شیخ علامہ بدرالدین الغزی رحمہ اللہ کے درس میں اس وقت حاضر ہوئے، جب انھوں نے جامع اموی میں وہ تفسیر مکمل کی، جس کو انھوں نے تصنیف کیا تھا۔ اس سلسلے میں ان کے درمیان کچھ بحثیں ہوئیں، ان میں سے ایک سمین رحمہ اللہ کے اپنے شیخ پر اعتراضات کی بحث تھی۔ شیخ رحمہ اللہ نے کہا کہ ان میں سے اکثر اعتراضات ایسے ہیں، جو سمین رحمہ اللہ کے اپنے شیخ پر وارد نہیں ہوتے۔ اس پر علی رحمہ اللہ نے کہا کہ میرا تو اعتقاد یہ ہے کہ ان میں سے اکثر اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ دونوں نے اپنی بات پر اصرار کیا، پھر علی رحمہ اللہ نے سمین رحمہ اللہ کا ترجمہ نکالا تو اس میں دیکھا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس میں اس کی موافقت کی ہے اور ”الدرر الكامنة“ میں کہا

---

[1] كشف الظنون (١/ ١٢٢)

ہے کہ انھوں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کی زندگی میں اسے تصنیف کیا ہے اور ان کے ساتھ بہت سے مناقشے کیے ہیں، جن میں سے اکثر بہت عمدہ ہیں۔ انھوں نے شیخ کو کچھ اشعار لکھ کر بھیجے اور ان سے سوال کیا کہ وہ مباحث لکھ کر دیں، جس میں شہاب (سمین رحمہ اللہ) نے غلطی کی ہے، چناں چہ انھوں نے ان میں سے دس بحثیں نکالیں اور ان میں ابو حیان رحمہ اللہ کے کلام کو راجح قرار دیا اور سمین کے ان پر اعتراضات کو غلط اور بے بنیاد قرار دیا اور اس کا نام رکھا: "الدر الثمين في المناقشة بين أبي حيان والسمين" اور اسے قاضی رحمہ اللہ کی طرف بھیج دیا۔ جب قاضی علی رحمہ اللہ نے وہ مباحث دیکھے تو اس نے سمین رحمہ اللہ کا دفاع کیا اور اس کے کلام کو ابو حیان رحمہ اللہ کے کلام پر راجح قرار دیا اور شیخ بدرالدین کے اعتراضات کا جواب دیا اور ایک بڑے رسالے میں ان کے کلام کا رد کیا۔ علمائے شام نے جب اس کتاب کو دیکھا تو انھوں نے اس کی تحریر کو بدر رحمہ اللہ کی تحریر پر ترجیح دی اور اس کے فضل و تقدم کا اقرار کیا]

اعرابِ قرآن مبین پر لکھنے والے قدیم مصنفین میں سے مزید درج ذیل ہیں:

① ابو حاتم سہل بن محمد سجستانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۸ھ)
② ابو مروان عبدالملک بن حبیب بن سلیمان مالکی قرطبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۹ھ)
③ ابو العباس محمد بن یزید مبرد نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۸۶ھ)
④ ابو العباس احمد بن یحییٰ ثعلب نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۹۱ھ)
⑤ ابو جعفر محمد بن احمد بن النحاس النحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۳۸ھ)
⑥ ابو طاہر اسماعیل بن خلف الصقلی النحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۵ھ) ان کی کتاب چار جلدوں میں ہے۔
⑦ شیخ ابو البرکات عبدالرحمٰن بن ابی سعید محمد انباری نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۸ھ) اس کا نام "البیان" ہے، اس کتاب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي منزل الذكر الحكيم... الخ"
⑧ حافظ قوام السنہ ابو القاسم اسماعیل بن محمد طلحی اصفہانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۳۵ھ)
⑨ شیخ منجب الدین حسین بن ابی العز بن الرشید الہمدانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۳ھ) ان کی یہ ایک

عمدہ اور متوسط درجے کی کتاب ہے، جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي بنعمته حمد، وبهدايته عبد، وبخذلانه جحد" اس کا نام یہ ہے: "الفريد في إعراب القرآن المجيد"

⑩ ابو عبداللہ حسین بن احمد ابن خالویہ نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۷۰ھ) اعراب القرآن میں ان کی کتاب سورۃ الطارق سے لے کر آخر قرآن تک تیس سورتوں اور سورۃ الفاتحہ پر مشتمل ہے، جس میں انھوں نے ہر حرف کے اصول کی شرح کی ہے اور اس کی فروع کی تلخیص کی ہے۔

⑪ موفق الدین عبداللطیف بن یوسف بغدادی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۲۹ھ) ان کی کتاب صرف سورۃ الفاتحہ کے اعراب پر مشتمل ہے۔

⑫ اسحاق بن محمود بن حمزہ تلمیذ ابن ملک رحمہ اللہ۔ انھوں نے قرآن کریم کے آخری پارے کے اعراب کو بیان کیا اور اپنی کتاب کا نام "تنبیه" رکھا ہے۔ ان کی کتاب کا آغاز بالکل کتاب ''بیان'' کی طرح ہے، جو پہلے گزر چکی ہے۔

⑬ احمد بن محمد شانجی زادہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۸۶ھ) انھوں نے اپنی کتاب صرف سورۃ الاعراف تک لکھی ہے۔ اعرابِ قرآن پر لکھی جانے والی کتابوں میں سے ایک "تحفة الأقران فيما قرئ بالتثليث من القرآن" ہے۔

❊ أعشار القرآن العظيم: یہ "کشف الظنون" میں بیان ہوئی ہے۔[1]

❊ إغاثة اللهف في تفسير سورة الكهف: یہ شیخ یونس بن عمر حنفی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ پھر انھوں نے اس کتاب کی تلخیص کی اور اس کا نام "مطالع الكشف" رکھا۔

❊ إفادة الشيوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ: یہ راقم الحروف محمد صدیق حسن خان القنوجی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جو ریاست بھوپال کے رہنے والے تھے جو مالوہ دکن کی ریاستوں سے ہے۔ مصنف نے اس میں قرآن و حدیث ہر دو کے ناسخ و منسوخ کو جمع کیا ہے اور اس موضوع پر لکھے جانے والے متقدمین اور متاخرین کے رسائل اور کتابوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔

---

[1] كشف الظنون (١/ ١٢٥)

* الإفصاح وغاية الأشراح في القراءات السبع: شیخ علم الدین علی بن محمد سخاوی مقری رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۳ھ) کی تالیف ہے۔

علم أفضل القرآن وفاضله:

ابو الخیر رحمہ اللہ نے اس علم کو علم تفسیر کی فروع میں ذکر کیا ہے اور اس میں ائمہ کے مذاہب کو نقل کیا ہے، جیسا کہ "الإتقان" میں ہے۔[1]

* الاقتراح في القراءة: یہ شیخ ابو علی حسن بن احمد بن یحییٰ ابن الکذایہ رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* الاقتصاد في رسم المصحف: یہ شیخ ابو عمرو عثمان بن سعد الدانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۴۴ھ) کی تالیف ہے۔

علم أقسام القرآن:

"اقسام" قسم کی جمع ہے، جس کا معنی یمین (قسم) ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے اسے علومِ قرآن کی انواع میں سے ایک نوع شمار کیا ہے۔ صاحب "مفتاح السعادة" نے بھی ان کا اتباع کرتے ہوئے اس کو علم التفسیر کی فروع میں درج کیا ہے اور کہا ہے کہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک جلد تالیف کی ہے، جس کا نام "التبیان" ہے۔ انھوں نے اس میں لکھا ہے:

"أقسم الله بنفسه في القرآن في سبعة مواضع، والباقي كله قسم بمخلوقاته وأجابوا عنه بوجوه"[2]

[قرآن مجید میں سات جگہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے اور باقی کی تمام قسمیں اپنی مخلوقات کے ساتھ ہیں، لیکن انھوں نے کئی وجوہ سے ان کا جواب دیا ہے]

* الإقليد في التفسير: صاحب الکشف نے علامہ سے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔
* الإقناع في تفسير قوله سبحانه وتعالىٰ: مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ. یہ شیخ تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۶ھ) کی تالیف ہے۔

---

[1] الإتقان (۲/ ۴۱۷)

[2] كشف الظنون (۱/ ۱۳۷)

- الإقناع في القراءات السبع: یہ ابو جعفر احمد بن علی بن باذش نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۶ھ) کی تالیف ہے۔ اس جیسی کتاب پہلے کبھی نہیں لکھی گئی۔
- الإقناع في القراءات الشاذة: یہ ابو علی حسن بن علی اہوازی مصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۴۶ھ) کی تالیف ہے۔ جعبری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ ابو عز قلانسی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ یقیناً یہ بڑی واضح ہے اور اس میں طالب علم کے لیے کفایت ہے۔
- أقویٰ العُدَد في القراءات: یہ شیخ علم الدین محمد بن عبدالصمد سخاوی (المتوفی: ۶۴۳ھ) کی تالیف ہے۔
- الاکتفاء في القراءة: یہ ابو طاہر اسماعیل بن خلف مقری نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۵ھ) کی تالیف ہے۔ اس کی ابتدا ان الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے: "الحمد لله الذي أنشأنا بقدرته......الخ" اس کتاب میں انھوں نے پوری تفصیل بیان کی ہے جو مبتدی طالب علم کے لیے کافی ہے، پھر اس کتاب سے قراے سبعہ کے اختلاف میں ایک مختصر تلخیص کی ہے، جیسے اس کا عنوان اور اس کا ترجمہ ہے۔
- الاکتفاء في قراءة نافع وأبي عمرو: یہ حافظ ابو عمرو یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر قرطبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳ھ) کی تالیف ہے۔
- الإكسير في قواعد التفسير: یہ شیخ نجم الدین سلیمان بن عبدالقوی الحنبلی الطوفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۱۰ھ) کی تالیف ہے۔
- الإكليل في استنباط التنزيل: یہ شیخ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أنزل علیٰ عبده الكتاب تبيانا لكل شيئ......الخ" اس تفسیر میں انھوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ ہر چیز کا قرآن مجید سے استنباط ممکن ہے، چناں چہ انھوں نے اس کے بعد ایک ایک آیت اور اس آیت سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں، ذکر کیے ہیں۔
- التقاط الجني في علم التفسير: اس کے متعلق تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔

* أمالي ابن الحاجب: اس کے مصنف کا نام ابو عمرو عثمان بن عمر نحوی مالکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۷۲ھ) ہے۔ یہ ایک جلد پر مشتمل ہے، اس میں بعض آیات کی تفسیر اور چند جگہوں میں نحو کے مختلف فوائد مفصل اور کافیہ سے انتہائی تحقیق کے ساتھ تحریر کیے گئے ہیں۔

علم الأمثال:

* أمثال القرآن: اہلِ علم کی ایک جماعت نے اس نام پر تصنیفات لکھی ہیں، جن میں کچھ درج ذیل ہیں:

1. شیخ ابو عبدالرحمن محمد بن حسین السلمی النیسابوری رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۰۶ھ)
2. شیخ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۰ھ)
3. شیخ حافظ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۱ھ)۔ ان کی کتاب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله نحمده و نستعينه......الخ"

* الانتصار لحمزة في ما نسبه إليه ابن قتيبة من مشكل القرآن: یہ ابو القاسم عبداللہ بن محمد عکبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۱۶ھ) کی تالیف ہے۔

* الانتقاد للآيات المعتبرة في الاجتهاد: "کشف الظنون" میں اس کتاب سے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا گیا، حتیٰ کہ اس کے مولف کا نام اور سنہ وفات بھی نہیں بتایا گیا۔[1]

الإنجيل:

ہر چند انجیل قرآن مجید کی تفاسیر میں سے نہیں ہے، چوں کہ اس کے اور اس جیسی دوسری کتابوں تورات، زبور اور صحفِ ابراہیم سے بہت سے حوالہ جات قرآن مجید میں ذکر ہوئے ہیں، اس لیے ناظرین کے فائدے کی خاطر اس کتاب میں اس انجیل کا تعارف مع دیگر کتب آسمانی کے لکھا گیا ہے، جو مزید بصیرت کا باعث ہے۔

انجیل آسمانی کتاب ہے، جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام پر نازل فرمائی ہے، یہ سریانی زبان میں نازل ہوئی اور اس کو سترہ زبانوں میں پڑھا گیا ہے۔ "المواهب" میں یہ سب

[1] کشف الظنون (۱/ ۱۷۵) اس کے مولف کا نام "أحمد الزبيدي" مرقوم ہے۔

کچھ ذکر کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں ورقہ بن نوفل کے قصے میں مذکور ہے، جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ انجیل عبرانی زبان میں تھی۔ وہب بن منبہ نے کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر رمضان کی تیرھویں رات میں انجیل نازل ہوئی، جیسے کہ کشاف میں اس کا ذکر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ زبور کے بارہ سو (۱۲۰۰) سال بعد اٹھارویں رات میں نازل ہوئی۔ انجیل کے حکمِ تورات کو منسوخ کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام صاحبِ شریعت نہ تھے، کیوں کہ انجیل میں ان سے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے کہا: میں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو تبدیل کرنے کے لیے نہیں آیا، بلکہ میں اس کی تکمیل کے لیے آیا ہوں۔ لیکن تفسیر "أنوار التنزيل" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شریعت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی ناسخ ہے، کیوں کہ عیسیٰ علیہ السلام وہ کچھ لائے، جو موسیٰ علیہ السلام نہیں لائے۔

انجیل کا آغاز ان الفاظ: "باسم الأب والابن......الخ" کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ کتاب جو آج عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے، یہ مسیح علیہ السلام کی سیرت ہے، جسے ان کے چار حواریوں نے جمع کیا ہے اور وہ حواری یہ ہیں: (۱) متیٰ، (۲) لوقا، (۳) مارقوس، (۴) یوحنا۔

"تحفة الأريب في الرد علىٰ أهل الصليب" کے مولف نے لکھا ہے کہ انھی حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں بگاڑ پیدا کیا اور اس میں کمی وبیشی کی ہے۔ رہے وہ حواری جن کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ثنا وتعریف کی ہے، وہ مذکورہ بالا حواریوں کے سوا دوسرے تھے۔

متیٰ وہ حواری ہے، جس نے بہ ذاتِ خود عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی دیکھا نہ ان سے کچھ سیکھا، سوائے اس سال کے جس میں وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف اٹھائے گئے۔ اس نے کتاب انجیل کو اسکندریہ شہر میں عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے بعد اپنے ہاتھ سے لکھا اور اس میں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدایش اور سیرت سے متعلق بیان کیا۔ جو کچھ اس نے بیان کیا ہے، وہ کسی اور نے اس کے سوا بیان نہیں کیا۔

اسی طرح لوقا نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا نہ ان سے کچھ معلوم کیا، بلکہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پولس اسرائیلی کے ہاتھ پر نصرانی بنا۔ پولس نے بہ ذات خود بھی عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں پایا، بلکہ وہ انانیا کے ہاتھ پر نصرانی بنا۔

مارقوس نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں دیکھا، بلکہ وہ ان کے آسمانوں کی طرف اٹھائے جانے کے بعد بترو نام کے حواری کے ہاتھ پر نصرانی بنا اور اسی سے رومہ شہر میں انجیل کو اخذ کیا اور بہت سے

مسائل میں اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ اختلاف کیا۔

رہا یوحنا تو وہ عیسیٰ علیہ السلام کا خالہ زاد بھائی تھا۔ نصاریٰ کا یہ دعویٰ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یوحنا کی شادی پر رونق افروز تھے اور اس کو پانی کے گرد شراب کا مشاہدہ کروایا۔ یہ پہلا معجزہ تھا، جو ان سے ظاہر ہوا۔ جب یوحنا نے ان سے اس معجزے کا مشاہدہ کیا تو اس نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا اور دین و سیاحت میں ان کا پیرو بن گیا۔ یوحنا ہی وہ چوتھا شخص ہے، جس نے انجیل لکھی ہے، لیکن اس نے انجیل کو یونانی قلم سے شہر افسوس میں لکھا تھا۔

مذکورہ بالا چار افراد نے انجیل کے چار نسخے مرتب کیے، ان میں تحریف و تبدل کیا اور خوب دروغ گوئی کی۔ عیسیٰ علیہ السلام جو انجیل لائے تھے، وہ بہت زیادہ بڑی نہ تھی، اس میں کوئی باہم مزاحمت اور اختلاف نہیں ہے۔ مگر ان لوگوں نے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول عیسیٰ علیہ السلام کے ذمے وہ جھوٹ لگائے ہیں، جو مشہور و معلوم ہیں، لیکن نصاریٰ اس جھوٹ کا انکار کرتے ہیں۔

ان لوگوں کی دروغ گویوں میں سے ایک مارقوس کا وہ جھوٹ ہے، جو اس نے اپنی انجیل کی پہلی فصل میں کہا ہے کہ یسعیاہ پیغمبر کی کتاب میں ہے کہ انھوں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ اس نے فرمایا:

"إني بعثت ملكي أمام وجهك"

[بلاشبہہ میں نے تیرے چہرے کے سامنے اپنا فرشتہ بھیجا ہے]

اس میں عیسیٰ علیہ السلام کا چہرہ مراد ہے۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ یہ کلام کتابِ یسعیاہ میں موجود نہیں ہے، بلکہ یہ ملیخا پیغمبر کی کتاب میں ہے۔

ان کذب بیانیوں میں سے ایک وہ ہے، جو متیٰ نے انجیل کی پہلی، بلکہ تیرھویں فصل میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ہے کہ موت کے بعد میرا جسم تین دن اور رات زمین کے اندر رہا تھا، جس طرح یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ کے اندر رہے تھے۔ مگر یہ صاف جھوٹ ہے، کیوں کہ ان کے تین ساتھی اس بات پر متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام جمعہ کے روز چھٹی گھڑی میں فوت ہوئے اور ہفتے کی رات پہلی گھڑی میں دفن کیے گئے اور اتوار کی صبح لوگوں کے درمیان سے اٹھا لیے گئے۔ پس وہ زمین کے اندر ایک دن اور دو راتیں رہے۔

اناجیل میں لکھے ہوئے اس مسئلے میں ان کے جھوٹا ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، کیوں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے دفن کی خبر دی ہے نہ اللہ تعالیٰ نے انجیل میں اس کے بارے میں کچھ کہا ہے کہ وہ مقتول و مدفون ہوں گے، بلکہ حق سچ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے کتاب عزیز میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ [النساء: ١٥٦، ١٥٧]

[حالاں کہ نہ انھوں نے اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی پر چڑھایا اور لیکن ان کے لیے اس (مسیح) کا شبیہ بنا دیا گیا اور بے شک وہ لوگ جنھوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا، یقیناً اس کے متعلق بڑے شک میں ہیں، انھیں اس کے متعلق گمان کی پیروی کے سوا کچھ علم نہیں اور انھوں نے اسے یقیناً قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا][1]

یہاں سے نصاریٰ مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان کے عقائد جھوٹ، کفر اور بہت بڑی حماقت پر مشتمل ہیں۔ خود انجیل میں ان کو بہت زیادہ ملامت کرتے ہوئے ان کی سرزنش کی گئی ہے، جس کو "تحفة الأريب" کے مؤلف نے اپنی اس تالیف میں ذکر کیا ہے۔ ان کے وہ قواعد جن سے ان میں سے کم ہی لوگ اعراض کرتے ہیں، بلکہ ان کے جمِ غفیر نے ان پر اجماع کیا ہے، وہ قواعد: بپتسمہ، تثلیث پر ایمان، مریم علیہا السلام کے بطن میں اتحادِ اقنوم، فطیرہ پر ایمان اور قسیس کے لیے تمام گناہوں کا اعتراف ہیں۔ یہ وہ بنیادی پانچ قواعد ہیں، جن پر نصرانیت کی بنیاد ہے اور یہ سب جھوٹ، فساد اور جہالت ہے۔ عصمنا اللّٰہ تعالیٰ عنها.

انسانِ کامل کے مولف نے اس میں لکھا ہے کہ چونکہ انجیل کا آغاز باپ اور بیٹے کے نام کے ساتھ ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اس کلام کو اس کے ظاہری مفہوم سے پھیر دیا اور یہ گمان کیا کہ باپ، ماں اور بیٹے سے مراد روح القدس، مریم علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اس وقت سے یہ "ثالث ثلاثة" کے قائل ہوئے ہیں۔ انھوں نے یہ نہ سمجھا کہ "أب" سے مراد اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک ہے، "أم" سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ کی کنہ ہے، جس کو حقائق کی ماہیت سے تعبیر کیا گیا ہے اور "ابن" سے مراد وہ

[1] كشف الظنون (١/ ١٧٧)

کتاب ہے، جس کا وجود مطلق ہو، کیوں کہ وہ کنہ کی ماہیت کی فرع اور نتیجہ ہے۔ اس فرمانِ باری تعالیٰ میں اسی کی طرف اشارہ ہے: ﴿وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾[1] انتھیٰ.

راقم الحروف کہتا ہے کہ "الفوز الکبیر" کے مطابق اس مقصد میں تحقیقی بات یہ ہے کہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے، مگر ان کی گمراہی یہ تھی کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا، جو ایک لحاظ سے ایک دوسرے سے جدا اور دوسرے لحاظ سے دونوں ایک تھے۔ وہ ان تین حصوں کو "أقانیمِ ثلاثہ" کہتے تھے، ان میں ایک باپ ہے، جو مبداے عالم کے طور پر ہے، دوسرا بیٹا ہے جو بہ طور صادرِ اول ہے، جو عام معنی بن کر تمام موجودات میں شامل ہے اور تیسرا حصہ روح القدس ہے، جو عقول مجردہ کی جگہ ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ابن کے اقنوم (صادرِ اول) نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا لباس پہنا ہے، یعنی جس طرح جبریل علیہ السلام صورتِ انسان میں ظاہر ہوتے ہیں، اسی طرح بیٹے نے روحِ عیسیٰ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام خدا بھی ہیں، اللہ کے بیٹے بھی اور بشر بھی۔ اسی لیے بشری اوصاف اور خداوندی صفات دونوں ان کی طرف منسوب کیے جا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ انجیل کی بعض آیتیں بہ طور دلیل پیش کرتے ہیں، جن میں "ابن" کا لفظ وارد ہوا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے بعض خداوندی افعال کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے، اس میں تحریف نہیں ہوئی تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ قدیم زمانے میں ابن کا لفظ محبوب، مقرب اور مختار کے معنوں میں مستعمل تھا، جیسے انجیل میں اکثر مقامات پر اس کے قرائن پائے جاتے ہیں۔

دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت، ایک اسلوبِ بیان ہے، جیسے کسی بادشاہ کا سفیر یوں کہے کہ ہم نے فلاں ملک فتح کر لیا اور فلاں قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ تو اس سے مراد وہ خود نہیں، بلکہ بادشاہ ہوتا ہے۔ ایلچی کی حیثیت بادشاہ کے ترجمان کی ہوتی ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ عالمِ بالا سے وحی بہ راہِ راست عیسیٰ علیہ السلام کے لوحِ دل پر منقش ہوتی ہو اور جبریل علیہ السلام صورتِ انسانی میں ان کے پاس آ کر کلام القا نہ کرتے ہوں، اس لیے عیسیٰ علیہ السلام براہِ راست دل پر آئی ہوئی وحی کو بہ جنسہ ادا کر دیتے ہوں، جس سے سننے والوں نے بہ ظاہر افعالِ خداوندی کو ان

---

[1] کشف الظنون (۱/ ۱۷۷)

کی طرف منسوب کرنے کا پہلو نکال لیا ہو، مگر حقیقت جو کچھ ہے، وہ اپنی جگہ ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے اس باطل مذہب کی تردید فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ عیسیٰ خدا کا بندہ اور اس کی وہ مقدس روح ہے، جسے اس نے مریم صدیقہ کے رحم میں پیدا کیا اور اسے روح القدس کی تائید عطا فرمائی اور ان کے بارے میں عنایتِ خاص کی رعایت رکھی۔

اگر اللہ تعالیٰ ایسی روح کے لباس میں ظاہر ہوتا، جو تمام ارواح کی ہم جنس ہے اور انسان کی صورت اختیار کرتا تو اس کے لیے لفظِ اتحاد کا اطلاق موزوں اور درست نہیں ہو سکتا، الا یہ کہ اس میں چشم پوشی سے کام لیا جائے۔ اس معنی کے لیے تقویم اور اس جیسے دیگر الفاظ قریب تر ہو سکتے ہیں۔

﴿تَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا﴾ [بني إسرائیل: ٤٣] [بہت بلند ہے اس سے جو یہ کہتے ہیں، بہت زیادہ بلند ہونا]

نصاریٰ کی ایک گمراہی یہ بھی ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل پر یقین رکھتے ہیں، حالاں کہ دراصل عیسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں ایک اشتباہ ہو گیا تھا۔ جب وہ آسمان کی طرف اٹھا لیے گئے تو نصاریٰ نے یہ خیال کر لیا کہ وہ قتل کر دیے گئے۔ نسل در نسل یہ غلط بات نقل ہوتی رہی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں اس شبہے کا ازالہ کر دیا اور فرمایا:

﴿وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ [النساء: ١٥٧]

[حالاں کہ نہ انھوں نے اس کو قتل کیا اور نہ اسے سولی پر چڑھایا اور لیکن ان کے لیے اس (مسیح) کا شبیہ بنا دیا گیا]

انجیل میں عیسیٰ علیہ السلام کا جو مقولہ مذکور ہے، اس سے مقصود یہودیوں کی جرأت اور اقدامِ قتل کے بارے میں صرف خبر دینا ہے، جبکہ واقعہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس ہلاکت سے بچا لیا تھا۔ حواریوں کا جو مقولہ انجیل میں آتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ انھیں اشتباہ ہو گیا تھا اور آسمان پر اٹھائے جانے کی انھیں خبر نہ ہوئی۔ یہ ایک انوکھا واقعہ تھا، جس سے ان کے ذہن اور کان مانوس ہی نہ تھے۔

نصاریٰ کی ایک گمراہی یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جس فارقلیط کا وعدہ کیا گیا ہے، اس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جو قتل ہونے کے بعد حواریوں کے پاس واپس آئے اور انھیں انجیل پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی اور کہا کہ میری نبوت کے دعویدار کئی ہوں گے تو جو شخص میرا نام لے، اس کی بات ماننا،

ورنہ نہیں۔ لیکن قرآن مجید سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہمارے نبی کریم ﷺ پر صحیح اترتی ہے، نہ کہ عیسیٰ ﷺ کی روحانی صورت پر، کیوں کہ انجیل میں ہے کہ فارقلیط تم میں مدت دراز تک رہے گا، علم سکھائے گا اور لوگوں کے ظاہر و باطن کو پاک کرے گا اور یہ باتیں ہمارے نبی اکرم ﷺ کے سوا کسی اور میں ظاہر نہیں ہوئیں۔ اب رہا عیسیٰ علیہ السلام کا نام تو اس سے مراد ان کی نبوت کی تصدیق ہے نہ یہ کہ ان کو رب بنالیا جائے یا خدا کا بیٹا کہا جائے۔[1] انتہیٰ.

میں کہتا ہوں کہ شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ حنبلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) کی ایک کتاب جس کا نام ”الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح“ ہے۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے، اس کا آغاز کلمۂ شہادت سے ہوتا ہے۔ اس کتاب میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ پولس راہب، جو صعیدا انطاکی کا لارڈ بشپ تھا، کا رسالہ جو اس نے اپنے بعض دوستوں کے ساتھ لکھا تھا، وہ اس کے ہاتھ سے وارد ہوا ہے۔ اس کا یہ رسالہ نہایت عمدہ اور علماے نصاریٰ کا معتمد علیہ ہے۔ اس کا مضمون چھے فصلوں پر مشتمل ہے:

1. پہلی فصل میں یہ بیان ہے کہ محمد ﷺ ان کی طرف نہیں، بلکہ اہلِ جاہلیت کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اور قرآن مجید اس پر دلالت کرتا ہے۔
2. دوسری میں یہ ذکر ہے کہ محمد ﷺ نے ان کے دین کی ثنا اور مدح کی ہے۔
3. تیسری میں یہ بیان کیا ہے کہ انبیا کی نبوتیں ان کے دین کی حقیقت کی شاہد ہیں، لہٰذا ان کے دین کو اپنانا اور اختیار کرنا واجب ہے۔
4. چوتھی میں اس مدعا کو معقول قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ تثلیث ثابت ہے۔
5. پانچویں فصل میں نصاریٰ کے موحدیت کے دعوے کو ثابت کیا گیا ہے۔
6. چھٹی فصل میں یہ بیان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بعد غایت کمال کے ساتھ تشریف لائے ہیں، لہٰذا اب ایسی شرع کی ضرورت و حاجت باقی نہیں، جو اس غایت سے زیادہ ہو۔ انتہیٰ.

پھر ان چھے کی چھے فصلوں کا صحیح دلائل کے ساتھ شافی جواب دیا ہے اور مصنف کی طرف سے ان فصلوں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس کو باطل ثابت کیا گیا ہے۔

---

[1] الفوز الكبير (ص: ٣٦)

اسی طرح شیخ عبداللہ بن عبداللہ الترجمان رحمہ اللہ کی تالیف "تحفة الأريب في الرد علیٰ أهل الصليب" مذہبِ نصاریٰ پر ایک عمدہ کتاب ہے۔ یہ کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے، اس کتاب کے مولف نصاریٰ کے فضلا میں سے تھے۔ جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو انھوں نے چاہا کہ وہ اباطیلِ نوامیس، تناقضِ اناجیل اور ان کی عقلوں کا بگاڑ نقل وعقل کے ساتھ با دلائل واضح کریں۔ چناں چہ انھوں نے مذکورہ بالا اپنی کتاب تالیف کی۔ اس کتاب میں سب سے پہلے انھوں نے اپنے شہر اور اپنی نشو ونما کا ذکر کیا، اس کے بعد اپنی رحلت اور سفر کا ذکر کیا، پھر ابو العباس احمد، حاکمِ تونس اور اس کے بیٹے ابو فارس عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں اپنے اسلام قبول کرنے کا ذکر کیا ہے۔ وہ ۸۲۳ھ میں اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہوئے۔

نیز شیخ ابو البقا صالح بن حسین جعفری رحمہ اللہ نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ہے "تخجيل من حرّف الإنجيل" اس کتاب کی تلخیص شیخ ابو الفضل مالکی مسعودی رحمہ اللہ نے لکھی ہے۔ وہ ۹۴۲ھ میں اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہوئے۔ اصل کتاب کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الواحد الذي لا يتكثر بالأعداد......الخ" یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔

اسی طرح شیخ ابو العباس احمد بن ابی المحاسن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن تیمیہ الحرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) کی تالیف ہے، جس کا نام ہے: "التخجيل لمن بدل التوراة والإنجيل" اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي فطرنا علیٰ دين الإسلام"

ایسے ہی عربی و فارسی میں کئی ایک کتابیں اور رسالے ہیں، جو اس موضوع پر تالیف کیے گئے اور انھوں نے شہرت پائی۔ ان میں سے بعض تو بہت خوب ہیں۔ والله يهدي من يشاء إلیٰ صراط مستقيم.

اناجیل کی کئی تفسیریں ہیں، ان میں سے ایک تفسیر الیا بن ملکون جاثلیق کی ہے۔ علماے اسلام نے قدیماً وحدیثاً ہر صدی اور زمانے میں مذہبِ نصاریٰ کے رد پر کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا، لیکن جہالت، تعصب اور حکومت کے مفاسد بہت زیادہ ہیں۔ سچ فرمایا ہے باری تعالیٰ نے:

﴿وَ اِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ [البقرة: ٢٠٦]

[اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو اس کی عزت اسے گناہ میں پکڑے رکھتی ہے، سو اسے جہنم ہی کافی ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے]

* إنسان عين المعاني في التفسير: اس کا ذکر حرف عین میں آئے گا
* الإنصاف في الجمع بين الكشف للثعلبي والكشاف: یہ امام ابو السعادات مبارک بن محمد بن الاثیر جزری رحمہ اللہ (المتوفی ۶۰۶ھ) کی تالیف ہے۔ یہ بہت بڑی تفسیر ہے۔ اس میں مذکورہ دونوں تفسیروں (تفسیر ثعلبی اور تفسیر زمخشری) کو جمع کیا گیا ہے۔
* أنموذج الفنون: یہ محمد بن علی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۹۷ھ) کی کتاب ہے، جو سپاہی زادہ عرف سے مشہور ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں تفسیر و حدیث وغیرہ سے مسائل اخذ کر کے بیان کیے ہیں۔ اس کتاب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الرحمٰن علم القرآن......الخ"
* أنموذج الكشاف: یہ اس کتاب کا حاشیہ ہے، اس کا ذکر آگے آئے گا۔
* الأنوار الباهرات: یہ قراءات کے بیان پر مشتمل کتاب ہے۔
* أنوار التنزيل وأسرار التأويل: تفسیر کی یہ کتاب قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی بتبریز ۶۸۵ھ) کی تالیف ہے۔ ان کا سنہ وفات ۶۸۵ھ کے بجائے ۶۸۲ھ بھی بتایا گیا ہے۔

تاج الدین سبکی رحمہ اللہ نے طبقات کبریٰ میں کہا ہے کہ بیضاوی رحمہ اللہ جب قضائے شیراز سے معزول ہوئے تو وہ تبریز آئے اور بعض فضلا کی مجلسِ درس میں پہنچ کر قوم کے پاؤں میں بیٹھ گئے، کیوں کہ انھیں کوئی نہیں جانتا تھا۔ مدرس نے اس گمان کے ساتھ ایک نکتہ بیان کیا کہ حاضرینِ مجلس میں سے کوئی اس کا جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتا، پھر انھوں نے حاضرین سے اس اشکال کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم قدرت رکھتے ہو تو اسے حل کرو اور اگر تم قدرت نہیں رکھتے تو اس کا اعادہ کرو۔ بیضاوی رحمہ اللہ نے اس اشکال کا جواب دینا شروع کیا۔ مدرس نے کہا کہ جب تک میں یہ نہ جان لوں کہ تم نے یہ نکتہ سمجھ لیا میں تمھارا جواب نہ سنوں گا اور بیضاوی رحمہ اللہ کو اس نکتے کے الفاظ یا معانی دہرانے کو کہا۔ بیضاوی رحمہ اللہ نے اس کے الفاظ دہرائے اور اس نکتے کا حل پیش کیا اور بیان کیا کہ اس نکتے کی اس ترتیب میں ایک خرابی ہے، پھر اس کا جواب دیا اور فوراً اس نکتے کا اس

جیسے نکتے کے ساتھ مقابلہ کیا اور مدرس سے اپنے اس نکتے کا حل طلب کیا، مدرس پر اس کا حل دشوار ہو گیا۔ ایک وزیر اس مجلس میں موجود تھا، اس نے بیضاوی رحمہ اللہ کو اس کی جگہ سے اٹھا کر اپنے نزدیک کیا اور اس کے حال احوال پوچھنے شروع کر دیے کہ تو کون ہے اور کہاں سے ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں بیضاوی رحمہ اللہ ہوں اور قضاے شیراز کی طلب میں آیا ہوں۔ وزیر نے ان کی بہت عزت کی اور اسی دن اسے قضا کا خلعت بخشا اور واپس شیراز بھیج دیا۔ انتہیٰ.

بعض نے کہا ہے کہ وہ دراز مدت تک اس کے پاس رہے، پھر انھوں نے شیخ محمد بن محمد کتحتائی سے سفارش چاہی۔ پھر جب وہ حسبِ عادت وزیر کے پاس گئے اور کہا کہ یہ شخص عالم و فاضل ہے اور امیر کے ساتھ سعیر (بڑھکتی ہوئی آگ) میں اشتراک چاہتا ہے، یعنی وہ تجھ سے سجادے کی مقدار میں آگ کے اندر جگہ طلب کرتا ہے، یعنی وہ اس کی مجلسِ حکم (عہدۂ قضا) کا طلب گار ہے۔ بیضاوی رحمہ اللہ ان کی اس بات سے بہت متاثر ہوئے اور مناصبِ دنیویہ کو ترک کر کے زندگی کے اختتام تک شیخ کے ساتھ لگے رہے اور ان کے حکم سے اپنی تفسیر لکھی اور جب وفات پائی تو ان کی قبر کے نزدیک دفن کیے گئے۔ ان کی یہ تفسیر ایک عظیم الشان کتاب ہے، جس کی تعریف کی ضرورت نہیں ہے۔ انھوں نے اس تفسیر میں کشاف سے اعراب، معانی اور بیان سے متعلق اشیا کی تلخیص کی ہے۔ تفسیر کبیر میں جو کچھ حکمت و کلام سے متعلق تھا، اس کو اخذ کیا۔ تفسیر راغب سے اشتقاق، غوامضِ حقائق اور لطائفِ اشارات کا خلاصہ کیا۔ وہ وجوہِ معقولہ اور تصرفاتِ منقولہ جو ان کی فکر کا نتیجہ تھیں، اس میں ان کا اضافہ کر دیا اور دل سے شک کا زنگ اتار دیا۔ جیسا کہ مولانا منشی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

أولوا الألباب لم يأتوا بكشف قناع ما يتلىٰ

[اہلِ خرد نے قرآن مجید کی نقاب کشائی کرتے ہوئے اس کا پردہ نہیں ہٹایا]

ولكن كان للقاضي يد بيضاء لا تبلىٰ

[لیکن قاضی (بیضاوی) کو اس سلسلے میں ایسا کمال حاصل ہے، جو بوسیدہ اور پرانا نہیں ہوتا]

چوں کہ وہ علمِ کلام کے شہسوار تھے، اس لیے انھوں نے حسبِ مقام علوم میں اپنی مہارت

ظاہر فرمائی، کبھی وجوہِ محاسن کے مقام و مرتبہ کی طرف اشارہ کیا اور استعارے کی دل کشی و دل ربائی کی نقاب کشائی کی۔ حکمت کے ہاتھ و زبان کے ساتھ اسرارِ معقولات کے رخ سے پردہ ہٹایا، اشکالات اور مشکل مقامات کو مرتب کیا اور مباحثِ دقیقہ کو اس انداز میں بیان کیا کہ وہ گمراہ کن شبہات سے محفوظ ہو گئے اور مناہجِ ادلہ کی وضاحت فرمائی۔

انھوں نے وجوہ تفسیر میں جو "قِیلَ" کے ساتھ ثانیاً، ثالثاً یا رابعاً ذکر کیا ہے، وہ مرجوح یا مردود ہونے کی بنا پر ضعیف ہے اور وہ وجہ جس میں وہ متفرد ہیں، بعض کا یہ گمان ہے کہ وہ وجہ وجوہِ تفسیر یہ میں سے نہیں ہے، جیسے ان کا یہ قول کہ فرشتوں کا عرش کو اٹھانا اور اس کو گھیرنا، ان کے عرش کی حفاظت کرنے اور اس کی تدبیر وغیرہ کرنے سے مجاز ہے۔ پس یہ گمان اس شخص کا ہوسکتا ہے کہ شاید اس کا فہم اس کے مبانی سے کوتاہی کرنے والا ہو اور اس کا علم اس کی محتویات تک نہیں پہنچا۔ اس طرح کے گمان کے ساتھ ان کے کلام پر اعتراض کرنے والا ایسے ہی ہے، جیسے کوئی شخص عنقا پرندے کے لیے جال لگائے اور گدھ شکار کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، کیوں کہ قاضی صاحب اہلِ سنت و جماعت کے مذہب پر علومِ دینیہ اور فنونِ یقینیہ کی لگام کے مالک ہیں اور لوگ ان کے فضل مطلق کا اعتراف کر چکے اور ان کی فوقیت اور سبقت کو مان چکے ہیں۔

ان کی تفسیر دشوار گزار علم کے فنون اور متنوع قواعد کی انواع پر مشتمل ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو شخص فنون میں سے کسی فن میں نمایاں ہو، وہ دیگر فنون میں پیچھے رہ جاتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ آدمی اس کا دشمن اور اس کے خلاف ہوتا ہے، جس سے وہ ناواقف ہوتا ہے۔ اس کے مقصد کو اس شخص کے سوا کوئی نہیں پہنچ سکتا، جو عینِ فکر کے ساتھ اس میں نگاہ دوڑائے۔ اپنے نفس کی خواہشات سے چشم پوشی کرے اور اپنے نفس کو اپنے مولا و آقا کی اطاعت کا غلام بنا لے، تا کہ وہ غلطی اور گمراہی سے بچ جائے اور مغالطے اور جھگڑے کو رد کرنے کی قدرت حاصل کر لے۔

قاضی رحمہ اللہ صاحب نے سورتوں کے آخر میں جو احادیث ذکر کی ہیں ان میں سے اکثر کے بارے میں انھوں نے تسامح اور چشم پوشی سے کام لیا ہے، جس کا سبب یہ ہے کہ دل کی انتہائی صفائی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے مہکوں کے حاصل ہونے کی وجہ سے انھوں نے جرح و تعدیل سے اعراض کیا ہے اور وہ ترغیب اور تاویل کی طرف مائل رہے ہیں، حالاں کہ وہ جانتے ہیں کہ اس طرح کی

باتیں کرنے والے زور کلامی اور دھوکے بازی سے کام لیتے ہیں۔

بہ ہر حال ان کی اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جمہور افاضل اور یکانہ روزگار افراد کے نزدیک حسنِ قبول حاصل ہوا، حتیٰ کہ لوگوں نے اس کی تدریس کی اور بعض لوگوں نے بعض سورتوں کے حواشی لکھے، بعض نے اس تفسیر کا مکمل حاشیہ اور بعض نے اس کے بعض مقامات پر حاشیے لکھے ہیں۔[1]

راقم الحروف کہتا ہے کہ ملا کاتب چلپی رحمہ اللہ نے جو اس جگہ بیضاوی کی تعریف میں مبالغہ اور ان کی تفسیر کی ثنا میں غلو کیا ہے تو وہ صرف اس محاورے کا مصداق ہے:

"حبك الشيئ يعمي ويصم"

[تیرا کسی چیز سے محبت کرنا (تجھے) اندھا اور بہرا بنا دے گا]

ورنہ خود ان (چلپی) کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیضاوی رحمہ اللہ نے موضوع احادیث کا علم ہونے کے باوجود سورتوں کے فضائل بیان کرنے میں ترغیب کے لیے انھیں بیان کر دیا ہے، جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ موضوع روایت کو بیان کرنا اہلِ علم کے اتفاق کے ساتھ حرام ہے۔ مندرجہ ذیل صحیح حدیث سے زیادہ اس کی وعید کیا ہو سکتی ہے:

«مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»[2]

[جس شخص نے عمداً مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنی جگہ آگ میں سمجھ لے]

بہرحال بیضاوی رحمہ اللہ کا فلسفے میں دور نکل جانا، اس کا نصوص کو ظواہر سے پھیرنا اور مذاقِ معقول کے ساتھ اس کی تاویل کرنے میں اہلِ کلام اور اہلِ حکمت و فلسفہ کی اقتدا کرنا، ایک ایسی چیز ہے کہ موافق و مخالف اس میں یک زبان ہیں۔ صحیح اور مرفوع احادیث کو جو آیات بینات کی مفسر یا مبین ہیں، معقولیوں کی خام تشکیک اور اہلِ کلام کی واہی تاویلوں کے ساتھ نیز اپنے فاسد گمان اور غلط رائے کے ساتھ ست اور ناکافی قرار دینا، اسی طرح نصوص کے مقابلے میں حکما کے مذاہب اور یونانیوں کی آرا کی طرف داری کرنا، اگر سچ پوچھتے ہو تو یہ عقلی سازشوں کا حامی بننا اور نقلی بنیادوں کو کمزور کرنا ہے اور قرآن مجید کی تفسیر رائے سے کرنا ہے نہ کہ سمع و نقل سے۔ إلا ماشاء الله.

کوئی تفسیر لکھ کر یا علوم میں سے کسی علم میں کوئی کتاب تالیف کر کے اپنی فضیلت اور قابلیت کا

[1] كشف الظنون (١/ ١٨٧)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٠٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٣)

اظہار کرنا اور چیز ہے اور مقاصدِ تنزیل کو بیان کرنا اور قرآن کریم کے معانی کو خدا و رسول ﷺ کی مرضی کے مطابق ذکر کرنا اور لوگوں کو اس کا پابند ٹھہرانا ایک دوسری چیز ہے۔ فرقان حمید گمراہوں کی ہدایت اور اندھوں کی بصارت کے لیے اترا ہے نہ کہ عقل و رائے کے دلائل کی مشق کے لیے ہے۔

بیضاوی رحمہ اللہ کے نظم و ترتیبِ قرآن کے ظاہری مفہوم کو معقولیوں کی رکیک تاویلوں اور کلامیوں کی فرسودہ حجت بازی کے ساتھ ان کے معانی اور مدلولات سے پھیرنے کی جرأت کرنے کی وجہ سے اس فقیر (نواب صاحب رحمہ اللہ) کے دل میں قلق ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ بھی "مدارج النبوۃ" اور ترجمہ مشکات میں ان سے نالاں محسوس ہوتے ہیں اور "الأمان والحفیظ" کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اے ہمارے بھائی! اگر آپ قرآن مجید کی تفسیر دیکھنا چاہیں، ایمان کا مفہوم جاننا چاہیں اور ایک راہِ راست پر چلنا چاہیں تو آیئے اور قاضی القضاۃ صنعاے یمن کی تفسیر "فتح القدیر" کا مطالعہ کیجیے اور اس کے علوم وفوائد کے دامن کو تھام لیجیے۔ اگر کم دستیابی اور قلت نقدی کی بنا پر وہ میسر نہ آ سکے تو عینِ بصیرت کے ساتھ ہماری تفسیر "فتح البیان في مقاصد القرآن" کا مطالعہ کرلو اور جان لو کہ کتاب کی تفسیر اور رب الارباب کے خطاب کی تفسیر ایسے ہوتی ہے۔ وباللّٰہ التوفیق وبیدہ أزمة التحقیق.

اب ہم اس طرف آتے ہیں کہ تفسیر بیضاوی کے بہت سے حواشی اور تعلیقات ہیں۔ چنانچہ اس کے مکمل حواشی میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

① حاشیة القوجوي: یہ محی الدین محمد بن شیخ مصلح الدین مصطفیٰ قوجوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۵۱ھ) کا حاشیہ ہے۔ یہ حاشیہ عظیم الفائدۃ، بڑا مفید اور عبارت میں آسان ہے۔ پہلے پہل محشی نے مبتدی کے لیے وضاحتی اور بیانیہ انداز میں آٹھ جلدوں میں یہ حاشیہ لکھا، پھر بعد میں قدرے تصرف کر کے اسے نئے سرے سے لکھا اور اس میں قدرے اضافے کیے۔ یہ دونوں نسخے منتشر ہو گئے اور لکھاریوں کے ہاتھ نے اس کے ساتھ کھلواڑ کیا، حتیٰ کہ دونوں کے درمیان فرق کرنا مشکل ہوگیا بعض فضلا نے اس کا انتخاب بھی لکھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولف کے زہد وصلاح کی وجہ سے یہ حاشیہ بڑا زبردست، معتبر اور قدر و قیمت کا حامل ہے۔

② حاشية ابن التمجيد: یہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم ابن تمجید معلمِ سلطان محمد خان فاتح رحمہ اللہ کا حاشیہ ہے۔ یہ حاشیہ بھی بہت مفید اور جامع ہے۔ یہ حاشیہ کشاف کے حواشی کی تلخیص کر کے چھے جلدوں میں لکھا گیا ہے۔

③ حاشية القاضي زكريا بن محمد الأنصاري: یہ قاضی زکریا بن محمد انصاری مصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۰ھ) کا حاشیہ ہے۔ یہ حاشیہ ایک جلد میں ہے اور اس کا نام ہے: "فتح الجليل ببيان خفي أنوار التنزيل" اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أنزل علىٰ عبده الكتاب......الخ" اس میں تفسیر بیضاوی میں سورتوں کے آخر پر ذکر کردہ موضوع احادیث پر تنبیہ کی گئی ہے۔

④ حاشية السيوطي: یہ شیخ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) کا حاشیہ ہے، جو ایک جلد میں ہے اور اس کا نام "نواهد الأبكار وشواهد الأفكار" ہے۔

⑤ حاشية الكازروني: یہ ابو الفضل قرشی صدیقی خطیب کازرونی رحمہ اللہ (المتوفی: درحدود ۹۴۰ھ) کا بڑا لطیف حاشیہ ہے، جو ایک جلد میں ہے۔ اس میں بے شمار دقائق وحقائق ہیں۔ اس کی ابتدا ان الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے: "الحمد لله الذي أنزل آيات بينات محكمة......الخ"

⑥ حاشية الكرماني: یہ شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۸٦ھ) کا ایک جلد میں حاشیہ ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي وفقنا للخوض... الخ"

⑦ حاشية الشرواني: یہ محمد بن جمال الدین بن رمضان شروانی رحمہ اللہ کا دو جلدوں میں حاشیہ ہے، اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "قال الفقير: بعد حمد الله العليم العلام......الخ"

⑧ حاشية صبغة الله: یہ صبغۃ اللہ کا حاشیہ ہے۔ یہ کبریٰ بھی ہے اور صغریٰ بھی، اسے اٹھارہ حاشیوں سے جمع کیا گیا ہے۔

⑨ حاشية القراماني: یہ جمال الدین اسحاق قرامانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۳۳ھ) کا حاشیہ ہے۔ یہ حاشیہ بہت مفید اور جامع ہے۔

⑩ حاشية الآيديني: یہ فاضل روشنی آیدینی رحمہ اللہ کا حاشیہ ہے۔

⑪ حاشية الصادقي الكيلاني: یہ شیخ محمود بن حسین افضلی حاذقی صادقی گیلانی رحمہ اللہ (المتوفی در حدود ۹۷۰ھ) کا حاشیہ ہے۔ یہ حاشیہ سورۃ الاعراف سے لے کر آخر قرآن تک ہے۔ محشی نے اس کا نام "هداية الرواة إلىٰ الفاروق المداوي للعجز عن تفسير البيضاوي" رکھا ہے اور مصنف اس کی تحریر سے ۹۵۳ھ کو فارغ ہوا۔

⑫ حاشية نخجواني: یہ بابا نعمت اللہ بن محمد نخجوانی رحمہ اللہ (المتوفی در حدود ۹۰۰ھ) کا حاشیہ ہے۔

⑬ حاشية السروري: یہ مصطفیٰ بن شعبان سروری رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۶۹ھ) کا حاشیہ ہے۔ یہ حاشیہ بھی کبریٰ اور صغریٰ ہے۔ پہلے کبریٰ ہے، جس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي جعلني كشاف القرآن......الخ" عاشق رحمہ اللہ نے "ذيل الشقائق" میں لکھا ہے:

"إنه كان يكتب كل ما يخطر بالبال في بادئ النظر والمطالعة، ولا ينظر إليه بعد ذٰلك"[1] انتهىٰ.

[بادی النظر میں جو بھی اس کے دل میں آتا، وہ اسے لکھ لیتا، بعد میں اس کی طرف نہیں دیکھتا تھا]

⑭ حاشية ملا عوض: یہ ملا عوض رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۹۴ھ) کا حاشیہ ہے۔ یہ حاشیہ تقریباً تیس جلدوں میں ہے۔

⑮ حاشية ابن الصائغ: یہ شیخ ابو بکر بن احمد بن صائغ حنبلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۱۴ھ) کا حاشیہ ہے۔ اس حاشیے کا نام: "الحسام الماضي في إيضاح غريب القاضي" ہے۔ محشی نے اس میں بیضاوی کی غریب باتوں کی شرح کی ہے اور اس میں بہت سے فوائد کا اضافہ کیا ہے۔

رہے تفسیر بیضاوی کے غیر مکمل حواشی وتعلیقات تو وہ بھی بہت زیادہ ہیں، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

① محمد بن فرامرز ملا خسرو رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۸۵ھ) کا حاشیہ۔ بیضاوی کے حواشی میں سے یہ بہترین اور عمدہ ترین حاشیہ ہے۔ یہ حاشیہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى

[1] كشف الظنون (۱/ ۱۹۰)

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ تک ہے۔اس کے بعد محمد بن عبدالملک بغدادی حنفی (المتوفی: ۱۰۱۶ھ) نے سورۃ البقرہ کے اختتام تک اس کا ضمیمہ لکھا، جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "الحمد لله هادي المتقين"

② نورالدین حمزہ بن محمود قرامانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۷۱ھ) کا حاشیہ۔ یہ صرف زہراوین (سورۃ البقرہ وآل عمران) تک ہے۔اس کا نام "تقشير التفسير" ہے۔

③ عصام الدین ابراہیم بن محمد بن عرب شاہ اسفرائینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۴۳ھ) کا حاشیہ۔ یہ تصرفاتِ لائقہ اور تحقیقاتِ فائقہ سے بھرا ہوا ہے۔ یہ قرآن کے آغاز سے سورۃ الاعراف کے آخر تک اور سورۃ النبا کے آغاز سے اختتامِ قرآن تک ہے۔محشی نے سلطان سلیمان خاں کی خدمت میں یہ ہدیہ کیا۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي عم بإرفاد إرشاد الفرقان كل لسان......الخ"

④ سعداللہ بن عیسیٰ سعدی افندی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۴۵ھ) کا حاشیہ۔ یہ سورت ہود کے آغاز سے لے کر آخر قرآن تک ہے۔ رہا اس کا شروع کا حصہ تو ان کے لڑکے پیر محمد رحمہ اللہ نے حاشیوں سے جمع کر کے اس کے ساتھ ملا دیا، اس میں کشاف کے حواشی سے تحقیقاتِ لطیفہ اور مباحثِ شریفہ بیان کیے گئے ہیں، پھر اس نے اپنی طرف سے بھی تصرفاتِ مسلمہ کو ضم کیا ہے۔ مدرسین کا اس پر اعتماد ہے اور بحث اور مذاکرے کے وقت وہ اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس حاشیے پر بہت سے رسائل بہ طور تعلیق لکھے گئے ہیں۔عبداللہ کردی رحمہ اللہ نے سورت ہود سے لے کر سورۃ النبا تک اس پر حاشیہ لکھا ہے۔

⑤ استاد سنان الدین یوسف بن حسام الدین رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۸۶ھ) کا حاشیہ۔ یہ حاشیہ بھی خاصا مقبول ہے۔محشی نے یہ حاشیہ سورۃ الانعام کی ابتدا سے سورۃ الکہف کے آخر تک لکھا۔ نیز سورۃ الملک، سورۃ المدثر اور سورۃ القمر پر حاشیہ لکھا اور سلطان سلیم خاں ثانی رحمہ اللہ کے پاس بہ طور ہدیہ بھیجا۔

⑥ محمد بن عبدالوہاب عبدالکریم زادہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۷۷ھ) کا حاشیہ۔ یہ حاشیہ قرآن مجید کے شروع سے لے کر سورت طٰہٰ کے آخر تک ہے۔ یہ حاشیہ زیادہ منتشر ومتداول نہیں ہوا۔

⑦ شیخ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ کا حاشیہ جو آٹھ جلدوں میں ہے، یہ مصر میں شائع ہوا۔

راقم الحروف نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ کشف الظنون میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

⑧ سنان الدین یوسف بردعی شہیر بعجم سنان محشی شرحِ فرائض کا حاشیہ۔ محشی نے فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ﴾ تک یہ حاشیہ لکھا۔ اس کا حجم خسرو کے حاشیے کے برابر ہے۔ مصنف اس میں ملا حمزہ کو ''استاد اوسط'' اور ملا خسرو کو ''استاد اخیر'' سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہے: ''الحمد لله الذي نور قلوبنا......الخ''

⑨ مصطفیٰ بن محمد بستان افندی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۷۷ھ) کا حاشیہ۔ یہ صرف سورۃ الانعام کا حاشیہ ہے۔

⑩ محمد بن مصطفیٰ بن الحاج حسن رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) کا حاشیہ۔ یہ بھی سورۃ الانعام کا حاشیہ ہے۔

⑪ مصلح الدین محمد لاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۷۷ھ) کا حاشیہ۔ یہ زہراوین (سورۃ البقرہ وآل عمران) کے آخر تک ہے۔ محشی نے اس میں بہت دقیق بحثیں کی ہیں۔

⑫ نصر اللہ رومی رحمہ اللہ کا حاشیہ۔

⑬ غرس الدین حلبی طبیب رحمہ اللہ کا حاشیہ۔

⑭ ملا حسین خلخالی حسینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۱۴ھ) کا حاشیہ۔ یہ حاشیہ سورت یاسین سے لے کر آخر قرآن تک ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: ''الحمد لله الذي توله العرفاء في كبرياء ذاته......الخ''

⑮ شیخ محی الدین محمد اسکلیبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۲۲ھ) کا حاشیہ۔

⑯ محی الدین محمد بن قاسم مشہور باخوین رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۰۴ھ) کا حاشیہ۔ یہ حاشیہ زہراوین (سورۃ البقرہ وآل عمران) پر ہے۔

⑰ سید احمد بن عبداللہ قریمی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۰ھ) کا حاشیہ۔ یہ حاشیہ تقریباً مکمل ہے۔

⑱ محمد بن کمال الدین تاشکندی رحمہ اللہ کا حاشیہ۔ یہ حاشیہ صرف سورۃ الانعام پر ہے۔ محشی نے یہ حاشیہ لکھ کر سلطان سلیم خاں رحمہ اللہ کی خدمت میں بہ طور ہدیہ پیش کیا۔

⑲ شیخ الاسلام زکریا بن بیرام انقروی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۰۱ھ) کا حاشیہ۔ یہ سورۃ الاعراف کا حاشیہ ہے۔

(٢٠) محمد بن عبدالغنی رحمہ اللہ (المتوفی: ١٠٣٦ھ) کا حاشیہ۔ یہ حاشیہ سورۃ البقرۃ کے نصف تک پچاس اجزا پر مشتمل ہے۔

(٢١) محمد امین مشہور بابن صدر الدین شروانی رحمہ اللہ (المتوفی ١٠٢٠ھ وقیل ١٠٣٦ھ) کا حاشیہ ہے۔ یہ حاشیہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿الٓمٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ﴾ تک ہے۔ محشی نے بیضاوی کی ساری عبارت نقل کی ہے۔ محشی نے اس کی ابتدا اس طرح کی ہے، جس طرح صفدی نے شرح "لامية العجم" کی، کی ہے اور وہ اس طرح ہے: "الحمد لله الذي شرح صدر من تأدب......الخ"

(٢٢) ہدایۃ اللہ علائی رحمہ اللہ (المتوفی: ١٠٣٩ھ) کا حاشیہ۔

(٢٣) محمد شرانشی رحمہ اللہ کا حاشیہ۔ یہ حاشیہ صرف تیسویں پارے پر مشتمل ہے۔

(٢٤) محمد امین امیر بادشاہ بخاری حسینی رحمہ اللہ نزیل مکہ مکرمہ کا حاشیہ۔ یہ حاشیہ سورۃ الانعام تک ہے۔

(٢٥) محمد بن موسیٰ بسنوی (المتوفی: ١٠٤٦ھ) کا حاشیہ۔ یہ حاشیہ مختصراً بلکہ بر سبیل تعمیہ و الغاز سورۃ الانعام کے آخر تک ہے، اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "الحمد لله الذي فضل بفضله العالمين على الجاهلين......الخ"

(٢٦) علائی بن محبی شیرازی شریف رحمہ اللہ کا حاشیہ۔ یہ حاشیہ زہراوین (سورۃ البقرہ و آل عمران) پر مشتمل ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أنزل علىٰ عبده الكتاب... الخ" اس کا نام "مصباح التعديل في كشف أنوار التنزيل" ہے۔ محشی ماہ رجب ٩٣٥ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔

(٢٧) احمد بن روح اللہ انصاری رحمہ اللہ (المتوفی: ١٠٠٩ھ) کا حاشیہ۔ یہ حاشیہ سورۃ الاعراف کے آخر تک ہے۔

(٢٨) محمد بن ابراہیم بن حنبلی حلبی رحمہ اللہ (المتوفی: ٩٧١ھ) کا حاشیہ۔

(٢٩) شیخ امام محمد بن یوسف شامی رحمہ اللہ نے ایک مختصر حاشیہ لکھا، جس کا نام "الإتحاف بتمييز ما تبع فيه البيضاوي صاحب الكشاف" ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الهادي للصواب......الخ"

بیضاوی میں ذکر کردہ احادیث کی تخریج شیخ عبدالرؤف مناوی نے کی ہے، اس کا آغاز یوں

ہوتا ہے: "اللّٰہ أحمد أن جعلني من خدام أهل الكتاب......الخ" اور انھوں نے اس کا نام "الفتح السماوي بتخريج أحاديث البيضاوي" رکھا ہے۔

٣٠ کمال الدین محمد بن محمد بن ابی شریف قدسی رحمہ اللہ (المتوفی: ٩٠٣ھ) کا حاشیہ۔

٣١ شیخ قاسم بن قطلوبغا حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ٨٧٩ھ) کا حاشیہ۔ محشی نے یہ حاشیہ فرمانِ باری تعالیٰ ﴿فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ تک لکھا ہے۔

٣٢ سید شریف علی بن محمد جرجانی رحمہ اللہ (المتوفی: ٨١٦ھ) کا حاشیہ۔ امام سخاوی رحمہ اللہ نے اپنے پوتے سے نقل کرتے ہوئے اس کا ذکر کیا ہے۔

٣٣ شیخ رضی الدین محمد یوسف مشہور بابن ابی اللطف قدسی رحمہ اللہ (المتوفی: ١٠٢٨ھ) کا حاشیہ۔ یہ حاشیہ کشاف اور شرح ابو داؤد کے ساتھ ایک ضخیم جلد میں ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد للّٰہ الذي أنزل علیٰ عبده الكتاب......الخ" محشی نے اس تعلیق کو اپنے درس کے زمانے میں صخرہ (سلیمانی) کے پاس بیٹھ کر سورۃ الانعام کے آخر تک املا کروایا۔ پھر اس کا مسودہ صاف کرنے کے بعد اسعد مفتی رحمہ اللہ کے پاس بھیج دیا۔

٣٤ مختصر تفسیر بیضاوی جو محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن معروف بامام الکاملیۃ شافعی قاہری رحمہ اللہ (المتوفی: ٨٧٤ھ) کی تالیف ہے۔ انتهیٰ مافي کشف الظنون.[1]

٣٥ تفسیر بیضاوی پر شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی شاگرد ملا عماد رحمہ اللہ (المتوفی: ٩٩٨ھ) کا بھی ایک حاشیہ ہے۔ موصوف کی قبر احمد آباد میں ہے۔ آیتِ کریمہ: ﴿لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ ان کی تاریخ وفات ہے۔ یہ فضلاے ہند سے ہیں اور مصنف کتبِ کثیرہ ہیں۔ ان کا ترجمہ "مآثر الكرام" میں درج ہے۔

٣٦ نیز بیضاوی پر ایک حاشیہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (المتوفی: ١٠٦٧) کا تحریر کردہ ہے۔ سیالکوٹ لاہور کے ماتحت علاقوں میں سے ہے۔ ملا عبدالحکیم، کمال الدین کشمیری کے شاگرد ہیں۔ بادشاہ شاہِ جہان کے عہد میں غیر محدود مال کی رعایت و حفاظت کے لیے مخصوص ہوئے اور چند بستیاں ان کی باج گذار تھیں۔

---

[1] کشف الظنون (١/ ١٩٤)

۳۷ تفسیر بیضاوی پر حافظ امان اللہ بن نور اللہ بن حسنین بنارسی (المتوفی: ۱۱۳۳ھ) کا بھی ایک حاشیہ ہے۔

* الأنوار في تفسير القرآن: یہ شیخ محمد بن حسن معروف بابن مقسم نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۴۱ھ) کی تالیف ہے۔

* أنوار القرآن: یہ ربع (چوتھائی) قرآن کی تفسیر ہے۔ یہ شیخ غلام نقشبند لکھنوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۱۲۷ھ) کی تالیف ہے، اس پر حاشیہ بھی لکھا گیا ہے۔

علم الآيات المشتبهات:

یہ علمِ تفسیر کی ایک فرع ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک قصے کو مختلف صورتوں اور فواصل میں اس طرح ظاہر کرنا کہ ایک جگہ اسے مقدم کیا جائے اور دوسری جگہ موخر کیا جائے، ایک جگہ زیادہ اور دوسری جگہ اس سے کم یا مفرد، جمع یا دوسرے حرف کے ساتھ یا مدغم اور منون اور اس کے سوا دیگر اختلافات زیرِ بحث آتے ہیں۔

سب سے پہلے جس نے اس موضوع پر تصنیف لکھی، وہ کسائی رحمہ اللہ ہے اور سخاوی رحمہ اللہ نے اس کی نظم لکھی۔ اس موضوع پر لکھی گئی کتب میں سے "البرهان في توجيه متشابه القرآن"، "درة التنزيل" اور "غرة التأويل" ہے۔ یہ پہلی کتاب کی نسبت بہتر ہے۔ نیز "كشف المعاني عن متشابه المثاني" اور "ملاك التاويل" ہے اور یہ سب سے بہتر ہے۔ نیز ایک کتاب "قطف الأزهار في كشف الأسرار" ہے۔

علم الإيجاز والإطناب:

یہ بھی علمِ تفسیر کی ایک فرع ہے۔ ابو الخیر رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے، لیکن درحقیقت یہ علمِ بلاغت کے مباحث میں سے ہے، اس کو علمِ تفسیر کی فرع بنانے کی کوئی وجہ نہیں ہے، لیکن مصنف نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ سیوطی رحمہ اللہ کی "الإتقان" میں ذکر کردہ انواع کو علم کا نام دیا جائے۔

* إيجاز البرهان في إعجاز القرآن: ابو اسحاق ابراہیم بن احمد بن محمد انصاری جزری خزرجی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ چوں کہ اس کا خط بہت باریک تھا، لہٰذا اس میں بہت سا خبط ہوگیا ہے۔

* إيجاز البيان في معاني القرآن: یہ نجم الدین ابو القاسم محمد بن ابی الحسن نیشاپوری قزوینی رحمہ اللہ ملقب ببیان الحق کی تالیف ہے۔ مولف نے اس تفسیر میں دس ہزار سے زائد فائدے بیان کیے ہیں۔ چناں چہ انھوں نے اپنی کتاب "جمل الغرائب" کے دیباچے میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کشف الظنون میں اس کا بیان ہوا ہے۔[1]

میں کہتا ہوں کہ یہ کتاب میرے پاس موجود ہے۔ مولف نے اس کے آخر میں کہا ہے کہ وہ ۵۵۳ھ میں شہر خجند کے اندر اس کی تکمیل سے فارغ ہوا۔

* الإيجاز في ناسخ القرآن ومنسوخه: یہ ابو محمد مکی بن ابی طالب حموش بن محمد قیسی قرطبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۷ھ) کی تالیف ہے۔

* الإيضاح في القراءات: یہ ابو علی حسن بن ابراہیم اہوازی معروف بابن یزداد مقری رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۴۶ھ) کی تالیف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام تائے افتعال کے ساتھ اتضاح ہے اور اس کا مابعد جس میں انتہائی وضاحت پائی جاتی ہے، وہ اسی پر دلالت کرتا ہے، لیکن یہ محلِ نظر ہے۔

* الإيضاح في التفسير: یہ شیخ ابو القاسم اسماعیل بن محمد اصفہانی رحمہ اللہ ملقب بقوام السنة (المتوفی: ۵۳۵ھ) کی تالیف ہے۔ یہ چار جلدوں میں ایک ضخیم تفسیر ہے۔

* الإيماء إلى مذاهب السبعة القراء: یہ ابو بکر محمد بن محمد بن عبداللہ الاشبیلی معروف بقلیعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۵۳ھ) کی تالیف ہے۔

---

[1] کشف الظنون (۱/ ۲۰۵)

باب الباء

❊ بحار القرآن: یہ ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ بصری لغوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۱۰ھ) اور شیخ عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۶۰ھ) کی تالیف ہے۔

❊ بحث التعارض في الآيتين: یہ دو آیتوں میں تعارض کی بحث ہے۔ پہلی آیت: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ اور دوسری آیت: ﴿وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّنَ﴾ ہے۔ یہ بحث علماے مصر اور یعقوب اصفر القرمانی رحمہ اللہ کے درمیان ہوئی۔ یعقوب اصفر کرمانی کا اس موضوع پر ایک رسالہ ہے، جو اس کی فضیلت اور تبحر علمی پر دلالت کرتا ہے۔

❊ بحث الفاضل التاشكندي والمولی أبي السعود: یہ بحث فاضل تاشکندی رحمہ اللہ اور مولیٰ ابی السعود رحمہ اللہ کے درمیان فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ میں موجود استعارہ تمثیلیہ پر ہوئی۔ چنانچہ تاشکندی رحمہ اللہ نے سعد رحمہ اللہ (الدین تفتازانی) کے موقف کو راجح قرار دیا ہے، جبکہ ابو السعود رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں طرفین کے کلام کی تنقیح اور تہذیب کے بعد سید (شریف جرجانی) کا مسلک اختیار کیا۔ ان دونوں کے درمیان یہ مباحثہ پانچ گھنٹے جاری رہا۔ اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ یہ سعدین فاضلین کے درمیان ایک عظیم الشان بحث ہے۔

❊ بحث سري الدين المصري ومصطفٰی أفندي الأعرج الرومي: یہ بحث سری الدین المصری اور مصطفیٰ افندی اعرج رومی رحمہ اللہ کے درمیان فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ﴾ میں ہوئی۔ یہ بحث شیخ الاسلام معید رحمہ اللہ کی مجلس میں ہوئی کہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے یہ جائز قرار دیا ہے کہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ وَ اللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ [آل عمران: ۱۳] میں "لکم" کا خطاب مشرکین قریش کے لیے ہو یا یہودیوں کو خطاب ہو یا مومنوں کو۔ اسی

طرح فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ﴾ میں رویت کا فاعل مشرکوں یا مومنوں کا ہونا بھی جائز قرار دیا ہے۔ پھر کہا کہ نافع اور یعقوب رحمہ اللہ کی قراءت ﴿تَرَوْنَهُمْ﴾ تا کے ساتھ اسی کی تائید کرتی ہے۔ سعد الروم نے کہا کہ اس میں ایک بحث ہے، لیکن انھوں نے اسے بیان نہ کیا۔ اعرج رحمہ اللہ نے اس کی وجہ دریافت کی تو سری الدین رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں ایک رسالہ لکھا، مگر انھیں یہ رسالہ پسند نہ آیا۔ مذکورہ بحث عام ہوگئی اور چلتی چلتی مصر پہنچ گئی تو شہاب الدین المصری رحمہ اللہ نے اس پر ایک رسالہ لکھا۔ نیز شیخ ابراہیم المیمونی رحمہ اللہ نے بھی ایک مبسوط رسالہ لکھا۔

❊ بحث السيد الشريف الجرجاني وسعد الدين التفتازاني: یہ بحث سید شریف الجرجانی اور سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ کے درمیان فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ...... الخ﴾ میں موجود استعارے پر تیمور کی مجلس میں ہوئی۔ سید جرجانی رحمہ اللہ، تفتازانی رحمہ اللہ پر اپنی زبان کی فصاحت و طلاقت کی وجہ سے غالب آ گئے۔ سید جرجانی کی زبان ان کے قلم سے زیادہ فصیح تھی، جبکہ تفتازانی رحمہ اللہ کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اس مسئلے میں کہ ان میں سے افضل کون ہے؟ فضلا کے دو گروہ ہیں، البتہ ان میں سے اکثر سعد الدین رحمہ اللہ کی طرف مائل ہیں۔

❊ بحث العلامة عضد الدين عبدالرحمٰن بن أحمد الإيجي: یہ بحث علامہ عضد الدین عبدالرحمٰن بن احمد الایجی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۶ھ) اور فاضل فخر الدین احمد بن حسن الجاربردی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۶ھ) کے درمیان ہوئی۔ بیان کیا گیا ہے کہ عضد الدین رحمہ اللہ نے فخر الدین رحمہ اللہ کو بہ طور اشکال لکھ کر ان سے اس کے بارے میں سوال کیا، جو تفسیرِ کشاف میں فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہوا ہے۔ جاربردی نے اس کا جواب دیا، جو عضد الدین رحمہ اللہ کو پسند نہ آیا تو انھوں نے ان کا جواب انھیں واپس لوٹا دیا۔ اس بحث کے دوران میں ان دونوں سے کچھ نازیبا کلمات بھی صادر ہوئے۔ متاخرین کی ایک جماعت نے اس کے بارے میں قلم چلایا، ان قلم کاروں میں سے ایک کمال الدین عبدالرزاق رحمہ اللہ ہیں۔ نیز امین الدین الحاج داود، عز

الدین تبریز، ہمام الدین الخوارزمی اور تقی الدین السبکی رحمہ اللہ نے بھی اس پر کچھ لکھا ہے۔
ابراہیم الجاربردی رحمہ اللہ نے بھی اپنے باپ کی حمایت ونصرت میں کچھ لکھا ہے۔

* بحرالحقائق والمعاني في تفسير السبع المثاني: یہ نجم الدین ابوبکر عبداللہ بن محمد الاسدی شہیر بدایہ کی تالیف ہے۔

* بحرالدرر في التفسير: یہ شیخ محمد شہیر بمعین مسکین فراہی واعظ کی تالیف ہے۔

* بحرالعلوم في التفسير: سید علاء الدین علی بن یحییٰ سمرقندی ثم القرامانی رحمہ اللہ تلمیذ شیخ علاء الدین بخاری رحمہ اللہ (المتوفی درحدود ۸۶۰ھ بلدۂ لارندہ) کی تالیف ہے۔ یہ بہت بڑی کتاب ہے۔ اس میں کتبِ تفاسیر سے فوائد جلیلہ کو منتخب کر کے لکھا گیا ہے۔ مصنف نے اپنی طرف سے بھی کافی زیادہ فوائد کا فصیح عبارت کے ساتھ اضافہ کیا ہے۔ یہ تفسیر سورۃ المجادلہ تک ہے اور اس کی چار جلدیں ہیں۔

* البحرالمحيط في التفسير: یہ شیخ اثیرالدین ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۵ھ) کی تالیف ہے۔ چند جلدوں میں لکھی گئی، یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے۔ انھوں نے خود ہی اس کو دو جلدوں میں مختصر بھی لکھا اور اس کا نام "النهر الماد من البحر" رکھا ہے۔ ان کے شاگرد شیخ تاج الدین احمد بن عبدالقادر بن مکتوم رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۷) نے اس کا اختصار کیا اور اس مختصر کا نام "الدر اللقيط" رکھا ہے۔ اس میں انھوں نے ابو حیان، ابن عطیہ اور زمخشری رحمہ اللہ کے مباحث کا اقتصار کر کے اسے مختصر کیا ہے اور ان دونوں کا رد کیا ہے۔ اس کتاب میں شین زمخشری کی علامت، عین سے ابن عطیہ اور حا سے ابو حیان مراد ہے۔
اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أنزل القرآن وجعله حجة......الخ"

* بحر مواج: چند بڑی جلدوں میں یہ ایک فارسی تفسیر ہے جو قاضی شہاب الدین ملک العلما بن شمس الدین بن عمر الزوالی دولت آبادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۴۹ھ) کی تالیف ہے۔ اس تفسیر میں آیات بینات کی ترکیبِ معنی اور وجوہِ وصل وفصل کو بڑی محنت کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔ راقم الحروف نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔

* بدائع القرآن: یہ ابن ابی الاصبع زکی الدین ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالواحد قیروانی ثم

المصری رحمہ اللہ (المتوفی ۶۵۴ھ) کی تالیف ہے۔

* البدور الزاهرة في القراءات العشرة المتواترة: یہ سراج الدین عمر بن ابی القاسم انصاری مصری نشار رحمہ اللہ کی ایک جلد میں تالیف ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي علم الإنسان ما لم يعلم......الخ" اس کتاب میں مصنف نے سہولتِ مطالعہ کی خاطر ہر مسئلے کو خود ہی ذکر کیا ہے۔

علم بدائع القرآن:

ابو الخیر رحمہ اللہ نے اس کو علم تفسیر کی فروع میں شمار کیا ہے۔ درحقیقت یہ علمِ بدیع ہے، مگر اس وقت یہ کلامِ قدیم میں واقع ہوا ہے۔

* البدیع و البیان عن غوامص القرآن" تفسیر کی یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔ یہ حسن بن فتح بن حمزہ ہمدانی رحمہ اللہ (المتوفی بعد ۵۰۰ھ) کی تالیف ہے۔ حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"وجدته يدل علىٰ أنه كان ذا عناية بالعربية والكلام"[1]

[میں اس کو پایا ہے کہ مصنف رحمہ اللہ عربی دانی اور کلام پر کافی دسترس رکھتے تھے]

* البرهان في علوم القرآن: یہ شیخ بدرالدین محمد بن بہادر بن عبداللہ زرکشی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۹۴ھ) کی تالیف ہے۔ اس تفسیر میں مولف نے وہ تمام فنونِ قرآن جمع کر دیے ہیں، جن پر لوگوں نے کلام کیا ہے۔ انھوں نے اس کو سینتالیس (۴۷) انواع پر مرتب کیا اور کہا ہے:

"ما من نوع منها إلا ولو أراد إنسان استقصاءه لاستفرغ عمره لم يحكم أمره فاقتصرنا من كل نوع أصوله والرمز إلىٰ بعض فصوله"[2] انتهىٰ.

[ان میں سے ہر نوع ایسی ہے کہ اگر کوئی انسان یہ ارادہ کرے کہ وہ اس کا احاطہ کرے تو اس کی عمر گزر جائے، پھر بھی وہ اس میں کامیاب نہ ہو پائے گا، پس ہم نے ہر نوع کے اصول کو بیان کرنے اور اس کی بعض فصول کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کیا ہے]

---

[1] كشف الظنون (۱/ ۲۳٦)

[2] كشف الظنون (۱/ ۲٤۰۔ ۲٤۱)

امام سیوطی رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب "الإتقان" میں درج کر دیا ہے۔

* البرهان في تفسير القرآن: یہ شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم بن سعید حوفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۰ھ) کی تالیف ہے۔ یہ ایک بہت بڑی کتاب ہے، جو دس جلدوں پر مشتمل ہے، اس میں اعراب، غریب اور تفسیر بیان کی گئی ہے۔
* البرهان في مشكلات القرآن: یہ ابو المعالی عزیزی بن عبدالملک شیدلہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۹۴ھ) کی تالیف ہے۔
* البرهان في توجيه متشابه القرآن لما فيه من الحجة والبيان: یہ شیخ برہان الدین ابو القاسم محمود بن حمزہ بن نصر کرمانی مقری شافعی معروف بتاج القراء رحمہ اللہ (المتوفی بعد ۵۰۰ھ) کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أنزل الفرقان......الخ" یہ ایک مختصر سی کتاب ہے، جس میں وہ آیات متشابہات، جو بار بار آئی ہیں، ذکر کی گئی ہیں، پھر ان کا سبب، فائدہ اور حکمت بیان کی گئی ہے۔ انھوں نے اس کو اپنی شرائط کے ساتھ اپنی کتاب "لباب التفسیر" میں ذکر کیا ہے۔
* البرهان في تناسب سور القرآن: یہ شیخ ابو جعفر احمد بن ابراہیم بن زبیر غرناطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۰۸ھ) کی تالیف ہے۔ اس کتاب میں ہر سورت کی پہلی سورت کے ساتھ مناسبت کو بیان کیا گیا ہے۔
* البرهان في إعجاز القرآن: یہ کمال الدین محمد بن علی بن عبدالواحد زملکانی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۷ھ) کی تالیف ہے، اس کی تالیف کے بعد انھوں نے خود ہی اس کا اختصار کیا۔ اس موضوع پر ابن ابی اصبغ کی برہان نامی ایک کتاب بھی ہے۔
* البرهان في قراءة القرآن: یہ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۰۶ھ) کی تالیف ہے۔
* البستان في القراءات الثلاث عشرة: یہ شیخ سیف الدین ابو بکر عبداللہ بن آی دوغدی معروف بابن الجندی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۹ھ) کی تالیف ہے۔
* البسيط في التفسير: یہ امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۸ھ)

کی تالیف ہے۔

❊ بصائر ذوي التمييز في لطائف الكتاب العزيز: یہ تفسیر دو جلدوں میں ہے اور مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی شیرازی صاحبِ قاموس رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۱۷ھ) کی تالیف ہے۔

❊ البصائر في التفسير: یہ فارسی زبان میں شیخ ظہیر الدین ابو جعفر محمد بن محمود نیشاپوری رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ مولف ۵۷۷ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔ یہ چند جلدوں میں ایک بڑی کتاب ہے۔

❊ البضاعات المزجاة: یہ ایک رسالہ ہے، جو علمِ تفسیر اور حدیث وغیرہ کے مباحث پر مشتمل ہے، اس کو چھے فصلوں اور ایک خاتمے پر مرتب کیا گیا ہے۔

❊ بهجة الأريب مما في كتاب الله العزيز من الغريب: یہ شیخ علاء الدین علی بن عثمان بن ابراہیم معروف بابن الترکمانی ماردینی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۰ھ) کی تالیف ہے۔

❊ بيان المنن علىٰ قارئ الكتاب والسنن: یہ قاسم بن محمد قرطبی بن طیلسان رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۳ھ) کی تالیف ہے۔

❊ البيان في تفسير القرآن: یہ معافی بن اسماعیل بن حسین بن ابی سفیان موصلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۳۰ھ) کی تالیف ہے۔ یہ کتاب ۶۰۳ھ میں صالحیہ میں مولف پر پڑھی گئی۔

❊ البيان في تأويلات القرآن: یہ حافظ ابو عمرو یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر قرطبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳ھ) کی تالیف ہے۔

❊ البيان في ما أبهم من الأسماء في القرآن: یہ ابو عبداللہ محمد بن احمد زہری رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۱۷ھ) کی تالیف ہے۔

❊ البيان في علوم القرآن: یہ ابو عامر فضل بن اسماعیل جرجانی تلمیذ عبدالقادر جرجانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

❊ البيان في شواهد القرآن: یہ ابو الحسن علی بن الحسن باقولی رحمہ اللہ (المتوفی بعد ۵۳۵ھ) کی تالیف ہے۔

باب التاء

* تاج التراجم في تفسير القرآن للأعاجم: یہ امام شاہفور اور امام ابو المظفر طاہر بن محمد اسفرائینی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۷۱ھ) کی تالیف ہے۔
* تاج المعاني في تفسير السبع المثاني: یہ امام ابو نصر منصور بن سعید بن احمد بن حسن رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ یہ کئی جلدوں میں ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "أحق ما صرفت إليه الرغبة وجردت فيه العناية......الخ" اس کا دیباچہ بہت طویل و بلیغ ہے، جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ قائد ابو علی رحمہ اللہ، جو کتاب اللہ میں بہت رغبت رکھنے والے تھے، کے اشارے سے یہ کتاب ۳۵۳ھ میں لکھی گئی اور اس کا مقدمہ حروف و اعراب کے بیان میں تالیف کیا گیا، اس کے بعد اصل مقصود کو شروع کیا گیا۔ تمام تفسیر کو ایسی لطیف عبارتوں اور ایسے فصیح الفاظ میں لکھا گیا، جو مولف کی ادب میں مہارت پر دلالت کرتی ہیں۔

علم التأويل:

"تاویل" اول سے مشتق ہے، جس کا معنی رجوع ہے، گویا تاویل کرنے والا آیت کو معانی محتملہ کی طرف پھیرتا ہے۔ اہلِ علم نے یہ بھی کہا ہے کہ تاویل کی اصل "ایالۃ" ہے جس کے معنی سیاست ہیں۔ گویا تاویل کرنے والا کلام کو سیدھا کرنے والا اور معانی کو ان کی جگہوں پر رکھنے والا ہوتا ہے۔

اہلِ علم نے تاویل و تفسیر کے درمیان فرق میں اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت، جن میں ابو عبید رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، نے کہا ہے کہ یہ دونوں لفظ ایک ہی معنی میں ہیں، جبکہ ایک دوسری جماعت نے ان کے متحد المعنی ہونے کا انکار کیا ہے۔ راغب رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تفسیر، تاویل سے عام ہے اور اس کا بیشتر استعمال الفاظ اور مفردات میں ہوتا ہے۔ جبکہ تاویل کا اکثر استعمال معانی اور جملوں میں ہوتا ہے اور اس کا اکثر استعمال کتبِ الٰہیہ میں ہوا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ تفسیر ایسے لفظ کا بیان ہے، جو ایک وجہ کے سوا کسی دوسری وجہ کا محتاج نہیں ہوتا، جبکہ تاویل مختلف معانی رکھنے

والے لفظ کو اس کے معانی میں کسی ایک معنی کی طرف اس بنا پر لوٹانا کہ اس معنی کے دلائل واضح ہوتے ہیں۔

ماتریدی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا قطعیت کے ساتھ فیصلہ کیا جائے کہ لفظ کی مراد یہی معنی ہے، نیز یہ اللہ تعالیٰ پر گواہی دینا ہے کہ اس نے فلاں معنی کو اس لفظ کے ساتھ ادا کیا ہے، جبکہ تاویل محتملات میں سے کسی ایک کو بغیر قطعیت اور شہادت کے ترجیح دینے کا نام ہے۔

ابو طالب تغلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تفسیر حقیقتاً یا مجازاً وضعِ لفظ کے بیان کا نام ہے، جبکہ تاویل لفظ کے باطن کی تفسیر کو کہتے ہیں۔ یہ اول سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے کسی معاملے کے انجام کی طرف رجوع کرنا۔ گویا تاویل حقیقتِ مراد کی خبر دینے کا نام ہے، جبکہ تفسیر دلیلِ مراد کی خبر دینے کو کہتے ہیں۔ مثلاً فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ [الفجر: ١٤] [بے شک تیرا رب یقیناً گھات میں ہے]

اس کی تفسیر یہ ہے کہ "مِرْصَادِ" رصد سے مفعال کے وزن پر اسم آلہ کا صیغہ ہے، جبکہ اس کی تاویل امرِ الٰہی میں تہاون اور سستی کرنے سے تنبیہ اور خبردار کرنا ہے۔

اصبہانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تفسیر کا مطلب ہے قرآن کے معانی کو واضح کرنا اور اس کی مراد کو بیان کرنا، عام اس سے کہ وہ لفظ کے اعتبار سے ہو یا معنی کے لحاظ سے۔ قرآن مجید میں اکثر تاویل ہوتی ہے، جبکہ تفسیر کا استعمال غریب الفاظ یا موجز کلام میں ہوتا ہے، تا کہ اس کی شرح واضح ہو جائے یا ایسے کلام میں جو کسی قصے کو متضمن ہو اور اس قصے کو جانے بغیر اس معنی مراد کی تصویر کشی نہ ہوتی ہو۔

تاویل کا استعمال کبھی عام اور کبھی خاص ہوتا ہے، جیسے لفظ کفر ہے۔ کبھی تو یہ مطلق کفر کے معنی میں آتا ہے اور کبھی باری تعالیٰ کے انکار کے ساتھ خاص ہوتا ہے یا کسی ایسے لفظ کے لیے جو مختلف معانی کے درمیان مشترک ہو۔

بعض نے کہا ہے کہ تفسیر روایت سے متعلق ہوتی ہے، جبکہ تاویل درایت کے متعلق ہوتی ہے۔ قشیری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تفسیر اس سماع، اتباع اور استنباط پر منحصر ہے، جس کا تفسیر کے ساتھ تعلق ہو۔ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ کتاب وسنت میں جو کچھ مبین اور واضح واقع ہوا ہے، وہ تفسیر ہے اور کسی کو یہ مجال نہ ہو کہ وہ اپنے اجتہاد کے ساتھ اس میں کوئی تعرض کر سکے، بلکہ اس کے وارد شدہ معنی

سے تجاوز کے بغیر اس پر محمول کرنا چاہیے، جبکہ تاویل ان علما کے مستنبطات کا نام ہے، جو خطاب کا معنی جانتے ہیں اور آلاتِ علوم میں دسترس رکھتے ہیں۔

بغوی اور کواشی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تاویل کا مطلب یہ ہے کہ آیت کو اس کے ماقبل اور مابعد کے اس موافق معنی کی طرف پھیرنا، جس معنی کا آیتِ مذکورہ احتمال رکھتی ہے اور بہ طریقِ استنباط کتاب وسنت کے مخالف نہیں ہے۔[1] انتہیٰ. ملا کاتب نے کہا ہے کہ شاید یہی درست ہو۔ یہ اس تحریر کا خلاصہ تھا، جو ابو الخیر نے علمِ تفسیر کے مقدمے میں کی ہے۔

❊ التاويل لمعالم التنزيل: یہ شیخ علی بن محمد شیخی بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۱ھ) کی تالیف ہے اور بڑی ضخیم تفسیر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "الدرر" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

❊ تأويلات القرآن: معروف بتاویلات الکاشانی۔ یہ تاویل کے ذریعے سے اصطلاحِ تصوف پر سورت "ص" تک تفسیر کی گئی ہے۔ یہ شیخ کمال الدین ابو الغنائم عبدالرزاق بن جمال الدین کاشی ثمر قندی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۸۷ھ) کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي جعل مناظم كلامه مظاهر صفاته......الخ"

❊ تبصرة المبتدى وتذكرة المنتهى في القراءات: یہ شیخ ابو محمد عبداللہ بن علی بن احمد معروف بسبط الخیاط رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۱ھ) کی تالیف ہے۔

❊ التبصرة في القراءات السبعة: یہ شیخ ابو محمد مکی بن ابی طالب مقری قیسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۷ھ) کی پانچ اجزا میں تالیف ہے۔ یہ ان کی مشہور تصنیف ہے۔

❊ التبصرة في التفسير: یہ شیخ موفق الدین ابو العباس احمد بن یوسف کواشی موصلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۰۸ھ) کی تالیف ہے۔ یہ بہت ضخیم تفسیر ہے، جس کی بعد میں ایک جلد میں تلخیص کی گئی اور اس کا نام تلخیص رکھا گیا۔

❊ تبصير الرحمٰن وتيسير المنان بعض ما يشير إلىٰ إعجاز القرآن في التفسير: یہ شیخ زین الدین علی بن احمد بن علی بن احمد اموی حنبلی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۱۰ھ) کی تالیف ہے، یہ ایک جلد میں متوسط تفسیر ہے، اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "الحمد لله

[1] كشف الظنون (۱/ ۲۳۴۔ ۲۳۵)

الذي أنار بكلامه......الخ"

❊ التبيان في آداب حملة القرآن: یہ شیخ یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمہ اللہ (التوفی: ۶۷۶ھ) کی مختصر تالیف ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد للّٰه الكريم المنان......الخ"

اس کتاب میں دس ابواب ہیں:

① تلاوت اور حاملینِ قرآن کی فضیلت کا بیان۔

② قراءت اور قاری کی فوقیت کا بیان۔

③ اہلِ قرآن کے اکرام اور عزت افزائی کا بیان۔

④ معلم ومتعلمِ قرآن کے آداب کا تذکرہ۔

⑤ حاملِ قرآن کے آداب کا بیان۔

⑥ قراء کے آداب کا بیان۔

⑦ قرآن کے ساتھ لوگوں کے آداب بجا لانے کا تذکرہ۔

⑧ بعض اوقات میں مستحب آیات اور سورتوں کا ذکر۔

⑨ قرآن مجید کی کتابت اور مصحف کے اکرام کا بیان۔

⑩ الفاظِ کتاب کے ضبط کرنے کا تذکرہ۔

ان ابواب کے ذکر میں کئی فوائد ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے اس کا اختصار کیا اور اس کا نام "مختار التبيان" رکھا۔ شیخ محمد بن محمد بن ابی سعید ایجی رحمہ اللہ نے اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام "حديقة البيان" رکھا۔

❊ التبيان في إعراب القرآن: یہ ابو البقا عبداللہ بن الحسین عکبری رحمہ اللہ (لمتوفی: ۶۱۶ھ) کی تالیف ہے۔ یہ ایک جلد میں ہے اور اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "الحمد للّٰه الذي وفقنا لحفظ القرآن......الخ"

❊ التبيان في تفسير القرآن: یہ خضر بن عبدالرحمٰن ازدی رحمہ اللہ (التوفی: ۷۷۳ھ) کی تالیف ہے۔

❊ التبيان في مبهمات القرآن: یہ ابن جماعہ رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

❊ التبيان في أقسام القرآن: یہ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن قیم الجوزیہ دمشقی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵۱ھ) کی تالیف ہے۔ یہ ایک جلد میں ہے، اس میں قسم سے متعلق وارد شدہ آیات کو جمع کر کے ان پر کلام کیا گیا ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "الحمد لله رب العالمين......الخ"

❊ التبيان في مسائل القرآن: یہ ابو الخیر احمد بن اسماعیل طالقانی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۹۰ھ) کی تالیف ہے۔ امام سبکی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"هو جزء لطيف في الرد على الحلولية والجهمية القائلين بخلق القرآن"
[خلقِ قرآن کے قائلین حلولیہ اور جہمیہ کے رد میں یہ ایک شہ پارہ ہے]

❊ التبيان في متشابه القرآن: سورتوں کی ترتیب پر یہ ایک مختصر تفسیر ہے، اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "الحمد لله الذي جعل الحمد لكتابه......الخ" اس کتاب میں ہر وہ آیت جو ایک دوسری کے مشابہ ہے، اس کو سورت کے تعین کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

❊ تبيين معادن المعاني لمن إلى تبيينها دعاني: یہ معانی القرآن پر ایک مختصر تفسیر ہے، جو ایک مقدمے، چند مقاصد اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے، اس کے ابتدائی الفاظ یوں ہیں: "الحمد لله مبشر من صدق بالحسنىٰ......الخ"

❊ تجريد التفسير من صحيح البخاري علىٰ ترتيب السور: یہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲ھ) کی تالیف ہے۔

علم التجوید:

یہ وہ علم ہے جو مخارجِ حروف اور ان کی صفات اور ترتیلِ نظمِ مبین کو ان کا حق دینے کے لحاظ سے تلاوتِ قرآنِ عظیم کی تحسین پر بحث کرتا ہے۔ اس کے حق یہ ہیں: وصل، وقف، مد، قصر، ادغام، اظہار، اخفاء، امالہ، تحقیق، تفخیم، ترقیق، تشدید، تخفیف، قلب اور تسہیل وغیرہ۔ اس علم کا موضوع، غرض وغایت اور نفع ظاہر و باہر ہے۔ یہ علم فنونِ قراءت کا نتیجہ اور ان کا ثمرہ ہے۔ یہ علم اس لحاظ سے موسیقی کی طرح ہے کہ اس میں صرف علم کافی نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک ایسے ملکے سے عبارت ہے، جو اس فن کے اساتذہ کی زبان سے سن کر فوراً اس کو یاد کرنے کی مشق سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے ابو الخیر رحمہ اللہ

نے اس کا ذکر نہیں کیا، بلکہ صرف قراءت اور اس کی فروع کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔

تجوید، قراءت سے عام ہے۔ سب سے پہلے جس نے اس فن پر تصنیف کی وہ موسیٰ بن عبید اللہ بن یحییٰ بن خاقان البغدادی المقری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۵ھ) ہیں۔ ابن الجزری رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس فن پر لکھی جانے والی تصنیفات میں: "الدر الیتیم"، اس کی شرح "الرعایة"، "غایة المراد"، "المقدمة الجزریة" اور اس کی شروحات ہیں۔

❊ التجوید لبغیة المزید: یہ قراءات سبعہ میں شیخ ابو القاسم عبدالرحمن بن ابی بکر بن الفحام الصقلی شیخ اسکندریہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۱۶ھ) کی تالیف ہے۔

❊ التحریر والتحبیر لأقوال أئمة التفسیر في معاني کلام السمیع البصیر: یہ شیخ جمال الدین ابو عبداللہ محمد بن سلیمان معروف بابن النقیب المقدسی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۹۸ھ) کی ایک ضخیم تالیف ہے اور پچاس سے کچھ اوپر جلدوں میں ہے۔ جتنا اس کتاب کے ساتھ اعتنا ہوا ہے، کسی دوسری کتاب کے ساتھ نہیں ہوا۔ شعرانی رحمہ اللہ اس کا ذکر کرتے اور کہتے ہیں:

"ما طالعت أوسع منه"[1] [میں نے اس سے زیادہ وسعت والی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا]

❊ التحریض في قراءة القرآن.

❊ تحصیل المختصر من کتاب التفصیل في التفسیر.

❊ تحفة الأنام بسورة الأنعام: یہ بعض فضلا کی تفسیر ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "یا من أفحم شقاشق البلغاء"

❊ تحفة الإخوان في ما تصح به تلاوة القرآن: یہ صلاح الدین خلیل بن عثمان مقری رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

❊ تحفة الإخوان في آداب حملة القرآن.

❊ تحفة الأریب في ما في القرآن من الغریب: یہ شیخ ابو حیان بن یوسف اندلسی نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۵ھ) کی ایک مختصر تالیف ہے، جو حروف پر مرتب کی گئی ہے۔

---

[1] کشف الظنون (۱/ ۳۵۸)

- تحفة الأقران في ما قرئ بالتثليث من حروف القرآن: یہ احمد بن یوسف بن مالک رعینی اندلسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۹ھ) کی تالیف ہے۔ اس کا نمونہ ملاحظہ کیجیے:

"كالحمد لله، قرئ بالرفع على الابتداء، وبالنصب على المصدر، وبالكسر على إتباع الدال اللام في حركتها"

[مثلاً الحمد للہ میں الحمد کو مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع پڑھا گیا ہے، مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب بھی پڑھا گیا اور دال کے لام کی حرکت کا اتباع کرنے کی بنا پر مکسور بھی پڑھا گیا ہے]

- تحقيق البيان في تأويل القرآن: یہ ابو القاسم حسین بن محمد بن مفضل معروف بہ راغب اصبہانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ "طبقات النحاة" میں رقمطراز ہیں:

"الراغب صاحب المصنفات، كان من أوائل المائة الخامسة، له مفردات القرآن"[1]

[کئی کتابوں کے مصنف راغب پانچویں صدی ہجری کے شروع میں ہوئے ہیں، ان کی ایک کتاب "مفردات القرآن" ہے]

- التحبير في علوم التفسير: یہ ایک جلد میں امام سیوطی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "أحمد على أن حصني من نعمه بالمزيد......الخ" بلقینی رحمہ اللہ نے "مواقع العلوم" میں جو کچھ ذکر کیا ہے، سیوطی رحمہ اللہ نے وہ اس کتاب کے ضمن میں جمع کر دیا اور اس کی ایک سو دو (۱۰۲) انواع بنائی ہیں۔ پھر وہ اپنی کتاب "الإتقان" کی تالیف میں مصروف ہو گئے اور اس کتاب "التحبير في علوم التفسير" کو بھی اس میں درج کر دیا۔

- التذكار في القراءات العشر: یہ ابو الفتح عبدالواحد بن حسین بن شیطا بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۰ھ) کی تالیف ہے، اس میں تقریباً ایک سو طریق سے روایت ذکر کی گئی ہے۔

- تذكرة ابن غلبون في القراءات الثمان: یہ ابو الحسن طاہر بن عبدالمنعم الحلبی نزیل مصر رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۹۹ھ) کی تالیف ہے۔

---

[1] كشف الظنون (۱/ ۳۷۷)

* تذكرة الأريب في التفسير: یہ ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷ھ) کی تالیف ہے۔
* تذكرة المنتهي في القراءات: یہ شیخ ابو العز محمد بن حسین قلانسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۲۱ھ) کی تالیف ہے۔
* التذكرة في القراءات السبع: یہ ابو الحسن طاہر بن احمد النحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۰ھ) کی تالیف ہے۔
* التذكرة في اختلاف القراء: یہ شیخ ابو محمد مکی بن حموش المقری القیسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۷ھ) کی تالیف ہے۔
* تراجم الأعاجم: یہ فارسی زبان میں مختصر تفسیر ہے۔ یہ سورتوں کی ترتیب پر مفرداتِ قرآن کی تفسیر میں ہے۔ یہ زین المشائخ محمد بن ابی القاسم البقالی الخوارزمی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۶۲ھ) کی تالیف ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله مانح الأعلاق......الخ"
* ترتيب أحزاب القرآن.
* ترجمان القرآن في لغاته: شاید یہ "تراجم الأعاجم" ہی ہے۔
* ترجمان القرآن في تفسير المسند: امام سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) کی بہت ضخیم کتاب ہے، یہ پانچ جلدوں میں ہے۔
* الترجمان في التفسير: علامہ رحمہ اللہ نے کشاف کے حاشیے میں اس کا ذکر کیا ہے۔

تراجم القرآن:

اس موضوع کی طرف اہلِ علم کی ایک جماعت نے توجہ دی ہے۔ بعض نے تو فارسی تراجم لکھے ہیں، جیسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ہیں اور بعض نے اردو میں، جیسے مولوی رفیع الدین دہلوی اور شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے۔ بعض نے ترکی میں، جیسے شیخ احمد داغستانی رحمہ اللہ نزیل مکہ مکرمہ۔ یہ ترجمہ نواب سکندر بیگم مرحومہ رئیسہ بھوپال کی فرمایش پر لکھا گیا تھا، یہ ریاست کے خزانۂ کتب میں موجود ہے، ان کو ان کی جلد کے عوض پانچ ہزار روپے ملے۔ بعض نے پشتو زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ مدار المہام محمد جمال الدین خان بہادر رحمہ اللہ کی فرمایش پر لکھا گیا اور مطبع بھوپال میں طبع کیا گیا۔ اسی طرح انگریزی زبان میں بھی لوگوں نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا ہے، لیکن معلوم نہیں کہ وہ متن کے

مطابق ہے کہ نہیں، اس کے علاوہ بھی اس کے کئی ایک تراجم ہیں۔

علم تشبيه القرآن واستعاراته:

ابو الخیر رحمہ اللہ نے اس کو علمِ تفسیر کی فروع میں شمار کیا اور کہا ہے:

"التشبيه نوع من أشرف أنواع البلاغة" انتهىٰ.

[تشبیہ انواعِ بلاغت کی ایک بلند مقام نوع ہے]

مگر درحقیقت یہ علمِ بلاغت کے مباحث سے ہے۔

* تطبيق المكررات من الآيات.
* تعداد الآي: یہ ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری امام القراء ۃ رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۷۸ھ) کی تالیف ہے۔
* التعريف والإعلام في ما أبهم في القرآن من الأسماء والأعلام: یہ شیخ ابو القاسم عبدالرحمن بن عبداللہ الاندلسی السہیلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۸۱ھ) کی مختصر تالیف ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي علم آدم الأسماء......الخ" کسی کا کوئی علم ہو اور قرآن میں وہ نام نہ لیا گیا ہو، بلکہ صرف اس کا ذکر ہو تو اس کتاب میں اس نے نام ذکر کر دیا ہے۔

اس کتاب پر محمد بن علی بن محمد بلنسی غرناطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۳۶ھ) کا ایک استدراک ہے۔ اسی طرح ان کے شاگرد محمد بن علی بن الخضر غسانی معروف بہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس کا ضمیمہ لکھا اور اس کا نام "التكميل والإتمام" رکھا۔ پھر قاضی بدرالدین بن جماعہ نے ہر دو کو یکجا کر کے اس کا نام "التبيان" رکھا ہے۔

* التعظيم والمنة في تحقيق قول الله تعالىٰ: ﴿لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ﴾: یہ شیخ تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۶ھ) کی تالیف ہے۔
* التعليل في القراءات السبع: یہ ابو العباس احمد بن محمد الموصلی النحوی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ یہ گیارہ نحوی اخفشوں میں سے پانچواں اخفش ہے۔

* التعليل في القراءات العشر: یہ ابو عبداللہ محمد بن سلیمان المالقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۲۵ھ) کی تالیف ہے۔
* تعلق الآي: یہ قرآن کریم سے متعلقہ کتابوں کے بارے میں ہے۔
* التفاريد في القراءات العشر: یہ بطائحی کی تالیف ہے۔

علم التفسیر:

یہ وہ علم ہے جو بشری طاقت اور قواعد عربیہ کے اقتضا کے مطابق نظمِ قرآن کے معنی سے بحث کرتا ہے۔ اس علم کے اصول علومِ عربیہ، اصولِ کلام اور اصولِ فقہ و جدل وغیرہ علوم ہیں۔ اس علم کی غرض نظمِ قرآنی کے معانی کو پہچاننا ہے اور اس کا فائدہ صحت کی بنیاد پر احکامِ شرعیہ کے استنباط پر قدرت کا حصول ہے۔ اس علم کا موضوع اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام ہے، جو ہر حکمت کا منبع اور ہر فضیلت کا معدن ہے۔ اس علم کی غایت معانیِ قرآن اور استنباطِ احکام کے فہم کی طرف توصل ہے، تاکہ اس راستے سے دونوں جہانوں کی سعادت پر فائز ہوں۔ کسی علم کے شرف اور اس کی جلالت اس علم کے شرفِ موضوع اور اس کی غایت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ پس علمِ تفسیر اشرف اور اعظم علم ہے۔

چنانچہ قطب الدین رازی رحمہ اللہ نے کشاف کی شرح میں کہا ہے کہ یہ ایک ایسا علم ہے، جس میں قرآن مجید سے حق تعالیٰ کی مراد پر بحث کی جاتی ہے۔ یہ اس حد تک پہنچا ہوا ہے کہ اہلِ علم اس علم میں احوالِ الفاظ، جیسے مباحثِ قراءت، الفاظ کی ناسخیت و منسوخیت، اسبابِ نزول اور ترتیبِ نزول وغیرہ پر بھی بحث کرتے ہیں اس کی کوئی حد جامع نہیں۔ نیز یہ فقہ اکبر اور فقہ اصغر کی بحث میں بھی داخل ہوتا ہے، جو کتاب سے ثابت ہو، کیوں کہ وہ قرآن سے اللہ کی مراد کی تفتیش ہے، لہٰذا اس کو کوئی حد مانع نہیں ہے، لہٰذا تفتازانی رحمہ اللہ نے اس تعریف سے کنارہ کشی اختیار کر کے کہا ہے کہ علمِ تفسیر وہ علم ہے جو کلام اللہ کے احوالِ الفاظ سے مرادِ الٰہی پر دلالت کے اعتبار سے بحث کرتا ہے، مگر اس کی اختیار کردہ اس تعریف پر بھی چند وجوہ سے اعتراض وارد ہوتا ہے:

1. پہلی وجہ یہ کہ الفاظِ قرآن سے متعلق بحث کبھی دلالت و بیان کے مرادی معنی میں موثر نہیں ہوتی، مثلاً مباحثِ علمِ قراءت جیسے تفخیم و امالہ وغیرہ ہیں۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ علمِ قراءت علمِ تفسیر کا ایک جزو ہے، اس کی شان وعظمت کا مزید اہتمام کرتے ہوئے ان کو علمِ تفسیر سے جدا کر دیا

گیا ہے، جیسے کحالت کو طب سے اور فرائض کو فقہ سے اور اس کی قیدِ حیثیت کو اس علم سے خارج کر دیا گیا ہے تو یہ تعریف جامع نہ رہی۔ اگر کہیں کہ اس سے مقصود علمِ قراءت کو الگ کرنے کے بعد علمِ تفسیر کی تعریف ہے تو ہم کہیں گے کہ اس صورت میں شرح مشروح کے مناسب نہ ہوگی، کیوں کہ تفسیر میں اس چیز سے متعلق بھی بحث کی جاتی ہے، جس سے معنی میں تغیر وتبدل راہ نہیں پاتی۔

٢ دوسری وجہ یہ ہے کہ مراد سے مقصود اگر مطلق کلام ہو تو علومِ ادبیہ اس میں داخل ہو جاتے ہیں اور اگر مرادِ الٰہی کلامِ قدیم کے ساتھ ہے پس اگر مراد نفس الامری ہے تو تفسیر کی بحث اس کا فائدہ نہ دے گی، کیوں کہ غالباً اس کا طریقہ روایت آحاد یا بہ طریقِ عربیت درایت ہے، جبکہ یہ دونوں ظنی ہیں اور ہر ایک کا فہم اس کی استعداد کے مطابق ہوگا اور اگر مرادِ الٰہی مفسر کے گمان کے ساتھ ہے تو یہ دو وجہ سے محل نظر ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ تعدد درحقیقت نوعی تعدد نہیں ہے، بلکہ یہ تعدد اختلافِ قوابل کے ساتھ مختلف جزئیات میں تعدد پایا جاتا ہے۔

شیخ قونوی رحمہ اللہ نے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ سب معانی جن کے ساتھ اہلِ علم نے روایتاً یا درایتاً لفظِ قرآن کی تفسیر کی ہے اور یہ روایت و درایت بھی صحیح ہو تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یہی مراد ہوگی، لیکن مراتب وقوابل کے اعتبار سے نہ کہ ہر ایک کے حق میں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ذہن الفاظ کے معانی سے اس چیز کی طرف جاتے ہیں، جو نفس الامر میں معروف ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے متعلق کہا جائے کہ یہ اس پر دلالت کرتا ہے، جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔

٣ تیسری وجہ یہ ہے کہ اہلِ علم کے عرف میں متعارف میں بحث کرنے والے علم کی عبارت اصول وقواعد یا اس کے ملکے کی طرف لوٹتی ہے اور خود علمِ تفسیر کے منضبط قواعد نہیں ہیں، جن پر جزئیات کی تفریع کی جا سکے سوائے نادر مقامات کے۔ پس مذکورہ بالا یہ تعریفیں ان کے سوا دیگر جگہوں کو متناول نہیں مگر عنایت تامہ اور مشقت وتکلف کے ساتھ۔

لہٰذا علمِ تفسیر کی تعریف میں بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ وہ قرآنیت کے اعتبار سے کلامِ الٰہی کے احوال کی معرفت کا نام ہے، نیز انسانی طاقت کے مطابق اس حیثیت سے کہ اس کی معلوم یا مظنون پر دلالت کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے، اور یہ بیان کی تمام اقسام کو متناول ہے۔

یہ اس تفسیر کا تھا خلاصہ جو رازی رحمہ اللہ نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں کی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے چند فصلیں تحریر کی ہیں اور اس تعریف کو تفسیر اور تاویل کی طرف تقسیم کیا ہے، پھر ان پر غور وخوض کے جواز اور ظاہر و باطن سے اس کی وجوہ کی معرفت وغیرہ کو بیان کیا ہے۔ ان میں سے جو کچھ کتاب کے مقصدِ اول میں ہم نے تحریر کیا ہے، وہی کافی ہے۔

ابو الخیر رحمہ اللہ نے طبقاتِ مفسرین کے بیان میں خوب طوالت کا مظاہرہ کیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ، تبع تابعین اور متاخرین اہلِ علم نے قرآن مجید کی جو بھی تفسیر کی ہے اور جس طریقے پر بھی کی ہے، اس کا ذکر کر دیا ہے۔ اگر اس کو بیان کیا جائے تو اس میں خاصا طول آ جائے گا۔

عبدالرحمن بن خلدون مغربی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "العبر و دیوان المبتدأ والخبر" میں لکھا ہے کہ جہاں تک تفسیر کا تعلق ہے تو جان لو کہ قرآن مجید عربوں کی لغت اور ان کی بلاغت کے اسالیب کے مطابق نازل ہوا ہے۔ وہ سب قرآن کا فہم رکھتے تھے اور اس کے مفردات اور تراکیب کے معانی کو جانتے تھے۔ چناں چہ قرآن مجید توحید اور فروض دینیہ کے بیان میں تھوڑا تھوڑا احوال اور واقعات کے مطابق نازل ہوتا تھا۔ قرآن کا کچھ حصہ وہ ہے جو عقائد ایمانیہ سے متعلق ہے، کچھ حصہ احکام الجوارح سے متعلق ہے، کچھ حصہ مقدم ہے اور کچھ حصہ موخر ہے، جو پہلے کا ناسخ ہے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجمل کو بیان کرتے، ناسخ کی منسوخ سے تمیز کرتے، اپنے اصحاب کو اس کی پہچان کرواتے تو وہ اس کو پہچان جاتے۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آیات کا سببِ نزول اور مقتضی الحال کو بھی پہچانتے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دی گئی ہے وغیرہ۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل ہوا تو ان کے بعد تابعین عظام رحمہم اللہ نے اس کو لیا اور ان سے آگے منقول ہوا اور صدرِ اول اور سلف میں یہ علم نقل ہوتا آیا، حتیٰ کہ ان معارف نے علوم کی شکل اختیار کر لی، پھر اس فن پر کتابیں مدون ہوئیں، اس پر بہت سے لوگوں نے لکھا، جن میں وہ آثار نقل کیے گئے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے منقول تھے، حتیٰ کہ یہ علوم طبری، واقدی، ثعلبی رحمہم اللہ اور اس جیسے مفسرین کے پاس پہنچے۔ انھوں نے اپنی تفسیروں میں جو اللہ تعالیٰ نے چاہا آثار نقل کیے، پھر علومِ لسان، موضوعاتِ لغت، احکامِ اِعراب اور بلاغت فی التراکیب میں کلام کا ایک فن بن گیا۔ پس اس پر

دواوین لکھے گئے، بعد اس کے کہ عربوں کی طبیعتیں تحریر کی طرف میلان نہیں رکھتی تھیں۔ پس وہ اس سے رک گئے اور اہلِ زبان کی کتابوں سے اسے اخذ کرنے لگے۔ پھر اس سلسلے میں تفسیرِ قرآن کی ضرورت محسوس ہوئی، کیوں کہ وہ عربوں کی زبان اور ان کی بلاغت کے منہج پر ہے۔

اس وقت تفسیر کی دو قسمیں بن گئی: ایک تفسیر نقلی، جو سلف سے منقول آثار پر مشتمل ہے اور وہ آثار ناسخ و منسوخ، اسبابِ نزول اور مقاصدِ آیات کی معرفت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور یہ سب کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین عظام رحمہم اللہ سے منقول علم ہی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ متقدمین نے اس سے متعلق بہت سی چیزیں جمع کیں اور انھیں ذہن نشین کیا، مگر ان کی کتابیں اور منقولات نکمی اور عمدہ، مقبول اور مردود دونوں قسموں پر مشتمل تھیں۔

اس کا سبب یہ ہے کہ عرب لوگ اہلِ کتاب اور اہلِ علم نہ تھے، بلکہ ان پر بدویت اور امیت کا غلبہ تھا۔ جب ان کو کسی ایسی چیز کا شوق ہوتا، جس کی طرف بشری نفوس مشتاق ہوتے ہیں، یعنی اشیا کے وجود میں آنے کے اسباب، مخلوق کی ابتدا اور وجود کے اسرار تو وہ اس سے متعلق اپنے سے پہلے اہلِ کتاب سے استفسار کرتے اور ان سے استفادہ کرتے۔ وہ لوگ اہلِ تورات یہودی اور ان کے دین کے پیروکار نصرانی تھے۔ اس وقت عربوں میں جو اہلِ تورات رہایش پذیر تھے، وہ انھی کی طرح تھے، ان کو اتنا ہی علم تھا، جتنا اہلِ کتاب کے عام لوگوں کو ہوتا تھا۔ ان میں سے اکثر اس حمیر قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جنھوں نے یہودیت کو اختیار کیا تھا۔ پھر جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو وہ اپنے اس علم پر باقی رہے، جس کا ان احکامِ شرعیہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا، جن میں وہ مصلحت اندیشی سے کام لیتے تھے، جیسے مخلوق کی ابتدا، حوادث اور خون ریزیوں سے متعلق خبریں وغیرہ۔ یہ کعب الاحبار، وہب بن منبہ رحمہ اللہ، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر لوگ تھے۔

پس ان اغراض کے لیے ان کے پاس جو منقولات تھیں، ان کی تفاسیر ان سے بھر گئیں، جن میں اکثر موقوف خبریں تھیں۔ ان کا احکام کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا کہ ان کی صحت کا اہتمام کیا جاتا، جن احکام پر عمل کرنا واجب تھا۔ مفسرین نے اس طرح کی چیزوں میں تساہل کا مظاہرہ کیا۔ چناں چہ ان کی تفاسیر ان منقولات سے بھر گئیں اور ان تفاسیر کی اصل، جیسے ہم نے عرض کی ہے، ان اہلِ تورات سے تھی، جو بادیہ نشین تھے اور ان کے ہاں ان چیزوں کی تحقیق کا کوئی تصور نہ تھا، جن کو وہ نقل

کرتے تھے۔ مگر دین وملت میں جس شہرت اور بلند قدری پر وہ فائز تھے، ان کی نقل کردہ چیزوں کو اسی دن سے مقبولیت حاصل ہوئی۔ پھر جب لوگوں نے تحقیق و تمحیص کی طرف رجوع کیا اور متاخرین میں سے ابو محمد بن عطیہ رحمہ اللہ مغرب میں آئے تو انھوں نے ان تمام تفاسیر کا خلاصہ کیا۔ انھوں نے ان میں سے جو صحت کے قریب چیزیں تھیں، ان کو چھانٹ کر ایک کتاب میں جمع کر دیا، جو اہلِ مغرب اور اندلس کے ہاں متداول ہے اور ایک اچھی چیز ہے، جس کا قصد کیا جائے۔ اسی طرح امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس نہج پر ان کے طریقے کی پیروی کی اور ایسی کتاب میں ان چیزوں کو جمع کیا جو مشرق میں مشہور ہے۔

تفسیر کی دوسری قسم کا تعلق زبان کے ساتھ ہے، یعنی معنی کو مقاصد اور اسالیب کے مطابق ادا کرنے کے لیے لغت، اعراب اور بلاغت کی معرفت حاصل کرنا۔ تفسیر کی یہ قسم پہلی قسم (تفسیر نقلی) سے کم ہی جدا ہوتی ہے، کیوں کہ پہلی قسم مقصود بالذات ہے اور یہ اس وقت ہوتی ہے جب زبان اور اس کے علوم ایک عمدہ فن بن جائیں، جو بعض تفاسیر میں غالب ہوتے ہیں۔

تفاسیر میں سے اس فن پر مشتمل سب سے عمدہ تفسیر زمخشری رحمہ اللہ کی "الکشاف" ہے، جو عراق کے علاقے خوارزم کے رہنے والے تھے، مگر ان کی تالیف عقائد میں معتزلہ کی موافقت کرتی ہے۔ پس وہ ان کے فاسد مذاہب کو دلائل فراہم کرتی ہے، کیوں کہ وہ بلاغت کے طریقوں سے آیات کی تفسیر کرنے کے درپے ہوئے تو یہ چیز اہلِ سنت کے اس تفسیر سے انحراف کا باعث بنی اور جمہور نے اس کی کمین گاہوں سے خبردار کیا ہے، مگر اس کے باوجود انھوں نے زبان و بلاغت میں زمخشری رحمہ اللہ کی دسترس کا اقرار کیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا جب اہلِ سنت کے مذاہب سے واقف اور ان کے دلائل کو خوب جاننے والا ہو تو بلا شبہہ وہ اس کے فتنوں سے محفوظ ہوگا، پھر اس کو اس کے مطالعے سے زبان میں اس کے انوکھے فنون سے واقفیت کا علم ہوگا۔

آج کے ہمارے اس دور میں ایک عراقی عالم کی کتاب ہمارے ہاتھ لگی ہے جن کا نام شرف الدین طیبی رحمہ اللہ ہے، جو عراق عجم کے علاقے توریز کے باسی ہیں۔ انھوں نے اپنی اس تالیف میں زمخشری رحمہ اللہ کی اس تفسیر کی شرح کی، اس کے الفاظ کا تتبع کیا اور اس کے معتزلی مذاہب کا ایسے دلائل سے تعاقب کیا ہے جو ان کا بطلان ظاہر کرتے ہیں۔ نیز وہ اس کتاب میں اس بات کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ آیت میں بلاغت اہلِ سنت کے موقف اور رائے کے مطابق ہے نہ کہ معتزلہ

کے مذہب کے مطابق۔ انھوں نے یہ کام خوب کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں بلاغت کے تمام فنون کو بیان کیا ہے۔ ﴿وَ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ﴾ انتهیٰ كلام ابن خلدون۔[1]

راقم الحروف کہتا ہے کہ طیبی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا کتاب کے بعد کشاف پر بہت سی کتابیں تالیف کی گئیں۔ جن کے مولفین نے معتزلہ کا تعاقب کیا اور ان کی سازشوں کی کمین گاہوں کو خوب واضح کیا ہے۔ نیز اس کے مراتبِ بلاغت اور مدارجِ لغت کو خوب آشکار کیا ہے، والحمد لله علیٰ ذلك. جیسا کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے اور اس کے ابواب، مشتملات اور مطالب پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔

اسی طرح آخری دور میں علماے محققین نے تنقیحِ روایت اور تدقیقِ درایت کو غایۃ الغایات اور نہایۃ النہایات تک پہنچا دیا ہے۔ موضوع کو مرفوع سے، صحیح کو ضعیف سے، منکر کو ثابت سے اور متواتر کو شاذ سے جدا جدا کر کے واضح کر دیا ہے اور کتابِ عزیز اور سنتِ مطہرہ کے دفاع کا جو حق تھا، اسے ادا کیا ہے۔ جزاهم الله عنا خيرا.

اب ہر صاحبِ بصیرت کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ اچھے کو برے سے اور معتبر کو نامعتبر سے خوب اچھی طرح پہچان لے اور اس مصرعے پر عمل کرے۔

خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ

[جو صاف اور واضح ہے، اسے لے لو اور جو گندا اور غلط ہے، اسے ترک کر دو]

ہمارے دور کے بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو اہلِ علم و فضل میں شمار کرتے ہیں، مگر وہ اساتذہ کی تقلید کی رسیوں میں جکڑے ہوئے اور مشائخ کے آثار کی اقتدا کرنے والے بنے ہوئے ہیں اور ان کی تحقیقات سے، جو پراگندہ گرد و غبار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں، کنارہ کشی اختیار کرنے کو بہت بڑا گناہ شمار کرتے ہیں۔ ان کی راہ کی رسم و طبع کے حجاب نے خدا و رسول ﷺ کی مرضی و نامرضی دریافت کرنے سے، اسلام کے خالص اور کھرے طریقے کو اختیار کرنے سے، اتباع سے آراستہ اور ابتداع سے کنارہ کش ہونے سے روک دیا ہے۔ إلا ماشاء الله تعالیٰ، وقليل ماهم وقليل من عبادي الشكور.

آج غلو اور مبالغے کی، جس سے بدتر دین میں کوئی چیز نہیں ہے، نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ تقلید سے خروج کو ملتِ اسلام سے خروج تصور کیا جاتا ہے اور تقلید کے منکر کو لوگ صابی اور بد دین

[1] تاريخ ابن خلدون (١/ ٤٤٠)

شمار کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من مفاسد العناد.

آمدیم برسر مطلب کہ تفسیر "فتح البیان في مقاصد القرآن" علم تفسیر کی دونوں قسموں کی جامع ہے، اس کے دیباچے میں اختصار کے ساتھ مفسرین کے طبقات کا ذکر کیا گیا ہے۔ آیاتِ کریمات کے ضمن میں جو کچھ حقِ محض تھا، اس کی تفسیر کی ہر دو صنفوں سے تحقیق کی گئی ہے۔ طالبِ صادق اور ناقدِ بصیر کے لیے ایک یہ تفسیر ہی اس علم کے خزانہ کتب سے بے پروا کرنے والی ہے۔ تقلیدی نگاہ اگر بصیرت کی آنکھ سے اس کو دیکھے گی تو نفسانیت اور تعصب کے شائبے کے بغیر اس کے حقائق اور فوائد سے فائدہ مند ہوگی۔

قرآن مجید کی تفاسیر بے شمار ہیں، جیسا کہ ان میں سے کچھ کا ذکر حروف کی ترتیب کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے اور باقی کا ذکر آگے آئے گا۔ ان میں سے جو حرفِ تا کے ضمن میں ذکر ہونے کے لائق ہیں، ذیل میں ان کا بیان کیا جاتا ہے:

- تفسیر إبراهيم بن معقل النسفي الحنفي القاضي الإمام الحافظ (المتوفی: ۲۹۵ھ)
- تفسیر ابن أبي حاتم: یہ عبدالرحمن بن محمد رازی حافظ رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۷ھ) کی تالیف ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ایک جلد میں اس کا خلاصہ لکھا ہے۔
- تفسیر ابن أبي جمرہ: یہ امام حافظ عبداللہ بن سعید ازدی اندلسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۲۵ھ) کی تالیف ہے۔
- تفسیر ابن أبي شیبة: یہ امام حافظ ابو بکر عبداللہ بن محمد کوفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۳۵ھ) کی تالیف ہے۔
- تفسیر ابن أبي مریم: یہ نصر بن علی شیرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۶۵ھ) کی تالیف ہے۔
- تفسیر ابن الأثیر: اس کا نام "الإنصاف" ہے، اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔
- تفسیر ابن برجان: جس کا نام "الإرشاد" ہے، اس کا بھی پہلے ذکر گزر چکا ہے۔
- تفسیر ابن جریج: یہ عبدالملک بن عبدالعزیز اموی مکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۵۰) کی تالیف ہے۔
- تفسیر ابن جریر: یہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰ھ) کی تالیف ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں کہا ہے:

”وكتابه أجل التفاسير وأعظمها، فإنه يتعرض لتوجيه الأقوال، و ترجيح بعضها علىٰ بعض، والإعراب والاستنباط، فهو يفوق بذلك علىٰ تفاسير الأقدمين“[1] انتهىٰ.

[طبری رحمہ اللہ کی یہ کتاب تفاسیر میں سے عمدہ ترین اور افضل تفسیر ہے۔ طبری رحمہ اللہ نے اس کتاب میں اقوال کی توجیہ بیان کی ہے اور ان کو ایک دوسرے پر ترجیح دی ہے۔ نیز اعراب واستنباط کو بھی بیان کیا ہے، لہٰذا یہ متقدمین کی تفاسیر پر فائق ہے]

امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

”أجمعت الأمة علىٰ أنه لم يصنف مثل تفسير الطبري“[2]

[امت کا اس پر اجماع ہے کہ تفسیر طبری جیسی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی]

امام ابو حامد الاسفرائنی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

”لو سافر رجل إلى الصين حتىٰ يحصل له تفسير ابن جرير لم يكن ذلك كثيرا“[3]

[اگر کوئی شخص تفسیر ابن جریر حاصل کرنے کے لیے چین تک کا سفر کرے تو یہ کوئی زیادہ سفر نہیں ہوگا]

لوگ کہتے ہیں کہ ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنے دوستوں سے پوچھا کہ کیا تم قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کے لیے مستعد ہو؟ انھوں نے دریافت کیا کہ اس کا حجم کتنا ہوگا؟ ابن جریر رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ تیس ہزار صفحے۔ انھوں نے کہا کہ اس کے پورا ہونے سے یہ عمر ختم ہو جائے گی۔ ناچار ابن جریر رحمہ اللہ نے تین ہزار اوراق میں اسے مختصر کر دیا۔ ابن السبکی رحمہ اللہ نے اپنے طبقات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس تفسیر کو متاخرین میں سے بعض علما نے منصور بن نوح سامانی رحمہ اللہ کے لیے عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔

* تفسیر ابن جماعة: یہ قاضی برہان الدین ابراہیم بن محمد کنانی رحمہ اللہ (المتوفی سنہ ۷۹۰ھ) کی تفسیر دس جلدوں میں ہے۔ اس تفسیر میں مولف نے امورِ غریبہ کو جمع کیا ہے۔ ابن شہبہ رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] كشف الظنون (١/ ٤٣٧)

[2] مصدر سابق.

[3] مصدر سابق.

* تفسیر ابن الجوزي، جس کا نام "زاد المسیر" ہے۔ حرف زا میں اس کا ذکر آئے گا۔
ان کے نواسے شمس الدین ابو المظفر یوسف بن قزاغلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۵۴ھ) کی بھی ایک بڑی تفسیر ہے، جو ستائیس جلدوں میں ہے۔
* تفسیر ابن حبان، ابو عبداللہ محمد بن محمد بن جعفر بستی معروف بابی الشیخ حافظ رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ)
* تفسیر ابن حکیم، ابو المظفر محمد بن اسعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۶۹ھ) کی تالیف ہے۔
* تفسیر ابن الدهان، سعید بن مبارک نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۶۹ھ) یہ تفسیر چار جلدوں میں ہے۔
* تفسیر ابن رزین، قاضی تقی الدین محمد بن حسین حموی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۸۰ھ)
* تفسیر ابن الزملکانی، جس کا نام ہے: "نهاية التأمل" اس کا ذکر آگے آئے گا۔
* تفسیر ابن زهره، شمس الدین محمد بن یحییٰ بن احمد طرابلسی المعروف بابن زہرۃ رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۸۴)
* تفسیر ابن سید الكل، ابو القاسم ہبۃ اللہ بن عبداللہ القفطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۹۷ھ) یہ سورت مریم تک ہے۔
* تفسیر ابن شهبة، تقی الدین ابو بکر محمد بن شہبہ دمشقی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۱)
* تفسیر ابن الضياء، محمد بن احمد مکی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۴ھ)
* تفسیر ابن ظفر، شمس الدین ابو ہاشم محمد بن محمد صقلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۶۵ھ)
* تفسیر ابن عادل، جس کا نام "لباب" ہے۔ حرف لام میں اس کا ذکر آئے گا۔
* تفسیر ابن عباس، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ایک مختصر تفسیر ہے، جس میں آمیزش کی گئی ہے، مگر ان سے صحیح تفسیر وہی ہے، جو صحیح بخاری میں مقید وارد ہوئی ہے۔
* تفسیر ابن عبد السلام، شیخ الاسلام عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام مصری شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۶۰ھ)
* تفسیر ابن عربی، شیخ محی الدین محمد بن علی طائی اندلسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۲۸ھ) یہ اہلِ تصوف کے طریقے پر ایک ضخیم تفسیر ہے، جو چند جلدوں میں محیط ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ساٹھ اجزا میں ہے۔ یہ تفسیر سورۃ الکہف تک ہے۔ ان کی ایک اور چھوٹی تفسیر بھی ہے، جو مفسرین کے طریقے پر آٹھ جلدوں میں ہے۔

اس دور میں ان کی تفاسیر میں ایک چھوٹی تفسیر قاہرہ، مصر میں طبع ہوئی ہے اور راقم الحروف کی نظروں سے گزری ہے۔ یقیناً وہ قرآن مجید کی تحریف ہے۔ نعوذ باللّٰه منه.

* تفسیر ابن عرفة، ابوعبداللہ محمد بن عرفہ مالکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۳ھ) ان کے شاگرد احمد بن محمد بسیلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۳۰ھ) اپنے استاد سے اس محفوظ تفسیر کے راوی ہیں۔ بعض ماہر طلبا نے اس میں مفسرین کے کلام سے کچھ زیادہ جمع کیا ہے۔
* تفسیر ابن عطیة القدیم، ابو محمد عبداللہ بن عطیہ دمشقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۳ھ)
* تفسیر ابن عطیة المتأخر، ابو محمد عبداللہ بن عبدالحق متاخر، جس کا نام "محرر و جیز" ہے اور حرفِ میم میں اس کا ذکر آئے گا۔ ابو حیان رحمہ اللہ نے اس کی بہت تعریف کی ہے اور اس کو دوسری تفسیروں پر ترجیح دی ہے۔
* تفسیر ابن عقیل، عبداللہ بن عبدالرحمٰن مصری نحوی ہاشمی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۹ھ) یہ سورت آلِ عمران کے آخر تک ہے۔
* تفسیر ابن عیینة، سفیان بن عیینہ کوفی رحمہ اللہ۔ ثعلبی رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔
* تفسیر ابن فورك، امام ابوبکر محمد بن حسن نیشاپوری شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۰۶ھ)۔

ثعلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"أملاه علينا صدرا بسيطا من أوله ثم استأنف، ولخص، واقتصر على الأسئلة والأجوبة حتىٰ فرغ منه"

[شروع میں انھوں نے یہ تفسیر اول سے آغاز کر کے لکھوائی، پھر دوبارہ شروع کر کے اس کا خلاصہ لکھا اور سوال و جواب کے انداز میں اس کا اختصار لکھا، حتیٰ کہ اس سے فارغ ہوئے]

* تفسیر ابن قرقماس، جس کا نام: "فتح الرحمٰن" ہے۔
* تفسیر ابن کثیر، امام حافظ ابو الفدا اسماعیل بن عمر قرشی دمشقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ) یہ دس جلدوں میں ایک بڑی تفسیر ہے۔ موصوف مسند احادیث و آثار کے ساتھ تفسیر کرتے ہیں۔ نیز جرح و تعدیل پر بھی گفتگو کرتے ہیں۔ راقم الحروف نے اس کے مطالعے کی سعادت حاصل کی ہے۔ بعد والے مفسرین انھی کے فضل و تحقیق کے خوشہ چین ہیں۔ جزاه اللّٰه خيرا.

* تفسیر ابن کمال باشا، فاضل علامہ شمس الدین احمد بن سلیمان بن کمال رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۴۰ھ) یہ بڑی لطیف تفسیر ہے۔ اس میں تحقیقاتِ شریفہ اور تصرفات عجیبہ ہیں۔ یہ تفسیر صرف سورۃ الصافات تک ہے۔
* تفسیر ابن ماجه، حافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید قزوینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۳ھ)
* تفسیر ابن مردویه، حافظ ابو بکر احمد بن موسیٰ اصبہانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۱۰ھ)
* تفسیر مقاتل، سلیمان بن بشر الازدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۵۰ھ)
* تفسیر ابن المنذر، امام ابو بکر محمد بن ابراہیم نیشاپوری رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۱۸ھ)
* تفسیر ابن المنير، شرف الدین عبدالواحد رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۳۳ھ) یہ تفسیر دس جلدوں میں ہے۔
* تفسیر ابن النقاش، شمس الدین محمد بن علی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۳ھ) یہ خاصی ضخیم تفسیر ہے۔ اس تفسیر میں انھوں نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ وہ کسی سے ایک حرف بھی نقل نہیں کرتے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ان کا ذکر نحویوں میں کیا ہے۔
* تفسیر ابن النقيب، اس کا نام "التحرير و التحبير" ہے۔ سید مرتضیٰ رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے شعرانی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ تفسیر ایک سو جلدوں میں ہے۔
* تفسیر ابن وهب، عبداللہ بن وہب القرشی المصری المالکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۹۷ھ)
* تفسیر أبي بكر، عتیق بن محمد الہروی الفارسی رحمہ اللہ ۔ موصوف نے یہ تفسیر الپارسلان سلجوقی کے زمانے میں تالیف کی۔
* تفسیر أبي بكر بن عبدوس، ثعلبی رحمہ اللہ نے "کشف" میں لکھا ہے:

"أملاه علينا إلىٰ رأس خمسين من سورة البقرة في مائة وأربعين جزءا، ثم اخترم دونه"[1]

[سورۃ البقرہ کی پچاسویں آیت کے آغاز تک انھوں نے ہمیں یہ تفسیر لکھوائی، جس کے ایک سو چالیس اجزا تھے، پھر وہ اس کو مکمل کرنے سے پہلے فوت ہو گئے]

* تفسیر أبي البقاء، عبداللہ بن حسین عکبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۳۸ھ) یہ إعراب القرآن کے علاوہ ہے۔

---

[1] كشف الظنون (١/ ٤٤٠)

* تفسير أبي الحسن، علی بن اسماعیل الاشعری (المتوفی: ۳۲۰ھ) ان کی یہ تفسیر کافی ضخیم اور جامع تفسیر ہے۔
* تفسير أبي الحسن، علی بن عبداللہ الانصاری المالکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵٦۷ھ)
* تفسير أبي حيان، اس کا نام ہے: "البحر المحيط" اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔
* تفسير أبي ذر، حافظ علامہ عبد (بغیر اضافت کے) بن احمد بن محمد الہروی المالکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳٦ھ)
* تفسير أبي السعود، باب الالف میں اس کا ذکر گزر چکا ہے، اس تفسیر کا نام "إرشاد العقل السليم" ہے۔
* تفسير أبي طالب الكرماني، (المتوفی: ۵۲۱ھ)
* تفسير أبي العالية الرياحي، اس تفسیر کو ربیع بن انس رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔
* تفسير أبي عمرو العراقي، ان کا لقب "البستان" ہے۔ ثعلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے: "أجازني بجميعه" [انھوں نے مجھے پوری کتاب کی اجازت دی ہے]
* تفسير أبي العباس السمان، قاضی رے رحمہ اللہ، یہ تفسیر تیرہ جلدوں میں ہے۔
* تفسير أبي الليث، نصر بن محمد الفقیہ السمرقندی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۳ھ) ان کی یہ تفسیر ایک مشہور، لطیف اور مفید کتاب ہے۔ شیخ زین الدین قاسم بن قطلوبغا حنفی رحمہ اللہ نے اس کی احادیث کی تخریج کی ہے۔ شہاب احمد بن محمد معروف بہ عرب شاہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۴ھ) نے اس تفسیر کا ترکی میں ترجمہ کیا ہے۔
* تفسير أبي القاسم بن حبيب. ثعلبی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: "سمعت منه غير مرة" [میں نے یہ تفسیر ان سے کئی مرتبہ سنی ہے]
* تفسير أبي القاسم، عبداللہ بن احمد بلخی حنفی معروف بہ کعبی معتزلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۹ھ) یہ تفسیر گیارہ جلدوں میں ہے۔ یہ ایک ضخیم تفسیر ہے اس جیسی تفسیر پہلے نہیں لکھی گئی۔
* تفسير أبي مخلّد.
* تفسير أبي معشر، عبدالکریم بن عبدالصمد طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۷۸ھ)

* تفسیر أبي منصور، عبدالقاہر بن طاہر بغدادی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۲۹ھ)
* تفسیر الأخوین، اس کا نام "طوالع الأنوار" ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا۔
* تفسیر الإدفوي، محمد بن علی بن احمد المقری النحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۸ھ) اس کا نام ہے: "الاستفتاء في علم القرآن" یہ تفسیر اکیس جلدوں میں ہے۔ مولف نے اسے بارہ سالوں میں تالیف کیا۔ باب الالف میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔
* تفسیر آدم بن أبي إیاس العسقلاني (المتوفی: ۲۲۰ھ)
* تفسیر الأردبیلي.
* تفسیر الأزهري، جس کا نام "التقریب" ہے، اس کا ذکر آگے آئے گا۔
* تفسیر إسحق بن راهویه، امام حافظ ابو یعقوب اسحق بن ابراہیم بن مخلد حنظلی مروزی نخعی نیسابوری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۸ھ)
* تفسیر الاسکندري، حسین بن ابی بکر نحوی مالکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۱ھ) یہ تفسیر دس جلدوں میں ہے۔
* تفسیر الإسفرائني، امام ابو المظفر طاہر بن محمد شاہ فور شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۷۱ھ)
* تفسیر إسماعیل بن أحمد بن عبداللہ الحیری النیسابوري الضریر (المتوفی: ۴۳۰ھ)
* تفسیر الأشج، ابو سعید عبداللہ بن سعید کندی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۷ھ) ثعلبی رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔
* تفسیر الأصبهاني القدیم، ابو مسلم محمد بن علی معتزلی ادیب رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۹ھ)
* تفسیر الأصبهاني الحافظ، شیخ امام ابو القاسم اسماعیل بن محمد بن فضل تیمی طلحی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۳۵ھ) ان کی کئی تفسیریں ہیں، ان میں سے ایک کبیر ہے، جس کا نام "الجامع" ہے۔ یہ تیس جلدوں میں ہے۔ ایک تفسیر "المعتمد" ہے۔ جو دس جلدوں میں ہے۔ ایک تفسیر "الإیضاح" ہے، جو چار جلدوں میں ہے۔ ایک "الموضح" جو تین جلدوں میں ہے اور ایک کتاب التفسیر ہے، جو چند جلدوں میں اصبہانی زبان میں ہے۔
* تفسیر الأصبهاني المشهور، شمس الدین ابو الثناء محمود بن عبدالرحمن شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۹ھ) یہ کئی جلدوں میں ایک ضخیم تفسیر ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

"الحمد لله القادر العليم...... الخ" اس کے شروع میں مولف نے علمِ تفسیر کے مقدمات میں سے تیئس مقدمے ذکر کیے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے تفسیر ''کشاف'' اور ''مفاتیح الغیب'' کو مختصر اور آسان عبارت کے ساتھ اور اکثر مقامات پر اضافوں اور اعتراضوں کے ساتھ خوب اچھی طرح جمع کیا ہے۔ صفدی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"رأيته يكتب فيه من خاطره من غير مراجعة"[1]

[میں نے ان کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے حافظے سے بغیر مراجعہ کیے لکھتے تھے]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ انھوں نے اسے مکمل نہیں کیا تھا۔

ملا کاتب کہتا ہے:

"وعندي بخطه آخر قطعة إلىٰ آخر القرآن"

[میرے پاس اس کے خط میں ایک قطعہ ہے، جو قرآن کریم کے آخر تک ہے]

- تفسير الأصم، ابو بکر عبدالرحمن بن کیسان رحمہ اللہ۔ ثعلبی رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔
- تفسير أكمل الدين، محمد بن بابرتی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۸۶ھ)
- تفسير إمام الحرمين، ابو المعالی عبدالملک بن عبداللہ جوینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۷۸ھ)
- تفسير الأنماطي، ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق نیشاپوری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۳ھ) یہ بہت بڑی تفسیر ہے۔
- تفسير آية الكرسي، یہ محمد بن محمود مغلوی وفائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۴۰ھ) کی تالیف ہے۔ نیز اسی عنوان سے فتح اللہ بن ابی یزید رحمہ اللہ کی تالیف ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي منح الحياة......الخ" اسی طرح بدر الدین بن رضی الدین غزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۸۴ھ) کی بھی اسی عنوان سے تالیف ہے۔ اسی طرح بقاعی رحمہ اللہ کی "الفتح القدسی" اور منصور طبلاوی مصری رحمہ اللہ کی تفسیر ہے، جس کا نام "السر القدسي" ہے۔
- تفسير البخاري، یہ وہی تفسیر ہے جو امام صاحب رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے اور اپنی صحیح کی ایک کتاب بنائی ہے۔ مذکورہ تفسیر کے علاوہ ان کی ایک اور تفسیر بھی ہے، جس کا نام "التفسير الكبير" ہے۔ فربری رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] كشف الظنون (١/ ٤٤٣)

- تفسیر بدرالدین، محمود بن اسرائیل بن قاضی سماونہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۲۳ھ) یہ تفسیر دو جلدوں میں ہے، اس کے اطراف میں نہایت عمدہ حاشیے لکھے گئے ہیں۔
- تفسیر بدرالدین، محمود الایدینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۵۶ھ)
- تفسیر البستي، ابن حبان رحمہ اللہ، جس کا ابھی ذکر گزرا ہے۔
- تفسیر برهان الدین، ابو المعالی احمد بن ناصر بن طاہر حسینی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۸۹ھ) یہ تفسیر سات جلدوں میں ہے۔
- تفسیر البغوي، جس کا نام "معالم التنزیل" ہے، اس کا ذکر آگے آئے گا۔
- تفسیر البقاعي، جس کا نام "نظم الدرر في تناسب الآي والسور" ہے، جو ''مناسبات'' کے نام سے مشہور ہے۔ باب النون میں اس کا ذکر آئے گا۔ ان کی ''تفسیر آیۃ الکرسی'' بھی ہے، جس کا نام "فتح القدسي" ہے۔ "باب الفاء" میں اس کا ذکر آئے گا، اسی طرح ایک "مصاعد النظر للإسراف علىٰ مقاصد السور" بھی ہے، جس کا ذکر "باب المیم" میں آئے گا۔
- تفسیر بقی. شیخ امام حافظ ابو عبدالرحمٰن بقی بن مخلد قرطبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۶ھ) موصوف صاحبِ مسند ہیں۔ ابن حزم رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"ما صنف تفسير مثله أصلا، وكان مجتهدا لايقلد أحدا بل يفتي بالأثر، كذا في المقتفى شرح الشفاء"[1]

[اس جیسی تفسیر سرے سے لکھی ہی نہیں گئی. اس کے مولف مجتہد تھے وہ کسی کے مقلد نہ تھے، بلکہ وہ اثر کے ساتھ فتوی دیتے تھے۔ "مقتفی شرح الشفاء" میں ایسے ہی بیان ہوا ہے]

- تفسیر البكباراري
- تفسیر البلقيني. علم الدین صالح بن السراج عمر البلقینی الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۶۸ھ) ان کے بھائی جلال الدین عبدالرحمٰن بن عمر البلقینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۲۴ھ) کی بھی ایک تفسیر ہے، لیکن وہ اسے مکمل نہ کر پائے۔
- تفسیر البیاني.
- تفسیر البيضاوي، جس کا نام: "أنوار التنزیل" ہے اور پہلے اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

---

[1] کشف الظنون (۱/ ٤٤٤)

- تفسیر البیهقي، ابوالمحاسن مسعود بن علی بیہقی ملقب بہ فخرِ زمان رحمہ اللہ (المتوفی ۵۴۴ھ)
- تفسیر الثعلبي، جس کا نام "الکشف والبیان" ہے، اس کا ذکر آگے آئے گا۔
- تفسیر الثمالي، ابوحمزہ۔ ثعلبی رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔
- تفسیر الثوري، اور وہ سفیان ثوری رحمہ اللہ ہیں، ثعلبی رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔
- تفسیر الجامي، شیخ نورالدین عبدالرحمن بن احمد جامی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۹۲ھ) یہ تفسیر ایک جلد میں ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله رب العالمين من الأولين والأقدمين...... الخ" اس میں انھوں نے کہا ہے۔

"يختلج في صدري أن أرتب في التفسير كتابا جامعا لوجوه اللفظ والمعنىٰ لا يدع فيهما دقيقة أو لطيفة إلا أبداها، محتويا علىٰ نكات البلغاء ومنطويا علىٰ إشارات العرفاء"[1] انتهىٰ.

[میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ میں تفسیر میں ایک کتاب مرتب کروں، جو لفظ و معنی کی وجوہ کو ایسے جمع کرنے والی ہو کہ وہ ان دونوں میں کوئی دقیقہ اور لطیفہ ظاہر کیے بغیر نہ چھوڑے اور وہ بلغا کے نکات اور عرفا کے اشارات پر مشتمل ہو]

چناں چہ انھوں نے فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَ اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾ تک تفسیر لکھی۔ ان کا ایک شاگرد عبدالغفور رحمہ اللہ اس کے آخر میں لکھتا ہے:

"إن شيخنا لما تصدىٰ بحقيقته الجامعة لتفسير كلام الله سبحانه وتعالىٰ ظهرا، و لتأويل آياته بطنا، كشف بقلم التسويد عن مخدرات الحزب الأول منه الأستار، ولما طال وبيض ما سوده إلا بعض آياته، وهو من قوله تعالىٰ: ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ إلىٰ تمام ما بقي حتىٰ أشار إلي تبييضه من لا يرد أمره فامتثلت"[2] انتهىٰ.

[جب ہمارے شیخ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام کی تفسیر کے لیے ظاہری طور پر اور کی آیات کی تاویل کے لیے باطنی طور پر اپنی حقیقت جامعہ کے ساتھ اس کے در پے ہوئے اور پہلے

---

[1] كشف الظنون (١/ ٤٤٤۔ ٤٤٥)

[2] مصدر سابق

حصے کی پوشیدہ چیزوں سے پردہ ہٹاتے ہوئے مسوہ تیار کیا۔ جب یہ سلسلہ خاصا طول پکڑ گیا اور انھوں نے مسودے کو صاف کیا سوائے چند آیات کے اور وہ آیات فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ سے لے کر باقی تمام آیات تک تھیں۔ حتیٰ کہ مجھے اس کا مسودہ صاف کرنے کو اس ہستی نے حکم دیا جس کا حکم رد نہیں کیا جا سکتا تو میں نے ان کی فرمانبرداری کرتے ہوئے یہ کام کیا]

* تفسیر جبریل، ثعلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے یہ ساری تفسیر اس کے مصنف کو پڑھ کر سنائی ہے۔
* تفسیر الجلالین، قرآن مجید کے شروع سے لے کر سورۃ الاسراء کے آخر تک شیخ جلال الدین محمد بن احمد محلی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۶۴ھ) کی تالیف ہے۔ جب وہ راہی اجل ہوئے تو شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) نے انھی کی طرز پر اختصار کے ساتھ تعبیر کرتے ہوئے اس کا تتمہ اور تکملہ لکھا۔ یہ تفسیر حجم میں اگر چہ چھوٹی ہے، مگر کثیر المعنی ہے، کیوں کہ یہ تفاسیر کا لب لباب ہے۔ جلال الدین محلی رحمہ اللہ نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر نہیں لکھی تھی۔ چنانچہ سیوطی نے اس کی مناسب تفسیر لکھی اور بغیر کسی اختلاف و مخالفت کے اس کا تکملہ لکھا۔

''کشف الظنون'' کے مصنف نے یہی موقف اختیار کیا ہے، مگر یہ اس کی بہت بڑی غلطی ہے، کیوں کہ تفسیر سورۃ الفاتحہ سمیت دوسری جلد شیخ محلی رحمہ اللہ کی ہے۔ ان کی وفات کے چھے سال بعد عبدالرحمن سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۳ھ) جیسا کہ جمل میں ہے، اس کی تکمیل کرنے پر لگ گئے۔ چنانچہ انھوں نے ماہِ رمضان (۸۷۰ھ) کی ابتدا میں اتوار کے دن اس کا آغاز کیا اور کلیم اللہ علیہ السلام کی میعاد کی مدت (چالیس راتوں) میں شوال کی دس تاریخ بدھ کے دن اس سے فارغ ہوئے۔ چنانچہ خطبۂ تفسیر اور سورۃ الاسراء کے خاتمے سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس وقت ان کی عمر پورے بائیس سال یا چند مہینے کم تھی۔

فائدہ:

محلی بلادِ مصر میں سے ایک بڑے محلے کی طرف نسبت ہے اور سیوط سین کی پیش یا اسیوط ہمزے کی پیش کے ساتھ ''صعید'' میں ایک شہر کا نام ہے۔ كذا في القاموس.[1]

[1] القاموس المحيط (ص: ٦٧٣)

بہ ہر حال ان دونوں شیوخ نے بسملہ کی تفسیر پر کوئی کلام نہیں کیا تھا۔ علماے زبید میں سے کسی عالم نے ضرورت سے کم اس پر کلام کیا اور اسے اس کے حاشیے پر لکھ دیا۔

علماے یمن میں سے ایک عالم کا کہنا ہے کہ میں نے قرآن مجید کے حروف اور تفسیرِ جلالین کے حروف کو شمار کیا تو سورۃ المزمل تک دونوں کو برابر پایا اور سورۃ المدثر سے آخر قرآن تک تفسیر قرآن سے زائد ہے، اس بنا پر اسے بغیر وضو کے اٹھانا جائز ہوگا۔[1] انتھی.

اس تفسیر پر شمس الدین محمد العلقمی رحمہ اللہ کا حاشیہ ہے جس کا نام انھوں نے "قبس النيرين" رکھا ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "أحمدك اللهم حمدا لا انقطاع......الخ" وہ جمادی الاولیٰ ۹۵۲ھ میں اس حاشیے کی تالیف سے فارغ ہوئے۔

تفسیر جلالین کا ایک اور حاشیہ بھی ہے، جس کا نام "جمالين" ہے۔ اس کے حاشیہ نگار شیخ نورالدین علی بن سلطان محمد قاری نزیل مکہ مکرمہ رحمہ اللہ (المتوفی در مکہ ۱۰۱۴ھ) ہیں۔ یہ بہت مفید حاشیہ ہے، اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "الحمد لله ذي الجلال والجمال والكمال ..... الخ" موصوف ماہ ذی الحجہ کے آخر میں ۱۰۰۴ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔ اس کا ایک اور حاشیہ ہے جو شیخ سلیمان جمل کی کاوش ہے۔ حرف الفاء میں اس کا ذکر آئے گا۔ تفسیر جلالین کی ایک شرح بھی ہے، جو جلال الدین محمد بن محمد کرخی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، یہ کئی جلدوں میں ہے۔ مولف نے اس کا نام "مجمع البحرين ومطلع البدرين" رکھا ہے۔ اس کا ایک اور مختصر حاشیہ (حاشیہ صغریٰ) بھی ہے۔

تفسیر جلالین کی ایک اور شرح بھی ہے جو مولوی سلام اللہ بن شیخ الاسلام دہلوی ہندی رحمہ اللہ کی تالیف ہے. جس کا نام "كمالين" ہے۔ یہ ۱۲۸۷ھ میں ہندوستان میں طبع ہوئی تھی۔ اس شرح کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "سبحان ذي الجلال والكبرياء الذي أحكم آياته......الخ"

جلالین کے آخری پارے پر علماے ہند میں سے ایک عالم کی مختصر شرح بھی ہے جس کا ذکر حرف الھاء میں آئے گا۔ مگر انھوں نے اس میں کوئی قابل ستایش کام نہیں کیا، وہ شرح اقوال اکٹھے کر کے لکھنے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

---

[1] كشف الظنون (١/ ٤٤٥)

تفسیر جلالین کلکتہ، لکھنو اور ہندوستان کے دوسرے شہروں سے بار ہا طبع ہو کر منصۂ شہود پر آ چکی ہے۔ اس مبارک تفسیر کی شہرت اور اسے حاصل ہونے والا قبول اس کے فضائل اور اس کے فواضل کی شرح کے بیان سے مستغنی ہے۔ یہ علمائے ہند کے ہاں درسی کتب میں داخل ہے، اس پر مندرجہ ذیل مصرعہ صادق آتا ہے:

ہر کہ بقامت کہتر بقیمت بہتر

[ہر وہ چیز جو قد و قامت میں چھوٹی ہوتی ہے، وہ قدر و قیمت میں بہتر ہوتی ہے]

- تفسیر جمال خليفه، اس کے مولف کا نام شیخ جمال الدین اسحاق قرمانی رحمہ اللہ (المتوفی سنہ ۹۳۰ھ) ہے، یہ تفسیر سورۃ المجادلہ سے لے کر آخر قرآن تک ہے۔
- تفسیر الجويني، امام ابو محمد عبداللہ بن یوسف نیشاپوری شافعی رحمہ اللہ (المتوفی سنہ ۴۳۸ھ) کی یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ مفسر نے اس میں ہر آیت کی دس وجوہ سے تفسیر کی ہے۔ داؤدی مالکی رحمہ اللہ نے "طبقات المفسرین" میں کہا ہے: "يشتمل علىٰ عشرة أنواع من العلوم في آية" انتهىٰ۔[1] [اس تفسیر میں ہر آیت دس قسم کے علوم پر مشتمل ہے]
- تفسير حجة الأفاضل علي بن محمد الخوارزمي (المتوفی سنہ ۵۶۰ھ)
- تفسير الحسن البصري.
- تفسیر حکیم شاہ محمد قزويني، یہ تفسیر سورۃ الفتح سے لے کر آخر قرآن تک ہے۔
- تفسير الحوفي المسمى بالبرهان، ابو الحسن علی بن ابراہیم نحوی رحمہ اللہ (المتوفی سنہ ۴۳۰ھ)
- تفسير الحدادي، ابو بکر بن علی مصری حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: درحدود ۸۰۰ھ) یہ تفسیر دو ضخیم جلدوں میں ہے، اس کا نام "كشف التنزيل في تحقيق التأويل" ہے۔
- تفسير حسين بن علي الكاشفي الواعظ (المتوفی: درحدود ۹۰۰ھ) یہ تفسیر فارسی زبان میں اور متداول ہے۔ یہ تفسیر "المواهب العلية" کے نام سے موسوم اور "تفسیر حسینی" کے نام سے معروف ہے۔ مولف اس میں شانِ نزول، ترجمہ قرآن اور فارسی اشعار بہت زیادہ لایا ہے۔ اس کا تعلق شیعہ مذہب سے ہے، اس کی یہ تفسیر کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں ہے۔ ابو الفضل

---

[1] كشف الظنون (١/ ٤٤٥۔ ٤٤٦)

محمد بن ادریس بدلیسی (المتوفی ۹۸۲ھ) نے اس کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کی ایک اور تفسیر بھی ہے جس کا نام "جواهر التفسير للزهراوين" ہے۔ "باب الجيم" میں اس کا ذکر آئے گا۔

* تفسير الحلواني، ابوعبداللہ سلمان بن عبداللہ رحمہ اللہ (المتوفی ۴۹۴ھ)
* تفسير الخرقي، امام ابوالقاسم عمر بن حسین دمشقی حنبلی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۳۴ھ)
* تفسير الخطيب التبريزي، ابوزکریا یحییٰ بن علی ادیب رحمہ اللہ (المتوفی ۵۰۲ھ)
* تفسير خلف بن أحمد صاحبِ سجستان (المتوفی ۳۹۹ھ) کتبِ تفاسیر میں یہ سب سے بڑی تفسیر ہے۔
* تفسير خواجه محمد پارسا، شیخ فاضل محمد بن محمود حافظی بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۸۲۲ھ) یہ تفسیر فارسی زبان میں ہے۔ یہ پارہ نمبر ۲۹ اور ۳۰ کی چند سورتوں کی تفسیر ہے۔
* تفسير الخوارزمي، ابوالحسن علی بن عراق بن محمد بن علی عمرانی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۳۹ھ)
* تفسير الدرر.
* تفسير الدمياطي، ابومحمد بکر بن سہل نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔
* تفسير الدواني، یہ قلاقل رحمہ اللہ کی تفسیر ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا۔
* تفسير الدبيري، سعیدالدین عبدالعزیز بن احمد حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۳ھ)
* تفسير الدينوري، ابوحنیفہ احمد بن داؤد نحوی لغوی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۰۹ھ)
* تفسير الرازي، اس تفسیر کا نام "ضياء القلوب" ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ یہ رازی، فخرالدین رازی رحمہ اللہ کے علاوہ ہیں، کیوں کہ ان کی تفسیر کا نام "مفاتيح الغيب" ہے اور ان کا نام عبداللہ بن ابی جعفر رازی رحمہ اللہ ہے، یہ متقدمین میں سے ہیں، ان کی ایک تفسیر ہے، جس کا ثعلبی رحمہ اللہ نے "کشف" میں ذکر کیا ہے۔
* تفسير الراغب، فاضل علامہ ابوالقاسم حسین بن محمد بن مفضل معروف بہ راغب اصبہانی (المتوفی: برسر ۵۰۰ھ) ان کی یہ تفسیر ایک معتبر کتاب ہے، یہ ایک جلد میں ہے، اس کی ابتدا

یوں ہوتی ہے: "الحمد للّٰہ علیٰ آلائہ......الخ" مولف نے اس کے شروع میں تفسیر پر مفید مقدمات ذکر کیے ہیں۔ تفسیر میں ان کا طرزِ بیان کچھ اس طرح ہے کہ چند آیات ذکر کرتے ہیں اور بعد میں ان کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ یہ تفسیر علامہ بیضاوی رحمہ اللہ کی تفسیر "أنوار التنزیل" کا ایک ماخذ ہے۔

* تفسیر رحماني، یہ شیخ علی بن احمد المہائمی الہندی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۳۵ھ) کی تالیف ہے۔ مہایم عظایم کے وزن پر ہے۔ یہ گجرات احمد آباد کی بندرگاہوں میں سے ایک بندرگاہ ہے۔ شیخ علی صاحبِ ذوق وعرفان اور توحید، جودی کو ثابت کرنے والے تھے۔ نوابت قوم سے تعلق رکھنے والے اور محی الدین بن العربی کے پیرو تھے۔

طبری رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں کہتے ہیں کہ نابت قریش کا گروہ ہے، جو حجاج بن یوسف الثقفی کے ڈر سے، جس نے پچاس ہزار علما و اولیا کو قتل کر دیا تھا، مدینہ منورہ سے نکلے، بحر ہند کے ساحل پر آئے اور اس سر زمین کو اپنا وطن بنا لیا۔

ان کی اور بھی تصانیف ہیں، جیسے "زوارف شرح عوارف"، "شرح فصوص الحکم"، "شرح نصوص" اور "أدلة التوحید" وغیرہ۔

* تفسیر الرشیدي، خواجہ رشید الدین فضل اللہ بن ابی الخیر بن علی الہمدانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۱۸ھ) موصوف سلطان ابو سعید کے وزیر تھے۔ دو سو سے زیادہ علما نے اس کی تقریظ (تبصرہ وتعریف) لکھی ہے، کیوں کہ ان کی زیرِ تبصرہ کتاب مباحثِ تفسیر پر مشتمل ہے۔

* تفسیر الرماني، ابو الحسن علی بن عیسیٰ نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۴ھ)۔ عبد الملک بن علی موذن ہروی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۸۹ھ) نے اس تفسیر کا اختصار لکھا ہے۔

* تفسیر روح بن عبادہ بن علاء القیسي۔

* تفسیر زاھدي، یہ تفسیر فارسی زبان میں ہے۔ یہ چند جلدوں پر مشتمل ہے۔ راقم الحروف اس کا مطالعہ کرنے میں کامیاب ہوا، مگر یہ کوئی قابلِ قدر چیز نہیں ہے۔

* تفسیر الزجاج، شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن سری نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۱ھ) اس کو "معاني القرآن" بھی کہتے ہیں۔

❊ تفسیر الزرکشي، شیخ بدرالدین محمد بن عبداللہ موصلی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۹۴ھ) یہ تفسیر سورت مریم تک ہے۔

❊ تفسیر الزمخشري، اس تفسیر کا نام: "الکشاف" ہے، اس کا ذکر آگے آئے گا۔

❊ تفسیر الزهراوین، یعنی سورۃ البقرہ و آل عمران۔ اہلِ علم کی ایک جماعت نے ان سورتوں کی تفسیر لکھی ہے۔ ان میں سے ایک شخص علاء الدین علی بن محمد معروف بقوشجی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۷۹ھ) ہیں۔ حسین واعظ رحمہ اللہ نے بھی اس پر فارسی زبان میں ایک تفسیر لکھی ہے اور اس کا نام: "جواهر التفسیر" رکھا ہے۔ اسی طرح سید شریف جرجانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۱۶ھ) نے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ان سورتوں کی تفسیر لکھی ہے۔

❊ تفسیر سبط ابن الجوزي، شمس الدین ابو المظفر یوسف بن قزاغلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۵۴ھ) یہ خاصی ضخیم تفسیر ہے، یہ تقریباً تیس جلدوں میں ہے۔

❊ تفسیر السبکي المسمی بالدر النظیم، حرفِ دال میں اس کا ذکر آئے گا۔

❊ تفسیر السبع الطوال، ابو منصور محمد بن احمد بن طلحہ بن ازہری ہروی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۷۰ھ)

❊ تفسیر السخاوي، علم الدین ابو الحسن علی بن محمد مصری شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۳ھ) یہ تفسیر چار جلدوں میں ایک ضخیم کتاب ہے۔ یہ سورۃ الکہف تک لکھی جا سکی اور نامکمل ہی رہ گئی۔

❊ تفسیر السدي علی طریق الروایة.

❊ تفسیر سراج الدین، ابو حفص عمر بن اسحاق ہندی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی. ۷۷۳ھ)

❊ تفسیر سعید بن منصور، خراسانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۲۷ھ) ثعلبی رحمہ اللہ نے کشف میں اس کا ذکر کیا ہے۔

❊ تفسیر السلمي المسمی بالحقائق. حرفِ فا میں اس کا ذکر آئے گا۔

❊ تفسیر السمرقندي، المسمی ببحر العلوم. اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

❊ تفسیر السمعاني، امام ابو المظفر منصور بن محمد مروزی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۰ھ)

❊ تفسیر السمناني، أبو المکارم علاء الدوله أحمد القاضي بالري (المتوفی: ۷۳۶ھ) یہ تیرہ جلدوں میں ایک ضخیم تفسیر ہے۔

* تفسیر سور ابادي، ابوبکر عتیق بن محمد۔ یہ فارسی زبان میں ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے:
"الحمد لله الذي باسمه تصحيح الأمور......الخ"

* تفسیر سورۃ الإخلاص، یہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی مختصر تفسیر ہے، اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "الحمد لله حق حمده ......الخ" موصوف نے اس میں ذکر کیا ہے کہ بعض وہ اسرار جو اس سورت میں ودیعت کیے گئے ہیں، میں ان سے آگاہ ہوا اور اکثر مفسرین مقصد قویم کو پانے سے محروم ہی رہے ہیں۔ عقل مند آدمی جب ان مباحث کے معاقد میں غور کرتا ہے تو اس کے سامنے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ معاملہ اس سے بالا تر ہے جو وہ گمان کرتے ہیں۔ مولف نے اسے چار فصلوں میں مرتب کیا ہے۔

* تفسیر سورۃ الإخلاص، یہ علی بن محسن حسنی سمنانی رحمہ اللہ کی تفسیر ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي فتح بمفاتيح الفاتحة والإخلاص......الخ" شیخ زادہ محشی نے بھی اس پر ایک تفسیر لکھی ہے، جس کا نام انھوں نے "الإخلاصية" رکھا ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الأحد الصمد......الخ" نیز ابن الدہان سعید بن مبارک نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۶۹ھ) نے بھی اس پر ایک تفسیر لکھی ہے۔ شیخ رئیس علی بن سینا اور جلال دوانی رحمہما اللہ نے بھی اس سورت کی تفسیر لکھی ہے۔

* تفسیر سورۃ الإنسان، یہ علامہ غیاث الدین منصور بن صدرالدین محمد شیرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۴۹ھ) کی تالیف ہے۔ یہ ایک مختصر تفسیر ہے جو تحقیقاتِ لطیفہ اور مباحثِ شریفہ پر مشتمل ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "أحمد الله على جميل سلطانه......الخ"

* تفسیر سورۃ الأعراف، باحواشی، یہ شیخ غلام نقشبندی لکھنوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۱۲۶ھ) کی تالیف ہے۔ انھوں نے سورت مریم، طٰہٰ، محمد، یوسف، رحمٰن، عم، کوثر، اخلاص پر اور آیت نور، آیت امانت، آیت ﴿اَفَحَسِبْتُمْ﴾ آیت ﴿وَ لَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا﴾ آیت استوا اور آیت ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا﴾ پر مع حواشی الگ سے تفاسیر لکھی ہیں۔ موصوف دانش مندی اور ولایت کے جامع تھے، ان کا شمار ہندوستان کے علما و اولیا میں ہوتا ہے۔

* تفسیر سورۃ الأنعام، یہ فاضل مصطفیٰ بن محمد معروف بہ سنان رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۷۷ھ) کی تالیف ہے۔
* تفسیر سورۃ الفاتحۃ و البقرۃ، یہ بعض متاخرین کی ایک مختصر تفسیر ہے، جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد للّٰه الذي أكرم الأنبياء بإكرام إنزال القرآن الكريم......الخ"
* تفسیر سورۃ التکاثر، یہ صفر شاہ حنفی رحمہ اللہ کی تفسیر ہے۔
* تفسیر سورۃ الدخان، یہ محی الدین محمد بن ابراہیم النکساری رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۰۱ھ) کی تالیف ہے۔ مولف نے یہ تفسیر سلطان بایزید خان کو بہ طور ہدیہ بھیجی۔ صاحبِ شقائق نے کہا ہے:

"هو تاليف يدل علىٰ صاحبه أنه آية كبرىٰ في علم التفسير"[1]

[یہ ایسی تالیف ہے جو اپنے مولف کے بارے میں بتاتی ہے کہ بلا شبہہ وہ علمِ تفسیر میں بہت بڑی نشانی تھے]

* تفسیر سورت طٰہٰ۔
* تفسیر سورۃ الفتح، یہ شیخ محمد امین الشہیر بہ امیر بادشاہ بخاری نزیل مکہ مکرمہ رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ یہ ایک مختصر تفسیر ہے، جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد للّٰه الذي جعل حرمه لعباده بلدا أمينا......الخ"
* تفسیر سورۃ القدر، یہ شیخ عبدالرحمٰن بن الموید الاماسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۲۲ھ) کی تالیف ہے، یہ دو جلدوں میں ہے، اس کے ابتدائی کلمات یہ ہیں: "الحمد للّٰه الذي أنزل القرآن لنا في ليلة القدر......الخ" مولف نے اس کے خطبے میں سلطان بایزید خان کا نام ذکر کیا ہے۔ شیخ صلاح الدین محمد الشہیر بلاری رحمہ اللہ (المتوفی: درحدود ۹۳۰ھ) نے بھی اسکندر بادشاہ کے لیے اس سورت کی تفسیر لکھی تھی۔

نیز احمد بن روح اللہ انصاری رحمہ اللہ (المتوفی: درحدود ۱۰۰۰ھ) اور شرف البدر رحمہ اللہ نے بھی اس

[1] کشف الظنون (۱/ ۴۵۰)

سورت کی تفسیر لکھی ہے۔

* تفسیر سورۃ الکافرون، یہ علامہ جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی دوانی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۰۷ھ) کی تالیف ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے۔ "الحمد لله الذي من علينا بالدين القويم...... الخ" مولف نے اس تفسیر میں لکھا ہے:

"فهذه نكات متعلقة بالسورة التي تعدل ربع القرآن بعضها مما استخرجته من التفاسير وبعضها مما استنتجته بفكري، علقتها في بعض جزائر جرون في شهور سنة خمس وتسعمائة"[1] انتهى.

[یہ چند نکات اس سورت سے متعلق ہیں جو سورت چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ ان میں سے بعض نکات تو وہ ہیں جو میں نے تفاسیر سے اخذ کیے ہیں اور بعض وہ ہیں جو میری اپنی فکر و سوچ کا نتیجہ ہیں ۹۰۵ھ میں جزائر جرون میں سے ایک جزیرے میں میں نے اس کو لکھا ہے]

موصوف بہت پھرتیلے اور متحرک آدمی تھے۔

* تفسیر سورۃ الکوثر، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أعطىٰ رسوله الكوثر...... الخ" یہ ایک مختصر تفسیر ہے، جو رازی رحمہ اللہ کی "نهاية الإيجاز"، کشاف اور اس کے حواشی سے منقول فوائد پر مشتمل ہے۔

* تفسیر سورتي المعوذتین، یہ رئیس ابن سینا اور دوانی رحمہما اللہ مذکور کی تالیف ہے۔

* تفسیر سورۃ الملك، یہ علامہ شمس الدین احمد بن سلیمان بن کمال پاشا رحمہ اللہ (المتوفی ۹۴۰ھ) کی تالیف ہے۔ اس سورت کی ایک فارسی تفسیر ہے، جو "تیسیر"، "کشاف" اور "کواشي" سے منتخب کی گئی ہے، لیکن اس میں معوذتین کے ساتھ ساتھ سورۃ الفاتحہ کی بھی تفسیر کی گئی ہے۔

* تفسیر سورۃ العصر، المسمیٰ بذخيرة القصر، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله الذي كرم نوع الإنسان...... الخ"

* تفسیر سورۃ یوسف، یہ شیخ بہاء الدین بن یوسف الواعظ رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جو انھوں

[1] کشف الظنون (۱/ ۴۵۰)

نے پندرہ مجلسوں پر مرتب کی ہے۔

احمد بن روح اللہ رحمہ اللہ مذکور کی بھی اس سورت پر ایک تفسیر ہے، اس کی ایک تفسیر "زهر الکمام" بھی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ نیز شیخ سروری رحمہ اللہ کی بھی ایک تفسیر ہے، جو تمام تفسیروں سے زیادہ بسیط ہے، جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أنزل إلينا ...الخ" موصوف اس کی تالیف سے ماہِ رجب ۹۵۴ھ میں فارغ ہوئے۔

❊ تفسیر السهروردي، یہ شیخ ابو احمد عمر بن عبداللہ رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

❊ تفسیر السید الشریف، یہ صرف زہراوین (سورۃ البقرہ و آل عمران) کی تفسیر ہے، اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

❊ تفسیر السیوطي، اس کا نام "الدر المنثور" ہے، اس کا ذکر آگے آئے گا۔

❊ تفسیر شبل بن عباد المکي، ثعلبی رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

❊ تفسیر شعبة بن الحجاج البصري (المتوفی: ۱۶۰ھ)

❊ تفسیر الشیخ، اس کا نام "عیون التفاسیر" ہے۔ باب العین میں اس کا ذکر آئے گا۔

❊ تفسیر الشیخ شرف الدین البوني.

❊ تفسیر الشیرازي، یہ ابو محمد عبدالوہاب بن محمد شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۰ھ) کی تفسیر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مولف نے اس میں ایک لاکھ اشعار بطور شواہد ذکر کیے ہیں۔ جہاں تک علامہ شیرازی رحمہ اللہ کی تفسیر کا تعلق ہے، اسے تفسیر علائی کہا جاتا ہے اور اس کا نام "فتح المنان" ہے، اس کا ذکر آگے آئے گا۔

❊ تفسیر الصالحي، یہ صالح بن محمد ترمذی رحمہ اللہ کی تفسیر ہے۔ یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ مولف نے اس میں چار ہزار احادیث کا اضافہ کیا ہے۔

❊ تفسیر الصحابة، یہ ابو الحسن محمد بن القاسم الفقیہ رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ ثعلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے یہ پوری تفسیر مصنف کو پڑھ کر سنائی ہے۔

❊ تفسیر الصفوي، یہ سید معین الدین محمد بن عبدالرحمن الایجی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ یہ ایک نہایت لطیف و ممزوج تفسیر ہے، جیسے تفسیر بیضاوی ہے۔ یہ ایک جلد میں ہے اور اس کا آغاز

یوں ہوتا ہے: "الحمد للّٰہ الذي أرسل رسوله بالهدیٰ......الخ" موصوف اس کی تالیف سے ماہِ رمضان ۹۰۵ھ میں فارغ ہوئے اور اس کا نام "جوامع التبیان" رکھا، اس کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ آگے آئے گا۔

* تفسیر الصیرفي:، یہ ابن مزاحم الہلالی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ یہ تفسیر کئی طرق سے مروی ہے، ان میں سے ایک جویبر رحمہ اللہ کا طریق ہے۔ یہ ایک ضخیم اور مبسوط کتاب ہے۔ اس کا ایک طریق علی بن حکم رحمہ اللہ ہے، ایک طریق عبید بن سلیمان باہلی رحمہ اللہ ہے اور ایک طریق ابوالوفا عطیہ بن الحارث رحمہ اللہ ہے۔
* تفسیر الضحاك.
* تفسیر الطبري، یہ ابن جریر رحمہ اللہ کی تفسیر ہے، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔
* تفسیر الطوسي، ابوجعفر محمد بن حسن طوسی فقیہ شیعی کی تالیف ہے۔ مذہب شافعی کی طرف اس کی نسبت کی جاتی تھی۔ اس نے ۵۶۱ھ میں وفات پائی۔ اس کی تفسیر کا نام "مجمع البیان لعلوم القرآن" ہے۔ نیز اس نے تفسیر کشاف کو مختصر کر کے اس کا نام "جوامع الجامع" رکھا۔ اس نے ۵۴۲ھ میں اس کی تالیف کا آغاز کیا۔ سبکی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"وقد أحرقت کتبه عدة نوب بمحضر من الناس"[1]

[کئی مرتبہ لوگوں کی موجودگی میں اس کی کتابیں نظرِ آتش کی گئیں]

* تفسیر عبداللّٰہ بن حامد، ثعلبی رحمہ اللہ نے مولف پر یہ تفسیر پڑھی ہے۔
* تفسیر عبد الحق بن أبي بکر.
* تفسیر عبد الحمید بن حمید الکسي، ثعلبی رحمہ اللہ نے "کشف" میں اس کا ذکر کیا ہے۔
* تفسیر عبد الرزاق بن همام الصنعاني: یہ حدیث میں امام بخاری کے شیخ ہیں۔[2] یہ ۲۱۱ھ میں فوت ہوئے۔
* تفسیر عبد الرزاق، یہ ابن رزق اللہ حنبلی رسغنی رحمہ اللہ کی تفسیر ہے، جس کا نام "مطالع أنوار

---

[1] کشف الظنون (/ ۴۵).

[2] امام بخاری ان سے ایک واسطے سے روایت کرتے ہیں۔

التنزيل" ہے، اس کا ذکر آگے آئے گا، اس کا نام "رموز الكنوز" بھی ذکر کیا گیا ہے۔ محمد مالکی داودی رحمہ اللہ صاحبِ "طبقات المفسرين" نے اس تفسیر اور اس کے نام کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے:

"فيه فوائد حسنة، ويروي فيه الأحاديث بأسانيده" انتهى.

[اس میں عمدہ فوائد ہیں اور اس میں مولف نے احادیث کو ان کی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے]

ملا کاتب رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"وعندي موجود من هذا التفسير أربع قطعات كما وصفه المالكي"[1]

[میرے پاس مالکی کے بیان کے مطابق اس تفسیر کے چار حصے موجود ہیں]

* تفسير عبد الصمد، یہ ابن قاضی شیخ محمود بن یونس حنفی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ یہ تفسیر تین ضخیم جلدوں میں ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أكرمنا بالنور المبين وهدانا للحق اليقين......الخ"
* تفسير عبد القاهر بن عبدالرحمن الجرجاني (المتوفی ۴۷۴ھ) یہ ایک جلد میں مختصر تفسیر ہے، شاید یہ صرف سورۃ الفاتحہ کی تفسیر ہے۔
* تفسير عبد المعطي السخاوي.
* تفسير عبد بن حميد، یہ ابن نصر الکشی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۹ھ) کی تالیف ہے۔
* تفسير العتابي، امام ابونصر احمد بن محمد حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۸۶ھ) کی تالیف ہے۔
* تفسير العراقي، علم الدین عبدالکریم بن علی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۰۴ھ) کی تالیف ہے۔
* تفسير عزالدين، عبدالعزیز بن عبدالسلام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۶۰ھ) کی یہ ایک ضخیم تفسیر ہے۔ اس کے بیٹے عبداللطیف (المتوفی: ۶۹۷ھ) نے بھی ایک تفسیر لکھی ہے۔
* تفسير العسكري، ابو ہلال حسن بن عبداللہ (المتوفی: ۳۹۵ھ) کی تالیف ہے۔
* تفسير عطاء بن أبي رباح و عطاء بن أبي مسلم الخراساني و عطاء بن دينار. ثعلبی نے "کشف" میں ان تینوں تفسیروں کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] كشف الظنون (١/ ٤٥٢)

- تفسير العكبري، ابوالبقاء کی تالیف ہے۔اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔
- تفسير عكرمة، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔
- تفسير علامي، تفسیر کا نام ہے: "فتح المنان" یہ قطب شیرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۱۰ھ) کی تفسیر ہے۔
- تفسير علاء الدين، علی بن محمد بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۱ھ) کی تالیف ہے۔
- تفسير علاء الدين تركماني، اس پر برہان الدین ابراہیم بن موسیٰ کرکی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۳ھ) کا حاشیہ ہے۔
- تفسير علائي، علاء الدین محمد عبدالرحمٰن بخاری معروف بالعلاء الزاہد رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۶ھ)
- تفسير عليابادي، اس کا نام: "مطالع المعاني" ہے۔
- تفسير عماد كندي، اس کا نام "كفيل" ہے۔
- تفسير علي القاري، شیخ نورالدین علی بن سلطان محمد قاری ہروی نزیل مکہ مکرمہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۱۰ھ) کی تالیف ہے۔
- تفسير العوفي، محمد بن سعد بن محمد بن حسن کی تالیف ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ثعلبی رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔
- تفسير العيشي، یہ محمد تبریزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۱۶ھ) کی تالیف ہے۔
- تفسير الغرناطي، محمد بن علی اندلسی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
- تفسير الغزالي، اس کا نام: "ياقوت التأويل" ہے، اس کا ذکر آگے آئے گا۔
- تفسير الغزي، شیخ بدرالدین محمد بن رضی الدین محمد عامری شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۶۰ھ) کی یہ منظوم تفسیر ہے۔ بہت سے علما نے اس کی نظم کا انکار کیا ہے، کیوں کہ یہ قرآن عظیم کو اس کی نظم شریف سے نکالنے والی ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے ایک وزن کلام کو جو قرآنی نظم نہیں ہے اس میں داخل کرنا لازم آتا ہے۔ القطب المکی نے اپنے "رحلة" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ "دستور الأعلام" میں کہا ہے کہ اس کی تین تفسیریں ہیں: ایک نثر میں اور دو نظم میں، جن میں ایک لاکھ اسی ہزار اشعار ہیں۔ ان کی تاریخ وفات ۹۸۴ھ ہے۔ ملا کاتب رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

"وقد رأيت المنظوم منه ثلاث مجلدات بخطه" انتهىٰ

[میں نے اس کے خط میں اس کی تین منظوم جلدیں دیکھی ہیں]

* تفسير فاتحة الكتاب: یہ شیخ عبدالقاہر بن عبدالرحمن الجرجانی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۷۴ھ) کی تالیف ہے۔

اس کے علاوہ بھی سورۃ الفاتحہ پر اہلِ علم کی ایک جماعت نے تفسیریں لکھی ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

① تفسير الفاتحة: فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی تالیف جو دو جلدوں میں ہے، جس کا نام انھوں نے "مفاتيح العلوم" رکھا ہے۔

② تفسير الفاتحة: شیخ صدرالدین ابو معالی محمد بن اسحاق قونوی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۳ھ) کی تالیف ہے۔ یہ تفسیر اہلِ تصوف کی اصطلاح پر ہے، جس کا نام مولف نے "إعجاز البيان في تفسير أم القرآن" رکھا، اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

③ تفسير الفاتحة: شمس الدین محمد بن حمزہ فناری رحمہ اللہ (المتوفی ۸۳۴ھ) کی ایک جلد میں تالیف ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "ربنا آمنا بما أنزلت واتبعنا الرسول.... الخ" اس میں مولف نے کہا ہے:

"يحق علىٰ مريد مزيد التوفيق للوقوف علىٰ حقائق التفسير أن يقدم حده الجامع المانع، ثم معرفة وجه الحاجة إليه، ثم معرفة موضوعه، ثم معرفة أن استمداده من أي علم"[1]

[جو شخص حقائقِ تفسیر پر واقفیت کی مزید توفیق کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی جامع مانع تعریف جانے، پھر اس کی حاجت وضرورت کو معلوم کرے، پھر اس کا موضوع جانے اور پھر یہ معلوم کرے کہ وہ کس علم سے معاونت چاہتا ہے]

مقصودِ کتاب میں غور وخوض سے پہلے ان چاروں بابوں کو چند فصلوں کے ساتھ بہ طور تمہید بیان کیا اور کہا ہے کہ ان کو اس تالیف پر ابھارنے والے امیر محمد بن علاء الدین بن قرمان رحمہ اللہ ہیں۔

---

[1] كشف الظنون (۱/ ۵۵)

پھر وہ مذکورہ ابواب کے بعد استعاذے اور بسملہ کے مباحث لائے ہیں اور ان میں بہت سے فوائد لکھے ہیں۔ تفسیر کے طالب علم کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اس تفسیر کا مطالعہ کرے، تاکہ اسے اس علم میں بصیرت حاصل ہو۔

④ تفسیر الفاتحة: محمد بن علی جذامی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۳ھ) کی تالیف ہے۔

⑤ تفسیر الفاتحة: علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۱۷ھ) کی تالیف ہے۔ انھوں نے اس کا نام "الإیاب في تفسیر فاتحة الکتاب" رکھا ہے۔ یہ ایک جلد میں بڑی ضخیم تفسیر ہے۔

⑥ تفسیر الفاتحة: شیخ یعقوب بن عثمان چرخی نقشبندی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۱ھ) کی یہ فارسی میں ایک مختصر تفسیر ہے۔

⑦ تفسیر الفاتحة: محمد بن مصطفیٰ کسری رحمہ اللہ کی مختصر تفسیر ہے، جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد للّٰہ الذي نور قلوب العارفین......الخ"

⑧ تفسیر الفاتحة: شیخ محمد بن کاتب کلیبولی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ انھوں نے فرقہ وجودیہ کے رد میں یہ تفسیر لکھی ہے، جیسا کہ انھوں نے اس کے دیباچے میں ذکر کیا ہے۔

⑨ تفسیر الفاتحة: شیخ بایزید خلیفہ رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ جو سلطان بایزید خان ثانی کے دور کے مشائخ میں سے ہیں۔

⑩ تفسیر الفاتحة: شیخ نورالدین ابو الحسن علی بن یعقوب بن جبریل بکری مصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۴ھ) کی تالیف ہے۔

⑪ تفسیر الفاتحة: شمس الدین محمد بن ابی بکر معروف بہ حافظ ابن القیم حنبلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۱ھ) کی تالیف ہے۔

⑫ تفسیر الفاتحة: اسماعیل بن احمد انقروی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۳۸ھ) کی تالیف ہے۔ یہ تفسیر ترکی زبان میں ہے اور مولف نے اس کا نام "الفاتحة العینیة" رکھا ہے، اس کا ذکر آگے آئے گا۔

⑬ تفسیر الفاتحة: جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ انھوں نے اس کا نام "الأزهار الفائحة" رکھا ہے، اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

⑭ تفسیر الفاتحة: شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن احمد رقی حنبلی واعظ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۰۳ھ) کی تالیف ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے "العبر" میں لکھا ہے:

"كان من أولياء الله ومن كبائر المذكرين"

[وہ اولیا اللہ اور کبار واعظین میں سے تھے]

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے "طبقات" میں لکھا ہے:

"صنف تفسير القرآن، ولا أعلم هل أكمله أم لا؟"[1]

[انھوں نے تفسیر القرآن لکھی، معلوم نہیں کہ وہ اسے مکمل کر پائے یا نہیں؟]

⑮ تفسیر الفاتحة: شیخ ابو سعید دہستانی رحمہ اللہ کی ہے۔

⑯ تفسیر الفاتحة: شیخ بن نور الدین رومی رحمہ اللہ کی ہے۔

⑰ تفسیر الفاتحة: ابن الدہان نحوی رحمہ اللہ کی ہے۔

⑱ تفسیر الفاتحة: مولوی لطف اللہ بنگالی رحمہ اللہ نزیل لکھنو کی اردو زبان میں تفسیر ہے۔ یہ تفسیر شیعہ شنیعہ کے رد میں لکھی ہے اور اس کے مولف ابھی بہ قید حیات ہیں۔

❊ تفسير الفريابي: محمد بن یوسف فریابی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ ثعلبی رحمہ اللہ نے "کشف" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کو چھانٹ کر اس کا خلاصہ لکھا ہے۔

❊ تفسير القاشاني: یہ "تاویلات" کے نام سے مشہور ہے، اس کا پہلے ذکر گزر چکا ہے۔

❊ تفسير قبيصة: ابو عامر بن عقبہ سوائی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

❊ تفسير قاضي بيضاوي: اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

❊ تفسير قتادة بن دعامة السدوسي: اس کے کئی طرق ہیں۔ ایک خارجہ بن مصعب سرخسی رحمہ اللہ کا طریق۔ خارجہ رحمہ اللہ نے اپنی طرف سے اس میں ایک ایک ہزار کی تعداد میں احادیث کا اضافہ کیا ہے۔ ایک طریق شیبان بن عبدالرحمن نحوی رحمہ اللہ کا اور اسی طرح ایک طریق معمر رحمہ اللہ کا ہے۔

❊ تفسير قتيبة: یہ ابن احمد بن شریح بخاری شیعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۶ھ) کی ایک ضخیم تفسیر ہے۔

❊ تفسير كراماني: شیخ احمد بن محمود اصم رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۷۱ھ) کی یہ تفسیر بارہ جلدوں میں

[1] کشف الظنون (۱/ ۴۵٦)

ہے اور ابھی تک مکمل نہیں ہو سکی۔

* تفسیر القرطبي: جس کا نام "الجامع لأحكام القرآن" ہے۔ حرف جیم میں اس کا ذکر آئے گا۔
* تفسیر القرظي: یہ محمد بن کعب (المتوفی: ۱۸۰ھ) کی تالیف ہے۔ ثعلبی رحمہ اللہ نے "کشف" میں اس کا ذکر کیا ہے۔
* تفسیر القشیري: امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۵ھ) کی تالیف ہے۔
* تفسیر القزویني، ابو یوسف رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ ملا کاتب رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"يقال إنه أزيد من ثلاث مائة مجلد"[1]

[کہا جاتا ہے کہ یہ تفسیر تین سو جلدوں سے زیادہ ہے]

* تفسیر قطب الدین: یہ محمد بن محمد ازنیقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۲۱ھ) کی چند جلدوں میں ایک ضخیم تفسیر ہے۔
* تفسیر القفطي: یہ ابو القاسم ہبۃ اللہ بن عبداللہ بن سید الکل شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۹۷ھ) کی تالیف ہے۔ یہ تفسیر سورت مریم تک لکھی جا سکی اور ادھوری رہ گئی۔
* تفسیر القلاقل: یہ علامہ جلال الدین دوانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ لفظ "قلاقل" "قل" کی جمع ہے۔ پہلے یہ ذکر ہوا ہے کہ انھوں نے سورۃ الکافرون، اخلاص اور معوذتین کی جدا جدا تفسیر لکھی، ان تمام کا اکٹھا نام "قلاقل" رکھا جاتا ہے۔
* التفسیر الکبیر: رازی رحمہ اللہ کی اس تفسیر کا نام: "مفاتيح الغيب" ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا۔
* تفسیر الکرماني: اس کا نام "لباب التفاسير" ہے، اس کا آگے ذکر آئے گا۔ ان کی ایک اور تفسیر بھی ہے جس کا نام "العجائب والغرائب" ہے۔
* تفسیر الکلبي: یہ محمد بن سائب رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس کے کئی طرق ہیں۔ ایک طریق محمد بن فضیل رحمہ اللہ، دوسرا طریق یوسف بن بلال رحمہ اللہ اور تیسرا ابن حبان رحمہ اللہ کا ہے۔ یہ سب طرق ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہیں۔

---

[1] كشف الظنون (۱/ ۴۵۷)

* تفسير الكواشي: یہ موفق الدین احمد بن یوسف موصلی شیبانی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۸۰ھ) کی تالیف ہے۔ یہ دو تفسیریں ہیں، ایک ان میں سے بڑی ہے، جس کا نام "التبصرة" اور دوسری چھوٹی ہے جس کا نام "التلخيص" ہے۔
* تفسير الكوراني: یہ بھی دو تفسیریں ہیں۔ ایک "غاية الأماني" یہ کورانی رحمہ اللہ کی متقدم تفسیر ہے اور دوسری "جامع الأسرار" متاخر تفسیر ہے۔
* تفسير اللخمي.
* تفسير الماتريدي: اس کا نام "التأويلات" ہے، جس کا ذکر گزر چکا ہے۔
* تفسير الماوردي: یہ امام ابو الحسن علی بن حبیب شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۰ھ) کی تالیف ہے۔ اس تفسیر کا اختصار شیخ ابو الفیض محمد بن علی بن عبداللہ حلی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔
* تفسير مجاهد: یہ ابو الحجاج مجاہد بن جبر مکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۴ھ) کی تالیف ہے۔ اس کے کئی طرق ہیں۔ ایک طریق ابن ابی نجیح رحمہ اللہ، دوسرا ابن جریج رحمہ اللہ اور تیسرا طریق لیث رحمہ اللہ کا ہے۔
* تفسير المجرد: یہ ابو شجاع رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* تفسير محمد بن أيوب رازي.
* تفسير محمد بن عبد الرحمٰن البخاري العلائي ملقب بالزاهد الحنفي (المتوفی: ۵۴۶ھ)۔ یہ تفسیر ایک ہزار اجزا سے زیادہ ہے۔
* تفسير المريسي: یہ شرف الدین ابو الفضل محمد بن عبداللہ بن محمد بن ابی الفضل شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۵۵ھ) کی تالیف ہے۔ یہ تفسیر بیس جلدوں میں ہے، اس تفسیر میں مولف نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ آیات کا ایک دوسری کے ساتھ ربط اور اس کی وجوہ کو بیان کیا جائے۔ ان کی ایک اوسط تفسیر ہے، جو دس اجزا میں ہے اور ان کی ایک چھوٹی تفسیر بھی ہے، جو تین اجزا یعنی ایک جلد میں ہے۔
* تفسير مسلم الرازي.
* تفسير المسعودي: یہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مروزی شافعی تلمیذ قفال رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* تفسير مسيب بن شريك: ثعلبی رحمہ اللہ نے "کشف" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

* تفسیر مصنفك: یہ شیخ علاء الدین علی بن محمد شاہرودی بسطامی عمری بکری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۷۵ھ) کی تالیف ہے۔ یہ چند جلدوں میں فارسی زبان میں ایک ضخیم تفسیر ہے، اس کا نام: "المحمدية" ہے۔ مولف نے اس میں بہت اِطناب سے کام لیا ہے اور فائدہ پہنچانے میں خوب عمدگی سے کام کیا ہے اور اپنی تفسیر فارسی میں لکھنے پر معذرت کرتے ہوئے کہا ہے کہ سلطان محمد خان فاتح کے حکم سے ۸۶۳ھ میں شہر ادرنہ کے اندر میں نے یہ تفسیر لکھی، لہٰذا مامور معذور ہوتا ہے۔ بہ ہر حال یہ ایک ذی شان کتاب ہے، لیکن افسوس کہ ناقص رہ گئی۔ ملا کاتب رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ میں نے اس کی ایک جلد دیکھی ہے، جس میں تیسویں پارے کی تفسیر تھی۔ مولف کی ایک اور تفسیر بھی ہے، جس کا نام اس نے "ملتقی البحرين" رکھا اور اس کتاب میں موجود تحقیقات قواعد نحویہ کے لیے شرح بردہ کا حوالہ دیا ہے۔ انھوں نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ وہ اس تفسیر کو مکمل کریں گے۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔
* تفسیر معافیٰ بن إسماعیل: مولف نے اس کا نام "البيان" رکھا ہے، اس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔
* تفسیر مقاتل بن حیان و مقاتل بن سلیمان: یہ تفسیر تیس آدمیوں سے مروی ہے، جن میں سے بارہ تو تابعین سے ہیں اور اس کے کئی طرق ہیں، جن میں سے ایک ثعلبی رحمہ اللہ اور دوسرا ابو عصمہ مروزی رحمہ اللہ کا طریق ہے۔
* تفسیر المقدسي: یہ شہاب الدین احمد بن محمد حنبلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) کی تالیف ہے۔
* تفسیر مکي بن أبي طالب: یہ قیسی نحوی مغربی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۷ھ) کی تالیف ہے۔ یہ پندرہ اجزا پر مشتمل ہے۔
* تفسیر المنشي: یہ محمد بن بدرالدین صاروخانی (المتوفی: در مدینہ درحدود ۱۰۰۰ھ) کی تالیف ہے۔ جلالین کی طرح یہ ایک مختصر تفسیر ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أنزل علىٰ عبده الكتاب......الخ" مولف نے اس میں منتخب اقوال کو ذکر کیا، مقتضائے حال کے مطابق اعراب کو بیان کیا اور حفص رحمہ اللہ کی قراءت پر اکتفا و اقتصار کیا ہے، کیوں کہ بلادِ رومیہ میں اسے ہی شہرت حاصل ہے۔ نیز مولف نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس

نے ماہِ رمضان ۱۹۸ھ کو اپنے وطن اقحصار میں اس تفسیر کو لکھنا شروع کیا، جب یہ تفسیر مکمل ہو چکی تو اس کو موالی پر پیش کیا جنھوں نے اس تفسیر پر تقاریظ (تبصرے) لکھیں، پھر اس نے سلطان مراد خان کی خدمت میں بہ طور ہدیہ ارسال کر دی۔ سلطان کی نوازشوں سے ان کو ۹۸۲ھ میں حرم نبوی کی سرداری و حاکمیت پر مقرر ہونے کا شرف ملا اور یہ تاحیات مدینہ ہی میں مقیم رہے۔

❊ تفسير المهدوي: یہ ابو العباس احمد بن عمار رحمہ اللہ (المتوفی ۴۳۰ھ کے بعد) کی تالیف ہے۔ انھوں نے اپنی اس تفسیر کا نام "التفصيل الجامع لعلوم التنزيل" رکھا ہے۔

❊ تفسير ناصر: یہ ابن منصور بن ابی القاسم رحمہ اللہ کی اٹھارہ جلدوں میں ایک ضخیم تفسیر ہے۔ مولف اس میں احکام و مسائل کو بالتفصیل ذکر کرتے ہیں اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے سے دلیل پکڑتے ہیں۔ فقیہ محمد بن ابی بکر بن جنکاس رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ تفسیر مکہ مکرمہ میں موجود ہے۔

❊ تفسير النبي ﷺ: ثعلبی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس تفسیر کا بعض حصہ تو میں نے مصنف سے سنا، پھر باقی کے حصے کی انھوں نے مجھے اجازت دے دی، اس کے مصنف کا نام ابو الحسن محمد بن قاسم فقیہ رحمہ اللہ ہے۔

❊ تفسير نجم الدين: یہ احمد عمر خیوقی معروف بہ کبری شافعی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۱۸ھ) کی تالیف ہے۔ یہ شہید ہوئے تھے۔ یہ کتاب بارہ جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم تفسیر ہے۔

❊ تفسير نجم الدين: یہ بشیر بن ابی بکر بن حامد بن سلیمان بن یوسف زینی تبریزی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی بمکۃ ۶۴۶ھ) کی تالیف ہے۔ یہ چند جلدوں میں ایک ضخیم تفسیر ہے۔

❊ تفسير النحاس: یہ ابو جعفر احمد بن محمد نحوی مصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۳۸ھ) کی تالیف ہے۔ اس میں مولف نے اعراب کے بیان کا ارادہ کیا، لیکن صرف وہی قراءتیں ذکر کی ہیں، جو بیانِ اعراب کی محتاج تھیں اور ان کو علتوں کے ساتھ بیان کیا، نیز ضروری معنی ذکر کیے۔

❊ تفسير النسفي: اس کا نام "التيسير" ہے۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

❊ تفسير النعماني: یہ ظہیر الدین ابو علی حسن بن خطیر بن ابی الحسن فارسی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۹۸ھ) کی تالیف ہے۔

❊ تفسير نعمة الله.

* تفسیر النقاش: اس کا نام "شفاء الصدور" ہے، اس کا ذکر آگے آئے گا۔
* "تفسیر نورالدین زادہ: شیخ مصلح الدین رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۸۱ھ) کی یہ تفسیر سورۃ الانعام تک ہے۔
* تفسیر النہدي، یہ ابو حذیفہ موسیٰ بن مسعود رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جس کا ثعلبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔
* تفسیر النیسابوري: اس کا نام: "غرائب القرآن" ہے، اس کا ذکر آگے آئے گا۔ ان کی ایک اور تفسیر ہے جس کا نام: "البصائر" ہے، اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ راقم الحروف نے پہلی تفسیر دیکھی ہے وہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی تفسیر سے ماخوذ ہے۔
* تفسیر النیسابوري القدیم: ابو القاسم حسن بن محمد واعظ رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۰۶ھ) ابو بکر محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰ھ) اور احمد بن محمد نیسابوری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۳ھ) کی تالیف ہے۔
* تفسیر الواحدي: یہ تین تفسیریں ہیں: ایک بسیط، دوسری وسیط اور تیسری وجیز۔ ان تینوں تفسیروں کا نام: "الحاوي لجمیع المعاني" ہے، ان سب کا ذکر آگے آئے گا۔
* تفسیر الواقدي: یہ محمد بن عمر رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جبکہ ثعلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان کا نام حسین بن واقد ہے۔
* تفسیر الوالبي: امام علی بن ابی طلحہ رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جسے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔
* تفسیر ورقاء بن عمر: ثعلبی رحمہ اللہ نے "کشف" میں اس کا ذکر کیا ہے۔
* تفسیر وکیع: یہ امام زاہد ابو سفیان وکیع بن الجراح کوفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۹۷ھ) کی تالیف ہے۔
* تفسیر هشیم بن بشیر: ثعلبی رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔
* تفسیر وهب: شاید اس کے مولف وہب بن منبہ یمانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۱۴ھ) ہیں۔
* تفسیر الدهراني: یہ ابو الحسن علی بن عبداللہ بن مبارک خطیب داریا رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۱۵ھ) کی تالیف ہے۔
* تفسیر الهندي، یہ شیخ فیض اللہ اکبر آبادی متخلص بہ فیضی بن مبارک رحمہ اللہ (المتوفی درحدود ۱۰۰۰ھ)

کی تالیف ہے۔ ملا رحمہ اللہ کاتب کا کہنا ہے:

"فسره بالحروف المهملة، وتكلف فيه غاية التكلف"[1] انتھیٰ.

[اس نے مہمل حروف کے ساتھ اس کی تفسیر کی ہے اور اس میں انتہائی زیادہ تکلف کیا ہے]

حرفِ سین میں اس کا ذکر آئے گا۔ یہ تفسیر دو متوسط جلدوں میں ہے اور راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔

* تفسير يزيد بن هارون السلمي: (المتوفی: ۱۱۷ھ) یہ تابعین میں سے ہیں۔ ابو الخیر رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔
* تفسير يعقوب بن عثمان الغزنوي ثم الجرخي.
* تفسير تقريب المأمول: اس کے مولف کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔
* التقريب مختصر الكشاف: یہ تفسیر کشاف کا اختصار ہے۔
* تقبيح الشعراء الغاوين وتحسين الفقراء من آل ياسين: یہ ایک جلد میں فارسی تفسیر ہے۔ یہ تفسیر سورۃ الشعراء سے قرآن کی ایک منزل تک بعض علماے ہند کی کاوش ہے، اس تفسیر کے مولف اکثر کہتے ہیں: "مولانا فرمود" [مولانا نے فرمایا] اس سے مراد شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ ہیں، اس میں ان کی تقریر وعظ کو جمع کیا گیا ہے۔ فقیر کے پاس یہ تفسیر موجود ہے۔
* تفسير تلخيص البيان.
* تفسير تنزيه القرآن.
* تيسير في التفسير: یہ تین تفسیریں ہیں۔
* تفسير جامع الأسرار.
* تفسير جامع التأويل.
* تفسير جامع التفاسير.
* تفسير الجامع الكبير.
* تفسير جوامع البيان.

---

[1] كشف الظنون (١/ ٤٦١)

* تفسير رؤفي: شاہ رؤف احمد مجددی ہندی نزیل بھوپال رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ یہ تفسیر اردو زبان میں دو جلدوں میں ہے، اس میں صوفیانہ اور واعظانہ کلام کیا گیا ہے، اس میں بیان شدہ مسائل غیر تحقیقی ہیں۔ یہ بندرگاہ ممبئی میں طبع ہوئی۔ مولف اس میں اردو اشعار بھی ذکر کرتے ہیں۔ یہ کوئی قابلِ قدر تفسیر نہیں ہے، اس کے مولف اگرچہ ایک صالح، زاہد اور عبادت گزار آدمی تھے، مگر علم ایک اور چیز ہے، عبادت گزاری اور زہد ایک اور چیز ہے۔

* التفصيل الجامع لعلوم التنزيل: یہ ابو العباس احمد بن عمار المہدوی التیمی رحمہ اللہ (المتوفی بعد ۵۳۰ھ) کی ایک ضخیم تفسیر ہے، اس کی ترتیب ایسے ہے کہ سب سے پہلے آیات، پھر قراءات، پھر اعراب کی وضاحت اور آخر پر قراءات کے قواعد لکھے گئے ہیں۔ اس تفسیر کا مختصر نام "التحصيل" ہے۔ سیوطی رحمہ اللہ نے "أعيان الأعيان" میں حمیدی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ ابو حفص احمد بن محمد بن احمد اندلسی رحمہ اللہ کی تفسیر ہے۔ وہ ۴۴۰ھ تک زندہ موجود تھے۔

* تقريب في التفسير: یہ ابو منصور محمد بن احمد الازہری اللغوی الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۷۰ھ) کی تالیف ہے۔

* تقشير التفسير: یہ ناصر الدین عالی بن ابراہیم بن اسماعیل الغزنوی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۸۲ھ) کی تالیف ہے، یہ دو جلدوں میں بڑی عمدہ تفسیر ہے۔ بیضاوی کے حواشی سے ماخوذ ایک تفسیر نور الدین احمد بن محمود القرمانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۷۱ھ) کی ہے، جو انھوں نے زہراوین (سورۃ البقرہ و آل عمران) پر لکھی تھی۔

* تلخيص البيان عن مجازات القرآن: یہ شیخ رضی الدین الغزی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

* تلخيص العبارات في القراء ات: یہ شیخ ابو علی حسن بن خلف بن عبداللہ بن ثلیمہ المقری القیروانی نزیل الاسکندریہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۱۴ھ) کی تالیف ہے۔

* التلخيص في القراءات: یہ ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد الطبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۷۸ھ) کی تالیف ہے۔

* تلخيص علل القرآن: یہ حکیم ابو الفضل حبیش بن ابراہیم التفلیسی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

* تلخيص في التفسير: یہ شیخ موفق الدین احمد بن یوسف الکواشی الموصلی الشافعی رحمہ اللہ

(المتوفی: ۶۸۰ھ) کی تالیف ہے، یہ ایک چھوٹی تفسیر ہے۔ اس میں قراء ات کو بیان کیا گیا ہے۔ وقوف کے لیے اس میں تین امور ذکر کیے گئے ہیں: تا سے تام کی طرف اشارہ ہے، حا سے حسن اور کاف سے کافی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مولف ربیع الآخر ۶۴۹ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔

❋ التمهيد في القراء ات للمالكي.

❋ التمييز لما أودعه الزمخشري من الاعتزال في تفسير الكتاب العزيز: کشاف میں اس کا ذکر آئے گا۔

❋ تناسق الدرر في تناسب السور: یہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ "الإتقان" کی باسٹھویں نوع میں اس کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا ہے:

"كتابي الذي صنفته في أسرار التنزيل كافل له، ثم لخصت منه مناسبات السور خاصة في جزء، وسميته "تناسق الدرر في تناسب السور" وعلم المناسبة علم شريف قد اعتنى المفسرون به، وممن أكثر منه الإمام فخرالدين"[1] انتهىٰ.

["أسرار التنزيل" پر جو میں نے کتاب تالیف کی ہے، وہ ایک ضخیم کتاب ہے، پھر میں نے مناسباتِ سور کو خاص طور پر ایک جزو میں خلاصہ نکال کر تحریر کیا اور اس کا نام "تناسق الدرر في تناسب السور" رکھا۔ علمِ مناسبت ایک باشرف علم ہے، مفسرین نے اس کی طرف توجہ مبذول کی ہے۔ سب سے زیادہ اس کا جس نے اہتمام کیا ہے، وہ امام فخرالدین رازی ہیں]

❋ التنبيه علىٰ إعجاز القرآن: یہ زین المشائخ محمد بن ابی القاسم البقالی الخوارزمی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۶۲ھ) کی تالیف ہے۔

❋ التنبيه علىٰ فضل علوم القرآن: یہ ابو القاسم محمد بن حبیب نیشاپوری رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

❋ تنوير الضحىٰ في تفسير والضحىٰ: یہ شیخ محمد بن محمود المغلوی الوفائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۴۰ھ)

---

[1] كشف الظنون (۱/ ۴۸۵)

کی تالیف ہے۔ مولف نے اس میں سات مطالع اور ایک مقدمہ گیارہ طبقات میں بیان کیا ہے۔

* تنویر المقباس في تفسیر ابن عباس: یہ ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۱۷ھ) کی تالیف ہے۔ یہ تفسیر چار جلدوں میں ہے۔

التوراۃ:

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنے والی کتابوں میں سے ایک کتاب ہے، جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے کلیم موسیٰ علیہ السلام پر اتارا۔ یہ کتاب عبری زبان میں ہے، لیکن یہود نے اس میں تحریف اور تبدل کر دیا ہے، خاص طور پر معربات کے نسخوں میں۔ یہ تین نسخے ہیں، جن کے الفاظ تو مختلف ہیں، مگر تھوڑے سے فرق کے ساتھ معانی ملتے جلتے ہیں:

① ان تین نسخوں میں سے ایک کا نام: "توراۃ السبعین" ہے۔ تورات کے اس نسخے پر بہتر (۷۲) احبارِ یہود نے اتفاق کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یونان کے ایک باشاہ نے یہود کے ایک بادشاہ سے مطالبہ کیا کہ وہ تورات کے حفاظ کی ایک جماعت اس کے پاس بھیجے۔ چناں چہ اس نے یونانی بادشاہ کے پاس بہتر (۷۲) احبار بھیج دیے۔ یونانی بادشاہ نے ان میں سے دو دو کو الگ الگ گھر میں بٹھا دیا اور ان کے پاس تورات لکھنے کے لیے کاتب اور ترجمان بھی بٹھا دیے۔ انھوں نے تورات کا یونانی زبان میں ترجمہ کیا، پھر بادشاہ نے تورات کے ان چھتیس ترجمہ شدہ نسخوں کا آپس میں تقابل کیا تو معلوم ہوا کہ ان کے الفاظ مختلف ہیں، مگر معنی ومفہوم ایک جیسا ہے۔ اس پر بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ ان لوگوں نے سچ بیان کیا ہے اور لوگوں کی خیرخواہی کی ہے، پھر ان نسخوں کا سریانی اور اس کے بعد عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔

② تورات کا دوسرا نسخہ قرائین اور ربانین کا نسخہ ہے۔

③ تیسرا نسخہ، نسخہ سامرہ ہے۔

علما میں سے ایک نے کہا ہے کہ میں نے معرب تورات کا مکمل مطالعہ کیا تو مجھے اس میں توحید کے علاوہ کوئی چیز نہیں ملی۔ نماز، روزہ، زکات اور بیت المقدس کا حج جیسے اعمال اس میں نہیں ہیں۔ اس میں روزِ آخرت کا ذکر ہے اور نہ جنت اور جہنم کی طرف جانے کا، شاید یہ یہودیوں کی تحریف کا

نتیجہ ہے۔ اس لیے بعض نے کہا ہے کہ تورات اور انجیل سے کوئی چیز نقل کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ ان دونوں میں تحریف ہو چکی ہے۔ اسی سلسلے میں متاخرین میں سے کسی نے یہ کتاب تالیف کی ہے:

"الأصل الأصيل في تحريم النقل من التوراة والإنجيل".

صحیح حدیث میں بھی آیا ہے:

«إِذَا حَدَّثَكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَلَا تُصَدِّقُوْهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ، وَ قُوْلُوْا: آمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ»[1]

[جب اہلِ کتاب تم سے کچھ بیان کریں تو ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب، بلکہ یوں کہو: ہم ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر]

"إرشاد القاصد" کے مولف نے لکھا ہے کہ یہود بہت سے فرقوں میں بٹ چکے ہیں، لیکن ان میں سے مشہور تین فرقے ہیں: ① ربانیین، ② قرائین، ③ سامریین۔ ان سب نے موسیٰ، ہارون اور یوشع علیہم السلام کی نبوت، تورات اور اس کے احکام پر اجماع کیا ہے، اگرچہ تورات کے احکام بدل چکے اور وہ مختلف نسخوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ ان لوگوں نے تورات کے ان نسخوں سے چھے سو سولہ (٦١٦) فرائض اخذ کیے ہیں، جن کی بنیاد پر وہ عبادت کرتے ہیں۔ ان میں سے اوامر کی تعداد بدنِ انسانی کے جوڑوں (اور ہڈیوں) کی تعداد کے برابر دو سو اڑتالیس (٢٤٨) ہے، جبکہ نواہی کی تعداد شمسی سال کے ایام کے برابر تین سو پینسٹھ (٣٦٥) ہے۔ اوامر کی نسبت نواہی کی تعداد کا زیادہ ہونا انسانی طبیعت پر خواہشات کے غلبے کی وجہ سے ہے۔

مذکورہ بالا تین فرقوں میں ربانیین اور قرائین مذکورہ بالا تین پیغمبروں کے علاوہ دیگر انبیا کی نبوتوں کا اقرار کرنے میں سامرہ فرقے سے جدا ہیں اور وہ ان انبیا سے انیس (١٩) کتابیں نقل کرتے اور تورات کے پانچ اجزا کے ساتھ ان کا اضافہ کرتے ہیں، ان چوبیس کتابوں کو "نبوات" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے چند مراتب ہیں:

◈ پہلے مرتبے میں تورات ہے، جو پانچ اجزا پر مشتمل ہے:

① پہلے حصے میں مخلوق کی ابتدا اور آدم علیہ السلام سے لے کر یوسف علیہ السلام تک تاریخ کا ذکر ہے۔

② دوسرا حصہ مصریوں کے بنی اسرائیل کو نوکر بنانے، موسیٰ علیہ السلام کے غالب آنے، فرعون کے ہلاک

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٦٤٤) مسند أحمد (١٣٦/٤) المستدرك للحاكم (٤٠٤/٣)

ہونے، قبۃ الزمان نصب کرنے، میدانِ تیہ کے احوال، اقامتِ ہارون، دس کلمات کے اترنے اور قوم کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام سننے کے ذکر کے لیے خاص ہے۔

③ تیسرے حصے میں قرابین کی اجمالی تعلیم کا ذکر کیا گیا ہے۔

④ چوتھے حصے میں قوم کی تعداد، قرعے کے ذریعے سے ان پر زمین تقسیم کرنے، موسیٰ علیہ السلام کے شام کی طرف بھیجے ہوئے رسولوں کے احوال اور من، سلویٰ اور بادلوں کی خبروں کا ذکر ہے۔

⑤ پانچواں حصہ مندرجہ ذیل چیزوں پر مشتمل ہے: اجمال کی تفصیل کے لیے تورات کے احکام کا اعادہ، ہارون علیہ السلام کی وفات، پھر موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر اور یوشع علیہ السلام کی خلافت کا بیان ہے۔

◈ تورات ثانیہ کے چار اجزا ہیں، جن کو ''اولیٰ'' کا نام دیا جاتا ہے:

① پہلا جزو یوشع علیہ السلام کے لیے ہے۔ اس میں من کے اٹھائے جانے، قربانی دینے کے بعد اناج کھانے، یوشع علیہ السلام کے کنعانیوں سے لڑنے، ان کے ملک کو فتح کرنے اور اس کو قرعے کے ذریعے سے تقسیم کرنے کا ذکر ہے۔

② دوسرا جزو ''سفرِ حکام'' کے نام سے معروف ہے۔ اس جزو میں بنی اسرائیل کے پہلے گھر میں قاضیوں کی خبروں کا ذکر ہے۔

③ تیسرا جزو شموئیل علیہ السلام سے متعلق ہے۔ اس جزو میں ان کی نبوت، طالوت کی بادشاہی اور داؤد علیہ السلام کے جالوت کو قتل کرنے کا ذکر ہے۔

④ چوتھے جزو کو "سفر الملوك" کہتے ہیں۔ اس جزو میں داؤد و سلیمان علیہما السلام وغیرہ کی بادشاہی، ملک کو اسباط کے درمیان تقسیم کرنے، ملاحم، پہلی جلا وطنی، بخت نصر کے آنے اور بیت المقدس کو ویران کرنے کی خبروں کا بیان ہے۔

◈ توراتِ ثالثہ کے چار اجزا ہیں، جن کو "الأخيرة" کا نام دیا جاتا ہے۔

① پہلا جزو شعیا علیہ السلام سے متعلق ہے۔ اس جزو میں اللہ تعالیٰ کے بنی اسرائیل کو ڈانٹنے، آیندہ کے واقعات سے ڈرانے، صبر کرنے والوں کو بشارت سنانے، دوسرے گھر کی طرف اشارہ کرنے اور ملک کو کورش کے ہاتھوں نجات دلانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

② دوسرا جزو ارمیا علیہ السلام کے لیے ہے۔ اس جزو میں صراحت کے ساتھ بیت المقدس کو ویران کرنے

اور مصر میں آباد ہونے کا ذکر ہے۔

③ تیسرا جزو حزقیل علیہ السلام کے لیے ہے۔ اس جزو میں حکم طبیعیت، فلکیتِ مرموزہ اور بیت المقدس کی شکل کا ذکر اور یاجوج ماجوج کی خبروں کا بیان ہے۔

④ چوتھا بارہ اجزا پر مشتمل ہے، جن میں جراد (مکڑی) زلازل وغیرہ کے ساتھ انذارات ہیں۔ نیز ان میں منتظر، محشر، نبوتِ یونس علیہ السلام، ان کا سمندر میں کودنا، مچھلی کا ان کو لقمہ بنانا، ان کی قوم کا توبہ کرنا، دشمن کا آنا، صلاتِ حیقوق، نبوتِ زکریا علیہ السلام، خضر علیہ السلام کے ورود کی بشارت اور یومِ عظیم کی طرف اشارات ہیں۔

◆ تورات رابعہ کو "الکتب" کہا جاتا ہے، اس کے گیارہ اجزا ہیں:

① آدم علیہ السلام سے بیتِ ثانی تک کی تاریخ اور اسباط و قبائلِ عالم کے نسب کا ذکر۔

② مزامیرِ داؤد علیہ السلام۔ ان کی تعداد ایک سو پچاس مزمور ہیں، جو موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے مطالبات اور دعاؤں کے درمیان ہیں۔

③ ایوب علیہ السلام کا قصہ۔ اس میں مباحثِ کلامیہ کا بھی بیان ہے۔

④ سلیمان علیہ السلام سے امثالِ حکمیہ کے بیان میں۔

⑤ ملوک سے پہلے حکام کی خبروں کے ذکر میں۔

⑥ سلیمان علیہ السلام کے نشائدِ عبرانیہ کے ذکر میں اور نفس و عقل کے درمیان مخاطبات کے بارے میں۔

⑦ اس جزو کو "جامع الحکمة" کہتے ہیں۔ یہ سلیمان علیہ السلام سے تعلق رکھتا ہے، اس میں لذاتِ عقلیہ باقیہ کی طلب، لذاتِ جسمیہ فانیہ کی تحقیر، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تعظیم اور اس سے ڈرتے رہنے پر برانگیخت کیا گیا ہے۔

⑧ اس جزو کو "النواح" کہا جاتا ہے، یہ ارمیا علیہ السلام سے متعلق ہے، اس میں حروف معجم پر پانچ مقالات ہیں اور بیت المقدس کی طرف بلاوا ہے۔

⑨ اس جزو میں بادشاہ اردشیر اور عید آذر کا ذکر ہے۔

⑩ یہ جزو دانیال علیہ السلام سے تعلق رکھتا ہے، اس میں بخت نصر اور اس کے بیٹے کی منامات، واقعاتِ ممالک کے رموز اور بعث و نشور کی تفسیر کا بیان ہے۔

⑪ یہ جزو عزیر علیہ السلام سے متعلق ہے، اس میں قوم کے سرزمین بابل سے بیتِ ثانی کی طرف لوٹنے اور اس کی بنا ڈالنے کا بیان ہے۔

ربانیون فرائضِ تورات کی شروح اور اس پر تفریعات میں منفرد ہیں۔ وہ ان کو موسیٰ علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں۔ تورات کی کئی شروح اور تفاسیر ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

1. شرح شیخ صاحب مہذب الدین یوسف بن ابی سعید السامری (المتوفی: ۶۲۳ھ) صاحبِ "عیون الأنباء" نے اس کا ذکر کیا ہے۔ وہ دمشق کے اطبا میں سے تھا اور بادشاہ امجد نے اسے اپنا وزیر بنا رکھا تھا۔

2. شرح شیخ صدقہ بن منجا السامری (المتوفی ۶۲۵ھ) انتھیٰ ما في کشف الظنون۔[1]

حافظ امام ابن القیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "إغاثة اللهفان" میں رقم طراز ہیں کہ وہ تورات جو اب یہود کے ہاتھ میں ہے، اس میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ آیا اس کی تاویل میں تحریف ہوئی ہے یا تنزیل (اصل نازل شدہ) میں؟ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ساری تورات یا اس کے اکثر حصے میں تبدیلی ہوئی ہے۔ بعض نے اس معاملے میں اتنا غلو کیا ہے کہ انھوں نے اس کے ساتھ استنجا کرنا جائز قرار دیا ہے۔ جب کہ اس کے مقابلے میں اہلِ حدیث، اہلِ فقہ اور اہلِ کلام کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ تبدیلی تاویل وتفسیر میں ہوئی ہے نہ کہ تنزیل میں۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ "یحرفون" کا معنی ہے "یزیلون"، کیوں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے کسی کتاب کا ایک لفظ بھی زائل نہیں کر سکتا، لیکن یہود اس کی حقیقی تاویل کے سوا دوسری تاویل کرتے ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر میں اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔

میں نے اپنے شیخ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ) سے سنا وہ فرماتے تھے کہ اس مسئلے میں فضلا کے درمیان تنازع پیدا ہو گیا ہے، ان میں سے ایک اس مذہب کو جائز قرار دیتا ہے اور اس کے سوا دوسرے مذہب کو کمزور کہتا ہے۔ جب لوگوں نے اس پر انکار کیا تو اس نے تورات کی پندرہ نقول ان کے سامنے پیش کر دیں۔

من جملہ ان لوگوں کے دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ تورات زمین کے مشارق ومغارب میں

---

[1] کشف الظنون (۱/ ۵۰٦)

پھیل چکی اور اس کے شمال وجنوب میں پہنچ چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اس کے نسخوں کی تعداد کو نہیں جانتا۔ پس اس بات پر اتفاق کرنا ناممکن ہے کہ یہ تمام نسخے اس طرح تبدیل اور متغیر ہو چکے ہوں کہ روے زمین پر ان میں سے کوئی غیر مبدل نسخہ باقی نہ رہا ہو، عقل اس کو محال جانتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [آل عمران: ۹۳]

[کہہ دو کہ لاؤ تورات، پھر اسے پڑھو اگر تم سچے ہو]

نیز یہود نے فریضہ رجم کو چھوڑنے پر اتفاق کر رکھا تھا، لیکن ان کے لیے تورات میں اس کو بدلنا ممکن نہ ہوا۔ لہٰذا جب انھوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اسے پڑھا تو پڑھنے والے نے رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس پر عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنا ہاتھ ہٹاؤ، جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو نیچے سے وہ آیتِ رجم نمودار ہو گئی۔[1]

ایک جماعت نے میانہ روی اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں تھوڑا سا اضافہ ہوا ہے اور کسی قدر تبدیلی ہوئی ہے۔ ہمارے شیخ نے بھی اپنی کتاب "الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح" میں اسی مذہب کو اختیار کیا ہے۔ اس کتاب میں وہ رقم طراز ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا:

"اذبح ولدك بكرك ووحيدك إسحٰق" [اپنے نوجوان اور اکلوتے بیٹے اسحاق کو ذبح کرو]

میں کہتا ہوں کہ اس میں لفظ "اسحاق" کا اضافہ دس وجوہ سے باطل ہے۔ پھر شیخ نے ان دس وجوہات کو بیان فرمایا ہے۔ "إغاثة اللهفان" میں وہ وجوہ درج ہیں۔ اس کے بعد حافظ ابن القیم رحمہ اللہ اس میں یوں رقم طراز ہیں کہ یہ تورات جو آج یہود کے ہاتھوں میں موجود ہے، یہ عزیر علیہ السلام کی لکھوائی ہوئی ہے۔ اس کا بہت سا حصہ تورات سے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا، پھر اُس امت نے اسے لے لیا، حتیٰ کہ اس کے ساتھ تین امور شامل ہو گئے:

۱۔ کمی وبیشی، ۲۔ اختلافِ ترجمہ، ۳۔ اختلافِ تاویل وتفسیر۔ اس کے بعد انھوں نے اس تبدیلی کی دو تین مثالیں بھی ذکر کی ہیں۔ اسی طرح حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی اسی کتاب کی دوسری

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٤٣٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٩٩)

جگہوں میں چند مستقل فصلوں کے اندر ان انواع کا ذکر کیا ہے، جن کے ساتھ شیطان نے یہودیوں کے ساتھ کھلواڑ کیا ہے۔[1]

امام قسطلانی رحمہ اللہ نے "إرشاد الساري شرح صحيح البخاري" میں ان کے اس قول: "ليس أحد يزيل لفظ كتاب من كتب الله عز وجل ولكنهم يحرفونه يتأولونه على غير تأويله" کے تحت لکھا ہے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مولف یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کا کلام ہو، جو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر پر اس کے ذیل میں لائے ہیں یا یہ آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کا باقی ماندہ حصہ ہو۔ بہت سے اہلِ علم نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کے بہت سے الفاظ کو بدل دیا ہے اور اپنی طرف سے اس میں کئی الفاظ درج کیے ہیں۔ نیز انھوں نے بہت سے معانی و مفاہیم کی غلط تاویل اور تحریف کی ہے۔

بعض کا کہنا ہے کہ انھوں نے ساری انجیل اور تورات کو بدل دیا ہے، حتیٰ کہ ان دونوں کی اصل ختم ہو چکی ہے۔ مگر یہ موقف محلِ نظر ہے، کیوں کہ ان میں بہت سی آیات و اخبار موجود ہیں، تبدیل نہیں ہوئیں۔ ان میں سے ایک یہ آیت ﴿الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ﴾ اور یہودیوں کے رجم کا قصہ ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ دونوں میں معمولی تبدیلی ہوئی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ معانی میں تبدیلی ہوئی نہ کہ الفاظ میں۔ مگر یہ موقف بھی محلِ نظر ہے، کیوں کہ ان دونوں کتابوں میں ایسے الفاظ موجود ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا سرے سے جائز نہیں ہے۔

بعض نے تورات و انجیل کی تحریر اور مطالعے میں مصروف ہونے کے عدمِ جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔ مسند احمد اور مسند بزار میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ انھوں نے کہا:

«نسخ عمر كتابا من التوراة بالعربية فجاء به إلى النبي ﷺ فجعل يقرأ، ووجه النبي ﷺ يتغير، فقال له رجل من الأنصار: ويحك يا ابن الخطاب! ألا ترى وجه رسول الله ﷺ؟ فقال رسول الله ﷺ: لا تسألوا أهل الكتاب عن شيئ، فإنهم لن يهدوكم، وقد ضلوا، وإنكم إما أن تكذبوا بحق أو تصدقوا بباطل،

---

[1] إغاثة اللهفان (٢/ ٣٥٥)

واللّٰہ لو کان موسیٰ بین أظهركم ما حل له إلا اتباعي»[1] واللفظ للبزار.

[عمر رضی اللہ عنہ نے تورات سے کچھ نقل کر کے عربی زبان میں ایک کتاب تیار کی، جسے لے کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے اور اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ اس دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ بدلنے لگا۔ ایک انصاری نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے عمر رضی اللہ عنہ! تجھ پر افسوس! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو نہیں دیکھتے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہلِ کتاب سے کسی شے کے متعلق سوال مت کرو، چوں کہ وہ خود گمراہ ہیں، اس لیے تمھیں قطعاً ہدایت نہیں دے سکتے۔ اس طرح تم یا تو حق کو جھٹلا بیٹھو گے یا باطل کی تصدیق کرو گے، اللہ کی قسم! اگر موسیٰ علیہ السلام تمھارے درمیان موجود ہوں تو ان کو بھی میری اتباع کے سوا کچھ حلال نہیں ہے]

اس موضوع پر اور بھی احادیث ہیں، مگر وہ سب ضعیف ہیں، لیکن ان سب کا مجموعہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل ضرور ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں یوں رقمطراز ہیں کہ اس سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے، تحریمی نہیں۔ اس مسئلے میں بہتر بات یہ ہے کہ اس میں فرق کیا جائے کہ وہ شخص جو ایمان میں پختہ نہ ہو، اس کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ کرنا جائز نہیں ہے اور وہ جو ایمان میں راسخ ہے، خاص طور پر جب مخالف کا رد کرنے کی ضرورت ہو، اس کے لیے یہ مباح ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قدیم و جدید دور کے ائمہ نے تورات کے حوالے نقل کیے ہیں اور انھیں کی کتابوں سے نکال کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کو ان پر لازم قرار دیا ہے۔ رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر غصہ کرنے سے اس کی حرمت پر دلیل بنانا تو یہ استدلال مردود ہے، کیوں کہ کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مکروہ فعل اور خلافِ اولیٰ کام پر بھی غضب فرماتے، جب وہ فعل کسی کے لیے لائق نہ ہوتا، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کے نماز میں لمبی قراءت کرنے پر غصہ فرمایا تھا۔[2] انتهیٰ کلامه.

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب "الفوز الکبیر" میں رقم طراز ہیں کہ یہودی

[1] مسند أحمد (۳/ ۳۳۸) اس کی سند میں "مجالد بن سعید" ضعیف ہے۔

[2] إرشاد الساري (۱۰/ ۴۷۰) نیز دیکھیں: فتح الباري (۱۳/ ۵۲۶)

تورات پر ایمان رکھتے تھے، لیکن ان کی گمراہی یہ تھی کہ انھوں نے احکامِ تورات میں تحریف کی تھی، خواہ وہ تحریف لفظی تھی یا معنوی۔ نیز وہ بعض آیات چھپاتے اور کچھ من گھڑت باتیں اس میں شامل کر دیتے۔ احکام کی پابندی میں تساہل برتتے اور مذہبی تعصب میں بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کی رسالت کو دور از قیاس بتاتے اور آپ ﷺ کی شان میں بے ادبی اور طعن کرتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہتے تھے۔ وہ بخل و حرص جیسی برائیوں میں بھی مبتلا تھے۔ وہ تورات وغیرہ کے ترجمے میں تحریفِ لفظی کا ارتکاب کرتے تھے، اصل میں نہیں۔ اس فقیر کے نزدیک یہی بات صحیح ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی ہے۔

تحریف معنوی، تاویل فاسد کو کہتے ہیں۔ یعنی سینہ زوری کے ساتھ کسی آیت کے معنی اس کے اصل معنی سے ہٹ کر بیان کرنا اور اس طرح سیدھی راہ چھوڑ کر کسی دوسری طرف کترا جانا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ہر مذہب میں دین دار، فاسق اور منکر کافر کے درمیان فرق واضح کر دیا گیا ہے۔ مثلاً کافر کے بارے میں یہ حکم لگایا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ سخت عذاب میں ہی مبتلا رہے گا اور فاسق آدمی انبیا کی شفاعت سے دوزخ سے نکل آئے گا۔ پھر اس ضمن میں ہر مذہب نے اپنے پیروں کا نام ظاہر کر کے اس سے آگاہ کیا ہے۔ چناں چہ تورات میں یہودی اور عبری فاسق کو شفاعت سے متمتع ہونے کا بتایا گیا ہے، انجیل میں نصرانی کو اور قرآن مجید میں مسلمانوں کو۔

حقیقت یہ ہے کہ اس فیصلے کا انحصار اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان اور اس نبی کی اطاعت پر ہے، جو کسی قوم کی طرف بھیجا گیا ہو۔ نیز اس کی شریعت پر عمل کرنے اور ممنوعات سے بچنے پر ہے۔ کسی فرقے کی ذاتی خصوصیت کی بنا پر نجات نہیں ہو سکتی۔ مگر یہودیوں کا گمان ہے کہ یہودی اور عبری دونوں ضرور جنت میں داخل ہوں گے اور انبیا کی شفاعت انھیں نصیب ہوگی۔ گویا وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ان کا ایمان صحیح نہ بھی ہو اور آخرت و رسالت پر ایمان کا کچھ حصہ وہ نہ بھی رکھتے ہوں، تب بھی وہ کچھ دنوں دوزخ میں رہ کر انبیا کی شفاعت سے نجات پا جائیں گے، حالاں کہ یہ خیال بالکل غلط اور محض جہالت ہے۔ چناں چہ قرآن مجید اگلی کتابوں کا محافظ اور ان کے مشکل مقامات کو واضح کرنے والا ہے، اس لیے اس نے اس شبہے سے پردہ اٹھا دیا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [البقرة: ٨١]

[کیوں نہیں! جس نے بڑی برائی کمائی اور اسے اس کے گناہ نے گھیر لیا تو وہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں]

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ ہر مذہب میں اس کے زمانے کے مصالح کے مناسب احکام دیے گئے اور قانونِ شریعت بنانے میں قوم کی عادات و اطوار کا لحاظ رکھا گیا اور اس پر ہمیشہ اعتقاد رکھنے اور عمل کرنے کی تاکید کی گئی۔ پھر انہی پر سچائی کو منحصر رکھا تو اس سے مراد صرف یہ تھی کہ اس زمانے میں سچائی صرف انہی باتوں پر منحصر ہے۔ وہاں ہیشگی سے مراد ظاہری ہیشگی تھی نہ کہ حقیقی ہیشگی۔ یعنی مطلب یہ تھا کہ جب تک دوسرا نبی نہ آئے اور اس کے چہرۂ نبوت سے پردہ نہ اٹھ جائے۔ تب تک ہمیشہ ان احکام پر عمل واجب ہوگا۔ مگر یہودیوں نے اس ظاہری ہیشگی سے یہ سمجھ لیا کہ یہودیت منسوخ ہونے کے لائق نہیں ہے، حالاں کہ یہودیت کی پیروی کی وصیت ایمان اور اعمالِ صالحہ پر قائم رہنے کے لیے کی گئی تھی۔ اس مذہب کی کوئی ذاتی خصوصیت معتبر نہیں، مگر ان لوگوں نے خصوصیت کا اعتبار کر کے یہ گمان کر لیا کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت ہی کی وصیت فرمائی تھی۔

تیسری مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ملت میں انبیا اور ان کے تابعین کو مقرب اور محبوب کا لقب بخشا ہے اور جن لوگوں نے ملت کا انکار کیا، ان کی مذمت برے الفاظ میں کی ہے۔ دونوں صورتوں میں ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، جو ان کی قوم میں مستعمل تھے، تو اگر محبوب کے بجائے ابن کہہ دیا تو تعجب نہ ہونا چاہیے، مگر اس سے یہودیوں نے یہ خیال کر لیا کہ یہ شرف صرف یہودی، عبری اور اسرائیلی ناموں کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ نہ سمجھا کہ اس سے مراد اطاعت، خضوع اور اللہ کی مرضی کے مطابق چلنا ہے، جس کے لیے اس نے انبیا مبعوث فرمائے ہیں۔

اس طرح کی بہت سی فاسد تاویلیں ان کے دلوں میں جڑ پکڑ چکی تھیں، جنھیں وہ اپنے آبا و اجداد سے سنتے چلے آتے تھے۔ قرآن مجید نے پوری طرح ان باتوں کی قلعی کھول دی۔

کتمانِ آیات:

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہودی تورات کی اصل آیات اس وقت چھپاتے تھے، جب کسی معزز

آدمی کی عزت محفوظ رکھنی ہوتی، یا سرداری حاصل کرنا مقصود ہوتا۔ اس چھپانے کا مقصد یہ ہوتا کہ عوام کا اعتقاد اٹھ نہ جائے اور آیات کے مطابق عمل نہ کرنے پر وہ ملامت کا نشانہ نہ بنیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ تورات میں زانی کو سنگسار کرنے کا حکم دیا گیا تھا، مگر یہودی علما نے اتفاق رائے سے اس سزا کو موقوف کر کے اس کی جگہ درے مارنے اور منہ کالا کرنے کی سزا تجویز کر دی تھی، اس لیے رسوائی کے خوف سے اصل حکم کو چھپا رکھا اور خود ساختہ حکم کو اس کی جگہ دے دی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ یہودیوں نے تورات کی ان آیات کی فاسد تاویل کی، جن میں ہاجر اور اسماعیل علیہما السلام کو بشارت دی گئی ہے کہ ایک نبی ان کی اولاد میں مبعوث ہوگا۔ پھر ایک ایسی ملت کا ذکر کیا، جس کا ظہور و اشاعت سرزمین حجاز میں ہوگی، اس کی لبیک سے عرفات کی پہاڑیاں گونج اٹھیں گی اور ہر سمت سے لوگ اس مقام کی زیارت کو آئیں گے۔ یہ باتیں اب تک تورات میں موجود ہیں، مگر یہودی ان کی تاویلِ فاسد یوں کرتے ہیں کہ یہ تو صرف اس ملت کے آنے کی خبر ہے، اسے اختیار کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ وہ کہا کرتے تھے: "مَلْحَمَةٌ كُتِبَتْ عَلَيْنَا" [ہمارے اوپر جنگ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف) لکھی گئی ہے] چوں کہ اس کمزور تاویل کو کوئی سنتا اور نہ کوئی اسے صحیح مانتا، اس لیے وہ آپس میں ایک دوسرے کو اسے چھپانے کی وصیت کرتے اور خاص و عام پر اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ قرآن مجید نے ان کا یہ راز فاش کرتے ہوئے فرمایا:

﴿أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ﴾ [البقرة: ٧٦]

[کیا تم انھیں وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں، تا کہ وہ ان کے ساتھ تمھارے رب کے پاس جھگڑا کریں، تو کیا تم نہیں سمجھتے؟]

افسوس! یہ یہودی کتنے جاہل تھے! اللہ تعالیٰ نے ہاجر اور اسماعیل علیہما السلام پر احسانِ عظیم فرمایا اور ان کی ملت کو اتنا بڑا شرف بخشا تو کیا اس سے ان کے دین کو اختیار کرنے کی تحریک و ترغیب سمجھ میں نہیں آتی؟ سبحانك هذا بهتان عظيم.

افترا:

یہودی علما اور مشائخ میں حد درجے کا تشدد تھا۔ وہ شارع کی تشریح کے بغیر ہی کسی مصلحت کی بنا پر بعض احکام گھڑ لیتے۔ ان بے ہودہ احکام کو پہلے رواج دیتے، پھر انھیں اصل کتاب میں ملا دیتے

اور دعویٰ کرتے کہ ان کے اسلاف کا ان پر اتفاق رہا ہے، اس لیے یہ قطعی دلیل ہے۔ چناں چہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار جو انھوں نے کیا، اس کی سند سلف کے اقوال کے سوا اور کوئی نہیں تھی۔ یہی حال دیگر احکام کا تھا۔ تورات کے احکام پر عمل کرنے میں تساہل اور بے پروائی اور بخل و حرص کا سبب نفسِ امارہ کا اقتضا تھا۔ نفسِ امارہ بلا شبہہ ہر شخص پر غالب ہے۔ إلا ما شاء اللّٰه. چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ﴾ [یوسف: ۵۳]

[بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے، مگر جس پر میرا رب رحم کرے]

اس رذیلت نے اہلِ کتاب میں ایک اور رنگ پیدا کیا تھا۔ وہ یہ کہ تاویلِ فاسد سے وہ اپنے مطلب کی بات کو صحیح ثابت کرنے پر زور لگاتے اور اسے شرعی مسئلے کی صورت میں ظاہر کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو بعید از قیاس کہنے کا سبب وہ اختلاف ہے جو انبیا کی عادات و احوال میں پایا جاتا ہے، مثلاً کسی کا زیادہ نکاح کرنا یا کسی کا کم۔ اسی طرح دوسرے امور میں اختلاف اور شریعتوں میں اختلاف، انبیا کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے طریقے کا اختلاف۔ ان کے علاوہ ایک یہ سبب بھی تھا کہ رسول اللہ ﷺ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں مبعوث ہوئے، حالاں کہ تمام انبیا بنی اسرائیل سے ہوتے رہے۔

نبوت دراصل نفوسِ عالم کی اصلاح اور ان کی عادات وعبادات کو مہذب بنانے کے لیے ہوتی ہے، وہ نیکی اور بدی کے اصول ایجاد نہیں کرتی۔ عبادت نظامِ معاشرت اور نظامِ تمدن میں ہر قوم کی مخصوص عادتیں (یا رسمیں) ہوتی ہیں۔ جب اس قوم میں کوئی نبی آتا ہے تو یک بارگی ان کی ساری رسمیں ختم کر کے ان کی جگہ دوسری نئی رسمیں نہیں لے آتا، بلکہ وہ رسموں کو جانچتا ہے۔ جو باقاعدہ اللہ تعالیٰ کی رضا و منشا کے موافق ہوتی ہیں، انھیں رہنے دیتا ہے اور جو اس کے خلاف ہوتی ہیں، ان میں ضرورت کے مطابق ترمیم کر دیتا ہے۔

تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ میں بھی قوم کے گرد و پیش کے احوال و واقعات پیش کیے جاتے ہیں، جنھیں عام طور پر لوگ جانتے بوجھتے ہیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کی وجہ سے انبیا کی شریعتوں میں اختلاف ہے۔ اس اختلاف کی مثال یہ ہے، جیسے ایک طبیب دو مریضوں کا علاج کرتا ہے، ایک کے لیے ٹھنڈی دوا اور ٹھنڈی غذا تجویز کرتا ہے اور دوسرے کے لیے گرم دوا اور گرم غذا۔ غرض دونوں

صورتوں میں ایک ہی ہوتی ہے اور وہ یہ کہ طبیعت اصلاح پذیر ہو اور مرض زائل ہو جائے۔ اسی طرح ہر ملک میں دوا اور غذا اس ملک کے طبعی حالات کے موافق ہوتی ہے اور دوسرے ملک میں مختلف۔ لہٰذا ہر موسم میں اس کے موافق تدبیر اختیار کی جاتی ہے۔

حکیم مطلق کی ایسی ہی شانِ حکمت ہے۔ جب اس نے چاہا کہ نفسانی امراض کے مریضوں کا علاج کرے، ان کی طبیعت اور ملکی قوت کو قوی کر کے تمام خرابیوں کو زائل کر دے تو اس نے مختلف معالجے ہر زمانے کے مختلف اقوام کے مناسب تجویز فرمائے اور اس کے ساتھ ان کی عادات (رسوم) اور مسلمات کو مد نظر رکھا۔[1] انتھیٰ کلامه بلفظه.

یہ ہے تورات، اس کی حقیقتِ تحریف اور احوالِ یہود کا اجمالی بیان۔ بعض مورخینِ اسلام نے احوالِ تورات کے بیان میں اختصار کی راہ اختیار کی ہے اور بعض نے طوالت سے کام لیا ہے۔ حافظ ابو الفدا اسماعیل بن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ کے آغاز میں تورات اور اس کے تین نسخے ہونے کا ذکر کیا ہے۔ یہ تاریخ مشہور ہے اور قاہرہ مصر میں طبع ہوئی ہے۔ راقم الحروف نے اس کے مطالعے کو بہت مفید پایا ہے۔

چوں کہ فرمانِ حمید میں تورات، انجیل اور زبور کا بہت زیادہ ذکر ہوا ہے اور مختلف قسم کے مناظروں میں ان کو کام میں لایا گیا ہے تو ان کتابوں کا اس کتاب میں ذکر کرنا مناسب محسوس ہوا، اس لیے کہ قرآن مجید کے فہم میں اس کا دخل ہے اور ایک چیز سے دوسری چیز کو سمجھا جاتا ہے۔ رہی زبور تو اس کا بیان حرفِ زا میں آئے گا۔ انتظار کیجیے۔

* التوسط بين الأخفش وثعلب في التفسير: یہ ابن درستویہ عبداللہ بن جعفر النحوی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۴۷ھ) کی تالیف ہے۔
* توضيح المشكل في القراءات: یہ ابو عثمان سعید بن محمد المعروف بابن الحداد القیروانی رحمہ اللہ (المتوفی شہیداً ۳۰۲ھ) کی تالیف ہے۔
* التهذيب في التفسير: یہ ابو سعد محسن بن کرامہ جشمی بیہقی رحمہ اللہ کی چند جلدوں میں تالیف ہے۔ مفسر نے پہلے قراءت، پھر لغت، پھر اعراب، پھر معنی اور پھر احکام تحریر کیے

[1] الفوز الكبير (ص: ٢٦۔ ٣٢)

ہیں۔ ملا کاتب رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"رأيت منها نسخة مكتوبة مؤرخة ٦٥٢ھ بسنة"[1]

[میں نے ۶۵۲ھ میں اس کا لکھا ہوا نسخہ دیکھا ہے]

* تيسير فاتحة الإناب في تفسير فاتحة الكتاب: یہ مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۱۷ھ) کی تالیف ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله الذي جعل الحمد مفتتح كلامه...... الخ"

* التيسير في علم التفسير: یہ نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد النسفی الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی بہ سمرقند ۵۳۷ھ) کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أنزل القرآن شفاءا...... الخ" مولف نے اس کتاب کے خطبے میں قرآن مجید کے ایک سو نام ذکر کیے ہیں، پھر تفسیر اور تاویل کی تعریف کی، پھر مقصودِ کلام پر بات شروع کرتے ہوئے آیات کی تفسیر بالقول شروع کی اور اس فن کی مبسوط کتابوں سے پورے بسط و تکمیل کے ساتھ بیان کیا۔

* التيسير في التفسير: یہ امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری رحمہ اللہ (المتوفی ۴۶۵ھ) کی تالیف ہے، یہ نہایت عمدہ تفسیر ہے۔

* التيسير في علم التفسير: یہ محی الدین محمد بن سلیمان الکافیجی الحنفی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مولف یہ سوچ کر فخر کیا کرتے تھے کہ اس جیسی تحریر پہلے کبھی نہیں لکھی گئی۔ شاید مولف نے زرکشی رحمہ اللہ کی کتاب "البرھان" نہیں دیکھی۔ اگر وہ اس کو دیکھ لیتے تو وہ ایسا دعویٰ کرنے سے شرم و حیا محسوس کرتے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أنزل القرآن رحمة للأنام ......الخ" مولف نے اس کتاب کو دو ابواب اور ایک خاتمے پر مرتب کیا ہے اور اس میں امیر تمر یغا ظاہری کا نام لیا ہے۔

* التيسير في القراءات السبع: یہ امام ابو عمرو عثمان بن سعید بن عثمان الدانی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۴۴ھ) کی تالیف ہے۔ اس کی ابتد یوں ہوتی ہے: "الحمد لله المنفرد

[1] كشف الظنون (١/ ٥١٥)

بالدوام......الخ“ یہ ایک مختصر تفسیر ہے، جو قراے سبعہ کے مذاہب پر مشتمل ہے۔ تلاوت کرنے والوں کے ہاں جو روایات اور طرق مشہور و منتشر ہیں اور ائمہ متقدمین کے ہاں جو کچھ صحیح ثابت ہے، مولف نے قرا میں سے ہر ایک سے دو روایتیں ذکر کی ہیں۔

اس تفسیر کی ایک شرح ہے، جو ابو محمد عبدالواحد بن محمد باہلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۰۵ھ) کی تحریر کردہ ہے۔ اس کی ایک اور شرح ہے، جو عمر بن قاسم انصاری رحمہ اللہ مشہور بالمنشار کی تالیف ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: ”الحمد لله میسر کل عسیر......الخ“ اور اس کا نام: ”البدر المنیر“ ہے۔ پھر امام شمس الدین محمد بن محمد بن جزری شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۳۳ھ) نے ان میں تین قراء توں کا اضافہ کر کے ایک کتاب لکھی، جس کا نام: ”تحبیر التیسیر“ رکھا۔ اس کتاب کا آغاز یوں ہوتا ہے: ”الحمد لله علیٰ تحبیر التیسیر......الخ“ انھوں نے کہا ہے کہ چوں کہ کتاب ”التیسیر“ کتبِ قراءات میں سب سے زیادہ صحیح کتاب تھی اور باقی مختصرات کے بجائے اس کی شہرت کا سبب شاطبی رحمہ اللہ کا اسے اپنے قصیدے میں منظوم ذکر کرنا تھا۔[1] انتہیٰ.

* التیسیر في القراءات: یہ ابو العباس احمد بن عمار المہدوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۰ھ) کی تالیف ہے۔ جعبری رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا اور اس کے متعلق کہا ہے: ”التیسیران الکبیر والصغیر“

باب الثاء المثلثة

* ثواب القرآن: یہ امام حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* ثواقب التنزیل: یہ مولوی علی اصغر قنوجی بن شیخ عبدالصمد حنفی رحمہ اللہ (المتوفی سنہ ۱۱۴۰ھ) کی تفسیر ہے۔ شیخ کے نسب میں ایک صدیقی تھا، جن کے اسلاف میں سے ایک عماد الدین کرمانی صاحبِ فتاوی عمادیہ ہیں۔ وہ کرمان سے ہندوستان آئے اور شہرِ قنوج میں رہایش پذیر ہوئے۔ قِنَّوج سِنَّور کے وزن پر ہندوستان کے شہروں میں سے ایک قدیم شہر ہے۔قاموس میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔[1] مولوی مذکور ملا لطف اللہ کردی رحمہ اللہ کے شاگرد اور ملا احمد جیون رحمہ اللہ کے ہم سبق تھے۔ ان کی یہ تفسیر حسنِ ایجاز اور معنوی افادیت میں تفسیرِ جلالین کی طرح عربی میں ہے۔ راقم الحروف کا تعلق بھی اہلِ قنوج کے ساتھ رہا ہے، اگرچہ فی الحال وہ زمانے کی گردش کے پیشِ نظر شہرِ بھوپال میں سکونت پذیر ہے۔

كَأَنْ لَّمْ يَكُنْ بَيْنَ الْحُجُوْنِ إِلَى الصَّفَا أَنِيْسٌ وَلَمْ يَسْمُرْ بِمَكَّةَ سَامِرُ

[گویا حجون سے لے کر صفا تک کوئی انیس (جس سے انس حاصل ہو) نہیں اور مکے میں رات کے وقت کوئی باتیں کر کے دل بہلانے والا نہیں ہے]

بَلْ نَحْنُ كُنَّا أَهْلَهَا فَأَبَادَنَا صُرُوْفُ اللَّيَالِيْ وَالْخُطُوْبُ الزَّوَاجِرُ

[کیوں نہیں! ہم بھی وہاں کے باسی ہوا کرتے تھے، انقلابِ زمانہ اور سخت قسم کی پریشانیوں نے ہمیں ہلاک کر دیا]

میر آزاد بلگرامی رحمہ اللہ کا مولوی مذکور رحمہ اللہ کی وفات پر کہا ہوا مندرجہ ذیل مصرع تاریخ کا حصہ بن گیا:

شد نہاں آفتاب صبحِ علوم

[صبحِ علوم کا آفتاب غروب ہو گیا]

---

[1] القاموس المحيط (ص: ۲۰۳)

باب الجیم

* جامع أحكام القرآن والمبين لما تضمنه من السنة وآي الفرقان: یہ شیخ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر بن فرج الانصاری الخزرجی القرطبی المالکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۷۱ھ) کی تالیف ہے۔ چند جلدوں میں یہ ضخیم کتاب ''تفسیر قرطبی'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے: ''الحمد لله المبتدئ بحمد نفسه قبل أن يحمده حامد......الخ'' اس تفسیر کو سراج الدین عمر بن علی بن الملقن الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۴ھ) نے مختصر لکھا ہے۔ ''موضوعات العلوم'' کے مولف ابوالخیر پر اس کی اصل ملتبس ہوگئی، چناں چہ اس نے اس کو محمد بن یوسف انصاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۳۱ھ) کی طرف منسوب کر دیا۔
* جامع الأسرار في التفسير: یہ شیخ عبدالمحسن بن سلیمان الکورانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جو اس صدی میں روضۂ رسول اللہ ﷺ پر مدرس ہیں۔ اس کتاب کا آغاز ان الفاظ میں ہوتا ہے: ''الحمد لله الذي كان ولم يكن معه شيئ من الأكوان......الخ'' مولف نے اس میں ذکر کیا ہے کہ یہ ظاہر و باطن کی ایک جامع تفسیر ہے، جو بعض بھائیوں کے مطالبے پر تحریر کی گئی ہے۔ مولف نے سورۃ الاعراف تک لکھ کر یہ تفسیر سلطان مراد رابع کی خدمت میں ارسال کر دی۔
* الجامع الأكبر والبحر الأزخر في القراءات: یہ شیخ ابوالقاسم عیسیٰ بن عبدالعزیز اللخمی الاسکندری المقری رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۲۹ھ) کی تالیف ہے۔ یہ متقدمین کی کتابوں میں سب سے زیادہ مواد والی کتاب ہے۔ یہ کتاب سات ہزار باسند روایات اور وجوہِ قراءات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ماہِ رجب میں ان کے گھر واقع ثغر اسکندریہ میں ان پر پڑھی گئی۔
* جامع الأنوار في التفسير: یہ شیخ تاج الدین ابراہیم بن حمزہ الادرنوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۰۹ھ) کی تالیف ہے۔ وہ جامع نقطہ جی میں واعظ تھے۔

* جامع البيان في القراءات السبع: یہ ابوعمرو عثمان بن سعید الدانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۴۰ھ) کی تالیف ہے۔ اس موضوع کی تصنیفات میں سے یہ سب سے اچھی تصنیف ہے۔ یہ پانچ سو سے کچھ اوپر روایات اور طرق پر مشتمل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مولف نے اس کتاب میں وہ تمام کچھ ذکر کر دیا، جس کا وہ علم رکھتا تھا۔
* جامع البيان في تفسير القرآن: یہ شیخ نورالدین السید معین بن السید صفی الدین رحمہ اللہ (المتوفی بمکۃ ۸۸۹ھ) کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: ''الحمد لله الذي أرسل رسوله بالهدىٰ و دين الحق......الخ'' مولف نے ۸۷۰ھ کے اندر مکہ معظّمہ میں اس کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔
* جامع التأويل لمحكم التنزيل: یہ محمد بن بحر الاصبہانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۲ھ) کی تالیف ہے۔ یہ چودہ جلدوں پر محیط معتزلہ کے مذہب کے مطابق ایک ضخیم تفسیر ہے۔
* الجامع الحريز الحاوي لعلوم كتاب الله العزيز: یہ بدیع الدین احمد بن ابی بکر بن عبدالوہاب القزوینی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ یہ ۶۲۵ھ میں سیواس میں موجود تھی۔
* الجامع الكبير في معالم التفسير: یہ امام ناصر الدین البستی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* الجامع الكبير في التفسير: یہ ابوالحسن علی بن عیسیٰ النحوی الرمانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* الجامع في التفسير: یہ قوام السنہ ابو القاسم اسماعیل بن محمد اصبہانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۳۵ھ) کی تین جلدوں میں ایک مبسوط تفسیر ہے۔
* الجامع في القراءات العشر وقراءة الأعمش: یہ ابوالحسن علی بن محمد بن علی بن فارس خیاط بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۰ھ) کی تالیف ہے۔ نیز ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰ھ) کی بھی اس نام سے تالیف ہے، جو ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس میں بیس سے کچھ اوپر قراءتیں ذکر کی گئی ہیں اور مولف نے اس کا نام ''الجامع'' رکھا ہے۔ شیخ نصر بن عبدالعزیز بن احمد فارسی شیرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۷۱ھ) کی بھی دس قراءتوں میں جامع نام کی ایک کتاب ہے۔ اسی طرح شیخ کمال بن فارس رحمہ اللہ کی سات قراءتوں پر ایک جامع ہے۔

* جماع أبواب وجوه قراءة القرآن: یہ ابوبکر احمد بن حسین البیہقی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* الجمان في تشبيهات القرآن: یہ ابو القاسم عبداللہ اور یہ بھی کہا جاتا ہے عبدالباقی بن محمد بن حسین المعروف بابن باقیا رحمہ اللہ (المتوفی سنہ ۴۸۵ھ) کی تالیف ہے۔
* جمائل الزهر في فضائل السور: یہ امام سیوطی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس میں صحاح کی وہ روایات لائے ہیں، جو موضوع نہیں ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب "الإتقان" میں اس کا ذکر کیا ہے۔
* جمع الأصول: یہ قراءات ہمزیہ میں شاطبیہ کی طرح ہے۔ یہ شیخ زین العابدین ابو الحسن علی بن ابو سعید الدیوانی الواسطی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ مولف نے اس میں دس قراء توں کو جمع کیا ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "بدأت وقد فوضت أمري مبسملا......الخ" موصوف ۶۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۴۳ھ میں وفات پائی۔
* جمع الرعاية في القراءة.
* جوامع التبيان في التفسير: یہ سید الفاضل معین الدین محمد بن عبدالرحمٰن الایجی الصفوی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أرسل رسوله بالهدیٰ......الخ" اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے والد نے سورۃ الانعام تک یہ تفسیر لکھی، اس کے بعد ان کو کہا کہ تم اس تفسیر کو مکمل کرنے پر مامور ہو۔ ناچار انھوں نے ملتزم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے استخارہ کیا۔ روضۂ شریف میں ماہِ جمادی الآخر سنہ ۹۰۴ھ کو یہ کام شروع کیا اور ماہِ رمضان ۹۰۵ھ کو اسے مکمل کیا۔

اس تفسیر میں ان کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انھوں نے کہا:

آگاہ رہو! اکثر تفاسیر میں جو مواد موجود ہے، وہ تمھیں اس تفسیر میں مل جائے گا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ تمھیں اس میں ایسے نفیس معانی بھی دیکھنے کو ملیں گے، جو اکثر تفسیروں میں نہیں ہیں۔ نیز تم اس بات کا مشاہدہ کرو گے کہ زمخشری رحمہ اللہ اور اس کی ڈگر پر چلنے والے سب مفسرین نے اس معنی کو ذکر کرنے سے اعراض کیا ہے، جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، کیوں کہ وہ اس

کی لفظی یا معنوی مناسبت کو سمجھ نہیں پائے اور اگر انھوں نے ان کو نقل کیا بھی ہے تو آخری امر کے طور پر اور وہ بھی تمریض کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

مگر ہماری اس تفسیر میں اس ہستی سے ثابت شدہ معانی پر اعتماد کیا گیا ہے، جس ہستی پر کتاب نازل کی گئی ہے۔ ہم نے اس میں کچھ درج کرنے سے پہلے کامل تتبع کیا ہے۔ چناں چہ میں اس مسئلے میں روایت پر نقد کرنے والے شیخ عماد الدین بن کثیر رحمہ اللہ کے نقل پر اعتماد کرتا ہوں۔ انھوں نے اپنی اس تفسیر میں روایت کی تصحیح میں بہت تحقیق کی ہے اور اس کی کمزوری کو خوب بیان کیا ہے۔ اگر میں نے ان کی اور محی السنہ بغوی رحمہ اللہ کی تفسیر میں کوئی اختلاف پایا تو میں نے ان لوگوں کی کتابوں کا خوب تتبع کیا، جن کو تصحیحِ روایت میں ید طولیٰ حاصل ہے۔

پھر میں نے ان روایات کو درج کیا جن کو انھوں نے راجح قرار دیا، لیکن میں ابن کثیر رحمہ اللہ کے کلام پر اعتماد کرتا ہوں، کیوں کہ وہ تصحیح کے معاملے میں متاخر اور اس کی طرف کافی توجہ کرنے والے ہیں۔ جب کہ محی السنہ رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اس امر کے درپے بھی نہیں ہوئے، بلکہ وہ تو اس میں وہ معانی اور حکایات ذکر کرتے ہیں، جن کے ضعیف بلکہ موضوع ہونے پر اہلِ علم نے اتفاق کیا ہے۔

رہی وہ احادیث جو ہماری تفسیر میں مذکور ہیں، ان میں سے اکثر صحاح ستہ کی روایات ہیں۔ نیز آپ کو اس کے حاشیے پر ان کی تخریج بھی مل جائے گی۔ اس میں ہم نے جو معنی "أو" کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا ہے تو وہ معنی سلف کا کیا ہوا ہے اور جو معنی "قیل" کے ساتھ بیان ہوا ہے تو وہ اکثر متاخرین کی مخترعات سے تعلق رکھتا ہے، جن کو پانے میں ہم کامیاب ہوئے ہیں۔

جہاں تک وجہ اعراب کا تعلق ہے تو میں نے صرف زیادہ ظاہر ہی کا انتخاب کیا ہے اور جہاں میں نے دو یا زیادہ وجہیں ذکر کی ہیں تو وہ دراصل ایک نکتے کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ میں نے تنقیحِ کلام میں بہت جد و جہد سے کام لیا ہے۔

رہے میری اس کتاب کے مآخذ تو وہ المعالم، الوسیط، تفسیر ابن کثیر، تفسیر نسفی، تفسیر الکشاف مع اس کی شروح کے، الکشف، شرح المحقق التفتازانی اور تفسیر بیضاوی ہیں۔ آپ کو کم ہی کوئی ایسی آیت ملے گی، مگر میں نے اشکال کو رفع دفع کرنے کے لیے اس قول کی تحقیق کے لیے اس کی تفسیر میں مختصر عبارت کے ساتھ اشارہ کر دیا یا میں نے اکثر جگہوں میں لطیف اشارہ کرتے ہوئے حاشیے میں اس کی

وضاحت کر دی۔ اس کام کے آغاز اور اختتام میں دو سال اور تین ماہ کا عرصہ لگا، تب میری عمر چالیس برس تھی۔ انتھیٰ.

شاید مولف نے جو مدت پہلے ذکر کی ہے وہ اس کا مسودہ تیار کرنے کی مدت تھی، پھر اس نے اس (دوسری) مدت میں اس کے مسودے کو صاف کر کے لکھا۔

❊ جوامع الجامع في التفسير: یہ شیخ ابو علی الطرطوشی رحمہ اللہ صاحب مجمع البیان کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أكرمنا بكتابه الكريم......الخ"

❊ جواهر التفسير لتحفة الأمير: یہ شیخ حسین بن علی الکاشفی الواعظ رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۰۶ھ) کی فارسی تالیف ہے۔ مولف نے امیر علی شیر کے لیے یہ تفسیر لکھی تھی۔ یہ ایک ضخیم جلد میں زہراوین (سورۃ البقرہ و آلِ عمران) کی تفسیر ہے۔ مولف نے اس کتاب کے شروع میں تفسیر سے متعلقہ علوم کا ذکر کیا ہے، جو بائیس فن ہیں جن کو چار فصلوں میں بیان کیا ہے، نیز تفسیر و تاویل وغیرہ کو بیان کیا ہے۔

❊ الجواهر الحسان في تفسير القرآن: یہ شیخ ابو زید عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف الثعالبی الجزائری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۷۵ یا ۸۷۶ھ) کی تالیف ہے، جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله رب العالمين، وصلوات ربنا وسلامه على سيدنا محمد خاتم النبيين......الخ" مولف نے اپنی اس کتاب میں تفسیر ابن عطیہ، تفسیر ابی حیان اور تفسیر اعراب سفاقسی کا خلاصہ نکال کر بیان کیا ہے اور ان سب کے لیے ایک رمز اور اشارہ مقرر کیا ہے۔ یہ ایک نفیس تفسیر ہے۔ ملا کاتب رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"ملكت نصفه الأول بحمد الله سبحانه" انتھیٰ.

[بحمد اللہ میں اس کے پہلے نصف حصے کا مالک ہوں]

❊ الجواهر الفاخرة في القراءات.

❊ جواهر القرآن: یہ حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۵ھ) کی تالیف ہے۔ مولف نے اس میں علوم و اعمال کو ظاہر و باطن اور محمود و مذموم چار قسموں میں

بیان کیا ہے، ان میں سے ہر قسم دس اصول کی طرف راجح ہے۔ یہ زبدۂ قرآن پر مشتمل ہے۔

* الجواهر في علم التفسير: یہ جلالین سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) کی تالیف ہے۔ انھوں نے شیخ عبدالعزیز بن عبدالواحد مدنی رحمہ اللہ کے لیے نظم کی شکل میں اس کو تحریر کیا۔

* جواهر الدقائق في القراءات.

* الجواهر في القراءات العشرة: یہ شیخ جمال الدین حسین بن علی الحصنی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جو انھوں نے ۹۶۱ھ میں تالیف کی۔

باب الحاء المهملة

* حاصل كورة الخلاص في فضائل سورة الإخلاص: یہ مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی صاحب القاموس رحمہ اللہ (المتوفی ۸۱۷ھ) کی تالیف ہے۔
* الحجلة الواضحة في أن البسملة ليست من الفاتحة: یہ قاضی ابو العباس احمد بن ابراہیم السروجی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۱۰ھ) کی تالیف ہے۔ اس مسئلے میں حق اور سچ یہ ہے کہ بسملہ سورۃ الفاتحہ کی آیت ہے، اگرچہ احناف اس کے قائل نہیں ہیں۔
* الحجة في شرح كتاب القراء السبعة: یہ ابن مجاہد رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* حدائق الحقائق في التفسير: یہ معین الدین المعروف بہ ملا مسکین الہروی رحمہ اللہ کی فارسی تفسیر ہے۔
* حدائق ذات بهجة في التفسير: یہ ابو یوسف عبدالسلام بن محمد القزوینی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۸۳ھ) کی تالیف ہے۔ یہ بہت ضخیم کتاب ہے، اس کی تین سو جلدیں ہیں، جیسا کہ بعض کتابوں میں مذکور ہے۔

میں کہتا ہوں کہ داودی رحمہ اللہ نے "طبقات المفسرین" میں لکھا ہے:

"قال ابن النجار: جمع كتابا بلغ خمس مائة مجلد، حشى فيه الغرائب والعجائب، حتىٰ رأيت منه مجلدا في آية واحدة، وهي قوله تعالىٰ: ﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوْا الشَّيٰطِيْنُ﴾[1]" انتهىٰ.

[ابن النجار رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس (قزوینی) نے ایک کتاب مرتب کی، جس کی پانچ سو جلدیں بن گئیں۔ یہ کتاب عجائب و غرائب سے بھرپور ہے، حتیٰ کہ میں نے اس کی ایک جلد دیکھی ہے، جو صرف ایک آیت کی تفسیر پر مشتمل تھی اور وہ آیت ہے: ﴿وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوْا الشَّيٰطِيْنُ﴾]

---

[1] طبقات المفسرين (ص: ۳۰۸)

* حديقة الزهر في عد آي السور: یہ شیخ برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۳۲ھ) کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "بدأت بحمد الله أول مقصدي......الخ" اس طرح یہ اٹھاون (۵۸) شعروں پر مشتمل ہے۔

* حرز الأماني ووجه التهاني في القراءات السبع المثاني: یہ وہی شاطبیہ کے نام سے مشہور قصیدہ ہے۔ یہ شیخ ابو محمد قاسم بن فیرہ الشاطبی الضریر رحمہ اللہ (المتوفی: بالقاہرہ ۵۹۰ھ) کی تالیف ہے۔ مولف نے اس میں "التیسیر" کو نظم کی صورت میں ا ہے، جیسا کہ علامہ جزری رحمہ اللہ نے "التحبیر" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے شعروں کی تعداد ایک ہزار ایک سو تہتر (۱۱۷۳) ہے۔ ملا کاتب رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مولف نے اس میں خوب جدت پیدا کی ہے، حتیٰ کہ یہ اس فن کی ایک عمدہ کتاب بن گئی ہے۔ اس تفسیر کی بہت سی شروح ہیں، جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

① كنز المعاني: یہ سب سے زیادہ اچھی اور دقیق شرح ہے۔ یہ برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۳۲ھ) کی تالیف ہے۔ یہ ایک مفید اور مشہور شرح ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "الحمد لله مبدئ الأمم ومنشئ الرمم......الخ" شارح ماہِ شعبان ۶۹۱ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔

② العبقري: یہ تفسیر (حرز الأماني) پر ایک حاشیہ ہے، جو شمس الدین احمد بن اسماعیل الکورانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۹۳ھ) کا تحریر کردہ ہے۔

③ شمس الدین محمد بن حمزہ فناری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۳۴ھ) کا بھی ایک حاشیہ ہے۔

④ الفتح الوصيد في شرح القصيد: یہ علم الدین ابو الحسن علی بن محمد السخاوی المصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۳ھ) کی شرح ہے۔ حرز الامانی کی سب سے پہلی شرح لکھنے والے یہی بزرگ ہیں۔

⑤ إبراز المعاني من حرز الأماني: یہ شیخ ابو شامہ عبدالرحمٰن بن اسماعیل الدمشقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۶۵ھ) کی شرح ہے۔ یہ متوسط درجے کی اچھی تالیف ہے، پھر شارح نے اس کتاب کا اختصار بھی لکھا ہے۔

⑥ كنز المعاني: یہ شیخ ابوعبداللہ محمد بن احمد المعروف بہ شعلۃ الموصل الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۵۶ھ)

کی شرح ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: ”الحمد لله الذي أنزل القرآن علىٰ سبعة أحرف......الخ“ اس میں شارح نے اپنے کلام کی بنیاد تین قاعدوں پر رکھی ہے: (۱) مبادی، (۲) لواحق، (۳) مقاصد۔ ان میں سے پہلا قاعدہ لغت کے بارے میں، دوسرا قاعدہ اعراب کے بارے میں اور تیسرا قاعدہ مقصودِ کلام میں ہے۔ پھر اس نے ہر شعر کی شرح میں یہی انداز اختیار کیا ہے۔

⑦ سراج القاري: یہ شیخ امام علاء الدین علی بن عثمان بن محمد معروف بہ ابن القاصح العذری البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۱ھ) کی شرح ہے۔

⑧ اللآلئ الفريدة: یہ شیخ محقق ابو عبداللہ محمد بن الحسن بن محمد الفاسی المقری رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۷۲ھ) کی شرح ہے۔ اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: ”الحمد لله الذي أنزل علىٰ عبده الكتاب......الخ“ یہ متوسط شرح ہے۔ شارح اس کی تالیف سے ماہِ صفر ۶۷۲ھ میں فارغ ہوئے۔

⑨ شیخ عماد الدین ابو الحسن علی بن یعقوب بن شجاع بن ابو زہران موصلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۸۲ھ) کی شرح۔ یہ چار جلدوں میں ہے اور نامکمل ہے۔

⑩ الغاية: یہ شیخ جمال الدین حسین بن علی حصنی رحمہ اللہ کی شرح ہے، یہ دو جلدوں میں ایک ضخیم شرح ہے۔ شارح نے یہ شرح ۹۶۰ھ کو تالیف فرمائی تھی۔

⑪ فتح الداني في شرح حرز الأماني: یہ شیخ ابو العباس احمد بن القسطلانی المصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۲۳ھ) کی شرح ہے۔ شارح نے اس میں فوائدِ کثیرہ، جو اس کے علاوہ کہیں نہیں ملتے، کے ساتھ زیاداتِ جزری کا اضافہ کر دیا ہے۔

⑫ المهند القاضي شرح قصيدة الشاطبي: یہ ابو العباس احمد بن علی الاندلسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۰ھ) کی شرح ہے۔

⑬ تقی الدین عبدالرحمٰن بن احمد الواسطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۸۱ھ) کی شرح۔ ابن جزری رحمہ اللہ نے طبقات القراء میں لکھا ہے: ”شرح شرحين“[1] انتهىٰ. [(موصوف) نے دو شرحیں لکھی ہیں]

[1] طبقات القراء لابن الجزري (١٤٩٤)

⑭ کشف الرموز: یہ شیخ تقی الدین یعقوب بن بدران دمشقی معروف بہ الجرایدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۸۸ھ) کی شرح ہے۔ شارح نے اس میں صرف حلِ مشکلات پر اقتصار کیا ہے۔ ابن جزری رحمہ اللہ نے "طبقات القراء" میں لکھا ہے: "حل فيه رموز الشاطبية"[1] انتهیٰ. [(شارح نے) اس میں شاطبیہ کے رموز کو حل کیا ہے] اس نے شاطبی اور ذہبی رحمہما اللہ کی شرح کا ذکر نہیں کیا ہے۔

⑮ العقد النضيد في شرح القصيد: یہ علامہ شہاب الدین احمد بن یوسف معروف بہ سمین حلبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۶ھ) کی شرح ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي تفضل على العباد في المبدأ والمعاد ......الخ" شارح نے اس میں ذکر کیا ہے کہ "حرز الأماني" اس فن پر لکھی گئی سب سے اچھی کتاب ہے، اس کی شروح میں سے دو شرحیں نہایت عمدہ ہیں اور وہ ہیں شیخ الفاسی اور شیخ ابو شامہ رحمہما اللہ کی شرحیں، لیکن ان دونوں نے بعض وہ چیزیں مہمل چھوڑ دی ہیں جن کا دوسرے شارحین نے اہتمام کیا ہے۔ نیز ان دونوں نے بہت سی اہم اشیا میں بھی اہمال کا مظاہرہ کیا ہے۔ چناں چہ پھر علامہ مذکور نے اس کی مذکورہ بالا شرح لکھی، جو اصل مقصود کو پورا کرنے والی تھی۔ نیز انھوں نے رموز کی وضاحت اور شعروں کے اعراب کے بیان میں خوب جد و جہد کی۔ انھوں نے اپنی اس کتاب میں شین کو علامہ ابو شامہ رحمہ اللہ اور عین کو ابو عبداللہ الفاسی رحمہ اللہ کی علامت قرار دیا ہے۔ شارح نے مذکورہ بالا شرح اپنی کتاب "إعراب القرآن" کے بعد تالیف کی ہے۔

⑯ شہاب الدین احمد بن محمد بن جبارہ مقدسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) کی شرح، یہ ایک ضخیم شرح ہے، جو احتمالاتِ بعیدہ سے لبریز ہے۔

⑰ شمس الدین محمد بن احمد اندلسی رحمہ اللہ کی شرح۔

⑱ محبّ الدین ابو عبداللہ محمد بن محمود بن النجار بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۳ھ) کی شرح۔ یہ ایک ضخیم شرح ہے۔

⑲ علاء الدین علی بن احمد رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۰۶ھ) کی شرح۔

⑳ الجواهر النضيد في شرح القصيد: یہ مصر کے شیخ مشائخ القراء ابوبکر بن ایدغدی بن

---

[1] طبقات القراء (۳۸۰۳)

عبداللہ شمسی شہیر بہ ابن الجندی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۹ھ) کی ایک ضخیم شرح ہے۔ ابن جزری رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "کان شرحه یتضمن إیضاح شرح الجعبري"[1] انتهیٰ. [ان کی شرح شرح الجعبری کی ایضاح کو متضمن ہے] اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد للّٰه الذي ابتدع الإنسان بصنعه و صوره......الخ"

(۲۱) ابو القاسم ہبۃ اللہ بن عبدالرحیم البارزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۷ھ) کی شرح۔

(۲۲) یوسف بن ابوبکر معروف بہ ابن خطیب بیت الآبار رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۵ھ) کی شرح۔ یہ دو ضخیم جلدوں میں ہے۔

(۲۳) المفید في شرح القصید: یہ علم الدین قاسم بن احمد ورقی اندلسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۶۱ھ) کی شرح ہے۔

(۲۴) الدرة الفریدة في شرح القصیدة: یہ منتخب الدین حسین بن ابو العز بن رشید ہمدانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۳ھ) کی شرح ہے، یہ ایک ضخیم شرح ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد للّٰه باریٔ الأنام......الخ"

(۲۵) شیخ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) کی شرح، یہ ممزوج شرح ہے۔

(۲۶) امام بدرالدین حسن بن قاسم معروف بہ ابن ام قاسم مرادی مصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۹ھ) کی شرح۔

(۲۷) الفریدة البارزیة في حل القصیدة الشاطبیة: یہ شیخ ابو عبداللہ مغربی نحوی رحمہ اللہ کی شرح ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد للّٰه ذي الصفات العلیة......الخ"

(۲۸) سید عبداللہ بن محمد حسینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۶ھ) کی شرح۔

"حرز الأماني" کی شروح میں "الوجیز"، "المحصي"، "جامع الفوائد" اور "تبصرة المستفید"، جس میں جعبری رحمہ اللہ سے نقول ہیں، جیسی شروح کا بھی نام آتا ہے۔ اس میں ایک شرح اور بھی ہے جو "مصطلح الإشارات" کے مصنف کی طرف منسوب ہے۔ شاطبیہ کی ایک نکت ہے، جو شیخ برہان الدین ابراہیم بن موسیٰ کرکدی مقری شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۹۳ھ) کی تالیف ہے۔

---

[1] طبقات القراء (۷۹۸)

شاطبیہ کے کچھ مختصرات بھی ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

① حوز المعاني في اختصار حرز الأماني: یہ جمال الدین محمد بن عبداللہ بن مالک نحوی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۲ھ) کی مختصر ہے۔ یہ مختصر موصوف کی بحر اور قافیہ میں موجود ہے۔

② عبدالصمد بن تبریزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۵ھ) کی مختصر۔ اس میں پانچ سو بیس شعر ہیں۔

③ مولانا بلال الرومی رحمہ اللہ کی مختصر، یہ دراصل قصیدہ لامیہ ہے، جسے بلالیہ کہا جاتا ہے۔

④ نظم در الجلا في قراءة السبعة الملا: یہ امین الدین عبدالوہاب بن احمد بن وہبان دمشقی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۸ھ) کی مختصر ہے۔ اس کے شعر پانچ سو سے کم ہیں۔

شاطبیہ کے کچھ تکملے بھی ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

① التكملة المفيدة: یہ حافظ القصیدۃ نظم الامام المقری ابوالحسن علی بن ابراہیم کنانی فیجاطی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۰ھ) کی تالیف ہے۔ ملا کاتب رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ قصیدہ اپنے وزن اور قافیے میں مضبوط نظم والا ہے اور سو اشعار پر مشتمل ہے۔ مولف نے "تبصرة"، "کفاية" اور "وجیز" سے زیادہ شعر اس میں نظم کیے ہیں۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "بحمدك يا رحمٰن أبدأ أوّلا ......الخ"

② تكملة في القراءات الثلاث: یہ شیخ شہاب الدین احمد بن محمد بن سعید الیمنی الشرعبی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ موصوف ۸۳۰ھ کے لگ بھگ زندہ تھے اور ۸۳۹ھ کو وفات پا گئے۔ موصوف نے اپنی اس تالیف کا شاطبیہ کے اشعار کے درمیان مناسب جگہوں میں اس طرح اضافہ کیا ہے کہ ان دونوں کا ایسا امتزاج ہوا ہے کہ وہ دونوں مل کر ایک ہی آدمی کی تالیف محسوس ہوتی ہیں۔

③ الدر النضيد في زوائد القصيد: یہ محمد بن یعقوب بن اسماعیل الاسدی المقدسی الشافعی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "الحمد لله الذي أحاط علمه بمخلوقاته......الخ" مولف نے اس میں یہ ذکر کیا ہے کہ قراءاتِ سبعہ کی کتابوں میں جو کچھ اضافہ کیا گیا ہے، مولف نے اس کا مطالعہ کیا تو ان میں بہت سی ایسی چیزیں پائیں جو حرز الامانی سے زیادہ تھیں تو اس نے اپنی اس تالیف میں ان تمام زوائد کا اضافہ کر دیا۔

④ نظیرة: یہ احمد بن علی بن احمد معروف بہ ابن الفصیح ہمدانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۵ھ) کی تالیف ہے۔ یہ بلا رموز شاطبیہ کے وزن پر ہے، لہٰذا اس سے کم ہے۔

⑤ ترجمہ شاطبیہ: یہ عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن عبدالحی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

علم الحضري والسفري من الآيات:

یہ علم تفسیر کی ایک فرع ہے۔ ابو الخیر رحمہ اللہ نے محض مسودہ بڑھانے کے لیے اس کا ذکر کیا ہے، ورنہ اس کو علم شمار کرنے کی سرے سے کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہی جواب ہے ان تفاریع کا جو اس نے ذکر کی ہیں۔ چنانچہ ابو الخیر رحمہ اللہ نے کہا کہ حضری کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ رہی سفری تو اہلِ علم نے ان کو ضبط کیا تو ان کی تعداد چالیس سے کچھ اوپر بنی، جیسا کہ ''الإتقان'' میں ہے۔

❊ حقائق في التفسیر: یہ تصوف کے لب و لہجے میں شیخ ابو عبدالرحمن محمد بن حسین السلمی نیشاپوری رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۱۲ھ) کی مختصر تالیف ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: ''الحمد للّٰہ رب العالمین أولا وآخرا......الخ'' مولف نے اس میں ذکر کیا ہے کہ اکثر اہلِ ظاہر نے فوائدِ قرآن کی انواع میں بہت کچھ جمع کیا ہے، مگر ان میں سے کوئی ایک بھی حقیقت کی زبان میں اس کے خطاب کو سمجھنے میں مشغول ہوا نہ ان کو جمع ہی کیا ہے سوائے آیات متفرقہ کے جن کو عباس بن عطا رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ جعفر صادق رحمہ اللہ سے مروی ہیں۔ اس نے ان سے اس موضوع پر چند حروف کا سماع کیا اور ان کے مقالات کے ساتھ ان کو ضم کر دیا۔ پھر ان کو فرقانی سورتوں کی طرز پر مرتب کر دیا تو وہ تفسیر کی طرح ہو گئیں۔ ثعلبی رحمہ اللہ نے یہ کتاب اس کے مصنف کو پڑھ کر سنائی ہے، لیکن اہلِ ظاہر مفسرین نے اس میں اس بنیاد پر کلام کیا، جو ان کی اس طرح کی چیزوں کے بارے میں عادت ہے۔

واحدی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مولف کا گمان ہے کہ اس نے حقائقِ قرآن لکھے ہیں۔ اگر اس کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ تفسیر ہے تو کافر ہے۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے بھی اس پر طعن کیا ہے۔

اہلِ کلام نے کہا ہے کہ صوفیہ کے اقوال اور مقالات کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر کرنا الحاد اور

کفر ہے۔ اس میں ظواہر نصوص کو معانیِ مؤولہ کی طرف پھیرنا ہے، جس کا قرآن و سنت نے رد فرمایا ہے۔

* الحكم والأناة في إعراب قوله سبحانه تعالىٰ: ﴿غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ﴾: یہ تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۶ھ) کی تالیف ہے۔
* حل الرموز في القراءة: یہ شیخ یعقوب بن بدران المصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۸۸ھ) کی تالیف ہے۔

باب الخاء المعجمة

علم الخط:

اگرچہ یہ علومِ تفسیر میں سے نہیں ہے، مگر مصاحف کے خط کے ساتھ اس کا تعلق ہے، لہٰذا فائدے کے لیے اس سے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے۔ علمِ خط حروفِ تہجی کے ساتھ تصویرِ لفظی کی کیفیت کو جاننے کا نام ہے، حتیٰ کہ وہ اسماے حروف جن سے مسمی مراد ہو، جیسے تمھارا یہ کہنا: جیم، عین، فا اور را لکھو، تو اس صورت میں جعفر لکھا جائے گا، کیوں کہ ان حروف کا لفظاً اور خطاً یہی مسمی بنتا ہے۔

اسی لیے خلیل رحمہ اللہ نے جب ان سے سوال کیا کہ تم جعفر سے جیم کیسے بولتے ہو تو انھوں نے کہا کہ جیم۔ اس نے کہا: تم نے اسم بولا ہے نہ کہ وہ (حرف) جس سے متعلق تم سے سوال ہوا تھا۔ اس کا جواب ''جہ'' ہوگا، کیوں کہ اس کا مسمی یہی ہے۔ اگر کسی دوسرے مسمی کو اس کے ساتھ موسوم کریں تو اس کی کتابت دوسری طرح ہوگی، جیسے یاسین اور حامیم، یٰس وحٰم۔ یہ ہے اس (علم خط) کی ذکر کردہ تعریف۔ علم خط کی غرض و غایت ظاہر ہے۔ اس فن کے علما نے خط کے احوال اور اس کے انواع کے بیان میں حد سے زیادہ تفصیل کی ہے، لہٰذا ہم چند فصلوں میں ان کے ذکر کردہ اقوال سے خلاصہ نکال کر بیان کرتے ہیں۔

اس علم کی فضیلت:

آگاہ رہو! اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تعلیمِ خط کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور اس کو اپنے بندوں پر بہ طور احسان بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ [العلق: ٤] [قلم کے ساتھ سکھایا]

اس علم کے شرف کو سمجھنے کے لیے تمھارے لیے یہی دلیل کافی ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ خط ہاتھ کی زبان ہے۔ نیز کہا گیا ہے کہ ہر امر کے لیے کتابت اس کی موکل ہے، جو اس کے لیے تدبیر کرنے والی اور اس کی تعبیر کرنے والی ہے۔ اس کے ذریعے سے نوعِ انسانی کا خاصا قوت سے

فعل کی طرف آتا ہے اور وہ تمام حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خط لفظ سے افضل ہے، کیوں کہ لفظ کو صرف حاضر ہی سمجھتا ہے، جبکہ خط کو حاضر و غائب دونوں سمجھتے ہیں۔ خط کے فضائل بہت زیادہ اور معروف ہیں۔

خط کی ضرورت و اہمیت:

جب تخاطب کا فائدہ الفاظ اور اس کے احوال کے ساتھ ہی حاصل ہوتا ہے تو اسی لیے اہلِ علم نے اس کی طرف توجہ دی ہے۔ ضبطِ احوال وہ چیز ہے جو ان الفاظ پر دلالت کرتی ہے، وہ بھی اس جنس سے تعلق رکھتی ہے جس کی ضرورت کی طرف توجہ دی جاتی ہے اور وہ، وہ خطوط و نقوش ہیں جو الفاظ پر دلالت کرتے ہیں۔ پس وہ ان احوالِ کتابت سے متعلق بحث کرتے ہیں، جن کے نقوش، حرکات، سکنات، نقط، شکل، شدوں، مدوں، ترکیب اور تسطیر کے ضابطے ہر زمانے میں ثابت ہیں، تاکہ ناظرین ان سے الفاظ و حروف کی طرف منتقل ہوسکیں اور الفاظ و حروف سے ذہنوں میں آنے والے معانی کی طرف منتقل ہوسکیں۔

خط کی کیفیتِ وضع اور اس کی انواع:

کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے خط کو وضع کرنے والے آدم علیہ السلام ہیں، جنھوں نے مٹی پر لکھ کر اسے آگ میں پختہ کیا، تاکہ وہ تحریر طوفان کے بعد باقی رہے۔ بعض نے کہا ہے کہ خط کے واضع اول ادریس علیہ السلام ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سب سے پہلے جس نے عربی خط کو وضع کیا، وہ تین آدمی ہیں، جو طے کے قبیلے بولان سے تعلق رکھتے تھے اور شہرِ انبار میں فروکش تھے۔ ان میں سب سے پہلا مرار ہے، اس نے شکل وضع کی، ان میں دوسرا اسلم ہے، جس نے فصل و وصل کو ایجاد کیا، جبکہ تیسرا عامر ہے، جس نے اعجام کو وضع کیا۔ اس کے بعد خط کی کتابت عام ہوگئی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے واضع چھے آدمی ہیں جن کا تعلق طسم سے ہے اور ان کے نام درج ذیل ہیں: ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص اور قرشت۔ ان لوگوں نے خط کتابت کو وضع کیا اور ان کے اسما میں سے جو حروف شاذ اور کم تھے، ان کو ان کے ساتھ ملا دیا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ چھے کے چھے مدین کے بادشاہوں کے نام ہیں۔

سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے عربی خط لکھا، وہ حمیر بن سبا ہے، جب کہ سہیلی رحمہ اللہ "كتاب التعريف والأعلام" میں یوں رقم طراز ہے کہ اس سلسلے میں سب سے صحیح روایت وہ ہے جو ہم کو ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی سند سے ملی ہے، جس کو نبی اکرم ﷺ سے مرفوعاً بیان کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَوَّلُ مَنْ كَتَبَ بِالْعَرَبِيَّةِ إِسْمَاعِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ»[1]

[سب سے پہلے جس نے عربی زبان لکھی وہ اسماعیل علیہ السلام ہیں]

ابو الخیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تمام امتوں کی کتابتیں اور تحریریں بارہ ہیں: ۱۔ عربی، ۲۔ حمیری، ۳۔ یونانی، ۴۔ فارسی، ۵۔ سریانی، ۶۔ عبرانی، ۷۔ رومی، ۸۔ قبطی، ۹۔ بربری، ۱۰۔ اندلسی، ۱۱۔ ہندی، ۱۲۔ چینی۔ چناں چہ ان میں سے پانچ کتابتیں مضمحل ہوگئیں اور ان کے جاننے والے ختم ہو گئے اور وہ یہ ہیں: ۱۔ حمیری، ۲۔ یونانی، ۳۔ قبطی، ۴۔ بربری، ۵۔ اندلسی۔ تین ایسی ہیں جن کا استعمال ان کے ملکوں میں تو ہوتا ہے، مگر بلادِ اسلام میں ان کے جاننے والے معدوم ہیں اور وہ یہ ہیں: ۱۔ رومی، ۲۔ ہندی، ۳۔ چینی۔ اب صرف چار کتابتیں باقی رہیں، جو بلادِ اسلام میں مستعمل ہیں اور وہ یہ ہیں: ۱۔ عربی، ۲۔ فارسی، ۳۔ سریانی، ۴۔ عبرانی۔ انتھی.

مگر ابو الخیر رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا کلام چند وجوہ کی بنا پر محلِ نظر ہے:

① پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ان کو مذکورہ بالا عدد میں محدود کرنا ہی صحیح نہیں ہے، کیوں کہ آج کی دنیا میں امتوں کے درمیان جو اَقلام (کتابتیں) متداول ہیں، ان کی تعداد مذکورہ تعداد سے زیادہ ہے سوائے ان کے جو ناپید ہو چکی ہیں۔ جو شخص بھی یونانی اور قبطی (لاطینی) زبان میں لکھی گئی قدما کی کتابوں اور اصحاب علمِ حرف کی کتابوں، جن میں مصنفین نے اقلام و خطوط کی انواع کو بیان کیا ہے، کا مطالعہ کرے گا، اسے ہماری مذکورہ بات کی صداقت کا علم ہو جائے گا۔ بہ ہر حال کتابتوں کا مذکورہ بالا حصر اس کے دعوے دار کی کم علمی کی غمازی کرتا ہے۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں سے پانچ کے متعلق یہ کہنا کہ وہ مضمحل ہو گئی ہیں، بھی درست نہیں

[1] الروض الأنف للسهيلي (١/ ٣٥)

ہے، کیوں کہ یونانی ملتِ نصرانیہ کے خواص میں مستعمل ہے، جیسے اہلِ اقادیمیا جو اسپانیا، فرانس اور نمسہ میں، جو کثیر ممالک ہیں۔ ان کے علوم اور کتب کی اصل یہی یونانی ہے۔

③ تیسری وجہ یہ ہے کہ ابو الخیر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ بلادِ اسلام میں اس رومی کتابت کو جاننے والے ناپید ہیں، غلط ہے، کیوں کہ بلادِ اسلام میں رومی زبان کو جاننے والے بے شمار ہیں۔ آج کی دنیا میں جو رومی زبان مستعمل ہے، وہ تھوڑی سے تحریف کے ساتھ یونانی زبان ہے۔ ہاں! روم کے کافروں میں جو کتابت مستعمل ہے، وہ یونانی کتابت کے علاوہ ہے۔

④ چوتھی وجہ یہ ہے کہ سریانی اور عبرانی کتابت کو بلادِ اسلام میں مستعمل کہنا بھی غیر مناسب بات ہے، کیوں کہ سریانی قدیم خط ہے، بلکہ وہ تمام خطوط سے پرانا خط ہے، جو سوریا کی طرف منسوب ہے اور سوریا ایک شامی ملک ہے۔ اس کے اہل نیست و نابود ہو چکے ہیں اور ان کا کوئی نشان باقی نہیں ہے، جیسا کہ تواریخ میں یہ بات ثابت ہے۔ وہ عبرانی جو یہود میں مستعمل ہے، اس کا ماخذ عربی لغت اور خط ہے۔ عبرانی زبان لفظ و خط میں عربی کے مشابہ ہے، لیکن یہ مشابہت بہت ہی قلیل ہے۔

عربی قلم و کتابت کے سوا تمام اقلام و کتابتیں ترتیب ابجد پر مرتب ہیں۔ عربی، سریانی، مغلی، یونانی، رومی اور قبطی کے سوا تمام اقلام منفصل ہیں اور بائیں جانب سے دائیں جانب لکھی جاتی ہیں۔ جب کہ عربی، سریانی اور عبرانی دائیں جانب سے بائیں جانب کو جاتی ہیں، اسی طرح ترکی اور فارسی ہیں [یہی حال اردو کا بھی ہے]۔

سریانی خط:

خطِ سریانی کی تین قسمیں ہیں:

① المفتوح المحقق: اس کا نام ''اسطریحالا'' رکھا جاتا ہے اور یہ سریانی خطوط میں سب سے بلند مرتبہ ہے۔

② الشکل المدور: اس کو ''خطِ ثقیل'' بھی کہا جاتا ہے اور اس کا نام ''اسکولینا'' ہے۔ یہ سریانی خطوط میں سب سے زیادہ خوب صورت خط ہے۔

③ الخط الشرطا: یہ وہ خط ہے جس کے ساتھ وہ خط کتابت کرتے ہیں۔ سریانی نبطی کی اصل ہے۔

عبرانی خط:

سب سے پہلے جس نے یہ خط لکھا وہ عامر بن شالح ہے۔ عبرانی سریانی سے مشتق ہے۔ اس کو عبرانی لقب اس لیے دیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے شام جاتے ہوئے دریائے فرات عبور کیا تھا۔ جبکہ یہود کا گمان یہ ہے کہ عبرانی کی کتابت دو پتھروں کی تختیوں پر ہوئی، جو اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو دی تھیں۔

رومی خط:

اس خط کے چوبیس حروف ہیں۔ ان کا ایک قلم اور خط ''سامیا'' کے نام سے معروف ہے۔ ہمارے پاس اس کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے، کیوں کہ اس کا ایک حرف کئی معانی پر دلالت کرتا ہے۔ جالینوس نے اپنی کتابوں میں اس خط کا ذکر کیا ہے۔

چینی خط:

اس خط کو تھوڑے وقت میں سیکھنا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ اس خط کا ماہر کاتب بھی اس کی کتابت میں بڑی تھکاوٹ محسوس کرتا ہے۔ جس شخص کے لکھنے کی رفتار سست ہو، اس کے لیے پورے دن میں دو یا تین صفحوں سے زیادہ لکھنا ممکن نہیں ہے۔ وہ ادیان اور علوم کی کتابیں اس خط میں لکھتے ہیں۔

ان کی ایک اور کتابت ہے، جسے ''كتابة المجموع'' کہتے ہیں، اس کا انداز یہ ہے کہ ہر کلمہ تین یا زیادہ حروف کے ساتھ ایک ہی صورت میں لکھا جاتا ہے۔ ہر طویل کلام کے لیے حروف کی ایک شکل مقرر ہے، جس سے بہت سے معانی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جب وہ کسی ایسی تحریر کو (اختصار کے ساتھ) لکھنے کا ارادہ کرتے ہیں جو سو صفحات پر لکھی جاتی ہے تو وہ اس خط کے ساتھ اسے ایک صفحے پر لکھ لیتے ہیں۔

مانوی خط:

یہ خط فارسی اور سریانی سے نکلا ہوا ہے، اس کو نکالنے والا مانی ہے، جس کا مذہب مجوسیت اور نصرانیت سے مرکب ہے، اس کے حروف عربی حروف سے زائد ہیں۔ ماوراء النہر کے قدیم باشندے اس خط کے ساتھ اپنی کتبِ شرائع لکھا کرتے تھے۔ مرقونیہ کا ایک خاص خط ہے، جو انہی کے ساتھ مختص ہے۔

ہندی اور سندی خط:

یہ کئی خط ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً دوسو خط ہیں۔ ان میں سے بعض تو ارقام کے ساتھ معنی ابجد پر لکھے جاتے ہیں اور اس کے نیچے دو یا تین نقطے لگائے جاتے ہیں۔

زنجی اور حبشی خط:

یہ بہت نادر خط ہے۔ ان کا ایک خط ہے جس کے حروف حمیری حروف کی طرح متصل ہوتے ہیں۔ یہ بائیں جانب سے دائیں جانب کو جاتا ہے، ہر اسم کے درمیان تین نقطے لگا کر اس کو جدا کرتے ہیں۔

عربی خط:

دائیں ہاتھ کے ساتھ لکھا جانے والا انتہائی ٹیڑھا خط ہے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عربی خطوط میں سے سب سے پہلا خط مکی خط ہے، اس کے بعد مدنی، پھر بصری اور اس کے بعد کوفی ہے۔ مکی اور مدنی خط کسی قدر لیٹا ہوا ہوتا ہے۔ کندی نے کہا ہے کہ میں کسی خط کو نہیں جانتا جو خط اپنے حروف کی تحلیل اور تدقیق کا اتنا احتمال رکھتا ہو، جو احتمال عربی خط رکھتا ہے۔ اس خط کو لکھنے میں وہ تیز رفتاری ممکن ہے جس کا دوسرے خطوط میں امکان نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ خطِ فارسی کی کتابت تمام خطوط سے تیز رفتار ہے، جب کہ عربی خط کی کتابت اس کی نسبت کچھ سست ہے۔ تجربہ اس بات کا شاہد ہے۔ یہاں پر خطِ عربی کا بیان کرنا مقصود ہے نہ کہ خطِ فارسی کا۔

خطِ عربی لکھنے والے:

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صدر اول میں وہ شخص جس نے سب سے پہلے مصحف لکھا اور وہ خط خوب صورت قرار دیا گیا، وہ شخص خالد بن ابو الہیاج ہے۔ سعد نے اس کو ولید بن عبدالملک کے لیے مصحف، شعر اور اخبار تحریر کرنے کے کام پر مقرر کیا تھا۔ اس وقت عربی خط وہی خط تھا جو آج خطِ کوفی کے نام سے معروف ہے۔ بعد میں لوگوں نے اس سے اور خطوط نکالے، جیسا کہ ''شرح العقيلة'' میں ہے۔

اس وقت مصاحف لکھنے والوں میں خشنام بصری اور مہدی کوفی تھے۔ یہ دونوں رشید کے دورِ خلافت میں تھے۔ ان میں سے ایک ابوحدی ہے، جو کبار اور حذاق کوفیوں میں سے ایک ہے۔ وہ معتصم کے دور میں مصاحف لکھا کرتا تھا۔

بنو امیہ کے دور میں جس نے سب سے پہلے مصحف لکھا، وہ قطبہ ہے۔ اسی نے چار خطوں کو ایک دوسرے سے مشتق کر کے ایجاد کیا۔ وہ لوگوں میں سب سے بڑا لکھاری تھا۔ پھر اس کے بعد ضحاک بن عجلان کاتب ہے، جو بنو عباس کے دورِ خلافت کے ابتدائی زمانے میں ہوا ہے۔ اس نے قطبہ کے کیے ہوئے کام پر کچھ اضافہ کیا۔ پھر منصور اور مہدی کے دور میں اسحاق بن حماد ہوا۔ اس کے کچھ شاگرد تھے، جو اس سے اصلی موزون خط سیکھ کر لکھتے تھے، اور وہ بارہ خط تھے جو درج ذیل ہیں:

١۔ قلم الجليل، ٢۔ قلم السجلات، ٣۔ قلم الديباج، ٤۔ قلم الطومار الكبير، ٥۔ قلم الثلثين، ٦۔ قلم الزنبور، ٧۔ قلم المفتح، ٨۔ قلم الحرم، ٩۔ قلم المو امرات، ١٠۔ قلم العهود، ١١۔ قلم القصص، ١٢۔ قلم الحرفاج۔

جب ہاشمیوں کا غلبہ ہوا تو ایک نیا خط ایجاد ہوا، جس کا نام تھا: ''خطِ عراقی''۔ وہ محقق خط ہے، اسے روز افزوں ترقی ہوتی رہی، یہاں تک کہ مامون الرشید خلیفہ بنے تو اس نے عمدہ خطوں والے کاتب اپنے پاس رکھے۔ ایک آدمی جس کو ''احول محرر'' کہا جاتا تھا، وہ نمودار ہوا، اس نے خط کی رسوم اور قوانین پر گفتگو کی اور اس کو کئی انواع و اقسام میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد دیگر خطوط منظر عام پر آئے، جیسے قلمِ مرصع، قلمِ نساخ، قلمِ ریاسی، جو ذوالریاستین فضل بن سہل کی اختراع و ایجاد ہے، قلمِ رقاع اور قلمِ غبار الحلیہ۔

پھر اسحاق بن ابراہیم تیمی منظر عام پر آیا، اس کی کنیت ابوالحسین تھی۔ وہ مقتدر اور اس کی اولاد کا معلم تھا۔ وہ اپنے دور کا سب سے بڑا ماہر کاتب تھا۔ خط پر اس کا ایک رسالہ ہے، جس کا نام اس نے ”تحفة الوامق“ رکھا۔

وزرا کے کاتبین میں سے ایک ابوعلی محمد بن علی بن مقلہ (المتوفی: ۳۸۲ھ) ہے۔ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے خطِ بدیع لکھا۔ اس کے بعد صاحبِ خط بدیع علی بن ہلال معروف بہ ابن البواب (المتوفی: ۴۱۳ھ) منظر عام پر آیا۔ متقدمین میں کوئی ایسا کاتب نہیں ہے، جو خط میں اس کے پائے کا یا اس کے قریب ہو۔ اگرچہ کوفی خطوط میں سے اس طریقۂ خط کا ناقل ابن مقلہ ہے، اسی نے اس خط کو اتنا نمایاں کیا، لہٰذا اسے اس معاملے میں سبقت کی فضیلت حاصل ہے اور پھر یہ کہ اس کا خط بھی خوب صورت تھا، لیکن ابن بواب نے اس کے طریقۂ خط کو منقح اور مہذب کیا اور اسے پوری حلاوت و چمک بخشی۔ کتابت میں اس کا استاد محمد بن اسد الکاتب ہے۔

پھر ابو الدر یاقوت بن عبداللہ رومی حموی (المتوفی: ۶۲۶ھ) منظر عام پر آیا۔ اس کے بعد ابو المجد یاقوت بن عبداللہ رومی مستعصمی (المتوفی: ۶۹۸ھ) نمودار ہوا، اس کی شہرت آفاق میں پھیل گئی۔ اس کے مقام و مرتبہ کو پانا تو دور کی بات ہے، لوگوں نے اس کے قریب پہنچنے سے بھی عاجزی کا اعتراف کر لیا۔ اس کے بعد متاخرین کے درمیان درجِ ذیل شہرت یافتہ چھے خطوں نے شہرت پائی:

۱۔ ثلث، ۲۔ نسخ، ۳۔ تعلیق، ۴۔ ریحان، ۵۔ محقق، ۶۔ رقاع۔

ان چھے خطوں کے ماہرین میں درج ذیل لوگوں کے نام آتے ہیں:

① ابن مقلہ، ② ابن بواب، ③ یاقوت، ④ عبداللہ ارغون، ⑤ عبداللہ صیرفی، ⑥ یحییٰ صوفی، ⑦ شیخ احمد سہروردی، ⑧ مبارک شاہ سیوفی، ⑨ مبارک شاہ قطب، ⑩ اسداللہ کرمانی۔ تلك عشرة كاملة.

بلادِ رومیہ کے مشاہیر کاتب درج ذیل ہیں:

① حمداللہ بن شیخ اماسی، ② اس کا لڑکا دده چلپی، ③ جلال، ④ جمال، ⑤ احمد قرۂ حصاری، ⑥ اس کا شاگرد حسن، ⑦ عبداللہ قریمی وغیرہ۔

اس کے بعد خطِ تعلیق منظر عام پر آیا۔ خطِ دیوانی اور خطِ دشتی ایجاد ہوئے۔ خطِ تعلیق کو سلطان علی مشہدی، میر علی اور میر عماد خوب لکھتے تھے۔ خطِ دیوانی میں تاج وغیرہ بڑے ماہر تھے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے کاتب تھے، جن کے حالاتِ زندگی کتابوں میں لکھے گئے ہیں، یہ ان کے ذکر کی مناسب جگہ نہیں ہے، کیوں کہ کتاب میں ہماری غرض خطِ عربی کا بیان ہے، جس میں مصاحف کی کتابت مروج ہے۔ ابوالخیر رحمہ اللہ وغیرہ نے علومِ خط میں صناعتِ خطیہ، علم آلاتِ خط، مثلاً قلم، اس کو تراشنا، دوات، روشنائی اور کاغذ کے احوال کی کیفیت کو بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بعض پر ملا کاتب رحمہ اللہ نے تعاقب بھی کیا ہے اور ان کی تنقیح پر بحث کی ہے۔

نقطوں اور اعراب کا ذکر:

صدر اول کے مسلمانوں نے لوگوں کے منہ سے بار بار سن کر قرآن و حدیث کو یاد کیا۔ جب مسلمان زیادہ ہو گئے تو ان پر نقطے اور اعراب لگانا ایک مجبوری بن گئی۔

کہا جاتا ہے کہ نقطے اور اعراب لگانے کا کام سب سے پہلے عامر نے کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حجاج بن یوسف نے کیا۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابو الاسود دؤلی نے علی رضی اللہ عنہ کی تلقین پر یہ کام کیا۔ مگر ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں (نقطے اور اعراب) حروف کے ساتھ ہی لگائے گئے، کیوں کہ حروف کے ایک دوسرے کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے ان کا نقطوں اور اعراب سے خالی ہونا اور بعد میں نقطوں کا لگایا جانا بعید محسوس ہوتا ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مصحف کو ہر چیز سے، حتیٰ کہ نقطوں تک سے، صاف رکھا تھا۔ پس اگر ان کے دور میں نقطے نہیں تھے تو مصحف کو خالی رکھنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

ابن خلکان رحمہ اللہ نے حجاج کے ترجمے میں لکھا ہے کہ ابو احمد عسکری رحمہ اللہ نے کتاب التصحیف میں بیان کیا ہے کہ لوگ چالیس برس سے زائد عرصے تک تا ایامِ عبدالملک بن مروان مصحفِ عثمان میں پڑھتے رہے۔ جب تصحیف زیادہ ہونے لگی اور عراق میں پھیل گئی تو حجاج گھبرا کر کاتبوں کے پاس گیا اور انھیں کہا کہ مشتبہ حروف پر علامتیں لگاؤ۔ کہا جاتا ہے کہ نصر بن عاصم رحمہ اللہ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ اس کام کے لیے مقرر ہوا اور اس نے نقطے لگائے۔ مگر اس کے باوجود اس میں تصحیف ہو جاتی تھی، لہٰذا پھر ان پر اعراب لگا دیے گئے۔ انتہی۔

ملا کاتب رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ دورِ حاضر میں مصحف پر نقطے اور اعراب لگانا واجب ہے۔ مگر غیر مصحف میں یہ اس وقت واجب ہیں جب التباس کا ڈر ہو، کیوں کہ نقطوں اور اعراب کا لگانا التباس کا خاتمہ کرنے کے لیے ہے۔ جہاں پر التباس کا خطرہ نہ ہو، وہاں اس کو نہ لگانا ہی بہتر ہے۔ خصوصاً جب مکتوب الیہ ان دونوں کے بغیر پڑھنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

بیان کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن طاہر کے سامنے ایک خط پیش کیا گیا۔ اس نے دیکھ کر کہا کہ یہ کتنا خوب صورت خط ہے! اگر اس پر شونیز (کلونجی) کی کثرت نہ ہو (یعنی اس پر نقطے نہ ہوں)۔ بعض نے کہا ہے کہ تحریر میں کثرت سے نقطے مکتوب الیہ پر (جہالت کی) بدگمانی کرنے کے مترادف ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نقطوں سے ضرر لاحق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ جعفر متوکل نے اپنے عمال میں سے ایک کی طرف خط لکھا:

"أن أحص من قبلك من الذميين وعرفنا بمبلغ عددهم"

[ذمیوں کو شمار کر کے ہمیں ان کی تعداد سے آگاہ کرو]

ہوا یہ کہ تحریر میں لفظ "أحص" کی حا پر کاتب سے نقطہ لگ گیا۔ ("أحص" کا معنی ہے شمار کرو، مگر جب یہ لفظ "أخص" بنا تو مطلب ہوا خصی کر دو) خط وصول کر کے اس عامل نے سارے ذمیوں کو اکٹھا کیا اور ان کو خصی کر دیا۔ دو آدمیوں کے سوا سارے ذمی اس آپریشن میں مر گئے۔ [اک نقطے نے محرم سے مجرم بنا دیا]

البتہ ان حروف پر جن میں تصحیف (تبدیلی) کا خطرہ نہ ہو، جیسے یا، نون، قاف اور فا مفردات کی صورت میں۔ بہ ہرحال اس میں بھی اختیار ہے۔

اس کے بعد ابو الخیر رحمہ اللہ نے حروفِ مفردہ کی املا سے متعلق علوم کا ذکر کیا ہے۔ بسائطِ حروف کی ترکیبِ اشکال کا علم بیان کیا ہے، کیوں کہ حروف کا جیسے حالِ بساطت میں حسن ہوتا ہے، ایسے ہی حالِ ترکیب میں بھی تناسبِ شکل کا ایک خاص حسن ہوتا ہے۔ اس علم کے اصول امورِ استحسانیہ ہیں، جو اشکال میں نسبتِ طبیعیہ کی رعایت کی طرف لوٹتے ہیں۔ یہ ہندسیات سے ماخوذ ہے، اس حسن کی دو قسمیں ہیں:

① حروف میں حسنِ تشکیل، یہ پانچ چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے:

① توفیہ: اس کا مطلب ہے کہ حروف میں سے ہر حرف کو نقوش، انحنا اور انبطاح کے ساتھ پورا کرنا۔

② اتمام: ہر حرف کو طول، قصر، دقت اور غلظت کی اقدار سے اس کا حصہ دینا۔

③ انکباب واستلقاء۔

④ اشباع۔

⑤ ارسال: جس کا مطلب ہے ہاتھ کو تیزی سے چلانا۔

② کلمات میں حسن وضع کی چھے قسمیں ہیں:

① ترصیف: ایک حرف کا دوسرے حرف کے ساتھ وصل کرنا۔

② تالیف: غیر متصل حرف کو جمع کرنا۔

③ تسطیر: ایک کلمے کی دوسرے کلمے کی طرف اضافت۔

④ تفصیل: مواقع مداتِ مستحسنہ، مراعاتِ فواصلِ کلام اور ایک کلمے کو اس کے سطر کے آخر پر واقع ہونے کی صورت میں اس کو قطع کرنے میں حسنِ تدبیر کو کام میں لانا۔

⑤، ⑥ کلمۂ تامہ کا فصل و وصل: یعنی ان میں سے بعض کو سطر کے آخر پر اور بعض کو سطر کے شروع میں لکھنا۔

ان میں سے ایک خطِ عربی کی املا کا علم ہے۔ یعنی خطوطِ عربیہ کے نقوش کے احوالِ عارضہ، لیکن اس کے حسن کے اعتبار سے نہیں، بلکہ ان کے الفاظ پر دلالت کرنے کے اعتبار سے۔ یہ سب چیزیں کتاب کا حجم بڑھانے کی قبیل سے ہیں۔

ان میں سے ایک خطِ مصحف کا علم ہے، جو اس اصطلاح کی بنیاد پر ہو، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کو جمع کرتے وقت وضع کی اور جسے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا۔ اس اصطلاح کو ''اصطلاحِ سلفی'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس موضوع پر علامہ شاطبی رحمہ اللہ کی ایک کتاب ہے، جس کا نام ''العقيلة الرائية'' ہے۔

ان میں سے ایک خطِ عروض کا علم ہے، جو اہلِ عروض کی اصطلاح کے مطابق ہے، جسے وہ شعر کی تقطیع کرنے کے لیے عمل میں لاتے ہیں۔ اس فن میں ان کا اعتماد سمع پر ہے نہ کہ معنی پر، کیوں کہ

صنعتِ عروض میں معتد بہ چیز یہی لفظ ہے، اس لیے کہ وہ اس کے ساتھ حروف کی تعداد جاننے کا ارادہ کرتے ہیں، جس کے ساتھ متحرکاً و ساکناً شعر کا وزن درست ہوتا ہے۔ پس وہ تنوین کو نون ساکن لکھتے ہیں۔ وقف کی صورت میں اس کے حذف کی رعایت نہیں رکھتے۔ مدغم حرف کو دو حرف لکھتے ہیں۔ لام کو اس کے بعد والے حرف سے، جس میں وہ مدغم ہوتا ہے، حذف کر دیتے ہیں، جیسے "الرحمن" اور "الذاهب"۔ حروف میں تفعیل کے اجزا پر اعتماد کرتے ہیں۔

کشاف میں لکھا ہے کہ خطِ مصحف میں ایسی چیزوں کا اتفاق ہوا ہے جو قیاس سے خارج ہیں، لیکن لفظ کی استقامت اور خط کے بقا کی وجہ سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ خطِ مصحف کا اتباع ایک ایسی سنت ہے، جس کی مخالفت نہیں کی جاتی۔

ابن درستویہ رحمہ اللہ نے کتاب "الکتاب" میں لکھا ہے کہ دو خط ایسے ہیں جن میں قیاس کا دخل نہیں ہے۔ پہلا خطِ مصحف ہے، کیوں کہ یہ سنت ہے اور دوسرا خطِ عروض، کیوں کہ اس میں وہی کچھ ثابت کیا جاتا ہے جس کو لفظ ثابت کرے اور اسے ہی ساقط کیا جاتا ہے جسے لفظ ساقط کر دے۔

یہ خلاصہ ہے ان امور کا جو اہلِ علم نے علمِ خط اور اس کی متفرعات میں ذکر کیے ہیں۔ جہاں تک اس علم سے متعلق لکھی جانے والی کتابوں کا تعلق ہے تو ان میں سے بعض رسائل کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اور جو اس کے علاوہ ہیں وہ نادر اور شاذ ہیں سوائے اوراق و مختصرات کے، جیسے أرجوزة عون الدين.[1] انتهىٰ ما في كشف الظنون.

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قلم کی قسم کھائی، کیوں کہ اس نے عالمِ غیب کی پوشیدہ چیزوں کو انسان کے لیے منصہ شہود پر جلوہ گر کیا، تاکہ وہ زمان و مکان کی ہر ایک دور افتادہ چیز سے آگاہی حاصل کر سکے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو انسانی افراد کے کانوں میں پہنچاتا ہے۔ تو وہ کبھی توجہ کرتا ہے اور رجوع و انعطاف ظاہر کرتا ہے۔ اس کے ہر فعل میں دقائقِ عجیبہ پوشیدہ ہیں۔

قلم کے عجائبات میں سے ایک چیز یہ ہے کہ یہ قلم دوات سے روشنائی اٹھاتا ہے اور کاغذ پر ثبت کر دیتا ہے۔ انسان کے باطن کی سیاہی کو نور اور روشنائی میں بدل دیتا ہے۔ نیز اس قلم کو رکوع و سجود کی حرکات، بار بار اپنے چہرے کو دوات کے چشمے سے دھونا اور اسے پاک کرنا اور پانچ انگلیوں

---

[1] كشف الظنون (١/ ٧١٤)

میں اس کا پکڑا جانا یہ تمام پانچ وقت کی نمازوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ لہٰذا بعض شعرا نے اس کے چیستاں کے بارے میں کہا ہے:

وذي اصفرار راكع ساجد أخي نحول ومعه جاري

[اس کا رنگ زرد اور جسم نحیف و لاغر ہے، اس کے باوجود وہ روانی کے ساتھ رکوع وسجود میں مصروف ہے]

ملازم الخمس لأوقاتها معتكف في خدمة الباري

[پانچ نمازوں کو بروقت ادا کرنے والا ہے اور باری تعالیٰ کی خدمت وعبادت میں معتکف بنا ہوا ہے]

نیز بنو آدم کی صلاحِ معاش ومعاد قلم کے ساتھ وابستہ ہے۔ دین قلم کے وسیلے سے محفوظ ہوتا ہے۔ حقوق و دیون اس کے واسطے سے لکھے جاتے اور محفوظ ہوتے ہیں۔ گذشتہ قرون اور امتوں کی خبریں اور واقعات اسی قلم کے ذریعے سے معلوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا لوگوں نے کہا ہے کہ امرِ دین ودنیا کا قوام دو چیزوں کے ساتھ وابستہ ہے، ایک قلم اور دوسری تلوار۔ تلوار قلم کے حکم کے تابع ہے۔ قلم کے فضائل ومنافع اوران کی انواع بہت زیادہ ہیں، اگر ان کی تفصیل یہاں پر ذکر کی جائے تو اس کتاب کو اپنی وضع سے نکل جانا لازم آئے گا۔

تفسیر فتح العزیز میں سورت ن والقلم کی تفسیر میں اس پر بہ طور نمونہ کچھ لکھا گیا ہے، جس سے امرِ قلم کی عظمت سامع کے ذہن میں راسخ ہو جاتی ہے۔ نیز انواعِ کلام کو ان کے منافع سمیت ایک نہایت ہی عمدہ تقریر کے ساتھ ادا کیا گیا ہے، لہٰذا اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

* خواص القرآن: اول یہ ابو عبداللہ التیمی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جس میں انھوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ انھوں نے یہ خواص بعض حکماے ہند سے اخذ کیے ہیں۔ دوم غزالی رحمہ اللہ کی اور سوم ابو بکر محمد بن عبداللہ مالقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۰ھ) کی تالیف جو علومِ تفسیر میں سے نہیں ہے، لیکن یہ تالیفات قرآن کریم پر لکھی جانے والی کتابوں میں شامل ہیں۔

* الخيرة في القراءة العشرة: یہ ابو الفتح مبارک بن احمد بن رزیق معروف بہ ابن حداد مقری واسطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹٦ھ) کی تالیف ہے۔

باب الدال

* در الأفكار في القراءات العشرة: یہ شیخ ابو الفضل اسماعیل بن علی بن سعدان الواسطی المقری رحمہ اللہ کی منظوم تفسیر ہے۔
* الدر الثمين بين الغث والسمين: یہ کمال الدین محمد بن الناسخ کی اعراب القرآن پر تفسیر ہے۔
* الدر المصون في علم الكتاب المكنون: یہ چند جلدوں میں ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله ذي العظمة والكبرياء...... الخ" یہ ایک مختصر تفسیر ہے، اس میں سارا قرآن مجید لکھا گیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے رمز: ع، قتادہ رحمہ اللہ کے لیے: ق، سعید رحمہ اللہ کے لیے: س، جبیر رحمہ اللہ کے لیے: ج، اور کلبی رحمہ اللہ کے لیے: ک، مقرر کی ہے اور باقیوں کی تصریح کی ہے۔
* الدر المنثور في التفسير بالمأثور: یہ چند جلدوں میں شیخ جلال الدین عبدالرحمن بن ابوبکر سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أحيا بمن شاء مآثر الآثار بعد الدثور...... الخ" اس میں انھوں نے ذکر کیا ہے کہ جب انھوں نے "ترجمان القرآن"، جو رسول اللہ ﷺ سے مسند تفسیر ہے، تحریر کی اور وہ چند جلدوں میں مکمل ہوگئی تو انھوں نے محسوس کیا کہ اکثر لوگوں کی ہمتیں اس سے حصولِ علم میں قاصر ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس کو احادیث کے متون پر مقتصر کر دیا جائے۔ ناچار میں نے اس سے یہ ملخص تالیف لکھی۔ یہ تفسیر متداول ہے۔ راقم الحروف بھی اس کا مطالعہ کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ یہ تفسیر خاصی جامع تفسیر ہے۔ اگر اس کی تنقیح بھی ہو جاتی تو یہ بے نظیر چیز بن جاتی۔
* الدر النثير في قراءة ابن كثير: یہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی تفسیر ہے۔
* الدر النظيم في تفسير القرآن العظيم: یہ شیخ تقی الدین علی بن عبدالکافی الشافعی رحمہ اللہ

(المتوفی: ۵۶۷ھ) کی تالیف ہے، جسے وہ مکمل نہ کر پائے۔

* الدر النظيم المرشد إلى مقاصد القرآن العظيم: یہ شیخ مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی الشیرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۱۷ھ) کی تفسیری تالیف ہے۔

* الدر النظيم في خواص القرآن العظيم: یہ شیخ ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عبیداللہ بن سہیل الجزری المعروف بہ ابن الخشاب الیمنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۶۷ھ) کی ایک جلد میں تالیف ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہیں: "الحمد لله الذي اطلع من آفاق كتابه العزيز...... الخ" مولف نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنی اس تالیف میں وادیاشی کی کتاب "البرق اللامع" اور فواتحِ سور اور آیاتِ قرآنی کے خواص پر امام غزالی رحمہ اللہ کی کتاب کو جمع کر دیا ہے۔ اس کے شروع میں مولف نے چند فصلوں میں قرآن مجید، اس کی تلاوت اور دعاے ختم کے فضائل، بسملہ کی فضیلت اور قراءت کے آداب بیان کیے ہیں۔ پھر اس نے سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرۃ اور آخر قرآن تک تمام سورتوں کے خواص ذکر کیے ہیں۔ اس نسخے کا ایک اختصار بھی ہے جو یافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔ وہ اصل کے مقابلے میں نصف ہے۔ اس قسم کی کتابیں اگرچہ قرآن مجید پر لکھی گئی ہیں، لیکن یہ علمِ تفسیر سے خارج ہیں۔

* درة التأويل في متشابه التنزيل: یہ امام حسین بن محمد بن المفضل الراغب الاصفہانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "اعلموا حملة الكتاب الكريم...... الخ" مولف نے یہ کتاب "المعاني الأكبر" لکھنے اور کتاب "احتجاج القراء" املا کروانے کے بعد لکھی۔

* درة التنزيل وغرة التأويل: یہ آیاتِ متشابہات پر لکھی جانے والی امام فخر الدین رازی (المتوفی: ۶۰۶ھ) کی تالیف ہے۔ یہ ایک جلد میں ہے، جس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله حمد الشاكرين...... الخ" مولف نے اس میں کلمات متفقہ اور مختلفہ کے ساتھ ان آیات متکررہ کے بارے میں کلام کیا ہے، جن آیات کے ذریعے سے ملحدین قرآن مجید کے عیب نکالنے کا راستہ بناتے ہیں۔ مولف نے ان کے شافی جواب دیے ہیں۔

* الدرة الفاخرة فيما يتعلق بالعبادات والآخرة: یہ شہاب احمد بن عماد الأقفہسی

الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۸ھ) کی تالیف ہے۔ مولف نے اس میں فرمانِ باری تعالیٰ ﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ ......الخ﴾ پر کلام کیا ہے۔

* درة القارئ المجيد في أحكام القراءة والتجويد: یہ شیخ برہان الدین ابراہیم بن موسیٰ الکردی الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۳ھ) کی تالیف ہے۔

* درة القاري: یہ شیخ المفسر عزالدین ابومحمد عبدالرزاق بن رزق اللہ الرستغنی رحمہ اللہ (المتوفی: ٦٦١ھ) کی تالیف ہے۔ یہ بسیط سے قصیدہ تائیہ ہے۔ ضاد اور ظا کے درمیان فرق پر لکھا جانے والا بہت مفید قصیدہ ہے۔ بعض قرا نے اس کی شرح لکھی اور اس کا نام: "كاشف محاسن الغرة لطالب منافع الدرة" رکھا۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي لا نحصي ثناءا عليه......الخ"

* الدرة المضيئة في قراءات الأئمة الثلاثة المرضية: یہ شیخ شمس الدین محمد بن محمد الجزری رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ مولف نے اسے شاطبیہ کے وزن اور قافیے پر اس کے تکملے کے طور پر لکھا ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله وحده علا ......الخ" اس کی کئی ایک شروح ہیں، جن میں سے ایک جمال الدین حسین بن علی حصنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۵۳) کی شرح ہے۔ شارح نے اس کا نام: "الغرة" رکھا ہے۔ مصنف کے تلامذہ میں سے بھی بعض نے اس کی شرح لکھی ہے۔ بعض علما نے اس کی ایک شرح لکھی ہے، جس کا نام ہے: "عقد الدرة المضيئة". اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "نظم درة منثورة......الخ" مولف نے اس میں شعر کی شرح میں پہلے وزن لکھا، پھر اعراب واضح کیا، پھر قراءت پر کلام کیا ہے۔ مولف نے اپنی اس تالیف کو سلطان محمد فاتح کی خدمت میں بہ طور ہدیہ بھیجا۔

* درر الأصداف في حواشي الكشاف: اس کا ذکر آگے آئے گا۔

* الدرر في التفسير: یہ ابومعشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۷۸ھ) کی تالیف ہے۔

* درج الدرر في التفسير: شاید یہ عبدالقاہر جرجانی رحمہ اللہ کی مختصر تفسیر ہے۔

باب الذال المعجمة

- ذخيرة الفقر في تفسير سورة العصر: یہ شیخ شمس الدین محمد بن امیر الحاج الحلبی الحنفی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ مولف نے اس کو قدس میں ۸٦۷ھ کو مکمل کیا۔
- ذخيرة القصر في تفسير سورة العصر: پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہے۔
- ذيل التنزيل: تفسیر جلالین کی طرح مختصر تفسیر ہے، جس کو مولف نے شعبان کے آغاز میں ۱۰۸۴ھ میں مکمل کیا۔

باب الراء المهملة

- رد المتشابه إلى المحكم: یہ شیخ محمد بن احمد اللبان الاشعری المصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۹ھ) کی تالیف ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "أما بعد حمدا لله الواحد بذاته وصفاته......الخ" مولف نے اس میں متشابہاتِ قرآن کو ذکر کیا ہے۔
- الرد على المشبهة: یہ فرمانِ باری تعالیٰ ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ کے بارے میں قاضی بدر الدین بن جماعۃ محمد بن ابراہیم الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۳۳) کی تالیف ہے۔

راقم الحروف کا اس موضوع پر اردو زبان میں ایک رسالہ ہے، جس کا نام "الاحتواء على مسئلة الاستواء" ہے۔ یہ لکھنو میں طبع ہو کر منظر عام پر آ چکا ہے۔[1]

- رسالة في كون باء البسملة للملابسة: یہ خواجہ زادہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۹۳ھ) کی تالیف ہے۔
- رسالة في البسملة: یہ جلال الدین رسولا بن احمد بن یوسف الشیری الحنفی التبانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

---

[1] یہ رسالہ "مجموعہ رسائلِ عقیدہ" میں طبع ہو چکا ہے۔

❊ رسالة في تفسير قوله سبحانه وتعالیٰ ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾:
یہ ابن طولون اور مولیٰ شامی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد للّٰه الذي استوى......الخ"

راقم الحروف نے اس مسئلے پر اپنی کتاب "الانتقاد الرجیح في شرح الاعتقاد الصحیح" میں پوری تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے۔ اس مسئلے میں سلفِ امت کا مسلک حق ہے۔ یعنی صفاتِ الٰہیہ کا اثبات اور بغیر تکییف، تاویل، تعطیل اور تحریف کے ان کو ان کے ظواہر پر محمول کرنا۔

❊ رسالة في تفسير آية الوضوء: یہ احمد بن مصطفیٰ الشہیر بہ طاش کبری زادہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۶۸ھ) کی تالیف ہے۔ مولف نے فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ......الخ﴾ کی بھی تفسیر لکھی ہے۔

❊ رسالة في تفسير بعض الآيات: یہ الیاس بن ابراہیم السینابی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ مولف نے اپنی اس کتاب میں فنِ تفسیر میں اپنی مہارت کا اظہار کیا ہے۔

❊ رسالة في تفسير قوله سبحانه وتعالیٰ: ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾: یہ سید شریف علی بن محمد الجرجانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۱۸) کی تالیف ہے۔

❊ رسالة في تفسير قوله سبحانه وتعالیٰ: ﴿فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾: یہ مصلح الدین مصطفیٰ القسطلانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۰۱ھ) کی تالیف ہے۔

❊ رسالة في تفسير قوله سبحانه وتعالیٰ: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾: یہ احمد الشہیر بہ شیخ زادہ رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ مولف نے اس کا حاشیہ اس وقت لکھا، جب وہ مدارسِ سلیمانیہ کے ایک مدرسے میں مدرس تھا۔ مولف نے اس میں زمخشری اور بیضاوی رحمہ اللہ کی مراد کو متعین کیا ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد للّٰه الذي بين وحدانيته بإنزال الآيات التشريعية......الخ"

❊ رسالة في تفسير قوله سبحانه وتعالیٰ: ﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْ مَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ﴾: یہ عبدالحلیم الشہیر باخی زادہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۱۳ھ) کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے: "إن أحسن ما يوشح به صدور السطور......الخ"

مولف نے یہ رسالہ اس وقت تالیف فرمایا، جب وہ علی باشا کے مدرسے میں مدرس تھے۔

* رسالة في قوله سبحانه وتعالیٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ......الخ﴾: یہ شیخ احمد بن محمد الخفاجی الخطیب بالمدینۃ المنورۃ ۔شرفها الله تعالیٰ۔ کی تالیف ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله الذي أظهر أسرار معاني آياته......الخ" مولف نے اس کتاب کو ایک مقدمہ، تین مقاصد اور ایک خاتمے پر مرتب کیا ہے۔ ان کے ہم عصر علما محمد مقدسی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کی تقریظ لکھی ہے۔

* رسالة في تفسير قوله سبحانه وتعالیٰ: ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ﴾: یہ ابو محمد العسال رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

* رسالة في تفسير قوله سبحانه وتعالیٰ: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ﴾: یہ شیخ محمد الوانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

* رسالة في قوله سبحانه وتعالیٰ: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ﴾: اہلِ دمشق میں سے ایک آدمی کی تالیف ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "نحمدك يا من أيقظ قلوب العارفين......الخ" مولف نے ۹۶۰ھ میں یہ رسالہ تالیف کیا۔ اس آیت کی تفسیر پر مولانا علاء الدین شامی رحمہ اللہ کا بھی ایک رسالہ ہے۔

* رسالة في تفسير قوله سبحانه وتعالیٰ: ﴿يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ﴾: یہ خسرو کی تالیف ہے، جو اس نے سلطان محمد خان کے حکم پر کی تھی۔ چوں کہ معتزلہ سورۃ الانعام کی مذکورہ بالا آیت سے اہلِ سنت کے خلاف استدلال و احتجاج کرتے تھے، لہٰذا خسرو نے اس اشکال کو حل کیا اور وجوہِ مذکورہ میں صاحبِ کشاف اور بیضاوی رحمہ اللہ کی مراد کو واضح کیا۔ اس موضوع پر شیخ سری الدین عبدالبر بن محمد بن الشحنہ رحمہ اللہ کا بھی ایک رسالہ ہے، جس میں موصوف نے یہ ذکر کیا ہے کہ ۸۷۶ھ میں فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا﴾ پر گفتگو ہوئی تو بعض ساتھیوں نے اس پر اشکال پیش کیا۔ طیبی رحمہ اللہ نے اس اشکال کا جواب دیا۔ طیبی رحمہ اللہ کی تقریر میں صحتِ فکر اور حسنِ نظر کے ساتھ احتجاج کیا گیا تھا، جبکہ ظاہری امر یہ ہے کہ یہ آیت مشکل ہے۔

* رسالة الخوف والحزن: یہ شیخ عبدالمجید بن نصوح الرومی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ مولف

نے اس رسالے میں ان چودہ آیات کی تفسیر کی ہے، جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي جعل عباده......الخ"

* رسالة في التعارض بين قوله تعالیٰ: ﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ وقوله تعالیٰ: ﴿وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَق﴾: یہ شیخ یعقوب اصغر رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ علماے مصر کی مذکورہ بالا آیات میں تعارض پر گفتگو کا ہونا اس رسالے کی تالیف کا سبب بنا۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الملك العلام......الخ"

* رسالة في رد من زعم أن في الفاتحة تسعة أسماء للشياطين: یہ محمد بن عمر بن خالد القرشی الحنفی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "أحمد الله من فاتحة الأم......الخ"

* رسالة في تفسير قوله سبحانه و تعالیٰ: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾: یہ احمد بن محمد الشہیر بہ شیخ زادہ رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جو مدرسہ سلیمانیہ میں مدرس تھے۔ مولف نے اس پر یہ رسالہ لکھا کہ زمخشری اور بیضاوی رحمہما اللہ نے مذکورہ بالا آیت میں موجود استعارے سے کیا مراد لی ہے۔ یہ رسالہ مفتی صنع اللہ آفندی اور غنی زادہ وغیرہ کی کتابوں کے بعد لکھا گیا۔ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

* رسالة الفلاح والهدى الواقعين في القرآن: یہ شیخ عبدالمجید بن نصوح الرومی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "الحمد لله الذي جعل عباده المؤمنين...الخ" مولف نے ذکر کیا ہے کہ اسے اس موضوع پر گیارہ آیات دستیاب ہوئی ہیں۔

* رسالة في فن التفسير والأصول والفروع والمنطق والكلام: یہ شیخ محمد بن کمال التاشکندی الحافظ رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ مولف نے یہ رسالہ ابو سعود کے ساتھ ہونے والی بحث پر لکھا، اس مسئلے پر تیمور کی مجلس میں سید اور سعد کے درمیان گفتگو ہوئی تھی۔ اس نے وزیر محمد باشا العتیق کی خدمت میں اس کو بہ طور ہدیہ بھیجا۔

- رسالة في فوائد القرآن: یہ امام ابو القاسم حسین بن علی المعروف بہ الراغب الاصفہانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
- رسالة الفوز العظيم: یہ شیخ عبدالمجید بن نصوح الرومی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي شرف أهل طاعته......الخ" مولف نے تتبع کر کے اس موضوع پر تیرہ آیات تلاش کیں۔
- رسالة في قوله سبحانه وتعالىٰ: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾: یہ مظفر الدین علی الشیرازی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
- رسالة المسترضىٰ في تفسير قوله تعالىٰ: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾: یہ شیخ منصور الطبلاوی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۵۶ھ) کی تالیف ہے۔
- رسالة في قوله سبحانه وتعالىٰ: ﴿مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾: یہ شیخ ابراہیم بن محمد المامون رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أوجب عبادته على كل موجود......الخ"
- رسالة في قوله تعالىٰ: ﴿يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ﴾: یہ قوام الدین یوسف بن حسین رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
- رسالة فيقوله تعالىٰ: ﴿يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ﴾: یہ احمد الرمضانی، خسرو، امیر حسین النکساری، قرہ باغی، سامسونی اور معین الدین اللاری رحمہم اللہ کی تالیف ہے۔

علم رسم المصحف:

عبدالرحمٰن بن خلدون رحمہ اللہ نے کتاب العبر میں لکھا ہے کہ بعض اوقات فنِ قراءت کے ساتھ فنِ رسم کا بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس سے مراد مصحف میں قرآنی حروف کے اوضاع و حالات اور اس کی خطی رسوم ہیں، کیوں کہ قرآن مجید میں بہت سے ایسے حروف پائے جاتے ہیں، جن کا رسم الخط، خط کے قواعد سے غیر معروف ہے، جیسے "بأييد" میں یاء کی زیادتی، "لا أذبحنه" اور "لا أوضعوا" میں الف کا اضافہ، "جزاؤ الظالمين" میں واؤ کی زیادتی اور کچھ جگہوں کو چھوڑ کر بعض مواضع میں الف کو حذف کر دینا، نیز اس میں لمبی تاءیں لکھی جاتی ہیں، جب کہ ان میں اصل یہ ہے

کہ ان کو ہا کی شکل میں لکھا جائے وغیرہ۔ جب خط کے اوضاع اور قانون میں اس قسم کی مخالفت پائی گئی تو اس کا حصر و شمار کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پس اہلِ علم نے علوم پر مشتمل اپنی کتابوں میں اس پر تحریریں لکھیں۔ مغرب میں اس کام کا بیڑا ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ نے اٹھایا، چناں چہ اس نے اس موضوع پر کئی کتابیں تحریر کیں، جن میں سے سب سے زیادہ مشہور کتاب "المقنع" ہے۔ لہٰذا لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کے گرویدہ ہو گئے۔ ابو القاسم الشاطبی رحمہ اللہ نے اپنے اس مشہور قصیدے میں اس کو نظم کیا ہے، جس کا قافیہ را ہے۔ لوگ اس کو حفظ کرنے کے دلدادہ اور شوقین بن گئے۔

پھر دوسرے کلمات و حروف کے رسم الخط میں بہت سا اختلاف واقع ہوا۔ مجاہد رحمہ اللہ کے موالی میں سے ابو داؤد رحمہ اللہ سلیمان بن نجاح رحمہ اللہ نے ان کلمات و حروف کا اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ یہ ابو داؤد رحمہ اللہ مذکور ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ہے اور اس کے علوم کو اخذ کرنے اور اس کی کتابوں کی روایت کرنے میں مشہور ہے۔ پھر اس نے اس کے بعد ایک اور اختلاف نقل کیا ہے۔ متاخرین میں سے خزاز رحمہ اللہ نے مغرب میں ایک اور ارجوزہ (بحر رجز کے وزن پر نظم) نظم کیا، جس میں کتاب "المقنع" پر بہت سے اختلاف کا اضافہ کیا اور ان کے ناقلین کی طرف اس کی نسبت کی۔ وہ نظم مغرب میں بہت مشہور ہوگئی، لوگوں نے بس اسی کو حفظ کر لینے پر اکتفا کیا اور رسم الخط پر لکھی گئی ابو داؤد، ابو عمرو اور شاطبی رحمہم اللہ کی کتابوں کو ترک کر دیا۔[1] انتهى كلامه.

رسم الخط پر کلام کے دوران میں اس رسم کی تعلیل کا پہلے ذکر گزر چکا ہے۔ یقیناً اس موضوع پر بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ ان میں سے ایک کتاب "الابحاث الجميلة شرح العقيلة" ہے۔

- رسوخ اللسان في حروف القرآن: یہ ایک قصیدہ ہے، جو روم کے خطبا میں سے ایک خطیب نے سلطان سلیمان کے نام سے نظم کیا ہے۔ اس میں ایک ہزار تینتالیس اشعار ہیں۔ بعد میں مولف نے ترکی نثر میں اس کا ترجمہ کیا۔
- الرعاية لتجويد القراءة وتحقيق لفظ التلاوة: یہ چالیس اجزا پر مشتمل شیخ ابو محمد مکی بن ابی طالب قیسی حموی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۷ھ) کی تالیف ہے۔
- رغائب القرآن: یہ ابو مروان عبدالملک بن حبیب السلمی القرطبی المالکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۹ھ)

[1] تاريخ ابن خلدون (١/ ٤٣٨)

کی تالیف ہے۔ صاحبِ "الدر النظيم" نے اس کا ذکر کیا ہے۔

* رفع اللباس و كشف الالتباس في ضرب المثل من القرآن والاقتباس: یہ امام سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) کا رسالہ ہے۔ ان کی ایک تالیف اس نام سے ہے: "رفع منار الدين وهدم بناء المفسدين" فقہ کے موضوع پر ان کی تالیف میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

* رموز الكنوز: یہ شیخ عزالدین عبدالرزاق الرسعنی الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۶۰ھ) کی تفسیری تالیف ہے۔

* روح البيان في تفسير القرآن: یہ شیخ العارف الکامل الشیخ اسماعیل حقی افندی کی تالیف ہے۔ مولف نے یہ تالیف اپنے شیخ عثمان نزیل قسطنطنیہ کے حکم پر لکھی۔ اس کی چھے جلدیں ہیں۔ کشف الظنون میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ دور حاضر میں یہ قاہرہ مصر سے طبع ہوئی۔ یہ کتاب تصوف کی زبان میں بہت سے معارف اور حقائق پر مشتمل ہے۔ اس میں بلا امتیاز فارسی اور عربی کا امتزاج ہے۔ مولف اس میں ایسی حیران کن خبریں لایا ہے، جو قابلِ التفات نہیں ہیں۔ نیز اس میں ایسے کمزور فتوے ہیں، جو قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ درحقیقت یہ کتابِ عزیز کی تفسیر نہیں ہے۔ مولف نے اس میں فارسی شعرا کے بہت زیادہ اشعار نقل کیے ہیں۔ خاص طور شیخ جلال الدین الرومی کی مثنوی کے اشعار۔ دراصل مولف اعتقاد و معرفت میں اس کے پیروکاروں میں سے ہے، اسی لیے اس نے تفسیر کے ہر جزو کا نام دفتر رکھا ہے اور کتاب اللہ میں اپنی تفسیر کے ذریعے سے ایسی چیزیں ٹھونسنے کی جرأت کی ہے، جو اس میں سے نہیں ہیں۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أظهر من نسخة حقائقه الذاتية الكمالية نقوش العوالم والأعلام......الخ"

* روض الجنان في التفسير.

* روضات الجنان في تفسير القرآن: یہ دس جلدوں میں ہبۃ اللہ بن عبدالرحیم حموی شرف الدین بارزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۳۸ھ) کی تالیف ہے۔

* الروضه في القراءات العشرة: یہ ابوعلی الحسن بن محمد بن ابراہیم المقری البغدادی

المالکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۸ھ) اور ابو عمر احمد بن عبداللہ بن طالب الطلمنکی الاندلسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۲۹ھ) کی تالیف ہے۔ اس بارے میں شریف ابو اسماعیل موسیٰ بن حسین المعدل المقری رحمہ اللہ کی بھی تالیف ہے۔

* رونق التفسير.
* رياض الجنان في قوارع القرآن: یہ جلال الائمہ بغدادی رحمہ اللہ کا رسالہ ہے۔

باب الزاء المعجمة

❊ زاد المسير في علم التفسير: یہ چار اجزا پر مشتمل ابو الفرج علی بن الجوزی البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷ھ) کی تالیف ہے۔

الزبور:

یہ کتب سماویہ میں سے ہے، جو داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے۔ انتھیٰ ما في کشف الظنون.

راقم الحروف کہتا ہے کہ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہم یہ باتیں کرتے تھے کہ وہ (زبور) تو ایک دعا ہے، جو داؤد علیہ السلام کو سکھائی گئی۔ نیز وہ اللہ عزوجل کی تحمید و تمجید ہے۔ اس میں حلال وحرام کا بیان ہے نہ فرائض وحدود کا کوئی ذکر ہے۔

ربیع بن انس رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ زبور تو اللہ تعالیٰ کی ثنا، دعا اور تسبیح پر مشتمل ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حقیقت الامر یہی ہے، جو قتادہ اور ربیع رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ ہم نے بھی زبور کا تعارف حاصل کیا تو اس کو ان خطبوں پر مشتمل پایا، جن کے ساتھ کنیسہ میں داخل ہوتے وقت داؤد علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ سے مخاطب ہوتے تھے، وہ تمام خطبے ڈیڑھ سو ہیں۔ ہر خطبے کا نام "مَزمور" رکھا گیا ہے۔ ان خطبوں میں سے کسی میں داؤد علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ سے دشمنوں کی شکایت کر کے اس سے مدد طلب کرتے ہیں، کسی میں مدد آنے اور دشمنوں پر غلبہ پانے پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے۔

سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں سلف کی ایک جماعت سے اس موضوع پر بہت سی روایات درج کی ہیں اور زبور کے جن الفاظ پر وہ آگاہ ہوئے، انھوں نے وہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ ان الفاظ کے یہاں پر ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیوں کہ قرآن جن مواعظ اور زواجر پر مشتمل ہے، اس نے زبور اور دوسری کتابوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔[1] انتھی کلامه.

❊ زينة القاري: یہ قراءات پر مشتمل ایک مختصر کتاب ہے، جس میں اہم مسائل جمع کیے گئے ہیں، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد للّٰه رب العالمين......الخ"

[1] فتح القدير (۳/ ۳۳۸)

باب السين المهملة

❊ السابق واللاحق: یہ ابو امامہ بن النقاش محمد بن علی بن عبدالواحد الدکالی المصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۳ھ) کی تفسیر پر تالیف ہے۔

❊ سبب الانكفاف عن إقراء الكشاف: یہ شیخ تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

❊ سرالعلوم والمعاني المستودعة في السبع المثاني: یہ ابو العباس احمد بن معد الاقلیشی النحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۵۰ھ) کی تالیف ہے۔ یہ ایک لطیف اور بہت جلیل القدر کتاب ہے۔

❊ السر القدسي في تفسير آية الكرسي: یہ شیخ منصور الطبلاوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۱۴ھ) کی ایک جلد میں تفسیر ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "حمدا لمن أظهر أسرار التنزيل......الخ" مولف نے اسے ایک مقدمے پر مرتب کیا ہے، جو تین ابواب پر مشتمل ہے۔ نیز اسے ایک مقصد اور ایک خاتمے پر مرتب کیا۔ خاتمے میں دو باب ہیں۔ وہ شوال ۹۹۷ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔

❊ السراج المنير في الإعانة علىٰ معرفة بعض معاني كلام ربنا الحكيم الخبير: یہ شیخ الامام الخطیب الشربینی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله الملك السلام المهيمن العلام......الخ" مولف نے اس میں کہا ہے کہ میرے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے اپنے خواب میں نبی کریم ﷺ کو یا شافعی رحمہ اللہ کو دیکھا۔ وہ مجھے کہہ رہے ہیں کہ فلاں سے کہو کہ وہ قرآن مجید کی تفسیر لکھے۔ پھر اس کے بعد مجھ سے میرے ساتھیوں نے مطالبہ کیا کہ میں ان کے لیے ایک تفسیر لکھوں، جو لمبی اکتا دینے والی اور مختصر خلل انداز ہونے والی نہ ہو، بلکہ ان کے درمیان اوسط درجے کی تفسیر ہو۔ میں نے ان کا یہ مطالبہ قبول کر لیا۔ انتهى ملخصاً.

یہ تفسیر قاہرہ مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ راقم الحروف کے پاس یہ تفسیر موجود ہے اور وہ اس سے استفادہ کر چکا ہے۔ اس کا مولف لکھاری تو ہے، مگر محقق اور منقح نہیں۔ اس نے یہ چار جلدوں میں ضخیم تفسیر لکھی، اس نے امام رازی اور ابن عادل رحمہ اللہ وغیرہ سے یہ تفسیر اخذ کی ہے۔

* سکردان: یہ ابن ابی حجلہ احمد بن یحییٰ التلمسانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۶ھ) کی تالیف ہے۔ اس میں ایک مقدمہ اور سات ابواب ہیں۔ ساتواں باب قرآن مجید کے بعض الفاظ کی تفسیر میں ہے۔ باقی کتاب ترکی علاقوں اور بادشاہوں کے احوال وغیرہ پر مشتمل ہے۔

* سواطع الإلهام: یہ فاضل ابو الفیض الہندی المتخلص بہ فیضی رحمہ اللہ کی تفسیری تالیف ہے۔ تفاسیر کے درمیان یہ ایک منفرد کتاب ہے، کیوں کہ مولف نے شروع قرآن سے لے کر آخر تک آیات کی تفسیر ایسے کلمات کے ساتھ کی ہے، جن کے تمام حروف مہمل یعنی بغیر نقطوں کے ہیں۔ جب یہ تالیف مکمل ہوئی تو میر صدرالدین المعمائی نے سورۃ الاخلاص میں اس کی تاریخ پائی اور وہ ۱۰۰۲ھ ہے۔[1] انتهى ما في كشف الظنون.

میں کہتا ہوں کہ یہ کتاب دو جلدوں میں ایک متوسط تفسیر ہے، جو خط نسخ میں لکھی گئی ہے۔ اس کا دیباچہ مولف کے اپنے احوال اور اس کے علاوہ بادشاہِ ہند اکبر کی مدح میں بڑی لمبی مہمل عبارت کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس کے آخر پر اپنے ہم عصر لوگوں کی عربی و فارسی تواریخ کو بھی شامل کر دیا ہے۔ اپنے دور کے علما و فضلا کی تقاریظ کو نقل کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا مولف بادشاہ کا وزیر تھا۔ اکبر آباد معروف بہ آگرہ اس کی جائے سکونت تھی، اس کا بڑا بھائی ابو الفضل تھا۔ اکبر بادشاہ کے الحاد کا سبب انھی دو بھائیوں کی صحبت کو اختیار کرنا تھا۔ اس کے باوجود یہ تفسیر اپنی ذات کی حد تک اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ عربیت اور ادب پر کتنی گرفت اور قدرت رکھتا تھا۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے "مآثر الكرام تاريخ بلگرام" میں فیضی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ فیضی کی فضیلت کی دلیل "سواطع الإلهام" اس کی بغیر نقطوں کی تفسیر ہے۔ گذشتہ ہزار سال میں کسی کو اس سے زیادہ مستعدی اور ہوشیاری میسر نہیں آسکی۔ پھر طرفہ یہ کہ اس نے اتنے مشکل کام کو دو ہی سال میں ابتدا سے انتہا تک مکمل کر دیا۔ میر حیدر معمائی کاشی نے تفسیر سورۃ الاخلاص کے اِتمام کی تاریخ دریافت کر کے دس ہزار روپے انعام وصول کیا۔ فضلائے عصر نے

---

[1] كشف الظنون (۲/ ۱۰۰۸)

اس تفسیر پر دستخط ثبت فرمائے، جیسے شیخ یعقوب کشمیری اور سید محمد شامی رحمہ اللہ۔ نیز ملا ظہوری ترشیزی رحمہ اللہ نے قصیدۂ غراد میں تقریباً ستر رباعیاں لطائفِ اہمال میں نظم کیں۔ اسی طرح ملک قمی نے بھی رباعیات کو نظم کی لڑی میں پرویا۔ انتھی.

راقم الحروف نے اس تفسیر کا مطالعہ کیا اور اس کے پاس یہ تفسیر موجود ہے۔ فیضی رحمہ اللہ کی اس تفسیر کا آغاز یوں ہوتا ہے: "اللّٰہ لا إله إلا هو، لا أعلمه ما هو ولا أدركه كما هو......الخ"

اس تفسیر کے دیباچے میں چند سواطع سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ ایک دو ساطعے مندرجہ ذیل ہیں:

ساطعه: علم كلام اللّٰه داماء لا ساحل له، وطود لا مسلك له، كل واحد أراد وصوله، وما وصل آمده، ورام سلوك دركه وما أدرك حده.

ساطعه: أصل المراد وملاك الإسلام هو العمل لا العلم وحده، كما هو مدلول كلام اللّٰه الودود: اعملوا آل داوٗد، اللّٰه هو المعد للعلم والممد للعمل.

ساطعه: العلماء الصلحاء هم الأرهاط السعداء، همهم هم الإسلام، وسرورهم لعلوّ أمره وسرور أهله ومرادهم هو اللّٰه وإعلاء أوامره وروادعه، وورد صلاح العالِم صلاح العالَم، والعالم الصالح صلاح الممالك وسلاح المعارك، ولهؤلاء العلماء كلام كالمسك معطر الأرواح ومروّح الصدور، وعلماء السوء لهم كلام كالعود الداعر مكدر الحواس وممل الأسماع.

ساطعه: العلوم كلها صداع إلا علم كلام اللّٰه، وكل علم سواه عطّله وأهمِلْه، وكلام اللّٰه لا عدّ لمحامده، لا حد لمكارمه، ولا حصر لرسومه ولا إحصاء لعلومه، وهو إمام أهل الإسلام، ومدار أصل المرام، ومصرح علم الحلال والحرام، ومطرح سر الأوامر والأحكام، مصدر العلوم ومودها، ومحمل الأسرار ومطلعها، ومودع الحكم ومصدعها، ومحط الصالح ومسلكها، حامله واطد، وعالمه سامك، وعاصمه هاد، وحاكمه عادل، وسالكه واصل، وما علم علوم كلام اللّٰه كلها إلا اللّٰه ورسوله، وأولو العلم ما علموا إلا عدادا وورد علوم كلام اللّٰه عدد كلمه.[1] انتھی.

[1] سواطع الإلهام (ص: ١٠، ١١)

اس تفسیر میں اس قسم کے سواطع بہت زیادہ ہیں۔ ایک تفسیری نمونہ ملاحظہ کریں:

"ذلك المعهود وروده الموعود، إرساله كما هو مدلول الطروس الأول، ومرسوم الألواح، ومسدد الرسل، وهو مع محموله كلام والم محمول لمطروح كلام سواه الكتاب كلام اللّٰه المرسل، الكامل المسطور المسدد والمدلل، وهو مصدر صار اسما إطراءً لا ريب فيه ما حام الإعواد حوله أصلا لسطوع مدلوله وعلو حاله وسمو أمره إلى قوله أرسله اللّٰه هدىً دال موصل لكل مأمول وصراط مسلك أهل الوصول وهو مصدر، أورده مورد هادٍ، وهو محمول لهوالمطروح أوحال للمتقين عما ساء، وهم رهط أراد اللّٰه إسلامهم وهداهم .أوهم أهل الإسلام رامو إكماله، وهو ح ككلامك للكريم: أكرمك اللّٰه، والمدعو كمال الإكرام"[1] انتهٰی.

✻ سماوغ الدرر: یہ ابو الحسن علی بن عراق الخوارزمی رحمہ اللہ (المتوفی: فی حدود ۵۳۹ھ) کی قراءات کی تفسیر پر مشتمل تالیف ہے۔

---

[1] سواطع الإلهام (ص: ۲۳)

باب الشين المعجمة

❊ الشامل في القراءات: یہ ابو بکر احمد بن الحسین بن مہران النیسابوری المقری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۱ھ) کی تالیف ہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔

❊ شرح البسملة والحمدلة: یہ قاضی زکریا بن محمد الانصاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۲۶ھ) کی تالیف ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله علیٰ ما تفضل به......الخ" اس میں مولف نے اہم فوائد ذکر کیے ہیں۔ ابن عبدالحق اور ایک شنوانی نے اس کی شرح لکھی ہے۔

❊ شرح البسملة والحمدلة: یہ شیخ شہاب الدین احمد البریسی الشہیر بہ الشیخ عمیرة کی تالیف ہے۔ اس پر ایک حاشیہ ہے، جو اس کی شرح کی مانند ہے اور وہ ایک جلد میں شیخ ابو بکر بن اسماعیل الشنوانی (المتوفی: ۱۰۱۹ھ) کی تالیف ہے۔ مولف نے اس کا نام: "الطوالع المنيرة علیٰ بسلمة عميرة" رکھا ہے۔

❊ شرح العشر في معشر الحشر: یہ رسالہ حشر کے احوال سے متعلق دس آیات بینات کی تفسیر پر مشتمل ہے، جو شیخ احمد بن کمال باشا رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۴۰ھ) کی تالیف ہے۔

❊ الشرعة في القراءات السبعة: یہ شیخ برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری المقری رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۳۲ھ) اور شیخ شرف الدین ہبۃ اللہ بن عبدالرحیم بن البارزی الحموی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۳۸ھ) کی ایک عمدہ تالیف ہے۔

❊ شفاء الصدور في تفسير القرآن الكريم: یہ ابو بکر محمد بن الحسن المعروف بہ النقاش الموصلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۱ھ) کی تالیف ہے۔

❊ شفاء الصدور والأبدان بسر منافع القرآن.

❊ شفاء الظمآن في فضل القرآن: یہ ابو العباس احمد بن معد الاقلیشی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۹ھ) کی تالیف ہے۔ عبدالعزیز بن احمد رحمہ اللہ نے اس کا اختصار کیا ہے۔

* الشمس المنيرة في القراءات السبعة الشهيرة: یہ ادیب الحسین بن محمد البکری الدباس رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۲۴ھ) کی تالیف ہے۔
* شمسیۃ: یہ ترکی زبان میں علمِ قراءت وتجوید پر احمد بن قرامان قونوی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي نور قلوب المؤمنين بنور المعرفة والإيقان......الخ" مولف نے اسے بارہ (۱۲) ابواب پر مرتب کیا ہے۔

علم الشواذ:

یہ علمِ قراءت کی ایک فرع ہے۔

باب الصاد المهملة

* الصحائف في التفسير: یہ شمس الدین محمد السمرقندی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جسے شیخ احمد بن محمود القرمانی الاصم رحمہ اللہ (المتوفی ۱۷۹ھ) نے مکمل کیا تھا۔
* الصراط المستقیم إلی معاني بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: یہ شیخ علاء الدین علی بن محمد بن عراق نزیل الحرم الشریف رحمہ اللہ (المتوفی ۹۶۳ھ) کی تالیف ہے۔ محمد بن بلال الآیدیني نے رستم پاشا کے لیے اس کتاب کا ترکی میں ترجمہ کیا تھا۔
* الصراط المستقیم في تبیان القرآن الکریم: یہ شیخ نورالدین احمد بن محمد بن خضر العمری الشافعی الکازرونی نزیل مکۃ المکرّمۃ رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ یہ کتاب تفسیر جلالین کی طرح مختصر اور ممزوج تفسیر ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "التعوذ وتفسیر الفاتحۃ إجمالا... الخ" پھر اس کے بعد دیباچہ ہے، جس میں مولف نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ تفسیر بیان میں مختصر لیکن فوائد میں بسیط ہے۔ یہ کتاب تقریباً بیس ہزار فوائد پر مشتمل ہے۔ مولف نے اس تفسیر میں حسن یا صحیح حدیث پر اعتماد کیا اور اس کا نام: "بعض الأبرار بطالع الأنوار" رکھا ہے۔

علم الصیفي والشتاوي:

یہ علم تفسیر کی ایک فرع ہے، اس کا موضوع، غایت اور منفعت ظاہر و باہر ہے۔ واحدی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے "کلالہ" کے بارے میں دو آیتیں نازل فرمائی ہیں:

① ایک وہ جو سورۃ النسا کے شروع میں شتائی میں ہے۔

② دوسری وہ ہے جو اس کے آخر میں صیفی میں ہے۔

صیفی آیات میں سے وہ بھی ہیں، جو حجۃ الوداع میں نازل ہوئی ہیں، جیسے سورۃ المائدہ کی ابتدائی آیات اور فرمانِ باری تعالیٰ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾، ﴿وَ اتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ......﴾، آیۃ الدین، سورۃ النصر اور وہ آیات جو غزوہ تبوک میں نازل ہوئیں۔ شتائی آیات میں سے آیۃ الافک اور وہ آیات ہیں جو غزوہ خندق میں اتریں۔[1]

① کشف الظنون (۲/ ۱۰۸۵)

باب الضاد المعجمة

* ضرب الأسل في جواز أن يضرب في المواعظ والخطب من الكتاب والسنة المثل: یہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) کی ایک ضخیم تالیف ہے۔
* ضمائر القرآن: یہ ابو علی احمد بن جعفر الدینوری النحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۸۹ھ) کی تالیف ہے۔ یہ مختصر تفسیر ہے، جس کا مولف نے فراء اور ابو بکر بن الانباری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۸ھ) کی کتاب المعانی سے استخراج کیا ہے۔ یہ تفسیر دو جلدوں میں ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں اس کا ذکر کیا ہے۔
* الضوابط و الإشارات لأجزاء علم القراءات: یہ برہان الدین ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۸۵ھ) کی تالیف ہے۔ یہ قراءت میں بہت لطیف اور مختصر کتاب ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي من توسل إليه بلذيذ خطابه......الخ" اس کتاب میں مولف کا کلام وسائل و مقاصد میں منحصر ہے۔ وسائل سات اجزا اور مقاصد دو اجزا پر مشتمل ہیں۔ پہلا جزو "الأصول" جس میں تقریباً بیس ابواب اور دوسرا جزو "الفرش في السور" ہے۔
* ضياء السبيل إلىٰ معاني التنزيل: یہ شیخ محمد بن علی بن علان الصدیقی البکری رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۵۷) کی تفسیر ہے۔
* ضياء القلوب في التفسير: یہ ابو الفتح سلیم بن ایوب الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۴۷) کی تالیف ہے، جس کا ابو محمد عبدالغنی بن قاسم بن حسن بن ابو القاسم الشافعی المصری الحجازی رحمہ اللہ (المتوفی بمصر: شوال ۷۰۲ھ) نے نہایت عمدگی سے اختصار کیا ہے۔

باب الطاء المهملة

* طبقات القراء: یہ ابو عمرو عثمان الدانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۴۴ھ) کی تالیف ہے۔ شیخ محمد بن محمد الجزری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۳۳) کی بھی صغریٰ اور کبریٰ تالیف ہے۔ کبریٰ کا نام "النهاية" اور صغریٰ کا نام "غاية النهاية" ہے۔ یہ اس فن کی کتابوں میں سے سب سے زیادہ جامع کتاب ہے۔ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن عثمان الذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب لکھی، جو انھوں نے اپنی تاریخ کبیر سے اخذ کی، پھر الشریف ابو المحاسن محمد بن علی الحسینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۵ھ) نے اس کا تکملہ اور تتمہ لکھا۔ ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد الطبری رحمہ اللہ کی بھی اس موضوع پر ایک تالیف ہے، اس کے سترہ طبقات ہیں۔ صفدی رحمہ اللہ نے مصنف کو یہ کتاب پڑھ کر سنائی۔ اس پر عفیف مطری رحمہ اللہ کا بھی ایک تتمہ ہے۔ اسی طرح عمر بن علی بن الملقن رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۴ھ) کی تالیف ہے اور ابو العلاء حسن بن احمد الہمدانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۶۹ھ) کی بیس جلدوں میں تالیف ہے۔
* طبقات المفسرين: یہ جلال الدین عبدالرحمن السیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) کی تالیف ہے۔ نیز اس نام سے محمد بن علی بن احمد الداوودی المالکی رحمہ اللہ کی بھی ایک تالیف ہے۔ موصوف ۹۴۱ھ میں اس تالیف سے فارغ ہوئے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے یہ کتاب تالیف کرنے کے لیے طبقات ابن السبکی، طبقات ابن قاضی شہبہ، طبقات ابن فرحون اور طبقات حنابلہ وغیرہ کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے اپنی اس کتاب کا آغاز اس طرح کیا کہ بسملہ کے بعد حرف الف میں ان کا ذکر کیا ہے، جن کا نام ابان ہے، پھر باقی حروفِ تہجی پر انھوں نے ذکر کیا۔ اس فن کی یہ ایک بہترین کتاب ہے۔ نیز اس موضوع پر شیخ ابو سعید صنع اللہ الکوزہ الکفانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۸۰ھ) کی بھی ایک تالیف ہے۔
* طراز العالمين في حكم الاستفهامين: یہ سراج الدین عمر بن قاسم النشار رحمہ اللہ کی قراءت پر مختصر تالیف ہے۔

* طوالع الأنوار: یہ شیخ امام احمد بن محمد بن خضر المدعو بہ نورالدین الکازرونی الشافعی رحمہ اللہ کی جلالین کی طرح مختصر تفسیر ہے، اس کو تفسیر الاخوین بھی کہتے ہیں۔
* الطود الراسخ في المنسوخ والناسخ: یہ شیخ علم الدین علی بن محمد بن عبدالصمد السخاوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۳ھ) کی قراءات پر تالیف ہے۔
* طيبة النشر في القراءات العشر: یہ شیخ شمس الدین محمد بن محمد الجزری رحمہ اللہ کی منظوم تالیف ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله علىٰ ما يسره من نشر منقول حروف العشرة... الخ" مولف نے اپنی یہ تالیف شعبان ۷۹۹ھ کو روم میں مکمل کی اور وہ ۸۳۳ھ کو وفات پا گئے، پھر ان کے بیٹے احمد رحمہ اللہ نے اس کی شرح لکھی۔ الشیخ ابو القاسم محمد النویری المالکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۷ھ) اور الشیخ زین الدین عبدالدائم الازہری رحمہ اللہ نے بھی اس کی شرح لکھی ہے۔

باب الظاء المعجمة

ظا سے شروع ہونے والے نام کی علمِ تفسیر میں کوئی کتاب معلوم نہیں ہوئی۔

باب العين

❊ عجائب القرآن: یہ دو جلدوں میں محمود بن حمزہ الکرمانی المعروف بہ تاج القراء رحمہ اللہ (المتوفی: بعد سنہ ۵۰۰ھ) کی تالیف ہے۔ ابو الخیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مولف نے آیت میں بعض وجوہ کا ذکر کیا، پھر اس کے بعد غریب شے کو بیان کیا۔ اس نے سورۃ الفلق میں فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ بعض تفاسیر میں جو لکھا ہے، کتنا عجیب ہے کہ "ومن شر الذكر إذا انعظ وقيل: وئج وروي من غلمة لا عدة لها" [اور شرم گاہ کی برائی سے جب وہ منتشر ہوتی ہے، یہ بھی مروی ہے کہ ایسے نوجوانوں کے شَر سے جو بے اعتبار وعدہ ہیں] نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

«أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ سَمْعِي وَبَصَرِي وَبَطْنِي وَعَيْنِي»

[میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں اپنے کان، اپنی نگاہ، اپنے پیٹ اور اپنی آنکھ کے شر سے]

اس تفسیر کو ذکر کرنا مناسب نہیں، لیکن میں نے اس لیے اس کا ذکر کر دیا، کیوں کہ اس میں کئی عجیب اقوال ہیں۔ ہر وہ بات جس کو میں عجیب کے لفظ سے موسوم کر دوں تو اس میں کچھ خلل اور خرابی ہے۔ انتهیٰ.

میں کہتا ہوں کہ مولف نے اس کا نام "لباب التفسير" رکھا ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" کی نوع میں لکھا ہے کہ مذکورہ تالیف میں بہت سے ایسے منکر اقوال ہیں کہ تفسیر میں ان پر اعتماد کرنا حلال نہیں ہے اور نہ ان کا ذکر کرنا حلال ہے، الا یہ کہ اس طرح کے اقوال سے خبردار کرنا مقصود ہو۔[1] انتهیٰ.

درحقیقت مذکورہ بالا تفسیر قرآن مجید کی تحریف ہے۔ نعوذ باللّٰه من جميع ما كرهه اللّٰه.

❊ عرائس البيان في حقائق القرآن: یہ ابو محمد روزبہان بن ابو نصر البقلی الشیرازی الصوفی (المتوفی: ۶۰۶) کی تالیف ہے۔ یہ اہلِ تصوف کے طریق پر ایک تفسیر ہے۔ مولف نے کہا ہے کہ میں نے یہ کتاب اس طرح مختصر اور ہلکی پھلکی بنائی ہے کہ اس میں اطالت اور املال نہیں ہے۔ میرے سامنے حقیقتِ قرآن اور لطائفِ بیان سے جو کچھ ظاہر ہوا، میں نے ان کو

---

[1] الإتقان (۴/ ۲۳۱)

لطیف الفاظ اور شریف عبارات کے ساتھ ذکر کر دیا۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں ایک آیت کی تفسیر کرتا ہوں، جس کی مشائخ نے تفسیر نہیں کی۔ پھر اپنا قول ذکر کرنے کے بعد مشائخ کے اقوال جن کی عبارات زیادہ لطیف اور ان کے اشارات زیادہ وسعت والے ہوتے ہیں، لاتا ہوں اور ان کے بہت سے اقوال ترک کر دیتا ہوں تاکہ میری یہ تالیف خفیف اور بہتر تفصیل والی بن جائے۔ انتھیٰ.

* العرف الوردي في نصرة الشيخ الهندي: یہ محمد بن ابراہیم الحلبی المعروف بہ ابن الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۷۱ھ) کی تالیف ہے۔ یہ ایک رسالہ ہے، جو عبداللطیف مشہدی کے رد میں ہے، جنھوں نے شیخ شہاب الدین احمد ہندی کا ان کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول ﴿فَسُحْقًا لِّأَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ پر تالیف کا رد کیا ہے۔
* العزيز في غرائب القرآن: یہ شیخ ابو بکر محمد بن عزیز السجستانی العزیزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۳۰ھ) کی تالیف ہے۔
* عقد الجواهر في الكلام علىٰ سورة الكوثر: یہ شیخ عمر بن نجیم المصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۰۵ھ) کی تالیف ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "سبحان المفيض علىٰ صنعه......الخ"
* العقد الفريد في علم التجويد: یہ محمد بن محمود بن محمد السمرقندی رحمہ اللہ کا قصیدہ ہے، پھر انھوں نے اس کی شرح لکھی اور اس کا نام "روح المريد" رکھا۔
* عقد اللآلي في القراءات السبع العوالي: یہ وزن اور قافیہ میں شاطبیہ کی طرح منظومہ قصیدہ ہے، جو ابو حیان محمد بن یوسف الاندلسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۵ھ) کی تالیف ہے۔ اس میں انھوں نے کوئی رمز استعمال نہیں کیا اور اس میں "التيسير" پر کافی اضافے کیے ہیں۔
* عقود الجمان في تجويد القرآن: یہ قصیدہ نونیہ ہے، جس میں آٹھ سو بائیس (۸۲۲) اشعار ہیں۔ یہ شیخ برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۳۲ھ) کا تالیف کردہ ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الله أحمد منزل القرآن......الخ"

* علم الاهتداء في معرفة الوقف والابتداء: یہ شیخ امام ابوعبداللہ محمد بن محمد بن علی بن ہمام المعروف بہ ابن الامام رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۵ھ) کی تالیف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ امام سخاوی کی تصنیف ہے۔

علم العلوم المستنبطة من القرآن:

* علوم القرآن: یہ جلال الدین عبدالرحمن بن عمر البلقینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۱۴ھ) کی تالیف ہے۔
* العلوية قصيدة في القراءات السبع المروية: یہ ابو البقاء علی بن عثمان بن محمد بن القاصح العذری المقری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۱ھ) کی تالیف ہے۔ یہ قصیدہ لامیہ ہے، جس کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے: "لك الحمد يا الله والعز والعلاء......الخ" اہلِ علم کی ایک جماعت نے ان کو یہ پڑھ کر سنایا، پھر انھوں نے ان کے لیے اس کی ایک شرح لکھی اور اس کا نام "الأمالي المرضية" رکھا۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے: "الحمد لله الذي شرف بعلم دينه......الخ"
* عمدة الحفاظ في تفسير أشرف الألفاظ: یہ احمد بن یوسف بن محمد الحلبی الشہیر بہ ابن السمین الحلبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۶ھ) کی تالیف ہے۔ ابن الحنبلی رحمہ اللہ نے "شرح الشفاء" میں اس کا ذکر کیا ہے۔
* عمدة الفرقان في وجوه القرآن: یہ شیخ مصطفی بن عبدالرحمن الازمیری رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۱۵۵ھ) کی تالیف ہے، اس کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أكرم أهل القرآن......الخ" انھوں نے کہا کہ ایک جماعت نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں بعض ایسی آیات جمع کروں، جن میں ائمہ عشرہ کی قراءات کی وجوہ اور روایات جمع ہوں، ایسے طریقے پر جس کو بڑی عمدگی سے بیان کیا گیا ہو تو پھر میں نے "عمدة في التفسير" تالیف کی۔
* عمدة المفيد وعدة المجيد في معرفة لفظ التجويد: یہ علم الدین ابوالحسن علی بن محمد السخاوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۳ھ) کا ساٹھ اشعار پر مشتمل علم تجوید پر قصیدہ نونیہ ہے۔ یہ ابو مزاحم موسیٰ بن عبداللہ بن یحییٰ بن خاقان الخاقانی رحمہ اللہ کے علمِ تجوید پر قصیدہ رائیہ کی طرح

ہے۔ عمدة المفید کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "یا من یروم تلاوة القرآن...... الخ".
پھر انھوں نے اس کی مختصر شرح لکھی۔ نیز الشیخ الامام اسماعیل بن محمد بن اسماعیل القفاعی بن سعد اللہ المعروف بہ ابن القفاعی الحموی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۰۶ھ) اور شمس الدین احمد بن محمود الادیب الحکیم المقری رحمہ اللہ نے بھی اس کی ایک شرح لکھی ہے، جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:
"الحمد لله الذي أنزل القرآن العظيم والذكر الحكيم...... الخ"

* العنوان: یہ ابو طاہر اسماعیل بن خلف المقری الانصاری الاندلسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۵ھ) کی قراءت پر تالیف ہے۔ ابن خلکان رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ اس فن کی نہایت عمدہ کتاب ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله الذي أنشأنا بقدرته...... الخ". مولف نے اس میں ایجاز و اختصار کے ساتھ قراء سبعہ کا اختلاف ذکر کیا ہے، تاکہ یہ یاد کرنے والے کے لیے آسان ہو جائے اور مبتدیوں کے لیے اس میں کوئی خفا نہ رہے، پھر انھوں نے "الاکتفاء" کے نام سے اس کا ترجمہ بھی کر دیا، جو منتہی اور مبتدی کے لیے کافی ہے۔ موصوف نے اسے خوب کھول کر بیان کیا ہے، جو عقل و شعور رکھنے والے کے لیے بالکل مشکل نہیں۔

الغرض انھوں نے اس مختصر کو اس کا عنوان اور ترجمہ قرار دیا۔ عبدالظاہر بن نشوان بن عبدالظاہر المقری الجذامی المصری الروی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۹ھ) نے اس کی شرح لکھی، جس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله المنعم بآلائه...... الخ" اس میں انھوں نے ذکر کیا کہ ان کے شیخ ابو الجود غیاث الدین بن فارس رحمہ اللہ اکثر اس سے مدد چاہتے تھے، لہٰذا انھوں نے اس کی شرح کی اور اس میں قراءاتِ مشہورہ اور روایاتِ ماثورہ کا اضافہ کیا، ہر قراءت کی علت بیان کی، پھر ائمہ قراءت اور ان کے رواۃ کا ذکر کیا۔

* عین الأعیان في تفسیر القرآن: یہ سورۃ الفاتحہ کی تفسیر ہے، جو شمس الدین محمد بن عمر الفناری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۳۴ھ) کی تالیف ہے۔
* عین المعاني في تفسیر السبع المثاني: یہ محمد بن طیفور السجاوندی الغزنوی رحمہ اللہ (المتوفی: چھٹی صدی ہجری) کی تالیف ہے، اس کی ایک مختصر بھی ہے، جس کا نام: "إنسان عین المعاني" ہے۔

* عیون التفاسیر بحذف التکاریر: یہ ابو منصور الحسین بن ابراہیم الغواص السجزی المنصوری رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* عیون التفاسیر للفضلاء السماسیر: یہ شیخ شہاب الدین احمد بن محمود السیواسی (المتوفی: ۸۰۳ھ) کی تالیف ہے، جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد للّٰہ الذي أنزل القرآن کلاما قیما لا یحوم حوله عوج......الخ" مولف نے اس میں ذکر کیا ہے کہ علما نے عمدہ عبارتوں کے ساتھ تفاسیر تصنیف فرمائی ہیں، لیکن بعض طلبا کے لیے ان باریکیوں کی وجہ سے استفادہ کرنا خاصا مشکل ہے۔ پس میں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ مجھے ایک مختصر تفسیر لکھنے کی توفیق مل جائے، جس کا سمجھنا آسان ہو، وہ شافی و وافی ہو اور ہر سمجھ دار طالب علم کے لیے وہ تیسیر کا کام دے۔

باب الغين المعجمة

❊ غاية الاختصار في القراءات العشر لأئمة الأمصار: یہ ابو العلاء حسن بن احمد العطار الہمدانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۶۹ھ) کی تالیف ہے۔ مولف نے اس میں سات قراءتوں کی شروط کے ساتھ صرف اشہر طرق اور روایات پر اقتصار و اکتفا کیا اور اس کو مطلق شاذ قراءتوں سے پاک کیا ہے۔ چناں چہ ابو جعفر رحمہ اللہ کو سب پر مقدم رکھا اور یعقوب رحمہ اللہ کو کوفیوں پر مقدم کیا۔ نیز "غاية في القراءات العشر" کے نام سے ابو بکر بن مہران احمد بن الحسین النیسابوری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۱ھ) کی ایک اور کتاب ہے۔ ابو المعالی الفضل بن طاہر بن سہل الحلبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۸ھ) نے اس کی شرح لکھی ہے۔

❊ غاية الأماني في تفسير الكلام الرباني: یہ احمد بن اسماعیل الکورانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۹۳ھ) کی تالیف ہے، جس میں مولف نے علامہ زمخشری اور علامہ بیضاوی رحمہما اللہ کا بہت سے مقامات پر مواخذہ کیا ہے، یہ ایک جلد میں ہے اور اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "الحمد لله المتوحد بالإعجاز في النظام......الخ" مولف تین رجب ۸۶۷ھ کو اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہوئے۔

❊ غاية التحقيق من التفاسير.

❊ الغاية في القراءة علىٰ طريقة ابن مهران: یہ ابو جعفر بن علی المقری المعروف بہ ابن الباذش (المتوفی: ۵۴۰ھ) کی تالیف ہے، جس کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے:
"الحمد لله العادل في قضيته، القائم بالقسط في بريته......الخ"

❊ غاية المطلوب في قراءة خلف وأبي جعفر ويعقوب: اس کو الشیخ زین الدین عبدالباسط بن احمد المکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۳ھ) نے مرتب کیا۔

❊ غاية المطلوب في قراءة يعقوب: یہ ابو حیان محمد بن یوسف الاندلسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۵ھ) کی مرتب کردہ ہے۔

❊ الغرائب والعجائب في تفسير القرآن الكريم: یہ امام فقیہ ابو القاسم محمود بن حمزہ بن نصر الکرمانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جو ۵۰۰ھ کے لگ بھگ ہوئے ہیں اور اس کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "نبدأ باسم الله وبحمده ونعبده... الخ"

مولف نے ذکر کیا ہے کہ چوں کہ اکثر لوگ تفسیرِ قرآن کے غرائب اور تاویلِ قرآن کے عجائب میں رغبت رکھتے ہیں، لہٰذا اس نے اپنی طاقت کے مطابق ان کی رغبت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اس فرمان کے پیشِ نظر پورا کیا:

«أَعْرِبُوا الْقُرْآن وَالْتَمِسُوا غَرَائِبَهُ»[1]

[قرآن کے معانی بیان کرو اور اس کے غرائب تلاش کرو]

نیز عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

"إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ ذُوْ شُجُون، و فُنون، وظُهور و بُطونٍ، لاتَنْقَضِيْ عَجَائِبُهُ"[2]

[بلا شبہہ یہ قرآن کئی علوم وفنون اور ظہور وبطون پر مشتمل ہے، اس کے عجائب ختم ہونے کو نہیں آتے]

انھوں نے اپنی اس تالیف میں عبارت کو مختصر رکھا اور آیاتِ ظاہرہ اور وجوہِ معروفہ کو ذکر کرنے کے درپے نہیں ہوئے۔ کیوں کہ انھوں نے یہ سب کچھ اپنی ایک دوسری کتاب میں جمع کیا ہے، جس کا نام "لباب التفسیر" ہے۔[3] انتهىٰ ما في كشف الظنون.

میں کہتا ہوں کہ مذکورہ بالا خبر اور اثر کی سند صحیح نہیں ہے، لہٰذا ان کی جانچ پڑتال کر کے خوب تحقیق کر لینا چاہیے۔

❊ غرة التأويل: یہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب قلعہ فخریہ کی تفسیری تالیف ہے۔

❊ غرر التبيان من التفاسير.

❊ غرر التفاسير.

---

[1] مسند أبي يعلىٰ (١١/ ٤٣٦) مصنف ابن أبي شيبة (٦/ ١١٦) اس کی سند میں عبداللہ بن ابی سعید المقبری ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني، رقم الحديث (١٣٤٥)

[2] الإتقان (٢/ ٤٨٦)

[3] كشف الظنون (٢/ ١١٩٧)

علم غریب القرآن والحدیث:

امام خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ غریب کلام وہ ہے جو پوشیدہ اور فہم سے بعید ہو، جیسے لوگوں میں سے غریب اس شخص کو کہتے ہیں، جو اپنے اہل وعیال سے کٹا ہوا وطن سے دور ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

① غریب کلام سے وہ کلام مراد ہے، جس کا معنی بعید اور ایسا پوشیدہ ہو کہ نظر وفکر کے تکلف کے بغیر اس کا مفہوم سمجھ میں نہ آتا ہو۔

② کسی شخص کا کلام جو قبائلِ عرب سے بعید الدار ہو۔ جب ان کی لغات سے کوئی کلمہ ہم تک پہنچے تو ہم اسے مستغرب سمجھیں۔[1] انتهیٰ حاصله.

راقم الحروف نے اپنی کتاب "الحطة في ذكر الصحاح الستة" میں اس علم پر کلام کیا ہے اور قرآن و حدیث کے متعلق کتبِ غریب کا اس میں بیان کیا ہے، لہٰذا اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس فن کی اکثر کتابیں مذکورہ بالا دو قسم کے غریب کلام پر مشتمل ہیں۔

✻ غریب القرآن: اہلِ علم کی ایک جماعت نے اس پر الگ کتابیں تالیف کی ہیں، ان میں سے کچھ مولفین درج ذیل ہیں:

① ابو الحسن سعید بن مسعدۃ الاخفش الاوسط رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۲۱ھ)

② القتیبی رحمہ اللہ۔

③ نضر بن شمیل البصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۰۳ھ)

④ ابو فید مرثد بن حارث (المتوفی: ۱۹۵ھ)

⑤ مورج بن عمرو النحوی السدوسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۷۴ھ)

⑥ ابان بن تغلب بن رباح ابی سعید البکری رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۴۱ھ)

⑦ ابو بکر احمد بن کامل رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۰ھ)

⑧ ابو عبید قاسم بن سلام الحریری الکوفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۲۴ھ)

⑨ ابو بکر محمد بن الحسین المعروف بہ ابن درید الکوفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۱ھ) موصوف اپنی کتاب کو مکمل نہ کر سکے۔

---

[1] كشف الظنون (۲/ ۱۲۰۳)

⑩ ابو عبداللہ محمد بن یوسف الکفرطابی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۳ھ)

⑪ علاء الدین علی بن عثمان الترکمانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۰ھ) مولف نے اپنی کتاب کا نام: "بهجة الأريب لما في الكتاب العزيز من الغريب" رکھا ہے۔

⑫ محمد بن عزیز السجستانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۳ھ)

⑬ ابو محمد عبدالرحمن بن عبدالمنعم الخزرجی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۱۴ھ) مولف نے اس کتاب میں بہت سی چیزوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔

⑭ زین الدین عبدالرحیم بن حسین العراقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۶ھ)

⑮ ابو عمرو الزاہد زین الدین محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی صاحب "مختار الصحاح". ان کی کتاب کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله بجميع محامده......الخ" مولف نے اس میں ذکر کیا ہے کہ طلبہ اور قرآن مجید کے حاملین نے اس سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ ان کے لیے غریب القرآن کے متعلق ایک تفسیر جمع کریں۔ چنانچہ انھوں نے ان کا یہ مطالبہ قبول کرتے ہوئے جوہری رحمہ اللہ کی ترتیب پر کتاب مرتب کی اور اس میں اعراب و معانی کی کچھ چیزوں کا اضافہ بھی کیا۔ مولف اس کی تالیف سے ۶۶۸ھ کو فارغ ہوئے۔

⑯ ابو الفرج ابن الجوزی رحمہ اللہ، انھوں نے اپنی کتاب کا نام: "الأريب بما في القرآن من الغريب" رکھا۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں لکھا ہے کہ اس موضوع پر بے شمار اہلِ علم نے مستقل تصانیف تحریر فرمائی ہیں، جن میں سے سب سے زیادہ مشہور "كتاب العزيزي" ہے۔ مولف اور ان کے شیخ ابو بکر انصاری رحمہ اللہ نے اس کی تالیف میں پندرہ سال لگائے۔

ان میں سب سے عمدہ تالیف امام راغب رحمہ اللہ کی ہے۔ ابو حیان رحمہ اللہ کی بھی اس موضوع پر ایک تالیف ہے۔[1] انتهى.

ابن السمین الحلبی رحمہ اللہ کی بھی "مفردات القرآن" کے نام سے ایک تالیف ہے، جو اس موضوع پر لکھی جانے والی سب سے عمدہ تالیف ہے۔ مولف ۵۹۶ھ میں فوت ہوئے۔

---

① الإتقان (۱/ ۳۰۳)

باب الفاء

* فتح البيان في مقاصد القرآن: یہ اس ضعیف بندے محمد صدیق بن حسن بن علی الحسینی البخاری القنوجی ۔عفا اللہ عنہ۔ کی چار ضخیم جلدوں میں تالیف ہے، اس کتاب کا یہ نام، تاریخی نام ہے۔ اس کتاب کا مسودہ ۱۲۸۹ھ میں آٹھ ماہ کے اندر لکھا گیا اور پھر چار ماہ کی مدت میں نظر ثانی اور اثبات کے ساتھ اس کا مبیضہ تیار ہوا۔ یہ تفسیر روایاتِ صحیحہ اور درایاتِ مقبولہ کی جامع، اعرابی اور لغوی معنی کو بیان کرنے والی اور صحیح منہج پر سلف کے مختارات کے مطابق مبانی کی ترجیح اور معانی کی تنقیح کرنے والی ہے۔ یہ تفسیر اپنے موضوع پر بے مثل اور عدیم النظیر واقع ہوئی ہے۔ روے زمین کی تمام معتبر تفاسیر میں جو کچھ ہے، وہ سب کچھ اس میں موجود ہے۔ جس شخص کو اس بات میں کوئی غور و تامل ہو تو اس سے کہو کہ وہ معتمدینِ روایت اور معتبرینِ درایت کی تفاسیر کو پہلے ملاحظہ کرے، پھر اس تفسیر کا مطالعہ کرے، اس پر حقیقتِ امر واضح ہو جائے گی۔ اس تفسیر کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: ”الحمد لله الذي أرسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق......الخ“ اس تفسیر کی تالیف و تصنیف کی غرض قرآن کریم کی خدمت ہے، کیوں کہ دنیا میں اس سے بڑی نعمت اور عبادت نہیں ہے اور آخرت میں بخشش کی امید ہے، اس لیے کہ اس دن اس بڑی کامیابی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

روز قیامت ہر کسی در دست گیرد نامہ   من حاضر میشوم تفسیر قرآن در بغل

[قیامت کے روز ہر کوئی اپنا نامہ اعمال پکڑے ہوئے ہو گا، میں تفسیرِ قرآن بغل میں تھامے حاضر ہوں گا]

اس کتاب ”إکسير في أصول التفسير“ کو مذکورہ بالا تفسیر کے مقدمے کے طور پر لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب (إکسير) اس تفسیر (فتح البيان) کی وضع تالیف کو عیاں کرنے والی اور اس کے مقصود کو بیان کرنے والی ہے۔ یہ کتاب اس تفسیر کے مقاصد کے عنوان کے طور پر واقع ہوئی ہے۔

یہ کتاب (إکسیر) اگرچہ فارسی میں ہے اور تفسیر کے بعد لکھی گئی ہے، لیکن مقام و مرتبے میں اس سے مقدم ہے۔ یہ بات حسن اتفاقات سے ہے کہ اس باب میں بھی ذکر میں مقدم ہے، اگرچہ فکر میں موخر ہے۔ البتہ آخر کو اول کے ساتھ نسبت ہے۔ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس خدمت کی قبولیت کی امید رکھتا ہوں۔ وما ذلك على الله بعزيز.

* فتح الخبير بما لا بد من حفظه في علم التفسير: یہ شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم المحدث الدہلوی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "الحمد لله الذي أنزل القرآن شفاءا ورحمة للمؤمنين......الخ" اس کتاب میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح اسناد کے ساتھ مروی آثار کے ساتھ غریبِ قرآن کی شرح کی گئی ہے اور اس کے ساتھ صحیح بخاری، سنن ترمذی اور حاکم کی تفسیر سے اسبابِ نزول کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ اپنے موضوع پر بے حد مفید رسالہ ہے۔ دراصل یہ شاہ صاحب کی کتاب "الفوز الكبير" کا پانچواں باب ہے، جس کو ایک دیباچے کے ساتھ ملا کر اس کتاب سے جدا کر دیا گیا ہے۔

* فتح الرحمٰن بكشف ما يلتبس في القرآن: یہ قاضی زکریا بن محمد الانصاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۳۶ھ) کی تالیف ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي نور قلوب العارفين بكتابه العظيم......الخ" مختلف و غیر مختلف آیاتِ متشابہات کے ذکر میں یہ ایک مختصر کتاب ہے، اس میں قرآن مجید کے سوال اور ان کے جواب کا نمونہ ہے۔ اس کا ماخذ رازی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔ مولف نے اس میں بعض اضافے بھی کیے ہیں۔

* فتح الرحمٰن في تفسير القرآن: یہ ناصر الدین محمد بن عبداللہ بن قرقماش رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۸۲ھ) کی تالیف ہے۔ یہ کتاب مصنف کی جلیل القدر تصنیفات میں سے ہے۔ اس کا "نثر الجمان المنتظم من فتح الرحمٰن" کے نام سے اختصار بھی ہے، جس میں اصل کتاب کی منقولات کی تفصیل موجود ہے۔

* فتح الرحمٰن في ترجمة القرآن: ایک جلد میں فارسی ترجمہ ہے۔ یہ شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم الدہلوی المحدث المشہور رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۱۷۶ھ) کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز ان

الفاظ سے ہوتا ہے: ''حمد نامحدود خداے را تبارک وتعالیٰ کہ برافت تامہ قرآن را براے بندگانِ خود نازل فرمود تا مرضی او را از نامرضی باز شناسند......الخ'' شعبان کے اوائل میں اس کا مسودہ مکمل ہوا اور اوائلِ رمضان میں اس کا مبیضہ تیار ہو گیا۔ اس ترجمے کا دیباچہ تقریباً ایک کاپی اور رجسٹر کے برابر ہے۔ اس میں وہ فوائد اور خوبیاں ہیں، جن پر تفسیر مشتمل ہے اور ان کو شاہ صاحب نے بڑی وضاحت سے تحریر فرمایا ہے۔ انھوں نے اپنی سندِ قراءت کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے۔ اس ترجمے کے حاشیے پر فارسی میں منہیات درج ہیں۔ مترجم کہتے ہیں کہ ان میں بعض نئی تحقیقات اور نکات نظر پڑیں گے۔ حق تو یہ ہے کہ اس ترجمے میں ان امور کی رعایت کی گئی ہے، جن کی طرف پہلے کسی نے سبقت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کوشش کو قبول فرما کر ان کو ماہرین میں شہرت عطا فرمائی اور انھیں قبول تام بخشا۔

* الفتح السماوي بتخريج أحاديث البيضاوي: اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔
* فتح العزيز في تفسير الكتاب العزيز: یہ الشیخ الفقیہ المحدث الحنفی عبدالعزیز بن ولی اللہ بن عبدالرحیم الدہلوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۲۳۹ھ) کی تالیف ہے، جو سورۃ الفاتحہ سے لے کر فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ تک ایک ضخیم جلد میں ہے، اسی طرح سورت ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ﴾ سے آخر قرآن تک ایک اور ضخیم جلد ہے، اس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

حمد را با تو نسبتی ست درست   بر در ہر کہ رفت بر در تست

[حمد کی نسبت تیری طرف ہی درست ہے، جس کی بھی تعریف کی گئی آخر کار وہ تیری تعریف نکلی]

انھوں نے شیخ مصدق الدین عبداللہ رحمہ اللہ کی فرمایش پر یہ تفسیر تالیف کی اور کہا کہ اس کی تکمیل کے بعد یوں دکھائی دیا، جیسے بھیک کا بھاری کشکول مختلف قسم کے نوابوں سے لبریز ہو، درویشوں کی گودڑی کی مانند جس پر مختلف قسم کے چیتھڑے جڑے گئے ہوں۔ بہ ہر حال کلام کی تفسیر جس کی ذات متکلم کی طرح کوئی انتہا نہیں ہے، اسے وہ ایک طرز پر نہیں جانتے اور فیضِ الٰہی کو ایک

خاص طور اور طریقے پر منحصر نہیں کرتے۔ انتھیٰ.

حق یہ ہے کہ اپنے موضوع پر حسنِ انشا، آیات کے ایک دوسری کے ساتھ ربط و ضبط، مختلف مسائل و لطائف جمع کرنے، لطفِ بیان، تقریر کی حلاوت اور بلاغتِ تحریر میں یہ دیکھنے میں تو آسان ہے، لیکن بہت معنی خیز ہے۔ راہ گزر واعظین کی ہر طرف سے بات کو کھینچا گیا ہے، ہر وادی اور علاقے سے سوغات لائی گئی ہے، ہر طرز پر گفتگو کی گئی ہے اور اوضاعِ مفسرین کو یکجا کر دیا گیا ہے کہ یہ طبائع کے لیے بہت خوب و مرغوب بن گئی ہے۔ اس کی انتہائی شہرت کی دلیل یہ ہے کہ یہ کئی بار طبع کے زیور سے آراستہ ہو چکی ہے، جو اس کے بارے میں کچھ کہنے سے مستغنی کرتی ہے۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود یہ فروگذاشتوں اور بعض اقوال کے ضعف سے خالی نہیں ہے۔

﴿إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ کا وہ قصہ جو معتمد مفسرین کے اتفاق کے ساتھ موضوع ہے، وہ اس تفسیر میں اس کے وضع کے بیان کے بغیر درج کیا گیا ہے۔ نیز اس میں بلاغت و عربیت وغیرہ کے بعض ایسے نکات بیان کیے گئے ہیں، جو نزولِ قرآن کے مقصود سے بہت دور ہیں۔ آیات کے ربط کی طرف بہت التفات کیا گیا ہے، جو کوئی قابلِ قدر چیز نہیں ہے۔ اسی پر آپ باقی کمزوریوں کو قیاس کر لیجیے۔

لیکن اس سب کے باوجود علمائے ہند کی تصنیفات میں اس طرح کی تصنیف کم ہی دکھائی دیتی ہے۔ خاص طور پر یہ تفسیر گور پرستوں کی بدعت اور ان کے شرک وغیرہ کے رد پر ایک روشن دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس تفسیر کا ماخذ کوئی خاص کتاب نہیں ہے۔ محل و مقام کی ادنا مناسبت کے ساتھ ہر علم، فن اور کتابوں سے بغیر اضافت کے اس میں بہت کچھ منقول ہے۔ حسنِ تحریر کے رشتے اور تعلق سے ہر طور طریقے کو اختیار کیا گیا ہے۔ آج کے دور میں اہلِ علم کی ایک جماعت فتاویٰ لکھتے وقت اس تفسیر سے مدد لیتی ہے۔

اس تفسیر کا ایک ضمیمہ اور تکملہ بھی ہے، جو مولوی حیدر علی فیض آبادی رحمہ اللہ صاحب "منتهى الكلام" مناظر شیعہ کی تالیف ہے، جنھوں نے تفسیر کبیر وغیرہ سے مباحث کو فارسی میں ترجمہ کر کے لکھا ہے، لیکن وہ نامکمل ہے۔ یہ ضمیمہ نواب سکندر بیگم مرحومہ رئیسہ بھوپال کے حکم سے لکھا گیا تھا۔ فسح الله في مدته.

اس تفسیر کا ایک نسخہ اس فقیر کے پاس والدِ ماجد مرحوم کے خط میں موجود ہے، اس کے مطالعے سے بہت سا فیض ملا ہے۔ غفر اللّٰه لنا وله وأحسن إلينا وإليه. اس تفسیر کے مولف رحمہ اللہ والدِ مکرم کے مشائخ اور اساتذہ میں سے ہیں۔

* فتح القدير الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير: یہ القاضی العلامہ الابر الانور الزکی المنور غر الاسلام مناخ رکائب التبجیل والاحتشام الحاوی لکمال العالم الانسانی محمد بن علی بن محمد الیمنی الصنعانی الشوکانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۲۵۵ھ) کی تالیف ہے۔

مولف نے اس میں کہا ہے کہ روے زمین پر موجود کتبِ تفسیر میں سے معتمدین علی الروایہ کی تفاسیر کو دیکھو، پھر معتمدین علی الدرایہ کی تفاسیر کی طرف رجوع کرو، پھر ان دو نظروں کے بعد ایک نظر اس تفسیر (فتح القدير) پر ڈالو۔ روزِ روشن کی طرح آپ کے سامنے بات واضح ہو جائے گی کہ یہ کتاب (فتح القدير) لب اللباب، عجب العجائب، ذخیرۃ الطلاب اور نہایۃ مآرب الالباب ہے۔ انتہیٰ.

حق یہ ہے کہ وہ تفاسیر جو اس کتاب "إكسير في أصول التفسير" میں جلوہ گر ہوئی ہیں، ان میں سے کوئی ایک تفسیر صحتِ معانی اور تنقیحِ مبانی میں اس تفسیر کے دسویں حصے کے برابر بھی نہیں ہے۔ یہ تفسیر (فتح القدير) اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ یہ صحیح اور مسند اخبار و آثار پر مشتمل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ محدثین و مفسرین وغیرہ میں سے مخرجین کے نام بھی اس تفسیر میں بیان کیے گئے ہیں۔ کسی کہنے والے نے سچ کہا ہے:

هذا كتاب لو يباع بوزنه ذهبا لكان البائع المغبونا

[اگر اس کتاب کو سونے کے برابر وزن میں بھی فروخت کیا جائے تو فروخت کندہ خسارے میں رہے گا]

راقم الحروف نے شعروں کے شواہد حذف کر کے اس تفسیر کا خلاصہ لکھا اور اس کا نام "فتح البيان في مقاصد القرآن" رکھا۔ چونکہ یہ تفسیر بہ القول تھی، چند آیات یا ایک رکوع لکھنے کے بعد لفظ "قوله" کی تعبیر کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے۔ راقم الحروف نے اسے قرآن کریم کے ساتھ ملا دیا ہے اور دیگر معتبر و معتمد تفاسیر سے بہت سی چیزوں کا اضافہ کیا ہے، تاکہ یہ اس کا ملخص ٹھہرنے کے بجائے

ایک مستقل تفسیر کی صورت اختیار کر لے اور فنِ تفسیر کے تمام فضائل وفواضل کی جامع بن جائے۔

فقیر نے اس کتاب یعنی علامہ شوکانی رحمہ اللہ کی تفسیر فتح القدیر کو پوری کوشش اور شدید حرص و رغبت کے ساتھ عرب ملک سے ایک خطیر رقم خرچ کر کے حاصل کیا۔

جمادی چند دادم جان خریدم بحمد اللہ بسی ارزاں خریدم

[چند بے جان پتھر (سکے) دے کر میں نے جان خرید لی، بحمد اللہ میں نے اسے نہایت سستے داموں خریدا ہے]

اس تفسیر کے مولف رحمہ اللہ ایک واسطے سے میرے شیخ و استاد ہیں، میں نے ان کی تالیف کردہ کتابوں کی بہت خدمت کی ہے۔ فقہ السنہ میں ان کی مختصر کتاب "الدرر البهية" کی میں نے ایک شرح لکھی ہے، جس کا نام: "الروضة الندية في شرح الدرر البهية" رکھا۔ ایک اور کتاب فارسی میں لکھی جس کا نام: "نيل الأماني في شرح مختصر الشوكاني" رکھا، نیز "الدرر البهية" کے اصل متن کا اردو میں ترجمہ کیا اور اس کا نام "فتح المغيث بفقه الحديث" رکھا۔ وباللّٰه التوفيق.

* فتح المنان في تفسير القرآن: یہ چالیس جلدوں میں بہت ضخیم کتاب ہے۔ یہ علامہ قطب الدین محمود بن مسعود شیرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۱۰ھ) کی تالیف ہے، جو "تفسير علامی" کے نام سے معروف ہے۔
* الفتوح الربانية في دفع شبهات الكورانية: یہ ایک رسالہ ہے، جو تفسیر الکورانی کے شروع میں بیضاوی کی طرف سے دیے گئے جوابات پر مشتمل ہے۔
* فتوح الرحمٰن في إشارات القرآن وتفسيره: یہ شیخ عبدالملک الدیلمی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد للّٰه حق حمده......الخ" یہ بعض ان آیات کی تفسیر ہے، جن کی صوفیہ کو اپنے بعض احوال میں ضرورت ہوتی ہے۔
* فتوح الغيب: یہ طیبی رحمہ اللہ کا تفسیر کشاف پر حاشیہ ہے۔

علم الفراشي والنومي:

یہ علمِ تفسیر کی ایک فرع ہے۔

* فرائد التفسير: یہ ابو المحامد فصیح الدین محمد بن عمر المابرنابازی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جس

میں انھوں نے تفسیر کشاف کا اختصار کیا ہے اور اس میں کچھ نحوی، کلامی اور ادبی بحثوں کا اضافہ کیا ہے۔ ملا کاتب رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے اس کا آخری قطعہ اور جزو دیکھا ہے۔

* الفريد في إعراب القرآن المجيد: یہ چار جلدوں میں امام ابن ابی العز الرشید ہمدانی الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۳ھ) کی تالیف ہے۔
* الفصول والغايات في معارضة السور والآيات: امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ ابو العلاء احمد بن عبداللہ المعری رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۴۹ھ) کی تالیف ہے۔ یہ سو رجسٹروں پر مشتمل ہے۔ ان کی تفسیر غریب پر ایک کتاب "کتاب السادر" بھی ہے، جو بیس رجسٹروں پر محیط ہے۔

علم فضائل القرآن:

سب سے پہلے جس نے اس موضوع پر لکھا، وہ امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۰۴ھ)، ابو العباس جعفر بن محمد مستغفری رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۲ھ)، داؤد بن موسیٰ اودنی رحمہ اللہ، ابو العطاء ملیحی رحمہ اللہ اور ابو الفضل عبدالرحمٰن بن احمد رازی رحمہ اللہ ہیں۔

اس موضوع پر ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ، ابو عبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۲۴ھ)، ابن غریس، ابو الحسن بن صخر ازدی، ابو ذر، ضیاء مقدسی اور ابو الحسن علی بن احمد واحدی رحمہم اللہ (المتوفی: ۴۶۸ھ) کی بھی تالیفات ہیں۔ اسی طرح "أدلة فضائل القرآن" بعض متاخرین کی تالیف ہے، جس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله الذي امتن علىٰ عباده بنبيه المرسل......الخ"

* الفوز الكبير في أصول التفسير: یہ شاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی رحمہ اللہ کا علومِ قرآن اور قواعدِ فنِ تفسیر کے بیان میں ایک فارسی رسالہ ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ سے پہلے کسی نے اس علم میں سبقت کی اور نہ اس علم کے قواعد کے ضبط کے ساتھ کوئی کتاب مرتب کی ہے۔ یہ فن ان کے متفردات میں سے ہے، جس کی انھی کو توفیق ملی ہے۔

اس کتاب "إكسير في أصول التفسير" کا مقصد اول اسی کتاب (الفوز الکبیر) کا ملخص ہے۔ اس کتاب (الفوز الکبیر) کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے: "نعم الٰہی در بارۂ ایں بندۂ ضعیف بے شمار اند......الخ" اس رسالے کو پانچ ابواب پر مرتب کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ مطابع ہند میں بارہا زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

فنون الأفنان في علوم القرآن:

یہ ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷ھ) کی تالیف ہے۔

علم فواصل الآي:

"مفتاح السعادۃ" میں ہے کہ "فاصلہ" آیت کے آخری کلمے کو کہتے ہیں، جیسے شعر کا آخری حرف قافیہ کہلاتا ہے۔ فواصل اور رؤوس الآی میں فرق یہ ہے کہ فاصلہ وہ کلام ہے، جو اپنے ما بعد سے منفصل ہوتا ہے۔ کلامِ منفصل کبھی تو راسِ آیت ہوتا ہے اور کبھی دوسرا، اور رؤوس الآی کبھی منفصل ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے۔[1] انتھیٰ.

* فواصل الآيات: یہ طوفی سلیمان بن عبدالقوی الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۱۰ھ) کی تالیف ہے۔
* الفتوحات الإلهية بتوضيح تفسير الجلالين للدقائق الخفية: یہ شیخ سلیمان الجمل رحمہ اللہ کی چار ضخیم جلدوں میں تالیف ہے۔ یہ قاہرہ مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ اس کی پہلی جلد ذوالحجہ ۱۱۹۶ھ میں لکھی گئی، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله على إفضاله... الخ" اس تفسیر کے شروع میں چند فوائد پر مشتمل ایک مختصر مقدمہ لکھا گیا ہے۔ مولف اس تفسیر میں بیضاوی، کشاف، ابو السعود، سمین، کرخی اور تفتازانی رحمہم اللہ وغیرہ سے اخذ کرتے ہیں۔ ان کی غالب تحقیقات اعاریبِ نحویہ سے متعلق ہیں، یہ تفسیر، تفسیر جلالین کا بہترین حاشیہ ہے۔ راقم الحروف کے پاس یہ موجود ہے اور میں نے اپنی تفسیر میں اس تفسیر سے بہت سے فوائد اخذ کیے ہیں۔
* الفوائد الجميلة على الآيات الجليلة: یہ حسین بن علی بن طلحہ الرجراجی کی تالیف ہے۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ فنِ تفسیر پر ایک کتاب ہے۔ واللہ أعلم.
* الفيض القدسي في الكلام علىٰ آية الكرسي: یہ ابو الفتح محمد بن عبدالرحیم بن صدقہ المخزومی الشافعی رحمہ اللہ کی مختصر تالیف ہے، اس کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے: "الحمد لله الذي لا إله إلا هو الحي القيوم......الخ" مولف نے اس میں دو سو تیس (۲۳۰) وجوہ پر کلام کیا ہے۔

---

[1] كشف الظنون (۲/ ۱۲۹۳)

باب القاف

* قارعة القلوب: یہ تفسیر پر ایک تالیف ہے۔
* القاصد: یہ ابو القاسم عبدالرحمٰن بن حسن الخزرجی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۴۶ھ) کی قراءت پر تالیف ہے۔
* القرآن: عبدالرحمٰن بن خلدون مغربی نے "کتاب العبر" میں کہا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جو اس کے نبی پر اترا ہے، مصحف کی دو جلدوں کے درمیان لکھا ہوا ہے اور قرآن مجید امت کے درمیان متواتر ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے اس کے بعض الفاظ اور حروف کی ادائی کی کیفیات میں مختلف طرق کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اسے روایت کیا گیا اور یہ مشہور ہوگیا، یہاں تک کہ اس کے ساتھ معین طرق قرار پا گئے، وہ بھی اپنی ادائی کے ساتھ تواتر سے منقول ہیں۔ پھر جم غفیر میں سے ان کا انتساب اس کے ساتھ خاص کر دیا گیا، جس کی روایت سے وہ مشہور ہیں۔ پس یہ سات قراءتیں قراءت کا اصول بن گئیں۔ بعض اوقات اس کے بعد ان میں اور قراءتوں کا اضافہ کر دیا گیا اور وہ سات قراءتوں کے ساتھ مل گئیں۔ الا یہ کہ قراءت کے ائمہ کے نزدیک وہ نقل میں زیادہ قوی نہیں ہیں۔ یہ سات قراءتیں اپنی کتابوں میں معروف ہیں۔ بعض لوگوں نے ان کے تواترِ طرق میں اختلاف کیا ہے، کیوں کہ وہ قراءتیں ان کے نزدیک ادائی کی کیفیات ہیں اور وہ غیر منضبط ہیں، لیکن یہ چیز ان کے نزدیک تواتر قرآن میں قادح نہیں ہے۔ جبکہ اکثر نے ان کا انکار کیا ہے اور وہ تواتر کے قائل ہیں۔ کچھ دوسرے لوگوں نے ان میں سے ادا کے علاوہ تواتر کا کہا ہے، جیسے مد اور تسہیل ہے، کیوں کہ اس کی کیفیت پر سماع کے ساتھ واقفیت حاصل نہیں ہوئی اور یہی بات درست ہے۔

قراء ان قراءات اور ان کی روایت پر ہمیشہ سوچ بچار کرتے رہے، یہاں تک کہ علوم لکھے

گئے اور مدون کیے گئے تو ان قراءات کو بھی ان علوم میں تحریر کر دیا گیا۔ یہ ایک مخصوص فن اور منفرد علم کی شکل اختیار کر گئیں۔ مشرق اور اندلس میں لوگوں نے ان کو نسلاً بعد نسل منتقل کیا، تاوقتیکہ شرق اندلس میں عامرین کے موالی میں سے ایک شخص مجاہد نام کا بادشاہ بنا۔ وہ فنونِ قرآن میں سے اس فن کا اہتمام کرنے والا تھا، کیوں کہ اس فن کو اس کے مولی منصور بن ابی عامر نے اخذ کیا، اس کی تعلیم میں خوب محنت کی اور اس وقت کے موجود ائمہ قراء پر اس کو پیش کیا، اس کو اس علم کا کافی ذخیرہ میسر آ گیا۔ مجاہد کو اس کے بعد دانیہ اور الجزاء الشرقیہ کی امارت بھی سونپ دی گئی۔ ان علاقوں میں قراءت کا بازار گرم ہو گیا، کیوں کہ مجاہد اس کے ائمہ سے تھا اور اس کے لیے وہ تمام علوم پر بالعموم اور قراءت پر بالخصوص توجہ دیتا تھا۔ اس کے عہدِ حکومت میں ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ منظر عام پر آئے اور اس فن میں انتہا تک پہنچ گئے، ان کی معرفت اسی پر موقوف ہو گئی اور اس کی اسانید کی روایت کی طرف ان کی انتہا ہوئی۔ انھوں نے اس فن پر متعدد تالیفات کیں۔ لوگوں نے ان کتابوں پر اعتماد کیا اور دوسری تمام چیزوں سے منہ موڑ لیا۔

ان کی کتابوں میں سے "کتاب التیسیر" پر لوگوں نے خاص طور پر اعتماد کیا۔ پھر بعد والے زمانوں اور نسلوں میں اہلِ شاطبیہ میں سے ابو القاسم ابن فیرہ رحمہ اللہ منظر عام پر آئے اور انھوں نے ابو عمرو رحمہ اللہ کی تدوین کردہ کتابوں کی تہذیب و تلخیص کی۔ انھوں نے ان تمام کتابوں کو ایک قصیدے میں نظم کیا، جس میں انھوں نے ا، ب، ج، د حروف کے ساتھ قراء کے نام ایسی ترتیب سے لکھے، جس کو انھوں نے نہایت مضبوط بنایا، تاکہ ان کو وہ اختصار آسانی سے میسر آ جائے جس کا وہ قصد کیے ہوئے تھے، تاکہ وہ نظم کی وجہ سے آسانی کے ساتھ یاد ہو جائے۔ انھوں نے نہایت احسن انداز میں اس پورے فن کو اس نظم اور قصیدے میں جمع کر دیا۔ لوگوں نے اس کو خود یاد کرنے اور بچوں کو اس کی تلقین کرنے کا اہتمام کیا اور اس پر اَمصار مغرب اور اندلس میں عمل جاری ہو گیا۔

علم القراءة:

اس علم میں کلام اللہ کے نظم کی صورتوں میں وجوہِ اختلافاتِ متواترہ کی حیثیت سے بحث ہوتی ہے۔ اس علم کے اصول مقدماتِ متواترہ ہیں۔ علومِ عربیہ سے اس علم کی استمداد ہوتی ہے، اس علم کی تحصیل کی غرض ضبطِ اختلافاتِ متواترہ کا ملکہ پیدا کرنا ہے اور اس علم کا فائدہ کلامِ الٰہی کو تحریف اور تغیر کے اس کی طرف راہ پانے سے بچانا ہے۔

کبھی وہ اس میں نظمِ کلام کی صورتوں سے ایسے اختلافاتِ غیر متواترہ کی حیثیت سے بحث کرتے ہیں، جو شہرت کی حد تک پہنچے ہوتے ہیں۔ اس کے اصول مقدمات مشہورہ یا ایسے آحاد طرق سے مروی ہوتے ہیں جن پر پورا وثوق ہوتا ہے۔

جعبری رحمہ اللہ نے شاطبیہ کی شرح میں لکھا ہے کہ قراء نے قراءت کے تسمیہ پر امام کے نام کے ساتھ اور مطلق اخذ کے لیے روایت اور راوی سے طریقِ اخذ کی اصطلاح بنائی ہے۔ چناں چہ وہ کہتے ہیں قراء تِ نافع، روایتِ قالون اور طریقِ ابی نشیط، تاکہ اختلاف کا منشا معلوم ہو جائے۔ چناں چہ ہر امام کا راوی ہے، اسی طرح ہر راوی کا ایک طریق ہے۔ انتہیٰ.

ابن الجزری رحمہ اللہ نے "نشر" میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے معتبر امام جنھوں نے اپنی کتاب میں قراءات کو جمع کیا، وہ ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ ہیں۔ میرا گمان یہ ہے کہ انھوں نے سات قراء توں کے ساتھ ساتھ پچیس قراء تیں قرار دی ہیں۔ وہ ۲۲۴ھ میں وفات پا گئے تھے۔[1] انتہیٰ.

اس موضوع پر ایک کتاب "قراءة ابن محيض" ہے، جو ابو علی حسن بن محمد اہوازی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۴۶ھ) کی تالیف ہے۔ اسی طرح "قراءة أبي عمرو" یہ شہاب الدین احمد بن وہبان رحمہ اللہ کا قصیدہ ہے، اس کی شرح شمس الدین محمد بن سعید بن طاہر بجائی رحمہ اللہ اور محمد بن علی معروف بہ مغربلی رحمہ اللہ نے تالیف کی ہے اور اس کا نام "النكت الفريدة والدرر الفريدة" رکھا ہے۔

* قراءة الثلاثة في الأئمة الثلاثة: یہ محمد عمری عدوی رحمہ اللہ کا ایک لمبا قصیدہ ہے، جو انھوں نے شاطبیہ کے بحر و قافیہ پر نظم کیا، پھر بعد میں اس کی شرح لکھی۔ اسی طرح ایک کتاب "قراءة الحسن البصري و يعقوب" اہوازی رحمہ اللہ کی تالیف بھی ہے۔
* القراءات الشاذة: اس کو شمس الدین محمد بن محمد جزری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۳۳ھ) نے نظم کیا۔ یہ شاطبیہ کی مانند ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "بدأت بحمد لله نظمي أو لا......الخ" انھوں نے رمضان ۷۹۹ھ میں اس کو مکمل کیا۔
* قراضة الإبريز في الأمثال المستخرجة من الكتاب العزيز: یہ علامہ بدرالدین حسن بن المغراة رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

---

[1] كشف الظنون (۲/ ۱۳۱۷)

❊ القصيدة الدالية: یہ امام محمد بن عبداللہ بن مالک النحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۷۲ھ) کی قراءات پر تالیف ہے، وہ اس میں درج ذیل شعر لائے ہیں:

ولا بد من نظمي قوافي تحتوي لما قد حوى حرز الأماني وأزيدا

[میری اس نظم میں اتنے قافیے لازمی ہونے چاہییں، جتنے "حرز الأماني" کے اندر ہیں یا اس سے بھی کچھ زیادہ ہی ہونے چاہییں]

❊ القصيدة الفائحة في تجويد الفاتحة: یہ محمد بن محمود بن محمد السمرقندی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "بحمد الإله المستعان توسلا......الخ" پھر مولف نے اس کی بہت مفید شرح بھی لکھی۔

❊ قصيدة في آي القرآن: یہ ابو الخطاب احمد بن علی بن عبداللہ المقری البغدادی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

❊ قصيدة في قراءة أبي عمر: یہ شیخ امام شہاب الدین احمد بن وہبان رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

❊ قصيدة في القراءة: یہ شیخ الادیب ابو عبداللہ محمد بن احمد بن محمد المعافری الاندلسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۱ھ) کی تالیف ہے۔ یہ قصیدہ شاطبیہ کی طرز پر ہے۔ مولف نے اس میں قراء کے ناموں کی تصریح کی ہے۔

❊ قصيدة في قراءة نافع: یہ حصری کی تالیف ہے۔ مرجی بن یونس الغافقی رحمہ اللہ (المتوفی: فی حدود ۶۰۰ھ) نے اس کی شرح لکھی ہے۔ قراءت پر ابن مالک محمد بن عبداللہ النحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۷۲ھ) کی بھی ایک تالیف ہے۔ نیز ابو محمد عبداللہ بن علی سبط الخیاط البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۱ھ) نے بھی ایک تالیف چھوڑی ہے۔ فخر الدین احمد بن علی بن الفصیح الہمدانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۵ھ) کی بھی ایک تالیف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے شاطبیہ کے حجم کے برابر اس کی "نظم القراءة" دیکھی ہے۔ ابو حیان رحمہ اللہ نے بھی اس کی مدح کی ہے۔ انتہیٰ.

❊ قصيدة نونية في التجويد: امام سخاوی رحمہ اللہ نے اپنے قصیدے کے آخر پر اس

قصیدے کی مدح کرتے ہوئے کہا ہے:

واعلم بأنك جائر في ظلها إذ حسبتها بقصيدة الخاقاني

[جان لو! تم اس کے سائے میں حیرت زدہ ہو، جب تم اس کا قصیدہ خاقانی کے ساتھ موازنہ کرو]

* قطبة الخشاف لحل خطبة الكشاف.
* القطر المصري في قراءة أبي عمرو بن العلاء البصري: یہ شیخ عمر بن قاسم بن محمد بن علی النشار کی تالیف ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد للّٰہ الذي أنزل علیٰ عبده الکتاب......الخ"
* قطب الأزهار في كشف الأسرار: یہ تفسیر جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) کی تالیف ہے۔ یہ سورت براءت کے آخر تک ہے، جو انھوں نے ایک ضخیم جلد میں تحریر فرمائی۔
* قلائد المرجان في أسئلة القرآن: یہ ایک تفسیر ہے، جسے "أم المعاني" کہتے ہیں۔
* قواعد التفسير: یہ شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن تیمیہ الحرانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* القول المهذب في بيان ما في القرآن من الرومي المعرب: یہ محمد بن یحییٰ الحلبی الحنفی التاذفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۶۳ھ) کی تالیف ہے۔
* القول الوجيز في أحكام الكتاب العزيز: یہ صاحب عمدۃ الحفاظ ابن السمین احمد بن یوسف الحلبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۶ھ) کی تالیف ہے۔
* قيد الأوابد: یہ محمد بن حسین الزاغولی الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۵۹ھ) کی تالیف ہے۔ انھوں نے اناسی (۸۹) مجموعوں سے اس کو جمع کیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی جلدیں چار سو ہیں۔

باب الكاف

* الكاف الشاف في تحرير أحاديث الكشاف.
* الكافي في القراءات السبع: یہ ابو محمد اسماعیل بن احمد السرخسی الہروی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۱۴ھ) کی تالیف ہے۔ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے اس کو دیکھا ہے، یہ چند جلدوں میں ہے۔ بہ ہر حال یہ ایک نفع مند کتاب ہے، جو بہت سے علم کو محیط ہے۔ نیز اس نام سے ابو عبداللہ محمد بن شریح بن احمد الرعینی الاشبیلی (المتوفی: ۴۷۶ھ) کی بھی ایک تالیف ہے۔
* الكامل في القراءات الخمسين: یہ ابو القاسم یوسف بن علی بن عبادہ الہذلی المغربی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸ھ) کی پچاس قراءتوں پر مشتمل تالیف ہے۔ مولف نے اس میں کہا ہے کہ میں نے اربابِ اختیارات میں سے تین سو پچپن (۳۵۵) امام جو سبعہ عشرہ کے رتبے کو پہنچے ہوئے تھے، دیکھے ہیں۔ پہلے اس نے دس اور پھر پچاس قراءتوں کا ذکر کیا ہے۔ ملا کاتب رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ وہ ایسا شخص ہے، جس نے مشرق سے مغرب تک سفر کیا، بہت سے ملکوں کی سیاحت کی، غزنہ وغیرہ میں علم حاصل کیا، حتیٰ کہ وہ وراء النہر میں بھی جا پہنچا اور اپنی کتاب "الکامل" تالیف کی۔ اس میں مولف نے ایک ہزار چار سو انسٹھ روایات اور طرق کے ساتھ ائمہ سے پچاس قراءتیں جمع کیں۔
* كتاب الجمان في مشبهات القرآن: یہ عبداللہ بن محمد المعروف بہ البندار رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* كتاب السبعة: یہ ابن مجاہد احمد بن موسیٰ البغدادی المقری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۴ھ) کی سات متواتر قراءتوں پر تالیف ہے۔ اس کتاب کے پہلے شارح ابو علی فارسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۷۷ھ) ہیں، جنھوں نے تین جلدوں میں اس کی شرح لکھی اور اس کا نام "حجة" رکھا۔ نیز ابن خالویہ نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۷۰ھ) نے بھی اس کی شرح کی ہے۔ ملا

کاتب رحمہ اللہ کہتا ہے کہ میرے پاس یہ دونوں شروح، متون سمیت موجود ہیں۔

* کتاب سجود القرآن: یہ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الحربی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۸۵ھ) کی تالیف ہے۔ نیز شیخ ابو بکر احمد بن الحسین بن مہران المقری الزاہد النیسابوری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۱ھ) نے بھی اس موضوع پر ایک تالیف چھوڑی ہے۔
* کتاب الشواذ في القراءات: یہ ابو بکر احمد بن موسیٰ المعروف بہ ابن المجاہد المقری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۴ھ) کی تالیف ہے۔ ابو الفتح عثمان بن جنی رحمہ اللہ نے اس کی شرح لکھی اور اس کا نام "المحتسب" رکھا۔
* کتاب الشواذ: یہ ابو العباس احمد بن یحییٰ معروف بہ ثعلب نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۹۱ھ) کی تالیف ہے۔ اس موضوع پر جعبری رحمہ اللہ کا ایک رسالہ بھی ہے، جس کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أنزل القرآن عربيا غير ذي عوج......الخ" مولف نے اس میں کہا ہے کہ یہ رسالہ شنیع قسم کے واقعہ کو رفع دفع کرنے والا ہے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ قراء کی ایک جماعت بے رخ ہوا پر سوار ہوئی، وہ بے سوچے سمجھے کلام کرتے رہے، انھوں نے صحیح میں وارد ہونے والی سات قراءتوں کا روایتاً حصر کیا۔ ابو بکر بن مجاہد رحمہ اللہ کی سات قراءتوں کے ساتھ تمسک کرتے ہوئے ان کے ماسوا قراءتوں کا نام شاذ رکھا۔ ان کا یہ شبہہ ائمہ عربیہ میں سرایت کر گیا۔ اس پر اعتماد کرتے ہوئے ابو علی الفارسی رحمہ اللہ نے اس کی تعلیل بیان کرتے ہوئے "کتاب الحجۃ" لکھی۔ ابن جنی رحمہ اللہ نے تعلیل الشواذ یعنی اس سے نکلی ہوئی قراءتوں پر کتاب "المحتسب" لکھی۔ لوگ اس کے پیچھے یوں چل پڑے گویا وہ فرضِ مبین ہے۔ یہ کتاب پانچ فصلوں پر مرتب کی گئی ہے۔
* کتاب القراءات السبع: یہ ابن مجاہد رحمہ اللہ، جس کا ابھی پہلے ذکر ہوا ہے، کی تالیف ہے۔ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے سات قراءتوں پر اقتصار کیا ہے۔ اس میں مولف نے سات قراءتوں میں سے نافع رحمہ اللہ کو دوسروں پر مقدم کیا ہے۔ پھر اس کے دور میں اور اس کے بعد لوگوں نے اس پر تالیفات کیں، جیسے ابو بکر احمد بن نصر السرائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۷۰ھ) پھر صاحب 'الشامل والغاية' اور "المنتهیٰ" کے مولف وغیرہ ہیں۔

ابوعلی حسن بن احمد الفارسی النحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۷۷ھ) نے اس کی شرح لکھی اور اس کا نام "الحجۃ" رکھا۔ پھر ابو محمد مکی المقری رحمہ اللہ نے اس کا اختصار لکھا، پھر ابو طاہر اسماعیل بن خلف الاندلسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۵ھ) نے بھی اس شرح کا اختصار کیا۔ نیز عثمان بن جنی تلمیذ الفارسی رحمہ اللہ نے بھی اس کی شرح لکھی اور اس کا نام "المحتسب" رکھا۔

❊ کتاب القراءات: یہ ابو الحسن علی بن عمر الدارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) کی تالیف ہے۔ مولف نے کتاب کے شروع میں قائم کیے گئے ابواب میں اصول کو جمع کیا ہے۔ ان کے بعد قراء تصنیف و تالیف میں ان کے طریقے پر چل نکلے۔ اس موضوع پر ابو حاتم سہل بن محمد السجستانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۸ھ) کی بھی ایک تالیف ہے۔ اسی طرح ابو العباس احمد بن یحییٰ الثعلب رحمہ اللہ اور ابن خالویہ حسین بن عبداللہ النحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۷۰ھ) کی بھی تالیفات ہیں۔

کتبِ قراءات میں سے ایک کتاب "القراءۃ" ہے، جو فضل بن عباس الانصاری، ابو عبید القاسم بن سلام، ابو معاذ الفضل بن خالد النحوی اور محمد بن یحییٰ القطیعی رحمہم اللہ کی تالیف ہے۔

اسی طرح اس موضوع پر ایک کتاب "القراءات السبع" ہے، جو ابن مجاہد ابو بکر احمد بن محمد بن العباس بن مجاہد رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اسی طرح ایک کتاب "السبع" ہے، جو ابو بکر محمد بن الحسن الموصلی المعروف بہ النقاش کی تالیف ہے۔ اس فن پر لکھی جانے والی معتبر کتابوں میں سے ایک کتاب "القراءات" ہے، جو ابو عبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۲۴ھ) کی تالیف ہے، جنھوں نے قراے سبعہ کے ساتھ پچیس (۲۵) قراء کا ذکر کیا ہے۔

پھر احمد بن جبیر بن محمد الکوفی نزیل انطاکیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۵ھ) نے پانچ قراءتوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی۔ انھوں نے ہر شہر کے ایک قاری سے قراءت لی۔ پھر قاضی اسماعیل بن اسحاق المالکی رحمہ اللہ صاحب قالون ا (المتوفی: ۲۸۲ھ) نے قراءات پر ایک کتاب تالیف کی، جس میں بیس اماموں کی قراءتیں جمع کیں، جن میں سات (معروف) قراءتیں بھی شامل ہیں۔ پھر ابو جعفر محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ نے ایک ضخیم کتاب جمع کی، جس کا نام "الجامع" رکھا، جو بیس سے کچھ اوپر قراءتوں پر مشتمل ہے۔ موصوف نے ۳۱۰ھ میں وفات پائی۔ ان کے بعد ابو بکر محمد بن احمد بن عمر الداجونی رحمہ اللہ نے قراءات

پر ایک کتاب جمع کی اور ابو جعفر رحمہ اللہ کا ان میں ذکر کیا۔ موصوف ۳۲۴ھ میں فوت ہوئے۔ ابن مجاہد رحمہ اللہ کی بھی قراءات پر ایک کتاب ہے۔

ائمہ متقدمین نے حروف القرآن کے اعراب، ان میں سے شاذ اور ان کے معانی پر تالیفات کی ہیں۔ انھوں نے ایک ایک حرف کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ تک باسند بیان کیا ہے، جیسے عباس بن الفضل، ابن سعدان، ابو الربیع الزہرانی، یحییٰ بن آدم، نصر بن علی الجہضمی، ابو ہشام الرفاعی اور ابن مجاہد رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔

* كتاب المحبر في القراءات: یہ محمد بن عبداللہ بن اشتہ الموذری رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* كتاب الوصل في أسرار أم القرآن: مولف نے اس میں سورۃ الفاتحہ کی تفسیر پر کلام کیا ہے۔
* الكشاف عن حقائق التنزيل: یہ امام علامہ ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۳۸ھ) کی تالیف ہے۔ مولف اس کتاب کی تالیف سے ربیع الآخر کی تئیس (۲۳) تاریخ بروز سوموار ۵۲۸ھ کو فارغ ہوئے۔

مولف نے اس کے خطبے میں لکھا ہے کہ طبیعتوں پر چھا جانے کے اعتبار سے سب علوم پر فائق علم، علم تفسیر ہے۔ وہ علم تفسیر جس کا حاصل کرنا اور اس میں نظر و فکر کرنا ہر صاحبِ علم کو میسر نہیں آتا، جیسا کہ جاحظ رحمہ اللہ نے "نظم القرآن" میں لکھا ہے۔

چناں چہ فقیہ اگرچہ فتاویٰ و احکام کے علم میں اپنے ہم عصر لوگوں پر نمایاں ہو جائے، متکلم اگرچہ فنِ کلام میں اہلِ دنیا پر بازی لے جائے، اخبار و قصص کو یاد کرنے والا اگرچہ ابن قریہ رحمہ اللہ سے زیادہ یاد کرنے والا ہو، واعظ اگرچہ حسن بصری رحمہ اللہ سے بڑا واعظ ہو، نحوی اگرچہ سیبویہ رحمہ اللہ سے بڑا نحوی ہو اور لغوی اگرچہ اپنے جبڑوں کی قوت کے ساتھ لغات کو چبا جائے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی ان راستوں پر چلنے کے درپے نہیں ہو سکتا اور نہ ان حقائق کی گہرائی تک پہنچ سکتا ہے، مگر وہی شخص جو ان دو علوم میں ماہر و باکمال ہو، جو علم قرآن کے ساتھ مختص ہیں اور وہ ہیں علم المعانی اور علم البیان۔ اس نے لمبا عرصہ جملہ علوم سے کچھ نہ کچھ حاصل کرنے کے بعد ان کی تحقیق میں مشقت اٹھائی ہو۔ اس نے تحقیق

اور حفظ جیسی دو چیزوں کو اپنے اندر جمع کیا ہو، وہ بہت زیادہ مطالعہ کرنے والا ہو، طویل مراجعت کرنے والا ہو، علم الاعراب کا شاہ سوار ہو، حاملینِ کتاب کا سپہ سالار ہو، وہ مختار و متصرف ہو، نظم و نثر کے اسالیب کو سمجھنے والا ہو، کلام کی ترتیب و تالیف کو جاننے والا ہو اور اس کو ملانے اور جوڑنے کو سمجھنے والا ہو۔

میں نے اپنے بعض دینی بھائیوں کو دیکھا کہ وہ جب بھی کسی آیت کی تفسیر کے سلسلے میں میری طرف رجوع کرتے تو میں ان کے سامنے پردوں میں چھپے ہوئے بعض حقائق کو ظاہر اور نمایاں کرتا، وہ اس پر استحسان اور تعجب کا اظہار کرتے۔ حتیٰ کہ وہ میرے پاس یہ تجویز لے کر آئے کہ میں حقائقِ تنزیل کو نمایاں کرتے ہوئے ان کو املا کراؤں۔ میں نے معذرت کی، مگر انھوں نے اصرار جاری رکھا، حتیٰ کہ انھوں نے اس سلسلے میں عظمائے دین اور علمائے عدل و توحید سے سفارش کروائی تو میں نے ان کو فواتح کے مسئلے میں اور سورۃ البقرہ کے حقائق میں کچھ کلام املا کروائی۔ وہ کلام بڑا مبسوط تھا اور بہت سے سوال و جواب پر مشتمل تھا۔

پھر جب بیت اللہ کے جوار میں جانے کا عزم بالجزم ہو گیا تو میں نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور وہاں جا کر فروکش ہوا۔ وہاں پر میری ملاقات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خاندان اور سنی گروہ سے تعلق رکھنے والے الامیر الشریف ابو الحسن علی بن حمزہ بن وہاس رحمہ اللہ سے ہوئی۔ موصوف وہاں کے لوگوں میں سب سے زیادہ (علم کی) پیاس رکھنے والے اور اس کی طرف کمال رغبت رکھنے والے تھے۔ میں نے پہلے سے مختصر طریقے کو اختیار کیا، مگر فوائد کی کثرت کو نظر انداز نہیں کیا اور اس کام سے خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدت برابر فارغ ہوا۔ بہ ہر حال یہ سارا کام تیس سال سے زیادہ عرصے میں مکمل ہوا اور ایسا ہونا بیت الحرام کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ انتہیٰ کلامہ.

ابن خلکان رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ زمخشری رحمہ اللہ عقیدے میں معتزلی تھا۔ اپنی کتاب "الکشاف" تصنیف کرتے وقت اس نے سب سے پہلی چیز لکھی کہ اس نے ان الفاظ سے خطبہ لکھا: "الحمد لله الذي خلق القرآن" اسے کہا گیا کہ اگر تو اس کتاب کو اسی افتتاحی خطبے کے ساتھ باقی رکھے گا تو لوگ تیری اس کتاب کو چھوڑ دیں گے تو اس نے اس کے الفاظ تبدیل کر کے یوں خطبہ لکھا: "الحمد لله الذي جعل القرآن" جبکہ "جعل" معتزلیوں کے نزدیک "خلق" کے معنی ہی میں ہے۔ انتہیٰ.

امام سیوطی رحمہ اللہ نے "نواهد الأبكار" میں قدمائے مفسرین کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے

کہ پھر ان علومِ بلاغت میں نظر وفکر کرنے والے لوگوں کا گروہ نمودار ہوا، جن علوم کے ذریعے سے وجہ اعجاز کا ادراک کیا جاتا ہے۔ صاحب "الکشاف" اس گروہ اور طریقے کا سرخیل ہے، اسی لیے اس کی شہرت مشرق ومغرب کے دور دراز علاقوں میں پھیل گئی۔ پھر جب اس (الکشاف) کے مصنف کو یہ معلوم ہوا کہ وہ اس طریقے سے بہت نمایاں ہوگیا ہے تو اس نے بہ طور تحدیثِ نعمت اور شکر ادا کرتے ہوئے کہا:

إن التفاسير في الدنيا بلا عدد وليس فيها لعمري مثل كشافي

[بلا شبہہ دنیا میں تفاسیر تو بے شمار ہیں، مگر میری عمر کی قسم! ان میں میری تفسیر الکشاف جیسی کوئی تفسیر نہیں ہے]

إن كنت تبغي الهدى فالزم قراء ته فالجهل كالداء والكشاف كالشافي

[اگر تمھیں ہدایت درکار ہے تو اس کا مطالعہ ضرور کرو، جہالت ایک بیماری ہے اور کشاف اس کا شافی علاج ہے]

اس نے اپنے خطبے میں ان اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تنبیہ کی ہے، جو اس سلسلے میں واجب اور ضروری ہیں۔ البتہ وہ راست گو، نیکوکار ہو، دلوں میں اس کا نظام راسخ ہو اور قرار پکڑ جائے۔

بلقینی رحمہ اللہ نے کشاف میں یہ کہتے ہوئے اس کا تعاقب کیا: زمخشری نے اس چیز کا قصد کیا جس سے اس کے علم المعانی اور علم البیان میں ماہر و باکمال ہونے کا اشارہ ملتا ہے اور ایسے دوفن کیسے راجح ہو سکتے ہیں جو چند اوراق پر لکھے ہوئے ہیں اور صحابہ و تابعین کے بعد وضع کیے گئے ہیں۔ عبدالقاہر اور سکاکی رحمہما اللہ نے اس کے بعد آ کر جو اصطلاح وضع کی، لوگوں پر وہ کوئی واجب نہیں ہے، جبکہ اکثر مقامات پر ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہوتی۔ رہا علم تفسیر تو وہ اخبار (واحادیث) کے ذریعے سے حاصل کیا جاتا ہے۔

میں (مولف کشف الظنون) کہتا ہوں کہ بلقینی اور زمخشری رحمہما اللہ کا توارد ایک جگہ پر نہیں ہے اور نہ زمخشری رحمہ اللہ اس بات کے انکاری ہیں کہ تفسیر کے حاصل ہونے کا انحصار احادیث و آثار پر ہے، بلکہ ان کا مقصود یہ ہے کہ یقیناً تفسیر سے زائد چیزیں جیسے نکت اور فقرات کے محاسن کا استخراج، لطائفِ معانی جن میں فکر کا استعمال ہوتا ہے اور اسالیب قرآنیہ کا بیان، اسی شخص کو میسر آتی ہیں جو

مذکورہ بالا دو علوم (معانی و بیان) میں ماہر و باکمال ہو، کیوں کہ ہر نوع کے کچھ اصول و قواعد ہیں اور ایک فن کا ادراک دوسرے فن کے قواعد سے حاصل نہیں ہوتا۔ فقیہ اور متکلم اسرارِ بلاغت سے دور کنارے پر ہیں، یہی صورتِ حال نحوی اور لغوی کی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو اپنے اندر موجود سلیقے کی مدد سے پہچانتے تھے۔ وہ طبعی طور پر بلاغت کی وجوہ کو اسی طرح پہچانتے تھے، جیسے وہ وجوہِ اعراب کو پہچانتے تھے۔ وہ علم کی ان دونوں قسموں کے بیان کے محتاج نہیں تھے، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی ان دو علموں سے ناواقف نہ تھا۔ جب اربابِ سلیقہ اس دنیا سے کوچ کر گئے تو اعراب و بلاغت میں سے ہر ایک کے قواعد وضع کیے گئے، تاکہ وہ چیز جس کا پہلے لوگوں نے طبعی طور پر ادراک کر لیا، بعد والے لوگ ان قواعد کے ذریعے اس چیز کو سمجھ لیں۔ پس علمِ معانی و بیان کا حکم علمِ نحو والا ہی ہے۔

کتاب "الکشاف" اس فن کو اپنے اندر سمائے ہوئے تھی تو وہ اطرافِ عالم میں مشہور ہو گئی۔ ائمہ محققین نے اس پر بہت کچھ لکھنے کا اہتمام کیا۔ چناں چہ کسی نے تو اس اعتزال کی نشان دہی کی ہے، جس میں اس کے مصنف درست بات سے ہٹ گئے ہیں۔ کسی نے اس کی بیان کردہ وجوہِ اعراب کا مناقشہ کیا ہے، کسی نے اس کا حاشیہ لکھا، اس میں وضاحت اور تنقیح کی اور اشکالات کا جواب دیا۔ کسی نے اس کی احادیث کی تخریج کرتے ہوئے تصحیح اور انتقاد کا کام کیا، کسی نے اس کا اختصار، تلخیص اور ایجاز کیا۔[1]

"الکشاف" پر لکھی جانے والی کتابیں درج ذیل ہیں:

1. امام ناصر الدین احمد بن محمد بن منیر اسکندری مالکی رحمہ اللہ کی کتاب جس کا نام "الانتصاف" ہے۔ اس کتاب میں موصوف نے کشاف کے مولف کا اعتزال بیان کیا ہے، اعاریب پر مناقشہ کیا ہے اور احسن انداز میں جدل کیا ہے۔ مولف مذکور ۶۸۳ھ میں فوت ہو گئے۔
2. ان کے بعد امام علم الدین عبدالکریم بن علی عراقی رحمہ اللہ آئے اور "الإنصاف" نام کی کتاب لکھ کر اس میں کشاف اور انتصاف کے درمیان محاکمہ کیا۔ موصوف نے ۷۰۴ھ میں وفات پائی۔
3. امام جمال الدین عبداللہ بن یوسف بن ہشام رحمہ اللہ نے ایک مختصر لطیف کتاب میں کچھ اضافے

[1] کشف الظنون (۲/ ۱٤۷۷)

کرتے ہوئے مذکورہ بالا دونوں کتابوں (انتصاف و انصاف) کی تلخیص کی۔ موصوف ۷۶۲ھ میں فوت ہوئے۔ مولف اپنی تفسیر سے متعلق رقم طراز ہیں کہ میں نے اس میں "الانتصاف من الکشاف" کا اختصار کیا ہے۔ میں نے اس سے بعینہٖ زمخشری کا کلام نقل کرنے میں، سوائے اس کلام کے جو اس کے خلاف ہے، اس کو اچھا جانتے اور پسند کرتے ہوئے، جو طوالت واقع ہوئی، اس کو حذف کر دیا۔ نیز زمخشری نے جس چیز کے ساتھ اہلِ سنت کے اس میں سبقت کرنے میں تقابل کیا ہے اس کو بھی حذف کر دیا ہے۔ میں نے اس میں صحیح عقیدے اور آیت کے ساتھ جو صحیح عقیدہ تعلق رکھتا تھا، اس کو دلیل یا تاویل پر محمول کرنے پر اقتصار و اکتفا کیا ہے۔ میں نے کتاب مذکور کے معانی میں سے کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔ جو چیز اس کی درست تھی، اس کو میں نے اس کی حالت پر باقی رکھا، جو اس کے مخالف تھی، میں نے اس کے ضعف اور علل کا سبب بیان کر دیا۔ واللہ الموفق، انتہیٰ. میں نے کتاب "الانتصاف" کی طرح اپنی کتاب کی ابتدا یوں کی ہے: "قال محمود وقال أحمد......الخ"

④ امام ابو حیان رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "البحر المحیط" میں اعراب پر خوب مناقشہ کیا ہے۔ ان کے بعد ان کے شاگرد شہاب الدین احمد بن یوسف الحلبی رحمہ اللہ مشہور بہ سمین آئے اور برہان ابراہیم بن محمد سفاقسی رحمہ اللہ نے ان دونوں کے اعراب میں مناقشہ کیا۔

⑤ شیخ تاج الدین احمد بن مکتوم رحمہ اللہ نے اپنے شیخ ابو حیان رحمہ اللہ کے مناقشات کو ایک علاحدہ تالیف میں جمع کر دیا اور اس کا نام "الدر اللقیط من البحر المحیط" رکھا۔ موصوف نے ۷۴۹ھ میں وفات پائی۔

کتاب "الکشاف" پر لکھی جانے والی مزید کتابیں درج ذیل ہیں:

① حاشیہ علامہ قطب الدین محمود بن مسعود شیرازی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۱۰ھ) یہ حاشیہ دو لطیف جلدوں میں ہے۔

② حاشیہ علامہ فخر الدین احمد بن حسن جار بردی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۶ھ)

③ حاشیہ علامہ شرف الدین حسن بن محمد طیبی رحمہ اللہ۔ یہ مولف کا چھ ضخیم جلدوں میں بہت شان دار حاشیہ ہے۔ مولف اس میں فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حاشیہ شروع کرنے سے پہلے نبی اکرم ﷺ

کو خواب میں دیکھا، آپ ﷺ نے مجھے دودھ کا بھرا ہوا پیالہ تھمایا اور میری طرف اشارہ کیا۔ میں نے وہ دودھ پیا، پھر میں نے وہ پیالہ آپ ﷺ کو پکڑا دیا تو آپ ﷺ نے بھی اس سے دودھ پیا۔ محشی نے اس حاشیے کا نام "فتوح الغيب في الكشف عن قناع الريب" رکھا۔ موصوف ۷۴۳ھ میں وفات پا گئے۔

جہاں تک طیبی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا شرح کا تعلق ہے تو انھوں نے وجوہِ قراءات کی تبیین، احادیث و روایات کی تصحیح، اس کی لغات کی تحقیق اور اس کے نکات کی تدقین جیسے متفرق مبادی و اصول کو لانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اس کے مسائل کی تقریر میں اپنی کوششیں صرف کیں۔

اس کے باوجود اس میں دو چیزیں موجود ہیں:

① پہلی چیز جو افعال اختیاریہ میں سے نہیں ہے۔ یہ کتاب، کتابِ متین اور حصنِ حصین ہے۔ محض ظاہری علوم پر عبور حاصل کر لینے سے اس کا مکمل علم حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کی کچھ شرائط ہیں، جن میں سے بعض مولف نے خود بیان فرمائی ہیں۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں کہ زمانے نے رجوع کیا اور اس نے اس کی طرف رجوع کیا اور تیز ذہن کے ساتھ اس کا رد کیا اور اس کا حصول کوشش و کاوش کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

② دوسری چیز یہ ہے کہ وہ نکات بیانیہ کو کثرت کے ساتھ وارد کرنے کے شوقین تھے۔

لہٰذا ان کی یہ شرح غیر مقصود میں اور موجود کے مقصود کے ساتھ اختلاط میں ایک ضخیم شرح بن گئی۔

④ قطب الدین تحتانی محمد بن محمد رازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۶ھ) کی بھی ایک شرح ہے، لیکن وہ نامکمل ہے، وہ صرف سورۃ الانبیاء تک ہے، بلکہ وہ طیبی رحمہ اللہ کی شرح کا خلاصہ ہے۔ انھوں نے اپنی شرح میں ہر باب کے اندر تنقیح کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔ نیز اس میں ''شرح فاضل جیلوہنی'' کے اعتراضات اس بنیاد پر لائے ہیں کہ وہ اس کے مقاصد کو پورا کرنے والے ہیں، کیوں کہ اس میں تین چیزیں ہیں:

① انھوں نے کوئی مرتب شرح نہیں لکھی، جیسا کہ شروح کا متون کے ساتھ لکھنے کا قاعدہ اور طریقہ ہوتا ہے۔

(۲) انھوں نے روایت اور اس کے جواب سے متعلق جو کچھ تھا، اس پر اپنی پوری کوشش صرف کی ہے، لیکن باریکیوں میں ان کا قدم پھسل جاتا ہے اور تعقلات میں وہ دھڑام سے گر جاتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ ایسا ان کی فطری استعداد کی کمی کی وجہ سے ہے یا معقولات میں ان کی مشق نہ ہونے کی بنا پر ہوتا ہے؟

(۳) انھوں نے اس کی عبارت کا اختصار کرنے اور اس کے اشارے پر اقتصار کرنے میں بہت سا مبالغہ کیا ہے۔

۵ علامہ اکمل الدین محمد بن بابر کا حاشیہ۔ کہتے ہیں کہ وہ زہراوین کے اختتام تک ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله علام الغيوب كشاف الكروب......الخ" وہ ۷۸۶ھ میں فوت ہو گئے۔

۶ حاشیہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ۔ یہ طیبی رحمہ اللہ کے حاشیے کا ملخص ہے اور اس میں صرف عبارت کی تقیید کا اضافہ ہے۔ محشی اس کو مکمل نہ کر سکے، بلکہ یہ صرف سورت یونس کے اوائل تک ہے۔ انھوں نے سورت ص کے اول سے سورۃ القمر تک شرح کی۔ موصوف ۷۹۲ھ میں وفات پا گئے۔

یہ ایک بے نظیر شرح ہے، کیوں کہ یہ تحقیق، تدقیق اور لطائفِ توفیق و تلفیق پر مشتمل ہے۔ مولف نے جوانی میں فرصت کے اوقات کو ضائع کیا اور آخری عمر میں یہ شرح لکھنے چلے، مگر اس کام کو مکمل کرنے سے پہلے ہی قاصد اجل نے آلیا۔

ملا کاتب رحمہ اللہ کہتا ہے کہ میں نے تحقیق کی تو اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ کتاب شہور و عوام کے تعاقب میں ایک ایسا جوان گھوڑا ہے، جس پر کسی نے سواری نہیں کی اور ایسا موتی ہے جس میں کسی نے سوراخ نہیں کیا۔

۷ حاشیہ سید شریف جرجانی علی بن محمد رحمہ اللہ (المتوفی ۸۱۶ھ) انھوں نے سورۃ البقرہ میں فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا﴾ تک یہ حاشیہ لکھا۔ معلوم نہیں کہ انھوں نے اس کو کہاں تک مکمل کیا۔ اس حاشیے پر محی الدین محمد بن الخطیب رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۰۱ھ) کا حاشیہ ہے، جس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "إن أحق ما يوشح به صدر الكلام......الخ"

انھوں نے سلطان بایزید کی خدمت میں اس کو بہ طور ہدیہ بھیجا۔

8. حاشیہ عبدالکریم بن عبدالجبار رحمہ اللہ۔ یہ زہراوین کے آخر تک ہے۔ اس میں مولف نے جمال الدین اقسرائی رحمہ اللہ کے قطب رازی رحمہ اللہ پر کیے گئے اعتراضات کے جواب دیے ہیں، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله المنعم المبدع المنان......الخ" وہ جمادی الآخرۃ ۸۲۵ھ کو اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔

9. حاشیہ سید علاء الدین علی طوسی رحمہ اللہ (المتوفی بہ سمرقند ۸۱۶ھ)

10. حاشیہ احمد بن سلیمان بن کمال پاشا رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۴۰ھ) یہ حاشیۂ سید پر حاشیہ ہے۔

11. حاشیہ برہان الدین حیدر بن ہروی رحمہ اللہ اس میں محشی نے سید کے اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں۔ محشی نے ۸۳۰ھ میں وفات پائی۔

12. سعد کے حاشیے پر ایک حاشیہ علی بن محمد معروف بہ قوشجی رحمہ اللہ کا بھی ہے۔

13. شیخ الاسلام یحییٰ ہروی رحمہ اللہ معروف بہ حفید کا بھی ایک حاشیہ ہے۔ اس حاشیے میں بھی محشی نے اپنے دادا سعد پر سید کے اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔

14. سید کے حاشیے پر حسن چلپی بن محمد شاہ فناری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۸۵ھ) کا بھی ایک حاشیہ ہے۔

15. کشاف پر ایک حاشیہ شیخ سراج الدین عمر بن رسلان بلقینی رحمہ اللہ کا ہے۔ اس حاشیے کا اسلوب مذکورہ بالا تمام حواشی سے جداگانہ ہے۔ انھوں نے اپنے اس حاشیے میں ان کے کلام کا کم ہی ذکر کیا ہے۔ یہ تین جلدوں میں ہے۔ محشی نے اس کا نام "الكشاف على الكشاف" رکھا ہے۔ وہ ۸۰۵ھ میں فوت ہو گئے۔

16. حاشیہ شیخ ولی الدین ابو زرعہ احمد بن الحافظ الکبیر عبدالرحیم عراقی رحمہ اللہ۔ یہ حاشیہ دو جلدوں میں ہے۔ محشی نے اس میں ابن منیر، معلم عراقی، ابو حیان، سمین حلبی رحمہم اللہ کے جوابات اور سفاقسی رحمہ اللہ کے کلام کا تخریجِ احادیث کے اضافے کے ساتھ ذکر کیا ہے۔[1] انتهى كلامه السيوطي مع حذف و الحاق. ابوزرعہ مذکور نے ۸۶۲ھ میں وفات پائی۔

17. حاشیہ عمر بن عبدالرحمن فارسی قزوینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۵ھ)۔ یہ ایک جلد میں ہے اور اس کا نام

---

[1] کشف الظنون (۲/ ۱۴۸۰)

"الكشف" ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أنار الأعيان بنور الوجود......الخ"

18 علامہ عماد الدین یحییٰ بن قاسم علوی معروف بہ فاضل یمنی رحمہ اللہ کا دو جلدوں میں حاشیہ۔ محشی نے اس کا نام "درر الأصداف من حواشي الكشاف" رکھا ہے۔ مولف نے ۷۵۰ھ میں وفات پائی۔

19 عماد الدین رحمہ اللہ مذکور کا ایک اور حاشیہ بھی ہے، جس کا نام "درر الأصداف في حل عقد الكشاف" ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله الذي أنزل قرآنه العظيم... الخ" محشی نے اس میں ذکر کیا ہے کہ جب وہ حاشیہ طیبی سے آگاہ ہوا اور اس میں انتصاف و انصاف وغیرہ کا ذکر پایا تو اس نے چاہا کہ وہ حاشیہ طیبی اور الانصاف کو جمع کر دے۔ پھر اس نے ایسا کر کے اس کا نام "تحفة الأشراف في كشف غوامض الكشاف" رکھا۔

20 حاشیہ شیخ علاء الدین علی بن محمد شاہرودی شہیر بہ مصنفک رحمہ اللہ (المتوفی ۸۷۱ھ)

کشاف پر لکھنے والے مزید مولفین درج ذیل ہیں:

① قطب الدین محمد بن محمد تحتانی رازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۶ھ)

② خیر الدین خضر بن عمر عطوفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۴۸ھ)

③ یوسف بن حسن تبریزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۴۰ھ)

④ صاحبِ قاموس نے کشاف کے خطبے کی شرح لکھی اور اس کا نام "قطبة الخشاف لحل خطبة الكشاف" رکھا۔ اس کے بعد انھوں نے ایک اور شرح لکھی اور اس کا نام "بغية الرشاف من خطبة الكشاف" رکھا۔ انھوں نے اس میں ذکر کیا ہے کہ پہلے ان کا یہ کام تلف ہو گیا تو انھوں نے ۷۶۸ھ میں دوبارہ اس پر کام کیا۔

⑤ ابو سعود کی "معاقد الطراز في أول تفسير سورة الفتح من الكشاف"۔ موصوف نے ۹۸۲ھ میں وفات پائی۔

⑥ اس کے اوائل پر صنع اللہ بن جعفری مفتی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۱۱ھ) کا بھی ایک حاشیہ ہے۔

کشاف کے بعض مواضع پر تعلیقات لکھنے والوں میں سے ایک کمال الدین اسماعیل قرمانی رحمہ اللہ

معروف بقرہ کمال ہیں، ان کا شمار دولت فاتحیہ کے علما میں ہوتا ہے۔

(۷) ایک تعلیق شمس الدین احمد بن سلیمان معروف بہ ابن کمال پاشا مفتی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۴۰ھ) کی ہے۔ یہ اس کی تالیفات میں سے بہترین تالیف ہے، جیسا کہ عرب زادہ نے "حاشية الشقائق" میں ذکر کیا ہے۔ اس میں انھوں نے سید اور مہدی شیرازی پر بہت سے اعتراضات کیے ہیں۔ موصوف ۹۵۶ھ میں وفات پا گئے۔

کشاف کا اختصار کرنے والے اور بہت سے لوگ ہیں، جن میں سے ایک شیخ محمد بن علی انصاری رحمہ اللہ ہیں۔ انھوں نے اپنے اختصار میں کشاف کے مولف سے اعتزال کا ازالہ کیا ہے۔ موصوف نے ۶۶۲ھ میں وفات پائی۔ ایک شیخ قطب الدین محمد بن مسعود بن محمود بن ابو الفتح سیرانی فالی شقار رحمہ اللہ ہیں۔ انھوں نے اپنی تالیف کا نام "تقريب التفسير" رکھا۔ انھوں نے شہر شیراز میں اس کو مکمل کیا، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي جعل كتابه الكريم مفتاحا للسرور......الخ". یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے، جو کشاف کی صرف اہم چیزوں پر مشتمل ہے، اس میں کچھ مفید اضافے بھی ہیں۔ نیز اس میں تہذیب و تنقیح بھی ہے۔ اس پر دو جلدوں میں ایک لطیف اور مفید حاشیہ بھی ہے، محشی نے اس کا نام "توضيح مشكلات التقريب" رکھا۔ یہ علی بن عمر الارزنجانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جو انھوں نے دورانِ تدریس لکھی۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

"الحمد لله الذي حارت الأفكار في مبادي أنوار كتابه... الخ"

کشاف کا اختصار لکھنے والوں میں ایک نام عبدالاول حسین مشہور بہ ام ولد رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۵۰ھ) کا بھی ہے۔ کشاف کا سب سے اہم اور مفید اختصار قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی کتاب "أنوار التنزيل" ہے۔ انھوں نے اپنی اس تالیف میں نہایت شائستہ تلخیص کی، کشاف کے مولف سے اعتزال کا ازالہ کیا اور اس کا استدراک کیا اور خوب شہرت پائی، لوگ بھی اس کے گرویدہ ہو گئے۔

کشاف کی احادیث کی تخریج کرنے والوں میں سے ایک امام محدث جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۲ھ) ہیں۔ حافظ کبیر ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کی "الكاف الشاف في تحرير أحاديث الكشاف" میں تلخیص کی ہے۔ یہ ایک جلد میں ہے۔ انھوں نے پھر ایک اور جلد میں اس پر استدراک لکھا۔ وہ ۸۵۲ھ میں اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔

مولف نے اس میں موجود تمام معروف احادیث کا احاطہ کیا ہے۔ اس کے طرق کو واضح کیا اور اس کے مخرجین کا نام اسی طرز پر ذکر کیا، جیسے ہدایہ کی احادیث کی تخریج میں انھوں نے اختیار کیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے بہت سی ایسی مرفوع احادیث چھوٹ گئیں، جن کا زمخشری رحمہ اللہ اشارتاً ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ آثارِ موقوفہ کی تخریج کے بھی درپے نہیں ہوئے۔

ابو علی عمر بن محمد بن خلیل سکونی مغربی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۱۷ھ) کی ایک کتاب ہے، جس کا نام "کتاب التمیز علی الکشاف" ہے۔ اس میں مولف نے امام فخر الدین رحمہ اللہ وغیرہ پر کلام کیا ہے اور ایسے انداز میں تنقید کی ہے، جو کسی عالم کے شایانِ شان نہیں ہے، جیسا کہ سبکی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

کشاف پر ایک حاشیہ ابو العباس احمد بن عثمان ازدی رحمہ اللہ شہیر بہ ابن البناء کا بھی ہے۔ ایک حاشیہ یوسف بن حسین حلوانی رحمہ اللہ کا ہے۔ ایک ابن الخطیب رحمہ اللہ کا فرمانِ باری: ﴿وَ يُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ تک حاشیہ ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "إن أحق ما يوشح به صدر الكلام بمقتضىٰ المقام......الخ"

کشاف پر دو جلدوں میں ایک مکمل حاشیہ علاء الدین علی معروف بہ بہلوان رحمہ اللہ کا ہے، اس میں موصوف نے قطب الدین رازی رحمہ اللہ کے ساتھ مناقشہ کیا ہے۔

بعض افاضل نے کشاف کے اشعار کی شرح کی ہے۔ یہ ایک مختصر شرح ہے اور اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "إن أولىٰ ما يفتتح به الكتاب......الخ" کشاف کے یہ اشعار ایک ہزار کے لگ بھگ ہیں۔ ان میں سے اکثر اشعار منثور المقاطع ہیں، جن کے معانی اکثر ادبا حتیٰ کہ فحول ادیبوں پر بھی مخفی ہیں۔

اسی طرح اشعار کی ایک شرح کا نام "شرح شواهد الكشاف" ہے، جو چند جلدوں میں خضر بن محمد موصلی رحمہ اللہ نزیل مکہ مکرمہ کی تالیف ہے۔ شہاب رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

کشاف میں سے صرف زہراوین تک محاکمات بھی ہیں، جن میں سے ایک عبدالکریم بن عبدالجبار رحمہ اللہ کا محاکمہ ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أخرج العباد من ظلمة العدم إلى نور الوجود......الخ" مولف نے اس میں ذکر کیا ہے کہ قطب الدین رازی رحمہ اللہ کی شرحِ کشاف ایک عظیم الشان کتاب تھی، لیکن جمال الدین محمد اقسرائی رحمہ اللہ نے اس پر کئی ایک

اعتراضات کیے۔ پس میں نے ان دونوں کے درمیان محاکمہ کیا ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

"نحمدك يا من بيده مقاليد الأمور... الخ"

شیخ ابو علی عمر بن محمد بن خلیل سکونی رحمہ اللہ صاحب "المنهج المشرق" کی ایک کتاب ہے، جس کا نام "مقتضب التمييز في اعتزال الزمخشري من الكتاب العزيز" ہے، اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے: "الحمد لله رب العالمين......الخ"

بعض افاضل نے خطبۂ کشاف پر مختصر شرح لکھی ہے۔ صاحبِ قاموس خطبہ کی شرح میں کہتے ہیں کہ بعض طلبہ نے کہا اور کشاف کا اہتمام کرنے والوں میں سے کسی نے اپنی تعلیق میں لکھا کہ زمخشری رحمہ اللہ نے کشاف کے خطبے میں "الحمد لله الذي أنزل القرآن ......الخ" یعنی اصل میں لفظ "أَنْزَلَ" کی جگہ "خَلَقَ" لکھا تھا۔ بعد میں مصنف نے خود یا کسی اور نے اس واضح شناعت اور عیب سے بچنے کے لیے اس کو بدل دیا۔ یہ قول انتہائی گرا ہوا اور ردی ہے۔

میں نے اپنے استاد پر اس قول کو پیش کیا تو انھوں نے اس کا انتہائی سخت انکار کیا اور کہا کہ دو وجہ سے یہ قول درست نہیں ہے:

① پہلی وجہ یہ ہے کہ زمخشری رحمہ اللہ ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے کلام کے افتتاح میں "أنزل" اور "نزل" میں مذکورہ لطائف سے بے خبر ہو اور وہ ایسا کلمہ وضع کرے جو ان لطائف سے خالی ہو۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اعتزال کی طرف اپنی نسبت کو ناپسند کرنے والا کب تھا؟ وہ تو اس پر فخر کیا کرتا تھا۔ نیز اس نے اس کے بعد ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں، جو معنی میں صریح ہیں اور اس نے ان کے شنیع و بدنما ہونے کی ذرا پروا نہیں کی۔

میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی جائے پیدائش میں ان کے پاس زمخشری رحمہ اللہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک محفوظ نسخہ دیکھا، جو کھرچ کر اصلاح کرنے کے اثرات سے محفوظ تھا۔ انتہیٰ.

شمس الدین اصفہانی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر "الجامع بين التفسير الكبير والكشاف" میں لکھا ہے کہ میں نے "الکشاف" کا خوب تتبع کیا تو دیکھا کہ اس کی ہر چیز کا ماخذ زجاج رحمہ اللہ ہے۔

الشیخ حیدر رحمہ اللہ نے "حاشية الكشاف" میں جزو ثالث کے قریب قریب اپنے اس قول "الحمد لله الذي صور بكمال فضله وجوه وجود الإنسان......الخ" کے بعد لکھا ہے

کہ کتاب "الکشاف" بلند قدر اور عظیم الشان کتاب ہے۔ پہلے لوگوں کی تصانیف میں اس طرح کی کوئی تصنیف دکھائی نہیں دیتی اور نہ بعد والے لوگوں کی تالیفات میں کوئی کتاب اس کی مثل روایت کی گئی ہے۔

ماہرین کی تحریریں اس کی جچی تلی تراکیب کی متانت پر متفق ہیں۔ کامل و بلیغ لوگوں کی زبانیں اس کے خوش نما اسالیب کی پختگی پر مجتمع ہیں۔ مولف نے قوانینِ تفسیر کی تنقیح، اس کی براہین کی تہذیب، اس کے قواعد کی تمہید اور اس کے مقاصد کی تشبیہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

اس کے بعد تفسیر کی کوئی کتاب، اگرچہ فرض کیا جائے کہ وہ نقیر و قطمیر (معمولی چیز) سے خالی نہیں ہے، جب اس کا الکشاف کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو آپ اس میں وہ رونق، چمک دمک اور شیرینی نہیں پائیں گے، جو کشاف کے اندر ہے، کیوں کہ کسی بھی دوسری کتاب کا مولف اس کشاف کے نشانات پر چلتا ہے اور اسی کی خبریں پوچھتا ہے۔ جب بھی اس نے اس کی کوئی ترکیب بدلی تو وہ غلطی کر بیٹھا اور مہمل بات کو لے آیا اور وہ دیوانگی و گمراہی کی پھسلن میں گر گیا۔

مگر اس کے باوجود جب تو حقیقتِ اَمری کی تلاش کرے گا تو اس جیسے اثرات ونشانات رکھنے والی کوئی کتاب نہیں ملے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ نظر نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور وہ اطرافِ عالم میں یوں مشہور ہوئی، جیسے نصف النہار کے وقت سورج ہوتا ہے۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ادبی طرق پر چلنے میں چوک ہونے کی وجہ سے اور اربابِ کمال اور اعتدال وعمدگی کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے وہ بے کار نظروں میں آ گیا۔

بہ ہرحال اس نے اپنی کتاب میں ایسے امور کا اہتمام کیا ہے، جنھوں نے اس کی رونق کو اڑا دیا ہے اور اس کی خوش نمائی اور آب و تاب کو ختم کر دیا ہے۔ اس کے صاف گھاٹ گدلے ہو گئے، جھلکتے ہوئے چشمے تنگ پڑ گئے اور اس کا بلند مرتبہ گر کر رہ گیا۔

جب بھی اس نے قرآنی آیات میں سے کسی آیت کی تفسیر کرنا چاہی تو اس کے مضمون نے اس کی خواہش کی مدد نہ کی اور اس کے مدلول ومفہوم نے اس کی مرضی کی پیروی نہ کی تو اس نے ٹھنڈے تکلفات اور جامد تعسفات (دھاندلیوں) کے ساتھ اس کو ظاہری مفہوم سے پھیر دیا۔ جب کہ کسی نکتے کے بغیر اور بلا کسی ضرورت کے کسی آیت کو اس کے ظاہری مفہوم سے پھیرنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام

کی تحریف ہے۔ کاش وہ بہ قدر ضرورت پر اکتفا کرتا، بلکہ وہ تو اطناب وتکثیر میں مبالغہ کرتا ہے، تاکہ اس کے عجز وتقصیر کا وہم نہ ہونے لگے۔ چنانچہ آپ اس تفسیر کو ان ظاہری اعتزالات سے بھرا ہوا پائیں گے، جو اَفہام کی طرف جلدی کرتے ہیں۔ نیز وہ مخفی چیزوں سے بھری ہوئی ہے، جس کی طرف اَوہام جلدی نہیں کرتے، بلکہ اس کے پھندوں اور جالوں کو صرف ہوشیار اور ماہر قسم کے لوگ ہی سمجھ پاتے ہیں اور وہ بھی بار بار تتبع کرنے سے، اس کی چالوں سے فضلائے آفاق میں سے کوئی ایک ہی آگاہ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بہت بڑی آفت اور مصیبت ہے۔

اس کتاب میں پائی جانے والی خرابیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کا مولف اولیاء اللہ پر، جو اس کے بندوں میں سے پسندیدہ بندے ہیں، طعن کرتا ہے اور طرفہ یہ کہ وہ فرطِ عناد کی بنا پر اپنے اس فعلِ بد سے غافل و بے پروا رہتا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ...... الخ﴾ کی تفسیر میں امام رازی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے کہ صاحبِ کشاف اس مقام پر اولیاء اللہ پر طعن کرنے میں بہت دور چلا گیا ہے۔ اس نے اس میں وہ کچھ لکھ ڈالا ہے، جو کسی عاقل کو لائق نہیں ہے کہ وہ فحش کتابوں میں بھی اس طرح کی باتیں لکھا کرے۔ اس نے اولیاء اللہ پر طعن کرنے کی جرات تو کی ہی ہے، وہ اللہ کے کلامِ مجید میں فحش کلام کرنے میں بھی کسی قدر جری دکھائی دیتا ہے۔

اس میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس نے فضائل و کمالات کے اظہار کے لیے اوہام و خیالات کے وساوس کا سہارا لیا ہے، مگر وہ مطلق طور پر تمام علوم میں لطائفِ محاورہ اور نفائسِ محاضرہ کے ساتھ موصوف ہے۔

اس نے اپنی اس کتاب میں بہت سے اشعار اور گہری مثالوں کا استعمال کیا ہے، جن کی بنیاد ہزل اور مذاق ہے۔ نیز اس نے ٹھنڈے تیل پر قندیل روشن کی ہے، جبکہ یہ امر شرع و عقل سے بعید ہے، خاص طور پر اہلِ عدل و توحید کے ہاں مردود ہے۔

اس میں ایک عیب یہ بھی ہے کہ وہ اہلِ سنت و جماعت، جو فرقہ ناجیہ ہے، کا فحش عبارات کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ حتیٰ کہ کبھی وہ ان کو "مجبرہ" قرار دیتا ہے اور کبھی وہ علی سبیل التعریض ان کو کفر و الحاد کی طرف منسوب کرتا ہے۔ جب کہ یہ تو شاطر قسم کے بیوقوفوں کا کام ہے، علمائے ابرار کو تو یہ ہرگز

زیب نہیں دیتا ہے۔ انتہیٰ کلام حیدر رحمہ اللہ. ماہرینِ فن کے ہاں حیدر کا یہ کلام کس قدر لائق قبول ہے! اس نے جو کچھ کہا ہے، عدل و انصاف کے ساتھ کہا ہے۔

اس طرح کے بعض اوصاف میں قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی تفسیر بھی الکشاف کے ساتھ ملتی جلتی ہے، باوجود اس کے کہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ سنی اور شافعی ہیں، مگر وہ عقلِ فاسد کی رسی میں جکڑے ہوئے اور کاسد رائے کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ سرکش اور دین قیم سے، مضبوط کمان سے نکلنے والے تیر کی طرح نکل جانے والے فلسفیوں کا اتباع کرتے ہوئے وہ آیات کو ان کے ظاہر سے پھیرنے کے شوقین اور سلفِ امت اور اس کے اکابر سے منقول معانیِ ماثورہ کی تاویل کرنے کے رسیا ہیں۔

لہٰذا آپ ان دونوں تفسیروں (الکشاف اور بیضاوی) کے مولفین کے علومِ عقلیہ اور ادبیہ میں کمال اور فنون معانیہ اور بیانیہ میں ان کی دسترس سے دھوکا نہ کھائیے گا۔

اللہ قدیر کے کلام کی تفسیر تو وہ ہے جو نبی بشیر و نذیر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ عنہم جیسے سلفِ امت اور ائمہ امت سے منقول ہو یا جس پر فصحاے عرب العرباء کی لغت دلالت کرے یا وہ اس صحیح اعرابی وجہ کے ساتھ ثابت ہو، جس پر علما و فضلا نے عمریں خرچ کیں نہ کہ وہ جو محمود مذموم اور بیضاوی مرحوم لائے ہیں۔

❊ کشف الأسرار عن قراءة الأئمة الأخيار: یہ ابو العباس احمد بن اسماعیل الکورانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۹۳ھ) کی تالیف ہے۔ یہ جزری رحمہ اللہ کی نظم کی شرح ہے۔ یہ نظم اشکالات کا مرجع ہے۔ یہ کتاب ابن محیص، اعمش اور حسن بصری رحمہ اللہ کی قراءات پر مشتمل ہے اور وہ دس قراءتوں سے زیادہ ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: ”الحمد لله الذي جعل حملة كتابه مع السفرة الكرام......الخ“ مذکورہ بالا نظم چون (۵۴) اشعار پر مشتمل ہے۔

❊ کشف الأسرار وعدة الأبرار: یہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ کی فارسی تفسیر ہے۔

❊ کشف الحقائق في التفسير: یہ شیخ موفق الدین احمد بن یوسف الکواشی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۸۰ھ) کی تالیف ہے۔

❊ كشف السر المصون والعلم المكنون في شرح خواص القرآن

العظيم و منافعه: یہ کتاب لوگوں میں متداول ہے۔ اس کے مصنف کو لوگ ''حکیم تیمی'' کے نام سے جانتے ہیں۔ صاحبِ ''الدر النظیم'' نے کہا ہے کہ مجھے اس کے مولف کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

* الکشف عن وجوه القراءات وعللها: یہ ابو محمد مکی بن ابو طالب القدسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۷ھ) کی تالیف ہے۔
* کشف غوامض المنقول من مشکل الآیات والآثار وأخبار الرسول: یہ مرصفی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* الکشف في نکت المعاني والإعراب وعلل القراءات المرویة عن الأئمة السبعة: یہ ایک جلد میں شیخ نور الدین ابو الحسن علی بن الحسین بن علی الباقولی المعروف بہ الجامع النحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۳ھ) کی تالیف ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: ''الحمد للّٰہ حق حمده والصلاۃ علیٰ خیر خلقه......الخ''
* الکشف والبیان في تفسیر القرآن: یہ ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۲۷ھ) کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: ''بحمد اللّٰه یفتتح الکلام وبتوفیقه یستنجح المطلب والمرام......الخ''
* کفایة الألمعي في آیة ﴿یٰٓاَرْضُ ابْلَعِی﴾: یہ شیخ الامام شمس الدین محمد بن محمد الجزری رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے: ''الحمد للّٰه الذي أنزل علیٰ عبده الکتاب......الخ'' مولف نے اس میں ذکر کیا ہے کہ کسی مجلس میں اعجازِ قرآن پر بحث چل پڑی کہ سکا کی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں انتہا کو چھوا ہے تو مولف نے بہت سی دیگر وجوہ کا ذکر کیا اور سلطان رضا کیا بن سید علی کیا حسینی علوی رحمہ اللہ کی خدمت میں اس کا ہدیہ بھیجا۔
* الکفایة في التفسیر: یہ ابو عبداللہ اسماعیل بن احمد الضریر الخیری النیشاپوری رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۰ھ) کی تالیف ہے۔
* الکفایة في القراءة: یہ امام بغوی رحمہ اللہ کی تالیف ہے اور سات قراءتوں پر سبط الخیاط

ابو محمد عبداللہ بن علی بغدادی رحمہ اللہ کی اور دس قراء توں پر ابو محمد عبداللہ بن عبدالمومن الوجیہ الواسطی (المتوفی: ۷۴۰ھ) کی شاطبیہ کے وزن پر نظم ہے، جس کا نام: "تحفة البررة في القراءات العشرة" ہے۔

* كفاية القارئ: یہ شیخ برہان الدین ابراہیم بن عمر البقاعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۸۵ھ) کی ابوعمرو کی روایت میں تالیف ہے۔

* كفاية المبتدي وتذكرة المنتهي: اس کا دوسرا نام "الكفاية الكبرىٰ في القراءات العشر" ہے۔ یہ ابو محمد بن الحسین بن بندار القلانسی الواسطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۲۱ھ) کی تالیف ہے۔

* الكفاية المحررة في نظم القراءات العشرة: یہ تقی الدین حسین بن علی الحصنی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ مولف نے اس میں "الشاطبية" اور "الدرة" کو جمع کر دیا ہے۔ بعض جگہوں میں شاطبی رحمہ اللہ سے اختلاف کیا ہے۔ بعض طلبہ کے التماس پر اس نے نظم کو سہولت کی خاطر نثر میں تبدیل کر دیا اور اس کا نام: "تحفة البررة" رکھا۔

* الكفيل بمعاني التنزيل: یہ عماد کندی قاضی اسکندریہ نحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۰ھ) کی تفسیر ہے۔ مولف نے اندلس کے اندر غرناطہ کو اپنا وطن بنایا تھا۔ یہ تیئیس (۲۳) بڑی جلدوں میں ایک ضخیم تفسیر ہے۔ تفسیر میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک یا زیادہ آیات درج کرتے ہیں، پھر کہتے ہیں: "قال الزمخشري:" پھر اس کا کلام نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد زمخشری رحمہ اللہ کے کلام پر مناقشہ لکھتے ہیں اور مزید جس توجیہ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ نقل کرتے ہیں، پھر اس جگہ کشاف کے علاوہ دیگر تفاسیر میں جو اضافے ہیں، وہ درج کرتے ہیں۔ اس تفسیر میں ان کی زیادہ تر نحو پر نظر رہتی ہے، کیوں کہ وہ نحو کی معرفت میں بہت زیادہ فائق تھے۔

* كنز العرفان في فقه القرآن: یہ فقہی ترتیب پر ایک جلد میں ایک مقدمے اور چند ابواب پر مشتمل ہے۔ مولف نے اس میں قرآن مجید میں وارد ہونے والے احکام فقہیہ کو شیعہ مذہب کے مطابق بیان کیا ہے، جیسا کہ اس کا مصنف مسحِ قدمین (پاؤں کے مسح) میں

اپنا مذہب واضح کرتا ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله الذي أنزل علىٰ عبده الكتاب... الخ"

* الكنز في القراءات: یہ ابو محمد عبداللہ بن عبدالمومن بن الوجیہ الواسطی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۰ھ) کی تالیف ہے۔ مولف نے اس میں قلانسی رحمہ اللہ کی "الإرشاد" اور دانی رحمہ اللہ کی "التیسیر" کو جمع کر دیا ہے اور کچھ اضافی فوائد بھی لکھے ہیں۔

* الكهف والرقيم في شرح بسم الله الرحمٰن الرحيم: یہ عبدالکریم بن سبط الشیخ عبدالقادر الکیلانی الحنبلی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الكامن في كنه ذاته......الخ"

علم کیفیة إنزال القرآن:

اس کیفیت کو جاننے میں تین اقوال ہیں:

① جو سب سے صحیح اور مشہور قول ہے کہ وہ یک بارگی لیلۃ القدر میں آسمانِ دنیا کی طرف اترا، پھر اس کے بعد وہ پچیس (۲۵) یا تیئس (۲۳) سال کے عرصے میں آپ ﷺ کی بعثت کے بعد مکے میں اقامت کے دوران میں حسبِ اختلاف تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا۔

② وہ آسمان دنیا کی طرف بیس (۲۰) یا تیئس (۲۳) یا پچیس (۲۵) شبِ قدر میں اترا۔ ہر رات میں اتنا اترا، جتنا اللہ نے ہر سال کا اترنا مقدر کیا، پھر بعد میں تھوڑا تھوڑا سارے سال میں اترتا رہا۔ مقاتل رحمہ اللہ نے یہ قول نقل کیا ہے۔ اسی طرح حلیمی رحمہ اللہ اور ماوردی رحمہ اللہ اس کے قائل ہیں۔ رازی رحمہ اللہ نے اس قول کو احتمال کے ساتھ ذکر کر کے توقف کیا ہے کہ آیا پہلا قول بہتر ہے یا دوسرا؟

③ تیسرا قول یہ ہے کہ نزولِ قرآن کی ابتدا تو لیلۃ القدر میں ہوئی، پھر اس کے تمام اوقات میں مختلف اوقات میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔

آگاہ رہو! علما نے "إنزال" کے معنی میں اختلاف کیا ہے:

ان میں سے کسی نے تو کہا ہے کہ اس کا معنی قراءت کا اظہار ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ رسولِ خدا ﷺ کو کلام کا الہام کرنا اور اس کی قراءت کی تعلیم دینا مراد ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ فرشتہ (جبریل علیہ السلام) اللہ تعالیٰ سے اس کا روحانی تلقف حاصل کرتا ہے یا لوحِ محفوظ سے یاد کرتا ہے، پھر

اسے رسول ﷺ کی طرف نازل کرتا اور اس پر القا کرتا ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن ایک ایسا معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس کے انزال کا معنی ہے کہ ان کلمات و حروف کو ایجاد کرنا، جو اس معنی پر دلالت کرتے ہیں اور لوحِ محفوظ میں اس کا اثبات اسی طرح ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن لفظ ہے تو ان کے نزدیک اس کے انزال کا معنی لوحِ محفوظ میں صرف اس کا اثبات ہے۔

پھر رسولِ خدا ﷺ پر نازل ہونے کے بارے میں تین قول ہیں:

1. لفظ و معنی ہر دو منزل ہیں۔
2. جبریل علیہ السلام خاص معانی لے کر اترے، آپ ﷺ نے وہ معانی سیکھ لیے اور ان کو عربی زبان میں تعبیر کر دیا۔ اس قول کے قائل نے درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ کے ظاہر سے دلیل پکڑی ہے:
   ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ﴾
3. جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ پر معنی کا القا کیا۔ آپ ﷺ نے عربی زبان میں ان الفاظ کے ساتھ ان کو تعبیر کر دیا۔ اہلِ آسمان بھی اسے عربی زبان میں پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے اسی طرح اس کو نازل کیا۔

اس سلسلے میں اور بھی اقوال ہیں جو تفاسیر، حواشی بیضاوی اور اتقانِ سیوطی رحمہ اللہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ بہر حال اس میں راجح مذہب یہ ہے کہ قرآن مجید کلامِ خدا ہے، اس کے لفظ و معنی بھی اس کے ہیں۔ جو کچھ پڑھا اور سنا جاتا ہے، سینوں میں محفوظ ہے، مصاحف میں مکتوب ہے اور زبانوں پر پڑھا جاتا ہے، یہ حروف، کلمات اور اصوات سب کلامِ قدیم ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اور اسی کی طرف اس کی انتہا ہوتی ہے۔

اہلِ حدیث، جو اہلِ سنت والجماعت کے قدوہ ہیں، کا مختار مذہب یہی ہے۔

باب اللام

❊ لباب في معاني التنزيل: یہ شیخ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی صوفی ؒ معروف بہ خازن کی تین جلدوں میں تالیف ہے۔ مولف اس کی تالیف سے بروز بدھ دس رمضان ۷۲۵ھ میں فارغ ہوئے۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله الذي خلق الأشياء فقدرها......الخ" مولف نے اس میں ذکر کیا ہے کہ امام بغوی ؒ کی تفسیر اوصافِ حمیدہ کے ساتھ متصف ہے، مگر چوں کہ وہ طویل تھی، لہٰذا میں نے انہی کی عبارت میں اس کی تلخیص کر دی ہے، شرح غریب جیسے بعض فوائد کا اس میں اضافہ کر دیا اور احادیث کو ان کی اسانید حذف کر کے ذکر کیا ہے۔ یہ تفسیر قاہرہ مصر میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔ راقم الحروف نے از اول تا آخر اس کا مطالعہ کیا اور اس میں دو چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے:

1. اس میں فقہی فرعی مسائل ضرورت سے زیادہ ہیں۔
2. تصحیح و تضعیف کا اہتمام کیے بغیر واقعات کو نقل کیا گیا ہے، اس وجہ سے یہ کتاب طویل ہو کر چار ضخیم جلدوں میں پھیل گئی ہے۔

❊ لباب التفاسير: یہ شیخ برہان الدین تاج القراء کی تالیف ہے، جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي نزل القرآن غير محدث ولا مخلوق ......الخ" مولف نے اپنی کتاب "البرهان في متشابه القرآن" میں ذکر کیا ہے کہ اس نے اس تفسیر میں شرائط کے ساتھ ذکر کردہ چیزوں کو بیان کیا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "الغرائب والعجائب" میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

❊ لباب في علم الكتاب: یہ ابو حفص عمر بن علی بن عادل الحنبلی الدمشقی ؒ کی چھے جلدوں میں بہت مشہور تفسیر ہے۔

❊ لباب النقول في ما وقع في القرآن من المعرب والمنقول: یہ امام سیوطی ؒ کی تالیف ہے۔ کشف الظنون میں یہی لکھا ہوا ہے، مگر صاحبِ کشف کی یہ

بات غلط ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں ذکر کیا ہے کہ انھوں نے اسبابِ نزول اور اس کی مدح پر ایک ضخیم اور مختصر کتاب لکھے جانے کے بعد اس نوع پر اس جیسی کتاب نہیں لکھی۔ اس کتاب کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد للّٰه الذي جعل لكل شيئ سببا......الخ" امام سخاوی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مولف نے یہ کتاب ہمارے شیخ ابن حجر رحمہ اللہ کی تصانیف سے اچک کر تالیف کی ہے۔

* لذات السمع في القراءات السبع: یہ ابو جعفر احمد بن الحسن المالقی النحوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) کی تالیف ہے۔
* لسان التنزيل من التفاسير.
* لطائف الإشارات بفنون القراءات: یہ شیخ ابو العباس احمد بن محمد بن ابو بکر القسطلانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۲۳ھ) کی ایک ضخیم جلد میں تالیف ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد للّٰه الذي أنزل كتابه العزيز بسبعة أحرف تسهيلا علينا و تيسيرا......الخ" یہ ایک ایسی کثیر الفوائد کتاب ہے، جس نے فنونِ قرآن کی ہر چھوٹی بڑی کتاب کو اپنے اندر جمع کر لیا ہے۔
* لمعة الزمان في القراءة.
* لوامع البرهان وقواطع البيان في معاني القرآن: یہ ایک مختصر تفسیر ہے جس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد للّٰه الذي جعل الحمد مفتتح قراءته......الخ" یہ ابو الفضائل محمد بن حسین المعین رحمہ اللہ (میم کے زبر کے ساتھ) کی تالیف ہے۔
* اللؤلؤ المكنون في جمع الأوجه من سورة الكوثر إلىٰ قوله سبحانه وتعالىٰ: ﴿وَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ یہ شیخ سیف الدین بن عطاء اللہ البصیر رحمہ اللہ کی مختصر تالیف ہے، جس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے: "الحمد للّٰه الذي جعل القرآن العظيم وقاية لحفظته من النار......الخ" مولف نے اس میں ذکر کیا ہے کہ ان کے شیخ شہاب الدین احمد بن احمد بن عبدالحق السنباطی رحمہ اللہ نے جب "الطيبة" کو مکمل پڑھایا اور ان کو کئی فوائد حاصل ہوئے تو انھوں نے اس کتاب کو جمع کرنے کی طرف اشارہ کیا تو مولف نے یہ کتاب جمع کی۔

باب المیم

* ماآت القرآن علی ترتیب السور: یہ شیخ ابولفرج احمد بن علی المقری الہمدانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جو ۴۰۰ھ کی حدود میں گزرے ہیں، نیز ایک شیخ ابوالبقا عمر بن محمد بن عبدالکریم المقری الفاروقی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد للہ المنعم علیٰ خلقہ......الخ"
* المبادي والغایات في أسرار الحروف المکنونات والأسماء والدعوات: یہ محی الدین محمد بن علی بن عربی (المتوفی:۶۳۸ھ) کی تالیف ہے۔ مولف نے اپنی اس تالیف میں قرآن مجید کی سورتوں کے اوائل میں موجود حروفِ مجہولہ پر کلام کیا ہے۔ یہ حروف انتیس (۲۹) سورتوں میں تکرار کے ساتھ کچھ اوپر ستر (۷۰) اور بغیر تکرار کے چودہ (۱۴) حروف ہیں۔
* المبسوط في القراءات السبعة والمضبوط: یہ شریف محمد بن محمود بن احمد السمرقندی رحمہ اللہ سبط الامام ناصرالدین رحمہ اللہ کی فارسی تالیف ہے۔ مولف نے اس کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے: (۱) اصول القراءات کے بارے میں، (۲) ان (اصول) کو شجرے کی شکل میں بیان کرنے کے متعلق جس کا نام "کتاب التسخیر علیٰ طریق التشجیر" ہے۔ (۳) اصول القراءات کے متعلق، مولف نے اس کو نقشے کی شکل میں بنایا ہے۔
* المبھج في القراءات الثمانیة وقراءة الأعمش وابن محیصن واختیار خلف والیزیدي: یہ شیخ ابومحمد عبداللہ بن علی بن پیر المعروف بہ سبط الخیاط البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی:۵۴۱ھ) کی تالیف ہے۔
* المبھر في القراءات العشر: یہ شیخ ابنِ ابی المکارم احمد بن محمد بن دلۃ رحمہ اللہ (المتوفی:۶۵۳ھ) کی تالیف ہے۔ مولف نے قراءاتِ عشرہ پر ایک نظم بھی لکھی ہے، جس کا نام: "المحھرۃ" ہے۔ یہ نظم بحرِ رجز میں ہے۔

علم مبهمات القرآن:

ابو الخیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس علم کا مرجع محض نقل ہے، رائے کا اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔قرآن مجید میں ابہام کے کئی اسباب ہیں۔عموماً وہ چھے اسباب ہیں، جن کا اپنی جگہ پر ذکر ہوا ہے۔

* مبهمات القرآن: اس پر سہیلی، ابن عساکر اور قاضی بدر الدین رحمہم اللہ کی تالیفات ہیں۔ سیوطی رحمہ اللہ کی بھی اس موضوع پر ایک تالیف ہے، جس میں انھوں نے مذکور کتابوں کے فوائد ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ دیگر اضافے بھی کیے ہیں، جیسا کہ انھوں نے "الإتقان" میں ذکر کیا ہے۔

علم متشابه القرآن:

اس فن پر سب سے پہلے امام کسائی رحمہ اللہ نے کتاب لکھی۔ جیسا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں کہا ہے۔امام سخاوی رحمہ اللہ نے اس کو نظم کیا ہے۔اس موضوع پر لکھی جانے والی دوسری کتابیں "برهان"، "درة التنزيل"، "كشف المعاني" اور "قطف الأظهار" وغیرہ ہیں۔

* متشابه القرآن: یہ شیخ شمس الدین محمد بن احمد بن عبدالمومن المصری الشافعی الشہیر بہ ابن اللبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۹ھ) کی مختصر تالیف ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "أما بعد حمد الله الواحد بذاته......الخ" نیز اس موضوع پر رشید الدین ابوجعفر محمد بن علی المازندرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۸۷ھ) کی تالیف ہے۔

علم المتواتر والمشهور من القرآن:

* المتوكل في ما في القرآن من اللغات العجمية: یہ سیوطی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* مجاز القرآن: یہ ابن عبدالسلام عبدالعزیز سلطان العلماء المصری الشافعی الدمشقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۰۶ھ) کی تالیف ہے۔ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کا اختصار لکھا اور اس کا نام: "مجاز الفرسان إلىٰ مجاز القرآن" رکھا ہے۔
* مجمع الألطاف في الجمع بين لطائف "البسيط" و "الكشاف": یہ ابو الفضائل احمد بن عبداللطیف التبریزی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی

ہے: ”الحمد لله العلي العظيم الجواد الكريم......الخ“ یہ کتاب پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔

* مجمع الأمثال: مولف نے اس کا یہی نام رکھا ہے۔ اس میں چھے ہزار اور کچھ مثالیں بیان کی گئی ہیں، یہ ابولفضل احمد بن محمد النیشاپوری المعروف بہ المیدانی رحمہ اللہ (التوفی: ۵۱۸ھ) کی تالیف ہے۔ مولف نے اس میں کہا ہے کہ قرآن مجید میں مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ حدیثِ نبوی میں امثلہ پر عسکری رحمہ اللہ نے ایک کتاب تالیف کی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب زمخشری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”المستقصى في الأمثال“ تالیف کی تو اس کی نظر سے میدانی رحمہ اللہ کی یہ تالیف: ”مجمع الأمثال“ گزری۔ وہ اپنی تالیف ”المستقصى“ پر بہت نادم ہوا، کیوں کہ اس کی کتاب حسنِ تالیف، بسطِ عبارت اور کثرتِ فوائد میں ”مجمع الأمثال“ سے کہیں کم تر تھی۔ ”کشف الظنون“ میں اس کتاب کے تعارف اور بیانِ احوال میں بہت لمبا کلام کیا گیا ہے۔ بہ ہر حال اس کتاب میں ہر قسم کی امثال موجود نہیں، مگر اس جگہ صرف امثالِ قرآن کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

* مجمع البحار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار: یہ شیخ محمد طاہر الصدیقی الفتنی رحمہ اللہ (التوفی: ۹۸۶ھ) کی تالیف ہے۔ ”کشف الظنون“ میں مولف کی وفات ۹۸۱ھ میں بیان کی گئی ہے، جب کہ پہلی تاریخِ وفات درست ہے۔ مولف نے اس میں کتاب و سنت ہر دو کے غرائب کو حروف تہجی کی ترتیب پر بیان کیا ہے۔ مولف نے اس کتاب پر ایک ذیل اور تکملہ لکھا ہے۔ مولف نے اس کتاب میں ”نهاية ابن أثير“ کا انداز اختیار کیا ہے۔ یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں ہے، جو ہندوستان میں طبع ہو چکی ہے۔ مولف کا تعلق ”بوہرہ“ قوم سے ہے، جو گجرات، دکن اور مالوہ میں آباد ہے۔ مولف سنی المذہب تھے۔ میں نے مولف اور ان کی کتاب کے حالات اپنی کتاب ”إتحاف النبلاء المتقين بإحياء مآثر الفقهاء المحدثين“ میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ کانپور کے مطبع نظامی نے اس کتاب (إتحاف النبلاء) کو زیورِ طبع سے آراستہ کیا، جو آفاق عالم میں پھیل گئی اور اہلِ علم کے ہاں بہت مقبول ہوئی۔

* مجمع البحرین: یہ ابوالحسن علی بن محمد رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* مجمع البیان في تفسیر القرآن: یہ شیعہ شنیعہ کے فقیہ اور ان کے مصنف ابوجعفر محمد بن حسن بن علی الطوسی (المتوفی: ۵۶۱ھ) کی تالیف ہے۔ یہ شیعہ طریق پر ایک ضخیم کتاب ہے۔ کشاف کو مختصر کر کے یہ تالیف لکھی گئی اور اس کا نام: "جوامع الجوامع" رکھا گیا۔
* المجید في إعراب القرآن المجید: یہ شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد السفاقسی المغربی المالکی رحمہ اللہ کی چند جلدوں میں تالیف ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد للّٰہ الذي شرفنا بحفظ کتابہ......الخ" مولف نے اپنی اس تالیف میں ابوحیان رحمہ اللہ کی کتاب "البحر" کا ذکر کر کے کہا ہے کہ وہ تفسیر و اعراب کو جمع کرنے میں مفسرین کے طریقے پر چلے، مگر ان کا گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ بہ ہر حال وہ بڑی جدو جہد صرف کرنے کے بعد اس کو جمع کرنے میں بہ مشکل کامیاب ہوئے۔ انھوں نے اس کو جمع کیا اور پھر اس کا خلاصہ لکھا۔ انھوں نے فرمایا کہ ابوالبقا رحمہ اللہ کی کتاب ایسی کتاب تھی کہ لوگ اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑے تو میں نے اس کے اعراب سے متعلق جو چیزیں وہ اپنی اس کتاب میں نہ لا سکے، ان کو اپنی تالیف میں جمع کر دیا۔ شیخ رحمہ اللہ کی کتاب میں میں نے جو اضافہ کیا، اس کو علامت "م" کے ساتھ بیان کیا اور جن چیزوں کا ان کو اتفاق ہوا، اس کی علامت "قلت" ہے اور اس میں جو اعتراض ہے وہ شیخ رحمہ اللہ کا ہے۔ کبھی ایک شاذ قراءت کئی اشخاص سے مروی ہوتی ہے تو وہ ان میں سے ایک شخص کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں اور جو قراے سبعہ میں سے کسی قاری سے مروی ہو، قطع نظر اس کے کہ وہ مشہور ہے یا شاذ، تو اسے اس کی طرف منسوب کر دیا ہے۔
* المحرر الوجیز في تفسیر الکتاب العزیز: یہ امام ابو محمد عبدالحق بن ابوبکر بن غالب بن عطیہ الغرناطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۲ھ) کی تالیف ہے۔ ابو حیان رحمہ اللہ نے ان کی مدح میں کہا ہے کہ وہ علمِ تفسیر پر لکھنے والوں میں سے اجل اور علمِ تفسیر کی تنقیح و تحریر کا اہتمام کرنے والوں میں افضل ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان (ابن عطیہ رحمہ اللہ) کی کتاب مختصر، اور جامع ترین ہے، جب کہ زمخشری رحمہ اللہ کی کتاب ملخص اور غامض ترین ہے۔

* المحتوي في القراءات الشواذ: یہ ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جن کا پیچھے ذکر گزر چکا ہے۔

علم المحکم و المتشابہ:

یہ علمِ تفسیر کی ایک فرع ہے۔

* المحيط بلغات القرآن: یہ ابوجعفر احمد بن علی المعروف بہ جعفرک رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۴ھ) کی تالیف ہے۔
* المختار في القراءات: یہ شیخ نجم الدین عبداللہ بن عبدالمومن بن الوجیہ بن مومن الواسطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۰ھ) کی تالیف ہے۔ "القراءات الثمان" پر شیخ ابو بکر احمد بن عبداللہ بن ادریس رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* مختصر الراشف من زلال الكاشف من التفاسير: یہ شیخ امام بدر الدین محمد بن ایوب بن عبدالقاہر المقری الحلبی المعروف بہ التاذنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۰۵ھ) کی تالیف ہے۔ مولف نے اس کو "الكشاف" سے محاکمات کے ساتھ مختصر کیا ہے۔ نیز اس میں ابو العباس احمد المہدوی رحمہ اللہ اور ابو اللیث السمرقندی رحمہ اللہ کی کتاب اور ثعلبی رحمہ اللہ کی "الكشف والبيان" کے فوائد کو جمع کیا ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله المتكلم بالقرآن المبين......الخ"
* مدارك التنزيل وحقائق التأويل: یہ امام حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۰۱ھ) کی تالیف ہے، جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله المنزه بذاته عن إشارة الأوهام......الخ" یہ تاویلات کے بیان میں ایک متوسط کتاب ہے، جو اِعراب وقراءات کی وجوہ کو جمع کرنے والی اور علمِ بدیع و اشارات کے دقائق پر مشتمل ہے۔ اہلِ سنت والجماعت کے اعتقادات ونظریات سے آراستہ و پیراستہ اور بدعتی و گمراہ لوگوں کی بے بنیاد باتوں سے خالی ہے۔ اتنی طویل نہیں کہ اکتاہٹ پیدا کرے اور نہ اتنی مختصر ہے کہ سمجھنے میں وقت اور خلل واقع ہو، بلکہ یہ لطیف عبارات اور بلیغ محاورات پر مشتمل ہے۔ قاہرہ مصر میں تفسیر خازن کے حاشیے پر طبع ہو چکی ہے۔ راقم الحروف

نے اس کا مطالعہ کیا تو اسے بہت عمدہ پایا۔ یہ اہلِ اعتزال کا مختصر عبارت کے ساتھ رد کرتی ہے۔ نیز یہ حنفیہ کی طرف داری کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

شیخ زین الدین ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابو بکر بن عینی رحمہ اللہ نے اس کا اختصار کیا اور اس میں کچھ اضافے بھی کیے۔ موصوف ۸۹۳ھ میں وفات پا گئے۔ ملا کاتب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ میں نے محمد بن محمد النفسی (المتوفی: ۶۸۷ھ) کی کتاب "ترجمان برهان الدين" میں دیکھا ہے کہ انھوں نے مدارک کا اختصار کیا ہے، شاید وہ "مدارك العقول على ما يقتضي التأريخ" ہے۔ انتهىٰ.

اس پر مولانا ہداد جونپوری رحمہ اللہ تلمیذ مولانا عبداللہ تلبنی رحمہ اللہ کا حاشیہ ہے۔ تلبنہ ملحقاتِ ملتان میں ایک مشہور شہر ہے۔

* المدخل في القراءات: یہ ابو عمرو یوسف بن عبداللہ المالکی القرطبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۲ھ) کی تالیف ہے۔
* مراتب الأصول و غرائب الفصول في القراءات: یہ علم الدین سخاوی رحمہ اللہ (۶۴۳ھ) کی تالیف ہے۔
* مراصد الطالع وتناسب المطالع والمقاطع: یہ امام سیوطی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، انھوں نے "الإتقان" میں ذکر کیا ہے کہ انھوں نے سورتوں اور ان کے خاتموں کی مناسبت میں یہ کتاب تالیف کی ہے۔
* المرشد الوجيز في علوم تتعلق بالقرآن العزيز: یہ ابو شامہ رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* المستنير في القراءات العشرة البواهر: یہ ابو طاہر بن سوار احمد بن علی المقری البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۹۹ھ) کی تالیف ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله ذي الأنعام وبارئ الأجسام......الخ" مولف نے اس میں تقریباً پچاس روایات بیان کی ہیں۔ انھوں نے کہا ہے کہ ہمارے اشیاخ نے دس قراءتوں کے اختلاف میں ایسی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جو ایسے آثار وسنن سے خالی تھیں جن کی ضرورت تھی تو میں نے یہ چاہا کہ ایسی کتاب مرتب کروں، جس میں میں وہ قراءات ذکر کروں، جو میں نے اپنے شیوخ پر پڑھیں نہ کہ وہ جو میں نے سنیں۔ پھر اس سے کچھ سنن و آثار،

فضائلِ قرآن، اس کے حفظ پر برانگیخت کرنا، اس کو پڑھانا، وہ عربی زبان سیکھنا، جس کے ساتھ دقیق معانی معلوم ہوں اور ہر حرف (قراءت) جس کو ائمہ عشرہ میں سے کسی نے پڑھا اور ان کے سلف نے ہم اخلاف کی طرف اپنی قراءتوں کو متصل سندوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا، ان سب چیزوں کا بھی ذکر کر دوں۔

علم مشکل القرآن:

یہ علم تفسیر کی ایک فرع ہے۔

* مشكلات التفاسير: یہ علامہ قطب الدین محمد الشیرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۱۰ھ) کی تالیف ہے۔
* مشكلات القرآن: یہ ابو محمد مکی بن ابی طالب القیسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۷ھ) کی تالیف ہے۔ نیز شیخ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری رحمہ اللہ کی بھی اس نام سے ایک تالیف ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي نهج لنا سبل الرشاد......الخ"
* مصادر القرآن: یہ ابراہیم بن الیزیدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۲۵ھ) اور یحییٰ بن زیاد الفراء رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۰۷ھ) کی تالیف ہے۔
* المصباح الزاهر في القراءات العشرة البواهر: یہ ابو الکرم مبارک بن حسن السہروردی البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۵۰ھ) کی تالیف ہے۔ جعبری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابن قبیطی رحمہ اللہ کے اصحاب اس کو تقریباً پانچ سو طریق سے روایت کرتے ہیں۔
* مصطلح الإشارات في القراءات الزائدة المروية عن الثقات الثلاثة عشر: یہ شیخ امام نور الدین علی بن عثمان القاصح القدوری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۱ھ) کی تالیف ہے، اس کی ابتدا ان الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے: "الحمد لله الذي جعل القرآن لأهله شرفا ونورا......الخ"
* تفسير المظهري: یہ عربی تفسیر ہے، اس کی چار ضخیم جلدیں ہیں اور یہ فقہ وتصوف کی زبان پر ہے۔ مولف نے قراءت واعراب پر بھی کلام فرمایا ہے۔ اس کا ماخذ تفسیر بغوی اور تفسیر بیضاوی ہے۔ یہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ مولف کے اس کا نام:

"مظهري" رکھنے کا سبب یہ ہے کہ ان کے شیخ مرزا جانِ جان کا تخلص "مظہر" تھا۔ لہٰذا انھوں نے ان کے نام سے یہ تفسیر تالیف کی اور ان (مرزا جانِ جان) کے معارف و حقائق کو شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے معارف و حقائق کے ساتھ بیان فرمایا۔ فقیر نے اس کو سرسری نظر سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں تفسیر کی وجوہ کم اور فن سے خارج مباحث بہت زیادہ ہیں۔ یہ کتاب قابلِ تنقیح و تلخیص ہے۔ جس جگہ وہ کسی بات میں منفرد ہوئے تو وہ تحقیق کے دائرے سے نکل گئے اور صوفیہ کا مذاق ان پر غالب آ گیا۔ بہ ہر حال مولف کو علمِ تفسیر میں بہت کم مہارت حاصل ہے۔ و اللّٰہ أعلم.

* معالم التنزيل في التفسير: یہ امام محی السنہ ابو محمد حسین بن مسعود الفرا البغوی الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۱۶ھ) کی تالیف ہے۔ یہ ایک متوسط کتاب ہے جس میں مولف نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ اور ان کے بعد والے لوگوں سے تفسیر نقل کی ہے۔ یہ تفسیر جزیرہ ممبئی میں طبع ہوئی تھی۔ شیخ تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب بن محمد الحسینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۷۵ھ) نے اس کا اختصار کیا۔ راقم الحروف نے اس تفسیر کا مطالعہ فرمایا ہے۔ یہ تفاسیرِ سلفیہ کی جامع ہے، مگر اس میں بہت سے بے اصل قصے نقل کیے گئے ہیں۔ إلا ما شاء اللّٰہ. مولف اس میں اپنی اسناد کے ساتھ احادیث لائے ہیں۔ اس وجہ سے اس میں کسی قدر طوالت آ گئی ہے۔ یہ مشہور اور مروج تفاسیر میں سے ایک تفسیر ہے۔

علم معاني الأدوات:

یہ علمِ تفسیر کی فروع میں سے ہے۔ اس میں حافظ ابن القیم رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۱ھ) کی کتاب "معاني الأدوات والحروف" جامع کتاب ہے۔

* معتمد في التفسير: یہ دس جلدوں میں ہے اور ابو القاسم اسماعیل بن محمد اصفہانی حافظ ملقب بہ قوام السنہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۳۵ھ) کی تالیف ہے۔

* معدل في القراءات: یہ ابن غلبون ابو الطیب عبد المنعم بن عبد اللہ الحلبی المقری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۹ھ) کی تالیف ہے۔ اس نے "منتخب" میں کہا ہے کہ جب واعظ خطبے سے فارغ ہو جائے تو وہ آیاتِ قرآن کی تفسیر شروع کر دے۔ جب وہ اول تفسیر سے شروع کرے اور اس میں ترتیب کے ساتھ ہر مجلس کا کام ذکر کرے تو یہ اچھا ہے۔ میری کتاب

"زاد المسیر" دوسری کتابوں سے کفایت کرتی ہے۔ جس شخص کی ہمت مزید شرح کی طرف مائل ہو تو وہ میری کتاب "المغني" پڑھ لے۔ انتهیٰ.

❊ مفاتیح الأغاني في القراءات والمعاني: یہ ابو العلاء محمد بن ابی المحاسن بن ابی الفتح الکرمانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ یہ سورتوں کی ترتیب پر مرتب کی گئی ہے۔ مولف جمادی الاولیٰ ۵۶۳ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔

❊ مفاتیح الغیب في التفسیر: یہ سیوطی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جو انھوں نے سورت "سبح" سے لے کر آخر قرآن تک لکھی۔

❊ مفاتیح الغیب: یہ "التفسیر الکبیر" کے نام سے معروف ہے اور امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۰۶ھ) کی تالیف ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي وفقنا لأداء أفضل الطاعات......الخ" مولف نے کہا ہے کہ ایک دفعہ میری زبان سے یہ بات نکلی کہ سورۃ الفاتحہ کے فوائد و نفائس سے دس ہزار مسائل اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ بعض حاسدوں نے اس بات کو بعید خیال کیا تو میں نے اس کتاب کو لکھنا شروع کر دیا۔ میں نے اس سے پہلے ایک مقدمہ لکھا، تاکہ وہ اس بات کی دلیل بن جائے کہ ہم نے جو بات کہی ہے، اس کا حصول ممکن ہے۔

ابن خلکان رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مولف نے اس میں ہر غریب چیز کو جمع کر دیا ہے۔ یہ بہت ضخیم کتاب ہے، لیکن مولف اس کو مکمل نہ کر سکے۔ پھر شیخ نجم الدین احمد بن محمد القمولی رحمہ اللہ نے اس کا تکملہ لکھا۔ شیخ نجم الدین رحمہ اللہ ۷۲۲ھ میں فوت ہو گئے۔

قاضی القضاۃ شہاب الدین بن خلیل الخوبي الدمشقی رحمہ اللہ نے بھی اس کے بعض نقائص کو دور کیا ہے۔ وہ ۶۳۹ھ میں فوت ہو گئے۔

برہان الدین محمد بن محمد النسفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۸۷ھ) نے اس کا اختصار لکھا اور اس کا نام: "الواضح" رکھا۔ محمد بن القاضی ایاثلوغ رحمہ اللہ نے بھی اس کی تلخیص کی، اس میں بعض فوائد کا اضافہ کیا اور اپنی طرف سے اس میں کچھ تبدیلیاں کی۔ یہ تفسیر دس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور قاہرہ مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ راقم الحروف نے اس سے کافی استفادہ کیا ہے۔ اس تفسیر کا مولف علمِ حدیث سے

بے خبر ہے، وہ علومِ کلام اور فنون رسمیہ میں اہلِ زمان کا امام ہے۔ کتاب و سنت کے علوم کی معرفت رکھنے والوں میں سے کسی نے کہا ہے کہ تفسیر کبیر میں تفسیر کے علاوہ ہر چیز موجود ہے۔

❊ مفتاح في القراءات العشرة: یہ ابو منصور محمد بن عبدالملک بن خیرون البغدادی المصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۳۹ھ) کی تالیف ہے۔

❊ مفتاح النجاة في خواص السور والآیات: یہ مولانا محمد بن عثمان اللامعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۴۰ھ) کی ترکی زبان میں تالیف ہے، جس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد للّٰه مبدع الموجودات......الخ"

❊ مفحمات الأقران في مبهمات القرآن: یہ سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) کی مختصر تالیف ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "أما بعد حمدا للّٰه علی ما منح من الإلهام......الخ" مولف نے کہا ہے کہ اس میں تعریف، اعلام اور تبیان ہے۔ مولف نے اس میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ سہیلی رحمہ اللہ نے "التعریف" لکھی تو اس کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد ابن عسکر رحمہ اللہ نے اس کا ضمیمہ لکھا اور اس کا نام: "التکمیل والإتمام" رکھا۔ قاضی بدر الدین بن جماعہ رحمہ اللہ نے اس کو اپنی کتاب "التبیان" میں جمع کر دیا۔ راقم الحروف نے کتاب "مفحمات" دیکھی ہے اور اس سے خاصے فوائد سمیٹے ہیں۔

❊ مفردات ألفاظ القرآن: یہ ابو القاسم حسین بن محمد بن المفضل المعروف بہ الراغب الاصفہانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ مولف نے اس میں ذکر کیا ہے کہ علومِ قرآن میں سے سب سے پہلے جس میں مشغول ہونے کی ضرورت ہے، وہ ''علومِ لفظیہ'' اور الفاظ مفردہ کی تحقیق ہے۔ یہ علم علومِ شرع میں سے ہر علم میں نفع مند ہے۔ مولف نے اسے حروف تہجی کی ترتیب پر اس کے حروف اصلیہ کے اوائل کا اعتبار کرتے ہوئے املا کروایا۔ نیز انھوں نے ان مناسبات کی طرف بھی اشارہ کیا، جو الفاظ مستعارات و مشتقات کے درمیان ہیں۔ امام محی الدین محمد بن علی المعروف بہ الوزان الحنفی رحمہ اللہ نے بھی اس پر ایک تالیف چھوڑی ہے۔

علم مفردات القرآن:

❊ مفردات القراء: یہ شیخ ابو شامہ عبدالرحمٰن بن اسماعیل الدمشقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۶۵ھ)

کی تالیف ہے۔ فن قراءت پر ابو العلا حسن بن العطار الہمدانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۶۹ھ) کی بھی ایک تالیف ہے۔ اسی طرح سات قراءتوں پر الشیخ الفاضل الحسن بن علی بن ابراہیم الاہوازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۴۶) کی تالیف ہے۔

❊ مفردة يعقوب: یہ ابو عمرو الدانی المصری، ابن الفحام عبدالرحمٰن بن عتیق بن حلف الصقلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۱۶ھ) اور ابو محمد عبدالباری بن عبدالرحمٰن الصعیدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۵۰ھ) کی تالیف ہے۔

❊ المفصح في القراءات: یہ عبیداللہ بن محمد الاسدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۷ھ) کی تالیف ہے۔

❊ المفيد في علم التجويد: یہ شیخ شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن المرزبانی الصالحی الحنبلی المصری رحمہ اللہ کا ارجوزہ (بحر رجز کے وزن پر لکھی ہوئی نظم) ہے۔ اہلِ علم میں سے بعض نے اس کی شرح لکھی اور اس کا نام: "نزهة المريد في حل ألفاظ المفيد" رکھا ہے۔

❊ المفيد في علم القراءات العشرة: یہ ابو نصر احمد بن مسرور البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۴۲ھ) کی تالیف ہے، نیز آٹھ قراءتوں پر ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم الخضری الیمنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۶۰ھ) کی بھی تالیف ہے۔ یہ کتاب اپنے نام کی طرح بہت مفید ہے۔ مولف نے اپنی اس تالیف میں طبری رحمہ اللہ کی کتاب "التلخیص" کا اختصار کیا ہے اور کچھ فوائد کا اضافہ کیا ہے۔

❊ المقتبس في القراءات: یہ امام ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

❊ المقنع: یہ رسم المصحف میں ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۴۴ھ) کی ایک مختصر تالیف ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الذي خصنا بدينه الذي ارتضاه...... الخ" مولف نے اس میں اپنے مشائخ سے جو مختلف شہروں کے مصاحف کے متفق علیہ اور مختلف فیہ مرسومِ خط سنے، ان کا ذکر کیا۔ یہ تالیف رسومِ مصاحف کی معرفت کے ساتھ ساتھ اس کے نقطوں کے بیان اور ایجاز و اختصار کے طور پر اس کے احکام کے ضبط کے بیان پر مشتمل ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله الذي

أكرمنا بكتابه المنزل......الخ“ پھر اس پر مولف نے مختصر ضمیمہ لکھا۔

* المكرر في ما تواتر من القراءات السبع وتحرر: یہ سراج الدین عمر بن قاسم بن محمد الانصاری المقری المشہور بہ النشار رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ مولف نے ”البرر الزاهرة“ میں یہ ذکر کیا ہے کہ انھوں نے اس کو پہلے قراءاتِ سبعہ پر تالیف کیا، اس کو مفید پا کر پھر اس کتاب کو تصنیف کیا، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: ”الحمد لله أحسن حمده، وصلواته على محمد خير خلقه......الخ“

علم المكي والمدني:

یہ علمِ تفسیر کی ایک فرع ہے۔

* ملاك التأويل: یہ فنونِ تفسیر پر شیخ امام ابو جعفر احمد بن ابراہیم بن الزبیر الغرناطی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس میں انھوں نے ”كتاب الحصكفي“ کی تلخیص کی ہے اور اس پر کچھ اضافے کیے ہیں۔
* ملتقط المعالم: یہ تفسیر پر ایک تالیف ہے۔

علم مناسبات الآيات والسور:

یہ بھی علمِ تفسیر کی ایک فرع ہے۔

* منافع القرآن: یہ امام شافعی، تمیمی الحکیم اور شیخ محی الدین عبدالرحیم بن علی بن اسحاق بن مروان القرشی البونی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس کی ابتدا کچھ اس طرح ہے: ”الحمد لله الذي أجرى على ألسنتنا الضعيفة كتابه العظيم......الخ“ مولف نے ہر مسئلے کے لیے وہ کچھ تحریر کیا، جو آیات میں اس کے ساتھ مخصوص ہے اور جو انھوں نے اربابِ روایات سے اخذ کیا ہے۔ اس میں ایک مختصر کتاب بھی ہے، جو امام جعفر بن محمد الصادق رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* منبع عيون المعاني: یہ چار جلدوں میں ایک ضخیم تفسیر ہے، جو شیخ مبارک بن شیخ خضر ناگوری اکبر آبادی والد شیخ ابو الفیض فیضی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جو ۱۰۰۱ھ میں فوت ہوئے اور آگرہ میں دفن ہوئے۔ باوجود اس کے کہ ان کی قوتِ حافظہ کمزور ہو چکی تھی انھوں نے یہ تفسیر قلم بند کی اور عبارت میں ایک تسلسل پیدا کیا۔ پھر اس کے کاتب نے اسے تحریر کی

پوشاک پہنا دی۔ موصوف فحول علماے ہند میں شمار ہوتے ہیں۔

* المنتهي في القراءات العشر: یہ ابو الفضل محمد بن جعفر الخزاعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۰۸ھ) کی تالیف ہے۔ مولف نے اس میں وہ کچھ جمع کر دیا ہے، جو اس سے پہلے جمع نہیں ہوا تھا۔
* منشأ القراءات: یہ قراءاتِ ثمانیہ پر فارس بن احمد الحمصی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۰۱ھ) کی تالیف ہے۔
* منهاج القارئ: یہ فنِ تجوید پر خطیب جامع السلطان محمد خان رحمہ اللہ کی منظوم تالیف ہے، پھر مولف نے ترکی زبان میں اس کی شرح لکھی۔
* منهج التيسير إلى علم التفسير: یہ کتاب "نظم علم التفسیر" کی شرح ہے، جیسا کہ سیوطی رحمہ اللہ کی نقایہ میں ہے۔
* منية في القراءات: یہ شیخ ابو نصر احمد رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
* مواقع العلوم من مواقع النجوم: یہ جلال الدین القاضی عبدالرحمن بن عمر البلقینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۲۴ھ) کی تالیف ہے۔ مولف نے اس کو علومِ قرآن پر تصنیف کیا اور اس کو چھے امور میں تقسیم کیا:

(۱) نزول کی جگہوں اور اوقات کے بارے میں۔ اس میں بارہ (۱۲) انواع ہیں۔

(۲) سند سے متعلق، اس میں چھے (۶) انواع ہیں۔

(۳) ادا میں اور اس میں چھے (۶) انواع ہیں۔

(۴) الفاظ کے بارے میں، اس میں سات (۷) انواع ہیں۔

(۵) احکام سے متعلق معانی و مفاہیم کے بارے میں، اس میں چودہ (۱۴) انواع ہیں۔

(۶) الفاظ سے متعلق معانی کے بارے میں، اس میں پانچ (۵) انواع ہیں۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

* مواقيت في القراءات: یہ کواشی احمد بن یوسف رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۸۰ھ) کی تالیف ہے۔
* الموجز في القراءات: یہ ابو محمد مکی بن ابی طالب القیسی المقری رحمہ اللہ کی دو اجزا پر مشتمل تالیف ہے۔ مولف ۴۳۷ھ میں فوت ہوئے۔ اس پر الحسن بن علی بن ابراہیم

الاستاذ (المتوفی: ۴۴۶ھ) کی بھی ایک تالیف ہے۔

* الموضح في القراء العشرة: ابن رضوان رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ جعبری رحمہ اللہ نے "الشواذ" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

* الموضح في القراءات العشر: یہ ابو منصور محمد بن عبدالملک بن خیرون البغدادی الدباس رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۳۹ھ) کی تالیف ہے۔ نیز یہ امام ابو عبداللہ نصر بن علی بن محمد الشیر ازی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جس کو مولف نے ۵۶۲ھ میں مکمل کیا۔ میں کہتا ہوں کہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے "طبقات القراء" میں اول الذکر کی "مفتاح في القراءات العشر" اور ثانی الذکر کی "موضح في القراءات الثمان" ذکر کی ہے۔

* الموضح في معاني القرآن: یہ ابو بکر محمد بن حسن المعروف بہ النقاش الموصلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۱ھ) کی تالیف ہے۔

* موضح القرآن: یہ کلام اللہ کا ایک یا دو جلدوں میں اردو ترجمہ ہے۔ اس کے ساتھ اس کے حواشی پر شیخ عبدالقادر بن شیخ ولی اللہ بن عبدالرحیم محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فوائد درج ہیں۔

* فتح الرحمٰن: انھوں نے اپنے والدِ محترم کے فارسی ترجمہ کو اردو میں منتقل کیا۔ یہ بہت اچھے محاورے میں ہر خاص و عام کے لیے مفید ہے۔ اس کو وہ شہرت اور قبول حاصل ہوا جو اس کے بیان سے مستغنی کرتا ہے۔ ہندوستان کے کئی مطابع میں کئی بار چھپ چکا ہے۔ اس کی طبع اور تداول میں مسلمانوں کی ہمتیں بڑھ رہی ہیں۔ اس ترجمے کی تالیف ۱۲۰۵ھ میں ہوئی۔

* المهذب في القراءات العشرة: یہ ابو منصور الامام الزاہد محمد بن علی الخیاط البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۹۹ھ) کی تالیف ہے۔

* المهذب في ما وقع في القرآن من المعرب: یہ سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) کی تالیف ہے۔ انھوں نے "الإتقان" میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی اڑتیسویں نوع میں تلخیص کی ہے۔

* میدان الفرسان في شواهد القرآن: یہ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

* میزان المعدلة في شأن البسملة: یہ بھی سیوطی رحمہ اللہ مذکور کی تالیف ہے۔

باب النون

علم الناسخ والمنسوخ:

یہ علمِ تفسیر وحدیث کی ایک فرع ہے۔

❊ ناسخ القرآن ومنسوخه: اس موضوع پر اہلِ علم کی ایک جماعت نے تالیفات لکھی ہیں:

۱۔ مکی بن ابی طالب القیسی المقری رحمہ اللہ، ۲۔ ابو جعفر النحاس رحمہ اللہ، ۳۔ ابو بکر محمد بن عبداللہ بن العربی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۳ھ)، ۴۔ ابو داود السجستانی رحمہ اللہ، ۵۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلام رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۲۴ھ)، ۶۔ عبد القاہر بن طاہر تمیمی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۲۹ھ)، ۷۔ شیخ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ، ۸۔ الشیخ الامام ابو القاسم ہبۃ اللہ بن سلامہ بن نصر المفسر المقری النحوی البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۱۰ھ)، ۹۔ ابو الحسین محمد بن محمد النیشاپوری الحافظ المقری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۸ھ)، ۱۰۔ ابن المنادی احمد بن جعفر بن محمد البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۳۴ھ)، ۱۱۔ راقم الحروف کی کتاب کا نام ہے: "إفادة الشيوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ" اس میں قرآن کریم اور حدیث شریف ہر دو کے ناسخ ومنسوخ کو جمع کیا گیا ہے، جو درحقیقت پانچ آیات اور دس احادیث پر مشتمل ہیں اور اہلِ علم ومحققین کے اتفاق کے ساتھ صرف ان کا نسخ ثابت ہے۔ یہ سارا رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ مطبع نظامی میں محمد عبدالرحمٰن خاں شاکر نے اس کو زیورِ طبع سے آراستہ کیا۔ اس رسالے نے بہت شہرت اور قبول حاصل کیا۔

❊ ناظمة الزهر: سورتوں کی آیات کی تعداد کے بارے میں شیخ ابو القاسم الشاطبی رحمہ اللہ کا قصیدہ رائیہ ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "بدأت بحمد الله ناظمة الزهر......الخ" اس کے اشعار کی تعداد دو سو ننانوے (۲۹۹) ہے۔

❊ النبذ النامية في القراءات الثمانية: یہ ابن البیاز ابو الحسن یحییٰ بن ابراہیم المقری رحمہ اللہ الاندلسی المرسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۹۶ھ) کی تالیف ہے۔

❊ نثر الجمان المنتظم من فتح الرحمٰن: یہ "تفسیر ابن قرقاس" کا اختصار ہے اور

شیخ ناصر الدین بن عبداللہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۸۴ھ) کی تالیف ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد للّٰه منزل القرآن لخير أمة أخرجت للناس ......الخ" مولف نے کہا ہے کہ جب مالک کریم نے میرے لیے اپنی کتاب "فتح الرحمٰن" کو مکمل کرنے کی توفیق بخشی تو بعض بھائیوں نے میری طرف قصد کیا کہ میں اس سے اپنی مسجع تفسیر کو خلاصہ کر کے علاحدہ لکھوں، کیوں کہ میں نے اس میں نحویوں، علماے قراءات اور مفسرین کے اقوال جمع کر دیے تھے اور اس کے علاوہ بھی جو اعراب، تفسیر، اعتراضات اور تحریر میرے سامنے آئی، میں نے تکرار کے ساتھ کئی مرتبہ آیات کو درج کر دیا تھا۔ میں نے اس کو سجعاتِ نثر کے ساتھ ختم کیا، جو "نثر الجمان" سے بہتر تھی اور میں نے پھر اس کی خوب تنقیح وتہذیب کی۔

* نجم القرآن في تأويل القرآن: یہ شیخ ابو المکارم علاء الدولہ احمد بن محمد السمنانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۶ھ) کی تالیف ہے۔
* النجوم الزاهرة في السبعة المتواترة: یہ ابو عبداللہ محمد بن سلیمان المقدسی الحکری الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۸۱ھ) کی تالیف ہے۔
* نزهة البررة في قراءة الأئمة العشرة: یہ شیخ برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۳۲ھ) کی منظوم تالیف ہے۔
* نزهة القلوب۔
* نزيل التنزيل في التفسير: یہ محمد بن بدر الدین المنشی الاقحصاری الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۰۱ھ) کی تالیف ہے۔ یہ تفسیر جلالین کی طرح مختصر تفسیر ہے۔ مولف نے سلطان مراد سلیم خاں کے لیے اقحصار شہر کے اندر ماہِ رمضان ۹۸۱ھ کے آغاز میں اس کو شروع کیا۔ اس کی برکتوں سے اس کو ۹۸۸ھ ربیعین کے آخر پر حرم نبوی کی سرداری وحاکمیت کا شرف حاصل ہوا۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد للّٰه الذي أنزل علىٰ عبده الكتاب... الخ" مولف نے اس میں ذکر کیا ہے کہ اس نے صرف حفص عن عاصم کی قراءت پر اکتفا کیا ہے۔

* النسمات الفائحة في آيات الفاتحة: یہ تاج الدین الدریہم علی بن محمد الموصلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۲۷ھ) کی تالیف ہے۔

* النشر في القراءات العشر: یہ دو جلدوں میں شیخ شمس الدین ابو الخیر محمد بن محمد الجزری رحمہ اللہ کی تالیف ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: ”الحمد للّٰہ الذي أنزل القرآن کلامہ ویسرہ......الخ“ پھر مولف نے اس کا اختصار کیا اور اس کا نام ”التقریب“ رکھا۔ مولف نے نے اپنی اس کتاب میں قراءت کے دس طرق کو جمع کر دیا ہے، جو کام اس سے پہلے نہیں ہوا تھا۔ پھر قاضی ابو الفضل محمد بن محمد بن الشحنہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۳۳ھ) نے بھی اس کا اختصار کیا۔ نیز الشیخ مصطفیٰ بن عبدالرحمٰن الازمیری رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۱۵۵ھ) نے مصر میں اس کا اختصار کیا اور اس کو تقریباً نصف کر دیا۔ ان کے اختصار کا آغاز یوں ہوتا ہے: ”الحمد للّٰہ الذي یسر القرآن للذکر......الخ“

* نظم الجواهر: یہ تین ضخیم جلدوں میں فارسی تفسیر ہے، جس کے مولف مفتی ولی اللہ بن احمد علی حسینی فرخ آبادی ہیں۔ یہ تالیف تمام علومِ قرآن کی جامع ہے اور تیس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس تفسیر کے آخر پر علمِ تفسیر کا شرف و مقام، اس کی شروط، مفسر کے آداب، بعض مفسرین کی اغلاط پر تنبیہ اور ان کے طبقات کو تحریر کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کے پاس یہ تفسیر موجود ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ مولف کا مقصود علومِ قرآن کا تمام مواد پوری تفصیل کے ساتھ جمع کرنا ہے نہ کہ صرف تفسیرِ قرآن۔ لہٰذا بہت سی ایسی بعید چیزیں، جن میں بعض کتبِ تفاسیر میں درج ہونے کے لائق نہیں ہیں، بلکہ وہ آوارگی اور بے ہودگی کی قبیل سے ہیں، وہ اس کتاب میں درج کر کے اس میں بہت سی طوالت پیدا کر دی گئی ہے۔ فنِ تفسیر کے جاننے والے اور علمِ تاویل کے علما اس طرح کی تالیفات کو پسند نہیں فرماتے۔ وہ ایسی کتابوں کو مجامیع اور بیاض کی قسم سے شمار کرتے ہیں۔ شاید اس علم کے مبتدیوں کو اس سے بصیرت کا افادہ ہو۔

* نظم الدرر في تناسب الآي والسور: یہ تفسیر کی کتاب ہے اور الشیخ الامام برہان الدین ابراہیم بن عمر البقاعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۸۵ھ) کی تالیف ہے۔ یہ ایسی کتاب

ہے، جس جیسی پہلے کسی نے نہیں لکھی۔ مولف نے اس میں قرآن مجید کے وہ اسرار جمع کیے ہیں، جن سے عقلیں دھنگ رہ جاتی ہیں۔ مولف نے اس کے آخر پر ذکر کیا ہے کہ وہ سات شعبان ۸۷۵ھ کو اس کی تالیف سے فارغ ہوا اور اس نے یہ کام شعبان ۸۶۱ھ میں شروع کیا تھا۔ تو اس طرح اس کتاب کی تالیف میں چودہ (۱۴) سال صرف ہوئے۔ مولف نے کہا ہے کہ جب میں اس کام میں مشغول ہو گیا اور میرے سامنے اس کے معانی جڑتے اور قائم ہوتے رہے تو میں نے تقریباً اس کو نصف تک پہنچا دیا۔ ادھر سے بلغا نے حسنِ ترتیب، وسعتِ معانی اور مضبوط احکام جیسے اس کے اوصاف میں مبالغہ کر دیا۔ ادھر بے فیض اور مکار قسم کے لوگوں میں حسد کی بیماری نے سرایت کرنا شروع کر دیا تو انھوں نے شرور، بے بنیاد باتوں اور انواع و اقسام کے جھوٹوں کے تیر چھوڑے، جن کی وجہ سے کئی حوادث رونما ہوئے اور اس عام کرب و تکلیف کے باعث یہ کام کئی سالوں تک لمبا ہو گیا اور لٹک گیا۔ اس کی وجہ سے میں نے اپنی کتاب "مصاعد النظر في الإشراف علیٰ مقاصد السور" لکھی۔ اسی سلسلے میں میں نے "الأقوال القويمة في حكم النقل من الكتب القديمة" لکھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ثابت قدم کر دیا اور مجھے صبر و تحمل عطا کیا، حتیٰ کہ یہ کتاب مکمل ہو گئی۔ میں نے کتابِ مذکور کی مدح کرتے ہوئے اپنے اور ان کے حالات کو بیان کرتے ہوئے ایک نظم لکھی۔ اس کتاب کا بڑا مقصد جملوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانا اور جوڑنا ہے۔

- نظم القراءات الثلاث الزائدة على السبعة: یہ شیخ شہاب الدین احمد بن حسین الرملی المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۴۴ھ) کی تالیف ہے۔ ان کی ایک تالیف "نظم القراءات الزائدة على العشرة" بھی ہے۔
- "نغبة البيان في تفسير القرآن: یہ شیخ شہاب الدین عمر بن محمد السہروردی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۳۲ھ) کی تالیف ہے۔
- النقاية: یہ ایک مختصر تالیف ہے، جس میں چودہ (۱۴) علوم ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ اضافی مسائل بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ یہ امام سیوطی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ شیخ عبدالعزیز

الزمزمی المکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۶۳ھ) نے فنِ تفسیر کو نظم کیا۔ یہ بحرِ رجز میں ہے۔ اس نظم پر منصور سبط الطبلاوی رحمہ اللہ نے ایک شرح لکھی اور اس کا نام: "منهج التيسير إلى علم التفسير" رکھا۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله الكريم المتعال، مانح الإكرام والإجلال......الخ" جس کو مولف نے شوال ۹۸۹ھ کو مکمل کیا۔

* النكت والعيون: یہ تفسیر پر ابوالحسن علی بن محمد البصری الماوردی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۰ھ) کی تالیف ہے۔ واعظ نے "تحفة الصلاة" میں اس کا ذکر کیا ہے۔
* النونية: یہ قراءت پر امام سخاوی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ شیخ اسماعیل بن محمد بن اسماعیل الفقاعی الحموی رحمہ اللہ نے اس کی شرح لکھی ہے۔

علم النهاري والليلي:

یہ علمِ تفسیر کی فرع ہے۔

* نهايات الجمع في القراءات السبع: یہ شیخ زین الدین سریجا بن محمد الملطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۸۸ھ) کی بغیر رمز کے نظم ہے۔
* نهاية الإتقان" یہ قراءت کے بارے میں ہے۔
* نهاية البيان في تفسير القرآن: یہ ابو محمد جمال الدین المعافی بن اسماعیل بن الحسین بن ابی البیان الشافعی الموصلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۳۰ھ) کی تالیف ہے، جو چھے جلدوں میں محیط ہے۔
* نهاية التأميل في أسرار التنزيل: یہ تفسیر پر کمال الدین عبدالواحد بن عبدالکریم المعروف بہ ابن الزملکانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۵۱ھ) کی تالیف ہے۔
* نهج الدماثة في نظم القراءات الثلاثة: یہ شیخ برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۳۲ھ) کی تالیف ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "حمدت إلٰهي في ابتدائي أولا......الخ" مولف نے کہا ہے کہ میں نے ایک کتاب "حرز الأماني" یاد کرنے والے اور ان کے ساتھ تین مزید قراءتوں کو شامل کر کے دس قراءتیں مکمل کرنے کا ارادہ رکھنے والے کے لیے ایک عجیب نہج پر قراءات ثلاثہ نظم کی ہے۔ یہ ماہر قراء کے نزدیک سات قراءتوں میں داخل ہیں، جیسا کہ میں نے اپنی کتاب

"النزهة" میں اس کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ چوں کہ یہ کتاب حرز الامانی کا تکملہ تھا تو میں نے اس کو اسی کے وزن و قافیہ پر نظم کیا۔ پھر مولف نے اس کی شرح لکھی اور اس کا نام "خلاصة الأبحاث في شرح نهج القراءات الثلاث" رکھا۔ جس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد للّٰه الذي أنزل علیٰ عبده الكتاب......الخ"

* نهلة الوارد الظمآن في تفسير غرائب القرآن.
* نيل المرام من تفسير آيات الأحكام: یہ اس کمزور بندے ابو الطیب محمد صدیق بن حسن علی بن لطف اللہ الحسینی البخاری القنوجی نزیل بھوپال رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس میں دو سو چھتیس (۲۳۶) احکام کی آیات ہیں، جن کا یاد کر لینا مجتہد کے لیے کافی ہوتا ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے پانچ سو آیات ہیں، یہ بات درست نہیں ہے۔ اگرچہ اہلِ علم کی ایک جماعت اس راہ پر چلی اور اس کی تفسیر کے کام پر لگی۔ اگر ہر مفید جملے کو ایک آیت شمار کیا جائے تو یہ پانچ سو سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

"الحمد للّٰه رب العالمين وصلى اللّٰه علیٰ محمد الأمين......الخ"

باب الواو

* الواضح الوجيز في تفسير القرآن العزيز: یہ شیخ الامام ابوالحسن محمد بن عبدالرحمٰن البکری الصدیقی الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۰۵ھ) کی تالیف ہے، جس کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أنزل كتابه......الخ" مولف جب اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہوئے تو ان کی عمر اٹھائیس (۲۸) سال تھی، جیسا کہ ان کے والد کا بیان اس کتاب کے آخر میں نقل کیا گیا ہے۔
* الواضحة في إعراب الفاتحة: یہ تقریباً بیس (۲۰) کاپیوں اور رجسٹروں پر مشتمل موفق الدین عبداللطیف البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۲۹ھ) کی تالیف ہے۔
* الواضحة في تجويد الفاتحة: یہ بیس (۲۰) اشعار پر مشتمل قصیدہ دالیہ ہے، جس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "بحمدك ربي أول النظم أبتدي......الخ" یہ شیخ برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۳۲ھ) کی تالیف ہے۔ فضل بن سلمہ رحمہ اللہ نے اس کا اختصار کیا ہے۔
* الواضحة في إعراب القرآن: یہ عبدالملک بن حبیب المالکی القرطبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۹ھ) کی تالیف ہے۔
* وبل الغمامة في تفسير ﴿وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾: یہ القاضی العلامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی الیمنی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله وحده......الخ" راقم الحروف کے پاس یہ رسالہ بہت خوب صورت خط میں لکھا ہوا موجود ہے۔

علم الوجوہ والنظائر:

یہ علم تفسیر کی ایک فرع ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ ایک کلمہ قرآن مجید کی چند جگہوں میں ایک لفظ اور ایک حرکت پر آتا ہے اور ہر جگہ اس کا ایک معنی مراد ہوتا ہے۔ پس ہر کلمے کا لفظ جو ایک جگہ آیا ہو

دوسری جگہ میں وہ کلمہ مذکورہ کی نظیر ہو گا اور کلمے کی تفسیر دوسرے معنی میں ہو گی۔ اول کا نظائر اور دوسرے کا وجوہ نام رکھتے ہیں۔ پس نظائر الفاظ کا نام ہے اور وجوہ معانی کا۔ اس فن پر ایک جماعت نے تالیفات کی ہیں، جن میں کچھ درج ذیل ہیں:

الشیخ جمال الدین ابو الفرج بن الجوزی رحمہ اللہ۔ انھوں نے دوسرے اہلِ علم کی تالیفات میں سے سب سے عمدہ مختصر تالیف کی ہے اور اس کا نام "نزهة الأعين في علم الوجوه والنظائر" رکھا۔ انھوں نے اس کو حروف پر مرتب کیا اور کہا ہے کہ اس فن پر ایک کتاب ہے، جو عکرمہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ ایک اور کتاب علی بن ابی طلحہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے، وہ بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت کرتے ہیں۔ نیز مقاتل بن سلیمان اور ابو الفضل عباس بن فضل الانصاری رحمہما اللہ نے مطروح بن محمد بن شاکر عن عبداللہ ہارون الحجازی عن ابیہ کی سند کے ساتھ ایک کتاب کی تالیف کی ہے۔ محمد بن الحسن النقاش اور ابو علی بن البناد ابو الحسن علی بن عبیداللہ بن الراغونی نے بھی اس پر ایک کتاب لکھی ہے۔ انتهیٰ كلامه.

* الوجوه والنظائر: یہ الامام النیشاپوری رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں کہا ہے کہ متقدمین میں سے اس فن پر مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ نے اور متاخرین میں سے ابن الجوزی، ابن الدامغانی، ابو الحسین محمد بن عبدالصمد المصری اور ابن فارس رحمہم اللہ نے تالیفات کی ہیں۔ میں نے ایک الگ کتاب میں وجوہ کا ذکر کیا ہے اور اس کتاب کا نام "معترك الأقران في مشترك القرآن" رکھا ہے۔[1] انتهیٰ۔
* الوجوه النواضر في الوجوه والنظائر: یہ ابو الفرج بن الجوزی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس میں انھوں نے مجلسِ وعظ میں آیاتِ مفسرہ کی وجوہ اور ان کے نظائر کو ذکر کیا ہے۔ نیز انھوں نے کہا ہے کہ یہ کتاب پڑھ کر آدمی اس فن پر لکھی جانے والی دیگر کتب سے مستغنی ہو جاتا ہے۔
* الوجيز في التفسير: یہ امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۷ھ) کی تالیف ہے۔
* الوجيز في القراءات الثمانية: یہ ابو علی الحسن بن علی بن ابراہیم الاہوازی نزیل

[1] الإتقان (۱/ ۴۰۹)

دمشق رحمہ اللہ (المتوفی ۴۴۶ھ) کی تالیف ہے۔

❊ ورقات المهرة في تتمة قراءات الأئمة العشرة: یہ شہاب الدین احمد بن محمد المعروف بہ ابن عیاش القاری رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

❊ وسائل البيان في مسائل القرآن: یہ "التفسير الكبير" سے منتخب ہے۔

❊ وسائل في التفسير: یہ امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۸ھ) کی تالیف ہے۔

❊ وصول الغمر إلى وصول قراءات أبي عمرو: یہ شیخ علاء الدین ابوالحسن علی بن الشیخ شرف الدین قاسم البطائحی الشافعی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:
"الحمد لله الذي جعل صدور أوليائه أوعية لتحفيظ القرآن......الخ"

علم الوقوف:

یہ علم قراءت کی ایک فرع ہے۔

❊ وقوف النبي ﷺ في القرآن: اس کو الشیخ ابوعبداللہ محمد بن عیسیٰ المغربی رحمہ اللہ نے جمع کیا ہے۔ یہ کل سترہ (۱۷) وقف ہیں، جن سے کوئی تجاوز نہیں کر سکتا۔

① سورۃ البقرۃ کے فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ میں۔
② اسی آیت کے اس فرمان میں: ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾
③ سورت آل عمران کے فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ﴾ میں۔
④ سورۃ المائدہ کے فرمان ﴿فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ﴾ میں۔
⑤ اسی سورت کے اس فرمان میں: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾
⑥ اسی سورت کے اس فرمان میں: ﴿مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ﴾
⑦ سورت یونس کے اس فرمان میں: ﴿اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ﴾
⑧ اسی سورت کے اس فرمان میں: ﴿قُلْ اِيْ وَ رَبِّيْۤ﴾
⑨ سورت یوسف کے اس فرمان میں: ﴿اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ﴾
⑩ سورۃ الرعد کے اس فرمان میں: ﴿يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ﴾

⑪ سورۃ النحل کے اس فرمان میں: ﴿وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا﴾

⑫ سورت لقمان کے اس فرمان میں: ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾

⑬ سورۃ الغافر کے اس فرمان میں: ﴿اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾

⑭ سورۃ النازعات کے اس فرمان میں: ﴿فَحَشَرَ﴾

⑮ سورۃ القدر کے اس فرمان میں: ﴿خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾

⑯ اسی سورت کے فرمان ﴿مِنْ كُلِّ اَمْرٍ﴾ میں۔

⑰ سورۃ الفتح کے اس فرمان میں: ﴿وَاسْتَغْفِرْهُ﴾

باب الهاء

❊ الهادي إلى معرفة المقاطع والمبادي: یہ شیخ ابو العلاء الحسن بن احمد بن الحسن بن العطار الہمدانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۶۹ھ) کی تالیف ہے۔ یہ وقوفِ قرآن سے متعلق ہے۔

❊ هداية الرفاق في القراءة: یہ احمد بن محمد ابو المکارم المقری الواسطی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

❊ هداية الراوي إلى الفاروق المداوي للعجز عن تفسير البيضاوي: یہ صادق الکیلانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

❊ الهداية في القراءة: یہ ابو العباس احمد بن عمار المہدوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۰ھ) کی تالیف ہے۔

❊ هداية المرقات وغاية الحفاظ والطلاب: یہ شیخ الامام علاء الدین علی السخاوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۳ھ) کی قراءت پر مختصر منظوم تالیف ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: "الحمد لله الأحد الصمد، منزل الذكر على محمد......الخ"

❊ هداية الأحباب في تفسير أعظم آيات الكتاب: یہ عبداللہ الدنوشری رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ یہ آیۃ الکرسی کی تفسیر ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: "الحمد لله الذي شرف الوجود بمن أنزل عليه أشرف الخطاب......الخ"

❊ هلالين في شرح تفسير الجلالين: یہ صرف قرآن کریم کے آخری پارے پر ابو البرکات رکن الدین معروف مولوی تراب علی لکھنوی مرحوم رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۲۸۰ھ) کی تالیف ہے۔ یہ کانپور کے مطبع نظامی سے طبع ہو چکی ہے۔ راقم الحروف نے مولف مغفور کو فرخ آباد میں دیکھا اور ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تفسیر مذکور کا مسودہ دیکھا۔ بعض افراد سے معلوم ہوا کہ مکمل سورۃ البقرۃ پر اور سورت ق سے لے کر آخر قرآن تک مذکورہ شرح لکھی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ "جمل" کے بعد جلالین پر کوئی تحریر یا شرح یا حاشیہ لکھنا ایک فضول کام ہے۔

باب الياء

* الیآت المشددة في القرآن: یہ ابو محمد مکی بن ابی طالب المغربی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۳۷ھ) کی تالیف ہے۔
* یاقوت التأویل في تفسیر التنزیل: یہ چالیس جلدوں میں ہے اور الامام حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن الغزالی الطوسی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۰۵ھ) کی تالیف ہے۔
* الید البسطیٰ في تعیین الصلاۃ الوسطیٰ: یہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۱۱ھ) کی تالیف ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ صلاتِ وسطیٰ سے متعلق بیس اقوال میں اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نماز ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ پانچ نمازوں کا مجموعہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمعہ، ظہر، صبح اور عشا کی اکٹھی نمازیں ہیں۔ صبح اور عصر کو بھی کہا گیا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ نماز باجماعت۔ وتر کو بھی کہا گیا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ نمازِ خوف، اسی طرح کہا گیا ہے کہ عید الفطر کی نماز۔ عید النحر کی نماز کو بھی کہا گیا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ چاشت کی نماز۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رات کی نماز یا صبح اور عصر کی تردید و توقف کے ساتھ نماز۔

مولف نے ان اقوال میں سے یہ قول اختیار کیا ہے کہ وہ ظہر کی نماز ہے۔ امام سخاوی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک جزو لکھا ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ احادیثِ صحیحہ کے مطابق اور اہلِ حدیث و اہلِ تفسیر کے موافق صحیح قول یہ ہے کہ ''صلاتِ وسطیٰ'' جس کا قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے، اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ جس کسی نے اس کے خلاف بات کہی اور کسی دوسری نماز کو بہ طورِ صلاتِ وسطیٰ نام زد کیا، اس نے غلط راہ اختیار کی، جس پر اس کے پاس کوئی روشن دلیل نہیں ہے۔ اہلِ علم کی ایک جماعت نے اس نماز کی تحقیق و تعیین پر مستقل

رسائل تالیف کیے ہیں اور اپنے اوقات کو مفت میں ضائع کیا ہے۔ إنا للّٰه وإنا إلیه راجعون.

- ⁂ الینابیع في التفسیر: یہ امام یوسف بن عبداللہ اللولوی الاندخودی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔
- ⁂ ینبوع الحیاۃ في التفسیر: یہ ابوعبداللہ بن ظفر بن محمد الصقلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۶۸ھ) کی تالیف ہے۔

خاتمہ

طبقاتِ مفسرین

پہلا طبقہ:

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، ان میں سے مشہور ترین دس ہیں: چاروں خلفا، ابن مسعود، ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے تفسیر کا زیادہ علم رکھنے والے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ باقی تین خلفا سے اس علم میں کم ہی روایت مروی ہے۔ اس کا سبب ان کی وفات کا پہلے ہونا ہے۔ چناں چہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ۱۳ھ کو ہوئی، وہ آنحضرت ﷺ کے مرقد منور کے پہلو میں آرام فرما رہے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۳ھ ابو لولو فیروز کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کیا اور وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں سو گئے۔ تقریباً بیس مقامات پر ان کی رائے کے موافق وحی نازل ہوئی۔ ائمہ حدیث نے ان سب مقامات کی تخریج کی ہے۔ اس علم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایات علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایات سے زیادہ ہیں۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما ہجرت کے پہلے سال پیدا ہوئے اور ۷۳ھ میں فتنۂ حجاج میں شہید ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ان کی ڈاڑھی کے بال ریشم جیسے تھے اور ان کی مونچھیں نہیں تھیں۔ رہے ابن عباس رضی اللہ عنہما تو ان سے متعلق تو پوچھیں ہی نہ، کیوں کہ وہ ترجمان القرآن اور حبرِ امت ہیں۔

اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وغیرہ کتاب اللہ کی تفسیر کے سلسلے میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ مختلف سندوں کے ساتھ ان سے روایت مروی ہے۔ ان میں سے سب سے عمدہ سند یہ ہے: معاویہ بن ابی صالح، عن علی بن ابی طلحہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں صرف اس طریق پر اعتماد کیا ہے۔ خلیلی رحمہ اللہ نے "الإرشاد"[1] میں کہا ہے کہ یہ لمبی چوڑی تفاسیر جن کو لوگ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ پسندیدہ نہیں ہیں، ان کے راوی

---

[1] الإرشاد للخليلي (١/ ٣٨٩)

مجہول ہیں۔ انتہیٰ. اس کے بعد ان تفاسیر کے طویل طرق ذکر کیے ہیں۔ سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان" میں ان سے روایات نقل کی ہیں۔

دوسرا طبقہ:

احسان کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرنے والے (تابعین) ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اہلِ مکہ تمام لوگوں سے زیادہ تفسیر جاننے والے ہیں، کیوں کہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں، جیسے مجاہد، عطا بن ابی رباح، عکرمہ مولی ابن عباس، سعید بن جبیر اور طاؤس رحمہم اللہ وغیرہ۔ اسی طرح کوفہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد۔ تفسیر کے علمائے اہلِ مدینہ مثلاً زید بن اسلم، جن سے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن زید نے علم حاصل کیا اور مالک بن انس ہیں۔[1] انتہیٰ.

اس طبقے کی سب سے نمایاں شخصیت مجاہد رحمہ اللہ ہیں۔ انھوں نے کہا ہے کہ میں نے تیس مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما پر قرآن مجید پیش کیا۔ اس کی ہر آیت پر توقف کرتا اور ان سے سوال کرتا کہ یہ کس کے متعلق نازل ہوئی۔

خصیف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تابعین میں سے سب سے زیادہ تفسیر جاننے والے مجاہد رحمہ اللہ ہیں۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب تجھے مجاہد رحمہ اللہ سے کوئی تفسیر مل جائے تو بس اسی پر اکتفا کرو۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اسی لیے اہلِ علم میں سے شافعی اور بخاری رحمہما اللہ وغیرہ ان (مجاہد رحمہ اللہ) کی تفسیر پر اعتماد کرتے ہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ فریابی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں جو کچھ نقل کیا ہے، وہ اکثر مجاہد رحمہ اللہ ہی سے مروی ہے اور اس میں وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بہت کم بیان کرتے ہیں۔ انتہیٰ.

جہاں تک سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تفسیر چار آدمیوں سے لے لو: سعید، مجاہد، عکرمہ اور ضحاک رحمہم اللہ سے۔

قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تابعین میں سے سب سے زیادہ علم رکھنے والے چار افراد ہیں:

۱۔ عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ، وہ مناسک کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ ۲۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ، وہ تفسیر کے زیادہ عالم تھے۔ ۳۔ عکرمہ رحمہ اللہ، وہ سیرت کو زیادہ جاننے والے تھے۔ ۴۔ حسن رحمہ اللہ، وہ حلال وحرام کے زیادہ بڑے عالم تھے۔

---

[1] مقدمة في أصول التفسير (ص: ١٩)

امام شعبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عکرمہ رحمہ اللہ سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا کوئی شخص باقی نہیں رہا۔ خود عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یقیناً میں نے قرآن مجید کی تفسیر کی ہے۔ میں تمھیں قرآن کے بارے میں جو کچھ بھی بیان کرتا ہوں، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔

اس طبقے کے رجال میں مندرجہ ذیل لوگ ہیں: حسن بصری، عطا بن ابی رباح، عطا بن ابی سلمہ خراسانی، محمد بن کعب قرظی، ابو العالیہ، ضحاک بن مزاحم، عطیہ عوفی، قتادہ، زید بن اسلم، مرہ الہمدانی، ابو مالک، ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ۔ یہ سب قدیم مفسرین ہیں، ان کے اکثر اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اخذ کردہ ہیں۔

ابو العالیہ رحمہ اللہ سے مراد رفیع ریاحی ہیں۔ ریاح بنو تمیم کی ایک شاخ اور قبیلہ ہے۔ انھوں نے ۹۰ھ میں وفات پائی۔ قرآن مجید کے اعراب اور نقطے، اس کے اَخماس و اَعشار اور مساجد میں فرش بوریا یہ سب ابو محمد حجاج بن یوسف ثقفی رحمہ اللہ کی ایجادات ہیں۔ یہ بنو ثقیف قبیلے کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر ثقفی کہلاتا ہے۔ یہ خوارج کا مذہب رکھتا تھا اور ۹۵ھ میں فوت ہوا۔

ضحاک، ہلالی ہیں، وہ بنو عبد مناف بن ہلال بن عامرہ کی طرف منسوب ہیں، وہ ۱۰۳ھ میں فوت ہوئے۔ مقاتل بن سلیمان، ازدی مروزی ہیں، ان کی کنیت ابو الحسن ہے۔ یہ مشہور مفسر ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جو بھی تفسیر میں تبحر چاہتا ہے، اسے کہہ دو کہ مقاتل کا عیال بن جائے۔ ان کی نسبت مروزی خراسان کے شہر مرو کی طرف ہے۔ اس نسبت میں خلافِ قیاس زا کو زیادہ کیا گیا ہے۔ یہ ۱۰۵ھ میں وفات پا گئے۔ قتادہ بن دعامہ، سدوسی ہیں، یہ اپنے دادا سدوس بن شیبان کی طرف نسبت کی وجہ سے سدوسی کہلاتے ہیں۔ یہ مادر زاد اندھے تھے۔ یہ ۱۱۷ھ کو فوت ہوئے۔ محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ جو معروف قبیلے بنو قریظہ کی طرف منسوب ہیں۔ یہ لاوی بن یعقوب کی اولاد سے ہیں۔ انھوں نے مدینے میں ۱۲۰ھ کو وفات پائی۔

سدی، اسماعیل بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ یہ شعبہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کے شاگرد ہیں۔ یہ سدہ بہ معنی صفہ کی طرف منسوب ہیں۔ چوں کہ انھوں نے جامع کوفہ کے سدہ میں سکونت اختیار کی تھی، اس لیے سدی مشہور ہوئے۔ یہ ۱۲۷ھ میں فوت ہوئے۔ علم تفسیر میں اپنے وقت کے امام تھے۔ کلبی، ابو نصر محمد بن السائب رحمہ اللہ، کوفی ہیں۔ یہ کلب بن دبرہ کی طرف منسوب ہیں، جو قضاعہ کا ایک قبیلہ ہے۔ یہ سفیان ثوری اور محمد بن اسحاق رحمہما اللہ کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے ۱۴۶ھ میں وفات پائی۔

تیسرا طبقہ:

یہ اتباع تابعین کا طبقہ ہے۔ سیوطی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس طبقے کے افراد نے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے اقوال پر تفاسیر تالیف کیں، جیسے سفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح، شعبہ بن الحجاج، یزید بن ہارون، عبدالرزاق، آدم بن ابی ایاس، اسحاق بن راہویہ، روح بن عبادہ، عبد بن حمید، سعید، ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہم اللہ اور دوسرے لوگوں کی تفسیر ہے۔ انتھیٰ. ابوبکر کا نام عثمان ہے، ان کی کتاب فضائلِ قرآن اور مسند مشہور ہیں۔ انھوں نے ۲۲۹ھ میں انتقال کیا۔ ابن قتیبہ، ابومحمد عبداللہ بن مسلم دینوری صاحبِ کتاب "مشكل القرآن"، "آداب القراءة"، "إعراب القراءات" اور "غريب القرآن" یہ اسحاق بن راہویہ کے شاگرد ہیں ابو حاتم سجستانی رحمہ اللہ بھی اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ ۲۷۶ھ میں فوت ہوئے۔ ابراہیم بن معقل نسفی رحمہ اللہ، یہ نسف کی طرف منسوب ہیں، جو ماوراء النہر کا ایک شہر ہے۔ یہ ۲۹۵ھ کو فوت ہوئے۔

چوتھا طبقہ:

اس طبقے کے مشاہیر میں سے ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ ہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان کی کتاب تفاسیر میں سے اجل اور اعظم ہے۔ یہ اپنی تفسیر میں توجیہِ اقوال، ان کی ایک دوسرے پر ترجیح، اعراب اور استنباط کے درپے ہوئے ہیں، اس لیے ان کی تفسیر دوسری تفاسیر سے فائق ہوگئی ہے۔ انتھیٰ. امام نووی رحمہ اللہ نے "التهذيب" میں بھی اسی طرح کی بات کہی ہے۔ یہ ۳۱۰ھ میں فوت ہوئے۔

شیعہ کرامیہ میں بھی ایک ابن جریر طبری گزرے ہیں۔ شیعہ لوگ اس جگہ اہلِ سنت کے طبری کے ساتھ مغالطہ دیتے ہیں۔

اس طبقے میں ابو القاسم ابراہیم بن اسحاق انماطی رحمہ اللہ مشہور مفسر ہیں۔ یہ نمط بمعنی بساط کی طرف منسوب ہیں۔ انھوں نے ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔ ایک عبدالرحمٰن بن ابی حاتم ہیں، جو "شفاء الصدور" اور غریب قرآن میں "كتاب الإشارات" نامی تفسیر کے مصنف ہیں۔ نیز "أبواب القرآن" اور "موضح معاني القرآن" کے مولف ہیں۔ یہ ۳۵۱ھ میں فوت ہوئے۔

ابن ماجہ، حاکم، ابن مردویہ، ابو الشیخ، ابن حیان اور ابن المنذر رحمہم اللہ بھی اسی طبقے کے مفسرین میں شمار ہوتے ہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان سب کی تفاسیر صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور ان کے اتباع کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انتہیٰ.

اس طبقے میں ایک ''حیری رحمہ اللہ'' ہیں۔ حیری حاے مہملہ کے کسرے اور یا کے سکون کے ساتھ ہے۔ یہ حیرہ کی طرف منسوب ہیں جو کہ کوفہ کے قریب ایک شہر ہے۔

پانچواں طبقہ:

سیوطی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ پھر تو مخلوقِ خدا کی ایک بہت بڑی تعداد نے تالیفات رقم کیں۔ چناں چہ انھوں نے سندوں کو مختصر کیا اور اقوال کو سندوں سے کاٹ کر نقل کیا۔ تو اس طرح اجنبی چیزیں ان میں داخل ہو گئیں، صحیح اور علیل ملتبس ہو گئے۔ پھر تو یہ صورتِ حال بن گئی کہ جسے جو بات سوجھی، وہ اس کو نقل کرتا، جس کے دل میں جو چیز آتی، وہ اس پر اعتماد کرتا، پھر اس کے بعد آنے والا اس کو یہ گمان کر کے اس کی طرف سے نقل کر دیتا کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ہے۔ وہ سلف صالح سے مروی تحریر کی طرف التفات نہ کرتا اور جو تفسیر ان کی طرف لوٹتی اس کو کوئی اہمیت نہ دیتا۔ حتیٰ کہ میں نے ایسے شخص کو بھی دیکھا، جس نے فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ﴾ کی تفسیر میں تقریباً دس اقوال نقل کر ڈالے۔ حالاں کہ اس کی تفسیر یہود و نصاریٰ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور اس کے اتباع رحمہم اللہ سے وارد ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں اس میں مفسرین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں جانتا ہوں۔ انتہیٰ.

اس طبقے کے رجال میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

① ابو عبدالرحمن محمد بن حسین سلمی نیسابوری رحمہ اللہ صاحبِ ''تفسیر حقائق'' ان کی تفسیر مشائخ کے طامات اور صوفیہ کے ہفوات سے بھری پڑی ہے۔ یہ ۴۱۲ھ میں فوت ہوئے۔

② ابو اسحاق ثعلبی نیسابوری رحمہ اللہ جن کا نام احمد ہے۔ یہ ''تفسیر کبیر'' کے مولف ہیں۔ جب انھوں نے لومڑی کی کھال زیب تن کی تو یہ ثعلبی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ فارسی لوگ اسے ''نیشاپور'' شین معجمہ اور بائے فارسی کے ساتھ پڑھتے ہیں، جب کہ عرب اس کو سین مہملہ اور با موحدہ کے ساتھ ''نیسابور'' کہتے ہیں۔ ان کی یہ تفسیر بھی ضعیف اقوال اور جھوٹے قصوں سے اٹی

پڑی ہے۔ شیعہ لوگ اہلِ سنت کے مقابلے میں آ کر اس کی روایات کا اکثر سہارا لیتے ہیں۔ موصوف ۴۲۷ھ میں وفات پا گئے۔

③ سید مرتضیٰ علم الھدی صاحبِ "درر غرر" ان کا نام ابو القاسم علی بن حسین بن موسیٰ ہے۔ یہ شیعہ مذہب رکھتا تھا۔ اس نے ۴۳۶ھ میں وفات پائی۔

④ ابو محمد عبداللہ جوینی رحمہ اللہ والد امام الحرمین رحمہ اللہ، ان کی تفسیر "کبیر" کے نام سے موسوم ہے۔ جوین تصغیر ہے اور یہ نیشاپور کا ایک علاقہ ہے۔ اس تفسیر کا مولف ۴۳۸ھ کو فوت ہوا۔

⑤ ابو القاسم عبدالکریم قشیری رحمہ اللہ صاحبِ "التیسیر في علم التفسیر" اس تفسیر کا مولف واعظ تھا۔ ابو الحسن باخرزی رحمہ اللہ کہتا ہے کہ اگر اس کے بیان و وضاحت کی آواز کے ساتھ پتھر پر چوٹ لگائی جائے تو وہ پگھل جائے اور اگر شیطان کو اس کی مجلس میں باندھ دیا جائے تو وہ توبہ کر لے۔ موصوف ۴۶۵ھ میں فوت ہوئے۔

⑥ واحدی نیسابوری رحمہ اللہ۔ ان کا نام ابو الحسن بن احمد ہے، ان کی تین تفسیریں ہیں: کبیر، بسیط اور صغیر۔ انھوں نے بعد میں تینوں کو اکٹھا کر کے اس کا نام "الحاوي" رکھا۔ موصوف ۴۶۸ھ میں فوت ہوئے۔

اکثر اہلِ علم تفاسیر سے نقل کرنے میں مساہلت کا مظاہرہ کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ بات نیسابوری میں ہے، جب کہ مولف کا نام نہیں لیتے۔ اس طرح کی نقل تصحیح و تحقیق کی محتاج ہوتی ہے۔

چھٹا طبقہ:

امام سیوطی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ پھر ایسے لوگوں نے تصنیفات لکھیں، جو چند علوم میں ماہر تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اس فن کی بنا پر کوتاہی کرتا، جس فن کا اس پر غلبہ ہوتا۔ مثلاً نحوی کو آپ دیکھتے ہیں کہ اس کی توجہ اعراب، اس میں بہت سی احتمالی وجوہ اور قواعدِ نحو، اس کے مسائل، فروع اور اس کی خلافیات کے نقل کرنے کی طرف ہوتی ہے، جیسے زجاج اور واحدی رحمہ اللہ اپنی بسیط میں اور ابو حیان رحمہ اللہ "البحر و النھر" میں۔ آپ اخباری کو دیکھیں گے کہ جس کا شغل قصوں کو ان کی تمام تر جزئیات کے ساتھ مکمل بیان کرنا اور گذشتہ حالات کی خبر دینا ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ وہ قصے اور خبریں صحیح ہوں یا باطل، جیسے ثعلبی رحمہ اللہ ہے۔ اسی طرح فقیہ کہ وہ تفسیر میں باب الطھارۃ سے لے کر امھات الاولاد

تک سب کچھ اس میں لے آتا ہے اور بعض اوقات فقہی فروع پر ایسے دلائل قائم کرتا ہے، جن کا آیت کے ساتھ سرے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ نیز وہ اس میں مخالفین کے دلائل کے جواب کا ذکر کرتا ہے، جیسے قرطبی رحمہ اللہ ہیں اور اسی طرح صاحبِ "العلوم العقلية"، خصوصاً امام فخر الدین رحمہ اللہ جنھوں نے اپنی تفسیر کو حکما اور فلاسفہ کے اقوال اور اس جیسی دیگر چیزوں سے بھر دیا ہے۔ وہ ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہوتے ہیں، حتیٰ کہ دیکھنے والا تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ ان چیزوں کا آیت کے مورد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، جن کو اس تفسیر میں ٹھونس دیا گیا ہے۔ ابو حیان رحمہ اللہ نے "البحر" میں لکھا ہے کہ امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ایسی بہت سی طویل چیزوں کو جمع کر دیا ہے، جن کی علمِ تفسیر میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے بعض علما کا کہنا ہے کہ رازی کی تفسیر کبیر میں تفسیر کے سوا سب کچھ موجود ہے۔

اسی طرح اگر تفسیر کرنے والا بدعتی ہو تو اس کا کام صرف آیات کی تحریف کرنا اور اس کو اپنے فاسد مذہب کے موافق بنانا ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب دور سے اسے کوئی منتشر چیز دکھائی دیتی ہے تو وہ اس کا طالب بن جاتا ہے یا اسے کوئی ایسی جگہ ملتی ہے جہاں اس کو تھوڑی سے گنجایش دکھائی دیتی ہے تو وہ اس پر چڑھ دوڑتا ہے۔

بلقینی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے تفسیر کشاف میں فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ کی تفسیر میں مناقشوں کے ذریعے اعتزال کا استخراج کیا ہے کہ مولف نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ دخولِ جنت سے بڑی کون سی کامیابی ہے؟ اس قول کے ذریعے اس نے اللہ تعالیٰ کی عدمِ رویت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ رہا ملحد تو اس کے کفر اور اللہ تعالیٰ کی آیات میں الحاد اور اللہ کے ذمے وہ باتیں لگانا جو انھوں نے نہیں کہی ہیں، پوچھ ہی نہ کہ وہ اس میں کس حد تک آگے بڑھا ہوا ہے۔ پھر انھوں نے کہا ہے کہ اگر سوال کریں کہ ان حالات میں آپ کس تفسیر کا مشورہ دیتے ہیں کہ ناظر اور طالب اس کی طرف رجوع کرے اور اس پر اعتماد کرے؟ تو میں کہوں گا کہ امام ابو جعفر بن جریر الطبری المدنی رحمہ اللہ کی تفسیر۔ معتبر علما نے اس پر اجماع اور اتفاق کیا ہے کہ تفسیر میں اس جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "تهذيب" میں لکھا ہے کہ تفسیر ابن جریر کی طرح کسی نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔

پھر سیوطی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے ایک ایسی تفسیر لکھنا شروع کی، جو تفاسیرِ منقولہ،

اقوالِ ماثورہ، استنباطات، اشارات، اعاریب، لغات، نکتِ بلاغت اور محاسنِ بدائع وغیرہ جیسی ان تمام چیزوں کی جامع ہے، جن کی قاری کو ضرورت ہوتی ہے اور یہ تفسیر ایسی ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور تفسیر کی سرے سے کوئی حاجت محسوس نہ ہو۔ میں نے اس تفسیر کا نام "مجمع البحرین و مطلع البدرین" رکھا۔ یہ وہی تفسیر ہے کہ میں نے اس کتاب کو اس کا مقدمہ بنایا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے اس کتاب کو مکمل کرنے کی توفیق مانگتا ہوں۔ انتھیٰ.

لیکن سیوطی رحمہ اللہ کی یہ تفسیر میسر نہیں ہے۔ نیز اس کے مکمل ہونے یا نہ ہونے کی کچھ خبر نہیں ہے۔ راقم الحروف نے اپنی تفسیر "فتح البیان في مقاصد القرآن" میں مذکورہ بالا تمام امور کا اختصار کے ساتھ اہتمام کیا ہے اور ان کی رعایت رکھی ہے اور روایت و درایت کو جمع کرنے میں تنقیح کرنے کے ساتھ اجمالی طور پر انھیں درج کیا ہے حتیٰ کہ وہ ان اوصاف میں اس زمانے میں متداول تمام تفاسیر سے فائق ہوگئی ہے۔ والحمد للہ الذي بنعمته تتم الصالحات.

ساتواں طبقہ:

اس طبقے کے کچھ رجال درج ذیل ہیں:

1. ابو القاسم حسین راغب اصفہانی رحمہ اللہ کی "احتجاج القرآن در قراءۃ مفردات القرآن" اس موضوع میں جمہور مفسرین نے ان کی تحقیقات پر اعتماد کیا ہے۔ موصوف ۵۰۰ھ میں فوت ہوئے۔ اصفہان عراقِ عجم کا ایک مشہور شہر ہے۔

2. ابو حامد محمد بن محمد غزالی ملقب بہ زین الدین۔ غزالہ، طوس کی ایک بستی اور علاقے کا نام ہے۔ "جواهر القرآن" اور "یاقوت التأویل" ان کی تالیفات ہیں۔ موصوف ۵۰۵ھ میں فوت ہوئے۔

یاد رہے کہ محمود غزالی ایک اور شخص ہے، جو مذہب میں معتزلی ہے۔ شیعہ لوگ نسبت غزالی میں اکثر دھوکا دیتے ہیں۔

3. ابو محمد حسین بن محمود بغوی رحمہ اللہ صاحبِ "معالم التنزیل" یہ ۵۱۶ھ میں فوت ہوئے۔ یہ بغشور کی طرف منسوب ہیں، جو خراسان کے ماتحت علاقوں میں سے ایک شہر ہے۔ موصوف کو فراء بھی کہتے ہیں، کیوں کہ وہ چمڑوں کا کام کرتے تھے اور 'فراء' چمڑے کو کہتے ہیں۔ ان کی تفسیر اگرچہ

محدثین کے طریقے پر ہے، مگر اس میں غیر صحیح واقعات بھی جمع ہو گئے ہیں۔ خازن رحمہ اللہ نے اس کی تلخیص کی ہے۔

④ ابن برجان ابو الحکم عبدالسلام بن عبدالرحمن رحمہ اللہ مولف تفسیر "الإرشاد" انھوں نے اپنی کتاب کو اربابِ حال کی روش پر لکھا ہے۔ انھوں نے بلادِ مغرب میں مراکش میں ۵۳۱ھ کو وفات پائی۔

⑤ ابو القاسم محمد بن عمر زمخشری رحمہ اللہ۔ یہ زمخشر کی طرف منسوب ہیں، جو خوارزم کے ماتحت علاقوں میں سے ایک بستی کا نام ہے۔ چونکہ موصوف بیت اللہ کی مجاورت میں تھے، اس لیے انھوں نے جار اللہ کا لقب پایا۔ یہ معتزلی ہے اور اس نے ۵۳۸ھ میں وفات پائی۔ اس کی تفسیر کا تعارف اور حال اس کتاب کے "مقصد ثانی" سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

⑥ امام رازی، ابو عبداللہ محمد فخر الدین رحمہ اللہ، یہ رے کی طرف منسوب ہیں۔ اس میں خلافِ قیاس زاء کو زیادہ کر کے "رازی" اسمِ نسبت بنایا گیا ہے۔ رے عراقِ عجم کا ایک شہر ہے۔ موصوف اپنے نسب میں صدیقی ہیں اور مذہب میں شافعی۔ یہ محمد جیلی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، جو غزالی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے قراءت پر بھی چند رسائل سپردِ قلم کیے ہیں۔ متکلمین کے برگزیدہ عالم ہیں۔ علمِ حدیث سے باخبر نہ تھے۔ انھوں نے ۶۰۶ھ میں وفات پائی۔

⑦ ابو محمد روز بہان بقلی رحمہ اللہ۔ یہ بقلہ کی طرف منسوب ہیں، جو بہ معنی ترکاری ہے۔ تفسیر عرائس کے مولف ہیں۔ انھوں نے ۶۰۶ھ میں وفات پائی۔

⑧ زاہدی، نجم الدین ابو عمر محمود رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۵۸ھ) یہ اپنے اجداد میں سے ایک شخص کی طرف منسوب ہیں۔

⑨ محمد بن ابی بکر بن شمس الدین عبدالقادر رازی رحمہ اللہ۔ موصوف "أسئلة القرآن وأجوبتها" کے مولف ہیں۔ لغتِ قرآن پر بھی ان کی ایک تالیف ہے۔ یہ ۶۰۶ھ میں فوت ہوئے۔

⑩ بیضاوی رحمہ اللہ، صاحبِ "أنوار التنزیل" اس کتاب کے مقصد ثانی میں ان کا تعارف تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ یہ شافعی المذہب تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کی تفسیر میں اعراب، معانی اور بیان میں سے جو کچھ ہے، وہ کشاف سے ماخوذ ہے اور اس میں جو کچھ حکمت و کلام سے ہے، وہ رازی رحمہ اللہ

کی تفسیر کبیر سے ماخوذ ہے اور جو کچھ تحقیقاتِ اشتقاق سے ہے وہ راغب اصفہانی رحمہ اللہ کی کتاب سے ماخوذ ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ اس میں اضافے ہیں، وہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی جودتِ فکر کا نتیجہ ہیں۔ انھوں نے آیاتِ قرآنیہ میں جو عقلی تاویلیں کی ہیں اور سورتوں کے فضائل میں جو احادیث لائے ہیں، اس کی طرف سے دل رنجیدہ ہے۔ موصوف ۶۸۵ھ میں فوت ہوئے۔

⑪ حافظ الدین نسفی، ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود رحمہ اللہ "مدارك التنزيل" کے مولف۔ ان کی تفسیر ایجاز و اختصار کے باوجود بہت عمدہ تفسیر ہے۔ موصوف حنفی تھے اور علم اصول و فقہ میں اپنے وقت کے امام تھے۔ موصوف نے ۷۱۰ھ میں وفات پائی۔

⑫ محمد بن مسعود قطب الدین شیرازی رحمہ اللہ۔ یہ شیراز میں کشاف کے حاشیہ نگار ہیں۔ شیراز ایران کا دار الخلافہ تھا۔ انھوں نے ۷۱۰ھ میں وفات پائی۔

⑬ بازری، جو مفسر کے عرف سے معروف ہیں۔ ان کا نام ہبۃ اللہ ہے اور لقب شرف الدین بن عبدالرحیم رحمہ اللہ۔ یہ تفسیر "أسرار التنزيل" کے مولف ہیں۔ یہ بازر کی طرف منسوب ہیں، جو ایک شہر کا نام ہے۔ یہ ۷۳۸ھ کو فوت ہوئے۔

⑭ شرف الدین حسن بن محمد رحمہ اللہ۔ انھوں نے چھے جلدوں میں کشاف کا حاشیہ لکھا ہے۔ یہ طیبی کی نسبت سے معروف ہیں۔ واسط اور تستر کے درمیان واقع شہر طیب کی طرف منسوب ہیں۔ یہ مشکاۃ المصابیح کے شارح ہیں۔ انھوں نے اپنی تفسیر کا نام "فتوح الغيب عن قناع الريب" رکھا۔ کہتے ہیں کہ تفسیرِ قرآن میں جو کچھ درکار ہوتا ہے، وہ ان کی تفسیر میں موجود ہے۔ مثلاً وجوہِ قراءات کی وضاحت تصحیحِ احادیث و روایات، تدقیقِ نکات اور تحقیقِ مسائل۔ موصوف ۷۴۳ھ میں فوت ہوئے۔

⑮ ابو المکارم فخر الدین احمد بن حسن جاربردی رحمہ اللہ۔ یہ کشاف کے محشی ہیں۔ جاربرد ایک جگہ کا نام ہے۔ یہ ۷۴۶ھ میں فوت ہوئے۔

⑯ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ، یہ بھی کشاف کے حاشیہ نگار ہیں۔ یہ خراسان کی ایک بستی تفتازان کی طرف منسوب ہیں۔ اس بستی کو "قرية الرجال" بھی کہتے ہیں۔ انھوں نے ۷۹۲ھ میں وفات پائی۔

آٹھواں طبقہ:

1. سید شریف جرجانی رحمہ اللہ۔ یہ تفسیر کشاف اور بیضاوی کے حاشیہ نگار ہیں۔ نیز انھوں نے مفردات قرآنیہ کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ مولوی جامی کے خط میں دیکھا گیا ہے۔ موصوف ۸۱۶ھ میں فوت ہوئے۔
2. عبدالرحمٰن بن عمر جلال الدین بلقینی رحمہ اللہ۔ یہ "مواقع العلوم في علوم القرآن" کے مولف ہیں۔ موصوف مصر کی ایک بستی "بلقینہ" کی طرف منسوب ہیں۔ انھوں نے ۸۱۸ھ میں وفات پائی۔
3. ولی الدین ابو زرعہ احمد بن عبدالرحیم عراقی رحمہ اللہ۔ یہ عراق کی طرف منسوب ہیں، جو عراق بن خراسان کا آباد کردہ مشہور ملک ہے۔ موصوف ۸۲۰ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی تفسیر کشاف کی ہم پلہ ہے۔
4. علی مہائمی رحمہ اللہ۔ یہ تفسیر رحمانی کے مولف ہیں۔ مہائم ہندوستان کے علاقے دکن کی بندرگاہوں میں سے ایک بندرگاہ ہے۔ یہ ۸۳۵ھ میں فوت ہوئے۔
5. شہاب الدین ملک العلماء دولت آبادی رحمہ اللہ۔ یہ "البحر المواج" کے مولف ہیں۔ انھوں نے ۸۴۱ھ میں وفات پائی۔
6. جلال الدین محلی رحمہ اللہ۔ یہ محلّہ کی طرف منسوب ہیں، جو مصر کے ماتحت علاقوں کا ایک شہر ہے۔ موصوف نے ۸۶۴ھ میں وفات پائی۔
7. ملا علی قوشجی رحمہ اللہ۔ یہ کشاف کے حاشیہ نگار اور "التجرید" کے شارح ہیں۔ یہ قوشج نامی محلے کی طرف منسوب ہیں۔ ۸۷۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

نواں طبقہ:

1. ملا حسین واعظ کاشفی رحمہ اللہ۔ یہ تفسیر حسینی اور جواہر القرآن کے مولف ہیں۔ انھوں نے ۹۱۰ھ میں وفات پائی۔
2. عصام الدین ابراہیم بن عرب شاہ اسفراینی رحمہ اللہ۔ یہ اسفراین کی طرف منسوب ہیں، جو نیشاپور کی حدود میں ایک شہر کا نام ہے۔ یہ بیضاوی کے محشی ہیں اور انھوں نے ۹۴۲ھ میں وفات پائی ہے۔

③ ابو السعود محمد بن عمادی رحمہ اللہ۔ یہ ۹۸۲ھ میں فوت ہوئے۔ یہ مذہب میں حنفی تھے۔ ان کی تفسیر کشاف اور بیضاوی کی ہم پلہ ہے۔

④ ملا فتح اللہ شیرازی رحمہ اللہ۔ یہ مشہور تفسیر کے مولف ہیں۔ عادل شاہ کی تکلیف سے شیراز سے دکن آ گئے، پھر وہاں اکبر بادشاہ کی خواہش پر فتح پور سیکری میں پہنچے۔ عبدالرحیم خان خانان اور حکیم ابو الفتح نے ان کا استقبال کیا اور بادشاہ کی خدمت میں لے آئے اور ان کو صدارت کے منصب پر فائز کر دیا گیا۔ ان کی وفات ۹۹۷ھ کشمیر میں واقع کوہِ سلیمان میں ہوئی۔ ملا عبد السلام لاہوری محشی بیضاوی (المتوفی: ۱۰۳۷ھ) ان کے شاگرد ہیں۔

⑤ ملا عبدالسلام دیوہ محشی بیضاوی رحمہ اللہ۔ ملا عبدالسلام لاہوری کے شاگرد ہیں، جنھوں نے ۱۰۳۹ھ میں وفات پائی۔

⑥ ان کے شاگرد ملا دانیال استاد ملا قطب الدین سہالی والد ملا نظام الدین والد ملا عبدالعلی ملک العلما ہیں۔ ملا عبدالعلی کی ۱۲۲۶ھ میں وفات ہوئی۔ رحمھم اللہ تعالیٰ.

⑦ شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی رحمہ اللہ۔ یہ بیضاوی کے محشی اور علی بن ابی طالب کی اولاد سے تھے۔ یہ گجرات کے شہر دکن میں سکونت اختیار کیے ہوئے تھے۔ انھوں نے ۹۹۸ھ میں وفات پائی۔

⑧ قاضی ضیاء الدین نیوتنی رحمہ اللہ ان کے شاگرد اور داماد ہیں۔

⑨ سید جمالِ اولیا، یہ قاضی ضیاء الدین کے شاگرد ہیں۔

⑩ ملا لطف اللہ، سید جمال کے شاگرد ہیں۔

دسواں طبقہ:

① ملا علی اصغر قنوجی رحمہ اللہ۔ یہ تفسیر "ثواقب التنزیل" کے مولف اور ملا لطف اللہ کے شاگرد ہیں۔ ان کی تفسیر علومِ ادبیہ میں "کشاف" پر برتری رکھتی ہے اور علومِ شرعیہ میں بیضاوی پر مقدم ہے۔ موصوف ۱۱۴۰ھ میں فوت ہوئے۔

② مولوی رستم علی قنوجی بن ملا اصغر رحمہ اللہ۔ یہ تفسیر صغیر کے مولف ہیں۔ انھوں نے ۱۱۷۸ھ کو وفات پائی۔ ان کی تفسیر کلامِ الٰہی کی تفہیم میں تفسیرِ جلالین پر فوقیت رکھتی ہے۔

③ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۱۷۶ھ) فتح الرحمٰن ترجمہ قرآن اور زہراوین ان کی علمی

یادگار ہے۔ ان کا مذکورہ ترجمہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور قابلِ دید ہے۔

گیارھواں طبقہ:

مولوی عبدالباسط بن مولوی رستم علی قنوجی رحمہ اللہ۔ یہ ایک تفسیر کے مولف ہیں۔ ذوالفقار خانی رحمہ اللہ شیخ عماد الدین رحمہ اللہ صاحبِ فتاویٰ عمادیہ کی اولاد سے ہیں۔ ان کی تفسیر نامکمل رہ گئی۔ ان کی تالیف "عجیب البیان في علومِ القرآن" راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔ موصوف ۱۲۲۳ھ میں فوت ہوئے۔ راقم الحروف کے والدِ گرامی نے بھی ان سے استفادہ کیا ہے۔

بارھواں طبقہ:

① مولوی سید اولاد حسن بن نواب سید اولاد علی خان بہادر انور جنگ بخاری رحمہ اللہ جو راقم الحروف کے والدِ محترم ہیں۔ انھوں نے آیت: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ﴾ پر بہت اچھی تفسیر لکھی ہے۔ موصوف ۱۲۵۳ھ میں فوت ہوئے۔

② مولوی ولی اللہ مفتی بن سید احمد علی فرخ آبادی رحمہ اللہ "تفسیر نظم الجواھر" کے مولف۔ یہ مولوی عبدالباسط قنوجی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے اپنی فارسی تفسیر میں جو تین ضخیم جلدوں میں محیط ہے، بہت طوالت سے کام لیا ہے، جو فنِ تفسیر سے دور اور اجنبی ہے۔ موصوف ۱۲۴۹ھ میں فوت ہوئے۔

تیرھواں طبقہ:

① قاضی محمد بن علی شوکانی یمنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۲۵۵ھ) یہ تفسیر "فتح القدیر" اور دیگر مولفات جلیلہ کے مولف ہیں۔ یہ ایک واسطے سے راقم الحروف کے شیخ و استاد ہیں۔ ان کی تفسیر، تفسیر ابن جریر طبری اور تفسیر حافظ ابن کثیر کا نمونہ ہے۔ متاخرین میں سے کسی نے اس طرز پر تفسیر نہیں لکھی ہے۔ فقیر کے پاس یہ تفسیر موجود ہے۔

② شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ۔ یہ تفسیر "فتح العزیز" کے مولف ہیں۔ انھوں نے ۱۲۳۹ھ میں وفات پائی۔ یہ قرآن کے پہلے اور آخری دو پاروں کی تفسیر ہے۔ یہ تفسیر بہت خوش محاورہ اور واعظانہ انداز کی تفسیر ہے۔ مولوی حیدر علی رحمہ اللہ "منتهى الكلام" کے

مولف نے اس کا تکملہ لکھا، لیکن وہ بھی مکمل نہ ہو سکا۔

③ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ شاگرد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ۔ یہ مرزا مظہر جان جاناں کے مرید اور تفسیر مظہری کے مولف ہیں۔ یہ تفسیر وجوہِ اعراب، قراءت، مسائلِ فقہ اور مقاماتِ صوفیہ پر مشتمل ہے۔ بہ ہر حال یہ فنِ تفسیر سے اجنبی واقع ہوئی ہے۔

④ مولوی سلام اللہ رحمہ اللہ جو کمالین کے مولف اور علماے دہلی میں شمار ہوتے ہیں۔

⑤ مولوی تراب علی رحمہ اللہ۔ یہ تفسیر ہلالین کے مولف ہیں۔ یہ قرآن مجید کے صرف آخری پارے کی تفسیر ہے۔

اس کتاب کا مقصد ثانی دیکھ کر کتبِ تفاسیر اور ان کے مولفین کی وفیات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ سب مفسرین کسی نہ کسی طرح ان طبقات کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ کثرتِ تفاسیر کے باوجود اس فن کی معتبر کتابیں بہت کم ہیں۔ تفسیر میں اصل اعتبار اس بات کا ہے اور وہی تفسیر معتبر ہے جس میں تفسیر کی اہلِ سنت و جماعت کے مذہب کے ساتھ مطابقت ہو۔ نیز احادیثِ صحیحہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام رحمہم اللہ کے اقوالِ ثابتہ، لغاتِ عرب اور وجوہِ اعاریب صحیحہ کی موافقت ہو، وہ تفسیر، تفسیر سے بیگانہ مطالب سے ملی ہوئی نہ ہو اور مفسر اس فن شریف کے دائرے سے نکلا ہوا نہ ہو۔ صحیح تفسیر میں بس اتنی ہی چیزیں معتبر ہیں۔

⑥ صدیق بن حسن علی قنوجی بخاری رحمہ اللہ۔ یہ قنوج کی طرف منسوب ہیں، جو دوآب کے درمیان ہندوستان کا ایک علاقہ ہے۔ یہ سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں فتح ہوا اور بخاری مشہور شہر کی طرف نسبت ہے۔ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ اسی شہر کے رہنے والے تھے۔ موصوف اگرچہ مفسرین اور محدثین میں سے تو نہیں ہیں، لیکن اپنے آپ کو ان کے دامن سے وابستہ کیے ہوئے ہیں۔ وہ ان کی گل زمین میں سبزۂ بیگانہ کی طرح اگا ہوا ہے۔ موصوف نے اپنے تفصیلی حالاتِ زندگی اپنی کتاب "الحطه" اور "إتحاف النبلاء" میں لکھے ہیں۔ موصوف کی ولادت انیس (۱۹) جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ علاقہ بانس بریلی میں ہوئی اور وطن مالوف یعنی شہر قنوج میں اپنی مہربان ماں کی آغوش میں نشو و نما پائی۔ وہ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہو گیا۔ شعور کی عمر کو پہنچ کر علم و فضل کے حصول کے لیے باہر نکلا۔ علومِ متداولہ اور فنونِ رسمیہ کی تحصیل کے

بعد فاتحۂ فراغ پڑھی۔ مشیتِ الٰہی کے ساتھ علومِ کتاب و سنت کے محاسن اس کے خیال کے خانے میں بیٹھ گئے اور وہ تمام عقلی فنون سے بیزار ہو گیا۔ سننِ نبویہ کے دسترخوان سے ٹکڑا حاصل کیا اور علمِ حدیث و تفسیر کے خدام کی لڑی میں منسلک ہو کر ان کا حلقہ بگوش بن گیا۔ ہندوستان اور عربستان کے مشائخِ علومِ قرآن و حدیث سے سند و اجازتِ روایت حاصل کی۔ آغاز میں فنونِ رسمیہ کی ان بہت سی تالیفات کو طلب کیا، جو معاصرین کی فضیلت کا سرمایہ ہیں، چوں کہ ان میں سے اکثر تالیفات اس بندے کی نگاہ میں پایہ اعتبار سے گر گئیں۔ چناں چہ اس نے ان میں سے بعض چیزوں کو ختم کر کے اور بعض کو باقی رکھ کر ان کو درست کیا۔ مذکورہ تالیف کے ساتھ ساتھ بندے نے اپنے لیے اور اپنی اولاد و احباب کے لیے کتب اور رسائل تالیف کیے، جن میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

①إفادة الشيوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ ②إتحاف النبلاء المتقين بإحياء مآثر الفقهاء المحدثين ③الانتقاد الرجيح في شرح الاعتقاد الصحيح ④الإدراك لتخريج أحاديث رد الإشراك ⑤الاحتواء علىٰ مسئلة الاستواء ⑥ إكسير في أصول التفسير ⑦بغية الرائد في شرح العقائد ⑧الجنة في الأسوة الحسنة بالسنة ⑨الحطة بذكر الصحاح الستة ⑩حصول المأمول من علم الأصول ⑪الحرز المكنون من لفظ المعصوم المامون. اس کتاب میں چالیس (۴۰) متواتر روایات ذکر کی گئی ہیں ⑫رحلة الصديق إلى البيت العتيق. یہ کتاب فریضۂ حج کے مناسک پر تالیف کی گئی ہے ⑬الروضة الندية في شرح الدرر البهية ⑭فتح المغيث بفقه الحديث، یہ "الدرر البهية" کا اردو ترجمہ ہے۔ ⑮فتح البيان في مقاصد القرآن، یہ علمِ تفسیر پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے۔ ⑯قطف الثمر في بيان عقيدة أهل الأثر ⑰قصد السبيل إلىٰ ذم الكلام والتأويل ⑱مثير ساكن الغرام إلىٰ روضات دار السلام ⑲مسك الختام في شرح بلوغ المرام ⑳نيل المرام من آيات الأحكام.

مذکورہ بالا تمام کتب و رسائل بحمد اللہ تعالیٰ طبع ہو کر اہلِ علم و اتباع کے ہاں مقبول ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کتاب اور رسالہ ان تحقیقاتِ فائقہ اور تنقیحاتِ لائقہ سے بھرپور ہے، جو معاصرین

کی تصانیف میں نہیں مل سکتے، لیکن دوسری طرف تعصب اور حسد کے مفاسد اور خرابیاں بھی بے شمار ہیں۔ چوں کہ چشمۂ فیض کسی خاص فرد میں منحصر نہیں اور افادے کا سلسلہ برابر جاری و ساری ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے امت کے بعض افراد اور ملت کے بعض اشخاص کو بعض فضائل کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ بعض کو رتبۂ اجتہاد، بعض کو تحقیق اور بعض کو منصبِ تطبیق وغیرہ سے نوازا اور بعض کو تجدید دین کے منصب پر سرفراز کیا ہے۔ اس نے اپنے اس بندۂ ناچیز کو اپنے خاص لطف و کرم سے سنتِ صحیحہ کی شریعتِ حقہ کے ابواب میں تدوین کی توفیق عطا فرمائی۔ معلوم نہیں کہ کسی نے خاص طور پر ملکِ ہندوستان میں اس نہجِ بدیع اور اسلوبِ لطیف پر اس کام کو سرانجام دیا ہو یا اس سے مضبوط تر بات کی ہو۔ جس کسی کو اس بات میں شک و شبہہ ہو، اس سے کہہ دو کہ وہ بندے کی تالیفات کا دیگر تصنیفات کے ساتھ موزانہ کرے، اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ دوسری تصنیفات تمام تر جد و جہد کے باوجود اس فن کے عشرِ عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتی ہیں۔ خاص طور پر قدماے اہلِ سنت کے عقائد کو بندے نے ازروے دلائل اور حجج صحیحہ معقولیوں کے خس و خاشاک سے پاک کیا ہے۔

اکتسابِ علم، استحصالِ عمل اور تصحیحِ عقائد میں راقم الحروف کی روش اور طریقہ بالکل محدثین کا سا طریقہ ہے، جنھوں نے فقہ اور حدیث کو جمع کیا ہے۔ بندے نے ہر ایاب و ذہاب میں سلفِ امت اور ان کے ائمہ کے طریقے کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ اہلِ سنت و جماعت کے مذاہب کی کتب کو کسی خاص مذہب کی تقیید اور مخصوص مجتہد کی تقلید کے بغیر دیکھنے کو اپنا پسندیدہ شیوہ بنایا ہے، لہٰذا جو کچھ کتاب و سنت کے موافق ہے، وہ قابلِ قبول ہے اور جو کچھ اس کے خلاف ہے، وہ لائقِ رد ہے۔ و باللّٰه التوفیق.

اس کے بعد بندے کو ۱۲۸۵ھ میں فریضہ حج ادا کرنے اور زیارتِ خیر الانام ﷺ کی توفیق ملی۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے محض اپنے لطف و کرم سے اس پر کامیابیوں کے دروازے کھول دیے اور اپنے بندوں کے ایک جمِ غفیر کی مصالح کا کام اس کے سپرد کر دیا۔ آج کل بندہ ریاست بھوپال میں مقیم ہے اور اللہ ذوالجلال والاکرام کی لا متناہی مہربانیوں میں گھرا ہوا ہے۔ لا أحصی ثناءا علیك، أنت کما أثنیت علی نفسك.

آپ نے قرآن مجید میں ﴿اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی۝

﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى﴾ تو پڑھا ہی ہوگا۔ یہ آیات بعینہ میرے احوال کی تفسیر ہیں اور فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ میری گذشتہ بات کی شرح ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سعادت کی کچھ قسمیں ہیں: ایک سعادت سعادتِ نفسانی ہے۔ یہ سعادت دائمی نشاطِ قلب، انبساطِ خاطر اور عدمِ تشویشِ باطن سے عبارت ہے۔ دوسری قسم کی سعادت صحتِ بدن، عافیت اور تندرستی سے ظاہر ہوتی ہے۔ سعادت کی ایک قسم یہ ہے کہ اسبابِ معاش اس طرح سے مہیا ہوں کہ بندہ تنگوں اور سختیوں سے تشویش ناک نہ ہو اور سنگیوں اور ہم جولیوں میں باعزت طریقے سے زندگی گزارے اور ایک قسم سعادت کی یہ ہے کہ بندے کی نسل اور اس کے نسب کو باقی رکھنے والی اولاد میسر ہو۔ ایک سعادت یہ ہے کہ آدمی کو اتنا مال اور جاہ وحشم مہیا ہو، جس سے اس کی ظاہری عزت وعظمت وابستہ ہے۔ جب بندے کو مذکورہ بالا تمام سعادتیں میسر ہونا ممکن نہ ہو تو ان میں سے جس قسم کی بھی سعادت نصیب ہو جائے، اس کو غنیمت جاننا چاہیے اور اس کو چاہیے کہ اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے اور اس سعادت بخشِ حقیقی کا ممنون واحسان مند رہے۔ انتہیٰ۔

الحمد للّٰه تبارك و تعالیٰ یہ تمام سعادتیں اس بندہ حقیر میں بہ درجہ کمال موجود ہیں۔ چناں چہ بندے کو صالح اولاد، اموالِ حلال، جاہ وحشم وخدم، انواعِ عزت وعظمت، صحتِ بدن، ہاتھ، پاؤں، کان اور آنکھیں وغیرہ اعضا وجوارح کی تندرستی اور اس جیسی بے شمار نعمتوں اور سعادتوں کا وافر حصہ نصیب ہوا ہے۔

وَلَوْ أَنَّ لِيْ فِيْ كُلِّ مَنْبَتِ شَعْرَةٍ   لِسَانًا لَمَا اسْتَوْفَيْتُ وَاجِبَ حَمْدِهٖ

[اگر میرے ہر بال پر ایک زبان ہو (اور وہ اس مالکِ ارض وسما کی تسبیح خواں ہو) پھر بھی میں اس کی واجب ولازم حمد کا پورا حق ادا نہیں کر سکتا]

بندہ باری تعالیٰ کی حضرت جناب سے امید رکھتا ہے، جس کی عظمت وشان بہت بلند اور جس کی نعمتوں کا سلسلہ بہت دراز ہے کہ وہ بندے کی اس دنیاوی سعادت کو اخروی سعادت کے ساتھ ملا دے گا۔ جس طرح وہ اس عارضی قیام گاہ میں اس بندۂ شرمندہ کی جملہ حاجات کا کفیل وضامن رہا ہے، آخرت میں بھی وہ اپنی رحمت، فضل اور مغفرت کے ساتھ عواطفِ کریمانہ اور مراحمِ شاہانہ میں شامل

فرمائے گا اور درکاتِ جحیم، عذابِ نار، عرصۂ قیامت کے تبعات، اہوالِ ساعت اور شدائدِ مواقف سے رہائی بخشے گا۔ وما ذلك على الله بعزيز.

وہ بندے کو اس دار فانی سے اپنی مرضی کے مطابق ایمان صحیح اور اسلامِ صریح کے ساتھ عالم جاودانی کی طرف لے جائے۔ عالمِ برزخ میں منکر ونکیر کے سوال و جواب اور وہاں کے دیگر حالات میں استقامت و ثبات مرحمت فرمائے اور میرے ان ضعیف و ناتواں بیٹوں کو جو بندوں میں سے کم ترین اور رسولِ انس و جان ﷺ کے پیروکاروں میں شامل ہیں، زمانوں کے ہر الٹ پھیر، آفات وحوادثِ دوراں اور دواہیِ جہان سے محفوظ رکھے اور اپنے شامل لطف وکرم کے ساتھ ان کو محفوظ کرے۔ ان کو علمِ نافع، عملِ صالح، اتباعِ سنت اور بدعت سے اجتناب کی توفیق بخشے۔ ان کے طین و دین کے خمیر میں جو انتسابِ نبوت ہے، اس کو نسل کی بقا تک، جس کی انتہائی مدت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ہر طبقے میں اسے ان سے جدا نہ کرے۔ وہ یسر وعسر اور دنیا فانی کی زیب و زینت کو ان کی رسم وطبع کا حجاب نہ بنائے۔

اب جب کہ بندہ اپنی حیاتِ عمر اور عمرِ فانی کی پانچویں دہائی میں قدم رکھ چکا ہے؛ باقی ماندہ زندگی اگر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کے احسانات پر مدح سرائی کرتے ہوئے اور یہ بے اساس انفاس اگر اس کے کلامِ قدیم اور کتابِ حکیم کے مطالعہ میں بسر ہو جائے تو زہے سعادت!

تفسیر "فتح البيان في مقاصد القرآن" کا مسودہ جو اس ہیچ مداں کی افضل واحسن تالیف ہے، ۱۲۸۹ھ کے اواخر میں آٹھ ماہ کی مدت کے اندر تیار ہوا۔ اس پر بہت زیادہ محنت اور جدوجہد ہوئی اور ۱۲۹۰ھ کے اوائل میں اس پر نظرِ ثانی کی اور محو و اثبات کی نوبت آئی۔ اس تفسیر کی تکمیل کی ساری مدت ایک سال سے زیادہ نہیں ہے۔ اس قلیل مدت میں اس عملِ جلیل اور امرِ جمیل کا سرانجام ہونا محض لطفِ الٰہی ہی سے ممکن ہے۔ میں اس بات کا امید وار ہوں کہ اس حقیر سی خدمت کی برکت سے آخرت کی بخشش کے لائق بن جاؤں اور جب تک اس بدن خاکی میں روح باقی ہے، جس کی مقدار اللہ ہی جانتا ہے، میں اس کی توفیق سے طاعات، مبرات اور حسنات میں، جو باقیات صالحات ہیں، مگن رہوں۔ رب أنت ولي في الدنيا والآخرة توفني مسلما وألحقني بالصالحين، واجعل لي لسان صدق في الآخرين.

اس کے ساتھ ہی ہماری طے شدہ بات مکمل ہوئی اور ہمارا کیا ہوا وعدہ پورا ہوا۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ اس کتاب کے ہر باب میں علمِ تفسیر کا ایک منفرد منہج بیان ہوا ہے اور اس میں وہ قواعد وفوائد ذکر ہوئے ہیں، جو اچھوتے اور بے مثل ہیں۔ بہ ہرحال میں اس سلسلے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے انتہائی عاجزی وانکساری کا اظہار کرتا ہوں، جس نے میری اس کاوش کو قبول عام عطا کیا۔ نیز میں اس سے اس بات کا طالب ہوں کہ میں نے بعض کتابوں اور مولفین پر جو کلام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے۔ وہی اللہ ایسا قبول کرنے والا ہے، جو اپنی طرف قصد ورجوع کرنے والوں کی دعا رد نہیں کرتا اور نہ مفسدین کے عمل کو وہ درست کرتا ہے۔

یہ کتاب ''دار الرياسة العلية بهوپال الحمية" حماها الله من كل آفة وبلية۔ میں جمادی الأولیٰ کے آخر میں ۱۲۹۰ھ میں مکمل ہوئی۔ اس سنہ کا آغاز اس نبی ﷺ کی ہجرت سے ہوتا ہے جس کو اللہ نے اجملِ لغت اور اکملِ وصف پر پیدا کیا۔ صلى الله عليه وعلىٰ آله والصحابة وجميع حملة علومه من أمة الإجابة ما تسابقت في ميدان الصحف جياد الأقلام و أحرز أرباب البلاغة والبيان قصب السبق في حسن البدء والختام.

ذيل الخاتمة

تفسیر "فتح البیان في مقاصد القرآن" کا ذکر اس کتاب میں کئی مرتبہ ہو چکا ہے۔ اس کی تالیف کا سال ۱۲۸۹ھ ہے۔ اس تفسیر کی دار الامارۃ بھوپال میں طبع کا سال ۱۲۹۰ھ ہے۔ اہلِ علم و احباب نے ان پر دو سالوں کی تاریخیں تحریر کی ہیں۔ ان تواریخ کو، جو فارسی زبان میں لکھی گئی تھیں، عربی تفسیر کے آخر پر لگانا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ اسی لیے اس کتاب، جو احوالِ علمِ تفسیر اور احوالِ کتبِ تفسیر پر مشتمل ہے، کے خاتمے کے ذیل میں ان کو درج کر دیا گیا ہے۔ نیز مذکورہ تفسیر کی عربی تقریظ کو بھی اس موضوع کی منتشر چیزوں کو جمع کرنے کی غرض سے اس جگہ کتاب کا ضمیمہ بنا کر درج کر دیا گیا ہے۔ اس خاتمے کے ذیل میں اس کتاب کی طبع کے ختم ہونے کی تاریخ کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ پس وہ تواریخ و سنین جو تفسیر موصوف کی تالیف پر لکھی گئی ہیں، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

پہلی: "ذلك الكتاب عجیب" دوسری: ہمایوں باد تفسیر ہدایت۔ تیسری: چہ کشافِ رموز و سر قرآنی۔ چوتھی: مرآتِ رموزِ لوحِ قرآن۔ پانچویں: تفسیر فرقان محکم۔ چھٹی: تفسیرِ فرقان حق۔ ساتویں: خزینۂ تحقیق۔ آٹھویں: تفسیر فصیح قرآن۔ دسویں: چہ نیک آغاز بود و نیک انجام۔ گیارھویں: "أبین البیان تفسیر القرآن. بارھویں: کامل بود تاج التفاسیر۔ تیرھویں: "هو كتاب ينطق بالحق والثواب" چودھویں: مصحف تفسیر صدیق حسن۔ یہ مادہ حضرت مدار المہام محمد جمال الدین خاں صاحب رحمہ اللہ بہادر نائب ریاست بھوپال کی فکر کا نتیجہ ہے۔ پندرھویں: چہ تفسیر حسن زیبا شد انجام، یہ مادہ جناب رئیسہ معظّمہ نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کا تحریر کردہ ہے۔ سولھویں: "وتفصیل كل شيئ ورحمة" یہ سید محمد سورتی مہتمم مساجد ریاستِ بھوپال کی فکر خاطر ہے۔ سترھویں: "أتمه بالخیر" یہ مولوی ذوالفقار احمد نقوی بھوپالی رحمہ اللہ کی سوچ کا نتیجہ ہے۔

منشی احمد علی احمد رحمہ اللہ نے اس پر فارسی مصرعے تعلیق فرمائے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

نظم

این سہی سرو باغ آل نبی ۔۔۔ کہ نظیر خودش خود اوست نہ غیر

[وہ آلِ نبی کے باغ کا سیدھا سرو ہے، وہ اپنی نظیر خود آپ ہی ہے، کوئی اور نہیں ہے]

در فصاحت مکانتے دارد ۔۔۔ کہ برآن پر زدن نیارد طیر

[وہ فصاحت میں ایسا مقام رکھتا ہے، جس سے اوپر کوئی پرندہ بھی پر نہیں مارتا]

ابد الدہر در جہان باشد ۔۔۔ حق نگہدارش مدام بخیر

[وہ (تفسیر فتح البیان) دنیا میں ہمیشہ باقی رہے، حق تعالیٰ ہمیشہ خیر کے ساتھ اس کی حفاظت کرے]

در وفاقش ہمہ رفاہ و فلاح ۔۔۔ در خلافش ہمہ مصائب و خیر

[اس کے ساتھ موافقت کرنے میں ہر قسم کی رفاہ و فلاح ہے اور اس کے خلاف میں تمام مصائب و شدائد ہیں]

قصد تفسیر کرد قرآن را ۔۔۔ قدم از سر نمود اندر سیر

[انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر کرنے کا قصد و ارادہ کیا اور اپنے اس ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا]

حسن آغاز بین در انجام ۔۔۔ گفت ہاتف اتمہ بالخیر

[اس کا حسن آغاز اتنا واضح ہے کہ اس کے انجام کے بارے میں ہاتف (غیبی) پکارا کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو]

اٹھارویں: مولوی علی عباس چڑیا کوٹی کی تاریخ ہے:

قطعہ

فسر النواب عالي الجاه من فاق في التفسير أبناءَ الزمن

[نواب عالی جاہ نے قرآن مجید کی ایسی تفسیر کی کہ وہ اس تفسیر میں اپنے معاصرین سے فائق ہو گئے]

من كلام الله رب العالمين كُلَّ خافٍ قد تواری واكتمن

[انھوں نے اللہ رب العالمین کے کلام کی ہر مخفی پوشیدہ اور چھپی ہوئی بات کی تفسیر کی]

قلت في تاريخه مستبشرا أفوق تفسير صديق الحسن

[میں اس کی تاریخ میں خوشی خوشی یہ کہتا ہوں کہ سب سے فائق تفسیر، صدیق الحسن کی تفسیر ہے]

اس کی آغازِ طبع کے سال کی تواریخ میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(۱) تفسیر الثواب (۲) گلشنِ فیض (۳) کشفِ فیض (۴) طورِ معنی رشادت (۵) شرح التفاسیر۔

اس تفسیر کی تقاریظ میں سے ایک وہ نثر اور نظم ہے، جس میں کمال فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ یہ قاضی طلا محمد پشاوری رحمہ اللہ کی فکرِ صائب کا نتیجہ ہے، جو انھوں نے تفسیر کے خاتمے پر پشاور سے بھوپال بھیجی تھی۔ وہ نثر و نظم درج ذیل ہیں:

نثر

أطيب حمد يفوح أزهاره على صفحات العقول، وأعجب شكر يتكفل أنواره لتفريح القلب الكمد المبتول، يحكي ريا رياضه الزاهرات:

ـــہ نسيم الصبا جاءت بريا القرنفل

ويثني عنان العمر الآبق ويجمع بين المشوق والشائق:

ـــہ بسقط اللوى بين الدخول وحومل

وتحيات يروق يسمها ولم يعف رسمها:

ـــہ لِمَا نسجتها من جنوب وشمال

تتضمن لمدائح ومحامد كقطع من رياض ممطورة رُباها:

ـــہ غذاها نمير الماء غير محلل

لله الذي فتح خزائن القرآن، بمفاتيح السنة أهل الفضل والبيان، وأشرق نوره اللماع على قلوب أهل التوحيد والاتباع بالمنح والإحسان، والصلاة والسلام على بركة الظهور والنور علىٰ النور والأب الروحاني، والكاشف عن قناع المعاني، والبدر الساطع على الحقيقة الإنساني، محمد الاسم محمود الرسم المبعوث بالحق المبين، الذي أرسله الله رحمة للعالمين، عليه من الصلوات أفضلها ومن التحيات أكملها، وعلىٰ آله الطيبين الطاهرين الذين فروا من الجاهلية البدوية إلى عمران العلوم الروحانية، ونصروا هذه الملة البرية بالكتاب العزيز والسنة السنية، هم المنزهون عن الإنكار والمقتفون بالآثار.

أما بعد! فيا أسفى على زوال رسوم الدين وانغمار مياه اليقين، فها أنا مغتم بالحسرة، مهموم بمجئي زبان كرنان الفترة، أسلّي نفسي عن الأسف، وأدفع وحشتي لذهاب العلم والعلماء ورفع أهل البدع والأهواء بما قاله ابن المشرف.

لئن كنت في دار عن الألف نازحا غريبا فدين الله في الأرض أغرب

وإن ذوي الإيمان والعلم والنهىٰ هم الغرباء طوبىٰ لهم ما تغربوا

أناس قليل صالحون بأمةٍ كثيرين لكن بالضلالة أشربوا

وكم أصلحوا ما أفسد الناس بالهوىٰ من السنة الغرّا فطابوا وطيبوا

وقد حذّر المختار عن كل بدعةٍ وقام بذا فوق المنابر يخطب

فقال عليكم باتباعي وسنتي فعضوا عليها بالنواجذ وارغبوا

وإياكم والابتداع فإنه ضلال وفي نار الجحيم يكبكب

وكم حدثت بعد الرسول حوادث ... يكاد بها نور الشريعة يسلب
وكم بدعةٍ شنعاء وإن به الورى ... وكم سنةٍ مهجورة تُتَجَنَّب
لذا أصبح المعروف في الأرض منكراً ... وذو النكر معروف إليهم محبب
وما ذاك إلا لاندارس معالم ... من العلم إذ مات الهداة وغيبوا
فخير الأمور السالفات على الهدىٰ ... وشر الأمور المحدثات فجنبوا
وما العلم إلا من كتابٍ وسنةٍ ... وغيرهما جهل صريح مركب

إذ سرني اختتام تفسير عزيز، وسفر بليغ، تضمن علىٰ مطالب منعت، واحتوى علىٰ مقاصد لم يرها عين، ولا أذن بمثلها سمعت، الذي أرخته بالفوز الكبير في لب التفسير.

لنا من نوره في كل حين ... ضياء لا تغيره الدهور
دع الأقمار تخبوا أو تنيروا ... لنا بدر تزل له البدور

على يد من ذل له البيان، فصار له عبيدا، يجيب إذا ناداه، وملك له المرام سهما صيب إذا رماه ذليق أفحم العدل وجمع البأس والندى، واطلع على الدنيا بدر الهدىٰ، السيد السند الذي لم يلهه التكاثر نواب والا جاه أمير الملك سيد محمد صديق حسن خان بهادر أدام اللّٰه إقباله، وضاعف إجلاله، وهذه عدة أبيات أنشدتها في شأنه شاكرا لجزيل إحسانه وامتنانه:

روّح بأخبار سلمى حاق نادينا ... فيا رفيقي حديث الغير يؤذينا
واصرف همومي بذكر من شمائلها ... وانشد بأوصافها شعرا يسلّينا
وغنّ لي باسمها وافصح محامدها ... فذكرها في غمار الموت يحيينا
تكاد أرواحنا تنقض خاشعةً ... إذا تغني بذكراها مغنينا
لو ذقت طعم الهوى يا صاح ما هجعتْ ... عيناك حزنا ولا لمتَ المحبينا
لو كنت ناظرها أمسيت مكتئبا ... لهفان ندمان عما قلته فينا
يا عاذلي في الهوي إن الهوى عجب ... يميتنا الهجر، والتلقاء يحيينا

يا جارتي لاتهيجي لوعتي أسفا بالله في غمرة الأشجان خلينا
حييتمو يا أهيل الحي مكرمةً ما بال سلمى وماذا لا تحيينا
حذلاء ربحلة هيفاء خرعبة تحكي من الخز في أعضائها لينا
في جنة الخلد لو فزت المرام إذن لا تلتقي مثلها حوراً ولا عينا
جلت وجاءت بحسن غير مشتبه فكل حسن سواها لا يسلينا
كم من ضرار حملنا فيك مجترأ وأنت يا نور عيني لا تبالينا
أصبحتِ يا ظبية الأتراك نافرة ولم تراعي حقوقا كنت ترعينا
ونحن حرقىٰ بنار لا انتفاء لها وشربة من لُمّاك العذب تشفينا
فإن حرمنا لذيذ الوصل في كمدٍ يا سلوة القلب طيف منك يكفينا
ما أغبر الله صدغاً من شمائمها أهدت لنا الريح ريحانا ونسرينا
أهلا لفاختة صاحت فما برحت ألحان شجوتها بالحزن تشجينا
أما الحمام فزاد الله لوعته فيا له بحنين الشوق يبكينا
لا ضير فينا ولا تخشى الملام وإن أهل الجفا في الهوى العذرى يذرينا
الحب طورا كنارٍ في تضرمه فذاك يا صاح يورينا ويصلينا
وتارة مثل ماء بارد عذب يشفي بسلساله الشافي ويروينا
كم يا طلا شاغلا في اللهو مغتزلا هيهات هيهات قد جاوزت خمسينا
الحمد لله لا جاهٌ ولا لبِدٌ في مكمن السر نحميه ويغوينا
لنا العلوم العوالي والهيام به فذاك في قسمة الجبار يرضينا
أصل القناعة بحر لا نفاد له فغرفة منه في الأزمان تكفينا
الله يشهد أن الصدق شيمتنا ولو أخو البدع أضحى كاشحا فينا
إن الفتىٰ من يراعي حق خالقه وتم حق رسول الله هادينا
خير الهدى قول من راقى السماء ومن سماه رب السماء طه ويٰسينا
محمد سيد السادات قاطبة من فاق في العز والقدر النبيينا

روحي الفداء لأصحاب الحديث هموا	خيار أهل الهدى عزا وتمكينا
كفاك شغل أحاديث النبي عملا	في يوم تحضر للقسط الموازينا
لنا ولوع وحرص في تداولها	حتىٰ أولو البدع سمونا مجانينا
لكننا حين نلقاهم نقول لهم	نعوذ باللّٰه ألفينا الشياطينا
فمن لدنهم جيوش الزور إذ هجمت	يريك بالظلم يرموكا وصفينا
علم الحديث لنا في كل داهية	ترس إذا حادث الأيام يرمينا
أنبتغي لأحاديث النبي بدلا	كلا وإن قطعت منا هوادينا
للّٰه درفتى شق الظلام لنا	وبيّن الحق والتوحيد تبيينا
صديقنا الحسن السامي إمام هدى	أعزه اللّٰه إجلالا وتمكينا
فهوالذي عن فجاج البدع أنقذنا	وهوالذي عن صراح الحق ينهينا
لما تجلت بأقصى الهند فكرته	تضوع المسك منها في بوادينا
حن الفؤاد إلى لقيائه شغفا	يا جندا يوم ننجو من تنائينا
وإن تكن ظمئت نفسي لرؤيته	فإن صدق رجائي فيه يروينا
ما إن هممت بسفر من مهارقه	إلا وجدت لقلبي فيه تسكينا
اللّٰه ربي بألطاف مكرمة	في أرغد العيش يبقيه يهدينا
قد أنصح الحق في تفسيره علينا	ودوّن الشرع والإسلام تدوينا
سفر بليغ أنيق جامع زلق	بحيث عن كل ما قد خط يغنينا
هذا الكتاب الذي يحلو مباحثه	هذا الكتاب الذي فحواه يحمينا
هذا الكتاب الذي عمت فوائده	لا ضير لوجبتَ في تحصيله صينا
هذا الكتاب الذي في الصدق جوهرة	وزينته جمان العلم تزيينا
هذا الكتاب الذي يروي الغليل به	لم يصطبر منه أرباب النهىٰ حينا
هذا الكتاب الذي نرجو النجاة به	ونحتوي من مطاوية أفانينا
للّٰه درّك في ذا السفر يا ثقتي	إذا قرأنا وجدنا فيه ماشينا

ما إن ذكرناك في سر وفي علن إلا وذكرك بالأفراح يهدينا
ما إن قرآنا كتابا منك فيه هدى إلا وهجرك يؤذينا ويرينا
أضحت رياض الهدىٰ فيكم مخضرة فابعث لأرواحنا منها رياحينا
الله يرحمكم يوم الجزاء لقد تفجر العلم منكم في نواحينا
لم نعتقد بعدكم فردا أخا ثقة عزما ولم نتقلد غيركم دينا
تالله يا سادتي! لا نبتغي عوضا عنكم ولا طمست فيكم أمانينا
يعينك الحق من قول السماء إذا غر النفائس ترويدا وتمليدا
أعلاك رب العلىٰ قدرا ومنزلة ويرحم الله عبدا قال آمينا

انتهىٰ كلامه وتم مرامه.

جب یہ کتاب "إكسير في أصول التفسير" ختم ہوگئی تو ساتھ ہی رسالہ "اقتراب الساعة" کے مسودے کو بیاض کی کڑی میں پرو کر تیار کر دیا گیا۔ اس میں بہت سی کتر بیونت اور اثبات کے ساتھ دوسرا نقش اور مبیضہ پہلے سے بہت بہتر ہوگیا اور اس کا تاریخی نام "حجج الكرامة في آثار القيامة" مقرر ہوا۔ اس کا ایک اور نام "جمع الغاية في البدء والنهاية" ہے۔ میں حق سبحانہ و تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ ان باقیات صالحات کو ان کے مولف کے دنیا سے چلے جانے کے بعد تادیر باقی رکھے گا، اپنی مقدس جناب میں اسے شرفِ قبولیت بخشے گا، بہت سے اجر وثواب سے نوازے گا، اسے کامران اور شرف یاب بنائے گا اور اسے حاسدوں کے حسد سے اور مبتدعین کی ملامت سے دور رکھے گا۔

اس وقت یہ سنا گیا کہ بعض اہلِ مدارس اس دور افتادہ دور میں صفاتِ الٰہیہ کو ان کے ظاہر پر جاری کرنے جیسے مسائل کی اشاعت کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ اس بات کو نہیں جانتے تھے کہ "الاحتواء في مسئلة الاستواء"، "الانتقاد الرجيح بشرح الاعتقاد الصحيح"، "بغية الرائد" اور اس طرح کی دیگر کتب ان مسائل ساطعہ کے دلائلِ قاطعہ پر مشتمل ہیں۔ کتابوں کا انداز کچھ ایسا ہے کہ ہر ماہر عارف اور متبع سنت کے لیے ان کے اندر ذکر کردہ دلائل کو قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

بعض اشخاص نے حسبِ استبداد سات آسمانوں اور سات زمینوں کے بارے میں فتویٰ لکھا تھا اور اسے مطبع اسدی میں دیگر متداول فتاویٰ کا ضمیمہ بنا دیا اور اس جیسے فتوے کے وجود کی یوں خاتم الانبیا کی طرح نفی کی۔ جب کہ اس مسئلے میں حق یہ ہے کہ قدرتِ الٰہی کے عموم و شمول کے پیشِ نظر ملائکہ، مقربین اور انبیاے مرسلین آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے امثال کے وجود کا امکان موجود ہے۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق کہ اس نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو خاتم النبیین قرار دیا ہے، خارج میں غیر مرجو ہے۔ زمین کے سات طبقے ہونا اور ان طبقات میں خلقت کا نہ ہونا ایک مسئلہ ہے اور خاتم الانبیاء کے اوصافِ کمالیہ میں مثلیت کے امکان کی نفی ایک دوسرا مسئلہ ہے۔

غرض کہ اہلِ حق اور اربابِ علم کامل کو، معاصرت اصلِ منافرت کے پیشِ نظر، مفتریوں کے جھوٹ سے، جھوٹوں کے افتراء سے، جاہلوں کے طعن سے، مبتدعین کے انتحال سے اور باطل پرستوں کے طعن و تشنیع سے کبھی چھٹکارا ملا ہے نہ ملے گا، حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے اور ہر اہلِ عقیدۂ فاسد اور اہلِ عمل کاسد تمام اقوال و افعال کی جزا کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور یہ معلوم کر لے گا کہ حق پر کون تھا اور باطل پر کون تھا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ [الشعراء: ٢٢٧]

[عنقریب وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا، جان لیں گے کہ وہ لوٹنے کی کونسی جگہ لوٹ کا جائیں گے]

ستعلم ليلىٰ أي دين تداينت وأي غريم في التقاضي غريمها

[لیلیٰ جلد ہی جان لے گی کہ اس نے کس قسم کے قرض کا لین دین کیا ہے اور اس سے قرض کا تقاضا کرنے والا کس قسم کا قرض خواہ ہے]

آمدم برسرِ مطلب! منشی احمد علی احمد رحمہ اللہ نے اس رسالے "إكسير في أصول التفسير" کے ختمِ طبع کی تاریخ کیا لکھی ہے، موتی پروئے ہیں۔ یہاں خاتمے کے اختتام پر اس کا ذکر کرنا مجھے بھلا معلوم ہوا۔

پاکیزہ سخن از من مسکین بشنو نادر گہری دارم و از من بہ پذیر

جہدی کن و از علم نصیبی بردار دستی زن و زین مائدہ زادی برگیر

مارا کہ محل قدس منزل گاہست زیبا نبود برائے دنیا تاثیر

یک روز ازین جہان سفر باید کرد ہر چند کہ در دہر تو باشی تا دیر

غافل منشین کار بفردا مفگن امروز بکن بساز وبرگی تدبیر

درحکم خداوند نگنجد اہمال در طاعتِ معبود نزیبد تقصیر

افسوس صد افسوس نخواندنِ قرآن افسوس صد افسوس ندیدن تفسیر

دریاب کہ این وقت نیابی دیگر برخیز پیش ست ترا امر خطیر

ابن نفس مریض را علاجے فرما زین نسخہ کہ کردہ اند نامش اکسیر

دانی چہ کس ست کہ این نسخہ ازوست فخر سلف و تاج خلف مہر منیر

در راہ و روش جد خودش را مانا در خلق حسن خلق حسن را تصویر

صدیق حسن ابن حسن ابن علی لا زال مصون باد بالطاف قدیر

کردم چو سوال سال طبعش از دل فرمود کہ ۱۲۹۱ھ مشیع باصول تفسیر

والحمد للہ أوّلا وآخرا وظاہرا وباطنا۔

قطعۂ تاریخ اختتام

طبع "إكسير في أصول التفسير" از نتائج فکر مولوی محمد عباس رفعت

شکر صد شکر کہ از عون خدا — طبع شد نسخۂ اکسیر بقا

ہست در علم اصولِ تفسیر — کوکب دری و مصباح منیر

سال ختمش بدلم شد القا — در منثور نگارِ زیبا

این کتاب ست بلا شبہہ و شک — قابلِ حفظ جن وانس و ملک

از تصانیف جنابِ سامی — صاحب المجد امیر نامی

نجل اولاد علی خان قشنگ — نام بردارِ دکن انور جنگ

خلف ارشد اولاد حسن — کہ ازو چشم خرد شد روشن

بہرہ ور خلق ز خلق عامش — میر صدیق حسن خان نامش

نیّر چرخ علوم و حکمت — عقل فعال بفہم و فطنت

ناصرِ ملتِ بیضاوی نبی ﷺ — وارثِ دولتِ تمغاے نبی ﷺ

افسر تارک اقبال و سخا — باذلِ دہر امیر الامرا

لائقِ افسر شاہنشاہے — زینت مسند والا جاہے

جنگِ اوتاب ندارد ضیغم — دم تیغش چو قضاے مبرم

آفتابِ فلکِ فضل و ہنر — رخ او خوب تر از روے قمر

مظہر جود و کرم عدل و سخا — حامیِ دینِ نبی دوسرا

منبع ہمت و جاہِ انجم — در یکدانۂ دریاے کرم

خیر الناس وحیدِ دوران — آسمانِ شرف و عزت و شان

ناشر طیب کرم خلقت او — باد جان بخش جہان ہمت او

ہمتش ہمت حاتم طی کرد ابر بذلش بزمانہ فی کرد
تابود ہفتہ و سال و مہ و روز تا بود نیّر گیتی افروز
تاوزد باد صبا در گلشن تادمد نرگسِ شہلا بچمن
باد دل شاد باقبال وحشم سرورِ دہر امیر اعظم

ادیب اریب جامع الفضائل والسیادۃ مولوی سید نور الحسن صاحب ساکن علی پور چورہ متصل کالپی مدرس مدرسۂ جاگیر وارانِ ریاست بھوپال ۔سلمہ اللّٰہ و أبقاہ و أوصلہ إلیٰ غایۃ متمناہ۔ کی اس کتاب "إکسیر في أصول التفسیر" پر تقریظ ملاحظہ کریں۔

تقریظ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدك یا رحمٰن! أنت علمتنا القرآن ببدائع البدیع وغرائب المباني، وعرفتنا البیان بعظیم المزایا و زیادۃ المعاني، وجعلت قرائحنا خضارۃ تخضر منھا خمائل البراعا سقیت حدائق طروسنا بسلسال أنھار الیراعہ، ونصلي علیك أیھا النبي الأمي! أنت بلغت إلینا تنزیلا، ورتلت القرآن ترتیلا، وأعجزت البواقع عن مجاراتك ومباراتك، وحیرت المصاقع ببلیغ إشاراتك وعباراتك.

قطعہ

محمد أحمد الھادي لأمتہ إلی الصراط صراطِ غیر ملتحد
برٌ رؤف رحیم سیدٌ مسند سھل الفناء رحیب الباع والصفد

أما بعد! فأیھا المقتبس لأنوار العلوم، والمقتفي آثار المنطوق والمفھوم! بشریٰ لك بتقیید شوارد ما قنصتھا أیدي فضلاء الزمان، وتزیین عرائس ﴿لَمْ

﴿يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ﴾، فإنها من سبائك الذهب إكسير، ولمن طلب أصول التفسير خير نصير، حديثها في الفضل مرفوع، وسوق عباراتها كثمر الجنة، لا مقطوع ولا ممنوع، ألفاظها أرق من دمع السحاب، وأطرب من كأس يضحك بثغر الحباب، سطورها قضب، وقوافيها حمام، وسوادها لمدام الأدب مسك الختام.

سحر من اللفظ لو دارت سلافته ... على الزمان تمشي مشية الثمل

ماست إلى مسارحها غزلان الأنظار، ورقعت منها في حدائق ذات بهجة وأنوار، ينبوع عباراتها معين، ولطيف معانيها حور عين، ما تحبرت الأنامل بمثالها، ولم ينسج الناسجون على منوالها.

قطعہ

ما في مجاميع الورى مثله ... ومثله في الدهر لم يوجد

لله مجموع مضامينه ... أبهى من الياقوت والعسجد

كيف لا وقد تصدى لتحبيره من لم تعقد على مثله الخناصر، ولم تحمل بتوأم له بطون الدفاتر، صاحب العلوم والفنون، غيث الإفادة الهتون، جمال الكتب والسير، إمام الحديث والأثر، كلماته مصابيح الأنوار، وذاته مشكاة العلوم والأسرار، سيد عُجِنت طينته بماء المجد والمروءة، وغرست بنعته في ساحة الفضل والفتوة، فرع دوحة مجده قد سما ونما ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ﴾

سراج طريق الحق في غسق الدجى ... أفاد من الأنوار ما ليس ينفد

أحاط بعلم العقل والنقل واغتدى ... كبحر محيط فيه در منضد

إمام الورى نجم الهدى كاشف الدجى ... أبوه رسول العالمين محمد

له جبهة كالشمس يسطع ضوئها وقلب منير فائض متوقد

إذا مس اليراعة سجدت في محاريب القراطيس شكرا، وثملت من مدام مداده سكرا، حبر تكحلت بحبره عيون الفتوىٰ، وبحر تروى المسامع بما عنه يروى

علامة ناقد المعقول متقنه فهامة جامع المنقول محصيه

يا أيها البحر! شنفت المسامع من درّ إلىٰ ساحل القرطاس تلقيه

السيد العالم النحرير حجتنا كم ذا نتيه به تيها علىٰ تيه

حماه مسارح لسوارح الطلب، وبغية من أراد العلم والأدب، يرتحل إليه من كل فج عميق، لحل المعضل وكشف الدقيق، يرفع إليه كل ما لا ينحل، وما أشكل الأفهام ودق وجل، قبلة الأمجاد وكعبة الاجتهاد، عذب الكلمات، حسن الذات والسمات، فصيح البيان سبط البنان، طويل النجاد وسيف اللسان، جواد طليق، وغصن في ساحة المجد عريق، اللطف حشواها به، والفضل لا يلبس غير جلبابه، البحر الطامي، والفاضل السامي، خاتمة المحدثين، إمام المفسرين، زين زمانه، عين أعيانه، ذو الفضل الشامخ والشرف الباذخ المكين علىٰ أرائك الجلاله، والمتكئ على وسائد الايالة، مولى الإمام، البحر الغطمطم القمقام، نواب والا جاه أمير الملك سيد محمد صديق حسن خان صاحب بهادرأدام اللّٰه بالإقبال ووقاه عن عين الكمال.

أمير جليل القدر كان افتخاره بحلة فضل الابتاج مكلل

يمين أولى الإحسان بحر تجوزا ويمناه بالتحقيق أعذب منهل

وما هي إلا نتيجة من نتائج أفكاره، وخزينة من شرائف أسراره، فكم قرّط وشنّف، وألّف و صنّف، وحرر وأفاد، وأحسن وأجاد، وحدّث وأتقن، وهدى وسنن، أظهر الحق وأبان، وما شان وما خان، مهر في الفنون، فأتىٰ في كلها بما تقر به العيون، مس القلم فصار ذا روح وتمشى، وطرّز حلل القراطيس وشى، علم

فضله مشهور، وعلى عاتقي الخافقين منشور.

قطعہ

قد فاق في التصنيف كل معاصر   وغدى مصلى الفضل في الفراسان
شاعت تصانيف له وتفرقت   في جملة الأمصار والبلدان

قطعہ

للّٰه هذا الألمعي فإنه   لعلىٰ ذرى التصنيف أحسن مرتقىٰ
أملىٰ الدفاتر حاز في إملائها   قصب السباق بما به لم يسبق

ومن شاء التفرج في حدائقه، و تنزه في وروده وشقائقه، فليرجع إليها، ويستفد منها، فإنها جنات أعدت للمتقين، و رياض ابتسمت نزهة للناظرين، والآن ألخص الكلام، وأزين الختام، بتاريخ يتضح به سنة تأليف المقرظ عليه، وأتيمن بآية كريمة مؤمية إليه، ﴿وَإِنَّهُ لَكِتَٰبٌ عَزِيزٌ ۝ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ﴾، وقد صنف ذٰلك السفر في دولة المليكة الفخيمة الرئيسة التي آثار مجدها وسيمة صاحب الدولة القاهرة، من خضعت لها القياصرة والأكاسرة، المحتجبة بسرادق الجلال نواب شاه جهان بيگم والية محروسة بوفال ـ خلد اللّٰه ملكها ودولتها وأدام سطوتها وصولتها ـ آمين.

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم

لما تغنّىٰ ساجع الأغصان   هاجت بلابل قلبي الولهان
حَيىّٰ سحاب هاطل روض الحمىٰ   أزرت ببهجة روضة الرضوان
لم أنس عهد المنحنى كنابها   متنزهين بضالها والبان
كنابها في عيشة مرضيّة   بجماعةٍ ماست من الظبيان
الحاظهن لصبهن قواضبٌ   أصداغهن مصائد الإنسان
سافرن منها والمتيّم هائم   وهل السكون لهائم لهفان

كبد الولوع من الهموم مقطع | من النوى فيها لظىٰ نيران
يحكى صدود الغانيات صبابة | ويجاوب الورقاء في الأغصان
جرت الدموع تسلسلا فكأنها | في نحر غانية عقود جمّان
وتصاعدت أنفاسه كنسائم | هبت علىٰ الأزهار في البستان
أحبابنا هل رجعة لشموسنا | وهل النجاء من ابتلاء زمان
وإلى متى سهم الهموم يصيبني | وإلىٰ مَ أسقى جرعة الأحزان
لا مشتكىٰ لمتيّم قاسى الجوىٰ | يشكو كثيرا طارق الحدثان
إلا وليّة أمرنا العظمى التي | سلطانها قد عم في البلدان
سلطانة الدنيا بجملة ما بها | فلذا دعاها الناس شاهجهان
باهت مقانعها بعظم حيائها | وتفاخرت شرفا علىٰ التيجان
ولدى سرادق جاهها وجلالها | خضع الملوك لهم علو مكان
عدلت فصار بقسطها في أرضها | مأوىٰ الليوث مراتع الغزلان
أمرت فذلّت الصعاب بأمرها | قمعت رؤس البغي والعدوان
أعطت فصار بجودها وسخائها | بوفال خير معادن العقيان
جاءت تقرّ بنقصها وقصورها | لقصورها أعلىٰ قصور جنان
لِلّه درّ مرابع قد سوّيت | لِبَناتِها بسبائك العقيان
سوح فسيح باهج حصباؤه | أبهى من الياقوت والمرجان
وتقمّ ساحتها الكريمة حرمة | حوراء بالأهداب والأجفان
وزراؤها كبراء أهل زمانهم | بإصابة الآراء والأذهان
لا سيما بطل كريم باذل | للدولة العلياء من أعوان
ألقابه ألقاب نوابية | ومخاطب بخطاب لفظ الخان
وهو الشبيه بيوسف الصديق في | اسم ورسم صورةٍ ومعان
نواب سامي الفخار مويد الدّ | ين القويم بحضرة الديان

يدعىٰ أمير الملك ذوالجاه الرفيع وكم له من ساطع البرهان
خير السراة ديانةً وأمانة من آل خير الخلق من عدنان
بمعالم التنزيل حبر عارف متفطن لغوامض الفرقان
أخذ الحديث من الكرام ديانةً وحديثه بالحفظ والإتقان
جرح و تعديل وعلم رجاله في كل هذا أعلم الأقران .
متفقهٌ وبكل فقه ماهر وباختلاف أيمة الأديان
بأصول فقه عارف متبحر وأصول تفسير لسبع مثاني
عريف أخلاق وعلم عقائد متفطن لقيافة الإنسان
علم القوافي والعروض حواهما بفصاحةٍ وبلاغةٍ وبيان
حبرٌ أديبٌ لوذعيٌ بارعٌ أدباءَ هذا العصر والأزمان
سامي المدى في ما حواه الفلسفي ومحقق لحقائق الميزان
إحصاء معلوماته قد جل عن وسعي وإن أحصي بكل لساني
وله فضائل جمّةٌ وشرائفٌ مالي بنسج برودهن يدان
خط بهيٌ لاح من أقلامه أشهىٰ من الأزهار في الأردان
وبدي بياض زان بين سطوره كمناهل السلسال لعطشان
شاعت تصانيف له وتفرقت في جملة الأمصار والبلدان
قد فاق في التصنيف كل معاصر ويراعه متسابق الفرسان
وبرشحة الأقلام حين إفادة يروي ويشفي غلّة الظمآن
دار الزمان وما يرى مثلا له هو أوحد الأدوار و الأزمان
قد سار بالأشواق ممتلأً إلىٰ خير البقاع معادن الإيمان
زار النبي الهاشمي وصحبه وسعىٰ وحج البيت ذا الأركان
نور النجابة في سماء جبينه متلالأً كالشمس في الميزان
آباؤه حاذوا الفخار بأسره وحووا فيوض مواهب الرحمٰن

فهم معاشر عظمته سادوا الورىٰ ولهم غني في الفضل عن برهان
ورث الفضائل كابرا عن كابرٍ ووراثة الآباء للولدان
هو بدر تم في شرائف ذاته لكن بدر التم في النقصان
في الفضل بحر ذاخر لكنه ملح أجاج صاحب الطغيان
وهو الملكين علىٰ أرائك ثروة والمحتظي بمناصب الخاقان
قد جاء في حلل المهابة رافلا ترك الحسودا بذلة وهوان
قهر العدا بتمامهم وأبادهم بنكالهم ونكاية الخسران
يوم الوغى كالليث في آجامه يوم الندىٰ كالغيث في التهتان
يهب الجوائز فوق ما خطرت علىٰ قلب الوفود من الرجا وأماني
ما قط يحكى بره متذكرا وعطاؤه بدفاتر النسيان
قد فاق في معنى السخاوة والندى معناً بلسحة نظرة الأمعان
حقت علىٰ المملوك منه مواهب إحصاؤها متعذر بلسان
اللّٰه كرّمه وعظّم جاهه وأدامه بالبر والإحسان
وأعاذه من كل ما لا ينبغي بمفاتح الآيات سبع مثاني
أبقاه رب العالمين مباركا ما عاد عيد الحج بالسلوان
بعريض جاه محمد أنواره ① قد عمت الأرجاء في الأكوان
صلى الإله على النبي وآلهٖ ما دام قلب الصب في الأشجان

قطعہ تاریخ اکسیر

از نابلد جادہ سخن شناسی عبدالعلی مدراسی ۔عفي عنه المعاصي.

ہر چند کہ کیمیا و اکسیر حاصل نشود بدون تقدیر
لیکن طلبش کہ شرط عقل ست بی زور کمان نہ بر جہد تیر

① جاہِ نبی کے ساتھ دعا کرنا سلفِ امت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین رحمہم اللہ کے طریقہ ومنہج کے خلاف ہے۔

یعنی تو مس وجود خود را خواہی چوکنی طلای اکسیر
اکسیر غنای نفس در خواہ از صاحبِ این کتابِ اکسیر
دانی تو کہ صاحبش کدام است نازند بعہد او دساتیر
ہر روز ببار گاہ بذلش بخشند بسائلان دنانیر
بی شبہ کند علاج افلاس از نسخۂ کیمیای تجبیر
نواب امیر ملک وناموش صدیق حسن حقیق تقدیر
علامہ دہر و بحر مواج حلال معاقد تفاسیر
سرخیل محدثین اعلام مقدامِ مفسرین تنویر
عریف و اریب و دانش آموز سر حلقۂ عالمانِ نحریر
بر نوک زبانِ اوست محفوظ قرآن و حدیث و فقہ و تفسیر
پاکیزہ نسب بخاری الاصل از نجل عظام آلِ تطہیر
اکثر کتب و رسائلِ دین از بہر افادہ کردہ تحریر
درچار طرف مصنفاتش چون مہر منیر یافت تنویر
این لافِ مبالغہ مپندار جولان کنم اسپ صدق تقریر
آمد ز سنِ صبا باقبال در بخت جوان و در خرد پیر
تاآنکہ شدہ امیر بھوپال داراد خدا بعز و توقیر
تاریخ تمام طبع اکسیر گفتم کشافِ علمِ تفسیر

۹۱ ۱۲ھ

خاتمہ طبع

قیاس کے پیمانے سے بڑھی ہوئی تعریف اور احساسِ حواس سے بالا دعا و التماس اس قدسی اساس کے لیے سزاوار ہیں، جس نے رسولِ کریم ـعليه الصلاة والتسليم وعلىٰ آله واجبة التعظيم وأصحابه قابلة التكريم۔ پر قرآنِ عظیم نازل فرمایا۔ برکت آمیز اس گھڑی میں تفاسیرِ قرآن مجید کے اسما کا مجموعہ، مفسرینِ فرقان حمید کے احوال کی فہرست، رسالۂ بے نظیر، مقالۂ دل پذیر یعنی "إكسير في أصول التفسير" جس کا ہر ورق ورقِ طلا کی حیثیت رکھتا ہے اور جو طالبین کی احتیاجِ کیمیا کے لیے جملہ تفاسیر کے ملاحظے سے مستغنی کرتا ہے۔

اس کتاب کا ہر صفحہ ایک آئینے کی مانند ہے، جو ناظرین کی آنکھوں کو تمام مفسرین کے حالات کی تصویریں دکھا سکتا ہے۔ اربابِ شریعت نبوی کی آنکھ اس کے حروف کے چشمے سے چشمِ طراوت رکھتی ہے۔ اصحابِ سنت مصطفوی کا دل اس کی سطروں کی لہروں کی روانی سے سیراب ہوتا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو، جب کہ اس کتاب کے مصنف علم و فضل میں علمائے عالی وقار کے سردار اور فضلا کے سرخیل ہیں۔ میری مراد بحر مواج فتح البیان، کشافِ مقاصد القرآن، مفسر جلیل، محدث نبیل، فقیہ کبیر، اوحد شہیر، المصقع الانور، الالمعی المنور، المستمد من فیوض القدیر الباری مولانا السید ابو الطیب صدیق بن حسن بن علی الحسینی القنوجی البخاری الخاطب بنواب والا جاہ امیر الملک بہادر ـلازال اقباله بالمجد والتفاخر۔ ہیں۔

یہ کتاب ایزد منان کی رحمت کے امیدوار محمد عبدالرحمٰن بن حاجی محمد روشن دین خان اپنے برادرِ معظم محمد مصطفیٰ خان ـسقاهما الله رحيق الرحمة والغفران۔ کے تربیت یافتہ کے اہتمام و انصرام کے ساتھ مطبع نظامی واقع کانپور محرم الحرام ۱۲۹۱ھ کے اواخر میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی اور اس نے لباسِ افتخار زیبِ تن کیا۔

یادداشت

سلسلة إحياء التراث العلمي
للإمام
النواب محمد صديق حسن خان القنوجي رحمه الله

مجموعہ رسائلِ عقیدہ

(تین مجلد)

نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ
(۱۸۳۲ء — ۱۸۹۰ء)

تسہیل و تخریج

حافظ عبداللہ سلیم حافظ شاہد محمود

دار أبي الطيب
للنشر والتوزيع